

قرآنی تصور نفسیات اور اس کا اطلاق عہد جدید میں

THE QURANIC CONCEPT OF PSYCHOLOGY AND ITS IMPLEMENTATION IN MODERN ERA

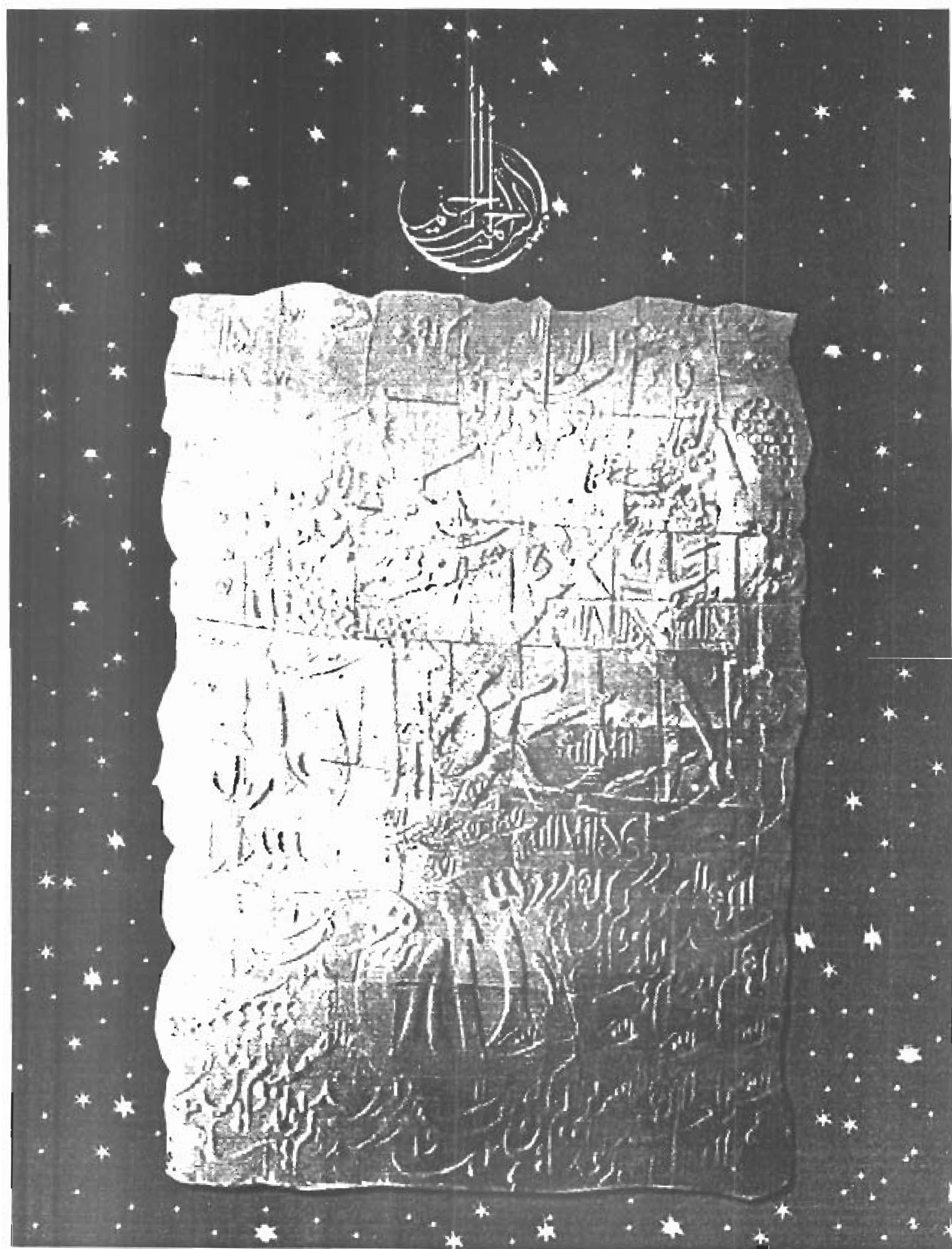
مقالہ برائے پی ایچ ڈی

نگران تحقیق
پروفیسر ڈاکٹر عبد الرشید
ڈین کلیۂ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی

مقالہ نگار
رابعہ بی بی شیخ
ایم اے اسلامیات، ایم ایڈ

کلیۂ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

جولائی، ۲۰۰۲


بسم الله الرحمن الرحيم



Phone: 9243220
9243131-7/2394

FACULTY OF ISLAMIC STUDIES
UNIVERSITY OF KARACHI
UNIVERSITY ROAD, KARACHI-75270 (PAKISTAN)

DEAN

PROF.DR.ABDUL RASHID

Dated: July 09, 2002.

CERTIFICATE

Certified that **Miss Rabia Bibi** has carried out research on the topic

"قرآنی تصور نفسیات اور اس کا اطلاق عہد جدید میں"

(Qur'anic Concept of Psychology and its Implementation in Modern Era).

For award of Ph.D. degree in Islamic Studies.

Her work is original and distinct.

(ABDUL RASHID)
Research Supervisor

Dedicate to my Lovely
Father Sh. Jaffar Ali (Late) Army Officwer (Retd.)
and
my sweet Mother Mrs. Anwari Jaffar

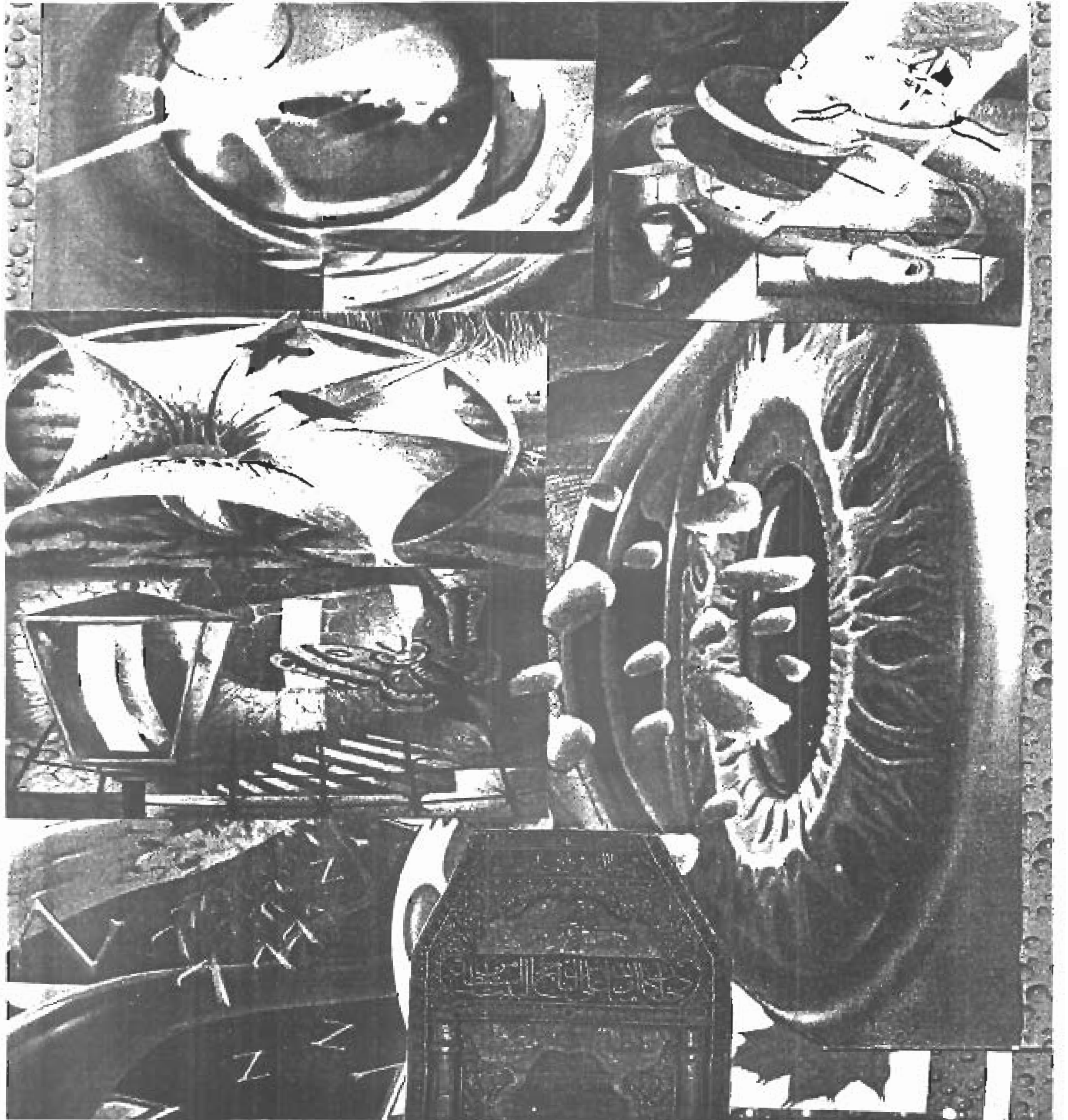


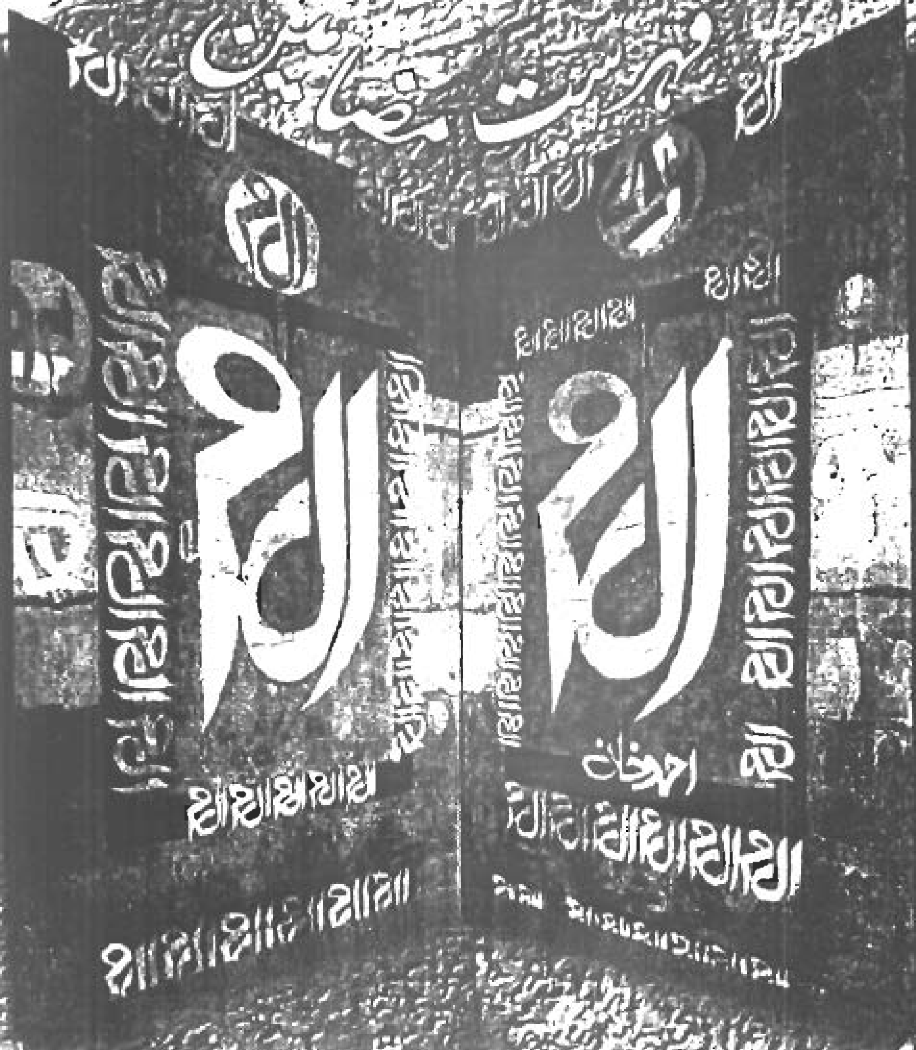
انسان معاشرے کا محتاج ہی واقع نہیں ہوا بلکہ کسی اعتبار سے مشاورت اور رہنمائی Guidance & Counseling کا بھی، علم و تحقیق کی دنیا میں بھی اس کی محتاجی عیاں ہے۔ اس لئے محقق خواہ کتنا ہی زرخیز کیوں نہ ہو انسان خود کتنی ہی محنت کیوں نہ کر لے مگر یہ حقیقت ہے کہ انسان اہل فکر اور علمی شخصیات کے تعاون، ان کی آراء نیز بزرگوں کی دعاؤں کے بغیر تحقیقی کام کی تکمیل ناممکن ہے۔ اس حقیقت کے طفیل محققہ تہہ دل سے اپنے استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب، ڈین کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی کی انتہائی شکر گزار ہے کہ جن کی بروقت رہنمائی و مشاورت اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے یہ تحقیق ممکن ہوئی۔ اس کے علاوہ ایک عظیم شخصیت جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ صاحب کی مشکور و ممنون ہوں کہ جنہوں نے اول تا آخر تک رہنمائی و معاونت فرمائی۔ اور اپنی لائبریری سے خصوصی سہولتیں فراہم کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں جناب مولانا محمد ولی رازی جو کہ وزیر برائے مذہبی امور ہیں کی بھی تہہ دل سے مشکور ہوں، نیز جناب احمد دیدات مرحوم کے شاگرد جناب شیخ محمد جو کہ کراچی میں اسلامک پراپیگیشن سینٹر کے منتظم و مہتمم اعلیٰ ہیں کی بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے قرآن کی آیات کو قرآن کے ذریعے بیان کرنے کے سلسلے میں رہنمائی فرمائی۔ علاوہ ازیں میں جامعہ کراچی کے عملہ لائبریری کے تعاون کی بھی ممنون ہوں۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مذکورہ حضرات اور ان تمام احباب کو جنہوں نے اس تحقیق میں میری اعانت فرمائی انہیں دین و دنیا دونوں میں بھلائی عطا فرمائے۔ فوز العظیم کی صورت میں نار جہنم سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

قرآن کا تصوّر نفسیات اور اس کا اطلاق عہد جدید میں

The Quranic Concept Of Psychology And Its Implimention In Modern Era




فہرست مضامین

فہرست عنوانات مع حوالہ جات وضیمہ جات

تجریدی مقالہ
ABSTRACT



بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

شروع کرتی ہوں اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تجریدی مقالہ

قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے کیونکہ وہ انسانی قیاس اور تجربوں پر مشتمل نہیں۔ کیونکہ انسانی شعور تو ابھی ارتقاء پذیر ہے اور ارتقاء پذیر شے کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ اور دوم یہ کہ ارتقاء کے لئے علم مطلق کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو کہ ہمیں مطلق علم Absolute Knowledge فراہم کرتی ہے۔ ارشادِالٰہی ہوتا ہے کہ:۔

وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھآ الّا ھوط ویعلم مافی البّر و البحرط وما تسقط من وّرقۃٍ الّا یعلمھا ولاحبّۃٍ فی ظلمٰت الارض ولارطبٍ وّ لایابسٍ الّا فی کتٰب مّبینٍ○ وھو الّذی یتوفّٰکم بالّیل ویعلم ماجرحتم بالنّھار ثمّ یبعثکم فیہ لیقضیٰٓ اجل مّسمّیً ثمّ الیہ مرجعکم ثمّ ینبّئکم بما کنتم تعملون○(۰۱)

ترجمہ:۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بھی خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ ہی کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہے۔ اور نہ ہی کوئی تر اور خشک ہے مگر وہ واضح کتاب میں ہے وہ وہی ہے جو تمہیں رات کو وفات دیتا ہے اور تمہاری ان کرتوتوں کو بھی جانتا ہے جو تم دن میں کیا کرتے ہو۔ پھر وہ تمہیں اس سے متنبہ کریگا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

تاہم انتظار شرط لازم ہے۔ اس لئے قرآن میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

سنریھم آیٰتنا فی الاٰفاق وفیٓ انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحقّط (۰۲)

ترجمہ:۔ عنقریب ہم ان کو کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا بے شک یہی حق ہے۔

لیکن ان رفعتوں تک ہم اسی وقت پہنچ سکتے ہیں جب ہم ذہنی و جسمانی، نفسیاتی و روحانی ارتقاء کی منزلیں طے کرتے چلے جائیں اور یہ منزلیں اس وقت طے ہوں گی جب ہم قرآنی علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حکمت کے گوہر تلاش کریں گے۔ اسی لئے قرآن تمام بنی نوع انسان کو اس راہ کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے کیونکہ یہی حق ہے۔ اسی لئے محققہ نے اس موضوع ''قرآنی تصورِ نفسیات اور اس کا اطلاق عہدِ جدید میں'' کا انتخاب کیا۔

میری تحقیق کی بنیاد یہی قرآنی احکامات ہیں کہ جن کی مدد سے ہمیں انسان کی غایت اور پھر اس کی نہایت کا کھوج لگانا ہے تا کہ دبیز پردوں کو ہٹا کر حقیقت کشائی کی جا سکے۔

اس تحقیق کا مقصدِ اولین یہ ہے کہ القرآن نفسیات کو کس زاویۂ سے دیکھتا ہے؟ مزید برآں دیگر مفروضات یہ ہیں:۔

۱۔ کیا قرآنی زاویۂ فکر محض نظری ہے یا عملی؟

۲۔ کیا قرآنی تصور نفسیات کا اطلاق ممکن ہے؟

۳۔ کیا فی زمانہ تغیر وتبدل کے لئے اس میں جہاد واجتہاد کی کوئی گنجائش ہے؟

۴۔ کیا یہ تصور نفسی ارتقاع کے انقلاب کا ضامن ہوسکتا ہے؟

۵۔ کیا یہ تصور آفاقی قدروں کا حامل ہے؟

مذکورہ بالا مفروضات کے جواب کے حصول کے لئے زیرنظر مقالے کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جبکہ تجریدی مقالہ، مقدمہ، اہمیت اور اختتامیہ اس کے علاوہ ہیں۔ اختتامیہ حسب روایت پانچ ابواب پر مشتمل اس پورے مقالے کا خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ آخر میں کتابیات اور ضمیمہ جات ترتیب دی گئی ہیں۔

تعاوف ابواب کے سلسلے کی پہلی کڑی یعنی پہلے باب ''انسانی نفسی کیفیات ماضی کے تناظر میں'' ہم نہ صرف تاریخ کے آئینے میں، ماہرین کی آراء کے تجزیے میں بلکہ عصر رواں کے حالات اور انتہائی کردار اور رویوں کے نتائج کو قرآن کے فطری معیار سے جانچیں گے تاکہ نفس انسانی پر فجور وتقویٰ واضح ہو جائے۔ اور وہ فطری قوانین کا ادراک کر سکے۔ اس لئے کہ انسان اپنے قیام اور اس کی وسعت سے آشنا ہو کر اس راہ پر گامزن ہو سکے جو دنیاوی واخروی دونوں لحاظ سے ترقی کی شاہراہ ہے۔ جیسے رب نے صراط مستقیم (۰۳) کہا ہے۔ کہ بلاشک وشبہ یہ تصور نہ صرف فلاح کا مؤجب ہے بلکہ جنت کے حصول کا ذریعہ بھی، یہ وہ بحر بیکراں ہے دوفیض عام ہے کہ جس سے جو کوئی چاہے منفعت حاصل کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس معرفت حق کا احساس ہی میری تحریر وکوشش کا حاصل ہے۔

جبکہ دوسرے باب میں ''کردار انسانی میں وجہ اختلاف کی نفسی بنیادوں'' کا ذکر قرآن کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں قدیم اور عصر جدید کے عقائد وتصورات کی نفسیاتی بنیادیں وضع کی گئی ہیں۔ لہٰذا حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک کے معبودان باطل کی نفسی فلاسفی اور عہد جدید پر مشتمل ایک جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ سبل متفرقہ کے پس منظر وپیش منظر کو سمجھتے ہوئے سبل السلم کی جانب رواں دواں ہوا جا سکے۔ نیز یہ کہ ۲۰ویں صدی کی مادی ترقی کے ردعمل سے مستقبل کو درپیش خطرات کے پیش نظر ۲۱ویں صدی کے انسانوں اور مسلمانوں کی نفسیات کو ایک مثبت رخ دیا جا سکے۔ چنانچہ اس طرح انسان عالمی نصیحت پر عمل پیرا ہونے کے لئے آمادہ ہوسکیں۔

تیسرے باب میں ''ماورائے کائنات مشیت الٰہی کی کارفرمائیاں'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس کا مقصد فقط یہ ہے کہ نفس انسانی جان لے کہ وہ اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوا، اسی طرح پوری کائنات کی ہر چھوٹی بڑی شے کی تخلیق میں خود اس شے کی مرضی شامل نہیں۔ لہٰذا یہی نقطۂ فکر ہے کہ مرضی صرف اسی کی لاگو ہوگی جو تمام انسانوں اور ارض وسماں کا خالق، رب اور مالک ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ اس بات کو جبراً ثابت نہیں کیا گیا بلکہ کائنات کے نظام مشیت اور اشیائے کائنات اور امر الٰہی نیز اس کی ہیئت واطلاقی اصولوں، اس کے مراحل پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ تاکہ کن فیکون کے اطلاق کا فہم وادراک کیا جا سکے۔ اور نفس انسانی یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ کن فیکون ایک حقیقت ہے باطلانہ قیاس کا

نتیجہ نہیں۔

چوتھے باب میں ''تخلیق دنیائے نفس'' اور اس کی ماہیئت، فطری و اطلاقی خصوصیات، شعبہ جات، محل وقوع تخلیق میں نفس کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس لئے تخلیق نفس کے ساتھ ساتھ اس کے ارتقاء کے نہوج یعنی قوانین کی صورت میں کائناتی اور انسانی سطح پر تجریدی ارتقاء کو بیان کیا گیا ہے۔ نیز مراحل تخلیق نفس کی منزلوں پر جس طرح سنورا اور نکھارا جا سکتا ہے اس کا ذکر تفصیلاً کیا گیا ہے۔ تاکہ فطرۃ اللہ اور فطر الناس کو سمجھا جا سکے۔ اور جبلت انسانی کو شریعت کی لگام ڈالی جا سکے۔ نیز ''تخلیق آدم اور آموزش'' فطر الناس کے حوالے سے ایک قرآنی جائزہ لیا گیا ہے تاکہ ہم نفس کی استعداد کو صحیح سمت راغب کر کے اکتساب پا کر فیض حاصل کر سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ خوف اور اس کی اقسام کو بیان ہی نہیں کیا گیا بلکہ خوف سے نجات کے تدارک اور طریقہ ہائے کار کو بھی قرآن کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ زندگی خیر وشر کی قوتوں کی کشاکش کا نام ہے۔ اس کشاکش میں ہم اس وقت ہی کامیاب ہو سکتے ہیں۔ جب نفس کے حجابات اٹھتے چلے جائیں یہاں تک کہ ہم معرفت نفس کے ذریعے معرفت حق کا ادراک کر لیں۔

پانچواں اور آخری باب جس کا عنوان ہے ''حق تخلیق انفس و آفاق کا مزاج'' کے تحت حق کا مفہوم اس کی نوعیت اور اس کا اطلاق اور اس کے اصولوں پر جامع انداز سے بحث کی ہے۔ تاکہ اس عقدہ کو کہ: نفسیاتی اعتبار سے حق پر اعتقاد کرنا کیوں ضروری ہے؟ حل کیا جا سکے۔ اس کے لئے حق کی وسعت کو قرآن کے عجائبات وغرائب اور علم وفہم کے لئے نئی جہات پر انتہائی بحث کی گئی ہے نیز حق کے مراحل کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا گیا ہے تاکہ ہر کوئی یہ جان لے کہ میں اور میری زندگی اور یہ کائنات اور اس کا نظام تماشہ نہیں بلکہ حقیقی مقصد کے حصول کے لئے رواں دواں ہیں۔ لہٰذا مقام انسانی کا تقاضہ یہ ہے کہ متعارف کی گئی صراط کی جانب تہہ دل سے امکان بھر نفسی جدوجہد کی جا سکے۔ تاکہ منزل کے حصول کو ممکن بنایا جا سکے۔ آمین ثمہ آمین۔ سچ تو یہ ہے کہ نفس اگر امکان بھر صحیح اکتساب کرتا رہے تو مقام انسانیت کو پالے گا اور مومن اگر امکان بھر اکتساب کرے تو معرفت نفس کے طفیل معرفت حق ویقین کی سطح پر پہنچ جائے گا۔ بے شک میری تحقیق کا یہی بنیادی مقصد ہے۔

اس تحقیقی کام کے لئے جس مصدر یعنی کہ قرآن کو بنیاد بنایا گیا ہے اس کی زرخیزی، مطلق صداقت اور مکمل طور پر مستند ہونے سے کوئی اہل علم انکار کر ہی نہیں سکتا۔ یہی بات قیام قیامت تک کے لئے چیلنج ہے۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللّٰه الرّحمٰن الرّحيم

In the name of Allah Most beneficient, most mercifull.

ABSTRACT

Quran is a complete code of life, because it is the Holy Book which is not based upon speculation or Human's experiences. Human mind is still in the process of evolution and has not achieved completion. Secondly to study evolution or progress we need absolute knowledge and the only book which can possibly provide is in the absolute knowledge is the Quran. Allah says in the Holy Quran;

وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها الّا هو ويعلم مافى البرّ و البحر وما تسقط من ورقة الّا يعلمها ولا حبّةٍ فى ظلمٰت الارض ولا رطبٍ ولا يابسٍ الّا فى كتٰب مّبين ○ وهو الّذى يتوفّكم باليل ويعلم ماجرحتم بالنّهار ثمّ يبعثكم فيه ليقضىٰ اجل مّسمّىً ثمّ اليه مرجعكم ثمّ ينبّئكم بما كنتم تعملون ○ (۰۱)

Translation:- "With him are the keys of the unseen, the treasures that none knoweth but He. He knoweth what ever there is on the earth and in the sea. Not a leaf doth fall But with His knowledge: There is not a grain in the darkness (or depths) of the earth nor anything fresh or dry (green or withered) But is (inscribed) in a record clear (to those who can read). It is He who doth take your souls by night, And hath knowledge of all. That ye have done by day. By day doth He raise you up again; that a term Appointed be fulfilled; In the end unto Him will be your return, Thus will show you The truth of all That ye did".

سنريهم آيٰتنا فى الآفاق وفى انفسهم حتّٰى يتبيّن لهم انّهُ الحقّ (۰۲)

Translation:- "Soon will We show them our sign in the (furthest) Regions (of the earth), and In there own Souls, Until It becomes manifest to them That this is the Truth.

To reach these heights we have to show gradual progress mentally, Physically, Psychologically, emotionally and spiritually. This is possible only when we will study the Quran and search of the Jewel of intellect and wisdom from it. Quran invites all to follow its path because this is the only Absolute Truth (Haq حق). That is why I have chosen my topic to the Quranic concept of Psychology and its implementation in Modern era."

The base of my research is Quranic inscription's احکامات, which will help us search Man's purpose غایت and his limits نہایت in order get a glear picture of the truth.

This is the basic object of my thesis to give an insight into how human. Psychology is Perceived and Presented by the Quran? And other assiemptions are"

1. Is the Qurani antle more Ideological or Practical?
2. Can Quranic Psychological ideology be implemented?
3. Is there any room for Jihad & Ijtehad in a acordance with the changing circumstances of different eras/ages?
4. Can this ideology bring a change in psychological sublimation?
5. Does this Ideology bear Universal value?

To find answers for the above assumptions I have divided my thesis into five chapter's, Alongwith Acknowledgement, Abstract, Preface, Importance اہمیت, and Conclusion, Conclusion is a summary of the whole thesis. In the end of the research work is the bibliography کتابیات, and the Index ضمیمہ جات.

In connection of introduction about chapters the formost element is "Human Psycho-analysis in Historical Perspective." We will judge historically, views of scholar's, Present circumtances and human role's attitude by the standard of the Quran to elaborate disintgration of faith and Piety فجور وتقویٰ in the human psyche نفس انسانی sense by him to understand the laws of nature and to honour the life of his stay in his world and to follow the path of wordly, eternal success and progress which is sirat-e-Mustaqeem صراط مستقیم (03). This parth is not only for success but also is a means of getting to Jannah الجنۃ. It is a vast ocean which benefits any body who wishes to benefit from it. This sense of knowing the truth معرفت حق is the fruit of my efforts and my work.

In the second chapter "The Psychological base of the conflicts in the Human behaviour" has been discussed in the light of the Holy Quran, which has resulted in different Ideologies of Present and the Past eras. Starting from the period of Hazrat Noah (P.B.U.H) and coming down to Hazrat Muhammad (S.A.W). The Psychic Philosophy of the

false idols has been viewed, so that we can get on to the right path i.e., the path of Islam and to give a positive direction to the muslims. Moreover, the study aims to positively direct the Muslims Psychology in Particular, and human Psychology in general, in the face of the growing materialization in the social and ideological scenario of the 21st century.

The 3rd chapter deals with "The Will of Allah beyond the universe in Action: "ماورائے کائنات مشیت الٰہی کی کارفرمائیاں". So that man knows that there is no will of his own involved in his creation. Nothing small or big in the universe is self created. The point to ponder is that the order will be of the Lord who is Eternal and Omnicient. This view has not been Superimposed, but the system of the universe, and everything with in its and the order of the Lord امرالٰہی and its Principles have been discussed at length, To Show that Kun-Fayakun کن فیکون is the whole truth and not just a false assumption.

In the 4th chapter "Creation of the Psychic world and the Quran", its nature, laws, implementations, characteristics, faculties and locus of the Psyche and Forms and its capacity have been explained. Psyche نفس is the foundation of creation. Abstract evolutionary Principles have been explained, universal and human level's and how they can be improved at different levels of creation, so that nature of Allah, and nature of man could be understood, and human instincts could be harnessed. The Quranic view of creation of man and his nature has also been given so that we can benefit by directing our capabilities in the right direction. Attempt has been made not to discuss the different kinds of fear rather how to rid your self of the fear's has been explained in the light of the Holy Quran. Life is a conflict between good and evil, we can overcome it and achieve sucess only be knowing our own self معرفت نفس and understanding knowledge of the Divine Power معرفت حق.

The topic of the fifth and the last chapter is that Absolute truth is the base of the psychological and the universal creation "حق تخلیق انفس وآفاق کا مزاج", in which the meaning of Haq: its nature, implementation, principles and its levels have been discussed at length to find why it is important psychologically to have faith in Haq? For this purpose the new

dimentions of the expansion of Haq have been discussed for understanding the miracles and wonders of the Holy Quran. The concept of Haq at different steps has been discussed and elaborated. so that we may know that this universe and its system is not merely spectacle. but working towards a goal. Man should keep striving with full heart and soul to straight path i.e., Sirat-e-Mustaqeem صراط مستقیم , So that attainment of this goal becomes possible آمین ثم آمین . There is no reason why man cannot attain humanity if he makes a full hearted effort. Momin, if tries his utmost, can reach divinity and conviction یقین. The fact that the latter is true is the basic object of my research.

For this research the main source i.e.. The Quran, whose fertility, Absolute Truth and authenticity can never be denied by any scholar and it is a lasting challange till the doomsday.

وما علینا الا البلاغ.

مقدمہ
PREFACE





مقدمہ

Preface

انسان کا تعلق خواہ کسی دور سے ہی کیوں نہ ہو، تلاش ذات کی حقیقت کا متلاشی رہا ہے کبھی وہ اپنے فطری جذبہ تلاش سے سرشار ہوکر اور کبھی مجبور ہوکر اپنے آپ پر غور کرتا رہا اور مزید یہ کہ اس نے کبھی کائنات کے وسیع تر پیچیدہ طلسم کو سمجھنے کی کوشش کی چنانچہ اس نظام تکوینی کو سمجھنے کے لیے اس نے کبھی عقل کا سہارا لیا تو کبھی حواس کا اور کبھی ادراک کا، جبکہ حقیقت ان ذرائع سے ماوراء ہے بہرکیف ان محدود ذرائع سے حاصل ہونے والا علم یا نتیجہ ہی انسان کی اساس قرار پایا ہے۔ یہ بات بنیادی طور پر بسا اوقات درست ثابت ہوئی یا پھر غیر درست۔ اسی لیے ہمیں ہر دور کا انسان دو حالتوں میں نظر آتا ہے۔

☆ اولاً یہ کہ انسان نے اس سلسلہ لامتناہی کے سامنے خود کو عاجز پا کر ذات مطلق کا اقرار کرلیا۔

☆ ثانیاً یہ کہ انسان نے کائنات کو دھوکہ یا تماشہ جان کر حقیقت سے روگردانی کرکے راہ فرار اختیار کرلی۔

لیکن ان دونوں صورتوں میں ایک بات قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ ہر نوع بشر میں لامحدود کو سمجھنے کی تڑپ کا ہونا نہ صرف انسانیت کی وابستگی کا سبب ہے بلکہ مذہب کی اساس اور تصور اللہ کے احساس کا ثبوت ہے اور ثانی الذکر میں اس طرح کہ وہ لامحدود کی اوصاف عالیہ کو اپنی ذات سے وابستہ کرلیتا ہے لہٰذا یہ وابستگی اس بات کی علامت ہے کہ وہ تصور اللہ رکھتا ہے اس سے فرار حاصل نہ کرسکا کیونکہ اس نے خود کو الہٰ کی جگہ فائز کرلیا مگر! انسان کی لامحدود لامتناہی کو جاننے کی آرزو اسے کبھی Cause and effect کی صورت میں الجھاتی ہے تو کبھی نفس امارہ کسی شے کو مزین کرنے کا سبب بن جاتا ہے یعنی نفسی تولید Procreation کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر انسان کی صحیح رہنمائی کیونکر ممکن ہے؟

اسکے لیے ہمیں کائنات کو بنظر غائر دیکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہے اور کسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے کسی مفروضے کو بنیاد بنانا ضروری ہے لہٰذا درج بالا مسئلے کو حل کرنے کے لیے اس مفروضے کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ:

کیا کائنات خود تخلیق کار Self Creative واقع ہوئی ہے؟ اگر ہے تو پھر نئی چیز تخلیق کرنے سے عاجز کیوں ہے؟ اگر نہیں ہے تو پھر کس کی مرضی سے چل رہی ہے؟

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شے بطور آلہ ہے اور قوت آلہ کار، ہر آلے کی کوئی علت نمائی ہے اور ہر غایت کی کوئی نہایت۔ آنکھ کہتی ہے کہ عناصر کی غایت ترکیب اجسام ہیں اس لیے عناصر سے اجسام مرکب پاتے ہیں مگر شعور اور ادراک کا کہنا ہے کہ ان اجسام کی بھی کوئی غایت ہے اور پھر ان کی نہایت۔

الغرض ہر شے خواہ وہ جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا انسان Seen ہو یا Unseen اپنی اپنی حیاتی حیثیت میں غایت رکھتے ہیں اور اپنی اپنی حدود کے مطابق اس غایت کی نہایت بھی اسلئے ہر کوئی اپنے مقصد آخریں کے حصول میں Side by Side اپنی غایت کی نہایت کیلئے سرگرداں ہیں قرآن نے اس کی تصدیق یوں فرمائی ہے کہ:۔

الم ترانّ اللّٰہ یسبّح لہٗ من فی السّمٰوٰت والارض والطّیر صٰٓفّٰتٍ کلّ قدعلم صلاتہٗ وتسبیحہٗ واللّٰہ علیمٌ بما یفعلونO(۰۴)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور اڑتا ہوا پرندہ، اللہ ہی کی تسبیح کر رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی صلوٰۃ اور اپنی تسبیح کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ ان سے خوب واقف ہے۔

درج بالا آیت اس بات کی شاہد ہے کہ کائنات کی ہر خلقت اپنی غایت اور اپنی نہایت سے واقف ہے۔ اس طرح ہر شے میں Essential Awareness جزوی طور پر شعور پایا جاتا ہے اس مفہوم کی ترجمانی قرآن نے صلوٰۃ اور تسبیح کے ذریعے کی ہے۔ تاہم لغوی اعتبار سے اس کے معنی ملاحظہ ہوں:۔

والصّلاۃ قال کثیر من اھل الّلغۃ ھی الدعاء التبریک والتمجید، والصلاۃ التی ھی العبادۃ المخصوصۃ اصلھا الدّعآء الاقامۃ تنبیھا ان المقصود من فعلھا توفیۃ حقوقھا او شرائطھا لا الاتیان بھیتھا. (۰۵)

ترجمہ:۔ صلوٰۃ کے معنی اصل میں اہل لغت کے نزدیک معاوضے تحسین وتبریک اور تعظیم کرنے کے ہیں۔ ایک عبادت مخصوصہ کا نام ہے اور اقامۃ کے ذریعے اس کو محض ہیئت مخصوصہ کے ساتھ ادا کرنا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے حقوق و فرائض کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

السبّح المرالسریع فی الماء وفی الھواء والتسبیح تنزیہ اللّٰہ تعالیٰ أصلہ المرّہ السّریع فی عبادۃ اللّٰہ تعالیٰ. (۰۶)

ترجمہ:۔ سبح کے معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری سے گزر جانے کے ہیں۔ التسبیح کے معنی تنزیہ الٰہی بیان کرنا ہے اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا کے ہیں۔

اس طرح چونکہ صلوٰۃ کے معنی وحی کے دیئے گئے پروگرام پر عمل کرنا اور قوانین خداوندی کا اتباع کرنے کے ہیں اور تسبیح کے معنی امکان بھر جدوجہد کرنا اور اطاعت میں مستعد رہنا کے ہیں طوعاً کرھاً اس طرح صلوٰۃ وتسبیح سے مراد ہے کہ کائنات کی ہر شے اپنی ایک فطری جبلت رکھتی ہے اور ان ہی دوائر میں اپنی جدوجہد جاری رکھتی ہے تاکہ مقصد کا حصول اور منزل تک پہنچا جا سکے یہی روز وشب کا مشاہدہ ہمیں بتاتا ہے کہ اسی لیے کائنات میں تصادم نہیں، فساد نہیں، یہی بات خالق کائنات کے ہونے کا پتہ دیتی ہے اسی ہستی کے پروگرام کی بدولت ہی ہر شے اپنے مقصد کے حصول کے لیے پیہم رواں دواں نظر آتی ہے رہی بات نفسی دلیل کی، تو ہم جانتے ہیں کہ ہر نفس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جس بات کا ارادہ کرے وہ یکدم پوری ہو جائے یا پھر کسی ہستی کی مدد سے ایسا ہو جائے دیکھا یہ گیا ہے کہ اس فطری طلب سے کوئی نفس محروم نہیں یہی حقیقت قادر مطلق کے ہونے کی دلیل ہے اس طرح ہر نفس میں اقرار رب اور اس کی جستجو ودیعت کی گئی ہے صلوٰۃ وتسبیح کی صورت میں جیسے پرندہ ہوا میں اڑ کر، انسان زمین پر چل کر، پانی نشیب کی طرف بہہ کر، چاند

روشنی پھیلا کر اور سورج اپنی تمازت پہنچا کر اسی رب العزت کی اطاعت میں مستعد نظر آتے ہیں۔ ہر نفس کا اپنے دائرہ میں رہنا اس بات کا ثبوت ہے کہ طوعاً اور کرھاً ہر شے اللہ ہی کو سجدہ ریز ہے تب ہی فرمایا۔

وللّٰہ یسجد من فی السّمٰوٰت والا رض طوعاً و کرھاً ظللھم بالغدوّ والا صال ○ (۰۷)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے بخوشی یا بالجبر اللہ ہی کیلئے سجدہ ریز ہے اور انکے سائے بھی صبح و شام۔

مذکورہ آیت میں سائے کا ذکر بطور نصیحت کیا گیا ہے کیونکہ سایہ ہمیشہ سجدہ ریز ہوتا ہے اور دوم یہ کہ صبح کے بعد شام کا آنا ایک قائم کرنے والے کی علامت کا ثبوت ہے لہٰذا یہ بات اس بات کی شاہد ہے کہ خواہ کافر ہو یا مومن سب اللہ ہی کو سجدہ ریز ہیں اسی حقیقت کی وسعت کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون ○ (۰۸)

ترجمہ:۔ اور نہیں تخلیق کیا میں نے جنّوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یعنی ہر پوشیدہ مخلوق اور انسان ہر ایک کو اللہ نے عبادت کیلئے تخلیق کیا ہے سو اس فطرت سے فرار ممکن نہیں اسی لیے نہ تو تصور الٰہ من گھڑت ہے اور نہ ہی مذہب ڈھونگ یا فریب ہے لہٰذا وہ اپنی نفسی کیفیت سے انکار نہیں کر سکتے کیونکہ ہر نفس میں اقرار رب ودیعت کیا گیا ہے آیت کریمہ سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ اقرار ازلی ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

واذاخذ ربّک منۢ بنیٓ ادم من ظھورھم ذرّیتھم واشھدھم علیٰ انفسھمۚ الست بربّکمۖ قالوا بلیٰۛ شھدناۛ ان تقولوا یوم القیٰمۃ انّا کنّا عن ھذا غٰفلینۙ○ او تقولوٓا انّما اشرک اٰباؤنا من قبل و کنّا ذریۃ منۢ بعدھمۚ افتھلکنا بما فعل المبطلونۚ○ و کذٰلک نفصّل الاٰیٰت و لعلّھم یرجعون○ (۰۹)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ ٹھہرایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا بے شک ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ مبادا تم قیامت کے دن کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے یا تم یہ کہو کہ پہلے ہمارے آباء نے شرک کیا اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے تو کیا تو ہمیں بسبب اس روش کے جو بیکار غلط کاروں نے اختیار کی ہلاک کر دے گا؟ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں کہ شاید کہ وہ رجوع کریں۔

یہ فطری و ازلی حقیقت ذات کے شعور کی اساس ہے جو کہ اخلاقی احساس کی ضامن ہے نیز اسے دوسرے حیوانات سے ممیّز اور ممتاز کرتی ہے اسی لیے قرآن کہیں کرّمنا بنیٓ ادم (۱۰) کہہ کر فضیلت بخشتا ہے اور کہیں انّی جاعل فی الارض خلیفۃً (۱۱) کے مقام Status سے نوازتا ہے اور یوں اس مقام پر غایت حیات منفرد و ممتاز قرار پاتی ہے یعنی انسان کی غایت حیات کا مقصود تکملہ انسانیت ہے لیکن یہ تو غایت کا آغاز ہے سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ!!!اس غایت کی انتہا کیا ہے؟

اس سوال کے جواب کے لیے ہمارے سامنے دو راستے ہیں:۔ ایک تو یہ کہ کسی فرد کی خام خیالی پر بھروسہ کیا جائے۔ دوم یہ کہ خالق حقیقی کی جانب رجوع کیا جائے۔

پہلا راستہ اکتسابی ہے، اور دوسرا راستہ غیر اکتسابی یعنی نبوت رسالت، اس طرح پہلا راستہ جانبدارانہ اور دوسرا راستہ غیر جانبدارانہ قرار پاتا ہے، اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اول الذکر محض قیاس اور مؤخر الذکر کا ذریعہ وحی Revealed Knowledge ہے اس میں کونسا راستہ حقیقی ہے اور کونسا غیر حقیقی ؟

اس بات کا فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں اس نہج پر سوچنا ہوگا کہ کیا ہم خود بخود پیدا ہو گئے؟

کیا ہم پیدا ہونا چاہتے تھے کیا ہماری پیدائش میں ہماری مرضی کا عمل دخل ہے؟

ذہن میں ابھرنے والے ان سوالوں کا جواب انتہائی غور وفکر کے بعد ہم No نہیں میں پاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہمارا خالق بھی وہی ہے جو اس کائنات کا خالق ہے لہذا یہ سارا ترتیب شدہ پروگرام اسی خالق کا تخلیق کردہ ہے لہذا ہماری غایت حیات کا مقصود اور منتہا بھی اسی نے ترتیب دیا ہے یعنی وہی اول وہی آخر (۱۲) اور اس ترتیب اور پروگرام کو جاننے کے لیے ہمیں قرآن کی طرف رجوع کرنا ہوگا کیونکہ وہ انسانی قیاس یا تجربوں پر مشتمل نہیں کیونکہ انسانی شعور تو ابھی ارتقاء پا رہا ہے اور ارتقاء پانے والی چیز کبھی مکمل نہیں ہوتی اور دوم یہ کہ ارتقاء کے لیے علم مطلق کی ضرورت ہوتی ہے قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو کہ ہمیں Absolute Knowledge فراہم کرتی ہے اسلئے ہم یہ دیکھیں گے کہ:۔

What The Quran Says about Al-Insan?

حقیقت تو یہ ہے کہ الانسان القرآن کا موضوع خاص ہے اس کا اندازہ درج ذیل آیات سے ہم بخوبی لگا سکتے ہیں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لقد انزلنآ الیکم کتبًا فیه ذکرکمؕ افلا تعقلون ۝ (۱۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے۔

ولقد ضربنا للنّاس فی هٰذا القرآن من کلّ مثلٍ لعلّهم یتذکرون ۝ (۱۴)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کیں ہیں شاید کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

اور کہیں یہ فرمایا کہ:۔ اور انسانی فکر وادراک کو وسعت دینا چاہی تو فرمایا:۔

وماهی الاّ ذکرٰی للبشر ۝ (۱۵) ان هو الاّ ذکرٰی للعالمین ۝ (۱۶)

ترجمہ: اور یہ تو صرف بشر کیلئے ایک نصیحت ہے ترجمہ: یہ تو بس عالمین کیلئے ایک نصیحت ہے۔

اور یہ بات کہکر تو بات ہی تمام کردی کہ:۔

اولم یکفھم انّآ انزلنا علیک الکتٰب یتلٰی علیھمؕ انّ فی ذٰلک لرحمۃً وّ ذکرٰی لقومٍ یّؤمنون ۝ؑ (۱۷)

ترجمہ:۔ کیا یہ ان کیلئے کافی نہیں کہ بلاشبہ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جو کہ ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس میں ایمان والے لوگوں کیلئے رحمت اور نصیحت ہے۔

اور جب بات ہوئی رفعت نفس کی تو حقیقت کچھ یوں منکشف ہوئی اور چہار سو چیلنج بن کر قیامت تک کیلئے چھا گئی جب قرآن میں باری تعالٰی نے یہ فرمایا کہ

ولذکر اللّٰہ اکبرؕ (۱۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ کا ذکر تو یقیناً سب سے بڑھ کر ہے۔

آج جو ذکر ہمیں ہماری سوچ کے انتشار سے، مادہ پرستی اور شہرت و اقتدار کے خوف سے، جھوٹے دعوؤں کی دلدل سے، تعصبات کی بھرمار سے، خواہشات کے تختہ دار سے، قیاسی تصورات کے سراب سے روح کو زخمی ہونے سے جہالت کے اندھیروں سے نیز نفسوں کی پستی سے اگر کوئی ذکر ہمیں ارتفاع Sublimation کی طرف لے جا سکتا ہے تو وہ صرف فکر اکبر ہے۔ ارتفاع سے مراد ہے:۔

A feeling brought about by objects that are infinitely large or vast or overwhelmingly powerfull. (19)

لیکن ان بلندیوں تک ہم تب ہی پہنچ سکتے ہیں جب ہم ذہنی وجسمانی، نفسیاتی وجذباتی اور روحانی ارتقاء کی منزلیں طے کرتے چلے جائیں اور یہ منزلیں اس وقت طے ہونگیں جب ہم قرآنی علم کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حکمت کے گوہر تلاش کریں گے اسی لیے قرآن تمام بنی نوع انسان کو اس راہ کو اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے:۔

سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق و فی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحقّؕ (۲۰)

ترجمہ:۔ عنقریب ہم ان کو کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے حتی کہ ان پر واضح ہو جائے گا بے شک یہی حق ہے۔

درج بالا آیت میں قرآن فکر و ادراک، مشاہدے و تجربے اور روحانیت کے سوتوں کو پھوٹنے کی تلقین ہی نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے دو گھاٹ مقرر کرتا ہے تاکہ اہل علم ہوں یا اہل عقل، اہل ذکر ہو یا اہل فکر، اہل ایمان ہو یا فقط اہل بشر میں سب کے سب اس بحر بیکراں سے اس خیر کثیر سے سیراب ہی نہیں بلکہ مالا مال ہو جائیں اسلئے ہر خاص و عام کیلئے انفس و آفاق جیسے نہج مقرر کرتا ہے جو کہ بظاہر دو علوم کی دعوت یعنی علم الا فاق اور علم النفس کو ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں علوم کے سرچشموں سے ایک تیسرا علم انسانی فکر و ادراک کے پردے پر نمودار ہوتا ہے اور وہ ہے علم الروح۔ (ضمیمہ جات نمبرا کی شکل نمبرا، صفحہ نمبر XXIV پر ملاحظہ ہو) لیکن ہماری بحث کا مرکز علم النفس ہے۔ تاہم ان

علوم کی معرفت کے دو طریقے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱) خارجی مشاہدہ External Observation

۲) باطنی مشاہدہ Internal Observation

اوّل الذکر سے مراد علم الافاق ہے اور

موخر الذکر سے مراد علم النفس ہے یعنی باعتبار جسمانیت، باعتبار نشو ونما Growith باعتبار احساس وحرکت و ارادی، بلحاظ انسانیت اور بلحاظ انسانیت کے متعلق جاننا۔(۲۱)

ان مشاہدات سے حواس ومشاعر اور عقل وفکر کو ہدایت ملتی ہے اسلیئے اس عمومی دعوت حق سے کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ القرآن کا یہ حکیمانہ انداز اور علم تمام قسم کی ترقیوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ نیز جہاد واجتہاد کی قوتوں کو فی زمانہ بیدار کر کے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ انسان اپنی گم گشتہ ذات کی حقیقت کو پاکر معرفت حق کی منزل پر پہنچ جائے کیا یہ واقعی ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کیسے؟ اور کیوں؟

یہی اس تحقیق کا مقصد اولین ہے کہ "القرآن" نفسیات کو کس زاویہ سے دیکھتا ہے؟ اور مزید برآں یہ کہ:۔

۱﴿ کیا قرآنی زاویہ فکر محض نظری ہے یا عملی؟

۲﴿ کیا قرآنی تصور نفسیات کا اطلاق ممکن ہے؟

۳﴿ اس زاویہ نگاہ الٰہی کے اطلاق کی اساس کیا ہے؟

۴﴿ کیا ہر زمانہ میں تغیر وتبدل کے لئے اس میں جہاد واجتہاد کی کوئی گنجائش ہے؟

۵﴿ نفسیات کی بنیاد جہاد واجتہاد کا ایوان وحی الٰہی یا خواہش نفس و مادی علوم؟

۶﴿ کیا یہ تصور نفسی ارتفاع کے انقلاب کا ضامن ہو سکتا ہے؟

۷﴿ کیا یہ تصور فقط امت مسلمہ کے لیئے ہے یا کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے؟

مقصد آخریں یہ ہے کہ

کیا یہ تصور آفاقی قدروں کی انتہاؤں کا حامل ہے؟

ان سوالوں کے جواب کے لیے نہ صرف فلسفہ غایات Teleology (22) کی بنیاد پر جائزہ لیا جائے گا بلکہ باعتبار علم الوجود Ontology (23) یعنی علم حقیقت الاشیاء اور علمیات Epistemology (24) یعنی علم انسانی کے ذرائع اور مواد کے علم کے تحت اور فارمالزم (25) Formalism یعنی کسی امر یا شے کی اصلیت و مائیت سے متعلق ضابطہ، اور علم معنویات ونظریہ کلیت (26) .Semisiology/Sementic Holism نیز جذباتیت Emotivism (27) یعنی اپنے آپ پر جبر وتشدد کرنا اور فلسفہ شک پرستی ولاادریت Skepticism (28) الغرض فلسفہ نسبتیت Relativisim (29) اور فلسفہ معروضیت Objectivism (30) کی بنیادوں اور اصولوں کے تحت بحث کی جائے گی اور خاص طور پر طبعیات Physics (31)، حیاتیات (32) Biology اور بالخصوص وبالضرور نفسیات (33) Psychology کے نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

لیکن! حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دینے والی کتاب مبین (۳۴) یعنی کہ القرآن حکیم والفرقان مجید سے علم کو بنیادی اہمیت حاصل ہوگی کیونکہ یہ ارض وسماں میں پائی جانے والی وہ کتاب ہے جو آفاقی قدروں کی حامل ہے بلکہ یہی علوم کو پرکھنے کا حقیقی معیار بھی ہے شاید ہمیں اس کے طفیل معرفت نفس اور معرفت الٰہی کا ادراک ہو سکے۔


اہمیت
IMPORTANCE

اہمیت

IMPORTANCE

انّ الذین کفروا بالذّکر لمّا جآء ھمۚ و انّه لکتٰب عزیز○ لّایاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفهٖؕ تنزیل مّن حکیمٍ حمیدٍ○ ما یقال لک الاّ ماقد قیل للرّسل من قبلکؕ انّ ربّک لذو معفرۃٍ وّ ذو عقاب الیم○ (۳۵)

ترجمہ:۔ بالتحقیق وہ لوگ جو الذکر کا انکار کرنے والے ہیں جبکہ وہ ان کے پاس آ چکا ہے حالانکہ بلاشبہ وہ ایک زبردست نوشتہ ہے کہ باطل اس کے آگے سے یا اس کے پیچھے سے اس کے قریب نہیں بھٹک سکتا وہ دانائے کل لائق حمد کی طرف سے نازل کردہ ہے تجھ سے تو بس وہی کچھ کہا گیا ہے جو کہ تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا تھا بے شک تیرا پروردگار صاحب مغفرت اور دردناک عذاب دینے والا ہے۔

علم عمل کیلئے مہمیز ہوتا ہے بالکل اسی طرح کہ جیسے تصور کی آنکھ کے راستے تجریدی اشیاء قلب میں حقیقت کا روپ دھار لیتی ہیں اور پھر ذہن پر اس طرح نقش ہو جاتی ہیں کہ مٹانا چاہو بھی تو نہیں مٹتیں، بھلانا چاہو تو نہیں بھولتیں اور اگر ان سے پیچھا چھڑانا چاہو تو چھوٹتا نہیں یہ سب کیا ہے اور کیونکر ہے؟

عہد الست سے لے کر آج تک کا سفر ہمیں یہی درس دیتا نظر آتا ہے کہ وجود انسانی اور نفس کا تعلق ازلی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

یایھا النّاس اتّقوا ربّکم الّذی خلقکم من نّفس وّاحدۃٍ وّ خلق منھا زوجھا وبثّ منھما رجالا کثیراً ونسآءًۚ (۳۶)

ترجمہ:۔ اے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں نفس واحدۃ سے خلق کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔

ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہی نفس Psyche کا مظہر Phenomenon ہے یعنی جتنا قدیم انسان اتنا ہی قدیم اس کا نفس ہے اور یوں پہلا اور قدیم علم ''علم نفسیات'' (37) Psychology ہی ہوا اس طرح نفس کسی نئے تعلق کا نام نہیں اور نہ ہی نفسیات کسی جدید علم کا اس اعتبار سے نہ صرف اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے بلکہ انسان کی علمی وفکری عملی وتجربی دنیا کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار بھی اس نفس پر ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

قد افلح من زکّٰھا○ؕ وقد خاب من دسّٰھا○ (۳۸)

ترجمہ:۔ بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اسے پاک کیا اور بے شک نامراد وہی ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

تاہم آج حالات وواقعات سے حاصل ہونے والے نتائج اس بات کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ نفس کو جاننا اور لگام دینا ضروری ہے نفس کو جاننا اس وقت ممکن ہے جب نفس سے متعلقہ علم مطلق ہو۔ اور لگام دینے کے لیے ضروری ہے

کہ مطلق علم پر ایمان لایا جائے اور ایمان اس وقت کامل ہوتا ہے جب یقین کا پیرہن اوڑھ لے اور یہ سب کچھ اس وقت ممکن ہوتا ہے جب نفس کے سامنے چار سو بکھرے ہوئے دلائل وشواہد ہوں، اسی اہمیت کے پیش نظر تو اللہ نے فرمایا ۔

وفی الارض ایٰت لّلموقنین ۝ وفی انفسکم ؕ افلا تبصرون ۝ (۳۹)

ترجمہ:۔ اور روئے زمین میں یقین رکھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔

ہر نفس یہ جانتا ہے کہ لمحات کے مجموعے کو زندگی کہتے ہیں، اور یہ کہ ہرگز را ہوا لمحہ پلٹ کر نہیں آتا، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ زندگی صرف ایک بار ملتی ہے مگر انسان یہ نہیں جانتا کہ اس زندگی کی رعنائیوں کا مزہ کیسے لوٹے لمحہ کو امر کیسے کرے اور کیونکر کرے؟ چنانچہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:۔

- انسان کو فکر وعمل کے لیے ایک جانب تو مطلق علم کی ضرورت ہے یعنی ایک فطری دین کی۔
- دوسری جانب اس مطلق علم یعنی کہ فطری دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔
- تیسری جانب یقین کی منزل پر پہنچنے کیلئے علم پر تدبر وتفکر، تجربہ وتحقیق، مشاہدہ وبصیرت، جہاد واجتہاد کی منزل سے گزرنا ضروری ہے۔
- چوتھی جانب ان تمام تحقیقات سے حاصل شدہ نتائج کے لیے ایک معیار کی ضرورت ہے۔

جہاں تک اول الذکر کی بات ہے تو قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ تمام انسانیت کا دین ایک ہی ہے اور وہ اللہ کی پاک و پاکیزہ فطرت ہے جس کہ جن پر انہیں فطر کیا گیا لہٰذا ہر طالب حق پر لازم ہے کہ وہ اپنی فطرت پر غور کرے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فاقم وجهک للدّین حنیفاً ؕ فطرت الله الّتی فطر النّاس علیها ؕ لاتبدیل لخلق الله ؕ ذٰلک الدّین القیّم ۙ ولکنّ اکثر النّاس لایعلمون ۝ (۴۰)

ترجمہ:۔ پس تو اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ کرے اللہ کی فطرت جس پر انسان کو فطر کیا گیا اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو نہایت درست دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے ناآشنا ہے۔

جہاں تک ثانی الذکر کی بات ہے تو اقرار رب ہماری فطرت میں داخل ہے اور ہمارا نفس اس پر گواہ مقرر ہے وہ اس طرح کہ ہر نفس کی یہ فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ جو چاہے وہ فوراً ہو جائے یا کسی کے طفیل اس کی خواہش پوری ہو جائے کوئی نفس اس روئے زمین پر اس فطری قدرت سے محروم نہیں قرآن میں اس کا ذکر کچھ اس طرح آیا ہے کہ۔

واذ اخذ ربّک من بنیٓ اٰدم من ظهورهم ذرّیّتهم واشهدهم علیٰ انفسهم ۚ الست بربّکم ؕ قالوا بلیٰ ۛ شهدنا ۛ (۴۱)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو لیا اور انہیں ان کے نفسوں پہ گواہ ٹھہرالیا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا بے شک ہم اس کی شہادت دیتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ اسکا جواب یہ ہے کہ

God is the Cause of All Causes and the Ultimate Cause of All Existence (42)

هو الاوّل والاٰخر والظّاهر والباطن (۴۳)

ترجمہ:۔ وہی اول ہے اور وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔

نہ صرف یہ کہ وہی ابتدا ہے اور وہی انتہا بلکہ وہی ظاہر ہے Outer appearance اور وہی باطن Inner Reality ہے اور انسان کا یہ حال ہے کہ وہ خالق تو بن نہیں سکتا لہٰذا صفات الٰہیہ کو اپنانے اور اس سے متصف ہونے کا خواہاں رہتا ہے اس خواہش کا اظہار دو صورتوں سے ہوتا ہے ایک حق اور دوسری باطل۔ اس میں بہترین صورت یہ ہے کہ قلب قبول حق کی استعداد کی صلاحیت کا حامل اور خواہاں ہوں تب ہی نفس مستحکم ہو کر ایمان جیسے شرف سے مشرف ہو سکے گا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والّذین امنوا و عملوا الصّٰلحٰت و امنوا بما نزّل علٰی محمّدٍ وّ هو الحقّ من رّبّهم کفّر عنهم سیّاٰتهم و اصلح بالهم ○ (۴۴)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے اور اس پر بھی ایمان لائے جو کہ محمد پر نازل کیا گیا اور جو یقیناً ان کے رب کی طرف سے حق ہے تو اس نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کی حالت کو سنوار دیا۔

چونکہ ہمیں فطرت کے موافق چلنے کے لیے اسی اٹل قانون کی ضرورت ہے جسے وحی الٰہی، فطرۃ اللہ، مطلق ہدایت، مطلق سچائی، مطلق علم سے تعبیر کرتی ہے وہی اللہ ہمیں سنوار سکتا ہے اور کلام کا مؤ جب بن سکتا ہے اسی بات کی ضمانت مذکورہ بالا آیت میں اللہ نے بزبان قرآن فراہم کی ہے لیکن وہ کہ جس کی ضمانت رب نے نہ دی ہو اس پر قطعاً ایمان نہیں لانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ حق کے علاوہ ہے موافق نہیں۔

رہی بات ثالث الذکر کی تو یقین کی منزل پر پہنچنے کے لیے علم پر تدبر و تفکر تجربہ و تحقیق، مشاہدہ و بصیرت جہاد و اجتہاد کی منزل سے گزرنا ضروری ہے اس سے شبہات کا ازالہ ہوتا ہے انسان تزلزل پاء کی منزل سے ترغیب پا کر یقین کی منزل پر پہنچ جاتا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

افلا یتدبّرون القراٰن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیه اختلافاً کثیرا ○ (۴۵)

ترجمہ:۔ اور کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟ اور اگر وہ غیر اللہ طرف سے ہوتا تو بے شک اسمیں بہت اختلاف پاتے۔

لقد انزلنآ الیکم کتٰباً فیه ذکرکم افلا تعقلون ○ وکم قصمنا من قریةٍ کانت ظالمةً وّانشانا بعدها قوماً اٰخرین ○ (۴۶)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟ اور کتنی ہی ظالم بستیوں کے ہم نے پرخچے اڑا دیئے اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا۔

اور جہاں تک موخر الذکر کی بات ہے کہ کن تحقیقاتی نتائج کو درست قرار دیا جائے اور کن نتائج کو غیر درست، تو اس کے لیے ایک معیار کی ضرورت ہے اور وہ معیار ہے قرآن حکیم اور رسول اور اولی الامر جو حقیقت کا اعتراف یقین کی سطح سے کرتے ہیں کیونکہ اللہ کی آیات میں اختلاف نہیں ہے تاہم انسانی عقل کی کم مائیگی ضرور ہے مگر اہل ذکر ان لوگوں سے وراء ہیں اسی لیے سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً ○ واذا جآء ھم امرمّن الامن اوالخوف اذاعوابہٖ ولوردّوہ الی الرّسول والٰی اولی الامر منھم لعلمہ الّذین یستنبطونہٗ منھم ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہٗ لا تّبعتم الشّیطٰن الاّقلیلاً ○ (۴۷)

ترجمہ:۔ اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو بے شک وہ اس میں بہت اختلاف پاتے اور جب کوئی معاملہ انہیں امن یا خوف کا درپیش ہوتا ہے تو اس کی تشہیر کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول کے اور اپنے میں سے اولی الامر کے سامنے پیش کر دیتے تو ان میں سے تحقیق کرنے والے لوگ اس کی حقیقت کو جان لیتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو سوائے معدودے چند کے تم شیطان کی پیروی کرتے۔

ایک اور جگہ اس معیار کو ایک خاص لقب فرقان کہکر متعارف کرایا جا رہا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

تبٰرک الّذی نزّل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیراً ○ (۴۸)

ترجمہ:۔ بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کی تاکہ وہ عالمین کیلئے متنبہ کرنے والا ہو۔

بلاشبہ فرقان حمید ہمارے لیے کسی نعمت کبریٰ سے کم نہیں کیونکہ یہی وہ معیار ہے کہ جس پر حق و باطل کو جانچا جا سکتا ہے بصورت دیگر ہم اندھے ایمان Blind Faith کو ہی اپنے لیے کافی سمجھ رہے ہوتے گو کہ سمجھانے کے باوجود آج بھی مسلمانوں کی اکثریت Blind Faith ہی رکھتی ہے مگر اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ہماری بخشش کیلئے اس معیار کو حجت بنا دیا اسی بات کا ذکر قرآن اس طرح فرما رہا ہے کہ:۔

یٰٓایّھا الّذین امنوآ ان تتّقوااللہ یجعل لّکم فرقاناً وّیکفّر عنکم سیّاٰتکم ویغفرلکم واللہ ذوالفضل العظیم ○ (۴۹)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں فرقان کی نعمت عطا کرے گا اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا صاحب فضل ہے۔

یہ خصوصیت ان بندوں میں ہوتی ہے جو رحمٰن کو بن دیکھے ڈرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن سائنس کے خلاف ہے بلکہ قرآن تو رحمٰن کے بندوں کی خصوصیت بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ تمام تحقیقات اور تجربے و مشاہدہ کو فطری و سائنسی انداز میں پرکھنا شرط یقین ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والّذین اذا ذکّروا باٰیٰت ربّھم لم یخرّوا علیھا صمّاً وّعمیاناً ○ (۵۰)

ترجمہ:۔ اور وہ کہ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں

گر پڑتے۔

رحمٰن کے بندوں کی خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ تحقیق تجربے سے حاصل ہونے والے نتائج کو وہ آنکھ بند کر کے تسلیم نہیں کرتے۔ان کا تو عالم یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات پر بھی اندھے اور بہرے ہوکر نہیں گرتے۔القرآن اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرماتا ہے کہتا ہے کہ:۔

ولقد ارسلنا نوحاً وّ ابرٰهيم وجعلنا فى ذرّيتهما النّبوّة والكتٰب فمنهم مّهتدٍ ج و كثير مّنهم فٰسقون ○ ثمّ قفّينا علىٰٓ اٰثارهم برسلنا.(۵۱)

ترجمہ:۔ اور بالتحقیق ہم نے نوح کو اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان کی ذریت میں نبوت اور کتاب قرار دی پس ان میں سے کچھ ہدایت یافتہ ہیں مگر ان کی اکثریت نافرمانوں کی ہے پھر ان ہی کے نقش قدم پر ہم نے یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے۔

یعنی معیار وہی رہا اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں۔لہٰذا رسول بدستور دعوت حق دیتے رہے تا کہ ہر کوئی جان لے کہ:۔

لقد ارسلنا رسلنا بالبيّنٰت وانزلنا معهم الكتٰب و الميزان ليقوم النّاس بالقسط ج وانزلنا الحديد فيه باس شديد وّ منافع للنّاس و ليعلم الله من يّنصرهٗ و رسلهٗ بالغيب ط انّ الله قوىّ عزيز ○ (۵۲)

ترجمہ:۔ بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کا نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اور ہم نے لوہے کو نازل کیا جسمیں لوگوں کیلئے شدید ضرر رسانی اور سودمندی ہے اور تا کہ اللہ جان لے کہ کون بن دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے بے شک اللہ زبردست قوت والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ رسول کی دعوت فقط جز وقتی نہیں، بلکہ کل وقتی یعنی قیام قیامت تک کیلئے ہے تا کہ ہر کوئی اپنے نفس کو جاوداں Immortial Psyche بنا سکے لیکن کیا کیجئے جب انسان اپنے نفس کو جامد بنا لے تو ایسے لوگوں سے اللہ کچھ یوں مخاطب ہوتا ہے کہ:۔

ومالكم لا تؤمنون بالله ج والرّسول يدعوكم لتؤمنوا بربّكم وقد اخذ ميثاقكم ان كنتم مّؤمنين○ هوالّذى ينزّل علىٰ عبده اٰيٰتٍ بيّنٰتٍ لّيخرجكم من الظّلمٰت الى النّور ط وانّ الله بكم لرءوف رّحيم○ (۵۳)

ترجمہ:۔ اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔حالانکہ الرسول تو تمہیں تمہارے رب پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہی رہتا ہے اگر تم ایمان والے ہو تو بے شک اس نے تم سے پکا عہد لے رکھا ہے اور وہ وہی ہے جس نے اپنے بندے پر واضح نشانیاں نازل کیں تا کہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نکال کر نور کی جانب لے آئے اور بلاشبہ اللہ تمہارے لیے مشفق ورحیم ہے۔

لیکن اس انسان کا کیا کیا جائے کہ جو حیات جاودانی کے مزے ہی نہ لوٹنا چاہے جو ایمان جیسے حسن سے واقف نہ

ہواور جو یقین کی لذت سے آشنا نہ ہو جو تقویٰ کی خوشبو سے محروم رہے ایسے قلب کا کیا کیجئے جو ذکر الٰہی سے محروم ہو پھر کیوں نہ اس پر عدم اطمینان کا Un Satisfied Complex کا نزول ہو۔ جس کی ملحقہ بیماریاں Tension, Complex اور Depression ہیں جن کی تعریفات درج ذیل میں ملاحظہ کیجئے:۔

Complex: The term is usually used of repressed and maladaptive patterns of wishes (54)

Tension: (1) Muscular tension (hypertension: Increased tension), hypotension: (reduced tension), (2) Condition of an organizm: restlessness. tenseactivity, (3) Emotional Condition resulting from unsatisfied needs or blocked desires. (55)

Depression: A state of extreme dejection, usually to concentrate, lack of interest in the world, feeling of guilt and helplessness and the beliefs that nothing can be done to ameliorate the condition and that it will l ast for ever , it is also often accompanied by cassitude and slowness of movment, through some depressive are extremly agitated and anxions. (56)

ان مذکورہ بیماریوں کا نتیجہ مایوسی، تنہائی Isolation اور خودکشی Sucide بھی ہوسکتا ہے مطلب یہ کہ مصیبت در مصیبت کے سوا کچھ نہیں اسی لیے قرآن کہتا ہے کہ:۔

ان لاَ تعبدو آ الاّ اللہؕ انّی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ○ (۵۷)

ترجمہ:۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بلا شبہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر دکھ دینے والے دن کا عذاب آ پڑے گا۔

یہ وعید سنانے کے بعد ایک جگہ نفس پر ظلم کرنے والوں سے اللہ یوں گویا ہوتا ہے کہ:۔

ومن اظلم ممّن افترٰی علی اللہ کذبا او کذّب بالحقّ لمّا جآءہٗؕ الیس فی جھنّم مثوًی للکٰفرین○ والّذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلناؕ وانّ اللہ لمع المحسنین ○ع (۵۸)

ترجمہ:۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے یا حق کی تکذیب کرتا ہے جبکہ وہ اس کے پاس آ چکا ہو کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے اور وہ لوگ جو ہم میں جہاد کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہ پر لا ئینگے اور بے شک و بالیقین اللہ تو احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ نے تمام مردوں اور عورتوں یعنی کہ انسانوں کو نفس واحدۃ (۵۹) Single Psyche سے تخلیق کیا ہے اور پھر دلائل و شواہد بھی ایک ہی قسم کے تو پھر دو نفوس پر اثرات مختلف کیوں؟ اس سوال کا مختصر جواب تو یہ ہے کہ:۔

وما یستوی الاعمیٰ والبصیرﻻ ۵ (۶۰)

ترجمہ:۔ کیا اندھا اور سو انکھا برابر ہو سکتے ہیں۔

اور تفصیلی جواب یہ کہ یقیناً کچھ نفسیاتی کیفیات اختلاف کا سبب رہی ہونگیں جب مساوات قلبی ہو تو امکانی اسباب تو پھر پیدا ہو ہی جاتے ہیں لہٰذا یہ ان ہی کو بنیاد بنا لیتے ہیں قرآن مادہ پرستوں کی اس نفسی جامد حالت و کیفیت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

بل كذّبوا بمالم يحيطوا بعلمه ولمّا ياتهم تاويلهٗ كذلك كذّب الّذين من قبلهم فانظر كيف كان عاقبة الظّٰلمين ○ (٦١)

بلکہ انہوں نے تو اس کی تکذیب کی جسکے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکتے تھے جس کی تاویل بھی ان کے پاس نہیں آئی تھی اس طرح وہ جوان سے پہلے تھے تکذیب کرتے رہے بس دیکھو تو ظالموں کا کا کیسا انجام ہوا۔

دراصل یہ اسی نفسی کیفیت یعنی بغی کے اثرات ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنی محدود علمی رسائی کے سبب اس کی حقیقت کو پانے سے قاصر رہے، اس کی تاویل کا انتظار نہیں کیا بس تکذیب کردی چنانچہ قرآن نے انسان کی اسی نفسی کیفیت کے تناظر میں ماضی کی تلخ حقیقتوں کو اس طرح بیان کیا ہے تاکہ قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے رہنمائی فراہم کی جا سکے اور یہ کہ ان کے راستے اس قدر روشن ہو جائیں کہ وہ ان پر چل کر بآسانی اپنی منزل مقصود کو پالیں۔

فہرست حوالہ جات برائے تجریدی مقالہ جات، مقدّمہ و اہمیت

۱) القرآن، ۶۰تا۵۹:۶

۲) ایضاً، ۵۳:۴۱

۳) ایضاً، ۵:۱

۴) ایضاً، ۴۱:۲۴

۵) العلامہ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت، آرام باغ، ۱۳۸۰ھ، ص ۲۸۷

۶) المفردات فی غریب القرآن، ایضاً، ص ۲۱۹

۷) القرآن ۱۵:۱۳

۸) ایضاً، ۵۶:۵۱

۹) ایضاً، ۱۷۴تا۱۷۲:۷۔

۱۰) ایضاً، ۷۰:۱۷

۱۱) ایضاً، ۳۰:۲

۱۲) ایضاً، ۳ : ۵۷

۱۳) ایضاً، ۱۰:۲۱

۱۴) ایضاً، ۲۷:۳۹

۱۵) ایضاً، ۳۱:۷۴

۱۶) ایضاً، ۹۰ : ۶

۱۷) ایضاً، ۵۱:۲۹

۱۸) ایضاً، ۴۵:۲۹

19) Robert Audi: "The cambridge Dictionary of Philosophy", Cambridge, Cambridge University Press, 1995. P-774.

۲۰) القرآن ۵۳:۴۱

۲۱) ضامن نقوی، ''فلسفہ نفس''، کراچی، انجمن پریس لارنس روڈ، ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۷۔

22) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-791.

23) "The cambridge Dictionary of Philosophy". OP.cit, P-547.

24) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-232 to 233.

25) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-273

26) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-724.

27) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-223.

28) "The cambridge Dictionary of Philosophy". OP.cit, P-738.

29) "The cambridge Dictionary of Philosophy". OP.cit, P-690.

30) "The cambridge Dictionary of Philosophy". OP.cit, P-244.

31) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-618.

32) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-581.

33) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-606 to 607

۳۴) القرآن، ۶:۵۹، ۵:۱۵

۳۵) ایضاً، ۴۱:۴۱ تا ۴۳

۳۶) ایضاً، ۴:۱

37) "The cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-606 to 607.

۳۸) القرآن، ۹۱: ۹ تا ۱۰

۳۹) ایضاً، ۵۱:۲۰ تا ۲۱

۴۰) ایضاً، ۳۰:۳۰

۴۱) ایضاً، ۷:۱۷۲

42) Dr. Khalifa Abdul Hakim "Islamic Idiology" Lahore, Institute of Islamic Culture, 1993, P-27.

۴۳) القرآن، ۵۷:۳

۴۴) ایضاً، ۴۷:۲

۴۵) ایضاً، ۴:۸۲

۴۶) ایضاً، ۲۱:۱۰ تا ۱۱

۴۷) ایضاً، ۴:۸۲ تا ۸۳

۴۸) ایضاً، ۲۵:۱

۴۹) القرآن، ۸:۲۹

۵۰) ایضاً، ۲۵:۷۳

۵۱) ایضاً، ۵۷:۲۶ تا ۲۷

۵۲) ایضاً، ۵۷:۲۵

۵۳) ایضاً، ۵۷:۸ تا ۹

54) Stuart Sutherland, "Macmillan Dictionary of Psychology", London, The MacMillan Press Ltd, 1991, P-83.

55) H.J Eyesneck, The Encyclopedia of Psychology, London, Search Press Ltd, 1972, P-306, Vol-3.

56) Mac Millan Dictionary of Psychology, OP-cit, P-113.

۵۷) القرآن ۱۱:۲۶

۵۸) ایضاً، ۲۹:۲۸ تا ۲۹

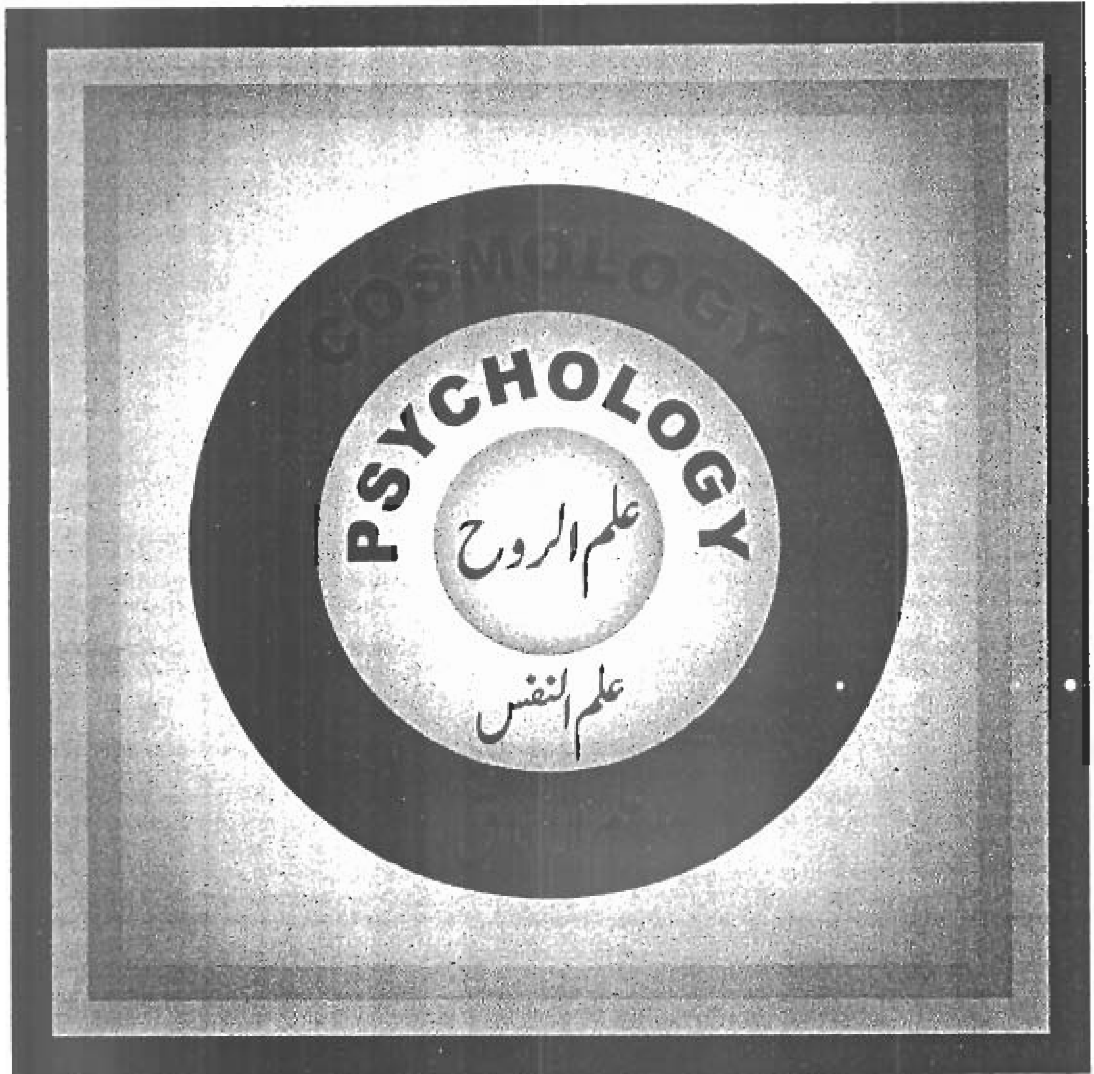
۵۹) ایضاً، ۴:۱

۶۰) ایضاً، ۴۰:۵۸

۶۱) ایضاً، ۱۰:۳۹

ضمیمہ جات نمبر ۱ برائے مقدّمہ

▸ تصویر نمبر ۱:۔



باب اول

Chapter I

انسانی نفسی کیفیات ماضی کے تناظر میں

Human Psycho-Analysis In Historical Perspective



باب اوّل

انسانی نفسی کیفیات ماضی کے تناظر میں
(ایک مختصر قرآنی تجزیہ)

دنیاوی زندگی کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حال کی بنیادوں کو وضع کرتے وقت ماضی کے حقائق اور نتائج کو پیش نظر رکھا جائے اسلئے کہ انسان کل کا ہو یا آج کا ہے تو انسان ہے۔ لہٰذا داستان خواہ ماضی کی ہو یا حال کی ہے تو داستان - لیکن یہ ضروری تو نہیں کہ ماضی میں جو انسان اپنی کم مائیگی عقل، غیر فطری علم اور نفس کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں سفران ہی خطوط پر شروع کیا جائے؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ اغلاط کی اصلاح کر کے، تجربے کی کم علمی کو دور کر کے غلط خطوط کو استوار کر کے حقائق کو بنیاد بنا کر سفرارتقاء انسانی کو مزید آگے بڑھایا جائے؟

اس موقع پر ذہن انسانی میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ حقیقی وفطری علم کی معرفت کا حصول اور علم وعقل اور نفس کی اصلاح و جانچ کی پیمائش ہم کس معیار سے کریں؟ دنیا کے کتب کے ذخائر پر نظر دوڑائیں تو دنیا کی کوئی کتاب بھی ان مسائل سے نجات دلانے کی بھرپور اور یقینی نتائج فراہم نہیں کرتی ماسوائے القرآن کے، کیونکہ اس میں انسان کی داستان رقم ہے اسی لیے کہ پہلے اعمال صحیح وخطا کا علمی مشاہدہ کرایا گیا ہے اور پھر عمل کا ردعمل دونوں صورتوں میں واضح کیا گیا ہے چونکہ ہر عمل کا ردعمل متعینہ ہے لہٰذا یقینی نتائج کی راہ ہموار ہو جاتی ہے یہی علم کی خوبی انسان کو عمل کی طرف ابھارتی ہے ہر ہر قدم پر رہنمائی فراہم کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن آگے ہے اور سائنس اسکے پیچھے - قرآن انسانوں کو عظیم خسارے سے بچانے کے لیے حال کو تابندہ بنانے، شعور کو بیدار کرنے اور یقین کی راہ اپنانے کے لیے گذشتہ نفسی کیفیات اور اسکے نتائج کا ذکر بطور نصیحت کرتا ہے تا کہ موجود نفوس انسانی ارتقاء پا سکیں -

آیئے ان کیفیات کی تفہیم اس طرح سے کریں کہ جس طرح خالق کائنات ہماری آموزش (Learning: The Process of acquiring knowledge)(01) کرانا چاہ رہا ہے تا کہ دونوں جہاں کی برکتیں سمیٹ کر سرخرو ہو سکیں -

فصل اوّل

۱) انبیاء علیھم السلام کی کیفیات نفسی

رسل کرام وانبیاء علیھم السلام آدم علیہ السلام تا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب ایک ہی نوع سے تعلق رکھتے ہیں یعنی سب کے سب بشر تھے۔ اور بشر ہونے کے ناطے لاشعوری طور پر بسا اوقات نفسی لغزش یعنی شیطانی داؤ کا شکار ہو جاتے۔ مگر اگلے ہی لمحے اپنی لغزش کا فوری اعتراف کر کے سجدے میں گر جاتے تھے تا وقتیکہ کہ اللہ آپ علیھم السلام کو معاف نہ فرمادے تسبیحات کرتے رہتے۔ یہاں تک کہ معافی مل جاتی۔ درج ذیل میں ہم چند رسولوں اور انبیاء علیھم

السلام کی نفسی کیفیات کا ذکر کریں گے تا کہ بنی نوع انسان یہ جان لے کہ معصوم عن الخطا جیسے بشر کو جو شیطان بہکا سکتا ہے۔ تو عام انسان پر شیطان کا غلبہ ہو جانا قطعاً مشکل کام نہیں ہے۔ لہٰذا مسائل شب و روز میں اگر انسان گھر جائے اور کمزور وقت میں شیطانی داؤ کامیاب ہو جائے تو ہم انسانوں کو چاہئے کہ انبیاء رسل کے نقش قدم پر چلیں۔ تا کہ فلاح دارین حاصل کر سکیں۔

۲) آدم شجر ممنوعہ کی حقیقت کو سمجھنے سے عاجز

علم و ذہن کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے لہٰذا علم تو ہو مگر ذہن و شعور ارتقاء نہ پا سکے تو پھر علم کے پھل سے قاصر ہی رہتا ہے جیسا کہ آج کے دور میں بھی یہی طرزِ عمل جاری ہے علم الٰہی قیام قیامت تک کیلئے قرآن کی صورت میں موجود ہے تو پھر نفوس کی فکری بصیرت ارتقاء پذیر کیوں نہیں؟ اس پر جمود کیوں طاری ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ ذہنی ارتقاء کے عمل میں کئی عوامل کار فرما ہوتے ہیں ایمان شرط اول ہے اور جب ایمان کو علم الیقین سے استحکام ملے تو دلوں میں راسخ ہو جاتا ہے اور استقامت کی دولت نصیب آتی ہے یعنی کہ آموزش پختہ ہو جاتی ہے بصورت دیگر ایمان پر ہوئ نفس کا غلبہ ہو جائے تو کمزور و لاغر ہو جاتی ہے حضرت آدم کے ساتھ کچھ ایسی ہی نفسی حالت درپیش ہے حالانکہ علم بھی دے دیا حکم کی صورت میں کہ

و لا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظّٰلمين ○(۲)

ترجمہ:۔ اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اور پختگی عمل صحیحہ کے لیے مشاہدہ بھی کرا دیا کہ جب ابلیس نے احساس برتری جتایا تو اللہ نے نہ صرف ذلیل و رسوائی کی وعید سنائی بلکہ ''کٰفرین'' (۰۳) میں شمار کیا اس واقعہ میں یہ نقطہ پوشیدہ ہے کہ انسان کے لیے ایمان جیسی بصیرت کی اور مشاہدہ کے لیے یقین کی آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے جو ذہنی ارتقاء کی علامت بنتی ہے لیکن مذکورہ صورتحال اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ جب ذہن پر ھوئ نفس کا غلبہ ہو جائے تو پھر ارتقاء نہیں بلکہ جمود کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی ہے حضرت آدم پر جمود اس وقت طاری ہوا جب شیطان نے یہ کہکر شعلہ نفس کو بھڑکایا کہ:

الآ ان تكو نا ملكين او تكونا من الخلدين○(۰۴)

ترجمہ:۔ کہ مبادا تم دونوں کہیں دو فرشتے بن جاؤ تم دونوں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔

بلا سوچے سمجھے جب دونوں اس وسوسہ پر عمل پیرا ہوئے تو اللہ کی تنبیہ کو بھول گئے یہ نصیحت اس وقت یاد آئی جب عمل کا ردعمل سامنے آیا۔ (۰۵)

اس طرح حضرت آدم لذت (Pleasure)(06) اور دائمی خوشی و راحت (Happiness)(07) کے فرق کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں بلکہ عاجز بھی کیونکہ پل بھر میں کیا سے کیا ہو گیا۔ میں، میں، نہیں رہا بلکہ پستی کی پست ترین سطح پر پہنچ گیا فطرت ناری نے نوری آموزش کے اثرات کو زائل کر دیا جبکہ آدم کے لاشعور میں مشاہدہ موجود تھا یہ سب کیونکہ کر

ہوا؟ ایمان یقین کی منزل پر کیوں نہ پہنچ سکا؟

میری نظر میں اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات انسان تفکر وتدبر اور بناء بصیرت مشاہدہ کی پیچیدہ منزلوں سے گذرے بغیر کوئی خبر سن کر عمل کر بیٹھتا ہے اور پھر بعد میں پچھتا تا ہے جبکہ توجہ طلب بات یہ پیش نظر رہنی چاہیئے کہ خبر دینے والا کون ہے؟ خبر مصدق ہے یا من گھڑت؟

اگر حضرت آدم ان دو حوالوں سے سوچتے تو کبھی ظالمین میں سے نہ ہوتے ۔لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو قیامت تک آنے والے انسان غلطی کر کے ظالم تو بنتے مگر ربنا ظلمنا انفسنا (۰۸) والی دعا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے ہمیں یہاں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ حضرت آدم یہاں بطور نمائندہ نسل As a Symbol of Man کے بھی ہیں اس طرح قرآن خود ہم سے ہمارے باطن کا تعارف کرار ہا ہے اور یہ باور کرار ہا ہے کہ میں صرف جسم کا نام نہیں بلکہ اس میں کئی دنیائیں آباد ہیں اور ہر دنیا میں کئی دنیائیں آباد ہیں لہذا کامیابی کا راز نصیحت میں مضمر ہے قدرت کا یہ تعرفی مشاہدہ ہماری آموزش کے لیے ہے تو کیا ہمیں ان ہی خطوط Lines پر سوچنا نہیں چاہیئے۔

۳) ابن آدم کا عاجز ہونا:

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے انسان کوئی اچھا فعل انجام دیتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ اچھے کام کی جزا بھی اچھی ملے گی لیکن نتیجہ سوچ کے برعکس نکلتا ہے یہ کوئی انہونی بات نہیں۔آج بھی اکثر لوگ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں مگر دعائیں قبول نہیں ہوتیں قرآن یہاں بھی ہماری رہنمائی فرماتا ہے کہ ایک اصول پر بعض اوقات دوسرے اصول کا اطلاق ہو جاتا ہے تب انسان کو اسکے مطلوبہ نتائج نہیں ملتے۔لیکن ایسی صورت حال ابن آدم کے ساتھ در پیش ہے ابن آدم یہ جاننے سے قاصر ہے کہ قربانی کیونکر رد کی گئی (۰۹)

جبکہ قرآن ابن آدم کے طفیل قیام قیامت تک تمام انسانوں کو اسکی حقیقت بتلاتے ہوئے کہتا ہے کہ

قال انّما یتقبّل اللّٰہ من المتقین ۞(۱۰)

ترجمہ:۔ کہا اللہ تو صرف متقین سے ہی قبول کرتا ہے۔

مذکورہ آیت کریمہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اچھے عمل کی اچھی جزا اسی وقت ملتی ہے جب نیت میں سچائی اور عمل وکردار میں پاکیزگی ہو لیکن کیا کیجئے جب ذہن وبصیرت پر جمود طاری ہو جائے تو واپسی اور معافی کے دروازے انسان خود ہی بند کر لیتا ہے جسکا نتیجہ مزید تباہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس گمراہی کا نتیجہ کچھ اس طرح سامنے آیا:۔

فطوعت لہٗ نفسہٗ قتل اخیہ فقتلہٗ فاصبح من الخٰسرین ۞(۱۱)

ترجمہ:۔ پس اس کے نفس نے اسکے لیے اپنے بھائی کے قتل کو آسان بنادیا اور اس نے اس کو قتل کر دیا اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

جبکہ دوسری جانب متقی بھائی کی بصیرت نے اسکے نفس و ذہن کو متحرک صورت Dynamic پر قائم رکھا وہ خدائی مفہوم کو سمجھ چکا لہذا کہا:۔

لئن بسطتَ الیَ یدک لتقتلنی مآ انا بباسط یدی الیک لاقتلک ج انی اخاف اللّٰہ ربّ العٰلمین ○(۱۲)

ترجمہ:۔ ’’اگر تو نے مجھ پر دست درازی کی کہ تو مجھے قتل کر دے تو میں تجھ پر تجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی نہیں کرونگا میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

ذرا غور کریں! کیا آج ہمارے چارسو یہی گمراہ کھیل کھیلا نہیں جارہا ہے؟

۴) **نوحؑ اہل کے مفہوم کو سمجھنے سے عاجز:**

حضرت نوح اہل کے مفہوم کو سمجھنے اور اسکی وسعت کو سمجھنے سے قاصر نظر آتے ہیں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:

واھلک الامن سبق علیہ القول منھم ج ولا تخاطبنی فی الّذین ظلموا ج (۱۳)

ترجمہ:۔ اور اپنے اہل وعیال کولیکر سوار ہو جانا سوائے ان میں سے ان لوگوں کے جنکی نسبت حکم صادر ہو چکا ہے اور جنہوں نے ظلم کیا ان کے بارے میں مجھے مخاطب نہ کرنا۔

لیکن جب بیٹا غرق ہونے لگا تو حضرت نوح پکار اٹھے:

انّ ابنی من اھلی. (۱۴)

ترجمہ:۔ بالتحقیق میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔

اور اللہ یہ فرمارہا ہے کہ:

قال ینوح انہٗ لیس من اھلک ج انہٗ عمل غیر صالح صلے فلاتسئلن مالیس لک بہ علم ط انّی اعظک ان تکون من الجٰھلین○(۱۵)

ترجمہ:۔ کہا، اے نوح وہ تیرے اہل میں سے نہیں تحقیق اسکا عمل غیر صالح ہے پس اسکی بابت مجھ سے سوال نہ کر جسکا تجھ کو علم نہیں میں تجھے تاکید، نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں نہ ہو جا۔

درج بالا آیات میں کئی نقاط پوشیدہ ہیں:۔

- جس بات کا علم نہ ہو، اختیار نہ ہو، اسکے متعلق سوال نہیں کرنا چاہیئے۔
- نبی کا اہل صاحب ایمان وعمل ہوتے ہیں۔ جو اسکی اولاد کہلاتے ہیں۔
- خونی رشتے جب باطل بن کر حق سے ٹکرائیں تو اہل کی وسعت سے خارج قرار پاتے ہیں۔

۵) **ابن نوح کا ایمان کے تقاضوں سے عاجز ہونا:**

ابن نوح اس زعم باطل میں رہا کہ فقط ایمان باللسان ہی کافی ہے یا پھر نبی کے اہل میں سے ہونا ہی کافی ہے۔ جبکہ قرآن کچھ اسطرح گویا ہے

احسب النّاس ان یترکوآ ان یقولوآ اٰمنّا وھم لایفتنون ○ (۱۶)

ترجمہ:- کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے-

ابن نوح ایمان کی حد کو کافی سمجھتا رہا اس گمان باطل کی وجہ سے اس حقیقت کو فراموش کر بیٹھا کہ:-

الاالذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت و تو صوا بالحقّ و تو صوا بالصبر ع (۱۷)

آج مسلمانوں کی اکثریت اسی گمان میں مبتلا نظر آتی ہے- اسی روش پر گامزن رہتے ہوئے غیر حقیقی سہاروں ذریعوں اور اسباب کی تلاش میں ہے جیسا کہ ابن نوح نے کیا- وہ آخر دم تک امکانی اسباب کی تلاش میں رہا- حکم کے اطلاق کی نوعیت کو نہ پا سکا- بلکہ کہا:-

قال ساٰوٓی الی جبل یّعصمنی من المآء ط(۱۸)

ترجمہ:- کہا میں پہاڑ پر چڑھ جاؤنگا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا-

مگر حضرت نوح اور تمام اہل ایمان جانتے تھے کہ:

قال لاعاصم الیوم من امر اللّٰہ الاّ من رحم ج(۱۹)

ترجمہ:- آج کے دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں سوائے اسکے جس پر وہ رحم کرے-

یہ حقیقت ہے کہ دنیاوی سہارے ناپائیدار ہوتے ہیں بالخصوص اللہ کے حکم کے سامنے جبکہ ہمیشہ رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے اس کا سہارا لازوال ہے یہ سہارا اسکو ملتا ہے جو متقی ہوتا ہے کیونکہ: اللّٰہ ولی المتّقین (۲۰) اللہ متقین کا دوست ہے- چونکہ یہ خصوصیت ابن نوح میں نہ تھی لہٰذا وہ اس دوستی سے محروم رہا- اور جنکو وہ خود امکانی سہارے سمجھتا تھا وہ تو خود زوال سے محفوظ رکھنے کی قوت نہیں رکھتے تو بھلا دوسرے کو زوال سے کیسے بچا سکتے ہیں؟

ایک اور مسلمہ حقیقت:

انسان کی شخصیت پر وراثت اور ماحول دونوں اثر انداز ہوتے ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابن نوح کو ماں کی طرف سے غیر درست ورثہ اور معاشرے کی جانب سے مشرکانہ ماحول ملا جسکی وجہ سے شخصیت میں سقم رہا- جسکا نتیجہ ذہنی و نفسی انتشار فساد، نفسی شریعتوں کی حکمرانی اور فقط ایمان کے بل بوتے پر جنت کے حصول کی خام خیالی نے جنم لیا جو کہ ان دونوں کے غرق ہونے کا سبب بھی بنا- یاد رہے کہ اللہ کی سنت آج بھی جاری و ساری ہے بے شک اللہ نے ہم سے پہلوں کو بھی آزمایا اور اب بھی سچے اور جھوٹے کو آزمائے گا- (۲۱)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باپ کی طرف سے تو دونوں چیزیں درست ملیں تھیں تعلیم و تربیت اور روحانیت سے بھرپور ماحول اور علم و عمل کا حسین امتزاج - پھر انحراف کیوں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت انسان اپنے ہوش و حواس سے کام ہی نہ لے تو پھر صحیح آموزش کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس صلے لھم قلوب لا یفقھون بھاز لھم اعین لا یبصرون

بھاؗ ولھم اذان لایسمعون بھاؕ اولٓئک کالانعام بل ھم اضلؕ اولٓئک ھم الغفلون○ (۲۲)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم نے بہت سے جن وانس جہنم کیلئے پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ ڈھور ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ وہی تو ہیں جو غافل ہیں۔

۵) حضرت داؤدؑ کا قوت فیصلہ سے عاجز ہونا:

ولقد اتینا داؤ د و سلیمٰن علماً ج (۲۳)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا کیا۔

وشددنا ملکہٗ واتینہ الحکمۃ و فصل الخطاب ○ (۲۴)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اسکی سلطنت کو مستحکم کیا اور اسے حکمت اور فیصلہ کن کلام عطا کیا۔

یداؤ د انا جعلنٰک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین النّاس بالحقّ ولا تتّبع الھوٰی فیضلّک عن سبیل اللہؕ (۲۵)

ترجمہ:۔ اے داؤد ہم نے زمین میں تجھے نائب مقرر کیا پس لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کر یہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کو علم کی دولت سے نوازا تھا اور اقتدار و اختیار بھی سونپا جسکا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر سکیں۔ حکم تو یہی تھا کہ حکمت اور فیصلہ کن کلام کو مدنظر رکھا جاتا۔ مگر صورتحال ایسی در پیش ہوئی کہ مارے گھبراہٹ کے آپؑ آزمائش میں پورے نہ اتر سکے اور خطا سرزد ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ دو فریق دیوار پھاند کر محراب میں حضرت داؤد کے پاس آ گئے تو وہ گھبرائے اور کہا کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے پس ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے اور بے انصافی نہ کرنا اور ہمیں راہ راست کی ہدایت کر۔ حضرت داؤدؑ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی بات سنی اس نے کہا:

انّ ھٰذآ اخیؔ قف لہٗ تسع و تسعون نعجۃ وّلی نعجۃ واحدۃ قف فقال اکفلنیھا و عزّنی فی الخطاب○ قال لقدظلمک بسؤال نعجتک الیٰ نعاجہٖؕ وان کثیراً مّن الخلطآء لیبغی بعضھم علیٰ بعض الاّ الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت وقلیل مّاھمؕ وظنّ داؤد انّما فتنّٰہ فاستغفر ربّہٗ وخرّ راکعاً وّاناب○ فغفرنالہٗ ذٰلکؕ وانّ لہٗ عندنا لزلفٰی وحسن ماٰب ○ (۲۶)

ترجمہ:۔ ’’تحقیق: یہ میرا بھائی ہے اسکی ۹۹ دنبیاں ہیں اور میری صرف ایک ہی دنبی ہے پس یہ کہتا ہے کہ وہ بھی مجھ کو سونپ دے اور مجھ سے تحکمانہ کلام کرتا ہے۔ اس نے کہا بے شک اس نے اپنی اتنی دنبیوں کے ہوتے ہوئے بھی تیری ایک دنبی کا سوال کر کے تجھ پر زیادتی کی ہے اور بے شک بہت سے شرکاء ایک دوسرے پر اس طرح زیادتی کرتے

ہیں سوائے ان کے جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے اور ایسے لوگ تھوڑے ہی ہیں اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اسکی آزمائش کی ہے پس اس نے اپنے پروردگار سے استغفار کی اور گھٹنوں پر گر کر توبہ کی پس ہم نے اسے وہ امر معاف کر دیا اور وہ ہمارے نزدیک بڑا مقرب اور نیک انجام ہے۔''

چونکہ رب تعالیٰ نے حضرت داؤد کو حکمت ،قوت فیصلہ اور اقتدار اور اختیار سونپا تھا اور دوم یہ کہ ایک نبی کا فیصلہ غلط کیسے ہوسکتا ہے مگر انبیاء کے ذریعے تعلیم دینا مقصود ہوتا ہے تا کہ عوام ایسی خطائیں نہ کرے۔ اسلئے آموزش کی پختگی کیلئے اس واقعہ کا ذکر کیا اور سوم یہ کہ کبھی یکطرفہ بات سن کر حتمی فیصلہ صادر نہیں کرنا چاہیئے جب کہ حضرت داؤد سے بھول ہوئی اور خدانخواستہ ایسا کسی فیصلہ کرنے والے سے بھول ہو جائے تو نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ توبہ و استغفار کرے۔

۶) صاحب الحوت کا عاجز ہونا:

اللہ جو تاریکی کو پھاڑ کر دن کو نکالتا ہے اور گٹھلی کو پھاڑ کر پودا۔ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ہمیں بدل کر کوئی اور لے آئے مگر صاحب الحوت نے اللہ کی قدرت کو تسلیم نہ کیا قرآن میں اسکا ذکر آیا کہ :۔

فظنّ ان لّن نّقدر علیه (۲۷)

ترجمہ:۔ ''اور اس نے گمان کیا کہ ہم اس پر قدرت نہیں رکھتے ۔''

چنانچہ آزمائش میں پڑا وہ اس طرح کہ:

اذابق الی الفلک المشحون ○ فساھم فکان من المدحضین○ فالتقم الحوت وھو ملیم○ (۲۸)

ترجمہ:۔ جب وہ ایک بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگ کر گیا پس انہوں نے قرعہ ڈالا اور وہی زک اٹھانے والوں میں سے تھا پھر اس کو ایک حوت نگل گئی اور وہ ملامت زدہ ٹھہرا۔

لیکن جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ واقعی اس تاریکی میں سے مجھے وہی نکال سکتا ہے جو اس پر قادر ہے پھر پکارا:

فنادیٰ فی الظّلمٰت ان لآ الٰه الآ انت سبحٰنک انّی کنت مّن الظّٰلمین○ (۲۹)

ترجمہ:۔ پھر اس نے تاریکیوں میں سے پکارا، کوئی معبود نہیں سوائے تیرے تو پاک ہے بے شک میں ظالموں میں سے تھا۔

اگر حضرت یونس حقیقت کا اعتراف نہ کرتے تو ان کو اس تکلیف سے کوئی نجات دلانے والا نہ ہوتا۔ رب تعالیٰ نے بھی فرمایا۔

فلو لآ انّهٗ کانَه من المسبّحین○ للبث فی بطنه الیٰ یوم یبعثون○ (۳۰)

ترجمہ:۔ پس اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا تو ضرور اسکے پیٹ میں اٹھائے جانے والے دن تک رہتا۔

ہمیں بھی اس بات کو قطعاً فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ قدروں کو ترتیب دینے والی ذات اپنے حکم سے قدروں میں تبدیلی کی مجاز بھی ہے۔

۷) **صبرِ ایوب سے شیطان کا عاجز ہونا:**

تکلیف پہنچنے کے معاملے میں قرآن یہ اصول بیان فرماتا ہے کہ:

ماآصابک من حسنۃٍ فمن اللّٰہ ؗ و ماآصابک من سیّئۃٍ فمن نفسک ط (۳۱)

ترجمہ:۔ ''جو بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہوتی ہے''۔

برائی کو ہاتھوں کی کمائی بھی اسی لیے کہا گیا کہ وہ اختیاری ہوتی ہے اسکے سبب مصیبت آتی ہے لیکن حضرت ایوب کا معاملہ نہایت جدا ہے یہاں تو کسی اور کے عاجز ہونے کی باری ہے ارشاد ہوتا ہے:۔

اذ نادیٰ ربّہٗ انی مسّنیَ الشّیطٰن بنصبٍ وّ عذابٍ ط (۳۲)

ترجمہ:۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یقیناً شیطان نے مجھے تکلیف اور عذاب پہنچایا۔

تو بنی نوع انسان پر تحقیق کے نئے باب کھل جاتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ وہ شیطان تھا جو ہر اس شے کو جو دنیاوی لحاظ سے معتبر سمجھی جاتی ہے اسے چھین کر اور تکلیف میں مبتلا کر کے آزمارہا تھا رحمٰن کی بات کو اور وہ یہ کہ:۔

قال فبعزّتک لاغوینّھم اجمعین ۙ الاّعبادک منھم المخلصین ۝ قال فالحقّ ؗ والحقّ اقول ۚ (۹۲)

ترجمہ:۔ اس نے کہا تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کردونگا سوائے ان میں سے تیرے مخلص بندوں کے فرمایا یہ بالکل حق ہے اور میں حق کہے دیتا ہوں۔

رب تعالیٰ فقط اقرار نہیں کرواتا بلکہ مشاہدہ کرا کے یقین کی منزل تک پہنچاتا ہے تاکہ حق ثابت ہوجائے اور باطل مٹ جائے حضرت ایوبؑ کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا۔ جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ جب بھی اس نے وار کیا آپؑ نے علم و دانشمندی سے اس کا مقابلہ کیا۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ اپنے بندے کو خوف، بھوک، جان و اموال اور پھلوں کے نقصانات ہر چیز سے آزما سکتا ہے ساتھ ہی صبر کرنے والوں کو دی گئی بشارت سے بھی آگاہ تھے (۳۴) لہذا ہر مرحلہ تکلیف میں صبر کو نہ چھوڑا اسی لیے باری تعالیٰ نے نبی سے کہلوادیا کہ:

قل لآ املک لنفسی نفعاً وّ لاضرًّا الاّ ماشاء اللّٰہ ط ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر ۛ ومامسّنی السّوٓء ۛ (۳۵)

ترجمہ:۔ کہدے مجھے اپنے لیے نفع یا نقصان پر کوئی اختیار نہیں ہے سوائے اسکے جو اللہ چاہے اگر میں غیب کا جانتے

والا ہوتا تو خیر کثیر اکھٹی کر لیتا مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔

جب صبر اپنی تمامیت کو پہنچا تو آپؑ نے اذیت سے نجات کیلئے پکارا۔

انّی مسّنی الضّرّ وانت ارحم الرّحمین ○ (۳۶)

ترجمہ:۔ تحقیق مجھے سخت اذیت پہنچ رہی ہے اور تو تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے جب کوئی نفسی لغزش نہیں تو پھر اللہ کی جانب رجوع کیوں کریں؟ اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ مقام خالق یہ ہے کہ وہ آزمائے اور مقام بندگی یہ ہے کہ رجوع کیا جائے چنانچہ حضرت ایوب نے جب دعا فرمائی تو پھر رب نے فرمایا:۔

انّا وجدنٰہ صابراً نعم العبدُ انّہٗ اوّاب ○ (۳۷)

ترجمہ:۔ ''بے شک ہم نے اسے صبر کرنے والا ایک بہترین بندہ پایا تحقیق وہ بہت رجوع کرنے والا تھا۔

اس طرح شیطان کی قوت زیرہ ہوئی وہ ذلیل ورسوا ہوا اور مخلص بندہ اللہ کا پسندیدہ کہلایا اس سے بہتر اور کیا جزا ہوسکتی ہے۔

۸) حضرت موسیٰ کا علم لدنی سے عاجز ہونا:

اتینہ رحمۃً مّن عندنا و علّمنٰہ من لّدنّا علماً ○ (۳۸)

ترجمہ:۔ جسے ہم نے اپنے حضور سے رحمت عطا کی تھی اور اس کو ہم نے اپنی جناب سے علم سکھلایا تھا۔

لدن : لدن اخصّ من عند لانّہ یدلّ علی ابتداء نھایۃ. (۳۹)

اردو مفہوم:۔ علم لدنی جو ل دن مادہ سے ہے اور عند سے اخص ہے کسی فعل کی انتہا کے آغاز پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت موسیٰ علم لدنی کی رشد وہدایت کیلئے اللہ کے بندے کے پاس جاتے ہیں یہ سوچ کر کہ میں بھی سیکھ لونگا لیکن یہ جاننے سے عاجز کہ یہ علم اللہ کی جانب سے مرحمت ہوتا ہے کسبی نہیں اس بندے سے سیکھنے کی فرمائش کر ڈالی اس نے کہا:۔

وکیف تصبر علیٰ مالم تحط بہ خبراً ○ (۴۰)

ترجمہ:۔ اور تو اس بات پر کیونکر صبر کرسکتا ہے جو کہ تیرے احاطہ علم میں نہ ہو۔

مگر حضرت موسیٰ نے صابر وشاکر رہنے کا وعدہ تو کر لیا لیکن انہوں نے حجت تمام کرنے کے لیے شرط لگا دی:۔

قال فان اتّبعتنی فلا تسئلنی عن شیء حتّٰی احدث لک منہ ذکراً ○ (۴۱)

ترجمہ:۔ ''اس نے کہا کہ اگر تو میری اتباع کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے کسی شے کے متعلق سوال نہ کرنا۔ جب تک کہ میں خود تجھ سے اسکا تذکرہ نہ کروں۔''

لیکن تینوں معاملات میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے خواہ کشتی میں سوراخ کا معاملہ ہو یا لڑکے کے قتل کا یا پھر

بدسلوکی کے جواب میں احسان کا لہٰذا وعدہ کے مطابق دونوں میں علیحدگی کا وقت آ پہنچتا ہے پھر اللہ کا بندہ ان اقدامات کی حکمت پر سے پردہ اٹھاتا ہے(۴۲) حقیقت حال یہ تھی کہ یہ اقدامات حکم ربی کے تحت اٹھائے جارہے تھے۔

رحمۃً مّن رّبک ج و ما فعلتہٗ عن امری ط ذٰلک تاویل مالم تسطع عّلیہ صبراً ؑ (۴۳)

ترجمہ:۔ ''یہ تیرے رب کی طرف سے ایک رحمت تھی اور میں نے یہ سب کچھ اپنی طرف سے نہیں کیا ہے۔ اس کی تاویل جس پر کہ تو صبر نہ کرسکا''۔

اس واقعہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر ہمیں کسی امر کی حکمت فی الفور سمجھ میں نہ آئے تو صبر کرنا چاہیئے نہ کہ اسکے خلاف عمل کیا جائے اور تکذیب کرنا تو بہت بڑی غلطی ہے ایسا نہ ہو کہ زندگی بے وفائی کر جائے اور تلافی کا موقع نہ ملے۔

۹) حضرت موسیٰ کا نفسی خطا سے عاجز ہونا:۔

انسان غلطی کا پتلا ہے بار بار خطائیں کرتا رہتا ہے نبی بھی چونکہ بشر ہوتا ہے لہٰذا اس سے بھی کبھی کبھار لغزش ہو جاتی ہے مگر ایک بار، بار بار نہیں۔ کیونکہ عام انسان اور نبی میں فرق ہے بالکل اسی طرح جس طرح تقوئی اور رسالت میں حضرت موسیٰ ایک مرتبہ اپنے شہر لوٹے تو دو افراد کو لڑتا ہوا پایا ان میں ایک دوست تھا اور ایک مخالف گروہ سے تعلق رکھتا تھا جب اپنے گروہ کے فرد نے مدد کے لیے پکارا تو آپؑ نے اسکی مدد کی اور دوسرے کے گھونسا مار دیا اور یوں وہ مارا گیا (۴۴) یہ سب غیر شعوری طور پر لمحہ بھر میں ہو گیا دوسرے ہی لمحہ اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ یہ سب کچھ شریعت کے منافی ہوا۔ عدل بالائے طاق رہ گیا اور امتیازی Favourism کارروائی ہوگئی۔ تو فوراً اللہ سے اپنے عمل کی معافی طلب کی:۔

قال ھٰذا من عمل الشیطٰن ط انّہٗ عدوّ مّضلّ مّبین ○ قال ربّ انّی ظلمت نفسی فاغفرلی فغفرلہٗ ط انّہٗ ھو الغفور الرّحیم ○ قال ربّ بما انعمت علی فلن اکون ظھیراً للمجرمین ○ (۴۵)

ترجمہ:۔ ''کہا یہ تو شیطان کے عمل میں سے تھا وہ یقیناً ایک کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے کہا میرے پروردگار میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے بس تو مجھے معاف فرمادے پس اس نے اسے معاف کر دیا بے شک وہ بڑا غفور الرحیم ہے کہا کہ میرے پروردگار بسبب اس نعمت کے جو تو نے مجھے انعام کی میں پھر کبھی مجرموں کا مددگار نہیں بنوں گا۔''

کیا آج عصر رواں میں یہ بیماری عام نہیں؟ جبکہ نصیحت موجود ہے۔

۱۰) نبی حلال وحرام کے اختیار سے عاجز:

تمام کا تمام اختیار اللہ کے پاس ہے یہاں تک کہ نبی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ کسی کی خوشنودی کی خاطر اللہ کے قائم شدہ حکم کے خلاف جائے حلال وحرام کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے مگر نبی بھی انسان ہوتا ہے اور انسان خطا کا پتلا ہے ۔لیکن چونکہ وہ نبی ہے لہٰذا معمولی سی کوتاہی بھی غیر معمولی صورتحال برپا کرسکتی ہے جس سے اللہ کے حکم کے خلاف ورزی کا مسئلہ درپیش ہو جائے۔ اسلئے جب نبی سے یہ خطا سرزد ہوئی تو اللہ یوں گویا ہوا۔

یٰاَیّھا النّبیّ لم تحرّم مآ احلّ اللّٰہ لکَ ج تبتغی مرضات ازواجکَ ط واللّٰہ غفور رّحیم ○ (۴۶)

ترجمہ:۔ اے نبی تو اپنے لئے اس شے کو جسے اللہ نے تجھ پر حلال کیا ہے کیوں حرام کرتا ہے؟ کیا تو اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتا ہے اور اللہ بڑا بخشنے والا رحیم ہے۔

جب نبی مجاز نہیں تو پھر کوئی اور شخص بھلا کیونکر مجاز ہوسکتا ہے تاہم جہاں تک اسرائیل یعنی حضرت یعقوب کے لقب کی بات ہے تو ان کا ایسا کرنا قبل از نزول تورات تھا لہذا اسکو بھی جواز نہیں بنایا جاسکتا۔

۱۱) تزکیۂ نفوس کی نئی جہتیں اور قرآن:

قرآن ہر انسان کے نفوس کے تزکیہ کا خواہاں ہے لہذا ہر مسئلے کے حل کیلئے ایک نئی جہت کو متعارف کراتا ہے تاکہ بنی نوع انسان ان عالمگیر اصول وقوانین اور آفاقی قدروں اور مغفرت کی ممکنات سے واقف ہوکر اپنی زندگی کو ایک نئی شان اور آن دیں۔ یاد رہے کہ درج بالا واقعات اس اہم بات کی طرف ہماری توجہ دلاتے ہیں کہ پختہ آموزش کے باوجود بھی نفسی شیطان غلطی کی ممکنات کے سہارے وار کرجاتا ہے لہذا ہمیں ہرمحاذ پر ڈٹے رہنا ہے خواہ لغزش ہو یا نہ ہو۔ خواہ اجتہاد میں مسئلہ کی روح تک پہنچ سکیں یا نہ پہنچ سکیں مگر نیت کی درستگی نفوس کا تزکیہ ہمیں وہاں پہنچا دے گا جو مقام جو اجر اللہ نے ہمارے لیے مقرر کررکھا ہے۔ درج ذیل میں ہم ان ہی نفسی کیفیات کی جزا کا ذکر قرآن کی روشنی میں کرینگے تاکہ حقائق سے آگاہی پاکر اولادآدم برائی سے اپنا دفاع کرسکے۔لیکن یہ تو اس وقت ممکن ہے جب اس نہج پر سوچیں کہ !!! کیا ہم بےشعوری جیسے نفسی مرض سے نجات کے خواہاں ہیں؟

فصل دوم

نفسی کیفیات کی جزا

کائنات کا نظام انتہائی حساس اور نازک واقع ہوا ہے اسمیں ہرآن تبدیلی ہورہی ہے مگر نہایت، ترتیب، نظم و ضبط اور خاموشی کے ساتھ یہی اسکے زندہ ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ نتائج یہی ظاہر کررہے ہیں اس سے ایک اور بات بھی ظاہر ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اللہ نے ہرشے کو ذرہ سے لیکر آفتاب تک سبکو شمار کررکھا ہے اسی لیے حرکت تو ظاہری بات ہے خواہش تک کا علم (۴۷) ہے اللہ کی طرف ہر امر لوٹایا جاتا ہے اسلئے اگر کوئی انسان کائنات کی اس حساسیت کی زد سے بچنا چاہتا ہے تو ہر پل اللہ کے کلمے کو بلند رکھے چاہے وقتی طور پر نقصان کتنا ہی شدید اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو بلکہ بھرپور عملی استقامت کا مظاہرہ کریں اسلئے کہ نیک کام کی جزا کی پیائش نہیں کی جاسکتی کیونکہ

ان اللّٰہ لایظلم مثقال ذرۃٍ وان تلک حسنۃ یضٰعفھا ویؤت من لدنہ اجراً عظیماO (۴۸)

ترجمہ:۔ ''بلاشبہ اللہ تو کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو، تو اسکو کئی گنا کردیتا ہے اور اپنے حضور سے اجر عظیم عطافرماتا ہے۔''

لہذا جو تزکیہ کا خواہاں ہے مشیت ایزدی کے مزے لوٹنا چاہتا ہے انہیں قرآن کچھ اس انداز سے یعنی ماضی کی

سرگزشت اور بزبان حال سے تمام انسانوں کو آموزش کرارہا ہے، ملاحظہ ہو:۔

- آدم نے اعتراف لغزش کیا، اللہ کی توصیف بیان کی اور معافی مانگی - چنانچہ اللہ نے معاف کر دیا۔ اس طرح ان کی یہ جزا بعد کے آنے والوں کیلیے سنّت بن گئی - (۴۹)
- ابن آدم کے تقویٰ کی یہ جزا کیا خوب ہے کہ وہ تو قربانی متقین سے قبول کرتا ہے اچھے عمل کی اچھی جزا ہوتی ہے مگر نیک عمل وہ ہوتا ہے کہ (۵۰) جس میں خلوص اور پاکیزگی شامل ہو۔ پاکیزگی سے مراد فساد فی الارض کے اندیشے سے پاک ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ کے عمل کی تعریف ہوتی ہے اور سنّت پر عمل بھی -
- حضرت نوحؑ جب اہل کی وسعت کے مفہوم کو جان گئے بصیرت کی لغزش کا اعتراف کر کے اللہ کی پناہ مانگی تو رب کی طرف سے اسقدر فیضان ملا کہ جناب کے اسوۂ حسنۃ کو بعد کے آنے والی نسلوں کے لیے سند بنا کر باقی چھوڑا - اور تمام عالمین میں نوح پر سلام بھیجا اور بلا شک و شبہ کہا کہ ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں - (۵۱)
- حضرت ابراہیمؑ کو اطاعت کی جزا کچھ اس طرح دی کہ فرمانبردار باپ کا فرمانبردار بیٹا ایک خوبصورت جزا نیز اسحاقؑ کے صالح نبی ہونے کی بشارت دوسری خوبصورت ترین جزا جو صدقہ جاریہ بھی ہے ملی - اور سوم یہ کہ آپ کا ذبح عظیم سنّت کی صورت میں قیام قیامت تک کے لیے لازم قرار پایا - (۵۲)
- حضرت یعقوبؑ کے صبر جمیل کی جزا بچھڑے ہوئے بیٹے کو دوبارہ ملا دیا بینائی لوٹ آئی (۵۳) ایسا صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا کہ کبھی حرف شکایت زبان پر نہ آیا اور اتنا ہی بہترین اجر بھی ملا صبر جمیل کی حقیقت دنیا کی کسی معاشی، معاشرتی، ثقافتی، اخلاقی، قانونی، سائنسی اور نفسیاتی کتب میں نہیں ملے گی یہ تو مالک کا احسان ہے کہ نبی کے ذریعے اس غیبی نظام کو متعارف کرا دیا اور یوں ایک نئی، منفرد اور انوکھی سنّت سامنے آئی -
- حضرت یوسفؑ کے صبر کی جزا کیسے شہرۂ دوام نہ پائے جب اللہ عام نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا تو پھر بھلا آپؑ کا اجر کیسے نہ ملے؟ اجر تو اللہ کی سنّت ہے چنانچہ حضرت یوسف کو سرزمین پر اقتدار بخشا جس طرح چاہے تصرف کرے (۵۴) تمام دنیاوی عزتیں اللہ نے آپؑ کو عطا فرمائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بچھڑے ہوئے باپ سے ملوا دیا اور سوم یہ کہ خاندان کا ملاپ ہو گیا ہدایت مل گئی - (۵۵)
- جزائے صاحب حوت کچھ اس طرح رقم ہے:۔

فاستجبنا لہٗ ونجینٰہ من الغمّ وکذٰلک نُنجی المؤمنین ۝ (۵۶)

ترجمہ:۔ ’’کہ ہم نے اسکی دعا قبول کی اور اسکو غم سے نجات دی اور ہم مومنوں کو اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں-

یہی وجہ ہے کہ آج بھی مومنین جب کسی مصیبت کا شکار ہوتے ہیں تو حضرت یونسؑ کی ہی دعا پڑھتے ہیں -- سو آج بھی اسی طرح نجات ملتی ہے جیسے صاحب حوت کو ملی-

☆ حضرت ایوب کو راہ راست سے ہٹانے کے لیے شیطان نے آگے سے، پیچھے سے دائیں سے، بائیں سے حملے کیئے مگر ہوا یہ کہ شیطان کی قوت جہاں دم توڑتی ہے وہاں سے حضرت ایوب کے صبر کی حد شروع ہوتی ہے شیطان نامراد ہوا اور آپؑ کو اللہ نے اس صورت سے جزا دی کہ خدا بندے سے پوچھتا ہے کہ تیری رضا کیا ہے ارشاد الٰہی ہوتا ہے:

فاستجبنالهٗ فكشفنا مابهٖ من ضرٍّ وّاتينٰه اهلهٗ و مثلهم مّعهم رحمة مّن عندنا وذكرٰى للعٰبدين ○ (۵۷)

ترجمہ:۔ ''پس ہم نے اسکی دعا قبول کر لی اور جو بھی اسکی تکلیف تھی اسے وضع کیا اور اسکو اسکے اہل و عیال دیئے۔ بلکہ اتنے ہی اسکے ساتھ اور اپنے حضور سے رحمت عطا کیئے اور عبادت گزاروں کے لیے یہ ایک سبق ہے۔''

پہلا قدم مثبت ہو تو باقی سارے قدم باعث رحمت بن جاتے ہیں اللہ ہمیں اس اسوۂ پر چلنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

☆ حضرت داؤدؑ نے اپنی بھول کے اعتراف میں استغفار کی اور گھٹنوں پر گر کر توبہ کی تو اللہ نے معاف کر دیا۔ بلکہ اپنے مقربین میں شامل کیا۔ (۵۸) بے شک خشوع و خضوع اور تقویٰ اختیار کرنے والے ہی اس مقام کے امین ہیں اس طرح یہ ایک اور خوبصورت اجر ہے۔

☆ حضرت موسیٰ نے اپنے غیر شعوری اور نفسی ظلم کو تسلیم کر کے اللہ سے کامل یقین کے ساتھ دعا کی اللہ چونکہ غفور الرحیم ہے اور ایسی خطاؤں کو ضرور معاف کر دیتا ہے جو یقین کی اتھاہ گہرائیوں سے مانگی جائیں لہذا نہ صرف معاف کیا بلکہ اطمینان جیسی دولت نصیب ہوئی۔ اس اجر پر وعدہ کیا کہ آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ بنوگا (۵۹) یہی وہ طریق ہے جس پر گناہ پر نادم ہونے والے اور مغفرت کے طلبگار نقش پاء پاتے ہیں اور مستقبل کے لیے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ کبھی بھی دوبارہ جرم نہ کرینگے۔

انسانی نفسی کیفیات اور انکی جزا کا شرعی اطلاق (ایک جائزہ)

جس طرح کائنات میں موجود مکھی کو تخلیق کرنا انسان کے بس سے باہر ہے اسی طرح غیبی نظام کے متعلق جاننا بھی ناممکن ہے۔ تاوقتیکہ کہ خود خالق کائنات غیب سے متعلق معلومات بہم نہ پہنچائے یہی وہ واحد راستہ ہے کہ جس پر چل کر ہم کائنات کو تسخیر کر سکتے ہیں اپنے مسائل کو حل آسانی سے کر سکتے ہیں اور وہ ہے وحی کا راستہ اسکے لیے قرآن نے انبیاء کے حوالے سے زندگی کے مختلف مسائل سے نبٹنے کے لیے انبیاء کے ذریعے عملی نمونے بھی فراہم کر دیئے یہ تمام کوششیں ہمارے لیے راہ نجات کا سبب ہیں اور انبیاء کی سنّت بھی لہذا جو کوئی اپنے مسئلے کے حل کے لیے ان کی پیروی کرے گا اسے ویسی ہی خوبصورت جزا بھی ملے گی۔ جیسی انبیاؑ کو ملی تاہم درجاتی فرق تو ہوگا جو کہ فطری ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:

اولٰئک یجزون الغرفة بما صبروا ویلقون فیھا تحیّة و سلٰماًO خٰلدین فیھا حسنت مستقراً وّمقاماًO (۶۰)

ترجمہ:۔ ''وہی تو ہیں جنہیں جزا میں بالا خانہ عطا کیئے جائینگے بسبب اس صبر کے جو انہوں نے کیا اور وہاں انہیں ہدیہ تہنیت اور سلام پیش کیا جائے گا وہ اس میں ہمیشہ رہینگے عمدہ ٹھکانا اور جائے قیام ہے۔''

اور دوسری جانب بتایا کہ ایسا نہیں کہ عمل نیک کی جزا انبیاء کی ذات اور زندگی سے ہی وابستہ تھی بلکہ قرآن مزید یقین دلانے کے لیے زور دیکر کہتا ہے کہ

سنّة اللّٰہ فی الّذین خلوا من قبلُ ج ولن تجد لسنّة اللّٰہ تبدیلاً O(۶۱)

ترجمہ:۔ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں اللہ کی یہی سنّت رہی ہے تم ہرگز اللہ کی سنّت کو تبدیل ہوتا ہوا نہ پاؤ گے۔

قرآنی شریعت میں تمام بنی نوع انسان کے لیے تمام مسائل کا حل موجود ہے خواہ ان کا تعلق معاشی مسئلے سے ہو یا سیاسی مسئلے سے، معاشرتی مسئلے سے ہو یا اخلاقی، قانون وعدلیہ سے متعلق ہو یا انتظامی امور سے متعلق، نفسیاتی ہو یا تعلیمی وتفریحی قرآن ایک مکمل دین کے طور پر ہمارے سامنے ہے اسی لیے کہ یہی دین فطرت ہے۔فطرت سے ہم آہنگ نظام ہی مؤثر انقلابی تبدیلیوں کا امین، ترقی وخوشحالی کی ضمانت اور فلاح دارین کا مؤجب ہے اسکا بیّن ثبوت انبیاء کے نفوس کو ملنے والی جزا سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے؟

دوم یہ کہ مطلوبہ نتائج تزکیہ نفوس کی نئی جہتیں نہیں تو اور کیا ہیں؟ یہ جہتیں کسی کی سمجھ میں آتیں ہیں اور کسی کی نہیں دراصل آدم واولادِ آدم کا ازلی دشمن شیطان ہے۔

شیطان کا کام تو وسوسہ ڈالنا ہے اور وسوسہ کی گود سے شک نمو پاتا ہے اور شک پرستی کا طوفان عقل، علم، شعور و آگہی، ترقی و خوشحالی، امن وسکون، سبکو مسدود اور برباد کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ آج راہیں تو بہت ہی مگر سیدھی راہ کا علم نہیں منزل تو سامنے ہے مگر یقین کی نعمت حاصل نہیں علم ہے شعور نہیں الغرض نور ہے مگر اکتساب کی توفیق نہیں۔ یہ منفی رویہ، سوچ، انداز عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم شک پرستی میں مبتلا ہیں اگر!!! ایسا نہیں تو پھر ہمارا رویہ وانداز اغیار جیسا کیوں ہے؟

- آج ہمیں اللہ کی قرار دی ہوئی رسالت پر Indirect اعتراض کیوں ہے؟۔
- آج ہمارے عمل سے یہ مترشح کیوں ہو رہا ہے کہ

ویقولون نؤمن ببعض و نکفر ببعضٍ لا ویریدون ان یّتخذوا بین ذٰلک سبیلاًO لا (۶۲)

ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں ہم کچھ پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسکے بین بین راہ اختیار کریں۔

- اللہ خلافت کی بات کرتا ہے یہ جمہوریت کی بات کرتے ہیں۔

جائے''۔

آ یئے! ہم اس سوال کا جائزہ ماضی کے اوراق میں ''تلاش ذات کی حقیقت اور انسان'' کے تیز عصر رواں میں انسان کا کردار کے حوالے سے لینگے شاید کہ ہم نفس کی حقیقت کا ادراک کر سکیں۔

فصل سوم

تلاش ذات کی حقیقت اور انسان

تلاش ذات کی حقیقت انسان کے لیے اتنا ہی قدیم مسلہ ہے جتنا کہ خود انسان قدیم ہے کہ ہزار ہا برس بیت چکے ہیں زندگی اپنے ظہور کی ابتداء سے لے کر مسلسل ارتقاء پا رہی ہے یہ زندگی کیا ہے؟ کیا چار سو بکھرے ہوئے عناصر کی ترکیب کا نام یا پھر ارتقاء جد و جہد مسلسل کا نام؟ وقت کی تیزی افلاک کی گردش، زمین و آسمان کی نتیجہ خیزی یہ دن اور پھر رات کے اختلاف، موسموں کے تغیرات، دھنک کے رنگ بزم کائنات کے سنگ یہ پھل اور پھول، خوشگوار فضائیں، معطر ہوائیں، قدرتی نظارے، سارے کے سارے کس لیئے؟ اور مزید یہ کہ اس پر نگاہ کی مستیاں، وجود کی کارگزاریاں، لطیف احساسات، نفس و وجدان کی کیفیات الغرض جذبات کے قلوب پر اثرات یہ سب کیا ہے؟ خواب یا زندگی؟ اور یہ ارتقاء سراب ہے یا حقیقت؟ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کہاں جانا ہے؟ میرا مقصد زندگی کیا ہے؟ اور یہ جو میں زماں و مکاں اور اپنی ذات کے مابین رشتہ تلاش کر رہا ہوں اپنی ذات کی حقیقت کا کھوج لگانا چاہ رہا ہوں یہ سب کچھ میں کیوں سوچ رہا ہوں؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سوچ آئی کہاں سے؟ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا تمام انسان اسی طرح یکساں سوچ کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیا ہر انسان کے نفس کی تخلیقی حقیقت ایک ہی ہے؟ اسلئے ذہن انسانی میں ابھرنے والی ان سوالوں کے جواب کے لیے ہم تین حوالوں سے جائزہ لینگے تا کہ حقیقت کشائی میں مدد مل سکے جو کہ درج ذیل ہیں:۔

۱) دنیائے علم النفس اور قرآن

۲) تلاش ذات اور تصوارت تاریخ کے اوراق میں

۳) عصر حاضر کا انسان اور اسکا کردار

الف) نفس انسانی اور مغرب کے جدید تصورات

ب) مغربی تصورات کے اطلاقی نتائج ماہرین کی آراء کی روشنی میں۔

مذکورہ بالا موضوعات کے ضمن میں ہم درج ذیل سوالات کا تفصیلی جائزہ لینگے:۔

- کیا انسان خود اپنا خالق ہے؟
- کیا انسان و حیوان میں تخلیق اور مقاصد کے اعتبار سے فروق پائے جاتے ہیں؟
- کیا ہم ارتقاء پا کر باشعور ہو گئے ہیں؟

- کیا ہم فلاح کے مفہوم سے واقف ہو چکے ہیں؟
- انسان کے رویئے اور ان کے کردار کے اطلاقی نتائج کس مقام کی وضاحت کرر ہے ہیں؟
- نیز کیا ہم نے معرفت نفس اور اسکی حدود کا ادراک کرلیا ہے؟
- کیا یہ مسئلہ ہنوز حل شدہ ہے یا لاحل؟

ان تمام پہلوؤں کا ہم مذکورہ بالا موضوعات کے تحت تفصیلی جائزہ لینگے تاکہ آج کا انسان خود اپنا احتساب کر سکے اپنے مقام اپنے مقصد حیات کا ادراک اور خالق سے کیئے گئے عہد کی تجدید کر سکے قرآن کی روشنی میں اپنی راہ عمل تلاش کرنے کے قابل ہو جائے اس دنیا سے زادراہ اکھٹی کر کے، حال اور مستقبل ہی کو نہیں بلکہ دنیا و آخرت دونوں کو سنوارا جا سکے۔

دنیائے علم النفس اور قرآن:

زندگی کے سارے دھارے سوچ کی کوکھ سے پھوٹتے ہیں اور اس میں اگر تغیر برپا ہو جائے تو پھر ارتقاء کا سبب بنتے ہیں اس طرح سوچ سے میں Self جنم لیتی ہے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ فلسفہ علم النفس کی اولاد ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی سوچ اگر دانش مندانہ ہو تو سائنس بن جاتی ہے مگر ہر دور کی سوچ مختلف رہی ہے اس میں وقتاً فوقتاً بہت تبدیلی آئی ہے ان ہی تبدیلیوں کا ذکر جائزہ کی صورت میں کیا جارہا ہے:۔

علم النفس کے معنی

Soul also called spirit an entity supposed to be present only in living things corresponding to the Greek psyche and latin "anima". (67)

Soul کو لاطینی زبان میں Anima کہتے ہیں اور یہ لفظ دو یونانی Greek الفاظ کا مرکب ہے Psyche اور Logos: a rational course or study اس طرح علم النفس کا مطلب علم الروح ہوا یعنی In terms of the study of the Soul (68)

علم النفس کی تعریف:

Psychology is the Science of behavior and mental process. (69)

قرآنی علم النفس سے مراد:

قرآن، علم اور نفس کے معنی ومفہوم کا ادراک کیئے بغیر اسکی تعریف شاید ادھوری رہ جائے۔لہذا ان تینوں الفاظ جو فی الوقت مجموعہ کی صورت میں ہیں کا انفرادی جائزہ ضروری ہے۔ بالترتیب ملاحظہ ہو:۔

قرآن قراء – والقرآن فی الاصل مصدر نحو کفران و رجحان قال بعض العلماء تسمیة هذا الکتاب قرآن من بین کتب الله لکونه جامعاً لثمرة کتبه بل لجمعه ثمرة جمیع العلوم کما اشار

تعالیٰ الیہ بقولہ و تفصیل کل شئی و قولہ تبیانا لکل شئی قرآنا عربیاً غیر ذی عوج و قرآنا فرقنا التقراء فی ھذا القرآن و قرآن الفجرای قرائتہ القرآن کریم ۔ (۷۰)

اردو مفہوم:۔ قراء۔ اور قرآن اصل میں کفران ورجحان کی طرح مصدر ہے۔ بعض علماء نے قرآن کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کے ثمرہ کا کو اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے بلکہ تمام علوم کے ماحصل کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اسلئے اسکا نام قرآن رکھا گیا ہے لہذا اسکی خصوصیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ ہر چیز کی تفصیل کرنے والا ہے اس میں ہر چیز کا بیان مفصل ہے اور یہ قرآن عربی میں ہے اس میں کوئی عیب نہیں اور فجر کا قرآن فرق کو واضح کرتا ہے نیز یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

علم:۔ العلم ادراک الشئی بحقیقۃ و ذلک ضربان احد ھما ادراک ذات الشیٔ والثانی الحکم علی الشئی بوجود شئی ھو موجود لہ اونفی شئی ھو منفی عنہ فالاول ھوالمتعدی الی المفعول واحد نحولا تعلمونھم نعلم اللّٰہ لعلمھم و الثانی المتعدی الی مفعولین نحو قولہ فان علمتمو ھن مؤمنات والعلم من وجہ ضربان نظری و عملی فالنظری ما اذا علم فقد کمل نحو العلم بموجودات العالم والعملی مالا یتم الا بان یعمل کالعلم بالعبادات و من وجہ آخر ضربان عقلی و سمعی (۷۱)

اردو مفہوم:۔ دوسرا لفظ علم ہے جس کے معنی کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے اول یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا دوم ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو اسکے لیے ثابت ہو یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو اس سے منفی ہو، پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسے جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔ اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں۔ ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں نظری اور عملی ہیں۔ نظری وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جسکا تعلق موجودات عالم سے ہو اور علم عملی جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم۔ ایک اور حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں عقلی اور سمعی ہیں عقلی وہ جو صرف عقل سے حاصل ہو سکے اور سمعی وہ جو بذریعہ نقل وسماعت کے حاصل ہو جائے۔

النفس:

نفس:۔ النفس الروح ، فنفسہٗ ذاتہٗ (۷۲)

نفس:۔ النفس کے معنی روح کے آتے ہیں نفس بمعنی ذات self کے ہے۔

اس طرح قرآنی علم النفس سے مراد قرآن کی روشنی میں ذات کی حقیقت کا ادراک کرنا نیز معرفت نفس سے خیر کثیر اکھٹی کر کے معرفت حق کا امین بننا۔

قرآنی علم النفس کے مقاصد: Goals of Quranic Psychology

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

یا یّھا الرّسول بلّغ مآانزل الیک من ربّک ط و ان لم تفعل فما بلّغت رسالتہٗ ط (۷۳)

ترجمہ:۔ اے رسول پہنچا دے اسکو جو کہ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا تو نے اسکی رسالت کو ہی نہ پہنچایا۔

اس حکم کے مطابق رسول کے فرائض اولین اور رسالت کے مقاصد بھی خود مقرر فرما دیئے تا کہ رسول کو رسالت کے معاملات میں آسانی ہو ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً مّن انفسھم یتلوا علیھم ایتہ و یزکیھم و یعلّمھم الکتٰب والحکمۃ ج (۷۴)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے صاحبان ایمان پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں ان ہی کے نفسوں میں ایک رسول مبعوث کیا وہ ان پر اسکی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس طرح رسالت کے چار مقاصد طے پائے جو کہ درج ذیل ہیں اور ساتھ ہی قرآنی علم النفس کے مقاصد بھی بیان کیئے جائینگے نیز اسکے ساتھ ہی ہم جدید نفسیات کے مقاصد کو بھی بیان کرینگے۔

GOALS

Goals of Psychology نفسیات کے مقاصد	Goals of Quranic Psychology قرآنی علم النفس کے مقاصد	Goals of Risalat (Prophethood) رسالت کے مقاصد
(1) Describe	۱۔ ادراک وبصیرت	۱۔۔۔۔ آیات کی تلاوت
(2) Explain	۲۔۔۔ تربیت نفس	۲۔۔۔ تزکیہ
(3) Predict	۳۔۔۔ معرفت نفس	۳۔۔۔ کتاب کی تعلیم
(4) Change Behavior(75)	۴۔۔۔ معرفت حق	۴۔۔۔ حکمت

۱) ادراک وبصیرت کا حصول بذریعہ تلاوت قرآن

ادراک وبصیرت کے حصول کے لیے قرآن کی ترجیحات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے بزبان قرآن یہ ترجیحات درج ذیل ہیں:۔

لاتحرّک بہ لسانک لتعجل بہٖ ط ۝ انّ علینا جمعہ و قرانہٗ ۝ فاذ اقرانہ فاتبع قرانہٗ ۝ ثمّ انّ علینا بیانہٗ ط ۝ (۷۶)

ترجمہ: تو اپنی زبان کو اس میں تعجیل کی غرض سے حرکت نہ دے یقیناً اسکا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے پس جب اسے پڑھیں تو تو پڑھنے کی پیروی کر، پھر بے شک اسے واضح بیان کردینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

وقرانا فرقنٰہ لتقرآ ہ علی النّاس علیٰ مکث وّ نزّلنٰہ تنزیلاً ۝ (۷۷)

ترجمہ:۔ اور یہ ایک قرآن ہے جسے ہم نے تقسیم کیا تاکہ تو اسے لوگوں کو وقفے سے پڑھ کر سنائے اور ہم نے اسے بتدریج نازل کیا۔

وقرآن الفجرؕ انّ قرآن الفجر کان مشھوداً (۷۸)

ترجمہ: اور فجر کے وقت قرآن بلاشبہ فجر کا قرآن مشہور ہے۔

صبح کے وقت جب روشنی گہری تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے تب جمع شدہ کلام کو ٹھہر ٹھہر کر، ایک ایک جزو پر غور کر کے پڑھنا تاکہ ذہنی یکسوئی سے کلام کی روح کو سمجھا جائے تو قلوب پر سکینت اور فجر کے مشاہدے سے یقین کی دولت اور کلام کی حقیقت کے ادراک سے بصیرت کے چشمے ابلنے لگتے ہیں۔ تب قرآنی علم النفس کا مقصد اولین حاصل ہو جاتا ہے۔

۲) تربیت نفس بذریعہ تزکیہ:

نفس کو تربیت دینے کے لیے رسول کی اور اصلاح و تعلیم کے لیے آیات کی اور طہارت و پاکیزگی کے لیے مشیت ایزدی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن میں تزکیہ کی تینوں نسبتوں کا ذکر آیا،۔ جن کا مقصد ظاہری و باطنی پاکیزگی کا حصول ہے لہٰذا نبی کی نسبت کہا گیا:۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم (۷۹)

ترجمہ: جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ جو تم پر ہماری آیات کی تلاوت کرتا رہتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔

بعثت رسول کا مقصد نفوس کا تزکیہ کرنا ہے۔ سو وہ اس کام کو بخوبی انجام دیتا ہے اور دوم اس کی نسبت خود انسان کی طرف کی جاتی ہے کیونکہ وہ اس کا اکتساب کرتا ہے۔

قدافلح من زکّٰھا ؁ (۸۰)

ترجمہ:۔ بے شک فلاح اسی نے پائی جس نے اسے پاک کیا۔

تزکیہ نفس کا طریق یہ ہے کہ انسان ان باتوں کی کوشش کے حصول میں لگ جائے جن سے طہارت نفس حاصل ہوتی ہو اس طرح امام راغب کے نزدیک تزکیہ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں:۔

وتزکیۃ الانسان نفس ضربان احدھما بالفعل و ھو محمود والثانی بالقول کتزکیۃ العدل غیرہ وذلک مذموم (۸۱)

اردو مفہوم:۔ اللہ تعالیٰ تزکیہ بالفعل کو پسند فرماتا ہے کیونکہ اسمیں ظاہری و باطنی پاکیزگی ہوتی ہے جو انسان میں اوصاف محمودہ پیدا کرتی ہے دوسرے تزکیہ بالقول ہے جیسا کہ ایک ثقہ شخص دوسرے کے اچھے ہونے کی شہادت دیتا ہے اگر انسان خود اپنے اچھا ہونے کا دعویٰ کرے اور خودستائی سے کام لے تو یہ مذموم ہے اس قسم کے تزکیہ سے اللہ نے منع فرمایا

ہے۔

اس طرح اوصاف حمیدہ دنیا وآخرت میں باعث اجر وثواب ہوتے ہیں جبکہ اوصاف مذمومہ کے تحت اعمال اکارت ہوجاتے ہیں۔ بہرحال اس تصریح سے ہمارے سامنے تزکیہ کی دو اقسام سامنے آتیں ہیں اول تزکیۂ بالفعل دوم تزکیۂ بالقول۔

تزکیۂ بالقول کرنے سے انسان اپنے منہ آپ میاں مٹھو بنتا ہے خواہ اسے فائدہ ہو یا نہ ہو مگر ایسے نفوس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ

هوا علم بكم اذا انشاكم من الارض و اذ انتم اجنّة فى بطون امّهتكم فلا تزكّوا انفسكم هوا علم بمن اتقى (۸۲)

ترجمہ:۔ جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اس وقت بھی وہ تمہارے احوال سے خوب واقف تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے بطنوں میں بچے کی صورت میں تھے اس وقت بھی پس اپنے نفوس کی پاکیزگی نہ جتلاؤ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔

اس آیت سے واضح ہوگیا کہ انسان پارسا نہ ہوتے ہوئے اپنی پارسائی کا ڈھونگ دنیا میں تو رچا سکتا ہے مگر اللہ اسکی ایک ایک حالت سے باخبر ہے۔

تیسری نسبت اللہ کی طرف منسوب ہے کیونکہ فی الحقیقت وہی اسکا فاعل ہے۔

الم تر الى الّذين يزكّون انفسهم بل اللّه يزكّى من يّشآء و لا يظلمون فتيلا○ (۸۳)

ترجمہ:۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے نفوس کو پاک و پاکیزہ ظاہر کرتے ہیں حالانکہ تزکیہ تو اللہ ہی کرتا ہے جس کا بھی وہ چاہے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا۔

آیت کا آخری جملہ اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ عادل ہے وہ نیکی کو ضائع نہیں کرتا مگر اسکے کچھ اصول ہیں اس لیے ایک اور جگہ فرمایا:۔

ومن تزكّى فانّما يتزكّى لنفسه (۸۴)

ترجمہ:۔ اور جس کسی نے تزکیہ کیا تو اس نے اپنے ہی لیے تزکیہ کیا۔

اس طرح تزکیہ کی منزل پر پہنچ کر انسان اپنے نفس کی استعداد، ممکنات اور دین و دنیا کے اجر کا موازنہ کرنے کے قابل ہوجاتا ہے اور اب وہ اصلاح نفس کرے یا نہ کرے مگر اس منزل پر پہنچ کر مقصد کا حصول ہوجاتا ہے۔

۳) معرفت نفس بذریعہ کتاب کی تعلیم:

(علم) والتعليم اختص بهايكون بتكر يرو تكثير حتى يحصل منه اثر فى نفس المتعلم قال بعضهم التعليم تنبيه النّفس لتصور المعانى (۸۵)

ترجمہ:۔ تعلیم کے معنی چونکہ تصور کے لیےنفس کومتوجہ کرنا اور بار بار کثرت کے ساتھ خبر دینے کے ہیں حتی کہ متعلم کے ذہن میں اسکا اثر پیدا ہو جائے۔

اس لیئے یہ کام انتہائی نازک قرار پاتا ہے اسی نزاکت کے طفیل اللہ نے یہ ذمہ داری رسول کو سونپی اور اہل الذکر کوتفویض کی اور اللہ کی طرف تو اسکی نسبت ہے ہی لیکن علاوہ ازیں کو وہ تسلیم نہیں کرتا جیسے منافقین ملحدین اور مشرکین وغیرہ نبی، کی نسبت تعلیم کا کام سونپا جانا عین فطری ہے کیونکہ اس پر کتاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے:۔

وانزلنا الیک الذّکر لتبین للناس مانزل الیھم ولعلّھم یتفکّرون ○ (۸۶)

ترجمہ:۔ اور تجھ پر ہم نے ذکر نازل کیا تا کہ تو لوگوں پر کھول کر بیان کر دے جو ان کی طرف نازل کیا گیا اور شاید کہ وہ غور کریں۔

دراصل نبی جس کتاب کی ہمیں تعلیم دیتا ہے اس کا وصف یہ ہے کہ زمین وآسمان کا ہر غیب اس میں واضح طور پر موجود ہے اس لیے اسے اللہ نے کتاب مبین کہا ہے۔

وما من غآئبة فی السّمآء والارض الّا فی کتٰب مّبین ○ (۸۷)

ترجمہ:۔ ''اور آسمان وزمین کے غائب میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو واضح کتاب میں موجود نہ ہو''۔

یعنی تصور کیلئے نفس انسانی کو قرآن نے بہت اچھے طریقے سے رغبت دلائی ہے:۔

ونزّلنا علیک الکتب تبیانا لّکل شیٍ وّھدی وّ رحمة وّ بشریٰ للمسلمین○ؑ (۸۸)

ترجمہ:۔ ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی جس میں ہر شے کا واضح بیان ہے جو سرِتسلیم خم کرنے والوں کے لیے ایک ہدایت اور ایک رحمت اور بشارت ہے''۔

بنی نوع انسان کی ترغیب کے لیے حکم ہے کہ:۔

شھر رمضان الّذی انزل فیه القران ھدی لّلنّاس و بیّنٰت من الھدیٰ والفرقانؗ (۸۹)

ترجمہ:۔ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں لوگوں کو ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا گیا اور ہدایت کی اور نیک و بد میں تمیز کی واضح نشانیاں ہیں''۔

اہل الذکر کی نسبت فرمایا:

فسئلو آ اھل الذّکران کنتم لاتعلمون○ؐ (۹۰)

ترجمہ:۔ بس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

اہل ذکر جو اللہ کو بار بار کثرت سے یاد کریں اہل علم وحکمت والے لوگوں سے اپنے مسائل کا حل معلوم کریں لیکن وہ جو قرآن کا علم نہیں رکھتے ان کی رہنمائی سے گریز کریں۔ ان کے لیے تو یہ کہا گیا:

قل اتعلّمون اللّٰه بدینکمط واللّٰه یعلم مافی السّمٰوٰت و مافی الارضط واللّٰه بکل شیٍء

علیمO(۹۱)

ترجمہ:۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو اپنا دین جتلاتے ہو، حالانکہ جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اللہ علیم ہے وہ نفس انسانی کا تخلیق کرنے والا ہے اس لئے اس نے انسان کی توجہ نفس کی جانب مبذول کرائی نفس کے اوصاف کی قسم کھا کر فرمایا:۔

☆و نفس وّ ما سوّٰھاO فالھمھا فجورھا و تقوٰھاO قد افلح من زکّٰھاO و قد خاب من دسّٰھاO (۹۲)

ترجمہ:۔ اور نفس کی اور اسکی جسکی اسے کامل بنایا کہ اسکی بدکاریاں اور اسکی پرہیزگاری اس پر الہام کی بے شک فلاح اسی نے پائی جس نے اسے پاک کیا اور بے شک نامراد وہی ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

☆ سنریھم اٰیتنا فی الاٰفاق وفیٓ انفسھم حتیٰ یتبیّن لھم انہ الحق اولم یکف بربّک انہٗ علیٰ کلّ شیٍء شھیدO (۹۳)

ترجمہ:۔ عنقریب ہم ان کو کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھائینگے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا بے شک یہی حق ہے اور کیا تیرے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر شے پر چشم دید گواہ ہے۔

☆ بل الانسان علیٰ نفسہ بصیرۃO (۹۴)

ترجمہ:۔ ''انسان تو اپنے نفس کو خوب دیکھنے والا ہے۔''

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن انسان کو معرفت نفس کیوں دلانا چاہتا ہے اسکی وجہ بھی رب تعالیٰ نے خود بیان فرمادی:۔

لّیھلک من ھلک عنۢ بیّنۃ و یحییٰ من حیّ عنۢ بیّنۃ و انّ اللّٰہ لسمیع علیمO (۹۵)

ترجمہ:۔ اور اسلئے کہ جو ہلاک ہوں وہ واضح حجت سے ہلاک ہوں اور جو زندہ رہیں وہ واضح دلیل پر زندہ رہیں اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

۴) معرفت حق بذریعۂ حکمۃ:۔

علم عمل کے لیے مہمیز ہوتا ہے اسی طرح معرفت نفس معرفت حق کے لیے مہمیز ہوتی ہے اور علم و حکمت کا تو آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے حکمت مشیئت ایزدی کی جانب سے ملتی ہے جیسے لقمان (۹۶) کو عطا ہوئی۔ نیز دیگر انبیاء کرام پر بھی، اور آپ ﷺ پر نازل ہوئی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وانزل اللّٰہ علیک الکتٰب والحکمۃ و علمک مالم تکن تعلمؕ و کان فضل اللّٰہ علیک عظیماًO (۹۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت نازل کی اور تجھے وہ علم دیا جو تو نہیں جانتا تھا اور بے شک تجھ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔''

طریق حکمت کی نسبت نبی سے ہوتی ہے لہذا فرمایا تا کہ امت کے لیے یہ طریق سنت کی صورت میں ثبت بن جائے اور وہ سب سکھائے جو ہم نہیں جانتے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربّک بالحکمة والموعظة الحسنة و جادلهم بالّتی هی احسنُ انّ ربّک هوا علم بمن ضلّ عن سبیله و هو اعلم بالمهتدین○(۹۸)

ترجمہ:۔ اپنے پروردگار کے راستے کی جانب حکمت اور عمدہ نصیحت سے دعوت دے اور ان کے ساتھ بڑے عمدہ انداز سے بحث کر تحقیق تیرا رب اسکو خوب جانتا ہے جو راستے سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں۔''

والحکم اعم من الحکمة فکل حکمة حکم ولیس کل حکم حکمة فان الحکم ان یقضی بشیءٍ علی شیء .والحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل فالحکمة من اللّٰه تعالیٰ معرفة الاشیاء و ایجاد ها علیٰ غایة الاحکام و من الانسان معرفة الموجودات و فعل الخیرات. السدّی هی النّبوّت و قیل فهم حقائق القرآن ۔ (۹۹)

ترجمہ: ''حکم کا لفظ حکمت سے عام ہے ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں مگر ہر حکم کو حکمت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حکم کے معنی کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ الحکمة کے معنی علم وعقل کے ذریعے حق بات دریافت کر لینے کے ہیں لہذا حکمت الٰہی کے معنی اشیاء کی معرفت اور پھر نہایت احکام کے ساتھ ان کو موجود کرنا ہے اور انسانی حکمت موجودات کی معرفت اور اچھے کاموں کو سرانجام دینے کا نام ہے سدی نے سنت نبوی مراد لی ہے۔ اور بعض نے کہا حقائق قرآن کا فہم مراد ہے۔

اور دراصل موجودات کی معرفت اور قرآن کے حقائق کا فہم ہی حکمت ہے ان دانائی کی باتوں کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں تفصیل سے کیا گیا ہے (۱۰۰) تاہم جن لوگوں نے اسکو بالائے طاق رکھا ان کا ذکر بطور عبرت بوجوہ حکمت یوں بیان فرماتا ہے کہ:۔

ولقد جآء هم من الانبآء مافیه مزدجرٌ حکمةٌ بالغة فما تغن النّذرُ (۱۰۱)

ترجمہ:۔ بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آ چکی ہیں جنہیں تنبیہہ تھی اعلیٰ درجے کی دانائی پھر بھی تنبیہات ان کے کسی کام نہ آ سکیں''۔

حکمت علم کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر گوہر نایاب کی تلاش کا نام ہے تاہم حکمت اصول مشیت کی مرہون منت ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

يؤتي الحكمة من يشآء ج و من يؤت الحكمة فقدا وتي خيراً كثيراً ط و مايذ كرّ الاّ اولوا الالباب○ (۱۰۲)

ترجمہ:۔ ''وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی تو گویا وہ بہت خیر و خوبی سے نوازا گیا مگر سوائے صاحبان عقل و دانش کے کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔''

مذکورہ مقاصد سے پتہ چلتا ہے کہ جو خیر کثیر کا حامل ہو جو حقائق قرآن کا فہم رکھے یقیناً وہی معرفت حق کا امین و علمبردار ہوگا قرآنی علم النفس کے یہ چار اہم مقاصد ہیں جنکا حصول فلاح دارین کا موجب ہے دراصل یہی وہ مقاصد ہیں جو جدید ماہرین نفسیات کے نفسیاتی مقاصد کی بنیاد بنتے ہیں جن کا ذکر کچھ اس طرح ہے کہ:۔

The objectives of psychology are bassed on needs which man has experienced since the dawn of time to describe, understand, predict and control the conditions and situations that the meets in his environment and within himself. (103)

ذہن کی پاکیزگی عمل کی پاکیزگی کی بنیاد بنتی ہیں اور اسطرح مسائل حل ہوتے جاتے ہیں اور انسان کو فلاح نصیب ہوتی ہے۔ گو کہ نفسیات کا میدان بڑا وسیع ہے اسلئے نفسیات کے نئے زاویے جیسے ماحول، ثقافت، فیشن، مذہبی روایات کے اثرات انسانی شخصیت پر پڑتے ہیں تو صرف قرآنی نفسیات ہی ان کا صحیح حل پیش کرتی ہے۔

تلاش ذات اور تصورات تاریخ کے اوراق میں:

جدت بنا قدامت کے اور حال بنا ماضی کے ممکن نہیں ان دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے اسی لیے ہر دور کے انسان نے خود کو ماضی میں تلاش کرنا چاہا کہ شاید کوئی سرا ہاتھ لگ جائے اسی کشمکش معرفت ذات میں کئی تصورات سامنے آئے خود قرآن حکیم نے سورہ الدھر میں فرمایا:۔

هل اتىٰ على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئاً مّذكوراً○ انّا خلقنا الانسان من نطفة امشاج صلے نبتليه فجعلنه سميعاً بصيراً○ انّا هد ينه السّبيل اِمّاشاكراً وّ اِمّا كفوراً○ (۱۰۴)

ترجمہ:۔ ''کیا انسان پر زمانے ایسا وقت نہیں گزرا کہ جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفہ سے خلق کیا کہ اسکی آزمائش کریں پس ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنادیا یقیناً ہم نے اسے راہ مستقیم دکھلادی خواہ وہ شکرگزار بنے یا نہ بنے۔''

مذکورہ آیات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انسان جب اپنی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہوا تو ایک گروہ نے اپنی فکر کو وحی کی بنیادیں عطا کیں اور یوں وہ شریعت کے ذریعے حقیقت تک رسائی حاصل کرسکا اور دوسرا گروہ اس غلط فہمی کا شکار ہوا گو کہ سوچ زندگی کی علامت اور تغیر ارتقاء کی علامت ضرور ہے مگر وہ یہ نہ جان سکا کہ اسکی سوچ محدود ہے جو مخلوق ہونے کی نشانی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ تغیر اور ارتقاء کو سمجھ نہ سکا اسی لیے مذکورہ بالا آیت میں اللہ نے انسان کی توجہ اس ماضی کی طرف دلائی ہے کہ جسکی اسے قطعاً خبر نہیں اسے تو اسکی خبر ہے کہ جو اسکے سامنے ہو رہا ہے۔

ثمّ جعلنٰک علیٰ شریعة مّن الا مرفا تبعها و لا تتبع اهو آء الذین لایعلمون○ (۱۰۵)

ترجمہ:۔ ''پھر ہم نے تیرے لیے احکام کا ایک واضح راستہ قرار دیا پس اسی کی پیروی کر اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر جو نہیں جانتے۔''

اس طرح سوچ دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔

اول وحی کی تابع

دوم ھوئی نفس کی تابع

اول الذکر گروہ اپنی غایت و نہایت کو وحی کے مطابق پروان چڑھاتا ہے جسے شریعت کہتے ہیں جبکہ دوسرا گروہ شیطانی القاء کی بدولت دھوکہ کھاتا ہے اور یوں شیطان کا مقصد عظیم یعنی انسان کو ھوٰیٔ نفس کی آواز سننے پر لگا دیتا ہے تاکہ وہ توحید کے بجائے شرک کی راہ اختیار کرلے۔

وانّ الشّیطین لیوحون الیٰ اولیٰھم لیجادلوکمۚ وان ا طعتموھم انّکم لمشرکونؑ○ (۱۰۶)

ترجمہ: اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو تم ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔

جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شیطان انسان کی غایت و نہایت کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے جب انسان پر ہر جانب سے حملہ اور ہوتا ہے تو فکر کو مختلف زاویے متعارف کراتا ہے کہ جس پر چل کر انسان انسانیت کے مقام سے گر جائے اس طرح وہ انسان کو ھوائے نفس کی پیروی کا عادی بنا دیتا ہے اور یوں انسان زندگی و موت کی تان کو زمانے سے شروع کرتا ہے اور زمانہ پر ہی اسے توڑتا ہے اسی لیے رب العزت نے سورۃ الدھر کی ابتداء میں اسے جھنجھوڑا اور پھر سورۃ العصر میں واضح کر دیا کہ

والعصرۙ○ انّ الانسان لفی خسرۙ○ الاّ الّذین امنوا و عملوا الصّلحٰت و تواصوا بالحقّ۬ و تو اصوابالصبرؑ○ (۱۰۷)

ترجمہ:۔ ''قسم ہے زمانے کی کہ بے شک انسان خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیئے اور حق کی تلقین کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب بھی ہوائے نفس کے مطابق پروگرام پر عمل کیا گیا انسان خسارے ہی میں رہا اور جب عوام الناس کو وہ خسارہ نظر آنے لگا۔ تو شیاطین کا خاص طبقہ کسی نئی فکر کر پروان چڑھا دیتا اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا انسانوں کی اکثریت گمراہ فکر کی زد میں رہی اور شریعت پر ایمان نہ لاسکی جبکہ ایمان لانا انتہائی ضروری ہے اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ دراصل بدترین خلائق ہیں ایمان چونکہ فطری عمل ہے بظاہر تو وہ ایمان سے انکاری ہیں مگر ہوائے نفس کی پیروی یہ بتاتی ہے کہ ایمان تو وہ لائے مگر اللہ پر نہیں بلکہ اپنے نفس پر، وہ یہ حقیقت قطعاً بھول گئے کہ جس خالق نے انسانوں کو

تخلیق کیا کیا اس نے انسان کی غایت ونہایت پر مشتمل شریعت مقرر نہ کی ہوگی؟

سچ تو یہ ہے کہ اس ثانی الذکر گروہ نے شریعت کے نزول کے بعد ہمیشہ مخالفت کی اس طرح حق کے ہوتے ہوئے باطل کو متعارف کرایا جاتا رہا ہے یہ کہہ کر کہ یہ تو محض اصلاح کے لیے ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد قدیم سے لے کر عہد جدید تک نفس انسانی مختلف تصورات کی زد میں رہا جو کہ ثانی الذکر گروہ کی طرف سے پھیلائی گئی تھی آیئے نفسیات کے ارتقاء کو تاریخ کے اوراق میں عہد بہ عہد ملاحظہ کریں۔

نفسیات کا ارتقاء اور تقسیم ادوار:

نفسیات کے ارتقاء کو ہم چھ ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱)	دور قدیم	Pre Historic Period
۲)	دور قدیم ہندوستان	Ancient Indian Period
۳)	عہد یونان	Greek Period
۴)	عہد وسطیٰ	Middle Age
۵)	عہد فلاسفۃ العرب	Arab Philosopher's Age
۶)	عہد جدید	Modern Age

نیز ان ادوار کے بعد ہم جدید طب نفسی اور قرآنی طب نفسی اور مسلم طب نفسی کا بھی ارتقائی جائزہ لینگے۔

۱) دور قدیم علم ہدایت سے روحیت تک:

قرآن مجید میں ہمیں اس قدیم ترین دور کے بارے میں بتاتا ہے کہ جسکی تاریخ بھی بنی نوع انسان کے سامنے نہیں محض قیاس اور مفروضوں پر عمارت استوار کر لی جاتی ہے لیکن قرآن انسان کی بھرپور رہنمائی فرماتا ہے جب آدم سے گناہ سرزد ہوا تو اللہ نے اس سے فرمایا تھا کہ

قلنا اهبطوا منها جميعاً فامّا يا تينكم مّنىّ هدىً فمن تبع هدایَ فلاخوف عليهم ولا هم يحزنون ○ (۱۰۸)

ترجمہ:۔ ہم نے کہا سب یہاں سے اتر جاؤ پس جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے جو کہ یقینی ہے تو جو میری ہدایت کی پیروی کرینگے انہیں نہ کوئی خوف اور نہ حزن دملال ہوگا

و علّم ادم الا سمآء كلها ثمّ عرضهم على الملئكة (۱۰۹)

ترجمہ:۔ اور اس نے آدم کو ان سب کے نام سکھلا دیئے پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا۔

اس طرح ثابت ہوا کہ اللہ نے انسان کو علم دیکر آزمایا مگر بشری کمزوری کو بھی متعارف کروادیا تا کہ انسان

سے جب لغزش ہو جائے تو وہ دوبارہ اللہ کی جانب رجوع کر لے۔ علاوہ ازیں سورۃ شوریٰ میں اللہ فرماتا ہے کہ

و ما تفر قوا الّا منٔ بعد ما جآء ھم العلم بغیاً بینھم ط (۱۱۰)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے تو علم آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے تفرقہ ڈالا۔

تفرقہ کا نتیجہ لازمی طور پر شریعت و ہدایت کے خلاف نفسی تصور کارفرما ہوا لیکن جب موسموں کے تغیرات برپا ہوئے یعنی آفات ارض و سماوی کا ایک غیر معقول ردعمل سامنے آیا اس نے روحیت (۱۱۱) یعنی Animism as a posses spirit کی صورت اختیار کر لی اسکا نفسیاتی عمل یہ ہے کہ یہ تصور نامعلوم اعمال کو انسانی خصوصیات عطا کر کے ان اعمال کو مانوس بناتا ہے اس طرح ان اعمال کا ڈر کم ہو جاتا ہے نتیجہ احساس جرم اور احساس ندامت ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جن بھوت پریت کا تصور سامنے آجاتا ہے آج بھی یہ تصور عام ہے جو کہ جرائم کی پرورش کر رہا ہے اور دوم یہ کہ چونکہ انسان نے دیکھا کہ معاشرہ یہ تصور رکھتا ہے لہذا خود کو گمراہ خواہش کی بھینٹ چڑھا دیا مگر وہ یہ بھول گیا کہ ایک گواہ ایک عدالت خود اسکے اندر موجود ہے جو اسے اسکے گمراہ عمل پر کچوکے لگا رہی ہے اسی کیفیت نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا ۔سادہ لوح افراد اس تصور کی بھینٹ چڑھتے رہے اس طرح روحیت کی کوکھ سے گمراہی نے جنم لیا۔

۲) فلسفہ دور قدیم ہندوستان (جسم سے ذہن تک اور التباس سے مادیت تک):

ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے چنانچہ روحیت کے ردعمل کے تحت جسم کے تصور Body Type Theories کو متعارف کروایا گیا جسکے تحت:۔

With relating the individuals over all build or morphology to his total personality structure (112)

کیونکہ پیداوار کی ضرورت محسوس ہوئی اس ضرورت کے تحت مادرانہ نظام کو فروغ ملا جو کہ فطرت کے غیر موافق تھا مگر تصور کی حد تک یہ سائنٹیفک ضرور ہے۔''قدیم ہندوستان میں مادہ پرستی کا دور قدیم تانتری یوگا فلسفے پراکرتی کے اصول کے ماتحت تھا پراکرتی معنی عورت کے ہیں انسانی جسم اور زمین دونوں ہی ایک جیسی (۱۱۳) اشیاء ہیں'' کے تصور کو فروغ دیا گیا لیکن جب اضافہ کی ضرورت نہ رہی تو پھر ویدانت نے شعور کو اولیت دے دی اس سے بھی ان کا مقصد پورا نہ ہوا تو پھر انہوں نے مایا یعنی التباس Illusion is mistaken perception کو متعارف کروا کے گوشہ نشینی پر مجبور کر دیا جسکے تحت بیرونی دنیا کی کوئی حقیقت نہیں یہ حواس کا دھوکہ ہے (۱۱۴) چنانچہ اسکا ردعمل یہ ہوا کہ معاشرے میں افراد کی تعداد کم رہ گئی لہذا اب دوبارہ سنکھیا فلسفے جس میں (۱۱۵) حواس کو بنیاد بنایا گیا ہے جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ اس تصور کے تحت مادیت پسندی کی تعلیم دے کر روح کے تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔

۳) عہد یونان (تھالیس سے لیکر ارسطو تک)

یونان میں مادیت پسند رجحانات کی ابتداء چھٹی صدی قبل مسیح میں ہوئی Thales (547-624 ق م) نے پانی

Thales: that the world originated in water and was sustained by water and that the earth کو
Anaximender: Begning لامحدود معین مادہ) نے (546-610ق م) Anaximender floated on water.(116)
from a first principle called the Boundless or infinite.(117) اور ہیریکلیٹس Heraclitus (495-545 ق
م) نے آگ کو دنیا کا بنیادی عنصر قرار دیا (118) لیکن سب سے زیادہ ترقی یافتہ نظریات دیمقراطیس Democritus
(460-370 ق م) کے ہیں اسکے نزدیک کائنات کی ہر شے چھوٹے چھوٹے ناقابل تقسیم ذرات پر مبنی ہے جنہیں جوہر کا نام دیا گیا
ان تصورات نے دیوتاؤں اور خرافات کے بجائے ذاتی مشاہدہ سے سائنس کی بنیاد ڈالی (119) Parmenids (چھٹی سے
پانچویں صدی ق م) کے وسط میں واحدیت Whole کا نظریہ پیش کیا جو کہ Idealistic کہلایا۔(120) سقراط نے روح کو خود
آگہی کا دوسرا نام قرار دیا (121) Know Thyself جس کا اظہار ۱۹ ویں صدی میں مشاہدۂ باطن (122) اور تحلیل نفسی کی صورت
میں (123) افلاطون نے (427-347 ق م) مثالیت پسند فلسفے کو پیش کیا اسے نفسیات کا بانی سمجھا جاتا ہے اسکے تصور کے مطابق
جسمانی خواہشات جذبات اور احساسات کا روح اور عقل سے تضاد ہے (124) اس طرح یہ تصور فرائیڈ سے مل جاتا ہے ارسطو
384-322 ق م، پہلا نفسیات داں جسکی تحریر De-Anima روح یا نفس نفسیات کی پہلی باقاعدہ تحریر ہے اس نے کہا کہ روح ایک
وحدت ہے اور روح جسم یا مادے سے الگ نہیں جسم مادہ ہے اور روح یا نفس اسکی شکل (125)۔

۴) عہد وسطیٰ ۔ (فلاطینوس سے لے کر آگسٹائن تک)

فلاطینوس (Plotinus 220-270) کو فلاطونیت کا بانی سمجھا جاتا ہے اسکا بنیادی نظریہ اشراقیت Emanationism ہے اسکے مطابق ذات احد سے عقل، پھر روح، پھر روح انسانی اور آخر میں مادہ نازل ہوا۔

Neoplatonists according to which every thingelse tht exists is an emanation from a premordial unity, called by plotinus " the One" The first product of Emanation from the one is intelligence (Nous) a realm plato's world of forms. From intelligence emanates soul (Psyche) concievd as an active principle that imposes, insofar as that is imposible, the rational structure of intelligence on the matter that emanates from soul.(126)

Agustine نے نو فلاطونیت کو عیسائی نظریات میں تبدیل کر دیا (127) البتہ اس نے مشاہدۂ باطن Psychology Introspection کیلئے بنیادیں فراہم کیں۔

۵) عہد فلاسفۃ العرب (ابن سینا سے لے کر ابن رشد تک)

مشرق وسطیٰ میں ابن سینا (Avicenna 980-1037) نے یونانی فلسفیوں کے خیالات کو اسلامی نظریات میں ڈھالنے کی کوشش کی انسانی روح غیر فانی اور غیر مادی اور جسم سے علیحدہ آزادانہ حیثیت رکھتی ہے کا نظریہ پیش کیا (128)۔ الغزالی (1058-1111) نے مثالیت پسند اسلامی نظریات پیش کیے۔

The thinking soul becomes the focus of the universal soul Irridiations the mirror of

intelligeble forms recieved from the universal soul (129)

فلاطینوس کی طرح غزالی نے روح کو آسمانی دنیا سے متعلق قرار دیا ہے جو کہ الٰہی اور مادی دنیا کے درمیان ہے اس نظریئے کا نفسیاتی ردعمل یہ ہوا کہ لوگ اپنے گناہوں کی تلافی کے لیے مادی دنیا سے کٹ گئے بہر حال غزالی چونکہ صوفیاء سے متاثر تھے لہذا ویسے ہی نظریئے کی بنیاد ڈالی۔

ابن رشد (Averroes -1126-1198) کی وجۂ شہرت ارسطو کے نظریات میں اضافہ کر کے ایک نیا فلسفہ قائم کیا جو ابن رشدیت کے نام سے مشہور ہوا اس نے اپنی مشہور کتاب کتاب الانفس میں کہا کہ روح انسانی جسم سے علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ جسم کی شکل ہے اور اسکا لازمی حصہ ہے۔

In his analysis of the soul the active intellect with which man hopes to unite at death being a single undifferentiated form and the soul as individuated in this life can not subsist without the body (130)

٦) جدید نفسیات کا آغاز (ڈیکارٹ سے لے کر ہیوم تک)

ڈیکارٹ (Descartes 1596 - 1640) جو کہ جدید فلسفہ اور جدید نفسیات کا بانی الغرض ارسطو سمجھا جاتا ہے نے اپنے نظریئے کی بنیاد شک پر رکھی۔ اس نے کہا:۔

"I have found by experience." (131)

"I noticed that while I was trying to think every thing false, it must needs be that I who was thinking was something. And observing that this truth, I am thinking therefore I exist. (132)

علاوہ ازیں ڈیکارٹ نے Mind Body Dualism ذہن و جسم کی ثنویت قائم کی۔

"I am not merely present in my body as a sailor is present in a ship but that I am very closely joined and as it were intermingled with it" (133)

حقیقت تو یہ ہے کہ ڈیکارٹ نے ذہن کو اہم قرار دے کر اس لازوال ہستی کو indirectly ہی سہی مگر تسلیم کر لیا جس نے اس مادی دنیا کو تخلیق کیا بے شک وہی اول وہی آخر (۱۳۴)۔

ھابس (Hobbes 1588 - 1679)

اس کا کہنا ہے کہ انسان سمیت دنیا کی ہر شے مادی ہے اور حرکت کر رہی ہے اشیاء کی مختلف خصوصیات کا انحصار مادی ذرات کی حرکت پر ہے۔

All causations in hobbes view consist in motion there can be no cause of motion except in a body contiguous and moved. (135)

اور اس نے خوف کی پیداوار کے نظریئے کو بھی پیش کیا۔

"No motive in human nature except the fear of death is strong enough to counteract the

disruptive force of mans self assertion."(136)

ہیوم(Hume 1711 - 1776)

ہیوم کے نظریات موضوعی مثالیت پسندی پر مبنی تھے اس نے مادّی دنیا کے معروضی وجود سے انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم اس بات کا یقین نہیں کر سکتے کہ دنیا کا کوئی اپنا معروضی وجود بھی ہے ہم صرف اپنے حواس پر بھروسہ کر سکتے ہیں یعنی صرف ان اشیاء کا وجود ہے جن کا ادراک کیا جا سکتا ہے ادراک سے ماوراء نہیں۔

"Nobasis for metaphysical arguments obout the nature of universe" (137)

اس نے غیب کو نظر انداز کیا، حالانکہ جہاں ادراک کی ممکنات ختم ہوتیں ہیں وہاں سے غیب شروع ہوتا ہے اسلام غیب پر ایمان کی بات کرتا ہے (۱۳۸) اور یہ اسکا انکار یہی مرکزی فرق انسانی نفسیات پر مثبت اثرات مرتب کرتا ہے جبکہ ہیوم مادہ پرست بناتا ہے۔

نفسیات کے مکاتب فکر کے کردار واثرات کا مختصر جائزہ:

ضرورت ایجاد کی ماں ہے اسی طرح نفسی ضرورت ایک نئے تصور کی ماں ہے ۱۹ ویں صدی کا وسط ہو یا ۲۰ ویں صدی کا آغاز اصل ضرورت یہ تھی کہ عوام الناس کو قابو میں کرنے کے لیے ایسے حربوں کی ضرورت تھی جنکا تعلق انسان کی سوچ اور اسکے کردار کو کنٹرول کرنے سے متعلق ہو۔ چنانچہ مختلف مکاتیب فکر ہمارے سامنے آئے جو کہ درجہ ذیل ہیں۔

1) Structuralism
2) Functionalism
3) Psychoanalytic Theory
4) Gestalt Psychology
5) Behaviorism
6) Humanistic Psychology
7) Cognitive Psychology
8) Psychobiology. (139)

اب ہم ان مکاتیب فکر کا تعارف و کردار اور اثرات کا مختصر جائزہ پیش کرینگے تاکہ ارتقاء کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

اسٹرکچرلزم اور اسکا اطلاقی اثر:۔

اسٹرکچرلزم نفسیات کے ابتدائی مکاتیب فکر میں سے ہے جرمنی سے اسکی ابتداء ہوئی یورپ میں چھایا اور پھر امریکہ میں ان خیالات کی ترویج کی گئی یہ انسانی ذہن کو اہمیت دیتا ہے اس میں بنیادی کردار ولہم ونٹ کا ہے جس نے سائنسی نفسیات کی بنیاد ڈالی اس نے ۱۸۷۹ء میں جرمن میں پہلی نفسیاتی لیبارٹری، لپزنگ یونیورسٹی میں قائم کی ونٹ نے کہا کہ ذہن کسی شے کا نہیں بلکہ ایک عمل کا نام ہے اور یہ عمل شعوری ہوتا ہے۔

"Psychology was the Science of concious experience (140)

ایڈورڈ ٹچنر (Edward Titchener) نے امریکہ میں ونٹ کے خیالات کو متعارف کروایا تو اس مکتب فکر کا نام اسٹرکچر لزم رکھا یہ بنیادی طور پر خیالات، احساسات اور ادراک کی تجربات جیسے عناصر پر مشتمل ہے۔

"That focused on the sensations and feeling of perceptual experience" (141)

۲) فنکشنل ازم اور اسکا اطلاقی اثر:

"He feel that mental activities form a unit of experience"(142)

ولیم جیمز (1910-1862)(143) کو تفاعل پسند نفسیات Functionalism کا بانی سمجھا جاتا ہے وہ انسانی شعور کو ارتقاء کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔ دراصل یہ اسکول ارتقاء کے حیاتیاتی طریقہ ہائے کار کو اہمیت دیتے ہیں یعنی زندگی کا مقصد ماحول سے مطابقت کرنا ہے اسلیے یہ اسکول:۔

"That investigates the function of mental proceses in adapting the individual to the environment" (144)

اس طرح جیمز کا نتائجیت کا فلسفہ حقیقت وہی ہے جسکا عملی فائدہ ہو (145) یہ امریکی سرمایہ دار حکمران طبقہ کی ضروریات پر پورا اترتا تھا لہذا مقبول عام ہوا۔ اور آج تک ہے بہر حال اس نظریئے نے نفسیات کی وسعت کو ایک نیا رخ دیا اور اپنے خیالات کے گہرے اثرات مرتب کیئے۔

۳) گیسٹالٹ نفسیات اور اسکا اطلاقی اثر:

۲۰ ویں صدی کے آغاز میں جرمنی میں ایک نیا نفسیاتی اسلوب فکر سامنے آیا جس نے ایسے رجحانات پر سخت تنقید کی جو انسان کے ذہن اور اسکے عمل کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر کے ان کا مطالعہ کرتے ہوں اسی لیے اس فکر کا نام گیسٹالٹ نفسیات کہلایا، جسکے معنی "Gestalt means Organization" "ترتیب وشکل کے ہیں اسکے تحت بیرونی ماحول اور انسانی ادراک مختلف چیزیں ہیں کیونکہ انسانی ذہن ماحول کو مختلف ہیجانات کی حیثیت سے نہیں دیکھتا بلکہ ماحول کو ایک خاص ترتیب میں دیکھتا ہے۔'' (146)

اس اسکول کی تعریف یہ ہے کہ:۔

That focuses on principles of perception and believes the whole experince is ہے۔
ualitatively different from the sum of the distinct elements of that experience. (147)

میکس ورد ہائمر (Max Wertheimer 1888-1993)

میکس ورد ہائمر نے اس نظریئے فکر کی بنیاد جرمنی میں ۱۹۱۰ء میں رکھی میکس ورد ہائمر نے انسانی ادراک Perception پر کئی تجربات کیئے اور ترتیب کے لیے چند اصول بنائے اسکا کہنا ہے کہ ہم مختلف عناصر کو اکھٹا کر کے دیکھتے ہیں ہم دو علیحدہ ہیجانات کے بجائے ایک مسلسل حرکت دیکھتے ہیں اس ظاہری حرکت (Aparent movement) کو وہ فائی فنامینن (Phi-Phenomenon) کا نام دیتا ہے۔(148)

وولفگینگ کوہلسر (Wolfgang Kohler 1887-1967)

''کوہلسر جرمن اور ۱۹۳۵ء کے بعد امریکن ماہر نفسیات تھا جس نے گیسٹالٹ نظریئے کی بنیاد رکھی کوہلر نے دو لحاظ سے گیسٹالٹ ڈاکٹرائن کو واضح کیا (۱) امپریکل Empirical (۲) تھیوریٹیکل Theoretical اول الذکر کے تحت کوہلر نے Tenerife Island میں بندروں پر ۱۹۱۳ء سے لیکر ۱۹۲۰ء تک تجربات کیئے جسکے مطابق بندروں نے اپنی بصیرت کو استعمال کیا آموزش نہ تو سعی وخطا کے ذریعے اور نہ ہی تشریط کے ذریعے قائم ہوئی بلکہ آموزش بہ بصیرت''Learning by Insight'' کا نام دیا اور ثانی الذکر کے تحت Isomorphism کو متعارف کرایا گیا۔(149)

کرٹ کوفکا Kurt Kofka (1886- 1941)

کوفکا گیسٹالٹ نفسیات کی تحریک کا بانی ہے گیسٹالٹ موومنٹ دراصل ونٹ کا اسٹرکچرلزم اور کرداریت Behaviorism کے ردعمل کا نتیجہ ہے اسکا نظریہ ہے کہ آموزش میں ادراک نئے طریقے سے ترتیب پاتا ہے جسد اور اسکا ماحول ایک نفسیاتی میدان ہے اور اس میدان کو محسوس کرنے اور از سر نو ترتیب دینے کو بصیرت کہتے ہیں۔(150)

تنقید

گیسٹالٹ نفسیات نے سوچ وعمل کی وحدت اور جسد وماحول کی وحدت کے تصور کو فروغ دیا مگر جانوروں پر کیئے گئے تجربات کے نتائج کو انسانوں پر لاگو کردیا۔ اس طرح انسان کو Passively لیا گیا جبکہ اس میں ارادہ جیسی صلاحیت ہے جو تسخیر انفس وآفاق کی طرف ابھارتی ہے اس طرح یہ سوچ انسانی عظمت کے خلاف جاتی ہے اور رہی سہی کسر اسی وقت پوری ہو جاتی ہے جب اسکی روح کو تسلیم نہیں کیا جاتا شاید ایسا اس لیئے ہے کہ مادہ پرست انسانوں کو ایندھن Feul کی حیثیت دیتے ہیں نیز یہ کہ بصیرت کی بات کی جاتی ہے تو بصیرت بناء علم کے اور علم بنا وحی کے کوئی معنی نہیں رکھتا جب تک کہ اس میں مطلق صداقت نہ ہو انسان کو pure sensation بمشکل تمام ادر برائے نام ہوتی ہے اسی کے اعلیٰ ترین درجے پر حامل فرد نبی کا درجہ پاتا ہے اور نبی پر نازل کردہ وحی (۱۵۱) Pure sensation پر مشتمل ہوتی ہے لہذا جب نبی کو اللہ غیب سے مطلع (۱۵۲) فرماتا ہے تو پھر کوئی حجاب حجاب نہیں رہتا اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ بے حجابی اپنی ممکنات کی انتہا کو چھو لیتی ہے (۱۵۳) وحی کا علم ادراکی علم سے یکسر مختلف ہے کامل بصیرت تو فقط وحی کا علم ہے۔

۴) کرداریت پسند نفسیات اور اسکا اطلاقی اثر

کرداریت کا نظریہ انسان کے کردار کو اہم قرار دیتا ہے کیونکہ حکمراں طبقہ کی یہ خواہش اولین ہوتی ہے کہ وہ عوام الناس کے ذہن وکردار کو کنٹرول کر سکے اس ضرورت نے علم نفسیات میں کرداریت Behaviorism (154) کو فروغ دیا اس نظریئے نے اس خواہش یعنی ذہن اور کردار پر قابو پانے کے طریقے وضع کرکے اس خواب کو پورا کر دکھایا بلکہ سونے پر سہاگے کا کام کیا اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ آج کا (155)Clonianism اسی عضویاتی تحقیق کا مرہون منت ہے۔

واٹسن پہلا امریکی نفسیات داں ہے جس نے ۱۹۱۳ء میں کرداریت Behavioresim کو متعارف کروایا کرداریت

دراصل واٹسن کی ۱۰ سالہ تجربات کے بعد Structuralism اور Functionalism مکتب فکر کے ہوتے ہوئے اسکے مقابلے میں پیش کیا گیا۔(156) یہ مکتب فکر دراصل انسانی کردار کی پیشن گوئی کرتا اور کنٹرول کے طریقے بیان کرتا ہے۔

Behaviorism That focuses on Objective or obserable behaviors (157)

واٹسن نے مشروط انعکاس (158) کا طریقہ کار اپنایا جسکے تحت وہ انسان کو وکیل، ڈاکٹر، فقیر، ڈاکو، کچھ بھی بنا سکتا ہے اس طرح انسان اور مشین میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اس کا کہنا ہے کہ

Watson firmly stated that all behavior human and animal is analyzable in terms of stimuli and response and the only difference between man and animal is in the complexity of behavior (159)

امریکن نفسیات دان واٹسن کی کرداریت کو اسکنر نے اپنایا۔

برھس فریڈرک اسکنر:

اسکنر (۱۶۰) کا شمار بااثر سائنسدانوں میں ہوتا ہے اس نے اپنے تجربات کے ذریعے عاملانہ تشریط Operant Conditioning کا تصور پیش کر کے نفسیات کو ایک نئی تحقیق کی جانب رواں کیا اس کے لیے اس نے تجربے کے ذریعے زیر تجربہ کے کردار کو انتہائی درجہ کنٹرول کرنے کے لیے تجربات شروع کیئے جس میں چوہا لیور دبا کر غذا حاصل کرنا سیکھ گیا تھا وہ بار بار لیور دبا کر غذا حاصل کرتا رہتا اس قسم کے کردار کو اس نے عاملانہ کردار Operant Behavior کا نام دیا وہ عاملانہ کردار بغیر کسی خاص مہیج کے واقع ہوا (تصاویر ضمیمہ جات ۲ میں تصویر نمبر ایک، ص نمبر ۸۸ پر ملاحظہ ہو)۔

اس نے اپنی اس تشریط کو عاملانہ تشریط کہا ہے:۔

In Operant Conditioning a response that has repeatedly been followed by a reinforcing stimulus (reward) will occure with greater frequecny and will thus be selected over rather possible responses: this is how we learn new responses (161)

دیکھا یہ گیا ہے کہ انسان وہی عمل بار بار دہراتا ہے جسکے ذریعے وہ مثبت تقویت حاصل کرے اس تجربے میں مظاہر زیر تجربہ بے ساختہ خودرو اور آزاد معلوم ہوتا ہے حالانکہ تجربہ کرنے والے کو کمانڈ اور کنٹرول حاصل ہوتا ہے مگر زیر تجربہ کو یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ یہ عمل اپنی مرضی سے کر رہا ہے یا پھر اس پر کسی اور کی مرضی چسپاں ہے اسی نظام نے انسانی کردار کو کنٹرول کرنے کی ممکنات کی نشاندہی کردی ہے آج بھی ترقی یافتہ ممالک اور بالخصوص امریکہ اسی نظریہ پر عمل پیرا ہے امریکہ میں جو سفر ۲۰ ویں صدی کے آغاز سے شروع ہوا تھا وہ اب Clone Technique کی حد تک پہنچ چکا ہے Man In Market کی کوششیں بھرپور و بڑے زور شور سے جاری ہیں (ضمیمہ جات نمبر ۲ میں تصویر نمبر ۲، ص نمبر ۸۸ پر ملاحظہ ہو) یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ:۔

- انسان کو ایک غیر ذی روح قرار دیکر اسے احساسات، ادراک اور تاثرات سے عاری سمجھ لیا۔ جبکہ انسان اور جانوروں کے درمیان بڑے فروق موجود ہیں اور ہزار ہا خلیجیں درمیان میں ہیں۔ لہٰذا انسانی شعور ارادہ، نفس کی ممکنات

اور روح کے اثرات کو قطعاً نظر انداز کر کے جانوروں کے نتائج کو انسانوں پر لاگو کر دیا یہ اطلاق غیر عادلانہ اور غیر منصفانہ ہے۔

- دوم یہ کہ دیگر عوامل و اسباب کو نفسیات کے دائرے سے نکال باہر کیا۔
- سوم یہ کہ انسان کوئی مشین نہیں ہے جبکہ ان ماہرین نے انسانی عمل کو میکانیکی عمل بنا دیا اس سے فرد کی خودداری، آزادی اور روح کو کس قدر شدید دھچکا پہنچا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے کیونکہ اس سے اسکے مقام اور عظمت پر حرف آیا۔
- چہارم یہ کہ اس مکتب فکر نے ساری تان مہیج اور ردعمل پر توڑی سوچ اور شعوری وحدت کو بالائے طاق رکھ دیا۔
- پنجم یہ کہ ماحول کو پیچیدہ کہکر اپنی جان چھڑائی جبکہ انسانی شخصیت پر ۵۰ فیصد اثرات ماحول مرتب کرتا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت نوحؑ کے گھر میں عمل غیر صالح کا حامل کبھی جنم نہ لیتا (۱۶۲)

آج ان ہی جیسے نظریات کی بدولت انسان کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اسے جانوروں کی صف میں لا کھڑا کیا یہی وجہ ہے کہ چند اجارہ دارانہ سرمایہ دار ممالک کے ہاتھوں انسانیت آج ہمیں دم توڑتی ہوئی نظر آتی ہے جبکہ انسانی کردار کو کنٹرول کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سب سے پہلے آزادی انسان کو فکر آخرت سے مشروط کیا (۱۶۳) اور کبھی قرآن عبرت ونصیحت کے لیے اسکی توجہ تباہ شدہ کھنڈرات کی جانب دلاتا ہے (۱۶۴) کبھی بذریعہ محو حیرت اور بطور عبرت فرعون (۱۶۵) لاش کا ذکر کر کے اپنے غیظ وغضب کی جانب متوجہ کرتا ہے۔ تو کبھی اصحاب فیل (۱۶۶) کا ذکر کر کے اللہ کے حاضر و ناظر ہونے کی یاد دلاتا ہے اور معاشرتی کنٹرول حاصل کرنے کے لیے حدود (۱۶۷) کے نظام کو متعارف کرواتا ہے اس طرح کرنے سے ایک جانب تو انسان کی حیثیت متاثر نہیں ہوتی اور دوسری جانب وہی اپنے احساسات، ادراک اور شعور کے ساتھ اپنا فعل انجام دینے والا بن جاتا ہے انسان اپنے اسی ارادہ واختیار کی بدولت سزا و جزا کا مستحق قرار پاتا ہے اس طرح انفرادیت قائم رہتی ہے بصورت دیگر نفی ہوتی ہے نہ صرف نفی بلکہ کرداریت کا خواب وسعت اختیار کر کے دیگر ممالک کی معاشی، معاشرتی وسیاسی وثقافتی تسلط کے ذریعے قوموں کی انفرادیت کو ہڑپ کر لیتا ہے جو کہ ایک بڑی تشویش کو جنم دیتی ہے۔ آج کل اسی سحر کو توڑنے کی ضرورت ہے تاکہ انسانی عظمت و وقار کو بلند کیا جاسکے۔

۵) **فینومینولوجیکل تھیوری اور اسکے اثرات** : Humanistic Psychology

کارل روجز (1902 - 1987)

ایک مشہور ماہر نفسیات اور نفسی علاج کے ایک طریقہ کار کا بانی ہے جو کہ عمیل مرکزی Client Centered علاج کہلاتا ہے (۱۶۸) ایک نیا تصور ضرور ہے مگر نفسیات کی دنیا میں ایک باعث تقویت تصور ہے اس اسکول کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ

A School of Psychology that emphasizes the importance of the inner subjective self and

stresses the positive side of human nature. (169)

روجرز ذات کے استحکام کے بارے میں کہتا ہے کہ :-

Self Actualization - Rogers Emphasizes the basic tendency is toward self actionlization, the Organism has one basic tendency and striving to actualize maintain, and enhance the Experiencing Organism (170)

دراصل خودی کے مستحکم ہونے کا عمل ایک صحتمند نفسیاتی نشوونما کا پتہ دیتا ہے۔ (ضمیمہ جات نمبر۲ میں ڈائیگرام نمبر۳، صفحہ نمبر ۸۹ پر ملاحظہ ہو۔)

ابراہیم ماسلو:

روجرز کی طرح ابراہیم ماسلو کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بنیادی طور پر انسان فطرۃً اچھا واقع ہوا ہے

According to Maslow:

Self actualization is the inborn drive to develoip all ones' talents and capacities. It involves under standing One's own potentialy accepting one self and others as unique individuals and using a problem centered approach to situations. (Maslow 1970). (171)

دراصل انسان اسی قدرتی صلاحیت وقوت کو استعمال کر کے اپنے تجربات وتصورات کے درمیان تضاد کو ختم کرنے اور اپنی فطری صلاحیتوں کے سامنے درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ابراہیم ماسلو نے شاید اس آیت کو بنیاد بنایا کہ اللہ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ (۱۷۲) سچ تو یہ ہے کہ جسے اللہ اپنی فطرت پر پیدا کرے تو وہ بھلا کیونکر پیدائشی طور پر اچھا واقع نہ ہو۔

۲) ادراکی نفسیات اور Cognative Psychology اسکا اثر:

ادراکی نفسیات کے تناظر میں دو ماہرین نفسیات کی کاوشیں بنیادی اور اہم نظر آتی ہیں۔ البرٹ بندور Albert Bandur اور جولین روٹر Julion Rooter۔ بندورا نے سماجی آموزش یا سماجی ادراکی نظریے کو فروغ دیا اس نے Self Efficancy کے بارے میں کہا کہ:۔

According to Bandura "a person belief abou whether he or she can successfully engage in behaviors related to personal goal."(173)

اس نے اپنی observational learning کے تحت۔ Reciprocal Determination کے بارے میں کہا:۔

Banduras Observation "that the individual cognitions and behaviors and the learning environment interact and continualy influence one another. (174)

دراصل اس نظریئے کی بنیاد سوچ thinking اور وجوہات Reasoning پر ہے اور دوسری بات یہ کہ یہ نظریہ ذہنی عمل کے بارے میں مطلع کرتا ہے جولین روٹرز کا نظریہ بھی بندورا کے نظریئے سے ملتا جلتا ہے۔روٹرز نے Locus of Control کس طرح ادراک کے امکانات کی آموزش کرائی جاسکتی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ

A person's belief and expectancy regarding the control of events. A Person with an internal locus of control believes he or she is in charge. Where as a person with an external locus of control believes the environment chance or fate determines out comes.(175)

بہر حال دونوں کے نظریات ادراکی اور سماجی آموزش کو بنیاد بنا کر شخصیت کا کھوج لگانے کی کوشش کی گئی ہے۔

۷) سائیکو بایولوجی نظریہ اور انکا اطلاقی اثر:

جین پیاجٹ Jean Piagets کا اسکے ابتداء کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے مگر وہ اس میدان میں پچھلے دروازے سے داخل ہوا ہے۔

Piagets sees all behavior in the terms of the individuals adaptation to his envirenmental.(176)

اور بنیادی طور پر اسمیں دماغ اور کردار کا پہلو حاوی ہے اسی لیے اسکی تعریف یہ ہے کہ:

Psychobiology: The Study of the biology of behavior. (177)

اس لیئے یہ کردار کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ

"Behavior as a result of complex chemical and biological events with in the brain recent research has explored the role of biological factors in sensation, perception, learning, memory, language, sexual, behavior and schizophrenia." (178)

جوہانز میولر نے سائیکو بیالوجی کی روٹس کو ٹریس کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے انکی سب سے اہم Contribution ان کی Doctrine of Specifice nerve energic ہے اس ڈاکٹرائن کے مطابق۔

This doctrine stated that even though all nerves carry the same basic message, an electrical impulse. We percieve the messages of differnet nerves in different ways. (179)

اوراب تو جدید ٹیکنالوجی کے آلات کے ساتھ functioning of individuall Nerve cell کا اثر دماغ کے مختلف حصوں کے کردار کا اور نشہ کے دماغ پر ہونے والے اثرات کا جائزہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

۸) پاگل پن کی تاریخ اور تحلیل نفسی (قرآنی وجدید نفسیاتی نظریات کا تجزیہ)

ابتدائے زمانہ سے اگر نفس انسانی کی تاریخ و کردار کا جائزہ لیا جائے تو ہم پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ غیر

نارمل کردار کا تصور معاشرے کا حصہ رہے ہیں۔ گو کہ اسکی کوئی بھی وجوہات یا اسباب رہے ہوں مثلاً دین سے دوری، اعتدال سے انحراف حکمران طبقہ کا جال، اعصابی کمزوری، نفسی بیماری وغیرہ وغیرہ تاہم پاگل پن کا تصور اپنی اپنی تہذیبی فکر مختلف ہونے کے ناطے مختلف ادوار میں مختلف حوالے سے موجود رہا۔

ماضی میں اگر کوئی روحانی دنیا میں مستغرق ہوکر مادی ماحول سے لاتعلق ہوجاتا ہے تو پاگل قرار دے دیا جاتا ہے اور اگر کوئی روحانی تجربات بیان کردیتا یا پیشن گوئی کردیتا تو اسے ولی قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اللہ ولی المتقین (۱۸۰) صرف یہی نہیں بلکہ حکمراں طبقہ نے اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مختلف حربے استعمال کیئے اور جب ذی عقل نے ان کے حربوں کو جان لیا تو آواز بلند کی تو انہوں نے ان کے ذہنی توازن کے خراب ہونے پر مہر ثبت کردی یہ ہر معاشرے میں ہوا بلکہ آج بھی سب کچھ ہورہا ہے اسلیئے کہ انسان کا حکمرانی کرنے کا خواب اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا کیونکہ جو لوگ پیداواری ذرائع کو کنٹرول کرتے ہیں درحقیقت وہی لوگ ذہن کو پیداوار کے حامل نظریات کے ذریعے کنٹرول کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ طبقہ جسکو معاشرتی اخلاقی، معاشی، سیاسی ثقافتی اور مذہبی اقدار گردانتا ہے وہی اقدار قوم کا مقدر بن جاتی ہیں لہذا جو کوئی ان اقدار و روایات کے خلاف سر اٹھاتا ہے اسے نہ صرف ذہنی اذیت بلکہ جسمانی اذیتیں بھی دی جاتی ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اسے جنونی قرار دے دیا جاتا ہے۔

قوم نوح کی تحلیل نفسی:

حکمران طبقہ نے انبیاء تک کو نہ چھوڑا تو پھر عوام الناس کی بھلا ان کی نظر میں کیا حیثیت ہے؟ قرآن میں مذکور ہے کہ جب حضرت نوح نے دعوت دین حق کے لیے پکارا تو بجائے اسکے کہ وہ حق بات سنتے ماحول میں اتنی گمراہی رچ بس چکی تھی کہ انہوں نے فرار (181) Flight from Reality کی راہ اختیار کی۔ کبھی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں تو کبھی آواز پہنچنے پر خود کو کپڑوں میں ڈھانپ لیا تاکہ نہ دعوت سنیں اور نہ لبیک کہہ سکیں اپنی بات پر اڑے رہے خوشخبریاں بھی دیں گئیں مگر انہیں کچھ اثر نہ ہوا۔ (۱۸۲) پھر ان کی تحلیل نفسی کی گئی۔ بزبان قرآن اس طرح کہ:

مالکم لا ترجون للہ وقاراًO و قدخلقکم اطواراًO الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوٰت طباقاًO (۱۸۳)

ترجمہ: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تمہیں اللہ کی بزرگی و مرتبہ کا پاس نہیں حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کی کیفیات سے گزار کر خلق کیا کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کس طرح تہہ بہ تہہ سات آسمان خلق کیئے۔''

انسان کی تخلیق اور پیدائش کی پیچیدگیوں کی طرف توجہ دلائی گئی تاکہ یہ نہ صرف جسم و نفس کی پیچیدگیوں بلکہ ان میں آباد دنیاؤں کو دریافت کریں مگر قوم بے بہرہ رہی۔ پھر رب تعالیٰ نے انہیں کائنات کے مشاہدے کی دعوت دی تاکہ حقیقت پر توجہ مرکوز ہو سکے مگر انہوں نے حضرت نوح کے بجائے اس شخص کی پیروی کی جسکے مال و اولاد نے اسکے خسارے میں ہی زیادتی کی اور انہوں نے بڑی بڑی مکروہ فریب سے کام لیا اور کہا کہ تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا۔ اس

طرح وہ خود بھی گمراہ تھے اور دیگر لوگوں کو بھی گمراہ کیا اسی فعل بد کی بدولت ان پر عذاب آیا جسکا ذکر قرآن نے اس طرح کیا۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ○ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ○ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ○ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ○ (۱۸۴)

ترجمہ:۔ ''ان سے پہلے قوم نوح نے تکذیب کی پس انہوں نے ہمارے بندے کی تکذیب کی اور انہوں نے کہا کہ یہ مجنوں ہے اور اسے ڈانٹ بھی پلائی گئی پس اس نے اپنے پروردگار کو پکارا کہ میں تو مغلوب ہوگیا اب تو مدد کر پس ہم نے آسمان کے دروازے موسلا دھار پانی سے کھول دیئے اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کردیئے پس وہ پانی اس کام کے لیے مل گئے جو کہ مقدر ہو چکا تھا۔''

ب) قوم ابراہیم کی تحلیل نفسی:

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کی تحلیل نفسی کی نبی کی فراست میں اور عام انسان کی فراصت میں زمین و آسمان کا سا فرق ہوتا ہے اسی فراست کے تحت حضرت ابراہیمؑ نے ان ہی کی زبان میں ان کو حق بات سمجھانے کا پروگرام ترتیب دیا یعنی جن بتوں کو وہ اپنا معبود مانتے تھے ان بتوں کو توڑ کر ان کے نفسوں میں زلزلہ پیدا کر کے انہیں متحرک کیا جب انہوں نے اس سلوک کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ:

قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَٰذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ○ فَرَجَعُوا إِلَىٰ أَنْفُسِهِمْ فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ○ ثُمَّ نُكِسُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هَٰؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ○ (۱۸۵)

کہا بلکہ ان کے بڑے نے ایسا کیا کہ پس اگر وہ بول سکتے ہیں تو انہی سے پوچھو لو پس انہوں نے اپنے نفسوں پر غور کیا اور کہنے لگے بے شک تم خود ہی ظالم ہو۔ پھر انہوں نے اپنے سروں کو جھکا لیا بے شک تو جانتا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔''

یہی وہ موقع تھا جس پر آپؑ نے اصل معبود برحق کی حمد و ثناء بیان کی اور غیر معبودوں کی بطل پرستی کا پردہ چاک کیا لیکن جب ان کے بڑوں نے دیکھا کہ پانسہ پلٹ رہا ہے تو انہوں نے اس درس کے اثر کو ان کے دلوں سے زائل کرنے کے لیے کہا کہ اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اپنے معبودوں کی مدد کرو اور اسکو جلا دو۔

أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ○ (۱۸۶)

ترجمہ: ''تف ہے تم پر اور ان پر جنکی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو پس کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟ انہوں نے کہا کہ اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو اپنے معبودوں کی مدد کرو اور اسکو جلا دو۔''

اور بادشاہ کی تحلیل نفسی اس طرح کی کہ:

ابرٰھم فانّ اللّٰہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الّذی کفر ؕ (۱۸۷)

ترجمہ: ''ابراہیم نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ پس وہ جس نے انکار کیا تھا مبہوت ہو کر رہ گیا۔''

یہ فیصلہ اس وقت کے حکمران کا تھا یہ اس واسطے کے حضرت ابراہیم نے اسکے نفسی مجرد کو دلائل کے زور پر توڑا مگر اکثر لوگ حق کو پہچاننے کے باوجود بھی نفسی و ذہنی معبودوں کی پرستش کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

فرعون کی تحلیل نفسی:

موسیٰ و ہارونؑ نے جب فرعون کے ضمیر کو جھنجھوڑا تو وہ چیخ اٹھا اور ضد پر اڑ گیا کہنے لگا رب العالمین کیا شے ہے؟ اسی رب نے اسے غرق کیا اس نہر میں جسکی ملکیت کے وہ دعوے کرتا تھا بالترتیب آیات ملاحظہ ہوں:۔

قال فرعون و ما ربّ العالمین ○ قال ربّ السّمٰوٰت والارض و ما بینھما ؕ ان کنتم مّوقنین ○ (۱۸۸)

ترجمہ: فرعون نے کہا کہ رب العلمین کیا شے ہے؟ کہا کہ اگر تم یقین کرو رتو وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان دونوں کے مابین ہے کا پانے والا ہے۔

فاخذنٰہ و جنودہ فنبذنھم فی الیمّ و ھو ملیم ؕ○ (۱۸۹)

ترجمہ ''پس ہم نے اس کی اور اسکے لشکروں کی گرفت کی اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ ملامت زدہ ہوا۔''

د) اہل عرب کی تحلیل نفسی:

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جب نبوت کا اعلان فرمایا تو اعتراضات کی بھرمار ہوگئی قوم نے آپ ﷺ کو مجنوں کہا اور مزید یہ کہا کہ اگر تو سچوں میں سے ہے تو پھر ہمارے پاس ملائکہ کو کیوں نہیں لے آتا۔ جبکہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ وہ فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی نازل کرتا ہے تو پھر ان کو مہلت نہیں دیتا۔

وقالوا یٰآیّھا الّذی نزّل علیہ الزّکر انک لمجنون ؕ○ لوماتا تینا بالملٰئکۃ ان کنت من الصّٰدقین ○ مانَنزل الملٰئکۃ الاّ بالحق وما کانو آ اذا مّنظرین ○ (۱۹۰)

ترجمہ: ''اور وہ کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت نازل کی گئی بے شک تو مجنوں ہے اگر تو سچوں میں سے ہے تو ہمارے پاس ملائکہ کو کیوں نہیں لے آتا؟ ہم فرشتوں کو پس حق کے ساتھ ہی نازل کرتے ہیں تو پھر انکو مہلت نہیں دی جاتی۔''

حق کو انہوں نے جادو بتلایا اور ساتھ ہی یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن دو بستیوں کے کسی عظیم فرد پر کیوں نہ نازل ہوا۔ خود قوم کھا جانے والی نظروں سے رسول کی طرف دیکھتی ہے محض اس وجہ سے کہ ان کے طاغوتوں پر یعنی کہ انکی من

پسند شخصیات پر قرآن نازل کیوں نہ ہوا اسکے بارے میں قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ حق کو کس پر نازل کرنا ہے اسکے لیے انتخاب Election نہیں بلکہ Selection مشیت ایزدی کے مطابق ہوگا۔

ولمّا جآء ھم الحقّ قالو ھٰذا سحرٌ انّا بہٖ کٰفرونO وقالوا لو لانزل ھذا القرآن علیٰ رجل مّن القریتین عظیمO اھم یقسمون رحمت ربّکؕ نحن قسمنا بینھم مّعیشتھم فی الحیٰوۃ الدّنیا ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت لّیتخذ بعضھم بعضاً سخریّاؕ ورحمت ربّک خیر مّمّا یجمعونO (۱۹۱)

ترجمہ: ''پس جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اسکے ماننے سے انکار کرتے ہیں اور انہوں نے کہا کہ یہ قرآن دونوں بستیوں کے کسی عظیم فرد پر کیوں نہ نازل ہوا؟ کیا وہ تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں؟ ہم ہی حیات دنیا میں انکے درمیان انکی معیشت تقسیم کرنے والے ہیں اور ہم ہی نے بعض کے درجات کو بعض پر بلند کیا اس طرح کہ ان میں سے بعض دوسروں کو اپنا محکوم بنالیں مگر تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''

انتخاب کا حق اللہ کا ہے جو مشئیت سے وابستہ ہے دراصل ہر دور میں اسلام کے مخالف چلنے والے طبقہ نے اس قسم کی حرکات کر کے اپنی حکمرانی و بالا دستی کو قائم رکھا۔ اب بھی مشرق ہو یا مغرب سب کا یہی حال ہے ملتان میں دولے شاہ کا چوہا (ضمیمہ نمبر۲ میں تصویر نمبر۴، ص نمبر ۸۹ پر ملاحظہ ہو۔) کے نام سے انسان اور انسانیت کو کس طرح پامال کیا جاتا ہے وہ سب آج ہر کوئی جانتا ہے۔

ہ) اہل مغرب کی نفسیاتی حالت:

یہی حال اہل مغرب کا رہا۔ انگلستان میں قید خانے ان جگہوں پر قائم کیئے گئے تھے جو شہر کے صنعتی علاقے تھے اس کے پیچھے جو نفسیات کارفرما تھی وہ کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً سرمایہ دار طبقے کو سستے داموں کام کرنے والے مزدوروں کی ضرورت رہتی تھی اور ہسپتال اس طبقے کی ضرورت کو پورا کرنے کا اہم ذریعہ تھے۔ (۱۹۲)

الغرض لوگوں کی حیثیت کسی قربانی کے بکرے Scape Goat سے کم نہ تھی۔

A goat symbolically burdenced with the sins of the jewsh people. Some scholer acheive that the animal was chose by lot to placate azazel, a wildernes demon the thrownover a pecipire outside jerusalem to ride the nation of its inquities. In ancient Greece, human scape goat has come to mean any group or individual that innocently bears the blame of other. (193)

فلپ پائنل نے ذہنی بیماریوں کی وجہ معاشرتی، نفسیاتی، توارثی اور جسمانی تشدد کو قرار دیا اسکا کہنا تھا کہ:

Pinel regarded mental illness as the result of excessive exposure to social and psy:.chological stresses and in some measure of herdity and physi :ological damage (194)

اور پھر فلپ پائنل نے ہی ان ذہنی مریضوں کو جنہیں پاگل قرار دیا گیا تھا کو زنجیروں سے آزاد کرایا۔

At that time phillipe pinel a Frech physician was appointed director of a paris hospital where mental patients were confined. Appelled by the heartless manner in which these patients were handled. Pinel orderd the chains strucks from their bodies and instituted a programe of kind treatment. (195)

اس نے اس بات کو بھی جھٹلایا کہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ انسان پر کسی مافوق الفطرت چیز کا سایہ ہو گیا تو یہ درست نہیں بلکہ یہ تو دیگر بیماریوں کی طرح ایک بیماری ہے۔

Insanity was not the result of demons but rather was a disease which like other diseases could be cured or alleviated with proper care and treatment. (196)

یہ ایک بہت بڑی تبدیلی اور بہت اہم کام تھا جسے اس ماہر نفسی نے بخوبی انجام دیا لیکن آنے والے وقتوں میں ان ظالم اقتدار پسندوں نے جو زنجیریں پائنل نے ہاتھ اور پاؤں سے اتاریں تھیں۔ انہوں نے وہ زنجیریں انسان کو مفعول اور نگران کو فاعل گردان کر ان کے ذہن پر ڈال دیں۔ یہ کھیل ہنوز جاری ہے ہماری اس تحریر کا مقصد اسی منفی نفسیات کا پردہ چاک کرنا ہے۔

لیکن یہ ساری تفصیل اس وقت ہمارے لیے زیادہ مفید ہوگی جب ہم لفظ مجنوں ابنارمل کے مفہوم کا ادراک کریں کیونکہ مذکورہ بالا تفصیلات میں ایک نارمل شخص کو بھی ابنارمل قرار دیا گیا ہے فقط دنیاوی مفاد کے حصول کی خاطر۔

مجنوں کے معنی و مفہوم:

(جن) اصل الجن ستر الشی من الحاسة والجنة الجنون - والجنون حائل بین النفس والعقل معلّم مجنون ای ضامّه من یعلمه من الجن. (۱۹۷)

ترجمہ: مجنون کی روٹ ج ن ن ہے جسکے معنی کسی چیز کو حواس سے پوشیدہ کرنے کے ہیں اس طرح الجنۃ کے معنی جنون کے ہیں دیوانگی کو جنون اسلئے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کے دل اور عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اس طرح معلّم مجنون کے معنی یہ ہیں کہ اسے وہ جن چمٹا ہوا ہے جو اسے تعلیم دیتا ہے۔

آیت کریمہ میں ہے کہ:

انی لهم الذکریٰ و قد جآءهم رسول مبین ۝ (۱۹۸)

پھر بھی انہوں نے اس سے روگردانی کی اور اسے سکھایا ہوا دیوانہ کہا''۔

مگر اللہ تبارک وتعالیٰ انسانوں کی توجہ رسول کی نارمل ذہنی حالت کی طرف دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

اولم یتفکر وا مابصاحبھم من جنۃ ؐ ان ھوالا نذیر مبین ٥ (۱۹۹)

ترجمہ:۔ ''کیا وہ غور نہیں کرتے کہ کا ساتھی کوئی جنونی تو نہیں ہے وہ تو ایک واضح تنبیہہ کرنے والا ہے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ:

من یضلل اللہ فلا ھادی لہٗ ویذرھم فی طغیانھم یعمھون ٥ (۲۰۰)

ترجمہ:۔'' جسے اللہ گمراہ کردے اسکے لیے کوئی ہادی نہیں اور وہ ان کو ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتا ہے۔

اس مفہوم کی وضاحت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں جو بیماری ہے فساد اسی کا نتیجہ ہے یعنی Away from Religion یہی ابنارملٹی ہے۔لیکن جدید ماہرین اسکی تعریف یہ کرتے ہیں۔

Patterns of behavior that are maledaptive dissruptive and or harmful for the individual and /or society (201)

دراصل ابنارمل کردار کی کئی مختلف وجوہات ہوسکتی ہیں کچھ کا تعلق فقط ذہنی امراض سے کچھ کا ذہنی وجسمانی دونوں لحاظ سے اور کچھ کا نفسیاتی۔

ان وجوہات کا جائزہ ہم اگلے موضوع تحلیل نفسی نیز متعلقہ نفسی نظریات اور طریقہ انبیاء میں لینگے تاکہ حقیقت کا ادراک ممکن ہوسکے۔

فصل چہارم

تحلیل نفسی سے متعلق نفسی نظریات اور طریقہ انبیاء

تحلیل نفسی کا نظریہ ایک ارتقائی عمل کا مرہون منت ہے اس نظریئے کے وجود میں آنے کی وجہ کئی نفسیاتی نظریات بنیادی حیثیت کے حامل رہے ہیں جنہوں نے اہم کردار ادا کیا تب یہ نظریہ وجود میں آیا حالانکہ قرآنی تاریخ کا اگر جائزہ لیا جائے جیسا کہ ہم نے ابتداء میں کچھ انبیاء کے ڈائیلاگ اور طریقہ کار کا ذکر کیا تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء علیھم السلام تو ہمیشہ سے ہی توازن کی طرف لوگوں کو مدعو کرتے رہے لہذا درج ذیل میں بھی ہم جدید نفسیاتی نظریات کے ساتھ ساتھ طریقہ انبیاء بھی پیش کرینگے تاکہ ہر عام وخاص اصلیت کا ادراک کرسکے۔

میسمرازم اور طریقہ عیسیٰ:

تحلیل نفسی کے ارتقائی نظریات میں میسمرازم (۲۰۲)(Mesmerism) کے نظریے کو ابتدائی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اور فوقیت کی ابتداء کو عموماً میسمرازم کے طریقہ کار سے منسوب کیا جاتا ہے میسمرازم کا طریقہ کار ایک فرانسیسی ماہر طب میسمر (Mesmer Franz Antom 1734-1815) نے دریافت کیا تھا میسمر کے مطابق انسانوں میں ایک خاص قسم کی مقناطیسیت پائی جاتی ہے جسے اس نے حیوانی مقناطیسیت Animal Magnitism کا نام دیا۔اس نے کہا کہ پاگل پن/ بیماری

اس وقت واقع ہوتی ہے جب انسان میں مقناطیسیت کا توازن خراب ہوجاتا ہے لیکن کچھ لوگوں میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ مقناطیس کی طرح قوتوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اوران کے حیوانی مقناطیسیت کے توازن کو ٹھیک کر لیتے ہیں اس اصول کی بنیاد پر میسمر اپنے مریضوں کو صاف ہاتھ لگاتا ہے اوراس طریقے سے ان کی مقناطیسیت کا توازن ٹھیک ہوجاتا۔

He treated all kinds of diseases by "animal magnitism."The patients were seated around a tub (the bequet) that contained various chemicals and from which protruded iron rods which were applied to the portions of the body affected, the room was darkened appropriate music was provided and mesmer appeared in a like rod passing from one patient to another and louching each one with his hands or his wand (203)

یہ عمل میسمر بڑے ڈرامائی انداز میں کرتا تھا اور پھر اسی طریقے کو اس نے بالواسطہ بھی اپنایا (ضمیمہ جات ۲ میں پاگل پن کا تاریخی تناظر اور اس کا علاج ،تصویر نمبر ۵ ،ص نمبر ۹۰ پر ملاحظہ ہو۔)

میسمر نے دراصل ایک برطانوی فزیشن رچرڈ فیڈ کے نظریئے کو بنیاد بنایا جسکا کہنا تھا کہ:۔

"The gravititional attractions of the plants affected human health by affecting an invisible fluid found in the human body and through out nature (204)

یہ ساری صورتحال اس بات کی عکاسی کرتی نظر آرہی ہے کہ سائنس ارتقاء پذیر ہے اسلئے دریافتوں کا سلسلہ جاری ہے مگر قرآن نے تو بہت پہلے ہی ہمیں حضرت عیسٰی کے زمانے میں اس علم سے واقف ومتعارف کروایا ۔حضرت عیسٰی علیہ السلام کسی کوڑھ کے مریض کو اللہ کے حکم سے ہاتھ لگادیتے تھے تو وہ صحتمند ہوجاتا تھا اور آپ مادرزاد اندھے کو بھی اللہ کے حکم سے اچھا کرتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ مردے کو اللہ کے حکم سے نکالتے تھے۔ (۲۰۵)

مردہ کا لفظ اللہ تعالٰی نے نور سے محردم لوگوں کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔تو ہوسکتا ہے کہ یہاں نفسی مردے مراد ہوں لیکن اگر ہم اسکا مفہوم عام طور پر لیں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کے حکم کے ساتھ عمل مشروط تھا لہذا یہ بھی ممکن ہے کیونکہ قدریں اللہ نے ترتیب دی ہیں وہی قادر ہے اسکے لیے خلق جدید قطعاً دشوار نہیں مگر چونکہ ہم نفسیاتی اعتبار سے اسکا جائزہ لے رہے ہیں تو حضرت عیسٰی کا قوم کی تحلیل نفسی اللہ کی آیات وآثار سے کرنا اللہ کے حکم ہی کے تحت ہے ارشاد ہوتا ہے۔

رسولاً یتلوا علیکم ایٰت اللّٰہ مبینٰت لیخرج الّذین امنوا و عملواالصّٰلحٰت من الظّلمٰت الی النّورؕ (۲۰۶)

ترجمہ:۔ ''ایک رسول جو اللہ کی واضح آیات تم پر پڑھتا رہتا ہے تاکہ جو ایمان لائیں عمل صالح بجالائیں وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی جانب لے آئے''۔

دراصل یہ رسول نفس انسانی میں موجود ہے یعنی یہ عمل آج بھی ہورہا ہے مگر وہ جو اسکی آواز کو سنے ارشاد الٰہی

ہوتا ہے:

او من کان میتا فا حیینٰہ وجعلنا لہٗ نوراً یمشی بہٖ فی النّاس کمن مّثلہ فی الظّلمٰت لیس بخارج مّنھاؕ کذٰلک زیّن للکٰفرین ما کانوا یعملون ۝ (۲۰۷)

ترجمہ:۔ اور وہ جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا ہم نے اس کے لیے ایک نور قرار دیا جسکے ذریعے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا وہ اسکی مانند ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور ان سے کبھی نکلنے والا نہ ہو اسی طرح انکار کرنے والوں کی نظر میں ان کے اعمال زینت دیے جاتے ہیں''۔

اس تصریح سے ہم بآسانی لفظ مردہ کا ادراک کر سکتے ہیں دراصل نور سے بھرپور زندگی ہی حقیقی زندگی ہے ورنہ چلتی پھرتی لاش ہے۔

بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت کے ماہرین نے بھی اس Advance Quranic Science کا اقرار کرنے کے بجائے انکار کیا یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہم ہر شے کا مشاہدہ وادراک نہیں کر سکتے مثلاً جو حوادث ہمارے وجود سے پہلے یا ہماری استعداد مشاہدہ سے پہلے واقع ہو چکے یا پھر ہم انسانوں میں اس مشاہدہ کی قوت برداشت مفقود ہے مثلاً کائناتی شعاعیں Cosmic Rays - (۲۰۸) انکے مشاہدہ کی کوشش خودکشی کے مترادف ہے اسی طرح کچھ چیزیں ہمارے دائرہ حواس میں نہیں آتیں مثلاً آگ کو ہم دیکھ سکتے ہیں مگر اسے قوت لامسہ کے ذریعے معلوم کرنے کی جرات کوئی ابنارمل ہی کرسکتا ہے تاہم نعم البدل کے ذریعے ممکن ہے جیسے کوئی آلہ ان مجبوریوں کی بنا پر ہمارا نفس خبر کو ذریعہ علم بنانے پر مجبور ہے نہ کہ مشاہدہ کو اور وحی کا درجہ خبر کے اعتبار سے مطلق صداقت کی حیثیت رکھتا ہے خارجی دنیا سے متعلق ہمارے علم کا ذریعہ یہی احسن حدیث ہے۔(۲۰۹)

اور دوم یہ کہ حواس خود ادراک نہیں کرتے بلکہ ادراک کرنا درحقیقت نفس کا کام ہے حواسکی حیثیت ایک خبر رسال کی ہے جو واقعہ کو نفس تک پہنچاتے ہیں اسطرح حواس جسمانی آلات ہیں جو نفس کے بغیر بیکار ہیں کیونکہ نفس اگر غفلت و گمراہی کا شکار ہو جائے تو پھر وہ سچی خبر کا ادراک نہیں کرسکتا - مثلاً مردہ کا زندہ ہونا آج تک کسی انسانی آنکھ نے اسکا مظاہرہ نہ دیکھا یعنی اس نے کسی شخص کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے نہیں دیکھا - اس استقراء سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ حیات بعد الموت ناممکن ہے جو کہ وحی کے تصور حیات اور الممات کی ضد ہے تو کیا ہم ان کے اس ادراکی نتیجے کو صحیح مان لیں ہرگز نہیں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وقالوٗا ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت و نحیاء مایھلکناالا الدّھرؕ و مالھم بذٰلک من علمٍؕ ان ھم الایظنون (۲۱۰)

ترجمہ:۔ ''انہوں نے کہا ہماری دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے اسی میں ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ ہلاک کرنا ہے حالانکہ انہیں اسکا علم نہیں وہ تو صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے ہیں''۔

اگر ان کی بات درست ہے تو پھر بارش کے بعد مردہ زمین کیوں لہلہانے لگتی ہے اسلئے کہ بارش نے ویرانوں کو زندگی سے معمور کردیا اس کا موت کے بعد جی اٹھنا فطرت میں لازم ہے یہ حقیقی سائنس ہے نہ کہ جادو۔

تیسری بات یہ کہ میسمر مقناطیسی توانائی کی بات کرتا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ کی مدد اللہ نے روح القدس (۲۱۱) کے ذریعے یعنی Strength of Allah کے ذریعے انکی مدد فرمائی تو جسے روح القدس سے توانائی مل جائے اسکی شخصیت سے مذکورہ نشانیوں کا ظہور کیوں نہ ہو۔ یہی تو معجزہ ہے اور معجزہ خارق عادت ہوتا ہے علاوہ ازیں اس پاک توانائی کو پاکر بیمار جسم آج بھی تندرست ہوجاتے ہیں۔ آج بھی اگر اس روش کو اپنالیا جائے اور تقویٰ سے بھرپور زندگی گزاری جائے تو یہ نور آج بھی اپنی توانائیوں کے خزانے یونہی لٹاتا رہے گا۔

مذکورہ مسئلے میں ایک ماہر نفسیات کا اپنے مریضوں کو صاف ہاتھ لگا کر شفایاب کرنا دراصل انبیاء و مرسلین کے اس گوشے سے متعلق باخبر، اسوۂ حسنہ کی پیروی اور تقویٰ کی صفت اپنانے کی جانب آمادہ کرتا ہے شاید اسی اصول کو میسمر نے اپنے مریضوں پر آزمایا اور وہ اس میں کامیاب ہوا۔ بات یہ ہے کہ خبر دینے والے اور خبر پانے والے میں جسقدر زیادہ تعلق ہوگا اس قدر یقین و اعتماد کی فضا پیدا ہوگی۔ اصل میں میسمر کے ساتھ یہی اعتماد تھا جو کام آیا تاہم اس طریقے کو غیر سائنسی قرار دیکر رد کردیا گیا تھا۔

جیمز بریڈ (1795-1860)

ایک برطانوی سرجن نے حیوانی مقناطیسیت کے تصور کو رد کردیا تاہم اس نے اس بات کو قبول کیا لوگوں کے ذہنوں کو خاص طریقے سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے اس نے اپنے تجربات کی بناء پر ایک خاص طریقہ اختیار کیا جو نومیت (Hypnotism) کہلایا۔ ملاحظہ ہو:۔

That the removel of Hysterical an esthesias and paralyses which had been ascribed to the action of magnetism was actually due to the suggestive effect of ideas aroused in the patients mind by the doctors words and gestures Braid referred to these effects of suggestion as hypnotism and expl ained them in purely psychological terms (212)

عربی میں نیند کو نوم کہتے ہیں بلحاظ معنیٰ:۔ النوم قبل استرخاء اعصاب الدماغ برطوبات البخارات القاعدالیه (۲۱۳)

اردو مفہوم:۔ بعض نے کہا کہ بخارات کی رطوبت سے اعصاب دماغ کے ڈھیلا ہونے کا نام نوم ہے۔''

''اصطلاح میں تنویم ایک نفسی عمل کو کہا جاتا ہے جسکے ذریعے عامل اپنے معمول پر ایک مصنوعی نیند طاری کردیتا ہے وقتی طور پر اسکے شعور کو ختم کر کے اسے اپنے ماحول سے بے خبر کردیتا ہے'' (۲۱۴)

اس طرح عامل کے کہنے سے خارج کا ادراک ختم ہوسکتا ہے اس بات سے غار والوں کو نیند کا (۲۱۵) کسی حد تک ادراک کیا جاسکتا ہے۔'' تاریخ بتاتی ہے کہ عمل تنویم کے استعمال سے قدیم مصری اور بعض دوسری اقوام کے لوگ

بھی آ گاہ تھے (۲۱۶) شاید اسی حصار کو توڑنے کے لیے غار والوں کا مشاہدہ کرایا گیا۔

شارکوٹ اور محمد ﷺ کا طریقہ ذہنی و نفسی صحت:

ایک مشہور فرانسیسی ماہر عصبیات شارکوٹ (۱۸۲۵ء۔۱۸۹۳ء) نے بتایا کہ ہسٹیریا (Hyesteria) کی علامتیں نومیت کے ذریعے پیدا کی جا سکتیں ہیں اور دور بھی کی جا سکتیں ہیں۔

"Charcot used Hypnotism not only to treat his patients but also to demonstrate how hysterical symptoms could be produced"(217)

ایسا اس لئے کہ ذہن کو کنٹرول کر کے مطلوبہ کردار ادا کروایا جا سکتا ہے ذہن کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اثر قبول کرتا ہے اسی خوبی و استعداد کے مثبت عمل کے اثر کا ہر انسان کو خواہشمند ضرور رہنا چاہیئے۔مگر اس خواہش کے ساتھ ساتھ دعا کی صورت میں اللہ کی رضا کا حصول بھی ضروری ہے اسلئے کہ ہم غیب میں موجود شر کو نہیں جانتے۔اس سے بچنے کے لیے اللہ کے سہارے کی ہمیں ہمہ وقت ضرورت درپیش رہتی ہے۔اس شر کی اثر پذیری سے بچنے کے لیے اللہ نے سورۃ معوذتین (۲۱۸) عطا فرمائیں اس دعا کو محمد ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچایا۔خود محمد ﷺ جب اس شر کے اثر کا شکار ہوئے تو آپ ﷺ نے ان ہی آیات کی بدولت شفا پائی۔دراصل ایک وقت میں انسان یا تو کسی پر اثر ڈال رہا ہوتا ہے یا پھر کسی کے زیر اثر آ جاتا ہے اس میں کامیاب وہ ہوتا ہے جس کا نفس مضبوط و مستحکم ہو اسکے دل میں نور کی دولت ہو بصورت دیگر کمزور نفس کے حامل افراد پر ہر وقت کسی نہ کسی شخصیت کے دباؤ کے زیر اثر رہتا ہے لہذا اگر مطلق سچائی سے نفس کو سیراب کرلیا جائے تو پھر روحانی توانائی حاصل ہو جاتی ہے اور انسان کسی دوسرے انسان کے زیر اثر نہیں رہتا بلکہ اللہ کے زیر اثر ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ رحمٰن کے بندے خود اپنی جان و مال و اولاد کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں ان کی رب سے یہی دعا ہوتی ہے۔

قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العٰلمین لا شریک لہٗ و بذٰلک امرت و انا اول المسلمین (۲۱۹)

ترجمہ:۔ ''کہدو کہ بے شک میری صلوٰۃ اور میری تمام عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے جسکا کوئی شریک نہیں اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں اللہ کے فرمانبرداروں میں پہلا مسلم ہوں۔

قرآن دراصل قرب الٰہی کو ذہنی صحت اور اللہ سے دوری کو ذہنی مرض (۲۲۰) سے تعبیر کرتا ہے تو دوسری جانب تحلیل نفسی، کا طریقہ وہ بھی ملتی جلتی وجوہ بیان کرتا ہے۔

پیئر جینٹ (Piere Janet - 1859-1947) فرانسیسی ماہر نے ہسٹریا کے بارے میں نفسیاتی وجوہ کا نظریہ Phychological theory of Psychoneurosis پیش کیا اس نے اس نفسی تناؤ کو ذہنی عمل قرار دیا۔ اسکا کہنا ہے کہ۔

He believed that a certain level of Psychological tension - was necesssory for adequate

unification and integration of mental processes. (221)

فرائیڈ نے پیرس میں ۱۸۸۵ء میں شارٹ کوٹ کے تحت کام کیا اور برنہائم Bernhiem اور Liebeault کو جب Nancy hospital میں نومیت اور ہسٹیریا کے مریضوں کے سلسلے میں کام کرتے دیکھا تو بہت امپریس ہوا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ :۔

And came away convinced that powerful mental processes may remain hidden from consciousness. (222)

فرائیڈ ویانا واپسی پر جوزف بروئر Joseph Brouer کے ساتھ کام کیا اسنے ایک دلچسپ ایجاد متعارف کروائی ۔ اس نے نومیت کا طریقہ ذہنی مریض بالخصوص عورتوں پر آزمایا ۔ اس نے نومیت کے دوران گفتگو کے ذریعے اس جذباتی تناؤ سے نجات دلائی ۔ اس کا یہ طریقہ Cathertic Methoed کہلایا اس طرح اسکی یہ ایجاد لاشعور کی دریافت کا سبب بنی دونوں نے ملکر ایک پیپر شائع کیا جسکا عنوان تھا "On psychical Mechanism of Hysterical Phenomena" جو کہ حرکی نفسیات میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے (۲۲۳) اس طرح ثابت ہوا کہ تحلیل نفسی کا طریق ایک ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے کیونکہ فرائیڈ نے نومیت کے بغیر آزاد تلازم کے ذریعے علاج کو ممکن بنایا اب ہم تحلیل نفسی کو متعارف کرانے والی شخصیت کے نظریات کا جائزہ لینگے اور ساتھ ہی ساتھ قرآنی آیات کی روشنی سے آگہی حاصل کرینگے۔

فرائیڈ کا نظریہ تحلیل نفسی مادیت کی انتہاء اور (اسفل سافلین کی منزل):

فرائیڈ (۲۲۴) ایک آسٹرین نیورولوجسٹ اور سائیکولوجسٹ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید نفسیات میں تحلیل نفسی کا بانی بھی فرائیڈ نے اپنی تحقیقات کا آغاز ۱۹ ویں صدی کے آخر میں ہسٹریا کے مریضوں سے کیا ویانا میں فرائیڈ چونکہ نومیت ے سلسلے میں کئی تجربات دیکھ چکا تھا اس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا انسانی ذہن کا کوئی خاص حصہ ہے جو کہ اسکے شعور سے باہر ہے لہذا نومدت کی ضرورت باقی نہیں رہتی اگر مریض کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے ماضی کے تجربات بیان کرے تو اس عمل سے ہی مریض کا علاج ممکن ہے اس طرح یہ طریقہ تحلیل نفسی وجود میں آیا ۔ لہذا اسکا مفہوم یہ ہے کہ

"Frends theory of Personality that emphasizes the influence of the unconscious mind(225)

اس کام کے لیے وہ جو تیکنیک اختیار کرتا ہے وہ آزاد تلازم (Free Association) اور تعبیر خواب (Interpretation of dream) (226) تاہم اسکے نقش قدم پر چلنے والے کئی تیکنیک استعمال کرتے ہیں مثلاً :

Paychoanalysts use techniques such as hyponosis dream analysis and free association is an attempt to uncover unconscious conflicts motives and feeling (227)

فرائیڈ نے لاشعوری محرکات کی اہمیت بیان کی اور اسے کردار کو متعین کرنے والی قوت سے تعبیر کیا اس نے باطنی شخصیت یا ذہن کو تین حصوں میں تقسیم کیا انا id ذات (Ego) فوق الانا (super Ego) (۲۲۸)

فرائیڈ ذہنی مرض کو لاشعور کی عدم تکمیل کا سبب قرار دیتا ہے اس سلسلے میں فرائیڈ کا یہ حال ہے کہ:

Freud saw the working of sexuality almost every where (229)

اسکواس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا جبکہ اس بات کو ایلڈ اور ژنگ نے مسترد کر دیا ہے :۔

Alfered adler who felt the child's sens of inferiority in relation to big people was central to personality and carl jung who emphasized self realization in the context of man's racial history and his religious impulse." (230)

بہرحال فرائیڈ emphasize on Sex یہ بات اٹل ہے اسکے یہاں اس نے زندگی کو نفسی و ذہنی اعتبار سے تقسیم کیا اور (۲) دو اصول بھی متعارف کروائے ہیں (۱) اصول حقیقت (۲) اصول لذت Pleasure Principle انسان کی انا Ego اصول حقیقت کے تحت عمل ہوتی ہے جبکہ لا ذات ID جو کہ لاشعوری جبلی خواہشات پر مشتمل کرتی ہے اور اصول لذت کے تحت عمل کرتی ہے خواہ بچے کی بنیادی خواہش بھوک کو ختم کرنے کا عمل ہی کیوں نہ ہو۔

Frend divided psychic mental life of personality into id , ego and superego The id corresponding to the unconscious included sexual and aggressive instincts no value judgments, and energies directed toward immediate satisfaction and tension reduction it obeyed the pleasure principle. The ego commonely known as reason or rationality mediated between the id and the external world holding gunder control the pleasure seeking demands of the id, It obeyed the Reality principle (231)

فرائیڈ نے اصول لذت کے تحت Psychosexual development کے پانچ درجات بتائے جاتے ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

1) ORAL, 2) ANA, 3) PHALLIC, 4) LATENCY, 5) GENITAL (232)

فرائیڈ کے نزدیک Phallic stage میں والدین بچے کی جبلی خواہشات کو دباتے ہیں جن سے وہ لذت محسوس کرتا ہے اور بسا اوقات والدین بچوں کو ڈانٹنے اور سزا بھی دیتے ہیں دراصل یہ وہ عمر ہوتی ہے جس میں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی۔ یہ زمانہ دراصل ۴ سے ۶ سال کی عمر کے بچے کا زمانہ ہے تو جب بچہ بقول فرائیڈ کے اس خواہش کو دباتا ہے تو وہ ختم نہیں ہوتی بلکہ اسکے لاشعور میں چلی جاتی ہے اس نفسیاتی عمل کو وہ ابطان Repression کا نام دیتا ہے یہ ابطان کمپلیکس پیدا کرنے کا مؤجب بنتا ہے۔ لڑکوں کو Oedpus Complex اور لڑکیوں کو Electra Complex میں مبتلا کرتا ہے۔(233)

تاہم فوق الانا کے تصور سے اس نے واضح کیا کہ بچہ کس طرح اپنے والدین کی اخلاقی اقدار کو اور ان کے خیالات و تقاضوں کو اپنایا ہے اسطرح یہ عمل معاشرتی روایات و اقدار کو قائم رکھتا ہے۔ بلکہ ابتدائی نشوونما کی اسٹیج میں ہی بچہ کو اصول و قوانین سے آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ قرآن میں ڈھائی سال تک بچے کو دودھ پلانے کا حکم دیا گیا ہے (۲۳۴) لیکن ۴ سے ۶ سال کی عمر میں اسے جنس کا احساس دلا کر اسکے فرائض اسے بتائے جاتے ہیں رشتوں کا احترام سکھایا جاتا

ہے مثلاً قرآن میں بچوں کو والدین کے پاس تین اوقات میں نہیں جانا چاہیئے (۲۳۵) اور اگر جائیں تو طریقے سے جائیں یہ ہے وہ تعلیم جسے قرآن دیتا ہے دوسری جانب فرائیڈ ہے جونفس کو غیر شاعر اور پست بنانے پر تلا ہوا ہے۔ حالانکہ اسکے زمانے کے لوگ ایلفرڈ ایڈلر بھی ہیں اور کارل ژنگ بھی مگر وہ دونوں ذہنی مرض کے سلسلے میں Sex کو وجہ نہیں بتاتے۔

Of all freud's Concepts, this the idea of infent sexuality was the most shocking many of freu's own colleagues rejected his emphasis on Sex- among them alfred Adlers who fell the child's sense of inferiority in relation to "Big People" was central to personality , and carl Jung , who emphasized self realization in the context of man's racial history and his religions impulse (236)

حقیقت یہ ہے کہ جس قوم ونسل کا نفس غیر شاعر، پست اور حسی محرکات کی لدل میں پھنسا ہوا ہو وہ کمپلیکس میں مبتلا نہ ہوگا تو پھر کون ہوگا وہ فرسٹریشن کا شکار نہ ہوگا تو پھر کون ہوگا وہ بے سکون نہ ہوگا تو پھر کون ہوگا وہ نفس ذہنی مرض کا شکار نہ ہوگا تو کون ہوگا؟۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لتنذر قوماً مّآ انذرآباؤ هم فهم غفلون ○ لقد حقّ القول علىٰ اكثر هم فهم لايؤمنون○(۲۳۷)

ترجمہ: تاکہ متنبہ کرے ان لوگوں کو جنکے آباؤ متنبہ نہیں ہوئے پس وہ غفلت میں ہی پڑے رہے بے شک ان کی اکثریت پر حجت تمام ہو چکی ہے۔''

ژنگ اور تحلیل نفسیات:Analytical Psychology

ژنگ(Jung Karl Gustav 1875-1961) نے تحلیلی نفسیات کو متعارف کروایا جو کہ تحلیل نفسی ہی کی ایک قسم ہے یہ سوئس کا ماہر نفسیات تھا فرائیڈ کے شاگردوں میں سے تھا لیکن وہ آزادانہ سوچ رکھتا تھا لہذا اس نے اپنے استاد کی فکر سے ہٹ کر ایک نئی راہ تلاش کی اس نے انسانی نفسیات میں جنسیت کے علاوہ دوسرے محرکات کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ اسکا کہنا ہے کہ:۔

An emphasis on the collective character of the unconscious and on Archetypes as its privileged content (238)

ژنگ بچے کو ملنے والی توارثی خصوصیات کو احتیاجی خصوصیات سے گردانتا ہے یعنی ہر انسان میں ایک ہی اجتماعی لاشعور پایا جاتا ہے اس اجتماعی لاشعور میں ان تجربات کا نچوڑ ہوتا ہے جو انسان ہزار ہا سال سے کرتا چلا آرہا ہے اسکو ژنگ نخستمثال Archetype کا نام دیتا ہے دراصل ہر انسان کی زندگی مختلف قسم کے کرداروں کے گرد گھومتی ہے یہ کردار اسکی معاشرتی زندگی کو مرتب کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

ژنگ کے مطابق ہر شخص اپنے ماحول کے ساتھ مختلف تفاعل Function کے ذریعے تعلق پیدا کرتا ہے اس سلسلے میں اس نے چار قسم کے تفاعل کا ذکر کیا ہے۔ تجسس، احساس، وجدان اور تفکر Intutuion, Sensation Feeling Thinking جنہیں وہ Ego سے تعبیر کرتا ہے مگر وحدت ذات کے طور پر نہیں بلکہ تصورات کے الجھاؤ کے طور پر اور جذبات اور ایک اندرونی شعور کی حیثیت سے اسکا کہنا ہے کہ:۔

Jung Considered the self to be an amalgamation of an ectopsyche - consisting of four functions (Intution sensation feelings Thingking) that surround an ego construced not as a singular entity but as a "complex" of ideas and emotions and an endosphere (i.e consciousness turned inward in memory effect etc),(239)

دیکھا یہ گیا ہے کہ عام طور پر انسان ایک ہی تفاعل اپنی زندگی میں زیادہ استعمال کرتا ہے۔ تاہم دیگر تفاعل کی بھی نشوونما کرنی چاہیئے تاکہ انسان کی توجہ حقیقت پسندی کی طرف بدستور لگی رہے یہی سلجھاؤ کی ایک اچھی صورت ہو سکتی ہے۔

ژنگ نفس انسانی کو ایک آزاد اور خود مختار ہستی سمجھتا ہے اور اسے بیرونی ماحول سے علیحدہ کر دیتا ہے۔

"As a consequence the self rather than being autonomous is embedded in a prepersonal and prehistoric back ground from which there is no effective escape. (240)

ژنگ نے دراصل اپنے نظریات کے فروغ سے اجتماعی لاشعور اور اسکے محرکات پر توجہ مرکوز کی اس نے نفس انسانی کو اسکے ماحول سے علیحدہ کر کے اسے ایک نامعلوم مگر ایک پر اسرار حقیقت میں تبدیل کر دیا۔ اسکا فائدہ یہ ہوا انسان نے اپنی توجہ ذہنی کیفیات، وتجربات اور نفس ذات کی طرف مرکوز کی اور بیرون دنیا کو نظر انداز کر دیا وقتی طور پر اسکے ماحول ونظام کو اس طرح خاموشی کی کیفیت میں انسان مبتلا ہو گیا مگر اس سلسلے میں وہ شعور کو بیدار کرنے میں کامیاب ضرور ہوا۔

نخستمثال کے تصور کو فروغ دینے سے ژنگ زیادہ کامیاب نظر آتا ہے کہ اسکے تصورات کے تحت انسان اپنے آپ کو قطعی اور بالکل بے بس محسوس نہیں کرتا بلکہ اپنے اندر خوبیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ خامیوں کو دور کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے یہ ایک بڑی تبدیلی تھی جو اس نے اپنے نظریات کو فروغ دے کر کی۔

ایڈلر کا نظریہ لاشعور، معاشرہ اور قرآن:

۲۰ ویں صدی کے آغاز میں نفسیات میں ایک نئی جہت متعارف کرائی گئی اسکی وجہ دراصل Socioculture Factor کا انسان کی نشوونما اور کردار پر اثر انداز ہونا ہے ایسا اسلیئے ہے کہ انسان Product of the society واقع ہوا ہے پھر اس پر معاشرہ واضح طور پر اثر انداز کیوں نہ ہو؟ لہذا اس نتیجے پر پہنچا گیا ہے کہ:۔

There is relationship between sociocultural factors and mental disorders that the stressful social and cultural factor in a society are related to the incidence and types of mental

illness that Occure in it. (241)

اس جدید سوچ کی جہت میں پیش پیش ایلفرڈ ایڈلر، کیرن، ہارنی، ہیرے اسٹیک، سلی ون اور اریک فرام ہیں (۲۴۲) بہرحال اس کا نقطہ نظریہ ہے کہ

"With the acceptance of the sociological view point the almost exclusive concern with the individual's biological and or psychological functioning now broadend to include a concern with the role of the family and community context and others sociocultural factors in mental disorders (243)

اس طرح ایڈلر نے معاشرتی محرکات پر زور دیا اور اسی پر اپنے نظریہ کی بنیاد رکھی۔

ایڈلر کا نظریہ:

ایڈلر انفرادی نفسیات کا بانی ہے اور میڈیکل سائیکو جسٹ ہے اس نے فرائیڈ کے تصورات پر تنقید کے جواب میں اپنا تصور پیش کیا اس نے انفرادی نفسیات کا تصور 1912 میں پیش کیا اس میں اس نے احساس کمتری inferiority feelings اور تعقید کمتری inferiority complex میں فرق کو واضح کیا اور اسی کو بنیاد بنایا۔ اسکے نزدیک احساس کمتری میں مبتلا فرد اپنی کمتری سے باخبر ہوتا ہے جبکہ تعقید کمتری کا شکار فرد اپنی کمتری کو محسوس ہی نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اسکے لاشعور میں موجود ہوتی ہے اسطرح اسکے تسلیم نہ کرنے سے تعقید کمتری احساس برتری Superiority complex کی بنیاد بن جاتا ہے۔

He had founded individual psychology in 1912 after breaking with Freud. The basis of character was the respons of the whole individual to a universal infantile feeling Accentuated inferiority feeling became the celebrated "inferiority complex and a patholgical striving for superiority was "superiority complex (244)

اس سلسلے میں ایڈلر بچے کی ترتیب ولادت Child age Ranking کو خاصا اہم گردانتا ہے اور وہ اس وجہ کو احساس کمتری کا سبب تعمیر حقیقت پسند، سخت گیر اور نیوراتی بیماریوں کو خاصا اہم گردانتا ہے۔

Goal and fiction are subjective creations of the individual making but unrealistic rigid neurotic paterns may be favourd by organ inferiority pampering or neglect in child hood or the child age ranking in the family (245)

حالانکہ اگر شخصیت کی متوازن نشوونما ہوتو پھر ایسے مسائل درپیش نہیں ہوتے جو سنگین نوعیت اختیار کر جائیں مثلاً قرآن میں حضرت اسماعیل کا ذکر فرمانبرداروں میں آتا ہے۔ (۲۴۶) نعوذ باللہ نہ کہ Problem child (247) کے طور پر اسی طرح حضور سرور کونین ﷺ جو کہ پہلے اور آخری بچے ہیں۔ لیکن قرآن میں آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ (۲۴۸) قرار پاتا ہے تو اس بارےمیں ایڈلر کیا کہتا ہے؟ یا اسکے پیش رو کیا کہتے ہیں؟؟؟۔

ایڈلر کے ابتدائی تصورات میں سے ایک تصور یہ ہے کہ ''انسانی محرکات میں سب سے اہم محرک عزم اقتدار Will to Power کی خواہش ہے یعنی دوسروں پر قدرت حاصل کرنے کی خواہش کا محرک ہے اسکے تحت وہ احساس کمتری کو دبا کر خواہ برتری جتا کر یا ضد کر کے اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے اس طرح بسا اوقات نفسیاتی مریض نیوراتی بھی بن جاتے ہیں۔

To Adler the nietzschean will to power was this kind of neurotic pattern not a univrsal human trait He also discribed an opposite but equally effective response to increased insecurity (249)

عزم اقتدار کا تصور گو کہ انسان کے شایانِ شان ہے مگر اگر وہ حد اعتدال میں ہو تب جبکہ ایڈلر نے ہر انسان کو ایسا ہی سمجھا ہے کہ ہر انسان ہی اس خوبی کا جائز استعمال کر رہا ہے دوسری بات یہ کہ یہی ایک محرک سب سے اہم نہیں بلکہ دیگر محرک بھی ہیں جو اپنی جگہ خاص اہمیت کے حامل ہیں بالخصوص معاشرتی محرکات۔

ایڈلر نے اس تصور کو بھی پیش کیا کہ انسان میں پیدائشی طور پر معاشرتی دلچسپی Social interest کے تصور کے جواب میں پیش کیا اس نے کہا معاشرتی دلچسپی اور برتری کی کوشش یہ پیدائشی رجحانات ہیں۔

Adler discribed inborn trends social interest and striving for superiority whose full development perfected the personality (250)

دراصل انسان انتخاب کرنے والا وجود ہے جو کہ اپنے باطنی وخارجی حالات تشکیل کر سکتا ہے ایک انسانی زندگی کی مختلف تعبیروں کے لیے آزاد ہے تخلیقی ذات انسان کو ہر طرح کے انتخاب کے قابل بناتی ہے اس طرح اس نے جبریت کے بجائے مقصدیت کی بات کی اور توارث کے سلسلے میں وہ ورثی خوبیوں کو یقینی صلاحیتوں سے تعبیر کرتا ہے جبکہ ماحول کو وہ ایک یقینی امپریشن قرار دیتا ہے۔اصل میں فرد کا اپنا رویہ اور اپنا وجود ہے جسکے تحت وہ باطنی وخارجی حالات کی تشکیل کر سکتا ہے۔

Heridity only endows the individual with certain abilities envioronment only give him certain inpression, its is his individual way of using these bricks, his attitude toward life which determines (his) relationship to the outside world (251)

اس طرح انسان کوئی مشین نہیں نہ ہی مشین کا حصہ ہے بلکہ وہ تخلیقی عمل کرنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اس نظریئے کے فروغ نے انسان کی عظمت کو پیش کیا اسے قابل فخر وصلاحیت اور قابل تکریم جانا۔ ورنہ فرائیڈ نے تو اسے بالکل حیوان کے طور پر پیش کر کے اسکی تذلیل کی تھی لیکن ایڈلر نے اپنے تصور کے ذریعے انسان میں انسانیت کے عنصر اور اسکی عظمت وتوقیر کا اقرار کیا۔

سلی وون کا بین شخصی نظریہ اور اسوۂ حسنہ:

سلی وون امریکی ماہر طب نفسی تھا اس نے طب نفسی کا بین شخصی نظریہ (interpersonal relation).(252)

متعارف کرایا اس نظریے کے مطابق طب نفسی ان اعمال کا مطالعہ کرتی ہے جو افراد کے درمیان پیش آتے ہیں انسانی شخصیت کو کبھی ان رشتوں سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جو کہ ایک فرد اپنی زندگی میں دوسروں کے ساتھ قائم کرتا ہے یہی بین شخصی رشتے فرد کی شخصیت کہلاتے ہیں اسکا کہنا ہے کہ:

He believed that anxiety and other psychiatric symptoms arise in fundamental conflicts between the individual and his human environmnet and that Personality development also takes place by a series of interactions with other people (253)

سلی ون تشویش اور دیگر نفسی بیماریوں کو فرد اور ماحول کے درمیان اختلاف کی پیداوار گردانتا ہے اسی لیے شخصیت کو دیگر لوگوں کے تعلقات کی چھاپ قرار دیتا ہے ساتھ ہی سلی ون نے ان بیماریوں کی وجہ بین شخصی تعلقات میں انتشار بتائی ہے اور اسکا علاج بھی ممکن بتایا - دراصل ذہنی انتشار انسان کو کئی شخصیتوں میں تقسیم کر دیتا ہے ذہنی انقسام کی یہ بیماری ذہنی انشقاق یعنی Schizoferenia کہلاتی ہے-

Sullivan showed that it is possible to Understand schizoferenics no matter ,how bizare their behavior with sufficient contact He interpreted Schizoferenia as the result of disturbed interpersonal relation ships in early child hood, by appropriate psychotheraphy, sullivan believed these sources of behavioral disturbance could be identified and eleminated. Developing his ideas further, he applied them to the organistion of a special word for the group treatment of male shizoferenics 1929 (254)

اسی لیے اسلام قول وفعل کے تضاد سے منع کرتا ہے- کیونکہ تضاد انتشار کو ختم دیتا ہے- اسی لیے ہماری زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دینے والی کتاب میں کوئی شک نہیں (۲۵۵) اس پر ایمان کے تقاضے اور پھر ان کے فوائد (۲۵۶) جو کہ دنیا وآخرت دونوں کے خسارے سے ہمیں محفوظ رکھتے ہیں-

سلی ون شخصیت کے نظریہ میں بین شخصی تعلقات/ واقعات کو بنیاد بناتے وقت یہ بھول گیا کہ انسان اپنے آپ کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ ملامت (۲۵۷) کرنے والا اسکے اندر موجود ہے جو اسکو اسکے عمل پر ملامت کر کے صحیح راہ کی جانب متوجہ کرتا ہے-

فرام کا نظریہ شخصیت، معاشرہ اور قرآن:

فرام، ایرک (Fromm Erich 1900 -1980) جرمنی میں پیدا ہوئے وہ یوایس ماہر تحلیل نفسی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بہترین سماجی فلاسفر بھی تھا اس لیے اس نے نفسیات اور معاشرے کے درمیان فرد کے تعلق کی وضاحت کی اسکا کہنا ہے کہ فرد کی شخصیت کا انحصار بنیادی طور پر ثقافت پر ہے اسی طرح فرد کی بیالوجی بھی:

"For From Individual Personality was the product of his culture as well as his biology(258)

چونکہ فرد کی شخصیت پر معاشرت وثقافت کی چھاپ ہوتی ہے لہذا وہ معاشرے اور ثقافت میں موجود برائیوں اور

بیماریوں سے محفوظ رہنے کے لیے ایک متوازن نفسیاتی معاشرہ Sanne Society کا تصور پیش کر کے اسے انسانیت کے لیے لازمی قرار دیتا ہے لیکن تحلیل نفسی کے اصولوں کے ذریعے ملاحظہ ہو۔

"By applying pschoanalytic principles to the remedy of cultural ills, fromm believed mankind could develop a psychologically belance Sane Society." (259)

In the San e Society (1955) Fromm presented his argument "that modern man has become alienated and stranged from himself with in consumer oriented industrial Society Fromm Called for a rebirth of enlightment in a new and perfect Society which would allowed each person to fulfill his individual needs while maintaining his sense of belonging through bond of social birthhood" (260)

اس نے یہ تصور ۱۹۵۵ء میں دیا دراصل وہ انسان کی بیگانگیت کو ختم کرنا چاہتا تھا وہ انسان کو احساس تشویش اور احساس عدم تحفظ Anxiety and Insecurity سے تجارت دلانا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے ایسے معاشرہ کا تصور پیش کیا کہ جسکے معاشرتی ڈھانچے میں مثبت تبدیلیاں رونما ہوں جسمیں فرد کو تمام ضروریات زندگی کا سامان استعمال کرنے کی اجازت ہو۔

فرام انسانی آزادی کے تصور کو بنیادی اہمیت دیتا ہے اس کے خیال میں انسان جس قدر زیادہ ترقی کرتا ہے اتنا ہی خود کو اکیلا بھی محسوس کرتا ہے اور اس Stress کا نتیجہ نیوراتی اور سائیکوسومیٹک بیماریوں کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

With prolonged stress the development of almost any type of neurotic and psychosomatic (Psy chologically induced illness) reaction is possible (261)

جبکہ فرمان الٰہی ہے:

الاّ هو معهم این ما کانواؕ (۲۶۲)

ترجمہ:۔ مگر یہ کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے

جب فرد اپنی ذات کو اللہ سے منسلک کر لیتا ہے اور اپنی آزادی وخود مختاری اسکے حوالے کر دیتا ہے اسکی نماز اسکی قربانی اسکا مرنا اسکا جینا اور سب کچھ اسی ہستی کے لیے ہوتا ہے۔ (۲۶۳) اس طرح بیگانگیت کی جگہ ایک طاقت ور احساس لے لیتا ہے۔

اور جہاں تک آزادی کی بات ہے تو انسان کو یہ فریڈم کلی طور پر حاصل نہیں بلکہ مشروط ہے جیسے آدم اور اسکے ساتھی سے کہا کہ کھاؤ پیو جہاں سے دل چاہے مگر فلاں درخت کے قریب نہ جانا - یہ بندش ہی مشروطیت کی نشانی ہے (۲۶۴) اور یہ مشروطیت فطرت کے عین مطابق ہے کاش آج کا انسان فطرۃ اللہ (۲۶۵) کے مطابق زندگی گزار

کرفطرت کی کارفرمائیوں سے خودکومستفید کرے یہی بہتر زندگی کی علامت اور دائمی مسرت کی نوید ہے۔

مذکورہ نفسی نظریات کی مادیت پرستی اور قرآنی فکر سے لیس تنقیدی جائزہ:

انسانی شعور ارتقاء کا نتیجہ ہے اور ارتقاء محدود فکر کا حامل رہا ہے اس محدود فکری نے تنگ نظری کو جنم دیا اور تنگ نظری نے انسان کو اسکی ذات کے حصار میں قید کرلیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ انا پرستی (۲۶۶)(Egocentrism) کا شکار ہوکر رہ گیا لیکن اس کائنات میں انسان کی محتاجی تو دیکھئے کہ وہ اپنی کم نظری کو وہ خود سے چھپا نہ سکا کیونکہ ہماری ذات اور اس کائنات میں کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جہاں سوچ، قول، عمل کو چھپایا جاسکے لہذ امختلف ادوار میں ایسی فکر کو پروان چڑھایا گیا جو کہ دین سے دور اور مادیت کے قریب تر کرتی ہو جسمیں انفرادی مفاد پنہاں ہو خواہ اس سے اجتماعیت کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچے اس طرح انسان کو کبھی جسم اور ذہن سے متعلق تصوار تنے الجھائے رکھا اور کبھی اسکی صلاحیتوں کو اسکے شعور کو دبانے کی کوشش کی محض نام نہاد سرمایہ دار طبقہ کے مفادات اور اسکے فروغ کے لیے ان نام نہاد آقاؤں کو خوش کرنے کے لیے ایسے تصورات پیش کیئے گئے کہ جن میں پاکیز گی نام کو نہیں محض خواہشات کا پلندہ ہیں اسکے سوا کچھ نہیں ان میں انسان کی توقیر نہیں بلکہ تذلیل کا پہلو ملتا ہے فطرت سے انحراف کے یہ نظریات نہ صرف حاملین محدود فکر ونظر رکھنے والوں کی جانب سے پیش کردہ ہیں بلکہ حاملین نفس امارہ کی پیداوار ہیں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:

ارئیت من اتخذ الٰھہٗ ھوٰلہ ط افانت تکون علیہ وکیلاًامم تحسب انّ اکثرھم یسمعون اویعقلونؕ(۲۶۷)

ترجمہ:۔ ''کیا تو اسے دیکھتا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے تو بھلا تو اسکا کارساز کیونکر ہوسکتا ہے کیا تو گمان کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں۔

دراصل مقام معبود یہ ہے کہ انسان ہر حکم کی تعمیل بلاحیل و حجت کرے اور بے چوں و چرا کرے لیکن!!! یہی منزلت اگر انسان اپنی خواہش نفس کو دےدے تو اس کم مائیگی عقل کے پروانوں سے صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ:۔

- کیا بنی نوع انسان کی ہر خواہش فلاح کی ضمانت فراہم کرسکتی ہے؟

یہ وہ سوال ہے کہ جس پر مختلف لوگ مختلف رائے عامہ ہموار کرسکتے ہیں ۔مختلف کلچر تصورات اور مختلف مذاہب اسے اپنے اپنے نفسی انداز سے لبادہ پہنا سکتے ہیں بلکہ ہر دکھ میں ایک نیا لبادہ پہنایا گیا ۔فلاح کو ہر آنے والے دن میں افق پر ایک نیا سورج تلاش کیا جاتا رہا یہاں تک کہ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

- اس کیفیت کی ابتداء کیسے ہوئی؟
- اسکی نفسیاتی توجیہہ کیا ہے؟

قرآن حکیم والفرقان مجید نے ان دونوں سوالات کا جواب مصدق دیا ہے کہ:

وما تفرّ قوآ الامن بعد ماجآء ھم العلم بغیاً بینھم ط(۲۶۸)۔

ترجمہ:۔ ''اورانہوں نے تو علم آ چکنے کے بعد آپس کی بغی سے تفرقہ ڈالا''

اس طرح سب سے پہلے علم کا تصور وحی کے ذریعے دیا گیا پھر اسکی مخالفت میں تصورات آئے یہ عین فطری امر ہے کیونکہ اگر ابتداء نہ ہوتی۔

یعنی دراصل یہ ایسی کیفیت ہے کہ دو چیزوں میں سے کسی ایک کی جانب فرد کا رجحان ہوتا ہے اور اسکے لیے جواز بطور دلیل بھی ہوسکتا ہے اور بطور خواہش نفس بھی نفس کی اس کیفیت کو رب بخوبی جانتا ہے لہٰذا حاملین خواہش نفس کے بارے میں فرماتا ہے کہ

ولوشئنا لرفعنٰہ بما ولکنّہٗ اخلدالی الارض واتّبع ھوٰىہ فمثلہ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث او تترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الذین کذبوا باٰیٰتنا فاقصص القصص لعلّھم یتفکّرونO(۲۶۹)

ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہتے تو اسکو ان کی بدولت بلند کر دیتے مگر وہ تو ہمیشہ زمین کی طرف مائل رہا اور اپنی خواہش نفس کی ہی پیروی کی تو اسکی مثال تو کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی سو یہ قصہ سنا دے شاید کہ وہ غور و فکر کریں۔

بغی دراصل فرد کا اپنی ذمہ داریوں سے فرار حاصل کرنا ہے اور ذہنی امراض کا پیش خیمہ بھی قرآن کے عدم تعلق، شک، انتشار ذہن و نفس اور حسد کو امراض نفسی کے طور پر بیان کیا ہے دراصل یہ ایک طرح سے انسانوں اور اللہ کو دھوکہ دینے کا رجحان ہے مگر وہ ایسا کر کے خود اپنی ذات کو دھوکہ دیتا ہے اور نفسی بیماری انسان کی قوت تمیز کے زیاں کا نتیجہ نیز انحرافی کردار کا الجھاؤ ہے جب یہ شدت اختیار کر جاتا ہے تو انسان نت نئی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ اسلام خیر و سلامتی کا نام ہے سائنس کو ایسا Mode عطا کرتا ہے کہ جس سے کہ وہ فلاح ہی نہیں بلکہ فلاح دارین حاصل کر سکے لیکن جب انسان غیر معقولات کی جانب توجہ مرکوز کرتا ہے تو خواہشات و شہوات پرستی کا شکار ہو جاتا ہے تو مادیت پرستی کی دلدل میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اسکے چہار جانب برائی ہی برائی ہوتی ہے سرکشی ہی سرکشی ہوتی ہے اس طرح وہ فلاح و خیر و سلامتی سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی دوری کے نتیجے کے بارے میں بتایا ہے کہ دو طرح کی شخصیات ہمارے سامنے آتیں ہیں مومن اور کافر نیز متعلقہ شخصیات ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ھوالّذی خلقکم فمنکم کافرٌ منکم مؤمن (۲۷۰)

ترجمہ:۔ ''وہ وہی ہے جس نے تمہیں خلق کیا پس تم میں سے کافر بھی ہیں اور مومن بھی۔''

منیبین الیہ واتقوہ واقیموا الصلوٰۃ ولا تکونوا من المشرکینO(۲۷۱)

ترجمہ:۔ اسی کی طرف تائب ہوکر رجوع کرو اور اسی سے ڈرو اور صلوٰۃ قائم کرو اور مشرکین میں نہ ہو جاؤ

تاہم منافق، کافر، مشرک یہ تینوں شخصیتیں فطری فکر کی حامل نہیں بلکہ تولیدی فکر کے علمبرداروں میں سے ہیں جنکا ذکر ہم انتہائی تفصیل کے ساتھ باب دوم میں کریں گے۔

منافقین کی معنی یہ ہے کہ وہ ظاہری طور پر اسلام کے امین ہیں اور باطنی طور پر ایک مخصوص فلسفہء فکر رکھتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح زندگی گزاریں، حق و باطل کو خلط ملط کر کے لہذا اس کے لیے انہوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا اسکا ذکر قرآن میں مع سزا کے اس طرح آیا ہے کہ

افتؤمنون ببعض الکتٰب و تکفرون ببعضٍ فما جزآء من یّفعل ذٰلک منکم الاّ خزی فی الحیوٰۃ الدّنیا ویوم القیمٰۃ یردّون الیٰ اشدّ العذاب وما اللّٰہ بغافلٍ عمّا تعملون ○ (۲۷۲)

ترجمہ: کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو- پس جو تم میں سے ایسا کرے گا اسکی سزا حیات دنیا میں رسوائی اور یوم قیامت سخت عذاب کی طرف لوٹائے جانے کے سوا کیا ہے؟ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے-

دوسری بات یہ کہ حق اور باطل کو گڈ مڈ نہیں کیا جا سکتا یہ ناممکن ہے جس طرح کھارا پانی میٹھے پانی میں مکس Mix نہیں ہوسکتا اسی طرح باطل بھی حق میں گڈ مڈ نہیں ہوسکتا کیونکہ نظام مشیئت وحکمت یہ ہے کہ خلط ملط ہو ہی نہیں سکتا لہذا اپنی فطرت اللہ کو بیان کرتے ہوئے حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کیا تاکہ لوگ برزخ جیسی نہ نظر آنے والی آڑ کو محسوس کر سکیں-

وھو الّذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وّ ھٰذا ملح اجاجٌ وجعل بینھما برزخاً وّ حجراً مّحجوراً ○ (۲۷۳)

ترجمہ: اور وہ وہی ہے جس نے ملے جلے دو دریا بہائے یہ میٹھا مزیدار ہے اور یہ نمکین کڑوا ہے اور دونوں کے مابین حد فاصل ہے اور ایک نا قابل عبور آڑ بنا دی-

اس وضاحت کے بعد ہم ان عاجز محتاج بندوں سے صرف یہ سوال کرتے ہیں کہ:

کیا آنکھیں موندھ لینے سے اور چونچ ریت میں دبانے سے کوئی خود کو چھپا سکتا ہے؟

جہاں تک ثانی الذکر گروہ کا تعلق ہے تو قرآن حکیم نے ان لوگوں کی بغنی کے متعلق بتایا کہ جو نفسی وسائنسی مواد کو بنیاد بنا کر اسپر زندگی کی عمارت تعمیر کرتے ہیں ان کا فلسفہ زندگی فقط دنیا تک ہوتا ہے جبکہ سائنس اور ارتقاء پذیر ہوتی ہے لہذا نتائج موصولہ کو حتمی ویقینی جان کر عمل پیرا ہوتے ہیں- قرآن حکیم نے اس گروہ کی نفسیات کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ

واذا قیل لھم اٰمنوا بمآ انزل اللّٰہ قالوا نؤمن بمآ انزل علینا و یکفرون بما ورآءہٗ وھو الحقّ مصدّقاً لّما معھم (۲۷۴)

ترجمہ:۔ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ- اس پر جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا- ہے اور جو اسکے علاوہ ہے اس سے انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے

والا اسکی جوان کے پاس موجود ہے۔

اس طرح ان کی شریعت ان کی عقل و حواس ، مشاہدے و تجربے سے حاصل ہوئے والے نتائج اور حیطہ ادراک میں جو آ جائے وہ بن جاتی ہے ان کی شریعت کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت وہ کچھ اس طرح عیاں ہوگی کہ

- انسان کو نہایت قلیل علم عطا کیا گیا ہے
- انسانی علمی رسائی کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ارتقاء کا شاخسانہ ہوتی ہے
- انسان جسم و نفس اور روح کا مرکب ہے جبکہ یہ روح کو نظرانداز کر دیتے ہیں
- انسان اس کرہ ارض پر خلیفہ کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ حیوانی جبلتوں کے غلام کی۔
- زندگی امتحان گاہ ہے نہ کہ تجربہ گاہ
- نفس اللہ سے تعلق چاہتا ہے مگر خود کو ان صفات سے متصف کر لے تو خدا تو نہیں بن سکتا۔
- کائنات مسخر کی گئی ہے انسان کو اسکی تسخیر کرنی ہے نہ کہ انسان انسان کے ہاتھوں تسخیر ہو۔

یہی فرق ہے کافر اور مومن کے درمیان اسی لیے رب العزت نے نبی ﷺ کو منافقوں اور کافروں سے جہاد کرنے کا حکم دیا ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یآیّھا النّبیّ جاھد الکفار المنٰفقین واغلظ علیھم ط (۲۷۵)

ترجمہ:۔ ''اے نبی ﷺ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔

اور مؤخرالذکر گروہ مشرکین کا گروہ ہے اسکے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات کچھ یوں ہیں:۔

ولقد اوحی الیک والی الّذین من قبلک ج لئن اشرکت لیحبطنّ عملک و لتکوننّ من الخٰسرین (۲۷۶)

ترجمہ:۔ اور بے تجھ پر اور جو لوگ تجھ سے پہلے تھے ان پر وحی کی گئی کہ از سرنو شرک کرے گا۔ تو تیرے عمل کو مٹا دیا جائے گا اور تو ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

یہ آیت کریمہ نیک عمل کو ضائع کرنے کی منفی قدر مشترک کو بنیادی وجہ ضرور دے رہی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس عظیم خسارے سے بچائے ایمان لا کر اس قسم کی حرکت کرنے والوں نیز دیگر مشرکین کے لیے اللہ یہ تنبیہ فرما رہا ہے کہ:

استغفرلھم اولا تستغفر لھم ط ان تستغفر لھم سبعین مرّۃً فلن یّغفراللّٰہ لھم ط ذٰلک بانّھم کفروباللّٰہ و رسولہ ط (۲۷۷)

ترجمہ:۔ تو ان کے لیے مغفرت چاہے یا نہ چاہے اگر چہ تو ان کے لیے ستر مرتبہ مغفرت طلب کرے اللہ انہیں ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ یہ اسلئے کہ انہوں نے اللہ اور اسکے رسول کا انکار کیا۔

درج بالا تینوں شخصیات کی نفسیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دراصل منافق ، کافر اور مشرک بغض اختیار کرنے

کی صورت میں سامنے آتے ہیں- اسی حقیقت کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمائی - اور اسکے ساتھ ہی اصل حقیقت کی جانب متوجہ کیا ارشاد ربانی ہے کہ:-

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِکُمْ مَّتَاعَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُکُمْ فَنُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ(۲۷۸)

ترجمہ:- ''اے لوگوں تمہاری سرکشی تو تمہارے اپنے نفوس کے خلاف ہی ہے کمینی زندگی کی پونجی پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پس ہم تمہیں بتائینگے جو کچھ تم کیا کرتے تھے''-

منفی فکر کے حاملین کے فیوچر ڈائیلاگ:

قرآن نے فقط آخرت کا ذکر ہی نہیں کیا بلکہ کافروں اور منافقوں کے فیوچر ڈائیلاگ بھی بتائے ہیں مثلاً یہ کہ کافر کیا کہے گا اور منافقین کیا کہینگے بالترتیب ملاحظہ ہو:

وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا(۲۷۹)

ترجمہ:- ''اور کافر کہے گا ہائے افسوس مجھ پر اے کاش میں مٹی ہوتا-

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِکُمْ(۲۸۰)

ترجمہ:- ''جس دن کہ منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ایک نظر کرم ہماری طرف بھی ہو؟ کہ ہم تمہارے نور میں سے کچھ اکتساب کرلیں-

اس وقت اللہ تعالیٰ کا یہ قانون لاگو ہوگا:-

فَالْیَوْمَ لَا یُؤْخَذُ مِنْکُمْ فِدْیَۃٌ وَّلَا مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مَاْوٰىکُمُ النَّارُ ھِیَ مَوْلٰىکُمْ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ(۲۸۱)

ترجمہ:- ''پس آج کے دن نہ تو تم سے اور نہ ہی ان سے جنہوں نے کہ کفر اختیار کیا کوئی فدیہ نہ لیا جائے گا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے وہی تمہاری مالک ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے-''

مذکورہ بحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حقیقت میں وحی کے علم کو ذات کی سائنس سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جس میں متوازن شخصیت کا تصور قرآنی نفسیات کا مرکزی موضوع ہے جسمیں انسان کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کا وحدت کی صورت میں ذکر ہے اور شخصیت کا کوئی ایسا پہلو نہیں کہ جسکا احاطہ نہ کیا گیا؟ لیکن بدقسمتی سے ۲۱ ویں صدی کی صورتحال!!! اس معنی کی ترجمانی کررہی ہے خالق کی مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جارہا ہے-

بات دراصل یہ ہے کہ ہر بیج Seed درخت نہیں بنتا اور نہ ہی ہر جرثومہ جاندار- لہٰذا کچھ بیج اور کچھ جرثومے تو بے بطور کھاد ہی استعمال ہوتے ہیں بالکل یہی حال انسان کا ہے کہ جو اس مقام پر اپنی بغی ،انحرافی کردار کے تحت پہنچ جاتا ہے تو- Lost for oppertunities and lost for ever کے مصداق قرار پاتا ہے-

موجودہ صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچا جائے کہ

انسان خود اپنے آپ کو پہچاننے کے لیے جن ذرائع ووسائل اور قیاسی مفروضوں کو بنیاد بنا کر نظام تشکیل دے رہا ہے کیا وہ حقیقی ودائمی ہیں یا محض تصوراتی ووقتی ہیں؟

۞ انسان خواہ قدیم ہو یا جدید اسکی بنیادی غلطی یہ رہی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے کا قائل نہ ہوا اسکا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ آخرت سے تو ہاتھ دھونے پڑے ہی ہیں اور دنیاوی زندگی مادی علوم کی بھینٹ چڑھ گئی جبکہ غیب پر ایمان ایک فطری امر ہے اسلئے کہ غیب ہم سے پہلے موجود ہے لہذا جو اس حقیقت کو سمجھ گئے انہیں ایک جانب جسمانی کثافت میں کمی ہوئی دوسری جانب نفس تزکیہ پا کر جاوداں ہوا اور روح لطافت سے معمور ہو کر خالق حقیقی کی اطاعت کا محرک بنی تو پھر حجاب اٹھتا چلا گیا غیب مشہود ہوتا چلا گیا یہ شریعت دنیا میں مومن کے لیے مابعد الطبعیات کے لیے بنیادی اینٹ ثابت ہوئی اور آخرت کے بارے میں تو خود رب العزت ایسے نفوس سے فرمائے گا جنہوں نے لذتیت پسندی کی جگہ صبر وقناعت کی بے شعوری کی جگہ شعوری بطل پرستی کے بجائے حق واستقامت کی راہ اختیار کی ہوگی تو ان سے اللہ کچھ اس طرح فرمائے گا۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ۝ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝(۲۸۲)

ترجمہ: اے نفس مطمئنہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ ایسی حالت میں کہ تو خوش اور پسندیدہ ہے اور داخل ہو جا اپنے پروردگار کی بنائی ہوئی جنت میں۔''

فصل پنجم

عصر حاضر کا انسان اور اسکا کردار

انسان عصر حاضر کا ہو یا عصر قدیم کا کسی نہ کسی تصور فکر کے زیر اثر رہا ہے اس لیے جیسا تصور فکر ویسا ہی اسکا کردار، کردار کی بنیاد سوچ پر ہے سوچ نہ صرف زندگی بلکہ ارتقاء کی علامت بھی ہے۔ اور یہ علامت اس بات کا ثبوت ہے کہ انسانی فکر انفس وآفاق کی تخلیق کا سبب نہیں بلکہ خود تخلیق کا کرشمہ ہے یہی وہ زاویہ ہے جو فکر انسانی کو جلا بخشتا ہے لیکن جنکی فکر کو جلا نہیں ملتی۔ تو پھر بصیرت کی جگہ اندھی تقلید لے لیتی ہے جسکا نتیجہ سوائے تباہی وبربادی کے علاوہ کچھ نہیں بصورت دیگر بصیرت فلاح کا موجب۔

اگر ہم مختلف ادوار کا جائزہ لیں تو ہمیں حق وباطل کی جنگ ہر دور میں نظر آتی ہے مگر حق کی ترجمانی صبغۃ اللہ کے تحت ہوتی ہے جبکہ باطل مختلف ناموں اور استدلال کے سہارے تلاش کر کے اغلب دکھائی دیتا ہے، گرگٹ کی طرح رنگ بدل کر تسلط قائم رکھتا ہے ہنوز یہ بھی سلسلہ جاری ہے لہذا ہم درج ذیل میں دو طرح سے جائزہ لینگے تا کہ یہ جان سکیں کہ عصر حاضر میں وہ کونسی سوچ ہے جو عام وخاص کے نفس کی گہرائیوں میں پنہاں ہے اور یہ کہ کوئی عالم ومؤجد اسکی زد سے

محفوظ نہیں سوائے اسکے جو مخلص بندہ ہو۔

اول: نفس انسانی مغرب کے جدید تصورات کی زد میں

دوم: جدید مغربی تصورات کے اطلاقی اثرات ماہرین کی آراء کی روشنی میں

ان دونوں پہلوؤں کے جائزہ کا مقصد یہ ہے کہ کیا عصر حاضر کا انسان یہ جان سکا ہے کہ

- وہ کون ہے؟
- اگر وہ انسان ہے تو اس ناطے اسکے تقاضے کیا ہیں؟
- کیا اسکا کردار سعادت کا حامل رہا ہے؟
- کیا اس نے واقعی انسان ہونے کی حقیقت کا ادراک کرلیا ہے؟

یہ سوالات انسان کی ضرورت بھی ہیں اور وقت کی پکار بھی نیز یہ کہ انسان کے حیطہء ادراک کی وسعت کے لیے رہنما بھی لہذا ہم مذکورہ موضوعات کے ذریعے ان کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرینگے۔

اوّل:۔ نفس انسانی مغرب کے جدید تصورات کی زد میں:

انسان فطری طور پر آزاد واقع ہوا ہے اور آزادی انسان کو بے لگام ہی نہیں بلکہ بے ہنگم بھی بناتی ہے اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اللہ نے انسان کو نفس عطا کیا اور اسمیں جاذبیت واستعداد کی صلاحیت بھی رکھدی چونکہ باہم دگری زبردست ہنگامی کیفیت کے اندیشہ کا سبب بنتی ہے جسکا نتیجہ ہلاکت و بربادی ہے اس لیے اللہ نے ان دونوں نعمتوں کے سبب فکر آخرت سے مشروط کردیا تاکہ انسان اپنی آزادی اور آموزش خوبیوں کی بدولت حداعتدال سے تجاوز نہ کرسکے۔

مگر منکرین آخرت اس قرآنی مشروطیت کو تسلیم نہیں کرتے ان سے یہی کہا جاسکتا ہے کہ کیا وہ نفس کے اسی درجے کی نفی کرسکتے ہیں جو کہ ہر انسان خواہ کافر ہو یا مومن میں پایا جاتا ہے یعنی نفس لوامہ جسے بسا اوقات اور عصر حاضر میں ضمیر بھی کہتے ہیں دراصل ضمیر ہی اللہ کی نشانی ہے جسکی تصدیق اس آیت کریمہ کے ذریعے ہوتی ہے۔

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً مّن انفسھم (۲۸۳)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ نے صاحبان ایمان پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں انہی کے نفسوں میں ایک رسول مبعوث کیا۔ضمیر دراصل حق کی نشانی اور رسول کی آواز ہے مگر ہوتا یہ ہے کہ جب نفس کی جاذبیت حداعتدال کو کھو بیٹھے تو نفس انسانی یا تو افراط کا شکار ہوجاتا ہے یا پھر تفریط کا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب حاکمیت کا خواب لیئے ہوئے نفوس اصول مشروطیت کو بنیاد بناتے ہوئے زندگی میں بارے میں من گھڑت فکر کو پروان چڑھائیں اور جب معاشرہ کے دیگر افراد کو من گھڑت فکر سے گمراہ کردیا جائے تو پھر نفسوں میں موجود رسول کی آواز سنائی نہیں دیتی ۔ وہ حواس خمسہ رکھتے ہوئے بھی ادراک کی صلاحیتوں سے محروم ہی رہتا ہے اس طرح بصیرت کی جگہ اندھی تقلید لے لیتی ہے یہیں سے بے شعوری کا فتنہ نمو پاتا ہے اور باضمیر پھر بے ضمیر بن جاتے ہیں اور جب اس قیاسی تولیدی فکر کو حکمرانوں وقت کے علماء اہل عقل و

دانش علماء اکثریت پر حاوی و متحرک ہو جاتی ہے یہی وہ طریقہ ہے کہ جس پر عمل پیرا ہو کر اقلیت نے ہر دور میں اکثریت کو اپنا غلام و محکوم بنایا اور جاتا رہا ہے اس روش کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس نے انسان کو عبداللہ نہیں بلکہ عبد طاغوت اور عبد خنزیر (۲۸۴) اور تاریخی اعتبار سے تو قردۃ خسئین کے مقام پر پہنچا دیا (۲۸۵)

ہماری صدی کے انسانوں پر بھی کچھ اس قسم کے تصورات کی یلغار ہے جو کہ فتنہ ارتداد کا منبع ثابت ہوتے ہیں اور نفوس انسانی ان کی زد میں ہے خواہ وہ عوام کا طبقہ ہو یا خواص کا اپنے اپنے زور استدلال کے سہارے وہ آج بھی اپنی تباہ کاریاں پھیلا رہے ہیں خاص طور پر عافل زدہ نفوس پر اپنا اثر دکھا رہے ہیں ان تصورات کی بطل پرستی کا مؤجد یہ آباد میکیاولی، چارلس ڈارون کارل مارکس، لینن، ولیم میکڈوگل ہیں جبکہ ہم اسگمنڈ فرائیڈ اور ایڈلر کو ھم بیان کر چکے ہیں اب ہم ان آباؤ کے تصورات اور نفوس انسانی پر اسکے اثرات کو مختصراً بیان کرینگے تا کہ ہم بنی نوع انسان اس بات کا جائزہ لے سکیں کہ:۔

۞ ہم نے زندگی میں کیا کھویا اور کیا پایا؟

میکیاولی نکولو کی وطن پرستی اور الحاد (Mechiavelli Niccolo 1469-1527)

میکیاولی (286) اٹلی کا ایک سیاستدان اپنی مشہور کتاب The Prince (1513) کا خالق اور نظریہ وطنیت کا پیش رو اس کے فلسفے کا مقصد یہ تھا کہ:

The doctrine that the reason of state recognized no moral superior and that in its pusuit every thing is permitted (287)

دراصل وہ قومی مملکت کو کائنات کی اعلیٰ ترین ہستی اور انسان کی اصل غرض و غایت مانتا ہے۔ چونکہ وہ وطن کو ایک آدرش IDEAL یا نصب العین قرار دیتا ہے۔ جسکا نتیجہ الحاد کی صورت میں سامنے آیا انسان وطن پرستی کے نشہ میں ایسا ڈوبا کہ مذہب اخلاق، قانون الغرض انسانیت سے دور ہوتا چلا گیا تعصب کی کی پر پیچ گھاٹیوں میں ایسا پھنسا کہ اللہ سے دور ہی نہیں بلکہ اس سے غافل ہو گیا چونکہ نفس انسانی بہ یک وقت دونوں کو خوش نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی بہ یک وقت دو افراد کے حکم پر عمل کر سکتا ہے اسلئے کو انسان کو اور حیوان بلکہ اس سے بھی بدترین بن گیا۔

اس طرح میکیاولی نفس انسانی کی اس حقیقت کو جان کر الحاد کا ایسا بیج بو گیا کہ جس سے اگنے والے پودے سے نہ تو گھنی چھاؤں میسر آ سکے نہ پھل اور پھول اس تصور کے اطلاق نے نفس انسانی کو درندگی کی طرف مائل کیا آج بھی سیاست دان اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے تصور الہٰ مذہب اور انسانیت کو ختم کر کے اسکی فلاسفی کو اپناتے ہیں اور اپنی خواہش نفس کی خاطر معاشرے کے بیٹوں کو بھینٹ چڑھاتے ہیں۔

ڈارون کا نظریہ ارتقاء اور مادیت پرستی:

''چارلس ڈارون (288) (1882-1909) انگلش نیچرلسٹ تھا اسکا نظریہ ارتقاء ڈارون ازم (Darwinism) کہلایا اس نے اپنے کام کے گہرے اثرات مرتب کیئے انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں ہے کہ:

His Evalutionary Theories Propounded chiefly in two works on the origion of species by means of Natural selection (1859) and The Descent of Man and Selection and relation to sex (1871) "greatly influenced the Scientific and religious tenor of his time (289)

He established beyond reasonable doubt that all living things, including man have developed for a few extremely simple forms perhaps from one form, by a gradual process of descent with modification (290)

یہی وجہ ہے کہ اس وقت سے لیکر اب تک کے جید علماء مذہب بھی انکی فکر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اسکا کہنا ہے کہ تمام موجودات بشمول انسان نہایت ادنیٰ شروعات سے اور ماحول کے مسلسل اثرات سے اور ایک طویل عمل ارتقاء کے بعد بنی ہیں۔ (ضمیمہ جات نمبر ۲ میں نظریۂ ارتقاء کی مختصر تاریخ، تصویر نمبر ۶، ص نمبر ۹۱ پر ملاحظہ ہو۔)

اس طرح ڈارون انسان کو حیوان کی ترقی یافتہ شکل قرار دیتا ہے نہ حرف جسمانی لحاظ سے بلکہ ذہنی و نفسی ساخت اور شعور کے اعتبار سے بھی۔

اس تصور نے ساری دنیا میں تہلکہ مچا دیا جسکا نتیجہ یہ نکلا کہ آباء کی حرمت پر تو صرف آیا ہی مگر خود انسان اپنے مقام سے گر کر حیوان بلکہ اس سے بھی بدتر درجے پر فائز کر دیا گیا اس سے آپ کی عزت نفس کو تو دھچکا پہنچا ہی مگر حقیقت میں وہ معرفت نفس سے محروم ہو گیا اور معرفت رب کی تو منزل ہی نہیں آئی۔

ڈارون کے نظریے نے جہاں دیگر علوم کو متاثر کیا وہاں نفسیات پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے۔ جس سے کہ مادیت پرستی نے جنم لیا بلکہ اسے انتہائی درجے تک پہنچا دیا اور یوں ہر نفس جو ایمان سے یکسر خالی تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اسکے نظریے کو رد کرنے کے لیے دلائل و براہین کی ضرورت ہے اسلئے ہم قرآن کی روشنی میں اسکا حل تلاش کرینگے۔

☆ ڈارون نے اپنی ظنی ربط کو اس قدر وسیع کر دیا کہ جب اس نے ادنیٰ شروعات Simple Form سے انسان تک کڑی سے کڑی ملانا چاہی تو اسے ملا نہ سکا اصلیت سامنے آ گئی حیوان اور انسان کے درمیان خلاء (291) Gap آ گیا اور یوں وہ خود ہی اپنے دام میں آ گیا اسلئے کہ فطرت انسانی سوچ کا عکس و مظہر نہیں۔ دراصل انسان اپنے عقلی ارتقاء میں سب کچھ بھول گیا کہ اگر ڈارون کے عقلی ارتقاء کو تسلیم کر لیا جائے تو نعوذ باللہ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا ارتقاء ہو رہا ہے جبکہ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ ہر شے side by side اپنے اپنے امور انجام دے رہی ہے اور انکی یہ منازل انسان کی مقررہ کردہ ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے مقررہ کردہ ہیں۔ دوم یہ کہ اللہ نے انسان کو احسن تقویم (۲۹۲) کے سانچے میں پیدا کیا۔ سوم یہ کہ انسانی تخلیق کی نزاکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

بلیٰ قٰدرین علیٰ انّ نّسوّی بنانہٗ ۝ (۲۹۳)

ترجمہ:۔ ''بلکہ ہم تو تمہاری پور پور کو ٹھیک ٹھاک کر دینے پر قادر ہیں۔''

فطری انتخاب Natural Selection(294) کے جواب میں قرآن کا فرمان ہے :۔

وربک یخلق مایشآء و یختار ؕ ماکان لھم الخیرۃ ؕ(۲۹۵)

ترجمہ :۔ اور تیرا رب جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور وہی منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب ان لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔''

اس بات کی گواہی خود انسانی وجود فراہم کرتا ہے اور ہماری عقل، ہمارا نفس، ہماری روح فراہم کرتی ہے کہ ہم خود اپنے خالق نہیں۔

صورتوں Forms, Shapes کے جواب میں فرمایا گیا :۔

وّصوّرکم فاحسن صوّرکم (۲۹۶)

ترہمہ :۔ ''اور تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہیں بہت خوش شکل بنایا۔''

اور سورۃ مومنوں میں انسان کے ارتقائی سفر کی منازل کا ذکر تفصیلاً کر دیا اور آخر میں یہ بھی واضح کر دیا :۔

فتبرک اللہ احسن الخلقین ؕ (۲۹۷)

ترجمہ :۔ ''پس اللہ بابرکت ہے سب خلق کرنے والوں سے بہترین ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ :۔

وما تسقط من ورقۃٍ الاّ یعلمھا (۲۹۸)

ترجمہ :۔ ''ایک پتہ بھی نہیں ہلتا مگر اسے خبر ہوتی ہے۔''

اور دوم یہ کہ قرآن سے انسان کا بندر ہونا تو کسی قدر ثابت ہوتا ہے (۲۹۹) مگر بندر سے انسان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

اور سوم یہ کہ انسانی عقلی ارتقاء کو حقیقی سمجھنا ایسا ہی ہے کہ جیسے یہ سمجھ لیا جائے کہ بلی کو محض اسلئے پیدا کیا گیا کہ وہ چوہوں کے ساتھ مشق ستم کیا کرے یہ انسانی سوچ کی غلطی نہیں تو اور کیا ہے؟

اور چہارم یہ کہ ڈارون وحی کا قائل نہ ہوتے ہوئے بھی اس وحی کا قائل ہو گیا جو اسے اس کے سفر میں ملی۔

دراصل ایسی اغلاط و گمراہیاں ان ہی لوگوں سے سرزد ہوتیں ہیں جو غیب پر ایمان نہیں لائے۔ لہٰذا وہ وحی اور شیطان کے القاء (۳۰۰) کو سمجھ نہیں پاتے اس کی ایک نفسیاتی وجہ قرآن نے بیان فرمائی ہے وہ ہے قلوب کے امراض ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

لّیجعل مایلقی الشّیطٰن فتنۃ لّلّذین فی قلو بھم مّرضٌ وّالقاسیۃ قلوبھم ؕ وانّ الظّلمین لفی شقاقٍ بعیدٍ ۙ (۳۰۱)

ترجمہ :۔ ''تاکہ وہ ان کو جو شیطان نے ڈالے ہیں ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جنکے دلوں میں مرض ہے

اور جو سنگدل ہیں اور بے شک ظالم حد درجہ مخالف ہیں۔

یہی نفسیاتی وجہ ڈاروِن پر صادق آئی اور ان لوگوں پر بھی کہ جنکے دلوں میں اسلام اور اللہ کے خلاف کوئی بغض ہے تو ایسے ہی لوگوں کے لیے نظریات باطل گمراہ اذہان کے لیے آزمائش بن جاتے ہیں۔ نظر کا یہ فریب خود اس انسانکو ہی متاثر نہیں کرتا۔ بلکہ دیگر نفوس بھی اپنی اپنی نفسی استعداد میں فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ جبکہ اللہ انہیں یہ کہ رہا ہے۔

وانّ یوماً عند ربّک کالف سنةٍ مّمّا تعدّون○ (۳۰۲)

ترجمہ:۔ ''اور بے شک تیرے اللہ کے نزدیک تو ایک دن ان ہزار سالوں کے برابر ہے۔ جو تم شمار کرتے ہو۔''

اس طرح قرآن کے مطابق ہر فرد ایک ہی دن پیدا ہوتا اور اسی ایک ہی دن میں فوت ہو جاتا ہے۔ مگر مدعیان فسادِ فطرت کے قوانین کی تشریح اور اطلاق اپنے ظن، اپنی خواہش نفس اور مادیت پرستی کے رجحان کے سبب بیان کرتے ہیں تاکہ مذموم مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔ اور عامة الناس اس بات کو نہیں جانتی وہ تو انکے دلائل کے سامنے اپنی کم علمی دین اور کم عقلی کے باعث سرِ تسلیم خم کر لیتی ہے مگر مومن کبھی بھی دام فریب میں نہیں آتے اس لئے کہ:۔

والّذین اذا ذکّروا بایٰت ربّھم لم یخرّوا اعلیھا صمّاً وّ عمیاناً○ (۳۰۳)

ترجمہ:۔ ''اور وہ کہ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔''

کارل مارکس کا نظریہ اشتراکیت، مادیت پرستی اور قرآن

مارکس، کارل (304) (MARX KARL 1818-1883) جرمنی ارتقاء پسند سوشلسٹ ہے اس نے معاشرتی و معاشی نظریات کے ذریعے جدید سوشلزم کے لئے راہ ہموار کی اس نے برطانوی سیاسی معاشیات، فرانسیسی سوشلزم اور جرمن فلسفے کا تنقیدی جائزہ لیا داس کیپٹل کا بانی اس نے فیور باخ Feuerbach کے نظریات کو فروغ دیا اور ہیگل کے فلسفے کو مثالیت کے بجائے مادیت کو بنیاد بنا کر فروغ دیا۔ اس طرح اس نے جدلیاتی مادیت کا تصور فراہم کیا۔

جدلیاتی مادیت کے بارے میں اسکا خیال ہے کہ خیالات صرف بیرونی دنیا کا وہ عکس ہیں جو انسانی ذہن اپنے عمل سے قائم کرتا ہے مارکس نے تاریخی عمل کو بنیاد بناتے ہوئے جدلیاتی طریقہ استعمال کیا۔

"Marx Proposes a conception of history as forged by human activity or praxis within determinate matarial Conditions that vary by time and place." (305)

اس طرح تاریخی مادیت historical materialism وجود میں آئی اس طریق کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ پیداوار ہی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کے لیے راہیں متعین کرتی ہے یہ خود کار طریق سماجی زندگی ان کے شعور کا رخ مقرر کرتی ہے۔

A thought systam parading as autonomous but in fact dependent on the material condition

of the society in which it is produced. (306)

اس طرح ایک معاشرہ کے افراد اپنی اقتصادی ضروریات کی تکمیل کا سامان پیدا کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ ایک خاص قسم کے معاشی تعلقات قائم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان تعلقات کے ظہور میں ان کی خواہش یا مرضی کا کوئی دخل نہیں بلکہ جو بھی سماجی ڈھانچہ یا جو بھی رسم ورواج ہوں اس کے مطابق ان قدرتی مادی ذرائع اور مادی حالتوں پر ہوتا ہے جو کسی خاص وقت پر موجود ہوں۔

''اس نظریہ الحاد نے انسانوں کا رخ اس جانب پھیر دیا کہ جہاں سے واپسی ممکن نہیں انسان لامذہبیت کی انتہاؤں کو چھونے لگتا ہے۔ اس فلسفے پر ٹھیک ٹھیک عمل درآمد کی صورت میں جس قسم کی سوسائٹی بروئے کار آتی ہے اس سے چھٹی صدی عیسوی کی فردک ایرانی تحریک کی یاد تازہ ہوتی ہے کہ جسمیں فروک نامی مجوسی پیشوا نے ہوا، پانی کی طرح زر، زمین اور زن تینوں کو مشترک ملک قرار دیا تھا جسکا شعار عام اباحیت اور اقوال وافعال میں آزادی تھی۔'' (۳۰۷)

بات دراصل یہ ہے کہ جو طبقہ ملک کی مادی پیداوار کنٹرول کرتا ہے وہی ذہنی پیداوار بھی قابو کرتا ہے اس طرح مزدور کے ساتھ ہمیشہ ہی محنت کی اجرت کے تعین میں ناانصافی ہوئی جبکہ قرآن کا نظام آجر اور اجیر کے رشتے میں ہم آہنگی توازن اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے حقیقی فلاح کی جانب لے جاتا ہے نہ صرف مزدور کو بلکہ مالک سمیت پورے معاشرے کو۔ مارکس کا تعلق یہودی گھرانے سے تھا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نے اپنے مذہب کے طریقہ سے بھی کچھ نہ سیکھا۔ کیونکہ یہودیت میں معمولی محنت کے صلے میں غیر معمولی اجرت کا تصور ملتا ہے اس سلسلے میں حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ سرمایہ دار اور مزدور کی حیثیت سے ایک لازوال اور بے مثال واقعہ ایک بہترین اجرت کے تعین کی مثال ہے جس میں مزدور کے لیے کشش Attraction ہے کہ جب حضرت شعیب کی بیٹیاں تالاب کنارے اپنے ریوڑ کو لئے کھڑی ہوئیں تھیں تب حضرت موسیٰ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ تمام مرد اپنے اپنے ریوڑ کو پانی پلانے میں مصروف ہیں اتنی جگہ نہیں کہ عورتیں اپنے ریوڑ کو پانی پلا سکیں۔ تو انہوں نے ان کی ریوڑ کو پانی پلا دیا حضرت شعیبؑ کو پتہ چلا کہ کسی نے مجھ پر احسان کیا ہے تو مزدوری دینے کی خاطر حضرت موسیٰ کو بلایا اور صلہ دینا چاہا تو دوسری طرف بھی نبی تھا اور یہ بات نبیؐ کے شایان شان نہیں کہ احسان کا صلہ لے تو پھر حضرت شعیبؑ نے اس احسان کے بدلے اپنی بیٹی کا نکاح آپ سے کر دیا۔ (۳۰۸)

ہمیں چاہیئے کہ ہم اس بے مثال واقعہ کو اپنی معیشت کی بنیاد بنائیں۔ انصاف اور میزان کی بات کریں نہ کہ اغیار کی مساوات کی کہ جس میں حقیقی مساوات ڈھونڈھے نہیں ملتی۔

نیز شرعی طریقہ کاروبار کو ترویج دیں چونکہ نفس کے لیے میدان بڑا وسیع ہے۔ اسلئے اسلام جاودانی کی بات کرتا ہے اور یہ آباء ہمیشہ '' اسفل سافلین'' (۳۰۹) کی منزل کی بات کرتے ہیں۔

دراصل مارکس کی منشاء ومنتہا انسانی مرحلہ میں ارتقاء کی منزل مقصود سوشلزم کی عالمگیر کامیابی اور توسیع ہے وہ

اپنی ذہنی ریاست کا ایسا نظام تشکیل دینا چاہتا ہے کہ جس سے معاشرہ اپنے کمال کو پہنچ جائے۔(نعوذ باللہ)

ڈاکٹر رفیع الدین لکھتے ہیں کہ:۔

قرآن کے نقطۂ نظر میں ارتقاء کی منزل مقصود انسانی سماج کی وہ حالت ہے جب تمام نظریات مٹ جائیں گے اور اسلام باقی رہ جائے گا ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ ''اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے چاہے کفار کو کتنا ہی برا کیوں نہ لگے۔'' (۳۱۰)

اللہ کی ربوبیت کائنات اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ کائنات کمال کو نہیں پہنچ جاتی اور کائنات کا کمال بشر انسانی کا کمال تک پہنچنا ہے یہ سلسلہ فقط دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی جاری وساری رہے گا اس لئے مارکس جیسے معاشی و معاشرتی فادرFather کا یا ایسا سمجھنے والوں کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ خدا نہیں۔

لینن وولڈیمر ایلیچ کا نظریئےسوویت جدلیاتی مادیت

لینن(311)(Lenin Valadimir Ilich ---1870-1924) روس کا سیاسی لیڈر اور سوویت جدلیاتی مادیت کا تخلیق کار تھا اس نے ۱۹۰۹ء میںMaterial Empirio Criticism کتاب میں اپنے نظریات پیش کیئے وہ مادے کے بارے میں کہتا ہے کہ:۔

"Lenin argues that matter is not a construct from sensations but an objective reality independent of consciousness, because our sensation directly copy this reality objective truth is possible." (312)

لینن جدلیات کے بارے میں کہتا ہے کہ

"He argues that the dialectic should be interpreted materalistically rather than idealistically." (313)

گو کہ لینن کے خیالات کو روس میںCorner stone کی حیثیت حاصل رہی۔لیکن موجودہ صدی میں اسکا نتیجہ بھی بھیانک صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

یہ لوگ بظاہر تو مذہب کے خلاف ہیں لیکن جب معاشرہ کو ایک قیاسی وظنی نظریہ فراہم کرتے ہیں تو خود بھول جاتے ہیں کہ آخر انہوں نے بھی تو وہی معرکہ انجام دیا ہے یعنی سیاسی مذہب کو فروغ دے کر تو پھر خود کیوں اس راہ کا انتخاب کیا؟ کیا ان کا اسمیں اپنا مفاد شامل نہیں؟ کیا وہ خود معاشرہ کو اپنے نظریات کے ذریعے بیوقوف نہیں بنا رہے ہیں؟ کیا انہوں نے اپنے فلسفے کو ترویج دے کر لوگوں کی نفسیات کو برے طریقے سے متاثر نہیں کیا؟ کیا وہ ایسا نظام فروغ دے کر فطرت اور عقل کے خلاف نہیں گئے؟ کیا انہوں نے خدا کا انکار کرتے کرتےState کو خدا کا درجہ نہیں دے دیا۔؟

یہ سوالات اور موجودہ صدی میں اس نظام کا بدترین انجام آج ہمارے سامنے ہیں۔خود اہل روس نے لینن

کے مجسمے کو لوہے کی زنجیروں سے گھسیٹ کر گرا دیا اس لئے کہ اس نے جو دیا وہ محض قیاس یعنی Self Made تھا جبکہ انسانوں کو درحقیقت مطلق سچائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

میکڈوگل کا نظریہ جبلّت، مادیت کی معراج اور قرآن:

۲۰ ویں صدی کی ابتداء میں ایک برطانوی اور پھر امریکی ماہر نفسیات ولیم میکڈوگل نے نفسیات کو As the Science of behavior کے طور پر پیش کیا۔ یہ ترکیب پسند Structuralism نفسیات کے ردعمل کے طور پر جنم لیتا ہے انہوں نے ذہنی شعور کے مطالعے کو اہمیت دی تو میکڈوگل نے "Hormic Purposive _ urge to live Psychology." (314) کو پیش کیا جس کے تحت ہر جاندار کسی مقصد کے لیے عمل کر رہا ہے اور یہ زندہ رہنے کا مقصد ہے دراصل یہ نفسیات کردار کی سائنس ہے اور کردار کی خاصیت یہ ہے کہ مقصد کا حصول ہو تو کردار اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے اور یہ کہ کردار میکانیکی نہیں یہ دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقصد کا تعین کون کرے گا؟ مخلوق یا خالق؟ موجودہ نظریہ کے مطابق مخلوق جبکہ قرآنی نظریہ کے مطابق خالق ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما خلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدونO(۳۱۵)

ترجمہ:۔ اور میں نے خلق نہیں کیا جن اور انسانوں کو مگر سوائے اس کے کہ وہ عبادت کریں۔

چنانچہ میکڈوگل کی فکر سے مادیت پرستی نے جنم لیا۔ اور سوچ مادیت کی انتہاؤں میں سفر کرنے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ انسانی جبلت کے بارے میں منفرد نظریہ پیش کرتا ہے۔ میکڈوگل کے نزدیک انسان کے پاس حیوانی جبلّت کا ورثی سرمایہ موجود ہے اس کا کہنا ہے کہ:۔

"According to MacDougall man inherits all his instinets from the animals." (316)

اس کے مطابق ایک بامقصد کردار کے لیے توانائی جبلت سے حاصل ہوتی ہے جبلتیں کچھ پیدائشی نفسی، طبعیاتی رجحانات ہیں جو ان کے مالک کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ایک خاص گروہ کی چیزیں محسوس کر کے ایک خاص ہیجانی کیفیت سے گذر کر خاص طریقے سے عمل کرے اس کے نزدیک:۔

"He derived human behaviour from instinets which are innate psychophysical dispositions with specific cognitive, affective and conative aspects (Perception of danger, fear , flight)." (317)

حقیقت یہ ہے کہ میکڈوگل انسان اور حیوان کے درمیان فرق کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ وہ فطری وخلقی فرق کے علاوہ مخلوق کی شرع کے مابین انکے مقاصد کے مابین فرق کو نہ سمجھ سکا اس نے انسان کو ایسے جانور کی مانند قرار دے دیا جس پر فقط جبلت حاوی ہے زبان، علم وشعور، معاشرہ، اخلاق، مذہب اور ثقافت کو کوئی حیثیت حاصل نہیں۔ اس طرح ایک جانب انسان کو حیاتی جانور کی حیثیت مل جاتی ہے جو اس کی عظمت کے خلاف ہے اور دوسری جانب جبلت ورثے

میں ملنے سے حکمران کا بیٹا حکمران خواہ وہ اہل ہو، یا نہ ہو اور غلام کا بیٹا غلام خواہ وہ حکمرانی کا اہل ہی کیوں نہ ہو وہ غلام ہی کہلائے گا یہ تو کوئی درست بات نہ ہوئی۔ اس لئے اسلام ایسا نظریہ عمل فراہم کرتا ہے کہ جس میں تکریم انسانیت بھی ہو، عظمت بھی ہو، اور بلندی بھی ہو، اس کے تحت انسان کے کردار کی بنیادی توانائی نفس انسانی ہے اور نفس انسانی کی بنیادی توانائی شریعت ہے جو نفس کو Immortal بناتی ہے اسی سے اس کو حیات جاوداں ملتی ہے روح بلندیوں کی جانب سفر کرتی ہے۔ مقصد کو معراج ملتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی فطرت اور حیوانی فطرت کے درمیان بڑے بڑے سمندر حائل ہیں۔ ان ہی فرق کی بناء پر اللہ نے انسان کو قابل تکریم بنایا چنانچہ:۔

ولقد کرّمنا بنی ادم (۳۱۸)

کہہ کرامت کو انسان کا خاصا بتایا کہ اس ضمن میں حیوانی فطرت کے حاملین کیا کہتے ہیں دراصل انسانی زندگی کچھ ایسے غیبی پہلو لئے ہوئے ہے کہ جنکی رہنمائی نہ تو حواس کر سکتے ہیں نہ عقل نہ وجدان وادراک۔ ایسے موقع پر وحی الٰہی ہی مخفی رازوں سے پردہ اٹھاتی ہے اس کی مثال نفس مطمئنہ کے حامل نفوس کی مذکورہ جزا ہے اور دنیا میں مکافات عمل جیسی حقیقت جو اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ انسان فقط رینگنے والا کیڑا نہیں اور نہ ہی اسکا تعلق کیڑوں حشرات الارض یا کسی حیوان و جانور سے ہے بلکہ اس کی اپنی ایک منفرد و مسلمہ حقیقت ہے۔

آخر الذکر یہ کہ حیوان اور انسانوں کے درمیان تو بے شمار آفاق موجود ہیں ہی لیکن طبعی انسانوں اور صنعتی جینیاتی انسانوں (ضمیمہ جات نمبر ۲، تصویر نمبر ۷، ص نمبر ۹۱ پر ملاحظہ ہو۔)(Clone Man) کے درمیان بکھرے جزیرے موجود ہیں جسے ہم مصنوعی انسان سے تعبیر کر سکتے ہیں طبعی و مصنوعی انسان کی صلاحیتوں کے درمیان وراثت، ماحول، مذہبی افکار واثرات، احساس وجذبات، نفسی معاملات کے ذخائر میں زمین وآسمان جتنا فرق پایا جاتا ہے تو حیوان تو پھر حیوان ہے اسی لیے رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

لقد انزلنآ الیکم کتباً فیه ذکر کم افلا تعقلونO (۳۱۹)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے؟

عصر حاضر کا المیہ، ایک قرآنی تجزیہ:

آثار بناء آیات کے اور آیات بناء آثار کے ادھوری ہیں۔ لہٰذا جو کوئی فقط آثار کو بنیاد بنائے وہ بھی غلط اور جو آیات کو فقط بنیاد بنائے اس کو بھی اللہ نے پسند نہیں فرمایا۔ کیونکہ قرآن دونوں کی یکجائی کا تقاضا کرتا ہے۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو علم و آثار کی یکجائی کی بات کرتی ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ایتونی بکتٰب مّن قبل هذآ او اثرة مّن علمٍ ان کنتم صٰدقینO (۳۲۰)

ترجمہ:۔ اگر تم سچے ہو تو میرے پاس کوئی اس سے پہلے کی کتاب یا علم کے کوئی آثار لے آؤ۔

یہی وجہ ہے کہ فطرت کی مخالفت کرنے والے روحانیت کی لذت سے آشنا نہیں یہ تو انسان کو فقط گوشت پوست کا

انسان سمجھتے ہیں۔ یا پھر ذہن ونفس کو اہمیت دیتے ہیں اسی لیے ڈاکٹر رفیع اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:۔

"All whom maintaion that man is a creature of impulses which have their sourse in the instinet." (321)

یا پھر انسان میں موجود لاشعور کی ترجمانی اس طرح کی جاتی ہے کہ:۔

Freud saw the working of sexuality almost every where. (322)

سچ تو یہ ہے کہ یہ خالق بننا چاہتے ہیں مگر یہ لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ خود تخلیق کردہ ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اللہ کی کتاب علم آثار یہی حق ہیں ان کا نظریہ حق کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ خود ان کی اس کیفیت کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ یہ کتاب حق کو سگے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔

الّذین اتینٰھم الکتٰب یعرفونہٗ کما یعرفون ابنآء ھمؕ وانّ فریقاً مّنھم لیکتمون الحقّ و ھم یعلمون الحقّ من رّبّک فلا تکوننّ من الممترینؑ (۳۲۳)

ترجمہ:۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر ان کا ایک گروہ حق کو دانستہ چھپاتا ہے حق تو تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔

چنانچہ یہ اس حقیقت سے بھی واقف ہیں۔ کہ انسان فقط جسم ونفس ہی کا نام نہیں بلکہ جسم، نفس اور روح کا مرکب ہے اور ان تینوں کی اپنی اپنی دنیائیں آباد ہیں اور پھر ہر دنیا میں موجود سمندر اور سمندروں میں بے شمار جزیرے، بعض جزیروں تک ہماری پہنچ ہے اور بعض تک رسائی نہیں قرآن حکیم تو نفس انسانی کے متعلق یہاں تک کہتا ہے کہ:۔

الّذین یجتنبون کبٰئر الاثم والفواحش الاّ اللّممؕ انّ ربّک واسع المغفرۃؕ ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض و اذانتم اجنّۃ فی بطون امّھٰتکمۚ فلا تزکّوآ انفسکمؕ ھوا علم بمن اتّقیؑ (۳۲۴)

ترجمہ:۔ ''وہ لوگ جو گناہ کبیرہ اور بے حیائی سے اجتناب کرتے ہیں سوائے معمولی باتوں کے، بے شک تیرے پروردگار کی مغفرت وسیع ہے۔ جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اس وقت بھی وہ تمہارے احوال سے خوب واقف تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے بطنوں میں بچے کی صورت میں تھے اس وقت بھی پس اپنے نفوس کی پاکیزگی میں نہ جتلاؤ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔''

تو اس بارے میں موجودہ صدی کے تحلیل نفسی کے پیش رو اور نظریہ جبلت کے امین انسانی نفس کی اس حالت پر کیا نظریہ پیش کرنا پسند کریں گے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ ہی حق ہے۔ اس کے علاوہ جو کوئی بھی جسے پکارتا ہے وہ باطل ہے۔ (۳۲۵) مگر جب نفس میں شک کا جراثیم حملہ کردے تو کمزور نفوس کے حاملین کو حق صریح جادو لگنے لگتا ہے۔ تو کبھی شریعت نبی کی اختراع (۳۲۶) (نعوذ باللہ) اور کبھی حق انہیں متشابہات (۳۲۷) کی صورت میں نظر آتا ہے۔ یہی شک جب ڈارون کے ذہن میں جگہ پاتا ہے تو Theory of Evolution (328) بن کر ابھرتا ہے جب ماتھس شک میں مبتلا ہوتا ہے تو نظریہ آبادی

(329) (Theory of Population) آئین کی صورت تمام معاشروں کا مقدر بنا دیا جاتا ہے، اور جب یہی شک فرائیڈ کے نفس کولاحق ہوتا ہے تو Electra & Odipus Complexe (330) معصوم نفوس پر پراگندگی کی چھاپ لگا جاتا ہے اور جب یہی شک نام نہاد مسلمانوں کے دلوں میں جگہ پا تا ہے تو پھر خلافت کی (۳۳۱) جگہ جمہوریت کی آبیاری کی جاتی ہے۔(۳۳۲) لہٰذا مذکورہ طرز عمل کے بارے میں اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ:۔

- یہ حق سے آنکھ چرانا شبہ نہیں تو اور کیا ہے؟
- یہ بندہ کا خود رسالت قرار دینا نہیں تو اور کیا ہے؟
- یہ نفس کی خواہش کو معبود ماننا نہیں تو اور کیا ہے؟
- یہ مادہ پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟
- یہ قرآن مجید کو فقط ماضی کی قصص ماننا نہیں تو اور کیا ہے؟
- یہ اللہ کو اول و آخر تسلیم کرنے کے بجائے نمائندگان سائنس کے نتائج کو حرف آخر ماننا نہیں تو اور کیا ہے؟

شک الحاد تو ان ہی باطل عقائد کے اثرات کا نتیجہ ہے اس سے وہی قلوب متاثر ہوتے ہیں جو ذکر الٰہی سے خالی ہیں۔ ورنہ اہل نظر تو اس فریب کی ہلاکت خیزیوں کو خوب جانتے ہیں آیئے اب ہم ماہرین کی آراء کی روشنی میں اس بات کا جائزہ لیں گے کہ:۔

- انسان پر ان عقائد وافکار کا اثر کس قدر رہا؟
- انسان کے کرداری نتائج کیا ثبوت پیش کر رہے ہیں؟
- کیا عصر حاضر کا انسان نفوس کا تزکیہ اور صالح کردار کا خواہشمند وطالب ہے؟

دوم:۔ جدید مغربی فکر وتصورات کے اطلاقی اثرات ماہرین کی آراء کی روشنی میں:۔

قل کلٌ یعمل علیٰ شاکلتہٖ فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً ○ (۳۳۳)

ترجمہ:۔ ''کہدو کہ ہر کوئی اپنے انداز میں ہی عمل پیرا ہے پس جو سیدھی راہ پر ہے تیرا رب اس سے خوب واقف ہے۔''

کردار اثر کا اور اثر فکر کی مرہون منت ہوتی ہے اور فکر انسانی زندگی پر محیط۔ فکر کے ذرائع عقل وبصیرت، حواس وادراک اور تجربہ ومشاہدہ ہیں ان تمام ذرائع کی رسائی محدودیت کی حامل ہے۔ لہٰذا ان سے حاصل ہونے والا علم بھی محدود۔ یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی تاریخ اور اس کے آثار یہ سمجھاتے دکھائی دیتے ہیں کہ ہر دور کا انسان ایک فکر رکھنے کے باوجود نئی فکر کا متلاشی رہا۔ جس کی وجہ بنیاد محدود فکری تھی۔ لہٰذا کبھی روح کو اہمیت دی گئی، کبھی جسم کو، کبھی نفس وذہن کو، اور کبھی جسم ونفس کی ثنویت کو، کبھی مادہ پرستی وحیوان پرستی کا چرچا کیا گیا۔ ہنوز یہ روش برقرار ہے اسلئے کہ محدود ذرائع سے علم کو کشید کیا گیا اور محدود علمی فرد معاشرہ دونوں کے لیے باعث زحمت ہوتی ہے اس گھاٹ سے گمراہی زیادہ، حق کی

in brief, It is a crises involving almost the whole way of life thought and conduct of western society. More precisely culture and society dominent for last four centuries." (335)

اردو مفہوم :۔ یہ محض معاشی ، سیاسی عدم توازن نہیں ہے۔ بلکہ پورے کا پورا مغربی معاشرہ اور مغربی تہذیب اس کی زد میں ہے۔ یہ بحران ادب، سائنس، فلسفہ اور مذہب، قانون داخلاقیات اور طرز معاشرت کا بحران ہے جو معاشرتی، سیاسی اور معاشی تنظیموں، خاندانوں کے رسم ورواج اور شادیوں کی صورت میں موجود ہے مختصراً یہ کہ مغربی معاشرہ کے اطوار وافکار بلکہ ان کی اس تہذیب اور معاشرے کا بحران ہے جو ان کے یہاں پچھلی چار صدیوں پر محیط ہے۔

مذکورہ رائے سے یہ نتیجہ اخذ کرنا انتہائی آسان ہوگیا کہ جو فکر وتصور اہل مغرب کو بحران سے نہ بچا سکا تو دیگر انسانوں کے لیے فلاح کا ضامن کیونکر ہوسکتا ہے؟ جو آب پاک نہیں وہ حیات بخش کیسے ہوسکتا ہے؟ نیز یہ کہ

اسی فکر کہ جس میں آدرشیت ، انسانیت اور روحانیت کا مکمل فقدان پایا جاتا ہوتو ایسے معاشرہ کا آخر کیا انجام ہوگا؟

اس سوال کا جواب؟ ڈاکٹر ایس ایم اسماعیل نے اپنی تحریر کردہ کتاب The Quran and the Contemporary Challenge" میں کچھ اس طرح کر دیا ہے۔

"A society with schizophrenia, mental illness amentia, dementia, insanity, perversion, Massochism, sadism, sexual imbalance, promiscuity, drug addiction intoxication with a millieu of pornography, prostitution, whoredom, Homsexuality, and interrosexuality with no consideration kind the greatification of sexual urge (insert) with illegal birth of children, swindling cheating defrauding one another bloodshed and violence of unimaginable oxtent etc." (394)

اردو مفہوم :۔ وہ ایک ایسا معاشرہ ہوگا جو ذہنی طور پر پسماندہ اور سٹھیایا ہوا معاشرہ ہوگا۔ جس کی فکر انحطاط زدہ ہوگی۔ وہاں پاگل پن، کج روی، آزاد دوستی، جنسی عدم توازن، اختلاط باہمی، نشہ آوری، فحش نگاری، جسم فروشی، عصمت فروشی اور ہم جنسیت عام ہوگی بے چینی تسکین کے سلسلے میں ناجائز اولادیں ہونگی، فریب، دھوکہ دہی، قتل وغارت اور تشدد روز مرہ کا معمول ہوگا۔

گو کہ آج ہم اس صدی کے اختتام پر سانس لے رہے ہیں جو کہ نہ صرف مادی ہے بلکہ ایٹمی ٹیکنالوجی کی ترقی اور کمپیوٹر کا دور بھی ہے جس میں ایک طرف خلائی تسخیر کا عمل جاری ہے تو دوسری طرف انٹرنیٹ سسٹم کی سنگین صورتحال بھی ترقی کے لحاظ سے دنیا سمٹ کر ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہے۔ مگر خود ہماری ذات، محبت، ضروری اقدار وروایات اور بھرپور زندگی کے مقاصد سے ہم دور چلے گئے ہیں اس صورتحال کو اس موضوع کے حوالے سے ابنارمل بی ہیویئر ان اور

ٹائمنز میں کول مین نے کچھ اس طرح بیان کیا یا ہے کہ :۔

"Homes broken by divorce leave emotional scars upon parents and children alike: Excessive competition, conflicting pressure groups impersonal bureaucracy rapid social change, and the ever present threat of globle atomic war further aggravate modern man anxieties." (373)

یہ صورتحال اس جانب ہماری توجہ دلاتی ہے کہ ان افکار کے اثرات فرد اور معاشرہ دونوں پر منفی انداز سے پڑ رہے ہیں فرد کے جسم و نفس اور روح پر بہت برے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں بقول ڈاکٹر اسماعیل کے

"An age of cancer and aids and age of disease and pestinlence (338)

جبکہ کولمین کا کہنا ہے کہ :۔

The black plague has been replaced by a host of subtler psychological plagues worry, value conflicts loneliness disillusionment and doubts as to wether one can weave a successful course through the complex maze of freeways and blind alleys that make up modern existence. (339)

دوسری جانب معاشرہ کی صورتحال اس منفی فکر کے اطلاقی اثر کی بدولت زندگی سے مایوسی کو جنم دیتی نظر آتی ہے جس خطے نے بھی اس فکر و تصور کو اپنایا اس میں یہی بے چینی پائی جاتی ہے۔

An age of strikes and bandh and age of slogan and fast unto death and age of family break -up and social mal- adjustment. (340)

یہ صورتحال انسانی شعوری و عقلی ارتقاء کی علامت ہے نہ تو کمال شعور ہے اور نہ ہی عقل کل۔ لیکن اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ غفلت و گمراہی کا نتیجہ اور مخالفت برائے مخالفت کے علاوہ کچھ نہیں اسی لیے محترم ڈاکٹر اسماعیل نے اس کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے کہ :۔

"An age of delinquency and perversion and age of affluence and poverty an age of psychosis and psychoneurosis an age of fear and suspense and age of stress and strain." (341)

مذکورہ صورتحال نفس انسانی کی ارزانی کا نتیجہ ہے اور یہ ارزانی نفسیاتی بیماریوں اور معاشرتی زوال کا سبب اور ان سب مسائل کا سبب ایک ہے وہ ہے کم علمی ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

وما اوتیتم من العلم الا قلیلاً ○ (۳۴۲)

ترجمہ :۔ اور تمہیں تو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔

تجزیہ:۔

اگر ہم ذہنی انتشار، تشویش، جسمانی عصبی تناؤ سے نجات چاہتے ہیں۔ اگر ہم جنت ارض کے اہل بننا چاہتے ہیں، تو پھر ہمیں فکر وعمل کو صحیح خطوط پر استوار کرنا ہوگا چونکہ عمل کے لیے فکر اور فکر کے لیے عقل، حواس ادراک اور علم مہمیز بنتے ہیں اس طرح معرفت نفس کے لیے راہ ہموار ہو جاتی ہے اس ہمواری کے حصول کے لیے نفس انسانی میں کچھ زاویے سر اٹھاتے ہیں۔ آیئے ان زاویوں کو اپنے نفس میں تلاش کریں تا کہ مثبت فکر کا پودا نمو پا سکے۔ مثلاً یہ کہ:۔

- وہ کون سے نفسی میلانات ہیں جو نفس انسانی میں تحریک کا مؤجب بنتے ہیں؟
- وہ کون سی نفسی و ظنی بنیادیں ہیں کہ جس پر فی زمانہ فلسفہ حیات کی عمارت استوار کی جا سکتی ہے؟
- کیا محض ظنی اور نفسی بنیاد پر تشکیل پانے والا نظام بھرپور فلاح کا سبب بن سکتا ہے؟
- کیا اس کائنات رنگ و بو میں فقط ظنی و تجربی علم کو کلیت حاصل ہے یا پھر انسان علم الغیب کا محتاج واقع ہوا ہے؟
- کیا انسانی نفسی جذبات کی تکمیل کے سلسلے میں آزاد واقع ہوا ہے یا مشروط؟
- کیا انسان آفاقی قدروں پر (نعوذ باللہ) قادر واقع ہوا ہے یا پھر کوئی اور قادر ہے؟
- کیا انسان عالمگیر نظام تشکیل دے سکتا ہے؟ جبکہ وہ خود اپنا خالق نہیں؟

اور یہی سب سے اہم بات ہے اگر اسی بات پر فکر کے سوتے پھوٹ پڑیں تو منزل دور نہیں آیئے:۔

ہم درج بالا مفروضات کا ماضی کے جھروکوں سے کائنات کے آثار سے انبیاء کی میراث سے حکماء کی عطاؤں سے، اولی الامر کے کرداری نتائج سے، مجتہدوں کی فہم وادراک سامانیوں سے ایمان کی آمیزش اور خلوص کی چاشنی سے، استقامت کے ہتھیار سے علم الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر حکمت کے موتی تلاش کریں یہی مقصود زندگی ہے تاہم حیات سازی کے فروغ کے لیے اب ہم اگلے باب میں کردار انسانی میں وجہ اختلاف کی نفسی بنیادوں کو بیان کریں گے تا کہ خود اپنا احتساب کر کے فلاح دارین کے حاملین بن سکیں۔ (آمین ثم آمین)

فہرست کتابیات مع حوالہ جات برائے باب اوّل

نمبر شمار	حوالہ جات

01) Arthurs Reber,"The Penguin Ditionary of Psychology", USA, Pengiun Book Inc. 1986. P.395.

۰۲) القرآن، ۷:۱۹

۰۳) ایضاً، ۲: ۳۴

۰۴) ایضاً، ۷:۲۰

۰۵) ایضاً، ۷:۲۲

06) Paul Adward ,"The Encyclopedia of Philosophy,"New York, Mc Millan Company, 1967, P-341, Vol-6.

07) "The Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P. 413, Vol-3

۰۸) القرآن، ۷:۲۳

۰۹) ایضاً، ۵:۲۷

۱۰) ایضاً، ۵:۲۷

۱۱) ایضاً، ۵:۳۰

۱۲) ایضاً، ۵:۲۸

۱۳) ایضاً، ۲۳:۲۷، تا: ۴۰

۱۴) ایضاً، ۱۱:۴۵

۱۵) ایضاً، ۱۱:۴۶

۱۶) ایضاً، ۲۹:۲

۱۷) ایضاً، ۱۰۳:۳

۱۸) ایضاً، ۱۱:۴۳

۱۹) ایضاً، ۱۱:۴۳

۲۰) ایضاً، ۴۵:۱۹

۲۱) ایضاً، ۲۹:۲ تا ۳

۲۲) ایضاً، ۷:۱۷۹

۲۳) ایضاً، ۲۷:۱۵

۲۴) ایضاً، ۳۸:۲۶

۲۵) ایضاً، ۳۸:۲۰

۲۶) ایضاً، ۳۸:۲۳ تا ۲۵

۲۷) ایضاً، ۲۱:۸۷

۲۸) القرآن، ۳۷: ۱۴۰ تا ۱۴۲
۲۹) ایضاً، ۲۱: ۸۷
۳۰) ایضاً، ۳۷: ۱۴۳ تا ۱۴۴
۳۱) ایضاً، ۴: ۷۹
۳۲) ایضاً، ۳۸: ۱۴
۳۳) ایضاً، ۳۸: ۸۲ تا ۸۴
۳۴) ایضاً، ۲: ۱۵۵ تا ۱۵۷
۳۵) ایضاً، ۷: ۱۸۸
۳۶) ایضاً، ۲۱: ۸۳
۳۷) ایضاً، ۳۸: ۴۴
۳۸) ایضاً، ۱۸: ۶۵
۳۹) العلامۃ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، ''المفردات فی غریب القرآن''، کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت، ۱۳۸۰ھج، ص ۴۶۵
۴۰) القرآن، ۱۸: ۶۸
۴۱) ایضاً، ۱۸: ۷۰
۴۲) ایضاً، ۱۸: ۷۱ تا ۸۲
۴۳) ایضاً، ۱۸: ۸۲
۴۴) ایضاً، ۲۸: ۱۵
۴۵) ایضاً، ۲۸: ۱۵ تا ۱۷
۴۶) ایضاً، ۶۶: ۱
۴۷) ایضاً، ۱: ۳۱
۴۸) ایضاً، ۴: ۴۰
۴۹) ایضاً، ۷: ۲۳
۵۰) ایضاً، ۵: ۲۷
۵۱) ایضاً، ۳۷: ۷۸ تا ۸۰
۵۲) ایضاً، ۳۷: ۱۰۷ تا ۱۱۲
۵۳) ایضاً، ۱۲: ۹۴ تا ۹۵
۵۴) ایضاً، ۲۲: ۵۶ تا ۵۷
۵۵) ایضاً، ۱۲: ۱۰۰ تا ۱۰۱
۵۶) ایضاً، ۲۱: ۸۸
۵۷) ایضاً، ۲۱: ۸۴
۵۸) ایضاً، ۳۸: ۲۴ تا ۲۵
۵۹) ایضاً، ۲۸: ۱۶ تا ۱۷
۶۰) ایضاً، ۲۵: ۷۵ تا ۷۶

۶۱) القرآن،۶۲:۳۳

۶۲) ایضاً،۱۵۰:۴

۶۳) ایضاً،۶۲:۲۲

۶۴) ایضاً،۲:۲

۶۵) ایضاً،۴:۴۶

۶۶) ایضاً،۱۸:۷۹تا۱۹

67) Rubert Audi, The Cambridge Dictionary of Philosophy, Cambridge, Cambridge University Press, 1995, P. 755.

68) S.K.Mengal ,"Psychology An introduction to Human behaviour", New Delhi, Strerling Publishers Pvt. Ltd, 1990, P.1

69) Doughlas A. Bersnstein, "Psychology", Boston, Houghton Mifflin Company, 1991, P.1

۷۰) ''المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۳۱۱تا۳۱۲۔

۷۱) ایضاً،ص ۳۴۸

۷۲) ایضاً،ص ۵۲۱

۷۳) القرآن،۶۷:۵

۷۴) ایضاً،۱۶۴:۳

75) Karen Huffman, "Essentials of Psychology in Action", New York, John wiley & Sons Inc, 1995, P-6.

۷۶) القرآن،۱۶:۷۵تا۱۹

۷۷) ایضاً،۱۰۶:۱۷

۷۸) ایضاً،۷۸:۱۷

۷۹) ایضاً،۱۵۱:۲

۸۰) ایضاً،۹:۹۱

۸۱) ''المفردات فی غریب القرآن''،محولہ بالا، ص ۲۱۳۔

۸۲) القرآن،۳۲:۵۳

۸۳) ایضاً،۴۹:۴

۸۴) ایضاً،۱۸:۳۵

۸۵) ''المفردات فی غریب القرآن''،محولہ بالا، ص ۳۴۸۔

۸۶) القرآن،۴۴:۱۶

۸۷) ایضاً،۷۵:۲۷

۸۸) ایضاً،۸۹:۱۶

۸۹) ایضاً،۱۸۵:۲

۹۰) ایضاً،۴۳:۱۶

۹۱) ایضاً،۱۶:۴۹

۹۲) القرآن، ۹۱:۷تا۱۰

۹۳) ایضاً، ۴۱:۵۳

۹۴) ایضاً، ۷۵:۱۴

۹۵) ایضاً، ۸:۴۲

۹۶) القرآن، ۳۱:۱۲

۹۷) ایضاً، ۴:۱۱۳

۹۸) ایضاً، ۱۶:۱۲۵

۹۹) ''المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا''، ص۱۲۶تا۱۲۷۔

۱۰۰) القرآن، ۱۷:۲۶تا۳۹

۱۰۱) ایضاً، ۵۴:۳تا۵

۱۰۲) ایضاً، ۲:۲۶۹

103) Floyed L. Ruch, "Psychology and Life", Atlanta, Scott Foresman and Company, 1958. P.17

۱۰۴) القرآن، ۷۶:۱تا۳

۱۰۵) ایضاً، ۴۵:۱۸، ۴۲:۱۳

۱۰۶) ایضاً، ۶:۱۲۱

۱۰۷) ایضاً، ۱۰۳:۱تا۳

۱۰۸) ایضاً، ۲:۳۸

۱۰۹) ایضاً، ۲:۳۱

۱۱۰) ایضاً، ۴۲:۱۴

111) Raymond J. Corsini, "Concise Encyclopedia of Psychology", New York, John Wiley & Sons Inc, 1987, P.69.

112) "Psychology and Life". OP.cit, P.7.

۱۱۳) محمد رفیق جعفر ''نفسیات کا ارتقاء''، لاہور، اظہار سنز ۱۹ اردو بازار ایڈیشن دوم ۱۹۸۸، ص۱۲، جلد اول۔

۱۱۴) ایضاً، ص۱۴، جلد اول۔

۱۱۵) ایضاً، نفسیات کا ارتقاء، ص۱۵، جلد اول۔

116) Paul Edwards, The Encyclopedia of Philosophy, New York, The Macmillan The Free Press, 1967, P-97, Vol-8.

117) "The Encyclopedia of Philosophy", OP.cit, 1967, P-117, Vol-1.

118) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-322.

119) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-188.

120) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-561.

121) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-483 to 484, Vol-7.

122) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-53.

123) Paul Edwards "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit. P-250. Vol-3.

124) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-619 to 620 and the Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-321, Vol-6.

125) "The Encylopedia of Philosophy", OP,cit, P-158, Vol-1.

126) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P220 to 221.

127) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-52 to 53.

128) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-228, Vol-1.

129) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-326 to 327, Vol-3.

130) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-220 and 222, Vol-1.

131) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-347, Vol-2.

132) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-347, Vol-2.

133) "The Combridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-196.

۱۳۴) القرآن، ۳:۵۷

135) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-36, Vol-4

136) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-40 to 41, Vol-4.

137) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-75 to 76 Vol-4

۱۳۸) القرآن، ۲:۳ نیز ملاحظہ ہو۔ ۶:۱۷۳ اور ۱۳:۹ تا ۱۰

139) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-28 to 29.

140) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-861 and "Encyclopedia of Philoophy", OP,cit, P-350, Vol-8

141) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-29.

142) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-30.

143) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-243, Vol-4.

144) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P30.

145) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-385 to 387.

146) "The Encyclopedia of Philosophy" OP,cit, P-318, Vol-3.

147) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-31.

148) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-583, Vol-12

149) "The Cambridge Dictionary of Philosophy" OP,cit, P-410

150) "Concise Encyclopedia of Psychology" OP,cit, P-635.

۱۵۱) القرآن، ۵۳:۳ تا ۴

۱۵۲) ایضاً، ۷۲:۲۶ تا ۲۷

۱۵۳) ایضاً، ۵۳:۷ تا ۱۴

154) "The Cambridge Dictionary of Philosophy" OP,cit, P-67

155) "Peter B. Norton, "The New Encyclopedia of Britanica" Chicago, Encyclopedia of Britanica Inc, 1995, P-395, Vol-3

156) Charles G. Morris, "Psychology an Introduction, New Jersy, Prentic Hall Inc, 1976, P-10.

157) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-31.

158) "The Encyclopedia of Philosophy" OP,cit, P-279, Vol-8.

159) "The Encyclopedia of Philosophy" OP,cit, P-279, Vol-8.

160) Raymond J. Corsin, "Encyclopedia of Psychology", New York, John Wiley and Sons, 1984, P-325, Vol-3.

161) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-67.

۱۶۲) القرآن، ۱۱:۳۶

۱۶۳) ایضاً، ۲:۲۸

۱۶۴) ایضاً، ۶:۶، ۲۸:۵۸، ۳۰، ۹تا۱۰

۱۶۵) ایضاً، ۱۰:۹۲

۱۶۶) ایضاً، ۱۰۵:۱تا۵

۱۶۷) ایضاً، ۲:۲۲۹، ۱۰۵:۱تا۵ـ

168) Robert P. Gwinn, "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, P-138, Vol-10.

169) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-34.

170) Lawrence A. Pervin, "Personality Theory and Research", New York, John Wiley and Sons Inc, 1989, P-185.

171) "Essentials of Psychology in Action", OP,cit, P-393.

۱۷۲) القرآن، ۳۰:۳۰

173) "Essentials of Psychology in Action",OP,cit, P-395.

174) "Essentials of Psychology in Action",OP,cit, P-395.

175) "Essentials of Psychology in Action",OP,cit, P-396.

176) "Psychlology an introduction", OP,cit, P-91.

177) "Essentials of Psychology in Action",OP,cit, P-35.

178) "Essentials of Psychology in Action",Ibid, P-35.

179) "Essentials of Psychology in Action",OP,cit, P-35.

۱۸۰) القرآن، ۳۵:۱۹

181) "The Penguine Dictionary of Psychology", OP,cit, P-617.

۱۸۲) القرآن، ۷۱:۵تا۱۲

۱۸۳) ایضاً، ۷۱:۱۳تا۱۵

۱۸۴) ایضاً، ۵۴:۹تا۱۲

۱۸۵) القرآن، ۲۱:۲۳تا۲۵

۱۸۶) ایضاً، ۲۱:۲۷تا۲۸

۱۸۷) ایضاً، ۲:۲۵۸

۱۸۸) ایضاً، ۲۶:۲۳تا۲۴

۱۸۹) ایضاً، ۵۱:۴۰

۱۹۰) ایضاً، ۱۵:۶تا۸

۱۹۱) ایضاً، ۴۳:۳۰تا۳۲

۱۹۲) نفسیات کا ارتقاء، محولہ بالا، ص ۱۸۷، جلد اول۔

193) "The New Encyclopedia of Britanica" 1985, Op,cit, P-500, Vol-10

194) "The New Encyclopedia of Britanica" 1985, Ibid, P-453, Vol-9

195) "Psychology and Life" Op,cit, P-10

196) "Psychology and Life", Ibid, P-10.

۱۹۷) المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۹۷

۱۹۸) القرآن، ۴۴:۱۳

۱۹۹) ایضاً، ۷:۱۸۴

۲۰۰) ایضاً، ۷:۱۸۶

201) "The Essentials of Psychology in Action", Op,cit, P-411.

202) "The New Encyclopedia of Britanica", 1995, Op,cit, P-46, 47, Vol-8.

203) James C. Colmen, "Abnormal Psychology and Modern Life," USA, Scott Foresman and Company, 1964, P. 46.

204) "The New Encyclopedia of Britanica", 1995, Op,cit, P-46, Vol-8.

۲۰۵) القرآن، ۳:۴۹، ۵:۱۱۰

۲۰۶) ایضاً، ۶۵:۱۱

۲۰۷) ایضاً، ۶:۱۲۲

208) "The new Encyclopedia of Britanica", 1985, Op,cit, P-661, Vol-3.

۲۰۹) القرآن، ۳۹:۲۳

۲۱۰) ایضاً، ۴۵:۲۴

۲۱۱) ایضاً، ۵:۱۱۰

212) "Abnormal Psychology and Modern Life, Op,cit, P-46.

۲۱۳) المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۳۰

۲۱۴) عبدالقدیر سلیم، نفسیات اور ہماری زندگی، سندھ، اردو اکیڈمی، ۱۹۷۰، ص ۴۱۹

۲۱۵) القرآن، ۱۸:۱۸

۲۱۶) ’’نفسیات اور ہماری زندگی‘‘ محولہ بالا، ص ۴۱۹

217) "Encyclopedia of Philosophy", Op,cit, P-249, Vol-3.

۲۱۸) القرآن، ۱:۱۱۳تا۵، ۱:۱۱۴تا۶

۲۱۹) ایضاً، ۱۶۲:۲تا۱۶۳

۲۲۰) ایضاً، ۹۲:۳

221) "Abnormal Psychology and Modern Life, OP,cit, P-48.

222) "Abnormal Psychology and Modern Life, Ibid, P-48.

223) "Abnormal Psychology and Modern Life, Ibid, P-48.

224) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-285.

225) "Essential's of Psychology in Action", OP,cit, P-30

226) "Abnormal Psychology and Modern Life, OP,cit, P-48,49

227) "Essential's Of Psychology in Action", OP,cit, P-30.

228) "Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-250, Vol-3

229) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-285.

230) "Psychology an Introduction", OP,cit, P-14.

231) "Raymond J. Corsini, "Encyclopedia of Psychology", New York, John Wiley & Sons 1984, P-38, Vol-2.

232) "Gerald C. Dawisan, "Abnormal Psychology", New York, John Wiley & Sons, 1986, P-34.

233) "Abnormal Psychology", Ibid, P-34.

۲۳۴) القرآن، ۱۵:۲۶

۲۳۵) ایضاً، ۵۸:۲۴

236) "Psychology an Introduction", OP,cit, P-13 to 14.

۲۳۷) القرآن، ۲:۳۶تا۷

238) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-393.

239) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-393.

240) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-393.

241) "Abnormal Psychology and Modern Life, OP,cit, P-53.

242) "Abnormal Psychology and Modern Life, Ibid, P-53.

243) "Abnormal Psychology and Modern Life, Ibid, P-53.

244) "Encyclopedia of Philosophy", P-15 to 16, Vol-2.

245) "Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P-16, Vol-1..

۲۴۶) القرآن، ۱۰۲:۳۷

247) "Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-44 Vol-3

۲۴۸) القرآن، ۲۱:۳۳

249) "Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-16, Vol-1.

250) "Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P-16, Vol-1.

251) "Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P-16, Vol-1.

252) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, OP,cit, P-375, Vol-11.

253) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, Ibid, P-375, Vol-11.

254) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, Ibid, P-375, Vol-11. to 376,

۲۵۵) القرآن،۲:۲

۲۵۶) ایضاً،۱:۱۰۳تا۳

۲۵۷) ایضاً،۲:۷۵

258) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, OP,cit, P-20, Vol-5.

259) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, Ibid, P-20, Vol-5.

260) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, Ibid, P-20, Vol-5. to 21,

261) Lawrence A. Pervin, Personality (Theory and Research), New York, John Wiley & Sons Inc, 1989, P-34.

۲۶۲) القرآن،۷:۵۸

۲۶۳) ایضاً،۱۷۲:۶

۲۶۴) ایضاً،۱۹:۷ و ۳۵:۲

۲۶۵) ایضاً،۳۰:۳۰

266) "The Penguine Dictionary of Psychology", op,cit, P-228.

۲۶۷) القرآن،۴۳:۲۵تا۴۴

۲۶۸) ایضاً،۱۳:۴۲

۲۶۹) ایضاً،۱۷۶:۷

۲۷۰) ایضاً،۲:۶۴، ۴۰:۷۸

۲۷۱) ایضاً،۳۱:۳۰

۲۷۲) ایضاً،۸۵:۲

۲۷۳) ایضاً،۵۳:۲۵مزید ملاحظہ ہو۱۸:۸اور۷۱:۳

۲۷۴) ایضاً،۹۱:۲

۲۷۵) ایضاً،۹:۶۶

۲۷۶) ایضاً،۶۵:۳۹

۲۷۷) ایضاً،۸۰:۹

۲۷۸) ایضاً،۲۳:۱۰

۲۷۹) ایضاً،۴۰:۷۸

۲۸۰) ایضاً،۱۳:۵۷

۲۸۱) ایضاً،۱۵:۵۷

۲۸۲) ایضاً،۲۷:۸۹تا۳۰

۲۸۳) القرآن، ۳:۱۶۴

۲۸۴) ایضاً، ۵:۲۰

۲۸۵) ایضاً، ۲:۲۵، ۷:۱۲۶

286) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-119, Vol-5

287) "The Cambridge Dictionary of Philosphy", OP,cit, P-455

288) "The New Enncyclopedia of Britanica", 1985, OP,cit, P-894, Vol-3.

289) "The New Enncyclopedia of Britanica", 1985, Ibid, P-894, Vol-3.

290) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-294, Vol-2

291) "The Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P-294, Vol-2

۲۹۲) القرآن، ۹۵:۴

۲۹۳) ایضاً، ۷۵:۴

294) "The Encyclopedia of Philosphy", OP,cit, P-294, Vol-2

۲۹۵) القرآن، ۲۸:۲۸

۲۹۶) ایضاً، ۴۰:۶۴ اور ۶۴:۳

۲۹۷) ایضاً، ۲۳:۱۴

۲۹۸) ایضاً، ۶:۵۹

۲۹۹) ایضاً، ۲:۲۵ اور ۷:۱۲۶

۳۰۰) ایضاً، ۶:۱۲۱

۳۰۱) ایضاً، ۲۲:۵۳

۳۰۲) ایضاً، ۲۲:۴۷

۳۰۳) ایضاً، ۲۵:۷۳

304) "The Encyclopedia of Philosophy" OP,cit, P-171 to 172, Vol-5.

305) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-465.

306) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-465.

۳۰۷) ''لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر'' محولہ بالا، ص ۱۷۳

۳۰۸) القرآن، ۲۸، ۲۳ تا ۲۷

۳۰۹) القرآن، ۹۵:۵

۳۱۰) ڈاکٹر رفیع الدین ''القرآن، اور علم جدید کا چیلنج، لاہور'' آل پاکستان ایجوکیشن کانگریس ۱۹۸۱ء ص ۴۰۱۔

311) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-429.

312) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-429.

313) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-429.

314) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-226 to 227, Vol-5.

۳۱۵) القرآن، ۵۱:۵۶

316) "Dr. Raffiuddin, "Idiology of the Future", Lahore, Shaikh Mohammad Ashraf Press

Kashmiri Bazar, 1970, P-175.

317) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-226, Vol-5

۳۱۸) القرآن، ۱۷:۷۰

۳۱۹) ایضاً، ۲۱:۱۰

۳۲۰) ایضاً، ۴۶:۴

321) "Idiology of the Future", OP,cit, P-174.

322) "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP,cit, P-285.

۳۲۳) القرآن، ۲:۱۴۶تا۱۴۷ مزید ۶:۲۰ آیت ملاحظہ ہو۔

۳۲۴) ایضاً، ۵۳:۳۲

۳۲۵) ایضاً، ۲۲:۶۲

۳۲۶) ایضاً، ۴۶:۷تا۸

۳۲۷) ایضاً، ۳:۷، ۳۹:۲۳

328) "The New Encyclopedia of Britanica", 1985, OP,cit, P-894, Vol-3.

329) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-146 to 147, Vol-5

330) "The Encyclopedia of Philosophy", Ibid, P-249, Vol-3

۳۳۱) القرآن، ۲:۳۰

332) "The Encyclopedia of Philosophy", OP,cit, P-338, Vol-2

۳۳۳) القرآن، ۱۷:۸۴

334) "Abnormal Psychology and Modern Life", OP,cit, P-2.

335) Sh. Zafar Hussain, "The Reconstruction of Islamic Society", Karachi, Ferozsons Pvt, Ltd, 1992, P-15.

336) Dr. S. M. Ismail, "The Quran and the Contemporary Challange", New Delhi, Ajay Verma for Common Wealth Publishers, P-50.

337) "Abnormal Psychology and Modern Life", OP,cit, P-2.

338) "The Quran and The contemporary Challenge",OP,cit, P-48.

339) "Abnormal Psychology and Modern Life", OP,cit, P-2.

340) "The Quran and The Contemporary Challenge", OP,cit, P-48.

341) "The Quran and The Contemporary Challenge", OP,cit, P-48.

۳۴۲) القرآن، ۱۷:۸۵

ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب اوّل

Figure No.1 ◄ فیگر نمبر۱

Operant Conditioning

B. F. Skinner

FIGURE 7-10
Apparatus for Operant Conditioning
The photograph shows the interior arrangement of the box used in the operant conditioning of a rat. This box has been named a "Skinner box" after its developer.

Picture No.2 ◄ تصویر نمبر۲

Man In Market

SCIENCE

Designer Babies

Scientists say that, with gene therapy, they may soon be able to cure a child's inherited disease before he is even born. But should they be allowed to create kids with made-to-order traits? BY SHARON BEGLEY

Pruning the Family Tree

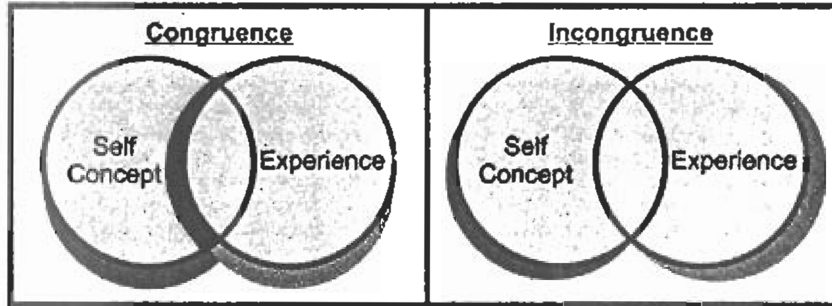
1) Rita L. Atkinson, Introduction to Psychology, San Diago, Harcourt Brace Jovanovich Publishers 1981, P-224.
2) "Newsweek" Magazine, New York, Newsweek Inc, 25th west, 57 Street, NY-10019, Nov,9, 1998, P-56, 57, Vol-CXXXII, No.19.

ضمیمہ جات نمبر ۲ برائے باب اوّل

Figure No.3

• ڈائیگرام نمبر ۳

Self Concept and Adjustment, Carl Rogers



Well-Adjusted Individual - much overlap between self concept and experience.

Poorly-Adjusted Individual - little overlap between self concept and experience.

Self Concept and Adjustment, According to Rogers, Your mental health is directly related to the degree of congruence between your self-concept and the experiences. If your self-concept is reasonably consistent and overlaps with actual life experiences, the self is said to be congruent and the person is "well adjusted" The reverse is true when there little

Figure No: 4

• عکس نمبر ۴

The Legend of Shah Daula

Biological anomaly or Shah Daula's Curse



3) Karen Huffman- Vernoy, Essential of Psychology in Action, New York, John Willey & Sons Inc, 1995, P-393.
4) Zuhra Karim, SHE, Vol-XV, No-9, Karachi, New Central Block, 2nd Floor, Hockey Stadium, Liaquat Barracks, July, 1998, P-79, 81.

ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب اوّل

Picture No.5 ➤ تصویر نمبر۵:۔

Witchcraft and Mental Illness: Fact and Fiction? 15th and 16th Centary

During the Middle Ages



Exorcism and Techniques 15th and 16th Century





Witchcraft swept Europe during the fifteenth and sixteenth centuries. Innumerable individuals were accused and punished for deviating from the Christian faith and for being witches. These persons were thought to have made a pact with the devil and to have been given supernatural powers. Sabbath, or the Gathering of the Sorcerers, by Francisco Jose Goya, portrays the worshipping of Satan and the individuals he had possessed.

Mesmerism:- Animal Magnitism



Anton Mesmer believed that the distribution of magnetic fluid in the body was responsible for determining health or disease. He further thought that all persons possessed magnetic forces that could be used to influence the distribution of fluid in others, thus effecting a cure for the ill whose fluid was not properly distributed. In this painting of Mesmeric therapy, Mesmer stands at the back, on the right, holding a wand. Mesmer was eventually branded as a fraud by his colleagues and faded into obscurity.

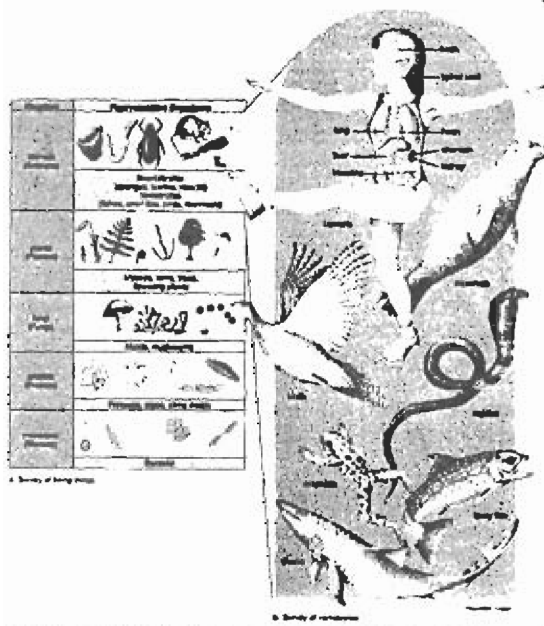
5) Robert C. Carson, Abnormal Psychology & Modern Life, London, Scott, Foresman & company, 1998, P-34, 38, 39, 59.

ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب اوّل

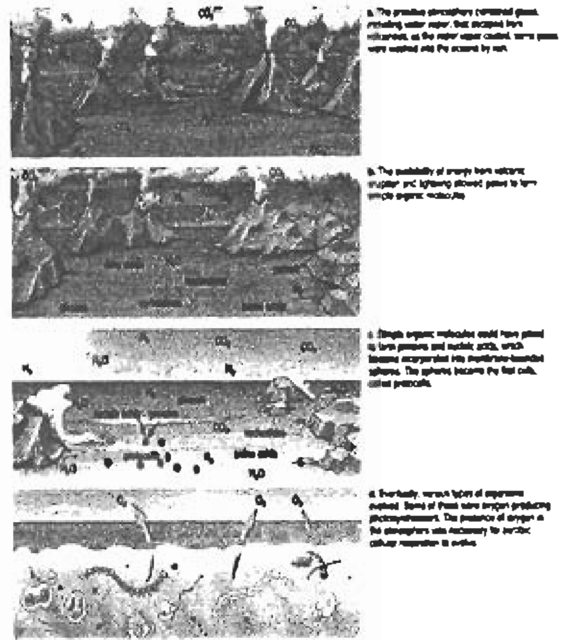
➤ تصویر نمبر۶:۔

Picture No.6

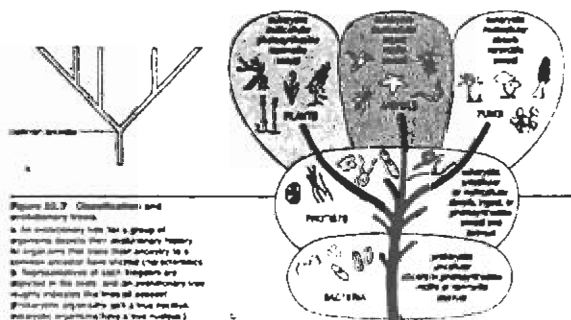
Human Evolutioned Ecology



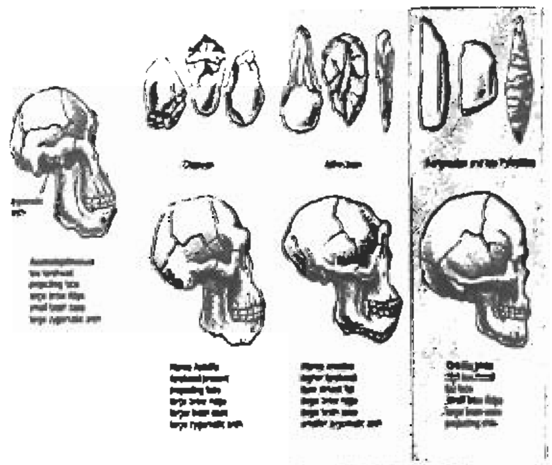
Organic Evolution



Evolution and Classification of Living Things



Modern Human's Originate



➤ تصویر نمبر۷:۔ Clone Man کی تفصیلات اسی باب کی تصویر نمبر۲ میں ملاحظہ کیجئے۔

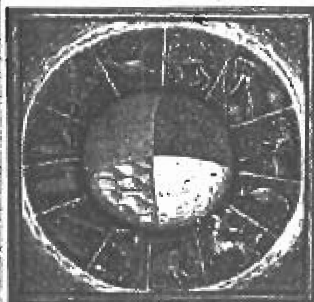
6) Salvia S. Mader, Human Biology, Boston, McGraw Hill WCB, 1998, P-3, 461, 462, 465

باب دوم
کردارِ انسانی میں وجۂ اختلاف کی نفسی بنیادیں اور قرآن حکیم

Chapter 2

The Psychological Base Of The Conflicts In The Human Behaviour & The Quran

Belief in Controlling Forces





باب دوم

کردار انسانی میں وجۂ اختلاف کی نفسی بنیادیں اور قرآن حکیم

یہ زماں و مکان تخلیق کے وقت سے ہی بجا آوری کر رہے ہیں بالکل اس طرح جیسے آج پوری کائنات اللہ کی تابعداری کا حسین نقشہ پیش کر رہی ہے۔ لیکن جہاں تک عقل انسانی کا تعلق ہے تو اس کی رہنمائی کا انحصار علم پر ہے اور علم کے ذرائع حواس خمسہ، ادراک، مشاہدہ اور تحقیق کے ساتھ ساتھ علم غیب بھی ہے۔ عقل ان ذرائع کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ مگر قابل توجہ بات یہ ہے کہ ہر انسان عقل ضرور رکھتا ہے مگر ہر عقل ایک جیسا نتیجہ حاصل کرنے سے یکسر قاصر ہے جبکہ گردش لیل و نہار میں سر مو بھی اختلاف نہیں۔ تو پھر عقل انسانی اس نتیجہ پر پہنچ کر اختلاف کیوں کرنے لگتی ہے؟

یاد رہے کہ سوچ کا اختلاف کردار کے اختلاف کی بنیاد بنتا ہے کیونکہ سوچ ہی کردار پر غالب ہوتی ہے۔ لہٰذا مثبت سوچ مثبت کردار کی حامل اور منفی سوچ منفی کردار کو جنم دینے کا باعث بنتی ہے۔ قرآن ہمیں اس سلسلے میں بھرپور رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ تاکہ بنی نوع انسان اپنی سوچ پر غلبہ پانے والے عامل سے آگاہ ہوسکیں جبکہ دین ایک ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

شرع لکم مّن الدّین ماوصّی به نوحاً وّالّذیٓ اوحینآ الیک وما وصّینا بہٖ ابراھیم و موسٰی و عیسٰٓی ان اقیموا الدّین ولا تتفرّقوا فیهِؕ کبُر علی المشرکین ما تدعوھم الیهِؕ (۱)

ترجمہ:۔ اس نے دین میں تمہارے لئے وہی راہ قرار دی جس کی وصیت اس نے نوح کو کی۔ اور جس کی وحی ہم نے تجھ پر کی۔ اور جس کی وصیت ہم نے ابراہیمؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کی۔ کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو مشرکین پر وہ بات گراں ہے جس کی طرف تو انہیں بلاتا ہے۔

قرآن کے اعتبار سے دین بھی ایک، شرع کے لئے بھی وہی راہ، نوحؑ تا حضرت محمدﷺ لیکن دین کو، سوچ کے مرکز کو، ایک راہ کو، ایک عالمگیر نظام کو، انتشار ذہنی کے سبب فرقہ فرقہ بنا دیا۔ محض نفسی بنیاد پر۔ قرآن حکیم نے اس نفسی بنیاد کی تلخ حقیقت کا پردہ کچھ اس طرح چاک کیا ہے کہ:۔

وما تفرّقوآ الّا من بعد ماجآءھم العلم بغیاً بینھمؕ ولولا کلمة سبقت من رّبّک الٰٓی اجلٍ مّسمًّی لّقضی بینھمؕ و انّ الّذین اورثوا الکتٰب من بعدھم لفی شکٍّ مّنه مریبٍ ۝ (۲)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے تو علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے تفرقہ ڈالا اور اگر ایک خاص مدت کے لئے تیرے رب کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا اور وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کے متعلق شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔

بغی:۔ البغی طلب تجاوز الاقتصاد، فیما یتحرّی تجاوزہ أو لم یتجاوزہ فتارۃ یعتبر فی القدر الذی ھو الکمیة وتارۃ یعتبر فی الوصف ھو الکیفیة. ولأن البغی قدیکون محمود أو مذموما (۳)

اردو مفہوم:۔ بغی ۔ کے معنی کسی شے کی طلب میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں ۔بغی کا استعمال کمیت وکیفیت یعنی قدر ووصف دونوں کے متعلق ہوتا ہے۔مگر قرآن میں یہ محمود اور مذموم دونوں قسم کے تجاوز پر بولا جاتا ہے ۔

یہاں بغی بمعنی ان باطل نظریات کے ہیں جو پس پردہ مذموم مقاصد نیز نفسی و مادی غرض کے حصول کے لئے گاہے بگاہے متعارف کرائے جاتے رہے ہیں تاہم یہ من گھڑت نفسی شاہکار کبھی خیالی صورت میں اور کبھی مجسم صورت میں سامنے آئے ۔موجودہ دور میں فقط سائنسی بنیاد کو ہی حتمی نتیجہ کا ضامن سمجھ کرلوگ اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ بہرحال آیت کریمہ سے اس بات کی تصریح ہو جاتی ہے کہ اختلاف کا سبب مختلف امتوں ،گروہوں کے درمیان بغی ہے جس نے انہیں Blind Race پر مجبور کردیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک دین ، ایک کتاب کو فرقہ فرقہ کردیا گیا۔ ہرگروہ نے اپنی اپنی کتابیں گھڑنا شروع کردیں ۔ اللہ کی آیات کو مشتبہ صورت میں پیش کردیا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مکر کا راز فاش کردیا ہے ۔ تاکہ لوگ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں ۔تاریکی سے نور کی روشنی میں آجائیں ۔ تاہم مشرکین آج بھی شک میں ڈانواں ڈول ہیں ۔اس وقت دنیا میں ۱۰۰ سے کہیں زیادہ چینلز موجود ہیں ۔مگر ایک دین کے بجائے ہر چینل پر ایک نئے دین اور نئی شرع ۔ یاد رہے کہ دین وشرع صرف ایک ہی ہیں باقی تصورات ہیں ۔ کی جھلک Telecast ہو رہی ہوتی ہے ۔موجودہ حالات یہ بتارہے ہیں کہ نظریات وتصورات کو نئی صورت ضرور دی گئی ہے مگر بنیادیں وہی قدیم ہی ہیں اس بات کی تصدیق ان تیرہ ۱۳ مجسم وخیالی بتوں کے تذکرہ سے بخوبی لگائی جاسکتی ہے جسے قرآن نے بیان کیا ہے ۔ کیونکہ ہنوز پرستش جاری ہے عصر حاضر کی یہ روش اسی قدیم سلسلے کا حصہ ہے ۔

اب ہم ان مختلف نفسی تصورات کی بنیادوں کا جائزہ قرآن اور موجودہ حالات کے تحت لیں گے تاکہ آپس کی ضد اور تفرقہ کے نفسیاتی اسباب کا پتہ لگایا جاسکے ۔

فصل اوّل

انسان کی فطری وروحانی احتیاج اور اس کی نفسی بنیاد اللہ یا کوئی اور الٰہ

فاقم وجھک للدّین حنیفاً ط فطرۃ اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیھا ط لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدّین القیّم لا ق ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۝ (۴)

ترجمہ:۔ پس تو اپنے آپ کو یکسوء ہو کر دین کی طرف متوجہ کر لے اللہ کی فطرت جس پر انسان کو فطر کیا گیا اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو نہایت درست دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے ناآشنا ہے ۔

فطر کے معنیٰ:۔ أصل الفطر الشّقّ طولاً . و منه الفطرۃ وفطر اللّٰہ الخلق دھو ایجاد الشئ و ابداعه علی ھیئة مترشحة لفعل من الافعال فقوله فطرۃ اللّٰہ فطرۃ النّاس و فطرۃ اللّٰہ ھی مار کر فیه من قوّته علی معرفة

الایمان وھوالمشار الیہ".(۵)

اردو مفہوم:۔ اس کے اصل معنی کسی شے کوطول میں پھاڑنے کے ہیں۔اسی سے فطرۃ ہے جس کے معنی تخلیق کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے۔اور خدا کی فطرت کہ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔معرفت الٰہی کی استعداد مراد ہے جو کہ انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے۔

اس طرح فطرۃ اللہ محور ہے ہر انسان کا۔اور یوں ہر زمانے کا انسان قوانین وہدایات الٰہی کا محتاج ہے اور رہے گا۔فطرۃ اللہ اس کائنات میں تین صورتوں میں موجود ہے کلمۃ اللہ، سنۃ اللہ اور روح اللہ یعنی اللہ کی فطرت کلمات کی صورت میں نافذ ہے اور غیر تبدیل شدہ سنت میں رواں اور روح اللہ کی صورت میں منطقی وقطعی نتائج مرتب کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے انسانی فطرت کے بھی تین پہلو ہیں۔ بہ اعتبار جبلت، بہ اعتبار نفسی استعداد اور بہ اعتبار روح وشعور۔ جہاں تک جبلت کی بات ہے تو اس میں تغیر وتبدل کا کوئی امکان نہیں اللہ نے جس خلقت پر خلق کر دیا سو کر دیا۔البتہ انسان بہ اعتبار نفس قبول حق یا رد کی استعداد رکھتا ہے یعنی نفس اچھے اور برے ممکنات کی کیفیت سے دو چار رہتا ہے لہٰذا تغیر Changeable کی خصوصیت رکھتا ہے۔لیکن جہاں تک روح وشعور کی بات ہے تو روح وشعور کو دائمیت حاصل ہے کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ جب یہ روح نوح میں راسخ ہوتی ہے تو پھر اہل نوح کو نئی زندگی ملتی ہے اور جب ابراہیم میں راسخ ہوتی ہے تو امت کے لئے دین حنیف قرار پاتی ہے۔اور جب موسیٰ میں راسخ ہوتی ہے تو انسانیت فرعون سے نجات پاتی ہے۔ اور جب عیسیٰ میں راسخ ہوتی ہے تو کلمۃ اللہ بن جاتی ہے اور جب!!! محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں راسخ ہوتی ہے تو زندگی سراپا رحمت بن جاتی ہے۔تو بات ہے فقط روح وشعور کی جہاں روح ہے وہاں زندگی ہے ارتقاء ہے جہاں شعور ہے وہاں تسخیر ہے فلاح ہے۔ بصورت دیگر ہلاکت ہے جمود ہے، تنزلی ہے، پژمردگی ہے، حیوانیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں الغرض بغیر روح وشعور کے زندگی زندگی نہیں سراپا احتجاج ہے۔اسی لئے اللہ انسان کی فطری وروحانی احتیاج ہے لیکن جو انسان اس فطری وروحانی احتیاج کو تسلیم نہیں کرتا۔ وہ نہ صرف انسان کی فطرت سے ہی انکار نہیں کرتا بلکہ وہ کائنات میں جاری وساری نظام کی حقیقت سے بھی انکار کرتا ہے مگر اس کے انکار سے کائنات یا خالق حقیقی پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا۔مگر خود وہ جس فطری وروحانی احتیاج سے انکار کرتا ہے خود اس فطری وروحانی احتیاج کا اسیر بن گیا یعنی اللہ سے انکار نے دوسرے الٰہوں کو جنم دیا۔ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ روح کا انکار کرنا آسان ہے وہ نظر نہیں آتی۔اور نظر آئے بھی کیسے اس کا تعلق خلق سے نہیں بلکہ امر ہے۔اور امر کو انسان کے لئے مسخر نہیں کیا گیا۔لہٰذا انکار کر دیا۔مگر فطرت سے انکار ممکن نہیں۔چنانچہ درج ذیل میں ہم دیکھیں گے کہ:۔

- کیا ہر انسان کے لئے فطرۃ اللہ ہی محور ہے؟
- کیا فطرۃ اللہ سے انکار کی کوئی نفسی وجوہ ہیں؟

اللہ اور الٰہ کی حقیقت کا نفسیاتی تجزیہ

انسان کی فطرت اس خواہش کی متحمل رہی ہے کہ وہ جو چاہے وہ فوراً ہو جائے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سے اللہ یا اس کے علاوہ الٰہ نعوذ باللہ کی فکر نمو پاتی ہے۔ کیونکہ ایک تو بذات خود یہ خواہش اللہ کے ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے اور دوم اس خواہش کے جاگتے ہی جب انسان پر یہ عقدہ کھلتا ہے کہ وہ خدا کی صفات سے خود کو متصف کر سکتا ہے سو یہ جان کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی لہٰذا چنگاریٔ ابلیس بھڑکی اور شعلہ بنی چنانچہ نار کی روشنی میں نئی نئی راہوں پر چلنا شروع کر دیا۔ کوئی خود نفس کے ہاتھوں مجبور ہو کر الٰہ بن بیٹھا کسی نے جس مخلوق کو بھی طاقتور قیاس کیا اسے الٰہ مان لیا۔ اس روش نے انسان کی جنس نیاز کو نہ جانے کس کس شے کے سامنے جھکا دیا۔ خواہ وہ ارضی تھی یا سماوی۔ افسوس کا مقام یہ ہے کہ یہ سلسلہ ہنوز بھی جاری ہے سائنسی ترقی کی آڑ میں نہ جانے کتنے ہی سائنسدان اور ماہرین خود کو خالق متصور کرتے ہیں نہ جانے کتنے لوگ اپنے نفس کی خواہش کی تکمیل کے لئے مادیت پرستی کی بھینٹ چڑھتے جا رہے ہیں۔ لیکن اس مقام پر حقیقت اصلی کھل کر سامنے آئی ہے اور وہ یہ کہ بظاہر تو انسان نے اللہ یا الٰہ دونوں کا انکار کر دیا مگر انسان اپنی فطرت سے انکار نہ کر سکا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

کیا فطرت سے انکار ممکن نہیں؟

جی ہاں فطرت سے انکار ممکن نہیں اس لئے کہ انسان جس تصور الٰہی سے انکار کرتا رہا مگر اپنے نفس کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوا کہ اپنے نفس کو ہی الٰہ مان بیٹھا۔ دراصل مقام ربی یہ ہے کہ وہ جو چاہے وہ ہو جائے صرف یہی نہیں بلکہ یہ ہے کہ اللہ کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر غالب رکھا جائے۔ لیکن جب انسان نے اپنے نفس امارہ کو اللہ کی مرضی پر حاوی کر لیا۔ تو وہ مقام جو رب کا تھا۔ اس پر اب نفس کو بٹھا دیا گیا۔ یوں وہ حقیقت اصلی سے انکار نہ کر سکا۔ اور شریعت کے متوازی چلنے لگا۔ بات تو ماننے والی تب ہوتی جب وہ کسی کا کہنا نہ مانتا مگر وہ ایسا کیونکر کر سکتا ہے؟ فطرت یہ کہتی ہے کہ بات تو اسے ماننی ہوگی۔ کیونکہ اللہ کی ہستی سے انکار ممکن ہی نہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیام قیامت تک کے لئے چیلنج دیتا ہے کہ:۔

ربّ السّمٰوٰت والارض وما بینھما فاعبدہ واصطبر لعبادتہٖ ھل تعلم لہٗ سمیًا ؁ع (۲)

ترجمہ:۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ بھی ان دونوں کے مابین ہے پس اسی کی بندگی کرو اور اس کی بندگی میں ثابت قدم رہو۔ کیا تم اس کے کسی ہمنام کو جانتے ہو؟

اصول یہ ہے کہ ہر شے اپنے مرکز کی طرف پلٹتی ہے۔ ہماری تخلیق بھی اسی اصول کے تابع ہے۔ ہم نے اس دار فانی سے کوچ کر جانا ہے ایسا اس لئے ہے کہ!!! ہمارا بھی کوئی مرجع ہے۔ اس حقیقت کو جاننے کے بعد اب ایک اور سوال ذہن میں ابھرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا اللہ ایک ہے یا کئی؟ تو اس کا جائزہ بھی ہم اپنے نفس سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔ ہمارا نفس اس بات کا متحمل نہیں کہ ہم بہ یک وقت دو ہستیوں کو راضی رکھ سکیں۔ مثلاً اگر ایک ہستی یہ حکم دے کہ میں۔ نے دن گام

کرنے کے لئے اور رات آرام کے لئے بنائی اور دوسرا یہ حکم دے کہ میں نے دن سونے کے لئے اور رات کام کرنے کے لئے بنائی۔ بھلا ایسی صورت میں انسان بہ یک وقت دونوں کا حکم کیسے مان سکتا ہے؟ چنانچہ ہمارے نفس کی استعداد کی یہ محتاجی اس حقیقت کی عقدہ کشائی کرتی ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولا تدع مع اللّٰه الٰهاً اٰخر لا الٰه الا هو كل شيء هالك الا وجهه له الحكم واليه ترجعون○ (۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ پکار کوئی معبود نہیں سوائے اس کے سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں۔ سوائے اس کے چہرے کے۔ اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

اللہ کے معنی:۔ الله قيل أصله الٰه فحذفت همزته وادخل عليه الالف واللام فخص بالباری تعالیٰ (۸)

اردو مفہوم:۔ اللہ اصل میں لفظ الٰہ ہے ہمزہ حذف کر کے اس پر الف لام لا کر اسے باری تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

اس طرح اللہ وہ ہستی ہے جس سے خطرات میں پناہ حاصل کی جائے جس سے مشکلات دور کرنے کی استدعا کی جائے اور جس کی عظمت و بلندی کے تصور سے انسان متحیر ہو جائے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اس مقام پر اپنے بندوں سے پوچھتا ہے کہ:۔

هل تعلم له سمياً○ (۹)

ترجمہ:۔ کیا تم اس کے کسی ہمنام کو جانتے ہو؟

لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ اللہ ہی نفس انسانی کی فطری و بنیادی احتیاج ہے۔

اللہ فطرت نفس کی بنیادی احتیاج کے طور پر:۔

تصور الٰہی نفس انسانی کی فطری و بنیادی احتیاج ہے جو کہ نفس انسانی میں تحریک پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔ یہی حال کائنات کی تمام اشیاء کا ہے جو کہ اسی غیبی طاقت کے اشارہ پر اپنی کارفرمائیاں انجام دے رہی ہیں۔ جو کہ Cause and Effect کے قانون کے تحت جاری ہے۔ تاہم اس قانون اسباب وعلل کے ماوراء ایک مسبب الاسباب کو لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اسی لئے اللہ (۱۰) قرآن حکیم میں اسم ذات کے لئے استعمال ہوا اور باقی تمام کے تمام اسماء الحسنیٰ (۱۱) اس کے صفاتی نام ہیں۔ یہ صرف صفاتی نام ہی نہیں بلکہ ہر نام اپنی جگہ ایک قانون اور ایک جامع نظام کے طور پر نافذ العمل بھی ہے۔ جیسے رب (۱۲) گو کہ یہ صفاتی نام ہے تاہم یہ صفاتی نام Law of Growth کی صورت میں موجود ہے۔ اور لمحہ بہ لمحہ مخلوق کا نشو ونما پانا اس کے نافذ ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ لہٰذا تدبر و تفکر کرنے والا اس مسبب الاسباب کی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے مگر کمزور نفوس کے حامل افراد اس مقام پر پہنچ کر حقیقت Reality سے منہ موڑ کر ''بغی'' (۱۳) اختیار کر

بیٹھے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک اور طرح کی فکر کو پروان چڑھایا گیا۔ انہوں نے مسبب الاسباب کو تسلیم کرنے کے باوجود بھی اسباب وعلل مہیا کرنے والی طبعی قوتوں Physical Forces کو ہی بطور الہٰ مان لیا۔ چونکہ کائنات کی ہر شے میں ایک قوت ایسی ہے جس پر اس شے کا دارومدار ہے اور اسی کے تحت اس کا قوام و نظام قائم ہے مگر انسان نے یہ نہ سوچا کہ وہ قوتیں بھی تو کسی کے تابع ہوں گی۔ خواہ ان کا نام کچھ بھی ہو مگر حقیقت اصلی یہی ہے کہ پھر اس کے ماوراء کیا ہے؟ لیکن وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ ان طبعی قوتوں کو مجازی معنی پہنا دیئے گئے۔ اور رکھے ہوئے یہ نام اصل مسمیات سے حجاب بن گئے۔

الہٰ بلحاظ مجازی کی حقیقت:۔

جب قیاسی نام اصل مسمیات سے حجاب بن جائیں تو پھر قیاس کے دائرے میں جو شے بھی آتی ہے جس سے کہ اسے دوامیت کا احساس ہو کہ میں اس طرح تو زیادہ عرصہ نام نہیں کما سکتا مگر اگر فلاں روش اختیار کر لی جائے تو پھر عرصہ دراز تک یاد رکھا جاؤں گا اور لوگ اس کی تقلید کرتے رہیں گے لہٰذا نفسی تولیدی عمل کے ذریعے بہت سارے الٰہوں کو دنیا کے مختلف مقامات پر متعارف کرایا گیا۔ جس کا ذکر ہم اسی باب میں انتہائی تفصیلی طور پر کریں گے تاکہ ابہام کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ مختلف بنیادوں پر الہٰ کی تشکیل عمل میں آئی۔ کسی نے سیاسی بناء پر کسی نے معاشی بناء پر، کسی نے معاشرتی بناء پر، کسی نے مذہبی بناء پر، کسی نے شہرت کے حصول کی بناء پر اور کسی نے اپنے نفس کا پجاری بنانے کی فکر میں الہٰ گھڑ لئے۔ قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے نفس میں چھپے ہوئے ان الٰہوں کو یوں بے حجاب کیا کہ حقیقت اصلی بیان کر دی۔ تاکہ بنی نوع انسان کسی قسم کے شک اور فریب کا شکار نہ ہوں۔ ارشاد فرمایا:۔

ولا تدع مع اللّٰه الٰهاً اٰخرَ لا الٰه الّا هو كلّ شيء هالك الّا وجهه له الحكم واليه ترجعون۝ (۱۴)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ پکار کوئی معبود نہیں سوائے اس کے سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں سوائے اس کے چہرے کے۔ اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹ کر جاؤ گے۔

الٰہ کے معنی:۔ **والٰه جعلوماً سمّاً لكلّ معبود لهم وكذالذّات وسمّو الشّمس الاهة وقيل أصله ولاه نابدّل من الوا و همزة وتسميتهٗ. (۱۵)**

اردو مفہوم:۔ الہٰ کا لفظ عام ہے۔ ہر معبود پر بولا جاتا ہے اور وہ سورج کو الاھۃ کہہ کر پکارتے تھے وہی ان کا معبود تھا۔ بعض کا کہنا تھا کہ الہٰ اصل میں ولاہ ہے واؤ کے ہمزہ سے بدل کر الاہ بنالیا ولـــہ کے معنی عشق ومحبت میں گرفتار ہونا کے ہیں۔

اسی لئے رب کریم نے الہٰ کو مجازی معنی میں استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ حقیقی الہٰ یعنی اللہ ہی لازوال ہستی ہے اور ہر ہر شے کا مرجع بھی!!! باقی سب کچھ غیر دائم اور فنا پذیر ہے۔ لہٰذا اصل خصوصیات کی بناء پر سوال یہ پیدا

ہوتا ہے کہ جو!!!

فنا پذیر ہو بھلا وہ الہٰ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور دوئم یہ کہ ہر کوئی اسی کی طرف پلٹتا ہے۔ سو جو پلٹے وہ الہٰ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اور سوم یہ کہ اسی کے لئے حکومت ہے جب حکم اسی کا ہے تو پھر حکم کا تابع دار الہٰ کیسے ہوسکتا ہے؟

چنانچہ ثابت یہ ہوا کہ درج بالا تمام خوبیاں سوائے الہٰ حقیقی کے اور کسی الہٰ میں نہیں۔ وہی ہر شے کا تنہا خالق ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تخلیق Creation کا اس کی صناعی کا لاجواب شاہکار ہے۔ اسی لئے قرآن مجید و الفرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً کئی مقامات میں اس عظیم حقیقت کی جانب انسان کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ اور الہٰ کی بات کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ اپنی جانب سے یا آباد کی جانب سے منسوب کردہ شخصیات، علامات یا تصوراتی پیکروں کو وجودی شکل دے کر اور پھر ان کے کردار کو مثبت منفی سوچ کے مطابق مؤنث یا مذکر صورت میں ڈھال کر انہیں الہٰ مت کہو۔ بلکہ جس کے حکم سے یہ کارخانۂ قدرت چل رہا ہے۔ صرف اسی کو الہٰ مانو۔

لیکن بڑی عجیب بات ہے کہ عام طور پر انسان طبعی لحاظ سے ایک مؤجد کو تو اس کی ایجاد پر فوقیت دیتے ہیں۔ اور جب معاملہ فوق الطبعی ہوتا ہے تو پھر خالق و مخلوق باہم دگر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ عمل ان کے اپنے ہی بنائے ہوئے اصول کے خلاف جاتا ہے۔ یہ انکل پچو باتیں نہیں تو اور کیا ہیں؟

ظنی تصور کی حقیقت اور قرآن:۔

"A concept is a mental representation or Idea that includes a description of important properties of a class or term." (16)

بغیر دلیل کے جو بات کہی جائے تو وہ بات محض ظنی ہوتی ہے۔ مستند نہیں ہوتی۔ لہٰذا جو کوئی بھی ظن کی بنیاد پر ایک نیا تصور پیش کرے اور پھر اس کی پیروی شروع کردی جائے تو نتیجہ کبھی بھی اچھا برآمد نہیں ہوگا۔ کیونکہ غیر مستند کام کیا جائے تو اس سے مستند جیسا فیض حاصل نہیں ہوسکتا۔ ایسا پیروکار ساری زندگی حیران و سرگرداں ہی پھرتا رہے گا منزل کو نہ جان سکے گا اور نہ ہی پاسکے گا۔ اسی لئے انسان کا متعین کردہ نظام جس کی بنیاد ظن و تخمین پر ہو وہ ایک گمان کی ہوئی بات تو ہوسکتی ہے لیکن دین کا درجہ نہیں پاسکتی۔ اس لئے کہ دین کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے۔ اور یقین کہتے ہیں مطلق دلیل کو۔ اور جو بات دلیل کے عین مطابق ہو وہ فلاح کا مؤجب بنتی ہے۔ بصورت دیگر ناکامی، ہلاکت و تباہی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللّٰہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ۝ (۱۷)

ترجمہ:۔ اور اگر تو اہل دنیا کی اکثریت کا کہنا مانے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے وہ تو صرف ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں اور وہ تو صرف انکل پچو باتیں کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اہل دنیا کی اکثریت کا ذکر آیا ہے۔ کہ اکثریت گمراہی پر ہوگی اور گمراہی کو فروغ دے گی۔ آج بے دلیل بات پر، قیاسی بات پر اگر کوئی رائے لے تو طریقہ یہ رائج ہے کہ اس بات کو اکثریت منظور کر لے تو اکثریت کا ہونا اس بات کے لئے اس نظریئے کی مقبولیت کے لئے دلیل بن جاتا ہے۔ جبکہ اکثریت کا ظن وگمان دلیل نہیں ہوتا۔ لہٰذا بے یقینی کی کیفیت قائم رہتی ہے۔ جس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا۔ اسی لئے فی زمانہ جو نظریئے شہرت دوام پاتے ہیں۔ وہ چند سالوں بعد ہی اپنی شہرت کھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیاد ظن پر ہوتی ہے۔

ظن وتخمین کا نتیجہ ہلاکت:۔

ظن وتخمین کی بناء پر جو نتیجہ پیش کرتے ہوئے بیان کیا جاتا ہے حقیقت اتنی ہی مختلف ہوتی ہے۔ جبکہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ ظن وتخمین یقین کے نتائج فراہم کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ جھوٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جھوٹ، مکر و فریب انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

قُتل الخرّٰصونO (۱۸)

ترجمہ:۔ اٹکل پچو باتیں بنانے والے قتل ہوئے۔

موجودہ زمانے کے نظریات اور اس سے ہونے والی ہولناک تباہیاں اس ظن وتخمین کا بہترین جیتا جاگتا ثبوت ہیں اور یونہی ہر دور میں قرآن کریم کے دعویٰ کی تصدیق ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔

اللہ کا اصول:۔

عصر حاضر کے حالات، روز مرہ کے واقعات، تشدد آمیز رویئے، نعرہ بازی کی سیاست، ہڑتالیں، بے روزگاری، اقرباء پروردی، مفاد پرستی، عناد پرستی، تفرقہ بازی اسی وبال کی صورتیں نہیں تو اور کیا ہیں؟ اور یہ سب کچھ اللہ کے علاوہ الٰہ کو پکارنے کا نتیجہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قل ما یعبؤا بکم ربّی لولا دعآؤکمْ فقد کذّبتم فسوف یکون لزاماًO (۱۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے اگر تم اسے نہ پکارو تو میرے رب کو تمہاری کوئی پرواہ نہیں بے شک تم نے تکذیب کی، پس جلد تم پر اس کا وبال لازم ہوگا۔

یہ اللہ کا اصول ہے کہ جو اس کی پرواہ کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی پرواہ کرتا ہے اور جو اس کی پرواہ نہیں کرتا تو پھر اللہ کو بھی اس کی پرواہ نہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ شرکاء قرار دے کر اس کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کی اس سوچ کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:۔

شرکاء کی پیروی بوجہ ظن:۔

الآ انّ للّٰہ من فی السّمٰوٰت ومن فی الارض ط وما یتّبع الّذین یدعون من دون اللّٰہ شرکآءَ ان یّتبعون الاّ الظّنّ وان ھم الاّ یخرصونO (۲۰)

ترجمہ:۔ دیکھو یقیناً جو کوئی بھی آسمانوں اور جو کوئی بھی زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شرکاء کو پکارتے ہیں کسی کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی ظنی ونفسی بنیادیں ہیں کہ جن کی بنیاء پر انسان دیگر سماوی وارضی مخلوق کو معبود قرار دیتا ہے؟

شرکاء سے تعلق کی نفسیاتی بنیادیں

شرکاء کے تعلق کی بنیادیں ہر زمانے، ہر دور میں مختلف رہی ہیں۔ یعنی ضرورت وخواہشات، لذت Need Wants & Pleasure کے تحت بدلتی رہیں۔ اس بناء پر ان کی تابعداری کی جاتی رہی ہے۔ کبھی نفع ونقصان کو بنیاد بنایا گیا کبھی سفارشی کے طور پر، کبھی مدد کے لئے، کبھی عزت وطاقت کے حصول کے لئے کبھی مال واولاد کی کثرت کے لئے اور کبھی اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے۔ الغرض ان تعلقات کی بنیاد پر مختلف نظریات وتصورات کی عمارتیں بنائی گئیں۔ لوگوں کی اکثریت نے Ideal کے پیچھے بھاگنا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کی دنیا سے خواب کی دنیا میں آ گئے اور اس خواب کی دنیا کو ہی انہوں نے حقیقت سمجھ لیا۔ بہرحال آج بھی ان ظنی وقیاسی نظریات نے انسانی نفسیات کو اپنا محکوم بنایا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان مدہوشی کی زندگی بسر کررہا ہے۔

درج ذیل میں ہم ان بنیادوں کو قرآن کی روشنی میں بغور اور تفصیلاً دیکھیں گے تاکہ اس کی حقیقت سے آگاہی مل سکے۔

ذریعہ نفع ونقصان اور سفارش:۔

مشرکین یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ اخذ کردہ معبود ان کے لئے نفع نقصان کا باعث اور اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی ہیں اس وہم کا جواب رب کریم نے یوں دیا ہے کہ:۔

ویعبدون من دون اللّٰہ مالا یضرّھم ولا ینفعھم ویقولون ھٰؤلآء شفعاؤ نا عنداللّٰہ قل اتنبّئون اللّٰہ بما لا یعلم فی السّمٰوٰت ولا فی الارض سبحٰنہٗ و تعٰلٰی عمّا یشرکون O (۲۱)

ترجمہ:۔ اور وہ اللہ کے سوا ان کی بندگی کرتے ہیں جو نہ تو انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو وہ بتاتے ہو جس کو وہ آسمانوں اور زمین میں نہیں جانتا؟ وہ منزہ ہے اور ان سے کہیں بلند وبالا ہے جنہیں وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔

شرکاء بحیثیت مددگار:۔

مشرکین یہ بھی گمان رکھتے ہیں کہ ان کے الہٰ ان کی مشکل اوقات میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ ان کی مدد کے توسط سے یہ نجات پاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہر دم اندھا دھند انکی پرستش میں تن من دھن سب قربان کردیتے ہیں۔

واتّخذوا من دون اللّٰہ الھۃ لّعلّھم ینصرون ؕ O لا یستطیعون نصرھم ۙ وھم لھم جند مّحضرون O (۲۲)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود اختیار کر لئے ہیں تا کہ وہ ان کی مدد کریں وہ ان کی مدد کی استطاعت نہیں رکھتے پھر بھی وہ ان کے لشکر بنے ہوئے ان کی حضوری میں پیش رہتے ہیں۔

ذریعۂ عزت وطاقت:۔

مشرکین یہ بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے یہ الٰہ عزت وطاقت کے حصول کا ذریعہ ہے ان کی پرستش کرنے سے عزت وتوقیر میں اضافہ ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے طاقت وصلاحیت پیدا ہو جاتی ہے جسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے۔

واتّخذوا من دون اللّٰہ الھۃ لّیکونوا لھم عزًّا ۙ O کلّا ؕ سیکفرون بعبادتھم ویکونون علیھم ضدًّا ع O (۲۳)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود اختیار کر لئے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے باعث عزت وطاقت ہوں ہرگز نہیں بلکہ وہ ان کی بندگی سے انکار کر دیں گے اور ان کے مخالف بن جائیں گے۔

ذریعۂ مال واولاد:۔

مشرکین کے ضعف کا یہ عالم ہے کہ وہ مستقبل کی خبریں دینے والے لوگوں یعنی فال گیر، کاہن وغیرہ پر اعتقاد رکھتے ہیں تو اخذ کردہ الٰہ پر تو انہیں یقین ہے کہ یہ معبودان کے لئے ذریعۂ مال واولاد کا باعث ہیں اس بنیاد کا قرآن نے پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

افرئیت الّذی کفر بایٰتنا وقال لاوتینّ مالًا وّولدًا ؕ O اطّلع الغیب ام اتّخذ عند الرّحمٰن عھدًا ۙ O (۲۴)

ترجمہ:۔ اور کیا تو نے اس کو دیکھا ہے جس نے کہ ہماری نشانیوں کا انکار کیا اور کہا کہ مجھے یقیناً مال اور اولاد دی جائے گی کیا اس نے غیب میں جھانک کر دیکھ لیا یا اس نے رحمٰن سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔

بوجۂ تقرب:۔

شرک خواہ زمانۂ قدیم کا ہو یا جدید کا یہ مشترک بنیاد رکھتا ہے کہ یہ الٰہ ان کے اصل معبود تو نہیں پر ان کی پرستش ہم فقط اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ حالانکہ توحید کا مطلب ہی یہ ہے کہ فقط اللہ کو ہی معبود مانا جائے نہایت اخلاص کے ساتھ۔ اخلاص وللّٰہیت کا پیغام نصیحت برائے انسان بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

الا للّٰہ الدّین الخالص ؕ والّذین اتّخذوا من دونہٖ اولیآء ۘ ما نعبدھم الّا لیقرّبونآ الی اللّٰہ زلفٰی ؕ انّ اللّٰہ یحکم بینھم فی ما ھم فیہ یختلفون ؕ۬ انّ اللّٰہ لا یھدی من ھو کٰذب کفّار O (۲۵)

ترجمہ:۔ آگاہ ہو جاؤ کہ دین خالص تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا اوروں کو اپنا

سرپرست بنالیا ہے ہم تو ان کی عبادت صرف اللہ ہی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں بے شک اللہ ان کے مابین اس امر میں فیصلہ کرے گا جس میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں جو جھوٹا ناشکر گزار ہو بے شک اللہ اس کی ہدایت نہیں کرتا۔

شرکاء کی ان نفسیاتی بنیادوں کے پیچھے جو شیطانی ہاتھ کارفرما ہے اس باطنی قوت کو قرآن نے Expose کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الم تر انّآ ارسلنا الشّیٰطین علی الکٰفرین تؤزّھم ازًّا○ فلا تعجل علیھمؕ انّما نعدّلھم عدًّا○ یوم نحشر المتّقین الی الرّحمٰن وفدًا○ ونسوق المجرمین الٰی جھنّم وردًا○ (۲۶)

ترجمہ:۔ کیا تو نے نہیں دیکھا؟ کہ ہم نے شیاطین کو منکروں پر بھیجا جو انہیں بہت زیادہ اکساتے رہتے ہیں۔ تو ان کے خلاف جلدی نہ کر ہم نے ان کے دن گن رکھے ہیں۔ جس دن کہ ہم متقین کو رحمٰن کے حضور زور کی صورت میں اکٹھا کر لائیں گے اور ہم مجرموں کو جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے جس طرح کہ پیاسے جانور پانی کی طرف لائے جاتے ہیں۔

مشرکین کے اللہ تعالیٰ نے دن گن رکھے ہیں۔ انہیں جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی مانند لایا جائے گا دراصل یہ سنت الہیہ ہے کہ جو کوئی گمراہی میں مبتلا ہوتا ہے رحمٰن اسے مزید ڈھیل دے دیتا ہے۔ (۲۷) انسانوں کو چاہئے کہ وہ اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں لیکن انسان اس مہلت کی وجہ سے مزید گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے مگر گمراہی کی اس دہلیز پر بھی رب کریم اپنا کرم فرما رہا ہے کہ کم از کم تم منطق، ادراک و تعقل سے ہی کام لے لو:۔

ام اتّخذوآ اٰلھۃ مّن الارض ھم ینشرون○ لو کان فیھمآ اٰلھۃ الاّ اللّٰہ لفسدتاۚ فسبحٰن اللّٰہ ربّ العرش عمّا یصفون○ لایسئل عمّا یفعل وھم یسئلون○ (۲۸)

ترجمہ:۔ کیا انہوں نے زمین میں سے معبود اخذ کر لئے ہیں؟ جو جلا سکتے ہیں اگر ان میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بھی ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد بپا ہوتا پس رب العرش ان صفات سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا جو وہ کرتا ہے مگر ان کی پرستش ہوگی۔

ان تمام نفسیاتی بنیادوں کے تحت زمانۂ قدیم سے اب تک بے شمار الٰہوں کو وجود میں لایا گیا ہنوز بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں ہم ان تمام قسموں کے الٰہوں اور ان سے متعلق تصورات کا تفصیلی جائزہ لیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ہم اس کی اطلاقی برائیوں اور قرآن کی منطق کو بھی بیان کریں گے تاکہ عصر حاضر کے انسان خود کو ان نفسیاتی امراض سے بچا سکیں جو دنیاوی لحاظ سے بھی مہلک ہیں اور آخرت کے اعتبار سے تو ہیں ہی۔

تصور الٰہ کی ادراکی صورتیں اور قرآن

ذٰلکم اللّٰہ ربّکمۚ لا الٰہ الاّ ھوۚ خالق کلّ شیءٍ فاعبدوہۚ وھو علٰی کلّ شیءٍ وّکیل○ لا تدرکہ

الابصار وھویدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر ○ قد جاء کم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ ○ (۲۹)

ترجمہ:۔ وہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی ہر شے کا خالق ہے پس اسی کی بندگی کرو اور وہی ہر شے کا کارساز ہے۔ آنکھوں کی رسائی اس تک ممکن نہیں اور اس کی رسائی آنکھوں تک ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آچکے ہیں پس جس نے انہیں دیکھ لیا تو اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو اندھا رہا تو اپنے ہی نقصان کے لئے اور میں تم پر کوئی نگہبان تو نہیں ہوں۔

ادراک کیا ہے؟ What is meant by Perception?

والدّرک اعتبار بالحدود، وادرک بلغ اقصی الشئ وادراک الصبّی بغ غایۃ الصّبا و ذٰلک حین البلوغ، اذکان غایۃ معرفتہ تعالیٰ ان تعرف الاشیاء فتعلم أنّہ لیس شئ منھا ولا بمثلھا بل ھو مؤجّد کلّ ما ادرکتہٗ (۳۰)

اردومفہوم:۔ درک کا لفظ نیچے اترنے کے اعتبار سے استعمال کیا جاتا ہے۔ نیز ادرک کسی چیز کی غایت کو پہنچنا اور پالینا کے ہیں جیسے لڑکا بچپن کی آخری حد کو پہنچ گیا یعنی بالغ ہوگیا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی معرفت کی غایت یہ ہے کہ انسان کو تمام اشیاء کا کماحقہ علم حاصل ہوجانے کے بعد یہ یقین ہوجائے کہ ذات احد نہ کسی کی جنس ہے اور نہ ہی کسی چیز کی مثل ہے بلکہ وہ ان تمام چیزوں کی مؤجد ہے۔

ادراک کے مفہوم کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ:۔

Perception uses both the sensations aroused by stimuli and the learning gained from Past experience. (31)

انسان فطرتاً یقین کا طالب واقع ہوا ہے شک حصول یقین کی جدوجہد کا نام ہے طریقہ ہے۔ لیکن بسا اوقات نامعلوم اور معلوم اسباب سے کبھی یہ فطری میلان اعتدال سے ہٹ جاتا ہے تو ادراک میں غلط نتیجہ بھی اخذ کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے دوسری اشیاء کو جانتا پہچانتا ہے اس لحاظ سے سائز اور صفات کا پتہ لگانے میں مشکل نہیں ہوتی۔

"Perception enables the individual to know where he stands in relation to the objects and Conditions and People in his environment and to act accordingly." (32)

مختصراً یہ کہ Perception is a process of "filling in" (33) ادراک ایک ایسا عمل ہے جو نفس اور ماحول کے درمیان خلاء کو پر کرتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس اپنے ذخیرۂ تصورات میں سے جو کچھ تصور مستعار لیتا ہے وہ خالص تو نہیں ہوسکتا۔ نفس کی ترکیب ناقص بھی ہوسکتی ہے۔ اس لئے اسے دیگر افراد پر منتج نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ہر نفس کی ادراکی ترتیب

و تنظیم ایک ہی شے کے بارے میں مختلف ہوسکتی ہے۔ مثلاً کوئی فیگر Figure کو پیش نظر رکھے گا اور کوئی اس کے پس منظر کو یعنی Ground کو۔ فیگر ۳۔۹ میں دو اسپائرل Spirals دکھائے گئے ہیں مگر ان دونوں کے مابین فرق ہے جبکہ ظاہراً ایسا نہیں لگتا کیونکہ انسان کلیات اور سیٹ پر توجہ مرکوز رکھتا ہے جزئیات پر توجہ نہیں رہتا۔ اسی طرح فیگر ۴۔۹ میں پرندوں کا غول نمایاں نظر آتا ہے جبکہ ان کے درمیان گراؤنڈ میں جو تصویر بنتی ہے وہ مچھلی کے غول کو ظاہر کرتی ہے بالکل اسی طرح فیگر ۵۔۹ میں شیطانی اور فرشتوں کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔ یعنی فیگر میں فرشتے اور گراؤنڈ میں شیطان واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح فیگر ۶۔۹ میں سرسری نگاہ دوڑائیں تو ایک سفید رنگ کا واز Vase نظر آئے گا لیکن غور کرنے پر دو فیسز گراؤنڈ میں نظر آئیں گے۔ (ضمیمہ جات نمبر ۲ میں فیگر نمبر ۱ میں Figure No. 9-3 to 9-6 بالترتیب ص نمبر ۲۶۴ پر ملاحظہ ہوں)

بلحاظ ادراک فیگر، گراؤنڈ، بلیک اینڈ وہائٹ صورتحال ایک دوسرے سے یکسر مختلف رہی ہے اور رہے گی۔ کیونکہ انسان کے ادراک پر کچھ اور مخصوص عوامل بھی اثر انداز ہوتے ہیں جیسے کہ:۔

1)_ Change
2)_ Size
3)_ Prepotency
14) Repetation
5)_ Organic Conditions
6)_ Interests
7)_ Social suggestion (34)

اس اثر اندازی کے طفیل ادراک کا یہ طریق علوم طبعیہ کے لحاظ سے تو مفید ہے لیکن !!! مابعد الطبعیات میں نہیں۔ مولانا محمد اسحٰق صدیقی کہتے ہیں کہ:۔

''علوم طبعیہ میں قیاس کا یہ طریقہ نہ صرف مفید ہے بلکہ ایک حد تک ناگزیر ہے۔ اشیاء طبعیہ اور مادیات کے آثار و خواص کا علم ہمیں اسی ذریعہ سے ہوتا ہے۔ لیکن مابعد الطبعیات میں یہی طریقہ گمراہی کا سبب بن جاتا ہے جو لوگ طبعیات و مادیات میں زیادہ منہمک ہوتے ہیں وہ اس طریق علم کے عادی ہو جاتے ہیں۔ بار بار کی کامیابی طریقہ پر حد سے زائد اعتماد اور ایک قسم کے پندار علم میں مبتلا کر دیتی ہے اور صحیح و مناسب طریق فکر سے محرومی انکار کی ہلاکت خیز وادی میں پہنچا دیتی ہے۔'' (۳۵)

ادراک کی تین شرائط ہیں۔ پہلی Involuntary، دوسری Voluntary، تیسری Habitual (۳۶)، صحیح ادراک کے لئے ضروری ہے کہ جزئیات سے کلیات کو اخذ کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم کے لئے اللہ نے زمین و آسمان کی سلطنت رکھ دی تو آپ نے ستارے، چاند اور سورج کے مابین ایک رشتہ پایا تب حقیقت سامنے آئی۔ (۳۷) اور یوں جزئیات سے کلیہ تک رسائی حاصل ہوگئی۔ لیکن اگر کلیات کو ہی بنیاد بنالیا جاتا تو پھر جزئیات بالائے طاق ہی رہتیں۔ اور صحیح رہنمائی نہ ہو پاتی۔ مطلق سچ کو پانے کے لئے تفکر کی سچائی و گہرائی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ہر انسان اس شرط پر پورا نہیں اترتا کیونکہ انسان کی غفلت نفس کا حجاب حق کی پہچان اور اس کی اطاعت میں حائل رہتا ہے گو کہ حق ہر بشر کے ساتھ اس کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قل انّ ربّی یقذف بالحقّ علّام الغیوب ○ (۳۸)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ بے شک میرا رب غیب کا جاننے والا حق کو ڈال دیتا ہے۔

غیب کو جاننے کے لئے ہمیں وحی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے نبی کے ذریعے کہلوادیا کہ:۔

وان اهتدیت فبما یوحی الیّ ربّی انّه سمیع قریب ○ (۳۹)

ترجمہ:۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کے سبب ہوں جو میرے رب نے مجھ پر کی ہے بے شک وہ سننے والا قریب ترین ہے۔

اسی لئے Characteristics of the stimulus object میں Nearness کا ہونا صحیح ادراک کا سبب بنتا ہے علاوہ ازیں Likeness، Inculsiveness اور Part of Whole Relationship بھی شامل ہیں۔ (۴۰) حقیقت یہ ہے کہ انسان کے لئے کائنات اور اس کی اشیاء غیب سے تعلق رکھتیں ہیں لیکن اللہ تو ان تمام چیزوں کا موجد ہے لہٰذا اس کے لئے ہر غیب شہود ہے۔ لیکن جو لوگ محض نفسی ترکیب ادراک کی مدد سے اللہ کو جاننا چاہتے ہیں۔ تو وہ فقط اپنے نفس امارہ، عقل اور مادیت کے ساتھ ادراک کرتے ہیں اور ان کا فلسفۂ زندگی یہ ہوتا ہے کہ ''فقط دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں ہمیں تو بس زمانہ ہلاک کرتا ہے۔ حالانکہ انہیں اس کا علم نہیں وہ تو صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے ہیں۔'' (۴۱) لہٰذا نعوذ باللہ یہ لوگ اللہ کے حاضر و ناظر ہونے سے انکار کردیتے ہیں اس کی وجہ قرآن نے کچھ اس طرح بیان فرمائی ہے کہ:۔

ولو ترٰی اذ فزعو افلافوت واخذوا من مّکانٍ قریبٍ ○ وّقالوا اٰمنّا بهٖ وانّٰی لهم التّناوش من مّکانٍ بعید ○ وّقد کفروا بهٖ من قبل ویقذفون بالغیب من مّکانٍ بعیدٍ () وحیل بینهم وبین ما یشتهون کمافعل باشیاعهم مّن قبل ط انّهم کانوا فی شکٍّ مّریبٍ ○ (۴۲)

ترجمہ:۔ اور اے کاش تم دیکھتے ان کو جبکہ وہ گھبرائے ہوئے پھریں گے اور کوئی جائے فرار نہ پائیں گے اور قریب ہی سے گرفتار کر لئے جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے مگر اب دور مقام سے ان کی اس تک رسائی کیونکر ممکن ہے جبکہ وہ پہلے اس کا انکار کرتے رہے اور دور بیٹھے غیب کے متعلق انکل پچو باتیں بناتے رہے۔ اور ان لوگوں کے مابین اور ان چیزوں کے مابین جن کی وہ خواہش کیا کرتے تھے ایک آڑ کردی جائے گی جیسا کہ ان سے پہلے ان ہی جیسے گروہوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ بے شک وہ پریشان کن شک میں مبتلا تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ رب العالمین پر یقین ایک فطری بات ہے۔ اور اس کا انکار ایک غیر فطری روایت کے سوا کچھ نہیں۔ اور یقین کے لئے قیاس پہلا زینہ ضروری ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر کوئی شک سے گزر کر یقین تک پہنچے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مشاہدہ و علم کے ذریعے اس کی رسائی ممکن نہ ہو۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

بل ادّٰرک علمهم فی الاٰخرة بل هم فی شکٍّ منّها بل هم منّها عمون ○ (۴۳)

ترجمہ:۔ بلکہ آخرت کے بارے میں تو ان کے علم کی رسائی ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو اس کے متعلق شک میں مبتلا ہیں۔ بلکہ

وہ تو اس کے متعلق اندھے ہیں۔

ایک اور جگہ فرمایا کہ:۔

کلّا لو تعلمون علم الیقین ؕ لترونّ الجحیم ۙ ثمّ لترونّھا عین الیقین ۙ (۴۴)

ترجمہ:۔ یقیناً اگر تم الیقین کی حد تک جانتے تو جہنم کا ادراک کر لیتے بلکہ آنکھ سے دیکھی ہوئی شے کی طرح اس پر یقین کر لیتے۔

بات دراصل یہ ہے کہ یقین تک پہنچنے کے لئے علم و مشاہدہ ہی ضروری نہیں بلکہ علم الغیب پر ایمان لانا ضروری ہے اس لئے کہ:۔

انّ ھٰذا لھو حقّ الیقین ج (۴۵)

ترجمہ:۔ بلاشبہ و بالیقین ہی حق ہے۔

وکذٰلک اوحینآ الیک روحاً مّن امرنا ط ماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان ولکن جعلنٰہ نوراً نّھدی بہ من نّشآء من عبادنا ط وانّک لتھدیٓ الی صراط مّستقیم ۙ صراط اللّٰہ الّذی لہٗ مافی السّمٰوٰت ومافی الارض ط (۴۶)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف ایک روح اپنے حکم سے بھیجی اور تو تو نہیں جانتا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے اور لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا۔ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک تو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس اللہ کی صراط جو مالک ہے ان سب چیزوں کا جو کہ آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

نبی چونکہ ادراک سے ماوراء حق الیقین کے درجے پر فائز ہوتا ہے لہٰذا باقی لوگوں کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ:۔

قل انّمآ اعظکم بواحدۃ ج ان تقوموا للّٰہ مثنٰی و فرادٰی ثمّ تتفکّروا قف ما بصاحبکم مّن جنّۃ ط ان ھو الّا نذیر لّکم بین یدی عذاب شدید ۝ (۴۷)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ میں تو بس تمہیں ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لئے تم دو دو اور ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور و فکر کرو کہ تمہارا ساتھی کوئی جنونی تو نہیں ہے؟ وہ تو بس تمہیں آنے والے عذاب سے متنبہ کر رہا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تصور الٰہ کی ادراکی ممکنہ تصورات کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے تاکہ نفس انسانی ان ممکنہ دھوکوں سے خود کو محفوظ رکھ سکے۔ اور وہ بنیادی دھوکہ شک و یقین، حق و باطل اور تخلیق و تولید کے مابین بنیادی فرق ہے۔ جسے انسان نے کہیں التباس "Illusion are misperception of the environment"(48) کے سہارے سے خلا کو پر کیا تو کہیں انکار کر کے فطرت کے مخالف گیا مگر پھر بھی نفسی تصور زندگی اپنا کر فطرت سے فرار حاصل نہ کر سکا۔

تخلیق وتولید اور قرآن حکیم

بدیع السّمٰوٰت والارضؕ انّٰی یکون لہٗ ولد ولم تکن لّہٗ صاحبۃٌؕ وخلق کلّ شیءٍۚ وھو بکلّ شیءٍ علیمO (۴۹)

ترجمہ:۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کے ہاں کوئی بیٹا کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ اس کی کوئی صاحبہ نہیں ہے اور اسی نے ہر شے کو خلق کیا اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

خلق کی کنہہ وحقیقت کیا ہے؟ خلق کی اصلیت کا ادراک مابعد الطبعی معاملہ ہے۔ جو کہ ادراک کی حدود سے ماوراء ہے۔ لہٰذا انسانی علمی وعقلی رسائی سے خلق کی نوعیت کا پتہ چلانا ممکن نہیں۔ تاہم خلق کے معنی ومفہوم سے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جاسکتا ہے۔ امام راغب کے نزدیک:

''الخلق أصله التقدیر المستقیم و یستعمل فی ابداع الشیٔ من غیر و امّا الّذی یکون بالا ستحالہ فقد جعلہ اللّٰہ تعالیٰ لغیرہ فی بعض الاحوال کعیسٰی حبت قال واذ تخلق من الطّین کھیئۃ الطیر باذنی والخلق لا یستعمل فی کافۃ الناس الا علی وجھین احد ھما فی معنی التقدیر کقول الشاعر۔

ولا نت تفری ماخلقت ☆ وبعض القوم یخلق ثم لا یفری

والثانی فی الکذب نحو قولہ وتخلقون افکاً (۵۰)

اردو مفہوم:۔ اس طرح خلق کے معنی پوری طرح اندازہ لگانے کے ہیں۔ اور کبھی خلق بمعنی ابداع بھی آجاتا ہے یعنی کسی چیز کو بغیر مادہ کے اور بغیر کسی کی تقلید کے پیدا کرنا۔ البتہ خلق جو بصورت استحالہ کے بھی ہوتا ہے بعض اوقات ذات باری تعالیٰ دوسروں کو بھی اس کا اختیار دے دیتی ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے روز قیامت فرمائیں گے اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا پرندہ بنا کر۔ اس طرح عام لوگوں کے لئے خلق کا لفظ صرف دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے اول یہ کہ اندازہ کرنا جیسا کہ شاعر نے کہا تم جو سوچتے ہو کر گزرتے ہو اور بعض لوگ تجاویز کرتے رہتے ہیں۔ مگر انہیں عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ دوم یہ کہ جھوٹ بولنے کے معنی میں فرمایا اور طوفان باندھتے ہو۔

ان معنی سے خلق لفظ کی حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ اس حقیقت کو بھی خلق کے ساتھ دوسرے انسانوں کو اس صفت باری سے متصف کرتے ہیں تو ان کی بنائی ہوئی شے اور اللہ کی بنائی ہوئی شے میں نہایت واضح فرق ملے گا ہر صورت وہ انسان اللہ ہی کو ''احسن الخالقینؕ'' (۵۱) کے درجے پر پائے گا۔ یہی قرآن کا چیلنج بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

افمن یّخلق کمن لّا یخلقؕ افلا تذکّرونO (۵۲)

ترجمہ:۔ اور کیا وہ جو خلق کرتا ہے اس کی مانند ہوسکتا ہے جو خلق نہیں کرتا۔ پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے۔

قال ربّنا الّذی اعطٰی کلّ شیءٍ خلقہٗ ثمّ ھدٰیO (۵۳)

ترجمہ:۔ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی فطرت عطا کی، پھر اس کی رہنمائی کی۔

ان آیات کی روشنی میں واضح طور پر نتیجہ حاصل کیا جاسکتا ہے کہ تخلیق دراصل عدم سے وجود میں لائے ہوئے مختلف عناصر کو طبیعی ترکیب دینے کا نام ہے۔ جبکہ ذہن انسانی دو موجودہ چیزوں کے ملاپ و مرکب سے تیسری شے حاصل کرتا ہے۔ اس طرح اس پوری کائنات کی اور اس میں موجود تمام مخلوقات کی طبیعی ترکیب Natural Constitution خالق حقیقی کا ترتیب دیا ہوا ہے لہٰذا اس کے حکم کا پابند بھی ہے۔ وہ جب چاہے اور جیسا چاہے مزید تخلیق کرسکتا ہے۔ جبکہ انسان اس کی محض مخلوق ہے۔ اور مخلوق ہونے کے ناطے وہ خالق کی مانند ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا!!! اللہ خلق Creation کرتا ہے تو انسان تولید یعنی Procreation کرتا ہے۔

تولید کے معنی:۔

کائنات کی نیرنگیٔ بوتولید کے کرشمے کی بدولت جاری وساری ہے۔ یہ حقیقت مخلوق سے وابستہ ہے کائنات کی ہر شے Principle of Pair Production کے تحت وجود میں آئی ہے۔ ہر شے اصول زوجیت کی محتاج ہے مگر سوائے اللہ کے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قل هو الله احدO الله الصمدO لم يلد و لم يولدO ولم يكن له كفواً احدO (۵۴)

ترجمہ:۔ کہہ دو کہ اللہ یکتا ہے، اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

"الولدو المولود يقال للواحد والجمع والصغير والكبير نيز تولد الشيء من الشيء (۵۵)

اردو مفہوم:۔ الولد معنی جو جنا گیا ہو۔ یہ لفظ واحد اور جمع اور چھوٹے اور بڑے سب پر بولا جاتا ہے نیز ایک چیز کا دوسری چیز سے پیدا ہونا کے ہیں۔

ان معنی کے لحاظ سے تخلیق وتولید کے فرق کی انتہائی درجے پر وضاحت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے رب کریم ان لوگوں سے پوچھتا ہے کہ جو تخلیق وتولید کے فرق کو سمجھنے سے عاری ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

خلقوا كخلقه فتشابه الخلق عليهم قل الله خالق كل شيءٍ وّهوا لواحد القهّارO (۵۶)

ترجمہ:۔ کیا انہوں نے اس کی خلقت کی طرح کوئی خلقت کی ہے؟ کہ ان پر مخلوق مشتبہ ہوگئی ہے؟ کہہ دے اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور وہی واحد غلبے والا ہے۔

اس حقیقت سے مزید متعارف کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عام مخلوق انسانی کے لئے تخلیق وتولید کے فرق کو حق وباطل کے زمرے میں ایک مثال کے ذریعے بیان کیا ہے۔

خلق وتولیدی تصورات کی مثال:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذہن انسانی میں خلق وتولید کے ضمن میں جو ظن پیدا ہوگیا ہے۔ اسے ختم کر کے حقیقت

سے آگاہ کرنے کے لئے مثال بیان کی ہے۔ تاکہ افرادِ انسانی اس سے نصیحت حاصل کرسکیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

انزل من السّمآء ماء فسالت اودیة بقدرها فاحتمل السّیل زبدًا رّابیاً ؕ وممّا یوقدون علیه فی النّار ابتغآء حلیةٍ اومتاعٍ زبدٌ مّثلهٗ ؕ کذٰلک یضرب اللّٰه الحقّ والباطل ؕ فامّا الزّبد فیذهب جفآءً ۚ واَمّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض ؕ کذٰلک یضرب اللّٰه الامثال ۝ (۵۷)

ترجمہ:۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پس اپنی تعداد کے مطابق نالے بہہ نکلے اور سیلاب نے پھولا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جسے آگ پر زیور یا پونجی بنانے کے لئے تپایا جاتا ہے اس میں سے بھی ایسا ہی جھاگ نکلتا ہے اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال دیتا ہے پس وہ جو جھاگ ہے وہ تو بیکار ہو جاتا ہے۔ اور وہ جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے وہ زمین کی تہہ میں رہ جاتا ہے۔ اللہ یونہی مثالیں بیان کرتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی انسان اللہ سے جھگڑتا ہے۔ تولیدی صفت کی بناء پر خالق کی خالقیت سے خود کو متصف کرتا ہے اس موقع پر اللہ فرماتا ہے کہ:۔

اولم یر الانسان انّا خلقنٰه من نّطفة فاذا هو خصیم مّبین ۝ وضرب لنا مثلاً وّنسی خلقهٗ ؕ قال من یّحیی العظام وهی رمیم ۝ (۵۸)

ترجمہ:۔ کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا ہے اور پھر وہ صریحاً جھگڑالو بن گیا؟ اور وہ ہمارے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول بیٹھا ہے کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جبکہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی کون زندہ کرے گا؟

انسان بحث برائے بحث کی بنیاد پر اور حقیقت کو جان بوجھ کر جھٹلاتے ہوئے تولیدی صفت رکھتے ہوئے الہ کے ضمن میں مختلف عقائد کو حقیقی تصور کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ انسان جانتا ہے کہ اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ انسان کی سوچ تو فلسفۂ باطل ہے جس کی مثال بے کار جھاگ کی سی ہے۔ اور یہی جھاگ انسان کی تولید ہے تخلیق نہیں۔ (ضمیمہ جات نمبر۱ میں تخلیق و تولیدی الٰہہ کی صورتوں پر مشتمل چارٹ نمبر۱، ص نمبر ۲۶۳ پر ملاحظہ ہو۔)

تلخیص:۔

تولیدی تصورات اس صورت میں باطل قرار پاتے ہیں۔ جب علم الٰہی کی جگہ نفس انسانی لے لے، یعنی کہ Trough Quranic Verses کی بجائے Through Desires کو بنیاد بنایا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے تولیدی تصورات سے متعلق قرآن مجید والفرقان حمید میں خاصی سیر حاصل بحث کی ہے اور دلیلوں کو بھی پیش کیا ہے۔ کہ جن سے ان باطل تصورات کی نفی ہو جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیونکر ہوا؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں قرآن سے ہی رجوع کرنا ہوگا۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وامنوا بمآ انزلت مصدّقا لّما معکم ولا تکونو آ اوّل کا فرٍبہٖ ولا تشتروا باٰیتی ثمناً قلیلاً وایّای فاتقون○ ولا تلبسوا الحقّ بالباطل و تکتموا الحقّ وانتم تعلمون○ (۵۹)

ترجمہ:۔ اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے اور اس کے سب سے پہلے منکر نہ ہو جاؤ۔ اور میری آیات کو تھوڑی قیمت پر نہ بیچو۔ اور مجھ ہی سے ڈرو اور حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ ابلیس کے Follower فقط دنیاوی و مادی فائدے کے لئے جو کہ آخرت کی فلاح کے سامنے ہیچ ہے، باطل نظریات کو فروغ دیتے ہیں۔ اسی لئے یہ نظریات احترام آدمیت و انسانیت کی بقاء سے بھرپور نہیں ہوتے۔ کیونکہ ان کی بنیاد کھوکھلے دعوؤں پر ہوتی ہے۔ اور بسا اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ یہ نفسی و تولیدی فلسفے محض خیالی صورت میں ہی نہیں بلکہ مجسم صورت میں بھی پیش کئے گئے ہیں۔ لیکن دونوں اپنے اندر مذموم مقاصد لئے ہوئے ہیں۔ پس فرق اتنا ہے کہ جب یہ تولیدی نظریئے مجسم صورت میں پیش کئے گئے تو علامت کے طور پر باہر بھی پائے گئے۔ اور آستینوں میں بھی۔ جدید نظام کے مجسمے آج بھی موجود ہیں۔ کچھ گر گئے اور کچھ گر جائیں گے، آج بھی تصویر پرستی عروج پر ہے۔ پارٹی لیڈرز کی تصویر پرستی کا یہ عالم ہے کہ جو درجہ رب تعالیٰ کو دینا چاہئے وہ محبت ان پارٹی ورکرز میں پائی جاتی ہے۔ ایمان والے ان مجسمی خداؤں نعوذ باللہ کو خوب جانتے ہیں۔ کیونکہ خالق حقیقی نے ان کی حب شدید کے متعلق کچھ اس طرح کہا کہ:۔

ومن النّاس منّ یتّخذ من دون اللّٰہ انداداً یّحبّونھم کحبّ اللّٰہؕ والّذین امنوا اشدّ حبّاً لّلّٰہؕ ولویری الّذین ظلموآ اذیرون العذابۙ انّ القوّۃ للّٰہ جمیعاًۙ وّ انّ اللّٰہ شدید العذاب○ اذ تبرّاَ الّذین اتّبعوا من الّذین اتّبعوا ورأوا العذاب و تقطّعت بھم الاسباب ○ وقال الّذین اتّبعوا لوانّ لناکرّۃ فنتبرّا منھم کما تبرّء وا منّاؕ کذٰلک یریھم اللّٰہ اعمالھم حسرٰت علیھمؕ وماھم بخٰرجین من النّار○ؑ (۶۰)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اس کے ہمسر بنا لئے ہیں وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔ پر وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اللہ کی محبت میں شدید ہیں۔ اور جنہوں نے ظلم کیا کاش وہ عذاب کو دیکھ سکتے۔ بے شک تمام قوت اللہ ہی کی ہے۔ اور اللہ یقیناً عذاب دینے والا ہے۔ اور جس وقت وہ کہ جن کی پیروی کی گئی تھی برأت چاہیں گے ان لوگوں سے جو کہ پیروی کیا کرتے تھے اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور تمام وسیلے ان سے منقطع ہو جائیں گے اور وہ جو پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم واپس جا سکتے تو ہم بھی ان سے یونہی بیزاری کا اظہار کرتے جس طرح کہ انہوں نے ہم سے بیزاری کا اظہار کیا اس طرح اللہ ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر انہیں دکھائے گا۔ اور وہ آگ سے نکلنے والے نہیں ہوں گے۔

اور جہاں تک خیالی صورت کی بات ہے۔ تو اس کی مثالیں بھی ہمارے اردگرد موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ماضی میں حنطۃ، حنطۃ کا نعرہ لگایا گیا ہے اور آج روٹی، کپڑا اور مکان کے نعرے لگائے جا رہے ہیں۔ یہ اعمال ہماری

بے شعوری کا منہ بولتا ثبوت ہی نہیں بلکہ اسلام سے دوری کا پتہ دیتے ہیں۔ لوگوں کو اس کا علم ہی نہیں کہ وہ بہکائے جا رہے ہیں۔ آج بھی انہیں حطۃ کی برکات کا کوئی علم نہیں ہے بوجۂ غفلت۔ جبکہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ:۔

واذقلنا ادخلوا هٰذا القرية فكلوا منها حيث شئتم رغداً وّادخلوا الباب سجّداً وّقولوا حطّة نّغفرلكم خطٰيٰكمؕ وسنزيد المحسنين ○ فبدّل الّذين ظلموا قولاً غير الّذى قيل لهم فانزلنا على الّذين ظلموا رجزاً مّن السّمآء بما كانوا يفسقون ○ (۲۱)

ترجمہ:۔ اور جب ہم نے کہا اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں سے جو کچھ تم چاہو جی بھر کے کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور یہ کہتے ہوئے کہ بخش دے تو ہم تمہاری خطائیں تمہارے لئے معاف کر دیں گے اور احسان کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ پس ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تھا اس قول کو اس سے بدل دیا جو ان سے نہیں کہا گیا تھا پس جنہوں نے ظلم کیا ہم نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا بوجہ اس حکم عدولی کے جو انہوں نے کی۔

ہمیں یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اللہ کی سنت میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں۔ اس سے پہلے کہ عذاب انسانوں پر مسلط ہو۔ بہتر یہ ہے کہ عاجزی اختیار کر لی جائے۔ ورنہ الکتاب میں صاف لکھ دیا گیا ہے کہ:۔

انّ الّذين يكتمون مآانزلنا من البيّنٰت والهدىٰ من بعد مابيّنّٰه للنّاس فى الكتٰبۙ اولٰٓئك يلعنهم الله ويلعنهم اللّٰعنون ○ الا الّذين تابوا واصلحوا وبيّنوا فاولٰٓئك اتوب عليهمۚ وانا التّوّاب الرّحيم ○ (۲۲)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جو واضح نشانیوں اور ہدایت میں سے اس کو جو ہم نے نازل کیا چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے لوگوں کے لئے کتاب میں اس کی وضاحت کر دی وہ وہی ہیں۔ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کر لی اور اصلاح کر لی۔

اس سے پہلے کہ حالت کفر میں جان نکلے اور اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کے مستحق قرار پائیں اور اس میں ہمیشہ رہیں۔ ان پر عذاب کم نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حقیقت کا ادراک کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والٰهكم اله واحدۚ لا اله الّا هوالرّحمٰن الرّحيم ○ (۲۳)

ترجمہ:۔ اور تمہارا معبود، معبود واحد ہے سوائے اس رحمٰن و رحیم کے کوئی معبود نہیں۔

ہم انسانوں کی بہتری اسی میں ہے کہ ہم خالق حقیقی کی رحمتوں اور برکتوں کے مزے لوٹیں رب واحد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے۔ اور ہم اسی وقت سرِ تسلیم کو خم کر سکتے ہیں جب یہ سوچیں کہ:۔

☆...... کیا ہمارے پاس علم موجود نہیں؟

☆...... کیا آج ہماری صراط، صراط مستقیم ہے یا سبل متفرقہ؟

☆...... کیا ذہن انسانی میں پاکیزگی ہے یا پراگندگی؟

☆...... کیا آج انسان نے نفسیاتی تولیدی صفت کو تخلیقی صفت کے برابر درجہ دیا ہوا ہے یا نہیں؟

☆...... کیا ہم من حیث الانسان فلاح کی جانب جا رہے ہیں یا ہلاکت کی طرف؟

آیئے:۔

ہم قرآن کی روشنی میں ان نفسیاتی تولیدی تصورات کی قدیم بنیادوں کا پتہ لگائیں کہ جن پر آج کا انسان اور نام نہاد مسلمان اپنے نظریۂ حیات کی عمارت کو استوار رکھے ہوئے ہے۔ تاکہ حقیقت کو جان سکیں اور اس نظریہ کے علمبردار بن جائیں جس میں سلامتی ہی سلامتی ہو۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن النّاس من یّشری نفسہ ابتغآء مرضات اللّٰہ ط واللّٰہ رؤف بالعباد ○ یٰاَیّھا الّذین اٰمنوا ادخلوا فی السّلم کآفّۃً ص ولا تتّبعوا خطوٰت الشّیطٰن ط انّہ لکم عدوّ مّبین ○ فان زللتم مّن بعد ماجآئتکم البیّنٰت فاعلموآ انّ اللّٰہ عزیز حکیم ○ ھل ینظرون الّآ ان یّاتیھم اللّٰہ فی ظلل من الغمام والملٰئکۃ وقضی الامر ط والی اللّٰہ ترجع الامور ○ (۲۴)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کی خوشنودی کے لئے بیچ دیا۔ اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو پوری طرح اطاعت میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور اگر تم لغزش کرو گے بعد اس کے کہ تمہارے پاس واضح نشانیاں آ چکی ہیں۔ تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔ کیا وہ اس چیز کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے ان کے پاس بادلوں کے سائبان میں آئیں اور معاملہ چک ہو جائے اور تمام امور اللہ ہی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں۔

فصل دوم

قدیم اور عصر جدید کے عقائد و تصورات کی نفسیاتی بنیادیں اور قرآن حکیم

ہر دور میں مختلف عقائد و تصورات اور پھر ان کی نفسیاتی بنیادیں گاہے بگاہے ضرورت و ایجاد کے تحت تبدیل کی جاتی رہیں۔ ان تصورات کو یا تو مذہب کے حوالے سے یا پھر مادی حوالے سے یعنی ضرورت کے تحت بنیاد بنا کر متعارف کرایا گیا یہ متعارف کرانے والا طبقہ ان مخصوص افراد پر مشتمل ہوتا ہے جن کو معاشرے پر Hold حاصل ہوتا ہے۔ عصر رواں میں بھی کم و بیش ایسی ہی نفسیات لاگو ہے۔ ہر حکمران طبقہ عوام پر اپنے تصور کے تحت تجربات کرتا دکھائی دے رہا ہے۔ منزل کا ہنوز کوئی علم نہیں۔ ماضی بھی سراب کی نظر ہوا اور حال بھی کچھ ایسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ صرف اپنے اغراض و مقاصد کا علم ہے دوسرے کی غرض سے کسی کو دلچسپی نہیں۔ اگر ہے تو فقط دنیاوی نقطۂ نگاہ سے یا پھر اپنے آپ سے، آخرت کی پرواہ نہیں۔ لہٰذا اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے، حال اور مستقبل کو تابناک بنانے کے لے ضروری ہے کہ ہم اپنے

آپ کو گزشتہ سے پیوستہ کریں تاکہ نفس انسانی کے باطن کا بغور جائزہ لے سکیں۔

اس کے لئے جب ہم بحیثیت انسان کے اپنا جائزہ لیتے ہیں۔ تو ہم خاص طور پر خود کو دو مسئلوں میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ یقیناً ماضی کے انسان کو بھی ان اہم مسئلوں سے گزرنا پڑا ہوگا۔ لہٰذا ہم ان دو مسئلوں اور حوالوں سے ہی جائزہ لیں گے:۔

1)_ An overload of the Human Organism Physical adaptive system.

2)_ Its deciscion making processes. (65).

جہاں تک اول الذکر کی بات ہے تو یہ حقیقت ہے کہ انسان پر اس کے Physical adaptive system کا بوجھ ہوتا ہے اس سسٹم کی اچھائیاں اور برائیاں ہر فرد پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جسمانی اعتبار سے بھی اور نفسیاتی اعتبار سے بھی اور مزید یہ کہ روحانی اعتبار سے بھی۔ چونکہ جو نظام غیر فطری ہوگا وہ انسانیت کے لئے سم قاتل قرار پائے گا۔ اور جو فطری ہوگا وہ حیات بخش ثابت ہوگا۔ چنانچہ جب ہم تاریخ کے جھرونکوں سے ماضی کو دیکھتے ہیں تو حکمران طبقہ کو جب زراعت کی ضرورت ہوتی ہے تو آبادی کو بڑھانے کا تصور پیش کیا جاتا ہے اور جب مشینی دور آتا ہے تو آبادی پر کنٹرول کرنے کی باتیں کی جانے لگتی ہیں نیز قدرتی اور فطری اصول واحکامات کو جدید بنانے کے باوجود قدیم کہہ کر پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور غیر فطری اور مصنوعی طریقہ ہائے کار کو جدیدیت کا نام دے کر ماحول کو آلودہ اور فضا کو مکدر کیا جارہا ہے۔ فقط ضرورت اور لذت کو بنیاد بنایا جارہا ہے آج بھی، جس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس Global Age میں بھی ذہن وجسم دونوں قید ہیں۔ ہنوز آزاد نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو معاشرے اور جو افراد آج مادیت وضرورت اور لذتیت جیسے نظاموں کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وہ کچھ اس قسم کی تکالیف میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

These symptoms rang all the way from anxiety hostility to helpful authority and seemingly senseless voilence, to physical illness, depression and a Pathy.

They feel continually "bugged or harassed" and want desparatly to reduce the member of decision they must make. (66)

بہرحال ہر دور میں ہر شعبۂ ہائے زندگی میں خواہ وہ معاشی ہو یا سیاسی، معاشرتی ہو یا نفسیاتی، فنی ہو یا ثقافتی، اخلاقی ہو یا قانونی ایسے عوامل کارفرما رہے ہیں جو کہ نہ صرف جسم انسانی کے لئے تشویش کا باعث بنے بلکہ نفس انسانی کے لئے بھی کیونکہ جب ذہن پر بوجھ ہو تو پھر جسم خود بخود بیمار ہو جاتا ہے۔ انسان کے مرکزی Nervous system کے مطابق پروفیسر ڈی، ای برلن یونیورسٹی آف ٹورنٹو کا کہنا ہے کہ:۔

"Is designed to cope with environments that produce a certain rate of... stimulation... It will naturally not perform at its best in an environment that overstresses or overloads it." (67)

اور جب انسان نفسیاتی اور بالخصوص روحانی طور پر بیمار ہو تو ایسے میں Decision Making Process متاثر

ہوتا ہے۔ اس طرح وہ صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ دراصل نفس انسانی مختلف قسم کے دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ مثلاً وراثہ، مذہب، ماحول، رشتہ، مقام، اقتدار، عقل اور ذرائع وسائل وغیرہ کے۔ اسی لئے بسا اوقات اخلاق وتہذیب کے دباؤ کا شکار ہو کر درست اور غیر درست کے فرق کو نہیں سمجھتا، اور جب ماحول کے دباؤ کا شکار ہوتا ہے۔ تو اسے جسمانی تکالیف کے ساتھ ساتھ معاشرتی ناانصافیوں کی مدت میں ذہنی تکلیف واذیت برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اور جب اقتدار و حکومت کی جانب سے دباؤ ہوتا ہے تو پھر آواز حق بلند کرنے سے گریز کرتا ہے۔ ذرائع وسائل کی کثرت کو عقل کا کمال سمجھ لیتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ عقلی علم کو مطلق وحقیقی مان لیتا ہے۔ اسی قسم کے خوف اور دباؤ سے انسان غیر شعوری اور بعض اوقات شعوری طور پر غیر فطری فیصلے کرتا رہتا ہے اور اس قسم کے فیصلے جب کسی قوم پر مسلط کر دیئے جائیں تو اس سے انسانوں کو تو نقصان پہنچتا ہی ہے بلکہ اس کائناتِ رنگ وبو کی نزاکت بھی متاثر ہوتی ہے۔ جیسے اوزون کی سطح کا پھٹنا وغیرہ لیکن جہاں تک انسانوں کے نقصان کا تعلق ہے اس میں فقط جسمانی نقصان ہی نہیں بلکہ اس کی نفسیات پر بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ملکۂ سبا کا واقعہ اس سلسلے میں بڑی آفاقی اہمیت کا حامل ہے۔

دراصل ملکۂ سبا عقل کو محض عقل نہیں بلکہ کل سمجھے ہوئے تھیں۔ لیکن محل میں داخل ہوتے ہی عقل نے ایسا دھوکہ دیا کہ پنڈلیاں کھول دیں پھر جب عقل ناقص کا احساس ہوا تو پھر عقل کو جزو مان لیا۔ (۶۸) باپ دادا جو کہ آفتاب پرستی میں مبتلا تھے اس فریب کا پردہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝ کی ایک آیت نے چاک کر دیا۔ (۶۹) اقتدار وحکومت پر جو ناز تھا وہ سب حضرت سلیمانؑ کے اقتدار کے سامنے ہیچ نظر آیا۔ ذرائع ووسائل کی قوت پر جو گھمنڈ تھا۔ وہ تخت کو پا کر ختم ہو گیا۔ علمی رسائی اور ثقافت وتعمیر کے عروج کو دیکھا تو اپنی کم علمی کا احساس ہوا۔ (۷۰) اخلاق وتہذیب کا اعلیٰ معیار پایا جب پنڈلیاں کھلیں تو آواز آئی یہ فرش شیشے سے مرصع ہے۔ گہرا پانی نہیں۔ عموماً انسان اس قسم کے فریب میں مبتلا رہتا ہے کہ اسے چونکہ سب کچھ حاصل ہے، لہٰذا وہ صحیح راہ پر گامزن ہے جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اللہ انسان کو زندگی میں ایک موقع ضرور فراہم کرتا ہے۔ کوئی اس موقع سے فائدہ اٹھالیتا ہے اور کوئی اسے ضائع کر دیتا ہے مگر ملکۂ سبا نے جب ہر قسم کے دباؤ سے چھٹکارا پایا وہ اس طرح کہ جب حضرت سلیمانؑ کی شان وشوکت دیکھی تو تکبر کا خاتمہ ہوا۔ اور جب محل میں داخل ہوئی تو اپنی کم علمی کا احساس ہوا بات سمجھ میں آئی کہ دین کے معالے میں بھی جو حضرت سلیمانؑ سمجھے ہیں وہی بہتر اور صحیح ہے۔ کیونکہ آفتاب اور ستاروں کی چمک پر انہیں خدا سمجھ لینا ایسا ہی دھوکہ ہے جیسے آدمی شیشہ کی چمک دیکھ کر گہرا پانی گمان کر بیٹھے۔ جب اس نتیجے پر پہنچی تو کہا:

قالت ربّ انّی ظلمت نفسی واسلمت مع سلیمٰن للّٰہ ربّ العٰلمین ۝ع (۷۱)

ترجمہ:۔ اپنے نفس پر ظلم کیا اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی اطاعت قبول کرتی ہوں۔

لہٰذا ہم جب تاریخ کے دریچوں سے ماضی کو دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جب بھی افراد معاشرہ اس قسم کے دباؤ کا شکار ہوئے۔ تو اپنی دنیا کو تباہ کر بیٹھے خواہ وہ نوحؑ کا زمانہ ہو یا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ کم وبیش یہی صورت حال فی زمانہ درپیش ہے۔ آیئے قرآن پاک کی آیات سے اس بات کا جائزہ لیں کہ کہیں ہم تو اس فریب کا شکار نہیں۔

اور یہ کہ ہم کس طرح نفسیاتی ارتفاع حاصل کر سکتے ہیں؟ اور سوم یہ کہ روحانی ارتقاء کیسے مل سکتا ہے؟

حضرت نوح علیہ السلام کے عہد سے لیکر حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد تک کے معبودانِ باطل کی نفسی فلاسفی اور عہد جدید
(ایک جائزہ قرآن کی روشنی میں)

بت خواہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے کے ہوں یا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے، مذکورہ صلاحیتوں سے یکسر محروم، یعنی کہ عقل وادراک سے قاصر، اور نہ ہی کوئی ماورائی مخلوق معلوم دیتے ہیں۔ انسانی سوچ جو ان پر منطبق کی جاتی ہے جبکہ حقیقت میں ویسا نہیں۔ اسی لئے قرآن نے ان کی بطل پرستی کا پردہ چاک کر کے انہیں روند ڈالا ہے مگر یہاں تو معاملہ ہی نرالا ہے انسان عقل وادراک کے لحاظ سے Static Position پر دکھائی دیتا ہے۔ تفکر و تدبر جیسی خصوصیات سے یکسر خالی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ

- ☆ بت پرستی کی روش کے نفسیاتی مقاصد کیا ہیں؟
- ☆ وہ کون ہیں جو انہیں متعارف کروا رہے ہیں؟
- ☆ بت پرستی کی کیا کوئی آفاقی اہمیت ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ عام طور پر اس انداز سے سوچا ہی نہیں جاتا بلکہ سوچنا ناقابل معافی جرم بن جاتا ہے عقل کے اندھے لوگ ان شیطانوں کا چارہ بن کر رہ جاتے ہیں آج بھی ہمارے ذہن ونفس پر ان کی یلغار ہے گو کہ اب یہ بت پس پردہ چلے گئے ہیں مگر ان کی پرستش مختلف صورتوں میں مسلسل کی جارہی ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے ہم اس بطل پرستی کا جائزہ قرآن کی روشنی میں لیں گے تاکہ عہد نو کی نفسیاتی روش کا کھوج لگایا جا سکے تاکہ ہم بحیثیت انسان، بحیثیت مسلمان اور بحیثیت مومن کے ان نفسیاتی یلغاروں کا مردانہ وار مقابلہ کر کے دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کر سکیں۔ ارشاد ربانی ہے:۔

قال نوح رّبّ انّهم عصونی واتّبعوا من لّم یزده مالهٗ وولدهٗ الّا خسارًا ۝ ومکروا مکرًا کبّارًا ۝ وقالوا لا تذرنّ الهتکم ولا تذرنّ ودًّا وّلا سواعًا وّلا یغوث ویعوق ونسرًا ۝ (۷۱)

ترجمہ:۔ نوح نے کہا اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس شخص کی پیروی کی ہے جس کی مال و اولاد نے اس کے خسارے میں ہی زیادتی کی، اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ اور انہوں نے کہا کہ تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

ودّ کا نفسیاتی تجزیہ قرآن کی روشنی میں

ودد "الودّ، محبّة الشّئ وتمنّی کونه، والودّ صنم سمی بذٰلک امّا لمودّتهم له أو لا

عتقادھم ان بیّنہ و بین الباری مؤدۃ تعالیٰ اللّٰہ عن القبائح" (۷۳)

اردو مفہوم:۔ الودّ ودداس کی Root ہے اس کے معنی کسی شے سے محبت اور اس کے ہونے کی تمنا کرنا کے ہیں۔ نیز الود ایک بت کا نام تھا بعض کا کہنا ہے کہ اسے انتہائی محبوب سمجھنے کی وجہ سے اسے ودّ کہتے تھے اور یا ان کے اس اعتقاد کی بناء پر کہ اللہ تعالیٰ اور اس بت کے درمیان رابطۂ محبت پایا جاتا ہے۔ اسے ودّ کہا گیا ہے حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اس قسم کی تمام قباحتوں سے بالکل منزہ ہے۔

ودّ کے اس مفہوم سے واضح ہوتا ہے کہ مؤدۃ محبت و دوستی کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی انسان میں کسی شے کی حد سے زیادہ محبت کی انتہا ودّ کے موجود ہونے کی علامت ہے نیز یہ کہ اگر اس شے یا وجود سے محبت بطور وسیلہ معرفت رب ہو تو پھر اعتقاد بن جاتی ہے مگر اس محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اور تقاضوں کی کچھ حدود ہوتی ہیں۔ لہٰذا ان شرعی حدود کی پاسداری ہو تو پھر ذریعۂ نجات ورنہ بصورت دیگر ذریعۂ ہلاکت کا مؤجب بنتی ہیں۔ کیونکہ یہ التباس Illusion یعنی: Illusion are mispercepion of the environment. (74) کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کی قوم نے الودّ کو متعارف کروا کے اختیار کیا۔ یعنی نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اور اس بت کے درمیان رابطۂ محبت۔ اس اعتقاد نے لوگوں کو دین فطرت سے جدا کر دیا۔ اور موجودہ دور کی مادہ پرستی اسی اعتقاد کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جیسے عشق مجازی کی صورت میں یا کسی اور حوالے سے شخصیت پرستی۔

انسانوں کے لئے دراصل محبت کی چار بنیادیں ہوسکتی ہیں:۔

تعلق کی مختلف بنیادیں:

Different Bases of the relationship:-

☆ ......خونی وعنصری رشتہ کی بنیاد — 1) Blood and element wise relationship

☆ ......نفسیاتی تعلق کی بنیاد — 2) Psychological wise relationship

☆ ......وجودی و مادی تعلق کی بنیاد — 3) Physiological & Material wise relationship

☆ ......روحانی و مذہبی تعلق کی بنیاد — 4) Spiritual & Religion wise relationship

ان میں سے ہر بنیاد خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن ان بنیادوں اور تعلقات کی حدود ایک دوسرے سے جدا بھی ہوسکتی ہیں۔ ایسی صورت میں تصادم برپا ہوگا۔ تصادم کے خاتمے کے لئے ان میں سے ایک کا چناؤ ضروری ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ تصادم بنیادی اختلافات کی بناء پر ہوتا ہے۔ اور یہ اختلاف نظریے کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ودّ کے مفہوم اور مودّۃ کی بنیادوں کے حوالے سے ہم نظریۂ محبت کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ تاکہ فلسفۂ زندگی کی بنیاد کا حقیقتاً پتہ چلانے میں آسانی ہو۔

۱)...... دینی نظریۂ مودّۃ

۲)...... لادینی نظریہ مودّۃ

۱)...... دینی نظریہ مودّۃ بطور رحمت:۔

الـــــــودود (۷۵) اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔لہٰذا دینی نظریۂ مؤدۃ انسان کے نفسیاتی، حیاتیاتی اور روحانی تقاضوں کو بھرپور طریقے سے پورا کرتا ہے۔نفسیاتی تقاضوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ:۔

سیجعل لهم الرحمن ودًا (۷۶)

ترجمہ:۔ رحمٰن ان کی محبت لوگوں پر فرض قرار دے گا۔

فسوف یاتی اللّٰه بقوم یحبّهم ویحبّونهٗ (۷۷)

ترجمہ:۔ تو عنقریب اللہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن سے وہ محبت کرتا ہے اور جو اس سے محبت کرتے ہیں۔

روحانی اور حیاتیاتی تقاضوں کی بابت فرماتا ہے کہ محبت ایک فطری جذبہ ہے اور فطرت کی حدود ہوتی ہیں لہٰذا محبت شرعی تعلق کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اور دائم ہوتی ہے۔اس کی انتہا عشق الٰہی ہے بصورت دیگر جو حدود کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ محبت نہیں وہ لذت Pleasure ہوتی ہے جو جزوقتی ثابت ہوتی ہے۔اس کی انتہا ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

ومن ایٰتهٖ ان خلق لکم مّن انفسکم ازواجًا لّتسکنوٓا الیها وجعل بینکم مّؤدّة ورحمةً ط انّ فی ذٰلک لاٰیٰت لّقوم یّتفکّرون ○ ومن آیٰته خلق السّمٰوٰت والارض واختلاف السنتکم والوانکم ط انّ فی ذٰلک لاٰیٰتٍ لّلعٰلمین ○ (۷۸)

ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہارے نفسوں میں سے جوڑے خلق کئے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور تمہارے مابین اس نے محبت و ہمدردی پیدا کردی۔ بے شک اس میں غوروفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور تمہاری رنگتوں میں اختلاف ہے بے شک اس میں صاحبان علم کے لئے نشانیاں ہیں۔

لادینی نظریہ مؤدۃ بطور لعنت:۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے انسانوں کے لئے دینی نظریۂ مودۃ بطور رحمت قرار دیا ہے۔علاوہ ازیں اس سے اختلاف لعنت ہے انسانوں کے لئے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر جذبۂ مودّۃ میں اختلاف کیونکر ہوسکتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وقال انّما اتّخذتم من دون اللّٰه اوثانًا لا مّودّة بینکم فی الحیوٰة الدّنیا ج ثمّ یوم القیٰمة یکفر بعضکم ببعض وّیلعن بعضکم بعضًا ز وّ ماوٰکم النّار وما لکم من نّٰصرین ○ ق (۷۹)

ترجمہ:۔ اور کہا کہ تم تو بس کمینی زندگی میں آپس کی محبت کے تحت اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پکڑے ہوئے ہو۔ پھر

قیامت کے دن ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہوگا اور تمہارے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

اختلاف کی نفسیاتی وجہ:۔

درج بالا آیت کریمہ اس اختلاف کی بنیادی نفسیاتی وجہ بیان کر رہی ہے کہ یہ اختلاف آپس کی بے جا محبت کی بدولت ہوا۔ اس لئے کہ حضرت انسان نے اپنے لئے دنیاوی زندگی کا چناؤ کر لیا۔ اور اخروی زندگی کو ٹھکرا دیا۔ حضرت انسان اللہ تعالیٰ کے قائم شدہ نظام طبعی کو تو نہ تو روک سکا، لیکن اس نے خود کو دنیاوی چیزوں، حسن، اولاد، مال، شہرت، اقتدار، عہدہ وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔ اور ان چیزوں کی محبت میں اس قدر آگے بڑھ گیا کہ حرص و ہوس کی انتہا کو چھونے لگا۔

ولتجدنهم احرص الناس علٰى حيوٰةٍ ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة وماهو بمزحزحه من العذاب ان يعمر والله بصير بما يعملون ○ (۸۰)

ترجمہ:۔ اور بے شک تم انہیں حیات کے لئے سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور جنہوں نے شرک کیا ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال تک زندہ رہے اور وہ ان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کو دیکھنے والا ہے۔

دوست کی پہچان:۔

چونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو ان مشرکین کی دوستی کے نتائج بتاتے ہوئے فرماتا ہے کہ مومنین اس دوست نما دشمن کو پہچان کر خود کو خسارے سے محفوظ کر لے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

يٰايها الذين اٰمنوا لا تتخذوا بطانة من دونكم لا يالونكم خبالا ودوا ما عنتم قد بدت البغضآء من افواههم وما تخفي صدورهم اكبر قد بينا لكم الاٰيٰت ان كنتم تعقلون ○ (۸۱)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو، اپنے اغیار کو جگری دوست نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے وہ تو تمہاری بربادی کے خواہش مند ہیں۔ ان کا بغض ان کی زبان سے ظاہر ہے اور جو کچھ ان کے دلوں میں مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے یقیناً ہم تو تمہارے لئے نشانیوں کو وضاحت سے بیان کر دیتے ہیں اگر تم عقل سے کام لو۔

عذاب سے بچنے کا طریقہ مع مقصد وحکمت یعنی اللہ سے محبت، گناہوں سے نفرت:۔

لہٰذا اگر ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرتے ہیں تو ہمیں رسول کی آواز پر لبیک اور سمعنا واطعنا کہنا ہوگا۔ تاکہ دیگر قوموں کی طرح ہلاکت وتباہی بربادی سے بچ سکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ويٰقوم لا يجرمنكم شقاقي ان يصيبكم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم هود او قوم صٰلح وما قوم لوط منكم ببعيد ○ واستغفروا ربكم ثم توبوا اليه ان ربي رحيم ودود ○ (۸۲)

ترجمہ:۔ اور اے میری قوم مجھ سے اختلاف تمہیں مجرم نہ بنا دے کہ تم پر بھی اسی کی مثل عذاب آ پڑے جیسا کہ قوم نوح پر آیا، قوم ہود پر یا قوم صالح پر پڑا تھا اور قوم لوط تو تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اور اپنے رب سے مغفرت چاہو، پھر اسی کی طرف رجوع کر دبے شک میرا پروردگار رحیم محبت کرنے والا ہے۔

موجودہ زندگی میں خسارے سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خالصتاً اللہ سے محبت کرے۔ اللہ کی محبت پر حیات دنیا کی چیزوں کو فوقیت نہ دے۔ اور کبھی خود کو حاسدوں کے سپرد نہ کرے۔ کیونکہ ان کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ خود تو راہ حق سے ہٹ گئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ دیگر لوگ بھی اس سے ہٹ جائیں اس لئے اللہ فرماتا ہے کہ:۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ (۸۳)

ترجمہ:۔ اور اہل کتاب میں سے انکار کرنے والے اور مشرکین پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی خیر نازل ہو۔ اور اللہ تو اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے۔ اور اللہ تو بڑا صاحب فضل ہے۔

اب اس کا انحصار خود انسان پر ہے کہ آیا کہ وہ مشرکین کی ترغیب کو اہمیت دے یا پھر فضل العظیم کو۔ بے شک ساری محبتیں ساری رحمتیں اللہ کے حکم کو ماننے والوں کے لئے ہیں۔ کیونکہ وہ مشیئت ایزدی کے خواہاں ہوتے ہیں۔

سواع اور سزا و جزا کا تصور قیاس یا حقیقت
قرآن کی روشنی میں ایک نفسیاتی تجزیہ

سواعاً کا مادہ س و ع ہے سوع کے معنی:

السّاعة جزءمن الزّمان و يعبربه عن القيامة. وسواع اسم صنم(۸۴)

اردو مفہوم:۔ الساعۃ اجزاء زمانہ میں سے ایک جز کا نام ہے۔ نیز الساعۃ بول کر قیامت بھی مراد لی جاتی ہے۔ سواع ایک بت کا نام ہے جسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پوجا کرتی تھی۔

ان معنی سے یہ مفہوم با آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس مادہ میں اصلی معنی ہلاکت وزوال کے ہوتے ہیں۔ مگر ہر گزرنے والا لمحہ اپنی نتیجہ خیزی کا حامل ہے۔ مثلاً نہ تو انسانی زندگی موت سے ختم ہوتی ہے اور نہ ہی اعمال کے نتائج کا سلسلہ یہیں منقطع ہو جاتا ہے۔ اسی نسبت کے تحت زندگی بعد الموت کے لمحات کو الساعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ وہ ساعات جن سے قیامت مراد ہوتی ہے وہ تین ہیں۔

۱) السّاعة الكبرىٰ وهى بعث النّاس للمحاسبة

۲) والسّاعة الوسطىٰ وهى موت اهل القرن الواحد

۳) والسّاعة الصغرىٰ وهى موت الانسان فساعة كل انسان موته.(۸۵)

اوّل الذکر کے تحت لوگوں کو محاسبہ کے لئے اٹھانا یا دوبارہ زندہ کرنا۔ اور ثانی الذکر کے تحت ایک قرن کے تمام لوگ گزر جانے سے عبارت ہے۔ اور مذکورہ ثلاثہ سے مراد یہ ہے کہ انسان کی موت سے عبارت ہے۔ یعنی ہر انسان کی موت اس کے لئے قیامت ہی تو ہے۔

سچ تو یہ ہے انسان تو اس وقت ہی مر جاتا ہے کہ جب وہ وقت کی نتیجہ خیزی اپنی تولیدی فکر سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ جیسا کہ قوم نوحؑ نے سواعا کی صورت میں اپنی تولیدی فکر کو جنم دیا تو ہلاکت و بربادی کو اپنا مقدر بنالیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ایسی فکر کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں اور وہ بڑے زور و شور سے کہتے ہیں کہ:۔

ویقولون متٰی ھٰذا الوعد ان کنتم صٰدقین ○ قل لآ املک لنفسی ضرّاً وّلا نفعا الّا ماشآء اللّٰہ ؕ لکل امّةٍ اجلٌ ؕ اذا جآء اجلھم فلایستاخرون ساعة وّلایستقدمون ○ قل ارئیتم ان اتٰکم عذابہٗ بیاتاً اونھاراً مّا ذایستعجل منه المجرمون ○ اَثمّ اذا ما وقع اٰمنتم بہٖ ؕ آلٰن وقد کنتم بہٖ تستعجلون ○ (۸۶)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ وہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہہ دے کہ میں اپنے نفس کے لئے کسی سود و زیاں پر قادر نہیں ہوں سوائے اس کے جو اللہ چاہے ہر امت کے لئے ایک وقت معین ہے پس جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ وہ ایک ساعت تاخیر اور نہ ہی تعجیل کر سکتے ہیں۔ کہہ دے ذرا غور تو کرو اگر اس کا عذاب تم پر کسی رات یا کسی دن بھی آ سکتا ہے تو مجرم اس میں کیوں تعجیل کرتے ہیں۔ پھر کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے جبکہ وہ واقع ہو چکی ہوگی؟ اب یہی تو ہے جس کے لئے تم تعجیل چاہتے تھے۔

مذکورہ بالا آیات میں حقیقت سے آگاہی کے لئے تو رسول سے کہلوا دیا مگر دوسری جانب رسول کو یقین کی معراج کا ذکر کر کے فرمایا کہ:۔

واِمّا نرینّک بعض الّذی نعدھم اونتوفّینّک فالینا مرجعھم ثمّ اللّٰہ شھید علٰی مایفعلون ○ (۸۷)

ترجمہ:۔ اور خواہ ہم تجھے اس میں سے کچھ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا تجھے وفات دیں، بہر حال ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر اللہ ان پر چشم دید گواہ ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ رسول کو ان کی کیفیت نفسی سے باخبر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

ومایؤمن اکثرھم باللّٰہ الّا وھم مّشرکون ○ افامنوآ ان تاتیھم غاشیة مّن عذاب اللّٰہ اوتاتیھم السّاعة بغتة وّھم لایشعرون ○ (۸۸)

ترجمہ:۔ اور ان کی اکثریت اللہ پر ایمان نہیں لاتی مگر اس طرح کہ وہ مشرک ہیں۔ کیا وہ اپنے آپ کو اس سے امان میں خیال کرتے ہیں کہ ان پر اللہ کا چھا جانے والا عذاب آ جائے یا اچانک ان پر قیامت آ جائے اس حالت میں کہ وہ بے شعور ہوں؟

دراصل سواع کے پجاری روز جزا کی نتیجہ خیزی سے انکار کرتے ہیں۔ اس لئے جب حضرت نوحؑ کی دعوت سنی

تو کہا کہ تم وڈ اور سواع کو نہ ترک کر دینا۔ (۸۹) نبی کی موجودگی میں لوگوں نے ان کی بات مان لی جو کہ فقط دنیا دار طبقہ کہلاتے ہیں۔ دراصل یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اصلاح فی الارض یعنی زمین میں اصلاح کرنے والے کا نعرہ لگاتے ہیں۔ حالانکہ وہ بے شعوری میں فساد فی الارض کر رہے ہوتے ہیں۔

دنیا پرستوں کا دعویٰ اور قرآن :۔

مادہ پرستوں اور اختلاف کرنے والوں کی اکثریت ''الساعۃ'' کو نتیجہ خیز تصور نہیں کرتی۔ بلکہ وقت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ:۔

وقالوا ما ھی الّاحیاتنا الدّنیا نموت ونحیا وما یھلکنا الّا الدّھرؕ ومالھم بذٰلک من علمٍؕ ان ھم الّا یظنّون○ (۹۰)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ فقط یہ دنیاوی زندگی ہی ہماری زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں تو بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے حالانکہ انہیں اس کا علم نہیں وہ صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے ہیں۔

ساعت کا علم :۔

دنیا پرستوں کا یہ دعویٰ کہ ہمیں تو بس زمانہ ہلاک کرتا ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں علم قلیل ہی حاصل ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ساعت کا علم اللہ کے پاس ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

یسئلک النّاس عن السّاعۃ قل انّما علمھا عند اللّٰہؕ ومایدریک لعلّ السّاعۃ تکون قریبًا○ (۹۱)

ترجمہ:۔ لوگ تجھ سے ساعت کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دے کہ اس کا علم صرف اللہ ہی کو ہے اور تو کیا جانے کہ شاید وہ ساعت قریب ہی ہو۔

شاید قیامت کو ساعۃ کہنا سرعت حساب میں تشبیہہ کے طور پر ہے۔ (۹۲)

ساعت کے علم کی نوعیت :۔

ساعت کے علم نوعیت نہایت حساس ہے اور یہ ایک مسلسل عمل ہے۔ شب و روز میں ایک دن ۲۴ گھنٹے کا ہوتا ہے اور گھنٹہ ۶۰ منٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور ایک منٹ ۶۰ سیکنڈ پر تو ایک سیکنڈ میں بھی بہت بڑا لمحہ ہے اللہ کی ساعت کی تیزی کا تو عالم یہ ہے کہ:۔

وللّٰہ غیب السّمٰوٰت والارضؕ وما امر السّاعۃ الّا کلمح البصر ھو اقربؕ انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ قدیر○ (۹۳)

ترجمہ:۔ اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے اور ساعت کا حکم تو چشم زدن کی بات ہے یا اس سے بھی جلد تر۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے امر الساعۃ تو چشم زدن سے بھی جلد تر ہے۔ اس لئے کہ وہ تو سرعتوں کا مالک ہے۔ اس کے پاس ہر شے کے خزانے ہیں اور کائناتی قوتیں حکم ربی کی بجا آوری کے لئے ہر دم تیار رہتی ہیں۔ جیسے ہی حکم دیا جائے گا۔ ہر ہر شے اس کی بجا آوری بجالائے گی پلک جھپکنے میں تو وقت درکار ہوتا ہے یہاں وقت کی تیزی کا یہ عالم ہوگا کہ ہم اس کی سرعت کا ادراک تک کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے پلک جھپکنے کے وقت سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

ساعت کے علم کا حوالہ:۔

ساعت ایک مسلسل گزرنے والا عمل ہے۔ ساعت کے علم کا حوالہ اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔ انفس و آفاق کی نشانیاں اس کا مظہر ہیں۔ مگر غور کرنے والوں کے لئے ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

الیہ یردّ علم السّاعۃ وما تخرج من ثمرات من اکمامھا وما تحمل من انثی ولا تضع الّا بعلمہٖ ویوم ینادیھم این شرکاء یؕ قالوا اٰذنّکؕ مامنّا من شھیدٍ ۝ (۹۴)

ترجمہ:۔ قیامت کی گھڑی کے علم کا حوالہ اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے غلاف میں سے نہیں نکلتا اور نہ ہی کوئی مادہ حمل اٹھاتی ہے اور وضع کرتی ہے مگر وہ اس کے علم میں ہوتا ہے اور جس دن وہ انہیں پکارے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم تیرے سامنے اعلان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی ان کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔

ساعت کے مخفی رکھنے کی منطق:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ساعت یعنی نتیجہ خیز لمحہ کو مخفی رکھنے کی منطق خاص یہ ہے کہ:۔

انّ السّاعۃ اٰتیۃ اکاد اُخفیھا لتجزٰی کلّ نفسٍ بما تسعٰی ۝ فلا یصدّنّک عنھا من لّا یؤمن بھا واتّبع ھوٰہ فتردٰی ۝ (۹۵)

ترجمہ:۔ یقیناً ساعت آنے والی ہے میں نے اسے مخفی رکھا ہے تاکہ ہر نفس اپنی سعی کے مطابق جزا دیا جائے پس وہ جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے تجھے اس سے نہ روکنے پائے مبادا تو ہلاک ہو جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر عمل جو انسان کرتا ہے اس کے نفس پر وہ ثبت ہو جاتا ہے اللہ نے اسے ہر انسان کے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔ یعنی ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کتاب کی صورت میں نکالیں گے جسے ہر انسان کھلا ہوا پائے گا۔ اور ہر انسان اسے خود پڑھے گا تاکہ اپنا خود ہی محاسبہ کر سکے۔ (۹۶)

اعمال کا پیمانہ:۔

انسانوں کے اعمال کو جانچنے کے لئے اللہ رب العزت نے پیمانہ تشکیل دیا ہوا ہے۔ دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے۔ جو کہ المیزان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

اللّٰہ الّذی انزل الکتٰب بالحقّ والمیزانؕ وما یدریک لعلّ السّاعۃ قریب (۹۷)

ترجمہ:۔ اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی اور تجھے کیا معلوم شاید کہ وہ ساعت قریب ہی ہو۔ میزان یعنی اچھائی و برائی کے معیار کو جانچنے کا پیمانہ، قانون شریعت، قاعدہ کہ جس کے مطابق سزا و جزا ملے گی۔

میزان کا قانون:۔

المیزان کا ایک قانون ہے۔ جو اس قانون کا اتباع کرے گا وہ کامیاب ہوگا اور جو اس سے انحراف کرے گا وہ ناکام ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

من کان یرید حرث الأخرة نزد لهٗ فی حرثهٖ ج ومن کان یرید حرث الدّنیا نؤته منها ومالهٗ فی الأخرة من نّصیب ○ (۹۸)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی آخرت کی کھیتی کا طلبگار ہوگا تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں اضافہ کردیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طلبگار ہوگا تو اسے اس میں سے کچھ دے دیں گے پھر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔

یعنی حرث الدنیا یا حرث الاخرۃ ان میں سے جس کھیتی میں بھی انسان اضافہ کرے گا۔ اس کا انحصار اس کی اپنی پسند پر ہوگا۔ یعنی Its yours choice لہٰذا جیسی پسند ہوگی اسی کے مطابق کتاب بولے گی۔

کتاب اور حق:۔

ہر انسان جو اپنے ہاتھوں سے کمائے گا کتاب وہی حق ہی حق بولے گی۔ یعنی کتاب کو نطق قوت گویائی بخشی جائے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوگا کہ:۔

هٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحقّ ط انّا کنّا نستنسخ ما کنتم تعملون ○ (۹۹)

ترجمہ:۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تم پر حق ہی حق بولے گی ہم تو لکھتے رہتے تھے جو کچھ بھی تم کیا کرتے تھے۔

یعنی جیسا انسان نے عمل کیا ہوگا ویسا ہی پائے گا۔ اس میں کوئی معمولی سی بھی غلطی نہ ہوگی اور یہی حق ہے۔

اصول مشیئت کی اطلاقی کیفیت:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کی بھلائی چاہتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مخلوق سے بے حد محبت کرتا ہے اسی لئے اللہ نے ساعۃ کی حقیقت کو متعارف کرایا ہے تاکہ انسان قیاس آرائیوں کی دلدل سے نکل کر روشن خیال بن جائے۔ اور اپنے عمل کو سنوار لے اس سے پہلے کہ ساعت قائم ہو۔ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ انسان سے وحی کے دوسرے طریقے Indirect Method کو اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

قل ارءیتکم ان اتٰکم عذاب اللّٰه او اتتکم السّاعة اغیر اللّٰه تدعون ج ان کنتم صٰدقین ○ بل ایّاه تدعون فیکشف ماتدعون الیه ان شآء وتنسون ما تشرکون ع ○ (۱۰۰)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ کیا تم خیال نہیں کرتے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آ پڑے یا تم پر گھڑی آ پہنچے تو اگر تم سچے ہو تو کیا تم اللہ کے غیر کو پکارو گے؟ بلکہ تم اسی کو پکارو گے اور اگر وہ چاہے تو اس کو دور کردے گا جس کے لئے تم نے اسے پکارا تھا

اور تم اس شرک کو جو تم کیا کرتے تھے بھول جاؤ گے۔

اصول نسیان کی اطلاقی صورت :۔

بصورت دیگر وحی سے انحراف کا نتیجہ النار ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا طریقہ ہے۔ کہ اگر درج بالا آیت کے حکم کی پیروی کرو گے تو اس کے مطابق جزا دیئے جاؤ گے۔ اللہ اپنی نظام مشیٔت کے تحت اسے معاف کر دے گا۔ البتہ انحراف کی صورت میں ''اصول نسیان'' کے تحت سزا ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ :۔

وقیل الیوم ننسٰکم کما نسیتم لقآء یومکم ھٰذا وماوٰکم النّار ومالکم مّن نّٰصرین○ (۱۰۱)

ترجمہ:۔ اور کہا جائے گا کہ آج کے دن ہم نے تمہیں بھلا دیا اسی طرح جس طرح کہ تم نے ہماری آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔ اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

اصول نسیان کی وجہ :۔

اصول نسیان ان لوگوں پر لاگو ہوگا جنہوں نے ھزو کیا ہوگا اور حیات دنیا کو کل سمجھا ہوگا۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

ذٰلکم بانّکم اتّخذتم اٰیٰت اللّٰہ ھزوا وّغرّتکم الحیوٰۃ الدّنیاج فالیوم لا یخرجون منھا ولاھم یُستعتبون○ (۱۰۲)

ترجمہ:۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ تم نے اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا۔ حیات دنیا نے تمہیں دھوکہ دیا پس اس دن وہ اس سے باہر نہ نکل پائیں گے۔ اور نہ ہی خوشنودی حاصل کر سکیں گے۔

لہٰذا آج ضروری ہے کہ منکرین روز جزا کی بطل پرستی کو خیر باد کہہ دیا جائے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی کبریائی اسی کے لئے ہے۔ اور وہ زبردست صاحب حکمت ہے۔ اس کی خوشنودی کے بغیر نجات ممکن نہیں۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ وہ ساعت آئے بہتر ہے کہ اللہ کے اصول مشیٔت سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے۔

یغوث اور تصور مدد کی نفسی بنیاد (قرآن کی روشنی میں)

یغوث (غ و ث) قال فی النصرۃ، واستغثتہٗ طلبت الغوث اوالغیث فاغاثنی من الغوث و غاثنی من الغیث وغوثت من الغوث(۱۰۳)

اردو مفہوم:۔ الغوث کے معنی مدد اور استغثتہٗ کے معنی کسی کو مدد کے لئے پکارنا۔ یا اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرنا آتے ہیں جبکہ اس کے معنی مدد طلب کرنا ہے۔ تو اس کا مطاوع اغاثنی آئے گا مگر جب اس کے معنی بارش طلب کرنا ہو تو اس کا مطاوع غاثنی آتا ہے اور غوثت میں نے اس کی مدد کی یہ بھی غوث سے ہی مشتق ہے۔ جس کے معنی مدد کے ہیں۔

یغوث اسم۔ غوث یعنی مدد کرنے والا اور یا حرف پکار ہے۔ جسے حرف ندا بھی کہتے ہیں۔ اس طرح یغوث

کے معنی وہ طاقت وہ علامت مجسم جو کہ مصیبت کو دفع کر دے۔ خواہ وہ مصیبت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ بس پکارتے ہی مدد مل جائے۔ یعنی ہر جگہ، ہر موقع اور ہر لحہ اعانت کرنے والی قوت مراد ہے۔ اس تصور کی عکاسی اس کی نفسی بنیاد میں پنہاں ہے۔

یغوث کی نفسی بنیاد انکار آخرت اور قرآن:۔

والّذی قال لو الدیہ اف لّکمآ اتعدٰننی ان اخرج و قد خلت القرون من قبلیج و ھما یستغیثٰن اللّٰہ ویلک اٰمن ان وعد اللّٰہ حقّ فیقول ماھٰذا الّا اساطیر الاوّلین○ (۱۰۴)

ترجمہ:۔ اور وہ جس نے اپنے والدین سے کہا اف ہے تم پر کیا تم دونوں مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا جبکہ میرے پیچھے صدیاں گزر چکی ہوں گی اور وہ دونوں اللہ سے فریاد کرتے ہوئے کہیں گے کہ حیف ہے تجھ پر تو ایمان لے آ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ یہی کہتا رہے کہ یہ پرانے قصے کہانیوں کے سوا اور کیا ہے؟

وعدۂ حق پر شک:۔

انسان اگر انفس و آفاق پر غور کرے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کی حیثیت تو اس کائنات میں معمولی سے معمولی ترین ذرے کی طرح ہے جسے ذرا خبر نہیں کہ وہ جب قابل ذکر نہ تھا تو پھر کہاں تھا؟ کس صورت میں تھا؟ تھا بھی، یا نہیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کو کچھ خبر نہیں نہ اپنی حقیقت کا علم ہے نہ کائنات کی حقیقت کار کا، انسان کہاں سے آیا ہے؟ کیوں آیا ہے؟ کہاں جانا ہے؟ ان تمام انسانی ذہن میں ابھرنے والے سوالوں کا جواب دین اسلام نے واضح طور پر دیا ہے۔ اور دوسری طرف نظام انفس و آفاق اس بات کا مظہر ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی ہے۔ اور دوئم یہ کہ یہ تخلیق با مقصد ہے اور سوئم یہ کہ نتیجہ خیز ہے یعنی اس کا انجام ہے چونکہ ابتداء ہے اس لئے انتہا بھی ہے اور اس سارے عمل کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جامع نظام تشکیل دیا ہوا ہے۔ جو کہ امر و خلق اور خلق وحق کے گرد گھومتا ہے۔ اور حق کا مقصد ہے انجام تک پہنچانا۔

درج بالا آیت کریمہ میں بھی انسان اس نظام حق کے بارے میں شک میں مبتلا ہے جبکہ انسان کو شک میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انفس و آفاق کی نشانیاں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جن کا ذکر اگلی آیات میں کیا جائے گا۔ بہر حال جو لوگ محض دنیاوی زندگی کو ہی حقیقت مان لیتے ہیں۔ ان کا فلسفۂ زندگی فقط دنیاوی زندگی تک محدود ہو جاتا ہے۔ لیکن!!! اندر کے خوف سے نجات کے لئے انہیں فلسفۂ حق کے بالمقابل فلسفۂ باطل لانا ہی پڑتا ہے۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تب انسان اللہ کے حکم کے تابع فرمان نہیں رہتا۔ بلکہ مخلوق کی تولیدی فکر کا غلام بن جاتا ہے۔ یہ سب کچھ کیونکر ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اپنے ہی نفس کے دام فریب میں آ جاتا ہے۔ بالکل ایسا ہی دھوکہ کھایا قوم نوح نے۔ اس نے اللہ کے بجائے ایک علامت بنائی اور اسے یغوث گردان کر الٰہ مانا۔ لیکن اس کا حال کیا ہوا؟ طوفان سے

یغوث نے انہیں کیوں نہ بچالیا؟ کیا ابن نوح خود کو بچا سکا؟ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہی ہوگا۔ تو پھر بھلا پتھر کا صنم خود کو کیسے بچا تا؟ کیونکہ واہمہ حقیقت نہیں بن سکتا بلکہ سراب ہی ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا یغوث قوم نوحؑ کا وہ واہمہ تھا جس کا کوئی وجود نہ تھا لہٰذا ساری قوم کو ساتھ لے ڈوبا۔ آج بھی جو اللہ کے علاوہ کائنات کی کسی بھی شے کو یا پھر شے سے کوئی وجود بنا کر اسے یغوث کہہ کر پکارے گا۔ تو اسی طرح تباہ و برباد ہوگا۔ جس طرح قوم نوحؑ کا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یغوث معبود باطل ہے تو پھر سچے الہٰ کی شان کیا ہے؟

اصول مشاہدہ کی روشنی میں اللہ حق باقی سب معبودان باطل:۔

قرآن عظیم انسان کو شک کی پستیوں سے نکال کر یقین کے سفر معراج پر گامزن کرتا ہے یہ انسان خواہ کافر ہو یا مومن جب اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل نکلتا ہے تو پھر بلندیوں کی جانب رخت سفر باندھ لیتا ہے۔ بالکل ایسا ہی درج ذیل آیت میں فلسفہ یغوث کے پیروکاروں کو مشاہدہ کروا رہا ہے تاکہ حقیقت شان الٰہی کا ادراک با آسانی کیا جا سکے۔

اذتستغیثون ربکم فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملٰئکة مردفین ○ وما جعله اللّٰه الابشرٰی ولتطمئن به قلوبکم وما النصر الامن عنداللّٰه ان اللّٰه عزیزحکیم ○ (۱۰۵)

ترجمہ:۔ جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہاری مدد ایک ہزار قطار اندر قطار آنے والے ملائکہ سے کروں گا اور یہ تو اللہ نے اس لئے کیا کہ خوشخبری ہو اور تاکہ تمہارے قلوب کو اس سے مطمئن کرے اور حقیقی مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

اللہ تعالٰی اپنی آیات کے ذریعے سے اپنی خارجی و باطنی شان حقیقی کا ادراک جو مخلوق سے پوشیدہ ہیں ان کا نظر آنے والی حقیقتوں کی جانب متوجہ کر کے حق کا یقین کی آموزش کرا رہا ہے۔ کیونکہ جو صفات مالک حقیقی رکھتا ہے وہ معبودان باطل ہرگز، ہرگز نہیں رکھتے۔ وہ تو نہ سن سکتے ہیں کسی کی فریاد، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں۔ حقیقی طور پر مدد کرنے والی ذات فقط اس ہستی کی ہے جو عزیز ہے جو حکیم ہے۔

اجر خالصتاً عمل کی بنیاد پر:۔

اجر کی بنیاد عمل پر ہے۔ عمل صالح ہے تو پھر حق ہے ورنہ باطل کے سوا کچھ نہیں فلسفۂ باطل کے پیروکاروں سے رب فرماتا ہے کہ:۔

وقل الحق من ربکم فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفر انآ اعتدنا للظٰلمین نارا احاط بهم سرادقها وان یستغیثوا یغاثوا بمآء کالمهل یشوی الوجوه بئس الشراب وساءت مرتفقا ○ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت انا لانضیع اجر من احسن عملا ○ (۱۰۶)

ترجمہ:۔ پس کہہ دے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کردے۔

بے شک ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں انہیں گھیر لیں گی اور اگر وہ پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اس پگھلے ہوئے تانبے جیسے پانی سے کی جائے گی جو ان کے منہ کو جلا دے گا۔ وہ کیا ہی بری پینے کی چیز ہوگی۔ اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہوگا بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجالائے ہم ان کے اچھے اعمال کی جزا کو ضائع نہیں کریں گے۔

اللہ تعالیٰ دراصل انسان کو دنیاوی زندگی کے بارے میں فلسفۂ باطل کی بے وقعتی سے آگاہ فرمارہا ہے۔ تاکہ انسان اپنے اختیار Option کو صحیح طور پر استعمال کرنے کے قابل ہو جائے۔ اور جان لے کہ اللہ ہی وہ ہستی ہے جو اس تمام کارخانۂ قدرت کو با آسانی چلا رہا ہے۔ اور اس سے باخبر بھی ہے وہی مددگار ہے اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ لہٰذا اگر انسان واقعی اللہ کی مدد چاہتا ہے تو وہ ان لوگوں کی بات کی جانب دھیان نہ دے کہ جن لوگوں کی اللہ نے مال و دولت کی کثرت اور بیٹوں کے ذریعے آزمائش کی ہے۔ بلکہ اسے چاہئے کہ وہ حیات دنیا کی حقیقت کو سمجھے۔ تب آخرت کی حقیقت خود بخود سمجھ آجائے گی۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لعلّکم تتفکّرونO فی الدّنیا والآخرۃ(۱۰۷)

ترجمہ:۔ شاید کہ تم سوچو، دنیا اور آخرت کے بارے میں۔

حقیقت دنیا اور قرآن حکیم:۔

حقیقت دنیا سے ہم اس وقت تک باخبر نہیں رہ سکتے جب تک ہم یہ نہ جان لیں کہ دنیا سے کیا مراد ہے؟

امام راغب کہتے ہیں کہ:۔

الدنو لقرب بالذّات اوبالحکم ویستعمل فی المکان والزمان والمنزلۃ. وتارۃ عن الارذل فیقابل بالخیر نحو.(۱۰۸)

اردو مفہوم:۔ دنیا الدنو سے ماخوذ ہے اس کے معنی قریب ہونے کے ہیں اور یہ قرب ذاتی، حکمی، مکانی، زمانی اور قرب بلحاظ مرتبہ کے بھی شامل ہے۔ اور یہ کہ کبھی خیر کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے جیسے ارذل۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ دنیا کی نوعیت کیا ہے؟ اور اس کا آخرۃ سے کیا تعلق ہے؟ تو اس کی وضاحت بھی اس لفظ سے ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ:۔

منناول للا حوال الّتی وی لانشأۃ الاولی وما یکون فی النّشأۃ الاخرۃویقال دانیت بین الامرین وادنیت احد هما من الاخرۃ(۱۰۹)

اردو مفہوم:۔ دنیا یعنی اوّل یعنی نشأۃ اولیٰ اور الاخرۃ نشأۃ ثانیہ کے احوال کے لئے استعمال ہوتا ہے اس طرح دنیا و آخرت دونوں کے احوال اس میں شامل ہیں۔ یعنی دو چیزوں کو باہم قریب کرتا یا ایک چیز کو دوسری کے قریب کرنا کے ہیں۔

درج بالا مفہوم سے لفظ دنیا کی نوعیت عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ دنیا ایک عارضی قیام گاہ ہے جس کا کام فقط آخرت سے قریب کرنا کے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر دنیا کی معرفت کیا ہے؟

اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ آیا ہے تاکہ ہر کس و ناکس اس کی معرفت سے متعارف ہو سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

اعلموآ انّما الحیوٰة الدّنیا لعب وّلھو وّزینة وتفاخرٌ بینکم و تکاثر فی الاموال والاولادط (۱۱۰)

ترجمہ:۔ خوب جان لو کہ یہ کمینی زندگی تو کھیل کود اور ظاہری نمائش اور آپس میں تمہارا ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں زیادتی کی ہوس ہی ہے۔

دنیا کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہمیں بزبانِ نوحؑ اس مذکورہ شخص کے فلسفۂ باطل کی جانب توجہ دینی ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت کی نافرمانی کر کے قوم کو حکم دیا کہ وہ اپنے موجودہ معبودوں کی پرستش جاری رکھیں اور اسے ہرگز نہ چھوڑیں۔ اس شخص کے بارے میں ہم صرف اتنا ہی کہیں گے کہ قرآن نے جو اس کی رذالت کا ذکر کیا ہے اسے ضرور مدنظر رکھیں۔ آیات مبارکہ ملاحظہ ہو:۔

قال نوح رّبّ انّھم عصونی واتّبعوا من لّم یزده مالهٗ وولدهٗ الّا خسارا ○ج ومکروا مکرا کبّارا ○ج وقالوا لاتذرنّ الھتکم ولا تذرنّ ودّا وّلاسواعاً ە وّلا یغوث ویعوق ونسرا ○ج (۱۱۱)

ترجمہ:۔ نوح نے کہا اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس شخص کی پیروی کی ہے جس کے مال واولاد نے اس کے خسارے میں ہی زیادتی کی۔ اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں۔ اور انہوں نے کہا کہ تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

سچ تو یہ ہے کہ دنیا دار تو ایسا ہی کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں خود کو اس ہلاکت انگیزی سے بچانے کے لئے یہ سوچنا ہوگا کہ آخر دنیا کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن حکیم نے اس لئے ہماری رہنمائی فرمائی تاکہ ہم خود کو دنیا و آخرت دونوں کے خسارے سے محفوظ رکھ سکیں۔ لہٰذا آیت کریمہ میں حیات دنیا کی مکمل حقیقت و جامع تصویر پیش کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

اعلموآ انّما الحیوٰة الدّنیا لعب وّلھو وّزینة وّتفاخرٌ بینکم و تکاثر فی الاموال والاولادط کمثل غیثٍ اعجب الکفّار نباتهٗ ثمّ یھیج فتراٰه مصفرّا ثم یکون حطاماً ط وفی الاٰخرة عذاب شدیدٌ لا ومغفرة مّن اللّٰه ورضوانٌ ط وما الحیوٰة الدّنیآ الّا متاع الغرور ○ (۱۱۲)

ترجمہ:۔ خوب جان لو کہ یہ کمینی زندگی تو کھیل کود اور ظاہری نمائش اور آپس میں تمہارا ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں زیادتی کی ہوس ہی ہے اس کی مثال تو بارش کی سی ہے جس سے ہونے والی پیداوار کاشتکار کو خوش کرتی ہے پھر وہ لہلہاتی ہے پھر تو اسے زرد ہوتے ہوئے دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور اللہ کی مغفرت اور خوشنودی ہے اور یہ کمینی زندگی ہے کیا سوائے دھوکے کی ٹٹی کے۔

اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کی وسیع مغفرت کی جانب دوڑیں معبوان باطل کی جانب نہیں۔ یاد رہے کہ جو دعوت الٰہی پر لبیک کہہ کر مغفرت کے لئے دوڑے تو اللہ انہیں دنیا اور آخرت دونوں میں خوبیوں سے نوازے گا۔

واٰتینٰہ فی الدّنیا حسنۃً وانّہٗ فی الاٰخرۃ لمن الصّالحین۝ (۱۱۳)

ترجمہ:۔ اور ہم نے انہیں دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

بصورت دیگر معبودان باطل کے پیروکاروں کا حال یہ ہوگا کہ:۔

خسر الدّنیا والاٰخرۃ (۱۱۴)

ترجمہ:۔ اس نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی۔

قوم نوحؑ کا حال کسی سے ڈھکا چھپا نہیں۔ اللہ ہم سب کو معرفت حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قرآنی فلسفۂ موت وحیات اور قدیم تصور یعوق

یعوق:۔ (بلحاظ معنی ومفہوم)

عوق، ع و ق: العائق الصّارف عمایرادمن خیر ومنہ عوائق الدّھر یقال عاقہٗ وعوّقہ واعتاقہٗ ویعوق اسم صنم (۱۱۵)

اردو مفہوم:۔ العائق وہ جو لوگوں کو خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہو۔ لوگوں کو ان کے مقاصد صالح سے اپنی طرف متوجہ کر لے۔ عاقہٗ، عوّقہ واعتاقہ کے معنی اس نے اسے روک دیا کے ہیں۔ اور یہ کہ حضرت نوحؑ کی قوم کے ایک بت کا نام ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ذہن انسانی کو اپنی جانب متوجہ کر کے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو مفقود و محدود کر کے اسے اپنے فلسفے کے تحت چلانا۔ ہر دور میں شیاطین، کفار، منافقین ومشرکین یہی طریقہ اپناتے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فلسفۂ موت وحیات ان کا اپنا تراشیدہ ہوتا ہے۔

علامہ وحید الزمان کے نزدیک ع وق کے معنی روکنا، پھیر دینا، باز رکھنا کے ہیں۔ (۱۱۶)

یعنی کہ وہ علامت جو لوگوں کو ہر نیک مقاصد سے روکنے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کی پوجا کا مطلب اس کے عتاب سے نجات ہی ہوسکتا ہے۔ قرآن حکیم والفرقان مجید میں ی ع وق کے مادہ کے ساتھ ایک مرتبہ آیا ہے اور ع وق اس کا مادہ لیا جائے تو یہ بھی ایک مرتبہ ہی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قدیعلم اللّٰہ المعوّقین منکم والقآئلین لاخوانھم ھلمّ الینا ولایاتون الباس الّاقلیلا۝ (۱۱۷)

ترجمہ:۔ یقیناً اللہ تم میں سے روکنے والوں کو اور اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والوں کو کہ ہمارے پاس چلے آؤ۔ خوب جانتا ہے اور وہ لڑائی میں بہت ہی کم آتے ہیں۔

باطل فلسفۂ موت وحیات :۔

مشرکین کے لئے دنیاوی زندگی ہی فقط زندگی ہے اس لئے ان کا فلسفہ حیات سے شروع ہو کر حیات پر ہی ختم ہوتا ہے ۔اسی لئے ان رد کنے والوں نے اپنے بھائیوں سے کیا کہا! قرآن حکیم نے اسے بھی بیان کیا ہے اور ساتھ ہی چیلنج بھی کر دیا:۔

الّذین قالوا لاخوانهم وقعد والواطاعونا ماقتلوا قل فادرؤا واعن انفسکم الموت ان کنتم صٰدقین○ (۱۱۸)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو خود بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ اگر وہ ہماری اطاعت کرتے تو قتل نہ کئے جاتے کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنے آپ سے موت کو ٹال دو۔

موت وحیات کے مفہوم سے ناواقفیت :۔

موت :۔انواع الموتبحسب انواع الحیاة، اوّل ما هوبازإالقوّة النّامية الموجودة فی الانسان والحیوانات والنبّات ،الثّانی زوال القوّة الحاسة الثالث زوال القوّة العاقلة وهی الجهالة.(۱۱۹)

اردو مفہوم:۔ الموت یہ حیات کی ضد ہے لٰہذا حیات کی طرح موت کی بھی قسمیں ہیں ۔اوّل قوت نامیہ جو کہ انسان ، حیوانات اور نباتات سب میں پائی جاتی ہے کے زوال کو موت کہتے ہیں ۔نوم حس وشعور کے زائل ہو جانے کو موت کہتے ہیں ۔سوم قوت عاقلہ کا زائل ہو جانا ۔اور اسی کا نام جہالت ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ موت وحیات کے مفہوم سے واقف نہیں اور نہ ہی ہو سکتے ہیں ۔اس لئے کہ ان پر تو موت اسی وقت وارد ہو گئی تھی جب انہوں نے اپنے ذہن کو مفقود ومحدود کر لیا تھا ۔یہ زندہ لوگ نہیں بلکہ چلتی پھرتی مردہ لاشیں ہیں ۔اسی حیثیت سے اللہ اہل ایمان کو آگاہ فرماتا ہے کہ:۔

یاایّها الّذین اٰمنو الاتکونوا کالّذین کفروا وقالو الاخوانهم اذاضربوافی الارض أو کانوا غزّی لّو کانوا عندنا ماما توا وما قتلوا لیجعل الله ذٰلک حسرة فی قلوبهم والله یحیي ویمیت والله بماتعملون بصیر○(۱۲۱)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو انکی طرح مت ہو جانا جنہوں نے کفر اختیار کیا اور اپنے بھائیوں کے بارے میں جب وہ سفر گئے یا انہوں نے جہاد کیا، کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ ہی قتل کئے جاتے ، یہ اس لئے ہے کہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے حالانکہ اللہ ہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور جو کچھ بھی وہ کرتے ہیں اللہ اس کو دیکھنے والا ہے ۔

قرآنی فلسفۂ موت وحیات:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی راہ میں مارے جانے والوں کی موت کو ''حیات'' سے تعبیر کیا ہے۔

ولا تحسبنّ الّذین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتاً بل احیآء عند ربّھم یرزقون ۝ فرحین بمآ اٰتٰھم اللّٰہ من فضلہٖ ویستبشرون بالّذین لم یلحقوا بھم مّن خلفھم الّا خوف علیھم ولاھم یحزنون ۝ یستبشرون بنعمة من اللّٰہ وفضلٍ وّ انّ اللّٰہ لایضیع اجر المؤمنین ۝ (۱۲۲)

ترجمہ:۔ اور جولوگ راہ خدا میں قتل ہوئے تم ان کو ہرگز مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں اور وہ اس سے جواللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے بہت خوش ہیں اور وہ ان کے بارے میں جو ان کے پیچھے رہ گئے ہیں اور ابھی ان سے نہیں ملے خوشیاں مناتے ہیں کہ ان پر نہ جو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ آزردہ خاطر ہوں گے اور وہ اللہ کی نعمت اور فضل پا کر خوشیاں منا رہے ہیں اور بے شک اللہ صاحبان ایمان کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

جہاد بطور آزمائش:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس طرح تو میں ایمان والوں اور منافقوں کی جانچ کرتا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وما اصابکم یوم التقی الجمعٰن فباذن اللّٰہ ولیعلم المؤمنین ۝ ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللّٰہ اوادفعوا قالوالو نعلم قتالا لااتبعنکم ھم للکفر یومئذٍ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم مّالیس فی قلوبھم واللّٰہ اعلم بما یکتمون ۝ (۱۲۳)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ ہر دو گروہوں کے مقابلہ کے دن بیتی وہ اللہ کے حکم سے ہی تھی تاکہ وہ ایمان والوں کو جانچ کرلے۔ اور منافقوں کی بھی جانچ کرلے اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا دفاع ہی کرو، تو انہوں نے کہا کہ اگر ہم لڑنا چاہتے تو ضرور تمہاری پیروی کرتے، اس دن وہ ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے وہ اپنے منہ سے وہ بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہ تھی حالانکہ اللہ اس کو خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔

جبکہ!!!

انسانی گمان اور قرآنی طریقہ:۔

کافروں کو اس بات کا گمان ہے کہ وہ بغیر آزمائش کے جنت کے حقدار ہیں۔ قرآن حکیم نے نہ صرف ان کی اس بدگمانی کو ظاہر کیا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیا ہے کہ:۔

ام حسبتم ان تدخلوا الجنّة ولمّا یعلم اللّٰہ الّذین جٰھدوا منکم ویعلم الصّٰبرین ۝ (۱۲۴)

ترجمہ:۔ کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے پیشتر اس کے کہ اللہ تم میں سے ان کو جنہوں نے جہاد

کیا، اور ان کو جنہوں نے صبر کیا، جانچ لے۔

موت برحق کا مقصد:۔

قل لّو کنتم فی بیوتکم لبرز الّذین کتب علیھم القتل الٰی مضاجعھمۚ ولیبتلی اللّٰہ مافی الصّدورکم ولیمحّص مافی قلوبکمۗ واللّٰہ علیمٌ بذات الصّدورO (۱۲۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو وہ لوگ جن کے لئے قتل ہونا لکھا جا چکا تھا اپنے مقتل کی طرف نکل پڑتے اور تا کہ اللہ اس کی آزمائش کرے جو تمہارے سینوں میں ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اسے جانچ لے، اور اللہ سینوں کے رازوں کا جاننے والا ہے۔

مکافات عمل کا مقصد:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آزمائش تو مکافات عمل کا حصہ ہے۔ تاکہ ہر فرد کی جانچ ہو سکے۔

ان یّمسسکم قرح فقدمسّ القوم قرح مّثلہٗؕ وتلک الایّام نداولھابین النّاسۚ ولیعلم اللّٰہ الّذین امنوا ویتّخذ منکم شھدآءؕ واللّٰہ لایحبّ الظّٰلمینOۙ ولیمحّص اللّٰہ الّذین امنوا ویمحق الکٰفرینO(۱۲۶)

ترجمہ:۔ اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان کو بھی تو اسی کی مانند زخم لگ چکا ہے اور یہ ایام ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کی جانچ کر لے اور تم میں سے کچھ شہید لے اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اس لئے کہ اللہ ایمان والوں کا کڑا امتحان لے، اور انکار کرنے والوں کو مٹا دے۔

موت اور اذن الٰہی:۔

آزمائش سے گزرے بغیر کوئی نفس نہیں مرسکتا۔ اور دوئم یہ کہ آزمائش کا اصول یہ ہے:۔

وماکان لنفسٍ ان تموت الّا باذن اللّٰہ کتٰبًا مّؤجّلاًؕ ومن یّرد ثواب الدّنیا نؤتہٖ منھاۚ ومن یّرد ثواب الاخرۃ نؤتہٖ منھا و سنجزی الشّٰکرینO (۱۲۷)

ترجمہ:۔ اور کوئی نفس نہیں مرسکتا بغیر اللہ کے حکم کے جو کہ ایک لکھی ہوئی مقررہ مدت ہے اور جو ثواب دنیا کا طلبگار ہوگا تو ہم اس کو اسی میں سے کچھ دے دیں گی اور جو ثواب آخرت کا طلبگار ہوگا اسے ہم اس میں سے دیں گے اور شکر گزاروں کو ہم جلد جزا دیں گے۔

بھلائی اور برائی کا اصول:۔

درج بالا آیت کریمہ دو اہم باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہیں ایک یہ کہ موت برحق ہے اور دوئم یہ کہ نتیجہ ان کے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ بھلائی اللہ کی طرف سے اور برائی ان کے اپنے نفس کا نتیجہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

اینَ ماتکونوا یدرککم الموت ولوکنتم فی بروج مّشیّدۃٍؕ وان تصبھم حسنۃ یّقولوا ھٰذہٖ من

عنداللّٰہ وان تصبھم سیّئۃ یقولوا ھذا من عندک قل کلّ مّن عنداللّٰہ فمال ھؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثاً ○ مآ اصابک من حسنۃ فمن اللّٰہ وما اصابک من سیئۃ فمن نّفسک وارسلنک للنّاس رسولاً وکفٰی باللّٰہ شھیداً ○ (۱۲۸)

ترجمہ:۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے موت تمہیں آ لے گی اگر چہ تم کتنے ہی مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو اور جب کبھی ان کو کوئی بھلائی پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جب کوئی برائی پیش آتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے یہ سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھنے کے قریب ہی نہیں آتے۔ جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہوتی ہے اور ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے۔

موت برحق کا نفسی اعلان:۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہے کہ موت سے فرار ممکن نہیں اور دوئم یہ کہ مہلت اللہ کی سنت ہے۔ اور کافروں کے لئے تو یہ مہلت بجائے فائدے کے نقصان دہ ہی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ انسانوں سے کہلوا رہا ہے کہ:۔

قل یتوفّٰکم مّلک الموت الّذی وکّل بکم ثمّ الٰی ربّکم ترجعون ○ (۱۲۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے، کہ ملک الموت جس کے سپرد تم کئے گئے ہو، تمہیں وفات دے گا پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قل لّن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل اذاً لاّ تمتّعون الاّ قلیلاً ○ (۱۳۰)

ترجمہ:۔ کہہ دے، اگر تم سے یا قتل سے فرار اختیار کرو گے تو تمہارا فرار ہرگز تمہارے لئے سودمند نہ ہو گا اور جب بھی تمہیں تھوڑے عرصے کے لئے ہی لطف اندوز ہونے دیا جائے گا۔

قل من ذا الّذی یعصمکم مّن اللّٰہ ان ارادبکم سوٓءًا او ارادبکم رحمۃً ولا یجدون لھم مّن دون اللّٰہ ولیّا وّلا نصیراً ○ (۱۳۱)

ترجمہ:۔ کہہ دے، اگر وہ تم سے برائی کا ارادہ کرے یا تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کرے تو کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اور وہ اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست و مددگار نہیں پائیں گے۔

دراصل مومن یقین کے مرتبے پر فائز ہوتا ہے جبکہ غیر مومن شیطانی وسوسوں، واہموں اور شکوک وشبہات میں مبتلا ہوتا ہے۔

اللہ کی سنت کاملہ مہلت کے بارے میں:۔

البتہ یہ اللہ کی سنت کاملہ ہے کہ وہ ہر انسان کو بالخصوص گناہ گار کو مہلت ضرور دیتا ہے تا کہ اس پر اپنی حجت تمام کر سکے۔ یعنی کہ نتیجہ کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

ولا یحسبنَ الّذین کفروٓا انّما نُملی لھم خیر لّانفسھمؕ اِنّما نملی لھم لیزدادوٓا اثماً ولھم عذاب مّھین ○ ماکان اللّٰہ لیذر المؤمنین علٰی ماانتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطّیّبؕ وماکان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکنّ اللّٰہ یجتبی من رّسلہٖ من یشآءُ فاٰمنوا باللّٰہ ورسلہٖ وان تؤمنوا وتتّقوا فلکم اجر عظیم○(۱۳۲)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا یہ گمان کریں کہ جومہلت ہم ان کو دیتے ہیں وہ ان کے لئے مفید ہے۔ دراصل ہم ان کو اس لئے مہلت دیتے ہیں۔ تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادتی کرلیں، اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ اور اللہ صاحبان ایمان کو اس حالت میں چھوڑنے والا نہیں ہے جس میں کہ تم ہو تا آنکہ وہ پاک لوگوں کو خبیث لوگوں سے الگ نہ کرلے اور اللہ تمہیں غیب سے مطلع کرنے والا نہیں مگر اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

انسانی خوف کی حقیقت:۔

جو خوف انسان کو اس کے فرائض سے غافل کردے۔ وہ شیطانی خوف ہوتا ہے اور شیطانی داؤ ہمیشہ کمزور ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:۔

انّما ذٰلکم الشّیطٰن یخوّف اولیآءہٗ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین○(۱۳۳)

ترجمہ:۔ وہ درحقیقت شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے ڈرا رہا تھا پس تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم صاحب ایمان ہو تو مجھ ہی سے ڈرو۔

شیطان کے داؤ کی حقیقت:۔

شیطان کے داؤ کی حقیقت سے متعلق ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الّذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللّٰہ والّذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطّاغوت فقاتلوٓا اولیآء الشّیطٰن انّ کید الشّیطٰن کان ضعیفًا○(۱۳۴)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

شیطانی خوف کو اللہ کے خوف پر ترجیح دینے کی حقیقت:۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ ہم انسانوں کو ان لوگوں کے حال کی طرف متوجہ کررہا ہے جسے شیطان نے فرض ادا کرنے سے روک دیا ہے اور انسان اس سے اس طرح ڈرنے لگا جیسا کہ اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ اس لئے انسان کا یہ عمل قرآنی آیت ''اے ایمان والوں اللہ سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے''۔ (۱۳۵) کے خلاف جاتا ہے اس لئے

اللہ فرماتا ہے کہ:۔

الم تر الی الّذین قیل لھم کفّوا ایدیکم واقیموا الصّلٰوۃ واتوا الزّکوٰۃ فلمّا کتب علیھم القتال اذا فریق مّنھم یخشون النّاس کخشیۃ اللّٰہ او اشدّ خشیۃ وقالوا ربّنا لما کتبت علینا القتال لو لا اخّرتنا الٰی اجل قریب قل متاع الدّنیا قلیل والاٰخرۃ خیر لّمن اتّقٰی ولا تظلمون فتیلا O(۱۳۶)

ترجمہ:۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا کہ جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھوں کو روک لو اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پس جب ان پر جہاد واجب کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ لوگوں میں سے اس طرح ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف، اور وہ کہنے لگے، اے ہمارے رب تو نے ہم پر قتال کیوں واجب کیا؟ کیوں نہ ہمیں کچھ اور مہلت دے دی، کہہ دے متاع دنیا قلیل ہے اور جس نے تقویٰ اختیار کیا، اس کے لئے آخرت کہیں بہتر ہے اور تم پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

واجب اور غیر واجب کے اختیار کی حکمت:۔

کس حکم کو واجب قرار دینا ہے اور کس حکم کو غیر واجب یہ اختیار اللہ کو حاصل ہے کیونکہ اس کا ہر کام حکمت سے خالی نہیں۔لہٰذا ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قال عذابی اصیب بہ من اشآء ورحمتی وسعت کل شیء فساکتبھا للّذین یتّقون ویؤتون الزّکوٰۃ والّذین ھم باٰیٰتنا یؤمنون O(۱۳۷)

ترجمہ:۔ اس نے کہا میرا عذاب اس پر پڑے گا جس پر میں چاہوں گا اور میری رحمت تو ہر شے پر محیط ہے۔پس میں اس کو لکھ دوں گا ان لوگوں کے لئے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

کتب علیہ انّہٗ من تولّاہ فانّہٗ یضلّہٗ ویھدیہ الی عذاب السّعیر O(۱۳۸)

ترجمہ:۔ اس کے لئے لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی اس سے دوستی رکھے گا وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اسے لپکتے ہوئے شعلوں کے عذاب کی طرف لے جائے گا۔

اپنی اسی حکیمانہ صفت کی بدولت رب کریم عوام الناس سے فرماتا ہے:۔

وھم یجادلون فی اللّٰہ وھو شدید المحال O(۱۳۹)

ترجمہ:۔ اور یہ لوگ خدا کے معاملے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ زبردست منصوبے والا ہے۔

غیر اللہ کو حاجت روا ماننے کی مثال:۔

لہٰذا صرف اور صرف پکار کے لائق اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔وہی حاجت روا ہے یہ دنیا وی علامات اور دنیا کی خواہشات اور مکروہ فریب کی باتوں سے کبھی تسکین نہیں ملتی یہی وجہ ہے کہ دنیا دار ہمیشہ قلیل متاع کی

خاطر گمراہیوں میں پڑا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے :۔

لہٗ دعوۃ الحقّ ؕ والّذین یدعون من دونہٖ لا یستجیبون لھم بشیءٍ الّا کباسط کفّیہ الی المآء لیبلغ فاہ وماھو ببالغہٖ ؕ وما دعآء الکفرین الّا فی ضلٰلٍ ○ (۱۴۰)

ترجمہ :۔ اسی کو پکارنا برحق ہے اور وہ جو اس کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں وہ ان کی کوئی حاجت بھی روا نہیں کرسکتے بالکل ویسے ہی جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچے اور وہ اس کے منہ تک پہنچنے والا نہ ہو اور کافروں کی پکار تو بس گمراہی میں ہی ہے۔

طریقۂ دعا :۔

لہٰذا رب کی یاد کا طریقہ بھی بتا دیا کہ کس طرح پکارو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح اللہ پکارنے والوں کو اجر رحمت عطا فرماتا ہے۔

ادعوا ربّکم تضرّعا وخفیۃً ؕ انّہ لا یحبّ المعتدین ○ ج ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا وّطمعاً ؕ انّ رحمت اللّٰہ قریب من المحسنین ○ وھوالذی یرسل الریٰح بشرًاۢ بین یدی رحمتہٖ ؕ حتّٰی اذآ اقلّت سحاباً ثقالاً سقنٰہ لبلدٍ مّیّتٍ فانزلنا بہ المآء فاخر جنابہٖ من کلّ الثّمراتِ ؕ کذٰلک نخرج الموتٰی لعلّکم تذکّرون ○ والبلد الطّیّب یخرج نباتہٗ باذن ربّہٖ ؕ والّذی خبث لایخرج الّانکداً ؕ کذٰلک نصرّف الاٰیٰت لقوم یّشکرون ○ ع (۱۴۱)

ترجمہ :۔ پکارو اپنے رب کو گڑگڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور دنیا میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اسے پکارو خوف کے ساتھ۔ اور آس لگا کر۔ بلاشبہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے اور وہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو اپنی رحمت سے آگے آگے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ بوجھل بادل کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم اس کو ایک مردہ شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں اور اس سے ہر ایک ثمر کو نکالتے ہیں اسی طرح ہم مردوں کو نکالتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور عمدہ زمین اپنے رب کے حکم سے اپنی نباتات اگاتی ہے اور وہ جو ناقص ہے اس سے سوائے بے کار چیز کے کچھ نہیں اگتا، اسی طرح ہم آیات کو ان لوگوں کے لئے جو شکرگزار ہیں، کھول کر بیان کرتے ہیں۔

درج بالا آیات کریمہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ یعوق جو کہ خود انسان کی خواہش کا شاہکار ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں ذات برحق تو وہ ہے جو مردوں کو زندگی دیتا ہے۔ اور اسی کا یہ عمل ہمارے شب و روز کے مشاہدہ میں آتا ہے۔ لہٰذا جو سن نہیں سکتا وہ حاجت روا کیسے ہوسکتا ہے؟ جو خود تخلیق کیا گیا ہو وہ خالق کیسے بن سکتا ہے؟ تو جب وہ خالق نہیں تو پھر ہر حکم کا اختیار صرف رب العزت کو حاصل ہے لہٰذا جو طاقت، یا طاقتیں لوگوں کو اللہ کے حکم سے پھیر دیں وہ یعوق ہی کی علامتیں ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو فلسفۂ یعوق کے بانی ہیں۔ آج بھی موجود ہیں خواہ وہ مغرب سے ہوں یا

مشرق سے، مسلم ہوں یا غیر مسلم یا پھر اہل کتاب ہوں یا کافر۔

اہل نسر کا فلسفۂ تدبیر اور امر الٰہی

قال نوح رّبّ انّهم عصونی واتّبعوا من لّم یزده مالهٗ وولدهٗ الّا خساراً ۝ ومکروا مکراً کبّاراً ۝ وقالوا لاتذرنّ الهتکم ولا تذرنّ ودّاوّلا سواعاً وّلا یغوث ویعوق و نسراً ۝ وقد اضلّوا کثیراً ولا تزدالظّٰلمین الّا ضللاً ۝ ممّا خطیٰٓئتهم اُغرقوا فاُدخلوا ناراً فلم یجدوالهم من دون اللّٰه انصاراً ۝ (۱۴۲)

ترجمہ:۔ نوح نے کہا اے میرے پروردگار انہوں نے میری نافرمانی کی ہے اور اس شخص کی پیروی کی ہے جس کے مال اور اولاد نے اس کے خسارے میں ہی زیادتی کی اور انہوں نے بہت بڑی بڑی چالیں چلیں اور انہوں نے کہا کہ تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور ودّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔ اور بے شک انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا پس تو ظالموں کی گمراہی میں ہی زیادتی کر۔ وہ اپنی خطاؤں کے سبب ہی غرق کئے گئے اور آگ میں داخل کئے گئے پھر انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہیں پایا۔

نسر اُبلحاظ معنی ومفہوم:۔

اس لفظ کا مادہ ن س ر ہے۔ یہ لفظ قرآن میں فقط ایک مرتبہ آیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں متعارف کرایا گیا ایک بت کے نام کے حوالے سے۔ اس کا مفہوم کچھ یوں ہے:۔

نسر اسم صنم فی قوله و نسرا وانسر طائر ومصدر نسر الطائر الشیء بمنسره ای نقره. والنسران نحمان الطائر و واقع و نسرت کذا تناولته قلیلا قلیلا تناول الطّائر الشّیء بمنسره.(۱۴۳)

اردو مفہوم:۔ نسر ایک بت کا نام ہے جس کے معنی پرندہ کا چونچ سے کوئی چیز اٹھانا یا ٹھونکنا کے ہیں۔ نیز دو ستارے طائر اور واقع کو کہا جاتا ہے۔ کسی شے کو تھوڑا تھوڑا کر کے تناول کرنا کے ہیں۔ نوچنا، توڑنا، کسی پر عیب لگانا، تہمت لگانا وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ کرگس یعنی عقاب جو کہ بڑا زوردار رہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ مثل مشہور ہے کہ ہمارے ملک میں ناتواں توانا ہو جاتا ہے اور یہ کہ نسر تمام پرندوں سے بڑا ہوتا ہے اور یہ بولتا ہے کہ ''غش ماشئت فان الموت لاقیک'' جب تک چاہے زندہ رہ ایک دن موت ضرور آئے گی۔ اس پرندہ کی عمر ۴۰۰ سے ۱۰۰۰ برس تک ہوتی ہے۔'' (۱۴۴)

درج بالا لغوی معنی کے اعتبار سے اس کا اطلاق کسی نیچر پر کیا جائے تو اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہمارے سامنے آتا ہے کہ:۔ موت کے آگے کوئی تدبیر کارگر نہیں مگر!!! زندگی کو نفسی تدبیر کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے۔ اس نقطۂ نظر کے حامل لوگ حیات دنیا کے حریص ہوتے ہیں۔ اپنی عقل کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ اپنی طاقت وصلاحیت پر کبر کرتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مادی ذرائع وسائل کی قوت پر کامل بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس Super Power ہے لہٰذا صرف ہم ہی حکمران ہیں۔ اسی بل بوتے پر یہ ہر میدان کو اپنا میدان سمجھتے ہیں۔ اور ہمیشہ باقی رہنے کی فکر ان کو ستائے رکھتی ہے اس لئے یہ لوگ وقت وحالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے لوگوں کی خواہشوں اور تقاضوں پر اپنے

نفسی نظریہ فکر کی بنیاد استوار کرتے ہیں۔

قرآن حکیم والفرقان حمید نے ایسے نظریہ فکر کو ضلٰل یعنی گمراہی (۱۴۵) سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ جو نظام فکر ''وحی'' سے عبارت ہے اسی میں ہدایت ہے۔ علاوہ ازیں میں نہیں۔ (۱۴۶) دراصل گمراہی فرد واحد یا چند لوگوں کی نفسی خواہش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور یہ چند لوگ اس معاشرے کے رؤسا، امراء واکابر، سردار، لیڈرز اور بالاتر گروہ کے افراد Super Powers کے جتھے کو کہتے ہیں۔ (۱۴۷) ان کے پاس مال دنیا کی فراوانی ہوتی ہے جس کے نشے میں یہ منکرین رسول تک بن جاتے ہیں:۔

وقال الملاء من قومه الّذین کفروا و کذّبوا بلقآء الاٰخرة واترفنٰهم فی الحیوٰة الدّنیا ماھٰذآ الاّ بشر مّثلکم یاکل ممّا تاکلون منه ویشرب ممّا تشربون ○ ولئن اطعتم بشرا مّثلکم انّکم اذا لّخٰسرون ○ (۱۴۸)

ترجمہ:۔ اور اس کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے انکار کیا اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور جنہیں ہم نے حیات دنیا کے سامان تعیشات سے نوازا تھا کہنے لگے کہ یہ تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک بشر ہے۔

جو کچھ تم کھالیتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو یہ پیتا ہے اور اگر تم اپنے ہی جیسی بشر کی اطاعت کرو گے تو بے شک تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگے۔ ایک اور مقام پر مشرکین کی روش کے بارے میں فرمایا:۔

ومآ ارسلنا فی قریة مّن نّذیر الّاقال مترفوھآ انّا بمآ ارسلتم به کٰفرون ○ (۱۴۹)

ترجمہ:۔ اور جس کسی بستی میں کبھی ہم نے کسی تنبیہہ کرنے والے کو بھیجا تو اس کے دولت مندوں نے کہا کہ بے شک ہم اس پیغام کا انکار کرتے ہیں جس کے ساتھ تم بھیجے گئے؟

بالاتر گروہ کے افراد نے رسالت کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ یہ تو برسہا برس سے ایسا کرتے رہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ حضرت نوح علیہ السلام کو جب اللہ نے اس مشرک قوم کی طرف بھیجا تو اوراموراکابر نے رسالت کا انکار کردیا:۔

لقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومه فقال یٰقوم اعبدوا اللّٰه مالکم مّن الٰهٍ غیرهٗ انّی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ○ قال الملاء من قومهٖ انّا لنرٰلک فی ضلٰل مّبین ○ قال یٰقوم لیس بی ضلٰلة وّلکنّی رسول مّن رّبّ العٰلمین ○ ابلّغکم رسٰلٰت ربّی وانصح لکم و اعلم من اللّٰه مالا تعلمون ○ (۱۵۰)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے نوح کو اس قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں ڈرتا ہوں کہ کہیں تم پر یوم عظیم کا عذاب نہ آ پڑے اس کی قوم کے الملاء نے کہا یقیناً ہم تجھے واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں اس نے کہا اے میری قوم میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں رب العالمین کی طرف سے بھیجا گیا ہوں۔ میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا ناصح ہوں اور میں اللہ کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

نبی کا یہ طریقہ نہیں کہ وہ قوم کو برے لقب سے پکارے لہٰذا نبی ان کے برے اعمال کے سبب انہیں عذاب سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ کی یہ سنت ہے کہ پہلے گمراہ نہیں کہتا بلکہ اس کی سنت یہ ہے کہ وہ پہلے رسول بھیجتا ہے اور پھر اگر ردبازنہ آئے تو پھر ان کی گمراہی کے سبب ان پر عذاب وارد کرتا ہے۔ یہ لوگ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے !!! جب رسول نے قوم کو ڈرایا تو انہوں نے اس سے پہلے کہ قوم رسول کی طرف متوجہ ہو فوراً رسول کو گمراہ قرار دے دیا۔ ان آیات سے پتہ چلتا ہے کہ جب بھی قرآنی انقلاب کی بات ہوگی تو سب سے پہلے یہ سرمایہ دار اور مذہب نواز یعنی نام نہاد علماء اس کی مخالفت کرنا شروع کر دیں گے۔ کیونکہ قرآنی انقلاب کا مطلب ہی یہ ہے کہ اب ان کی حکمرانی کا خاتمہ صاف ظاہر ہے کہ اسلام کی کامیابی ان کی موت ہے۔ اور ہزار برس زندہ رہنا دیرینہ خواہش۔ لہٰذا یہ قوم کو نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔ ہر وقت ماحول میں کشیدگی اور خوف وہراس کو پھیلائے رکھتے ہیں۔ کبھی یہ نانِ شبینہ سے ترساتے ہیں تو کبھی دہشت کے سائے دراز کرتے ہیں۔ لیکن جب اصلیت ظاہر ہوتی ہے تو پھر قوم کو تذبذب کا شکار کر دیتے ہیں یعنی دوسروں پر عیب لگاتے ہیں اور پھر ایک نئے تصور سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہیں۔

اہل نسر کا طریقہ کار:۔

اہل نسر کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ وہ شہرت دوام حاصل کرنے کی خاطر ہر دم ایک نئی حکمت عملی اختیار کرتے ہیں۔ یہ کہ آباؤاجداد کے ہر عمل کو مستند قرار دیتے ہیں۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ (۱۵۱)

ترجمہ:۔ اور جب ان پر ہماری واضح آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ شخص تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہیں ان معبودوں سے برگشتہ کر دے جن کی کہ تمہارے آباء عبادت کیا کرتے تھے۔

اصل میں ان کا مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ موت فقد کو فطری عمل مانتے ہیں۔ اس لئے یہ صرف حیات دنیا کی زندگی کو فقط زندگی گردانتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ موت ایک نئے مرحلے کا نام ہے۔ یہ جس کو حیات کہتے ہیں اللہ اس کو موت کہتا ہے۔ (۱۵۲) اور یہ جس کو موت کہتے ہیں اللہ اسے حیات کہتا ہے (۱۵۳) اس لئے یہ لوگ نت نئے فلسفے متعارف کراتے ہیں۔ اور اپنے ان نفسی فلسفوں کی آڑ میں اپنی ۱۰۰ سالہ زندگی کو ۱۰۰۰ سالہ (۱۵۴) زندگی میں تبدیل کرنے کے خواہاں نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سامان ۱۰۰ برس کا اور پل کی خبر نہیں۔

تدبیر اور امر الٰہی میں فرق:۔

تدبیر انسانی اور امر الٰہی میں آسمان وزمین کی وسعت جتنا فرق ہے لیکن کیا کیجئے قوم کے ان سرمایہ داروں کو نہ صرف اپنی تدبیر پر بڑا ناز ہوتا ہے بلکہ انہیں اپنے ذرائع وسائل کی قوت کی بھرپور فراوانی پر کامل بھروسہ ہوتا ہے۔ جیسا

کہ ابن نوح اس زعم میں مبتلا نظر آتا ہے جب حضرت نوح اس حقیقت کو جانتے ہوئے کہ اس عذاب سے سوائے کشتی والوں کے اور کوئی نہیں بچ سکتا تو وہ اپنے بیٹے کو پکارتے ہیں۔ مگر ان کا بیٹا یہ جواب دیتا ہے کہ:۔

قال ساٰوی الی جبل یعصمنی من المآءِ ط قال لاعاصم الیوم من امر اللّٰہ الا من رّحم ج وحال بینھما الموج فکان من المغرقین○(۱۵۵)

ترجمہ:۔ کہا میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے پانی سے بچا لے گا کہا آج کے دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں سوائے اس کے کہ جس پر وہ رحم کرے۔ ان کے درمیان موج حائل ہوگئی اور وہ غرق ہونے والوں میں سے ہوا۔

آخر دم تک تدبیر کو کل سمجھا بے شک عقل کو کل جاننے کا یہی انجام ہوتا ہے۔ آج کا انسان بھی کچھ اس قسم کے گمان میں نظر آتا ہے۔ لیکن موجودہ اعداد و شمار اور واقعات یہ بتاتے ہیں کہ انسان زلزلہ کے آگے کس قدر کمزور ہے۔ شہر کے شہر غرق ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایجادات دھری کی دھری رہ جاتیں جب ان واحد میں سب کچھ ملیا میت ہو جاتا ہے۔ ایجادات آنے والے طوفان کا نہ صرف پتہ دیتی ہیں کہ بلکہ طوفان کی آنکھ کو بھی دکھاتی ہیں لیکن یہاں ہر انسان عاجز ہو جاتا ہے کہ موجودہ ذرائع وسائل اس کا رخ بتانے سے قاصر رہتے ہیں۔ اس وقت انسانی تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور یوں عقل کو عقل کل کہنے والے اس کی جزدیت کا تماشہ دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن جاہل کے لقب سے نوازتا ہے۔ لیکن اللہ فرمانبرداروں کو اس جہالت سے بچالیتا ہے۔ لہٰذا جب نوح نے بیٹے کی بابت سوال کیا تو جواب ملا کہ:۔

فلا تسئلن مالیس لک بہ علم ط انیّ اعظک ان تکون من الجٰھلین○(۱۵۶)

ترجمہ:۔ پس اس کی بابت مجھ سے سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے تاکیداً نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ ہو جا۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کو بھی غیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ:۔

تلک من انبآء الغیب نوحیھآ الیک ج ماکنت تعلمھآ انت ولا قومک من قبل ھٰذا ط(۱۵۷)

ترجمہ:۔ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم نے تجھ کو وحی کی اور تو اور تیری قوم اس بات کو اس سے قبل نہ جانتی تھی۔

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی قوم لاکھ گنا ذرائع ابلاغ رکھتی ہو لیکن غیب کی خبروں کو نہیں جان سکتی۔ کیونکہ اس کی خبر تو اللہ کو ہے جو کہ بذریعہ وحی رسول کو ملتی ہے۔ اس طرح یہ بات ثابت ہوئی کہ تدبیر ہی ضلل یعنی گمراہی ہے۔ یاد رہے کہ ان قوم کے ملاؤں کی تدبیر کی بنیاد فقط قیاس اور قیاس کی بنیاد خوف پر ہوتی ہے اور رسول کی بات کی بنیاد فقط وحی الٰہی پر۔

ماخذ علم بسبب کیفیت نفس خوف یا وحی :۔

اللہ رب العزت انسانی علم کے ماخذ کی بنیاد کا سبب بلحاظ کیفیت نفس خوف کو قرار دیتا ہے۔ اور اپنے وسیع علم و حکمت کو خیر کثیر سے تعبیر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ :۔

الشّیطٰن یعدکم الفقر و یا مرکم بالفحشآءِ ج واللّٰہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلاً ط واللّٰہ واسع علیمO صلے یؤتی الحکمۃ من یّشآء ج ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً ط (۱۵۸)

ترجمہ :۔ شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بہت وسیع علم والا ہے وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی تو گویا وہ بہت خیر وخوبی سے نوازا گیا۔

اس سے پتہ چلا کہ گمراہی شیطان کی جانب سے اور حکمت اللہ کی مشیئت سے عطا ہوتی ہے۔ اور یہ کہ اللہ وسیع علم والا ہے۔ جبکہ شیطان کے گروہ کا خیال ہے کہ سوسائٹی کے بااثر لوگ ہی صاحب علم ہوتے ہیں اسی لئے وہ صاحب الرّائے ہوتے ہیں۔ دراصل یہ معاشی حیثیت کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہنوز بھی یہی سلسلہ جاری ہے۔ آیئے اہل نسر کی غیر واضح دلیلوں کو دیکھیں۔

اہل نسر کی غیر واضح دلیل :۔

اہل نسر اس سوچ کے امین تھے کہ معاشی حیثیت Status دلیل ہے اعلیٰ ہونے کی۔ لہٰذا یہ اعلیٰ طبقہ ہی صاحب علم اور صاحب الرّائے ہوتا ہے۔ اس لئے یہ طبقہ جس رہنما کے ساتھ ہو اس رہنما کو اقتدار و اختیار کا حق حاصل ہے۔ قرآن نے ان کی سوچ کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

فقال الملا الّذین کفروا من قومہٖ مانٰرلک الّا بشراً مّثلنا ومانٰرلک اتبعک الاالّذین ھم اراذلنا بادی الرّاٴی ج وما نرٰلک لکم علینا من فضلٍ بل نظنّکم کٰذبینO (۱۵۹)

ترجمہ :۔ پس اس کی قوم کے انکار کرنے والے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے اپنے ہی جیسا بشر پاتے ہیں اور ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ تیری اتباع ہم میں سے رزیلوں اور ناقص رائے رکھنے والوں نے ہی کی ہے اور ہم تم لوگوں میں سے اپنے مقابل کوئی برتری نہیں دیکھتے۔ بلکہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

دراصل یہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ اپنی تولیدی فکر اپنے اپنے میدان میں رکھتے ہیں اور یہ کہ ترقی ان ہی کی فکر کی مرہون منت ہے لہٰذا یہ معاشرے میں خود کو سیاستدان، ماہر تعلیم، معیشت دان، معاشرے دان، ٹیکنوکریٹ، شاعر، مصنف، ماہر نفسیات وصحت کہلواتے ہیں یہی بات ان کے لئے وجۂ فخر ہے۔ انسان کی یہ عادت بہت پرانی ہے آج کا انسان بھی اسی فطرت پر گامزن نظر آتا ہے۔ ہر دور میں نبی کو امت نے جھٹلانا چاہا تو یہی دو دلیلیں دیں ایک تو یہ کہ تم ہمارے ہی جیسے بشر ہو اور دوسری یہ کہ تمہاری اتباع عوام الناس کررہے ہیں معاشرے کے اہم منصب و

مراتب کے خاص افراد نہیں۔

دراصل ایسی فطرت کے حامل افراد اندھے، بہرے اور سوہانکنے سننے والے کو ایک جیسا ہی گردانتے ہیں۔ بشر اور صاحب وحی میں زمین و آسمان سے کہیں زیادہ فرق ہے جیسے کہ اندھے اور دیکھنے والے نیز بہرے اور سننے والے میں۔ اسی لئے اللہ نے ان کے سوالات کا جواب خود دیا ہے:۔

ولقد ارسلنا نوحاً الٰی قومہٖ انّی لکم نذیر مّبین ۝ ان لاتعبدو آ الّا اللّٰہ انّی اخاف علیکم عذاب یوم الیم ۝ (۱۶۰)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا میں تمہارے لئے ایک واضح تنبیہہ کرنے والا ہوں۔ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو بلاشبہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر دکھ دینے والے دن کا عذاب آ پڑے گا۔

اور نبی کے نطق سے کہلوادیا کہ:۔

ولآ اقول لکم عندی خزآئن اللّٰہ ولآ اعلم الغیب ولا اقول انّی ملک ولا اقول اللّذین تزدرّی اعینکم لن یؤتیھم اللّٰہ خیراً اللّٰہ اعلم بما فی انفسھم انّی اذا لّمن الظّٰلمین ۝ (۱۶۱)

ترجمہ:۔ اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں اور میں تم سے نہیں کہتا۔ کہ میں ایک فرشتہ ہوں اور میں ان لوگوں کے متعلق جو کہ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں یہ نہیں کہتا کہ اللہ انہیں ہرگز خیر وخوبی عطا نہیں فرمائے گا۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے لیکن اگر میں ایسا کروں تو ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

ان دونوں فریقوں کے مابین یہی بنیادی فرق ہے کہ یہ لوگ خالصتاً دنیادار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور انبیاء دین دار، یہ لوگ اپنے مفاد کو بنیاد بنا کر ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اپنی نطق سے کچھ نہیں کہتے بلکہ جو کچھ وحی ہوتی ہے صرف اسی کو لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں خواہ ظاہری طور پر اس میں کوئی فائدہ نظر نہ آئے مگر عمل کے ذریعے رحمت ضرور بن جاتے ہیں۔

صاحب وحی کی واضح دلیل:۔

نبی اپنے نفس پر مکمل کنٹرول رکھتا ہے۔ اسی لئے نبوت سے پہلے ہی عام انسانوں میں تقویٰ کے لحاظ سے سرفہرست ہوتا ہے۔ اور جب اللہ وحی سے سرفراز کرتا ہے تو نبی کے نفس کو معراج مل جاتی ہے۔ اس لئے جتنی بلند اور واضح دلیل پر نبی ہوتا ہے کوئی خاص شخص بھی اس کی معرفت کا ادراک نہیں کر سکتا چہ جائیکہ کوئی عام شخص اس کی رفعت کو محسوس کرے۔ اسی لئے اللہ نے حضرت نوح سے کہلوادیا۔

قال یٰقوم ارئیتم ان کنت علٰی بیّنۃ مّن رّبّی واتٰنی رحمۃ مّن عندہٖ فعمّیت علیکم انلزمکموھا وانتم لھا کٰرھون ۝ (۱۶۲)

ترجمہ:۔ اس نے کہا اے میری قوم! غور تو کرو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف واضح دلیل پر ہوں اس نے مجھ پر اپنے حضور سے رحمت بھیجی ہے جو تمہاری نظروں سے اوجھل کی گئی ہے کیا ہم تمہیں اس کے لئے مجبور کریں گے جبکہ وہ تمہیں گوارا ہے۔

جب دل خوف الٰہی سے لبریز نہ ہو تو پھر حیات کا خوف جاگزیں ہو جاتا ہے۔ یہ خوف انسان کو غافل بنا دیتا ہے۔ اور غفلت کی بناء حقیقت کو سمجھنے سے انسان قاصر رہتا ہے۔ اہل نسر کی یہی کیفیت تھی جس کا تزکرہ قرآن نے کیا۔

واضح دلیل کے خصائص:۔

واضح دلیل حق پر مبنی ہوتی ہے۔ اور حق سب کے لئے رحمت ہوتا ہے جبکہ ظن و گمان پر مبنی دلیل مفاد پرستی کا شاخسانہ ہوتی ہے۔ لہٰذا عام ہوتے ہی لوگوں کے لئے زحمت کا سبب بنتی ہے۔ قرآن مجید والفرقان حمید میں اس کے چند خصائص بیان کئے گئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولقد جئنٰهم بكتٰبٍ فصّلنٰهُ علٰى علمٍ هدًى وّرحمةً (۱۶۳)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم ان کے پاس ایک کتاب لائے جس کی تفصیل ہم نے علم کی بناء پر کر دی جو ایک ہدایت اور ایک رحمت ہے۔

اس طرح علم، ہدایت اور رحمت یہ وہ خواص ہیں جو فقط اور فقط رسول پر نازل ہونے والی کتاب ہی کے ہیں جو برحق ہے۔ لہٰذا جو اللہ کی رحمت کا طلبگار رہے تو اللہ ایسے فرد کے لئے اپنی رحمت کو نچھاور کر دیتا ہے۔ اپنی رحمت کی نشانی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

وهو الّذى يرسل الرّيٰح بشرًاۢ بين يدى رحمته حتّٰى اذا اقلّت سحابًا ثقالًا سقنٰه لبلدٍ مّيّتٍ فانزلنا به المآء فاخرجنا به من كل الثمرٰت كذٰلك نخرج الموتٰى لعلّكم تذكّرون ○ (۱۶۴)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی ہے جو خوشخبری دینے والی ہواؤں کو اپنی رحمت سے آگے آگے بھیجتا ہے حتیٰ کہ جب وہ بوجھل بادل کو اٹھالیتی ہیں تو ہم اس کو ایک مردہ شہر کی طرف ہانک دیتے ہیں پھر ہم اس سے پانی برساتے ہیں اس سے ہر ایک ثمر کو نکالتے ہیں اس طرح ہم مردوں کو نکالتے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

نفس انسانی غفلت کے سبب مردہ ہوتا ہے اللہ اپنے علم کے ذریعے زندگی بخشتا ہے یعنی اللہ کے پیغام کو سمجھ کر اس کا اتباع کرنے لگتا ہے اسے قرآن شعوری زندگی سے تعبیر کرتا ہے۔ اس طرح انسان مردہ حالت سے شعوری حالت میں آجائے یہ شعوری حالت ہی رحمت کے ہونے کی نشانی ہے۔

شرائط حصول رحمت:۔

کسی بھی عظیم مقصد کے حصول کے لئے چند شرائط لازمی ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ کی رحمت کے حصول کے لئے بھی کچھ بنیادی واہم شرائط کی پابندی لازم آتی ہے کیونکہ ان شرائط کے بغیر رحمت کا حصول ممکن نہیں۔ یہ شرائط درج ذیل

ہیں۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفا وّطمعاً ط انّ رحمت اللّٰہ قریب مّن المحسنین○ (۱۶۵)

ترجمہ:۔ اور دنیا میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور پکارو خوف کے ساتھ اور آس لگا کر بلاشبہ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

اصلاح کے بعد زمین میں فساد نہ پھیلایا جائے بلکہ احسان کی روش کو اپنایا جائے۔ نیز انسان اپنے رب کو صبح و شام انتہائی خوف و عاجزی کے ساتھ آس لگا کر بغیر آواز کو بلند کئے ذکر کرے۔

☆...... شرک سے اجتناب کرے کیونکہ ایک تو یہ ظلم عظیم ہے اور دوسرے یہ کہ نفسوں کی خبر اللہ کو ہے ملاحظہ ہو:۔

یٰبنیّ لا تشرک باللّٰہ ط انّ الشّرک لظلم عظیم○ (۱۶۶)

ترجمہ:۔ اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا بے شک شرک ظلم عظیم ہے۔

ربّکم اعلم بمافی نفوسکم ط (۱۶۷)

ترجمہ:۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے۔

☆...... رسالت بناء ایمان کے مکمل نہیں۔ اس لئے اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کیا جانے کا حکم ہے۔ یعنی اپنے نفس کی آواز کو دبا کر رسول کی اطاعت کی جائے اس کا احترام واجب ہے۔ تاکہ اللہ کی شریعت پر گامزن ہو جائے نہ کہ نفس کی ظنّی شریعت کے موافق چلا جائے اور جو ایسا نہیں کرتا تو پھر اللہ انہیں اعمال ضائع ہونے کی نوید سنا رہا ہے۔

ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشعرون○ (۱۶۸)

ترجمہ:۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے تمام اعمال ہی ضائع ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔

☆...... نظام مشیئت و رحمت تخلیق کائنات کا سبب اور تسلسل رحمت کے طفیل ہے۔

ولئن شئنا لنذھبنّ بالّذیٓ اوحینا الیک ثمّ لا تجدلک بہٖ علینا وکیلا○ لا الا رحمۃً مّن ربّک ط (۱۶۹)

ترجمہ:۔ اگر ہم چاہیں تو تجھ سے وہ کچھ لے جائیں جو ہم نے تجھ پر وحی کیا ہے پھر تو اس کے لئے ہمارے خلاف کوئی کارساز نہ پائے گا بجز تیرے رب کی رحمت کے۔

☆...... رحمت کا اثر نفسی کیفیت کی نسبت ہوتا ہے رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

والبلد الطّیّب یخرج نباتہٗ باذن ربّہٖ ج والّذی خبث لا یخرج الّا نکدا ط (۱۷۰)

ترجمہ:۔ اور عمدہ زمین اپنے رب کے حکم سے اپنی نباتات اگاتی ہے اور وہ جو ناقص ہے اس سے سوائے بےکار چیز کے کچھ نہیں اگتا۔

☆...... بسا اوقات رحمت بطور زحمت بھی ہوا کرتی ہے لیکن یہ انسانوں کی بداعمالی کا نتیجہ ہوتی ہے ملاحظہ ہو:۔

واذا اذقنا النّاس رحمة مّنْ بعد ضرّآء مسّتهم اذا لهم مّكر فی اٰیاتنا قل اللّٰه اسرع مکراً انّ رسلنا یکتبون ماتمکرون ○ (۱۷۱)

ترجمہ:۔ اور جب ہم انسانوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں بعد اس کے کہ انہیں ضرر پہنچا ہوتو وہ ہماری نشانیوں میں تدبیریں کرنے لگتے ہیں کہہ دے اللہ زیادہ سرعت سے تدبیر کرنے والا ہے بے شک ہمارے فرستادہ ان تدبیروں کو لکھ لیتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

رحمت کا اطلاق:۔

حقیقت یہ ہے کہ ساری کائنات پر رحمت کا اطلاق ہے مثبت کے لئے مثبت صورت میں اور منفی کے لئے منفی صورت میں لہٰذا ہم سب انسانوں کی بھلائی ونجات اس میں ہے کہ ہم نفسی شریعت کو باطل گردانیں اور حق کی گواہی دیں توبہ کے لئے اللہ کی جانب رجوع کریں۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ کوئی کارساز نہیں وہی بخشنے والا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن یدع مع اللّٰه الٰھا اٰخر لا برھان لهٗ بهٖ فانّما حسابهٗ عندربّه انّهٗ لایفلح الکٰفرون ○ و قل رّبّ اغفرو ارحم و انت خیر الرّاحمین ○ (۱۷۲)

ترجمہ:۔ اور جوکوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس واضح دلیل نہیں ہے پس اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک انکار کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ اور کہہ میرے پروردگار بخش دے اور رحم کر اور تو تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

بعل کا نفسیاتی تجزیہ اور قرآن

و انّ الیاس لمن المرسلین ○ اذقال لقومهٖ الا تتّقون ○ اتدعون بعلا وّ تذرون احسن الخالقین ○ اللّٰه ربّکم و ربّ اٰبآئکم الاوّلین ○ فکذّبوه فانّهم لمحضرون ○ الّا عباد اللّٰه المخلصین ○ و ترکنا علیه فی الاٰخرین ○ (۱۷۳)

ترجمہ:۔ اور بالتحقیق وبالیقین الیاس مرسلین میں سے تھا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو۔ اور احسن الخالقین کو چھوڑتے ہو۔ اللہ اپنے رب اور اپنے پہلے آباء کے اولین کے رب کو۔ پس انہوں نے اس کی تکذیب کی اور تحقیق وہ لوگ حاضر کئے جائیں گے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔ اور ہم نے پیچھے آنے والوں میں اس کا اچھا شہرہ باقی چھوڑا۔

بعل کے معنی ومفہوم:۔

البعل هو الذّکر من الزّوجین. کلّ مستعل علٰی غیره فمی العرب معبودهم الّذی یتقرّبون به

الی اللّٰہ بعلا لا عتقادھم. و قیل للارض المستعلیة علی غیر ھابعل ولنّحل النّحل بعل تشبیھا بالبعل من الرّجال ولما عظم حتی یشرب بعروقة بعل لا ستعلائه(۱۷۴)

اردو مفہوم:۔ بعل کے معنی شوہر کے ہیں۔ ہر وہ چیز جو دوسری اشیاء پر فوقیت رکھتی ہو اسے بعل کہنے لگے چنانچہ اہل عرب اپنے بت کو جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے اسے بعل کہہ کر پکارتے تھے کیونکر وہ اسے بلند اور برتر سمجھتے تھے۔علاوہ ازیں بعل کے معنی بلند زمین، نخل نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا سردار نیز ہر وہ بڑا درخت جو اپنی جڑوں کے ذریعے از خود زمین سے پانی جذب کر لیتا ہو۔ اور اسے آبیاری کی ضرورت نہ ہو۔

لسان القرآن میں ہے:۔

''بعل ایک عظیم بت جو فینقی قوم میں دیوتا کی حیثیت پوجا جاتا تھا کنعانی، موامی اور مدیانی بھی اس کی پرستش کرتے تھے شام کا مشہور شہر بعلبک میں اس کا ہیکل تھا۔ جس میں اس پر خوشبوئیں نچھاور کی جاتیں اور طرح طرح کے نذرانے اس کی بھینٹ چڑھائے جاتے روح المعانی میں ہے کہ یہ سونے کا تھا اور اس کا قد بیس گز کا تھا اس کے چار منہ تھے اور چار سو ۴۰۰ خادم یا کاہن اس کی خدمت پر مامور تھے۔''(۱۷۵)

درج بالا تصریحات سے اس بات کی وضاحت کرتیں ہیں کہ بعل کو تسلیم کیا جاتا تھا نیز قدیم مشرق اوسط کے لوگوں کے نظریات کے مطابق یہ الہٰ کے معنی میں استعمال ہوتا تھا۔ لہٰذا تقرب الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

تفہیم القرآن میں ہے کہ:۔

قدیم زمانے کی سامی اقوام اس لفظ کو الہٰ یا خداوند کے معنی میں استعمال کرتیں تھیں۔ اور انہوں نے ایک خاص دیوتا کو بعل کے نام سے موسوم کر رکھا تھا خصوصیت کے ساتھ لبنان کی فینقی قوم Phoenicians کا سب سے بڑا نر دیوتا بعل تھا۔ اور اس کی بیوی عستارات Ashtoreth ان کی سب سے بڑی دیوی تھی۔(۱۷۶)

دراصل بنی اسرائیل کے اذہان میں یہ بات گھر کر چکی تھی کہ اولا دِ نرینہ ہی باپ کے لئے چونکہ سب سے بڑی دولت اور اس کے بعد وارث ہوتی ہے لہٰذا سب سے زیادہ اہم اور متقرب ہوتی ہے۔ اس کی نفسیاتی توجیہہ کی بنیاد کائنات کی مخلوق بالخصوص انسانوں کے درمیان جو چیزیں مفاخر کا سبب بنتی ہیں ان چیزوں میں اولادِ نرینہ سب سے زیادہ اہم نعمت و دولت ہے۔ لہٰذا مخلوق کی نفسیات پر قیاس کرتے ہوئے انہوں نے خالق کو بھی ویسا ہی مان لیا کہ اس کے یہاں بھی ایسا ہی سسٹم ہے۔ نعوذ باللہ۔ اسی سبب انہوں نے سونے کے ذریعے بعل کو وجود خصوصی ڈھالا۔ میں اور اس کا قد بھی عام انسانوں اور جانوروں کے قد سے زیادہ ۲۰ گز پر مشتمل بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے تصور کو وسعت دیتے ہوئے انہوں نے چونکہ کائنات کی چار سمتیں ہیں۔ لہٰذا اس کے چار منہ بنا کر چہار جانب کے انسان پر یہی تاثر دینا چاہا کہ ہر ایک کے لئے یہی تقرب کا ذریعہ ہے۔ ان تشریحات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفسی تصور کو جس شکل میں ڈھالا وہ ان کے نزدیک ہر لحاظ سے طاقتور و توانا تھا۔ اسی لئے حضرت الیاس نے اپنی قوم سے یہی کہا تھا کہ اللہ احسن الخالقین ہے۔ تمہاری ایجاد اس کے موافق نہیں ہو سکتی۔ سورۃ المومنون میں اللہ نے خود انسانوں کی

تخلیق کی طرف انہیں متوجہ کیا اور ہر مقام پر انسان کی محتاجی اور حیرانگی کی کوئی حد نہیں رہی اگر کوئی شخص ان تمام مدارج پر غور کرے تو پھر وہ یقیناً یہی کہنے لگے گا کہ اللہ ہی احسن الخالقین ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولقد خلقنا الانسان من سللةٍ مّن طينٍ ○ ثمّ جعلنه نطفةً فی قرار مّكينٍ ○ ثمّ خلقنا النّطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظما فكسونا العظم لحماً ثمّ انشانه خلقا اخر فتبرك الله احسن الخلقين○ (۱۷۷)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنایا ایک جگہ ٹھہرنے والا۔ پھر ہم نے نطفہ کو جما ہوا خون بنایا پس جمے ہوئے خون سے ہم نے لوتھڑا خلق کیا۔ پھر لوتھڑے سے ہم نے ہڈیاں خلق کیں اور ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا پھر ہم نے اس کو ایک دوسری خلقت میں پیدا کیا۔ پس اللہ بابرکت ہے سب خلق کرنے والوں سے بہترین۔

انسان کی ارتقائی سفر کی منازل اس بات کا بین الثبوت ہیں کہ انسان ان تمام منازل پر محتاج ہی محتاج ہے۔ پھر بھلا محتاج خالق کیسے ہوسکتا ہے؟ یہی وہ نقطہ تھا جسے حضرت الیاس اپنی قوم کو سمجھا رہے تھے۔ ہر شے کے قلب میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ عصر حاضر میں کلون ازم (178).Clonionism کا بہت شہرہ ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک دریافتوں کا سلسلہ ہے انسان تخلیق کرنے کی صلاحیت سے آج بھی عاجز ہیا ورکل بھی رہے گا۔ سورۃ الحج میں انسان کی اس بے بسی اور عاجزی و محتاجی کو رب کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

يايها النّاس ضرب مثل فاستمعوا لهٗ انّ الّذين تدعون من دون اللّٰه لن يّخلقوا ذبابا وّلو اجتمعوا لهٗ وان يّسلبهم الذّباب شيئا لا يستنقذوه منه ضعف الطّالب والمطلوب○ (۱۷۹)

ترجمہ:۔ اے لوگو! مثال بیان کی جاتی ہے پس اسے غور سے سنو۔ وہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں۔ وہ ہرگز ایک مکھی بھی خلق نہیں کر سکتے اگر چہ سب اس کام کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز سلب کر لیتی ہے تو اس کو اس سے واپس لینے پر قادر نہیں۔ کیا ہی بودے طالب اور کیا ہی بودے مطلوب ہیں۔

واقعی انسان کی ایجاد اللہ کی تخلیق کے سامنے بودی ہے۔ چونکہ وہ خود بودا ہے فانی ہے لہٰذا اس کی ایجاد کردہ شے بھی بودی، غیر معیاری ہے جبکہ اللہ کی تمام تخلیق اس کے حکم میں سر بہ سجود ہے۔ لیکن مشرکین کی سوچ اس حقیقت کے برعکس ہے۔ بلحاظ تفہیم القرآن:۔

''محققین کے درمیان اس امر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا بعل سے مراد سورج ہے یا مشتری اور عستارات سے مراد چاند ہے یا زہرہ۔ بہر حال تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بابل سے لے کر مصر تک پورے مشرق اوسط میں بعل پرستی پھیلی ہوئی تھی۔ اور خصوصاً لبنان اور شام و فلسطین کی مشرک اقوام بری طرح اس میں مبتلا تھیں۔ بنی اسرائیل جب مصر سے نکلنے کے بعد فلسطین اور مشرق اردن میں آ کر آباد ہوئے اور تورات کے سخت امتناہی احکام کی خلاف ورزی کر کے انہوں نے اس مشرک قوموں کے ساتھ شادی بیاہ اور معاشرت کے تعلقات قائم کرنے شروع

کر دیئے تو ان کے اندر بھی یہ مرض پھیلنے لگا۔(۱۸۰)

عربی میں شمس مؤنث ہے لہٰذا سورج یہاں مراد نہیں ہو سکتا۔ تاہم قرآن حکیم ہماری رہنمائی اس مسئلے میں بھی فراہم کرتا ہے کیونکہ اللہ کی ذات وصفات اور اس کے تقاضوں میں خواہ مذکر حوالے سے یا مؤنث کے حوالے سے کسی کو شریک ٹھہرایا جائے تو شرک تو بہر حال شرک ہی ہے۔ اس لئے کلام ربانی فرمارہا ہے کہ:۔

انّ الّذین اٰمنوا والّذین ھادوا والصّٰبئین والنّصٰرٰی والمجوس والّذین اشرکوآ انّ اللّٰہ یفصل بینھم یوم القیٰمۃ انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ شھید۝(۱۸۱)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں اور وہ جو ستارہ پرست ہیں۔ اور وہ جو نصرانی ہیں اور وہ جو آتش پرست ہیں اور وہ جنہوں نے شرک کیا یقیناً اللہ ان کے مابین قیامت کے دن فیصلہ کرے گا بے شک اللہ ہر شے پر چشم دید گواہ ہے۔

اس آیت کریمہ کے وضاحت ہو جاتی ہے کہ ستارہ پرستی شرک ہے۔ خواہ وہ اپنی کرنوں سے کتنے ہی دلوں کو مسحور کیوں نہ کرے۔ ہے تو وہ بھی اللہ خالق عزوجل کی مخلوق۔ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اللہ کی تخلیق کردہ ہیں لہٰذا اس کی حکم کے تحت اپنی ذات میں چھپے مقصد کے حصول کے لئے لبیک لبیک کہتی سنائی دیتی ہیں۔ اس حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر ذی عقل کو مشاہدہ کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

الم تر انّ اللّٰہ یسجد لہٗ من فی السّمٰوٰت و من فی الارض والشّمس والقمر والنّجوم والجبال والشّجر والدّوآبّ و کثیر من النّاس و کثیر حقّ علیہ العذاب ومن یّھن اللّٰہ فمالہٗ من مّکرمٍ انّ اللّٰہ یفعل مایشآء۝(۱۸۲)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بے شک جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسانوں میں سے بھی اللہ کے آگے سجدہ ریز ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب واجب ہو چکا ہے اور جسے اللہ ذلیل کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں بے شک اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

مشرکین کے لئے عذاب کی شدت اور اس کے دوام کو قرآن حکیم نے مستقبل قریب و بعید کے کچھ اس طرح ذکر فرمایا ہے کہ:۔

ھٰذٰن خصمٰن اختصموا فی ربّھم فالّذین کفروا قطّعت لھم ثیاب مّن نّارٍ یصبّ من فوق رؤسھم الحمیم۝ یصھر بہٖ مافی بطونھم والجلود۝ ولھم مّقامع من حدیدٍ۝ کلّمآ ارادوآ ان یّخرجوا منھا من غمٍّ اعیدوا فیھا وذوقوا عذاب الحریق۝ انّ اللّٰہ یدخل الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھٰر یحلّون فیھا من اساور من ذھبٍ وّلؤلؤًا ولباسھم فیھا حریر۝ وھدوآ الی الطّیّب من القول وھدوا الٰی صراط الحمید۝(۱۸۳)

ترجمہ:۔ یہ دو جھگڑنے والے گروہ ہیں جو اپنے رب کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ پس وہ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے آگ کے کپڑے قطع کئے جائیں گے ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ جس سے جو کچھ بھی ان کے بطنوں میں ہے وہ اور ان کی جلدیں پگھل جائیں گی اور ان کے لئے لوہے کے گرز ہیں جب کبھی وہ ارادہ کریں گے کہ اس غم واندوہ سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اس جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور اعمال صالحہ بجا لائے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ وہاں سونے کے کنگنوں اور موتیوں کے ساتھ آراستہ کئے جائیں گے۔ اور اس میں ان کا لباس ریشمی ہوگا۔ اور وہ پاکیزہ بات کی طرف ہدایت دے جائیں گے اور سزاوار حمد کی راہ کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے گی۔

اس سزا سے صرف ایمان وعمل صالحہ صالح اختیار کرنے والے ہی مستثنیٰ ہوں گے۔ یہ صالحین کے لئے بشارت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے تا کہ ہم بھی اس چشم فیض سے سرشار ہوسکیں۔

طبعی وادراکی نقطۂ نظر اور الٰہہ حقیقی کا تصور

(قرآن کی روشنی میں)

وخرقوا له البنين و بنٰتٍ بغير علمٍ سبحٰنهٗ و تعالٰى عمّا يصفون ۝ بديع السّمٰوٰت والارض انّى يكون لهٗ ولدٌ ولم تكن لهٗ صاحبة وخلق كل شيءٍ وهو بكلّ شيءٍ عليم ۝ (۱۸۴)

ترجمہ:۔ اور بغیر کسی علم کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیتے ہیں وہ ان صفات سے منزہ بلند و بالا ہے جو وہ قرار دیتے ہیں وہ آسمانوں اور زمینوں کا موجد ہے اس کے ہاں کوئی بیٹا کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے اور اس نے ہر شے کو خلق کیا ہے۔ اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

نسل بڑھانا، تولید Procreation ہے۔ یہ وہ حیاتیاتی عمل ہے جس میں ساری کائنات برابر کی شریک ہے۔ کیونکہ رب العزت فرماتا ہے کہ ہم نے ہر شے کو جوڑے جوڑے بنایا۔ (۱۸۵) لہٰذا تولید کائناتی سطح زندگی کا عمل قرار پاتی ہے۔ انسانوں نے اسی عمل کو الٰہ کے ساتھ بھی منسوب کر دیا۔ جس کے نتیجے میں عقیدۂ ابنیت، ثنویت و تثلیث، عقیدۂ اناث اور دیگر ہمسروں کی صورت میں الٰہ کے مختلف تصورات پیش کئے گئے۔ جو اس قیاسی بات کا پیش خیمہ بنے کہ خالق مخلوق جیسا ہے۔ نعوذ باللہ۔ چنانچہ کئی طبعی ادراکی عقائد گاہے بگاہے پیش کئے گئے۔ بزبان قرآن ان کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

عقیدۂ ابنیت اور قرآن

(ثنویت وتثلیث)

وقالت اليهود عزير ابن الله وقالت النصٰرى المسيح ابن الله ذٰلك قولهم بافواههم يضاهؤن

ترجمہ:۔ اگران دونوں میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بھی ہوتے تو ان دونوں میں ضرورفساد برپا ہوتا پس رب العرش ان صفات سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اتنی تصریح کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ کے علاوہ معبود گردان لے تو اس ضمن میں برھان پیش کرے یعنی دلیل محکم پیش کرے۔ اللہ کا یہ چیلنج ہر اس شخص کے لئے ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور الٰہ کا تصور رکھتا ہو۔(۱۹۱)

عقیدہ تثلیث ایک نفسیاتی جائزہ اور قرآن:۔

ثـــلثة کہتے ہیں تین ۳ کو(۱۹۲) اسی مناسبت کی وجہ سے تین خداؤں کا تصور عقیدۂ تثلیث کہلاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ جس نے ایسا کیا اس نے کفر کیا:۔

لـقـد كـفـر الّـذيـن قالوآ انّ اللّٰه ثالث ثلٰثة وما من اله الّا اله واحد و ان لّم ينتهوا ممّايقولون ليمسّنّ الّذين كفروا منهم عذاب اليم ○(۱۹۳)

ترجمہ:۔ یقیناً ان لوگوں نے کفر اختیار کیا جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے معبود واحد کے اور اگر وہ اس سے باز نہ آئے جو وہ کہتے ہیں تو ان میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر اختیار کیا۔ دردناک عذاب آلے گا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم پر شرک کا الزام:۔

مشرکین نے حضرت عیسیٰ ابن مریم پر بہتان لگایا کہ ہمیں شرک کے لئے عیسیٰ المسیح ابن مریم نے کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ دو معبود بنالو۔ قرآن حکیم میں اللہ اور حضرت عیسیٰ ابن مریم کی گفتگو کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے حکم ربی ہوتا ہے کہ:۔

اذقـال الـلّـه يٰعيسى ابـن مـريـم ءانـت قـلـت للنّاس اتّخذونى و امّى الٰهين من دون اللّٰه قال سبـحٰـنـك مـايكون لى ان اقول ماليس لى بحقٍّ ان كنت قلتهٗ فقد علمتهٗ تعلم مافى نفسى و لا اعلم مافى نفسك انّك انت علام الغيوب ○ مـاقلت لهم الّا مآامرتنى بهٖ ان اعبدوا اللّٰه ربّى و ربّكم و كنت عليهم شهيداً مّادمت فيهم فلمّا توفّيتنى كنت انت الرّقيب عليهم وانت علٰى كلّ شىءٍ شهيد○(۱۹۴)

ترجمہ:۔ اور جب اللہ نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بنالو؟ تو اس نے کہا تو پاک ہے میری یہ مجال نہ تھی کہ وہ بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو بے شک تو اسے جانتا ہوتا تو جانتا ہے جو کچھ میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے نفس میں ہے بے شک تو غیب کا خوب جاننے والا ہے۔ میں نے ان سے نہیں کہا تھا سوائے اس کے جو کچھ تو نے مجھے حکم دیا کہ اللہ کی عبادت کرو میرا رب اور تمہارا رب ہے اور جب تک میں ان میں رہا میں ان پر گواہ تھا اور جب تو نے مجھے وفات دی تو تو ان پر نگہبان تھا اور تو تو ہر شے پر گواہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بزبان رسول بیان ارشاد فرمادیا۔ جس میں گواہ اللہ ہے۔ تو اگر نبی نے ایسا کہا ہوتا تو کیا اللہ جس بات کا ارادہ کرلے تو کوئی اس کو اس کے ارادہ سے باز رکھ سکتا ہے؟ اس کی حکمرانی تو ساری کائنات پر چھائی ہے۔ ان قوم کی گمراہ کن بات نبی کے ساتھ منسوب کرنے والوں نے کفر کیا اور یہ بات کہہ کر ان لوگوں نے صرف حضرت عیسیٰ ابن مریم پر ہی الزام نہیں لگایا۔ بلکہ!!!! اللہ تعالیٰ پر اصلاً یہ الزام عائد کیا ہے۔

کتاب وحکمت ونبوت سے لیس بشر کے لئے دعویٰ ربوبیت جائز نہیں :۔

کوئی بھی رسول یا نبی حق کو باطل لباس نہیں پہنا سکتا۔ کیونکہ جسے اللہ کتاب وحکمت ونبوت عطا کرتا ہے اس کے لئے تو یہ جائز ہی نہیں ہے کہ وہ دعویٰ ربوبیت کر بیٹھے۔ وہ اس قسم کا حکم دے ہی نہیں سکتا۔ حکم ربی ہے کہ :۔

ما كان لبشر ان يّؤتيه اللّٰه الكتٰب والحكم و النّبوّة ثمّ يقول للنّاس كونوا عبادا لّي من دون اللّٰه ولكن كونوا ربّٰنيّن بما كنتم تعلّمون الكتٰب وبما كنتم تدرسون ۝ ولا يامركم ان تتّخذوا الملٰٓئكة والنّبيّن اربابًا ؕ ايامركم بالكفر بعد اذانتم مّسلمون ۝ (۱۹۵)

ترجمہ:۔ ایک بشر کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب وحکمت ونبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ بسبب اس کے کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور بسبب اس کے کہ تم خود بھی پڑھتے ہو۔ اور وہ تمہیں یہ حکم نہیں دیتا کہ تم ملائکہ اور نبیوں کو رب گردان لو کیا وہ تمہیں بعد اس کے کہ تم مسلم ہوئے کفر کا حکم دے گا؟

کیونکہ انبیاء سے عہد لیا جاتا ہے۔ اور اس عہد پر خدا خود شاہد ہوتا ہے۔ (۱۹۶) لہٰذا نبی کی تو شان یہ ہے کہ وہ کبھی بھی عہد سے نہیں پھرتا اسی لئے وہ قوم کو مسلمان کرنے کے بعد کفر سے منع کرتا ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔ اسی لئے اللہ قرآن پاک میں فرماتا ہے کہ۔ بظاہر یہ بات نبی کی جانب منسوب ہے اور حقیقتاً یہ اللہ کی جانب منسوب ہے کیونکہ وہ گواہ ہے۔

اللہ مشرک کو سزا دینے پر قادر :۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان مشرکین سے مخاطب ہے کہ اس کا قانون مجرمین کے لئے یکساں لاگو ہوتا ہے اور دوم یہ کہ قانون مشیت لاگو ہے اور سوم یہ کہ وہ ہر شے پر قادر ہے کفار ومشرکین کو متنبہ کرنے کے لئے اپنے اختیار وصفات کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ :۔

لقد كفر الّذين قالوا انّ اللّٰه هو المسيح ابن مريم ؕ قل فمن يّملك من اللّٰه شيًا ان اراد ان يّهلك المسيح ابن مريم وامّه ومن في الارض جميعًا ؕ وللّٰه ملك السّمٰوٰت والارض وما بينهما ؕ يخلق ما يشآء ؕ واللّٰه علٰى كلّ شيء قدير ۝ (۱۹۷)

ترجمہ:۔ بے شک ان لوگوں نے کفر اختیار کیا جنہوں نے کہا اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے کہہ دے کیا کسی کو اللہ پر ذرا بھی اختیار ہے اگر وہ مسیح ابن مریم، اس کی ماں اور جو کوئی بھی اس دنیا میں ہے ان سب کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرے،

اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور اس کی جو کچھ بھی انکے مابین ہے حکمرانی ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

پیدائش میں شک کی بناء اختلاف :۔

دراصل یہ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کی پیدائش کے بارے میں شک میں مبتلا تھے۔ جس کی وجہ سے گروہوں میں آپس میں اختلاف تھا۔ جس کے سبب انہوں نے شرک کیا۔ جبکہ اللہ فرماتا ہے کہ :۔

ذٰلک عیسیٰ ابن مریمؑ قول الحقّ الّذی فیه یمترون ○ ما کان للّٰه ان یّتخذ من ولدٍ سبحٰنهٗ اذا قضیٰٓ امراً فانّما یقول لهٗ کن فیکون ○ (۱۹۸)

ترجمہ:۔ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں یہی سچ بات ہے جس میں کہ وہ شک کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ ایک بیٹا اخذ کرلے وہ منزہ ہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ کرلیتا ہے۔ تو اسکے لئے کہتا ہے کہ ''ہوجا'' پس وہ ہوجاتا ہے۔

اور یہ سب کچھ اختلاف کے سبب ہوا۔ جبکہ حکم ربی کو اللہ بزبان رسول اللہ سے کہلوا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے تو یہ کہا تھا کہ :۔

وانّ اللّٰه ربّی وربّکم فاعبدوہ هٰذا صراط مّستقیم ○ فاختلف الاحزاب من بینهم فویل لّلّذین کفروا من مشهد یومٍ عظیمٍ ○ (۱۹۹)

ترجمہ:۔ اور بے شک اللہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے۔ پس گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا اور حیف ہے ان پر جو یوم عظیم کی پیشی سے انکاری ہیں۔

مشرک پر جنت حرام :۔

انّه من یّشرک باللّٰه فقد حرّم اللّٰه علیه الجنّة وماوٰه النّار وما للظّٰلمین من انصارٍ ○ (۲۰۰)

ترجمہ:۔ اللہ نے اس شخص پر جس نے اللہ سے شرک کیا، جنت حرام کردی ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

اللہ سے مدد کے حصول کا طریقہ :۔

اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں مشرک کے ٹھکانہ کی نشاندہی کردی ہے۔ اور دوئم یہ کہ یہ بھی بتا دیا کہ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا کیونکہ جس کا اللہ مددگار نہ ہو اس کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ بے شک اللہ ہی بہترین مددگار ہے۔ اگر اس کی مدد کے خواہاں ہو تو پھر ایک راستہ ہے جسے توبہ کا راستہ کہتے ہیں۔ جو اس پر چلے گا تو پھر اللہ کو غفور الرحیم پائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ :۔

افلا یتوبون الی اللّٰه ویستغفرونهٗ واللّٰه غفور رّحیم ○ (۲۰۱)

ترجمہ:۔ پس کیا وہ اللہ سے توبہ نہیں کریں گے اور اس سے مغفرت طلب نہیں کریں گے؟ حالانکہ اللہ تو بخشنے والا رحیم ہے۔

اللہ تولیدی صفت سے منزہ:۔

اللہ تعالیٰ تولیدی صفت سے منزہ ہے۔ وہ اس لئے کہ وہ اکیلا ہی کافی ہے اور دوم یہ کہ اگر اسے اولاد کی ضرورت پڑتی تو وہ تخلیق کے وقت ہی ایسا کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لو اراداللّٰہ ان یّتخذ ولداً لاصطفیٰ ممّا یخلق مایشآء لا سبحٰنہٗ ط ھو اللّٰہ الواحد القھّار○ (۲۰۲)

ترجمہ:۔ اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانے کا ارادہ کرتا تو جنہیں اس نے خلق کیا ان میں سے جس کو چاہتا منتخب کر لیتا وہ تو ان چیزوں سے منزہ ہے وہ اللہ یکتا و غالب ہے۔

اور موٴجد نے جو ایجاد کی ہے اس ایجاد کے ساتھ محض قیاس کی بناء پر رشتہ قرار دینا نہایت نامناسب ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا موٴجد ہے۔

اللہ بدیع السمٰوٰت والارض:۔

بدیع السّمٰوٰت والارض ط انّٰی یکون لہٗ ولدوّلم تکن لہٗ صاحبۃ ط وخلق کل شیءٍ ج وھو بکل شیء علیم○ (۲۰۳)

ترجمہ:۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موٴجد ہے اس کے ہاں بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے اسی نے ہر شے کو خلق کیا ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

بدع کے معنی:. الابداع انشاء صنعة بلا احتذاء واقتداء. واذ استعمل فی اللّٰہ تعالیٰ فھو ایجاد الشیٔ بغیر آلة و مادة ولا زمان ولامکان والا اللّٰہ لیس ذٰلک . (۲۰۴)

اردو مفہوم:۔ الابداع:۔ کسی کی تقلید اور اقتداء کے بغیر کسی شے کو ایجاد کرنا کسی چیز کو بغیر آلہ اور بغیر مادہ اور بغیر زمان و مکان کے ایجاد کرنا یہ معنی اللہ کے لئے مخصوص ہیں۔

یعنی کہ Originator کے ہیں۔ اور عدم سے وجود میں لانا کے ہیں۔ اور اس کائنات میں دین قائم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس کام سے منع کیا ہے کہ کوئی دین میں اضافہ کرے قطعاً جائز نہیں بلکہ بدعت ہے۔ اور یہ جو الزام بیٹا قرار دینے کا لگایا ہے یہ تو نہایت نامناسب ہے۔ کیونکہ ہر چیز اس کی خلق کی ہوئی ہے وہ تو ان تمام صفات سے منزہ ہے جن کی مخلوق کو ضرورت ہے۔

خالق خلقت کی صفات کے اعتبار سے منزہ:۔

اللہ کی صفت اخلاص کو قرآن یوں بیان کرتا ہے کہ:۔

قل ھو اللّٰہ احدٌ○ اللّٰہ الصّمدُ○ لم یلد ولم یولد○ ولم یکن لہ کفواً احدٌ○ (۲۰۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے وہ اللہ یکتا ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ ہی وہ خود کسی سے پیدا ہوا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات ازل سے مکمل ترین اور بلند ترین ہے یعنی The most developed, the Complete the Perfect, and the eternal. لہٰذا قرآن حکیم ہمیں رسولوں کی بابت واضح طور پر بیان فرمارہا ہے کہ تمام رسولوں کو یہی وحی کی گئی اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تمام رسولوں نے ایک ہی پیغام حق سنایا، تب ہی اللہ نے ان کو عباد مکرم قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما ارسلنا من قبلک من رّسولٍ الاّ نوحی الیہ انّہٗ لاالٰہ الاّ انا فاعبدون ○ وقالوا اتّخذ الرّحمٰن ولداً سبحٰنہٗ بل عباد مّکرمون ○ لا یسبقونہٗ بالقول وھم بامرہٖ یعملون ○ یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ولا یشفعونَ الاّ لِمَنِ ارتضٰی وھم مّن خشیتہٖ مشفقون ○ ومن یّقل منھم انّی الٰہ مّن دونہٖ فذٰلک نجزیہ جھنّم کذٰلک نجزی الظّٰلمین ○ اولم یر الّذین کفروآ انّ السّمٰوٰت والارض کانتا رتقاً ففتقنھما وجعلنا من المآء کلّ شیءٍ حیٍّ افلا یؤمنون ○(۲۰۶)

ترجمہ:۔ اور جس کسی رسول کو بھی ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے، اس پر ہم نے یہی وحی کی کہ تحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے ایک بیٹا اخذ کرلیا ہے وہ منزہ ہے بلکہ وہ تو مکرم بندے ہیں۔ وہ قول میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سفارش نہیں کرتے مگر اس کے لئے جس سے وہ راضی ہو اور وہ اس کے ڈر سے لرزاں رہتے ہیں۔ اور ان میں سے جو کوئی یہ کہے کہ اس کے علاوہ میں معبود ہوں ہم اسے جہنم کی سزادیں گے اور ہم ظالموں کو یونہی سزا دیتے ہیں کیا وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا نہیں دیکھتے کہ آسمان وزمین دونوں یک بستہ تھے تو ہم نے انہیں شگافتہ کیا اور ہم نے ہر شے کو پانی سے حیات بخشی کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟

آیات بالا اس بات کی حقانیت کا ثبوت فراہم کرتیں ہیں کہ اللہ چونکہ ہر شے پر شاہد ہے لہٰذا وہ جانتا ہے کہ تمام رسول اس کے مکرم عباد تھے۔ اور عبد کبھی خالق کا شریک نہیں ہوسکتا بلکہ وہ تو ایک لفظ بھی اپنی جانب سے نہیں کہتے بلکہ من جانب اللہ کہتے ہیں ان کی تابعداری اور خشیت الٰہیہ کا یہ حال ہے کہ ہر دم وہ خالق سے ڈرتے ہیں کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کا قانون سب کے لئے یکساں ہے۔ لہٰذا آخر میں مشرکین کو مشاہدہ انفس و آفاق کی دعوت دی ہے نیز قرآن میں یہاں تک کہہ دیا کہ:۔

لواراداللّٰہ اَن یّتّخذ ولداً لاّ صطفٰی ممّا یخلق مایشآءُ سبحٰنہٗ ھُواللّٰہ الواحد القھّار ○(۲۰۷)

ترجمہ:۔ اگر اللہ کسی کو بیٹا بنانے کا ارادہ کرتا تو جنہیں اس نے خلق کیا ان میں سے جس کو چاہتا منتخب کرلیتا۔ وہ تو ان چیزوں سے منزہ ہے وہ اللہ یکتا و غالب ہے۔

تو کیا مشرکین اس مطلق صداقت کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے؟

عقیدہ اناث اور تصور الٰہ ایک نفسیاتی جائزہ

قرآن کی روشنی میں

ان یّدعون من دونہٖ اِلّا انٰثاً وان یّدعون اِلّا شیطٰناً مّریداً (۲۰۸)

ترجمہ:۔ وہ تو اللہ کے بجائے عورتوں کو پکارتے ہیں۔اور سرکش شیطان کو ہی پکارتے رہتے ہیں۔

الانثیٰ:۔

الانثیٰ خلاف الذکر. وقیل ارض انیث سهل اعتبار بالسّهولة الّتی فی الانثیٰ. وقال لما کانت اسماء معبوداتهم مؤنثة نحو اللات والعزیٰ ومنات الثالثة قال ذٰلک و منهم وهو اصح من اعتبر حکم المعنی وقال المنفعل یقال له انیث. ومنفعلا من وجهه فاعلاً من وجهه کالملائکة والانس والجنّ وهم بالاضافة الی اللّٰه تعالیٰ منفعلة وبالاضافة الی مصنوعاتهم فاعلة ولیّ کانت معبوداتهم من جملة الجمادات التی هی منفعلة غیر فاعلة مماها اللّٰه تعالیٰ انثیٰ ویکتهم بها ونّبهم علی جهلهم فی اعتقاداتهم فیها انّها آلهة مع أنها لاتعقل ولا تسمع ولا تبصر بل لا تفعل فعلاً.(۲۰۹)

اردو مفہوم:۔ انثیٰ ذکر کی ضد ہے۔ انثیٰ کے ساتھ تشبیہہ دے کر نرم اور زرخیز زمین کو بھی ارض انیث کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے احکام لفظیہ کے تحت کہا ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کو جن اسماء لات،عزیٰ،مناۃ الثالثہ پکارتے تھے۔ یہ سب مؤنث ہیں اس لئے قرآن نے اناث کہہ کر پکارا ہے۔اور بعض نے معنی کے اعتبار سے کہا ہے کہ ہر منفعل اور ضعیف چیز کو انیث کہا جاتا ہے۔ایک اعتبار سے منفعل اور دوسرے اعتبار سے فاعل جیسے جن وانس اور ملائکہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے منفعل اور اپنی مصنوعات کے لحاظ سے فاعل ہے اور چونکہ ان کے معبود جمادات کی قسم سے تھے جو منفعل محض ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انہیں اناث کہہ کر پکارا اور اس سے ان کی اعتمادی جہالت پر تنبیہہ کی ہے کہ جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے ان میں نہ عقل ہے نہ سمجھ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ بلکہ کسی حیثیت سے بھی کوئی کام سرانجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

خصائص اناث باعتبار قرآن:۔

انثیٰ اور ذکر میں یوں تو کئی فروق پائے جاتے ہیں لیکن اگر اسے حیاتیاتی اور نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو انثیٰ میں دونوں لحاظ سے دو نمایاں خصوصیات نظر آئیں گی جو اسے ذکر سے علیحدہ کرتیں ہیں۔

☆حیاتیاتی اعتبار سے: الف)......زینت ب)......بوجھ اٹھانے کی صلاحیت

☆نفسیاتی اعتبار سے: الف)......خوشنمائی ب)......پیغام کو Concieve کرنے کی خوبی

} (۱) زینت وخوشنمائی

} (۲) بوجھ اٹھانے یا پیغام وصول کرنے کی خوبی

۱) زینت وخوشنمائی:۔

وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھنّ ویحفظن فروجھنّ ولا یبدین زینتھنّ الّا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھنّ علٰی جیوبھنّ ولا یبدین زینتھنّ الّا لبعولتھنّ.(۲۱۰)

ترجمہ:۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دے کہ اپنی نظروں کو نیچی کرلیا کریں اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ اپنی زیبائش کی نمائش نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے ظاہر ہے۔ اور چاہئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ہیں اور اپنی زیبائش کو ظاہر نہ کریں سوائے اپنے شوہروں کے۔

زیّن للنّاس حبّ الشّھوٰت من النسآء والبنین.(۲۱۱)

ترجمہ:۔ لوگوں کی نظر میں خواہشات کی محبت، عورتوں کی، بیٹیوں کی محبت زینت دی گئی ہے۔

أومن ینشّؤا فی الحِلیة وھو فی الخصام غیر مّبینٍ ○ (۲۱۲)

ترجمہ:۔ کیا وہ کہ جس کی پرورش زیورات میں ہوئی ہو اور بحث ومباحثہ میں اس کے دلائل غیر واضح ہوں۔

۲) بوجھ اٹھانے کی خوبی یا پیغام وصول کرنے کی:۔

اللہ یعلم ماتحمل کلّ انثیٰ وما تغیض الارحام وما تزداد وکلّ شیٔ عندہٗ بمقدارٍ ○ عٰلم الغیب والشّھادۃ الکبیر المتعال ○ سوآء منکم مّن اَسَرّ القول جھربہٖ ومن ھو مستخفٍ بالّیل وسارب بالنّھار ○(۲۱۳)

ترجمہ:۔ اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو ارحام کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز کا اس کے ہاں اندازہ ہے۔ وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا بہت بزرگ عالی مرتبت ہے۔ تم میں سے جو کوئی بھی آہستہ یا بلند آواز میں بات کرتا ہے اور رات کی تاریکی میں چھپتا یا دن کی روشنی میں چلتا ہے سب برابر ہے۔

ونفس وّما سوّٰھا ○ فالھمھا فجورھا وتقوٰھا(۲۱۴)

ترجمہ:۔ اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے کامل بنایا کہ اس کی بدکاریاں اور اس کی پرہیزگاری اس پر الہام کردی۔

۳) ملائکہ بحیثیت اناث ایک بہتان:۔

اناث کی درج بالا خصوصیات کے پیش نظر نیز اصول تزویج کے کائنات میں لازمی ہونے سے انہوں نے اپنے قیاس کو اللہ پر منطبق کیا:۔

وجعلوا الملٰئکۃ الّذین ھم عبٰد الرّحمٰن اناثًا اشھدوا خلقھم ستکتب شھادتھم ویسئلون ○(۲۱۵)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے فرشتوں کو جو کہ رحمٰن کی عبادت کرنے والے ہیں عورتیں قرار دے رکھا ہے کیا وہ ان کی

تخلیق پر چشم دید گواہ تھے؟ عنقریب ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

سورۃ الصّٰفّٰت میں اللہ فرماتا ہے کہ:

ام خلقنا الملٰئکۃ اناثاً وّھم شٰھدون ○ الآ انھم من افکھم لیقولون ○ ولد اللہ وانھم لکذبون ○ (۲۱۶)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں خلق کیا ہے اور وہ اس پر شاہد ہیں یقیناً جو کچھ بھی یہ کہتے ہیں۔ وہ ان کا بہتان ہے کہ اللہ نے کسی کو جنم دیا ہے۔ اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

یہ الزام شرارت نفسی کے طفیل اور جنات کی حقیقت کی برعکس ہے۔ کیونکہ بغیر کسی ثبوت کے، بغیر کسی علم کے قیاس کرنا جھوٹی بات ہے۔ اور جھوٹ جہالت پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا جہالت کی پستیوں میں پروان چڑھنے والی سوچ باطل ہوتی ہے اور علم کے آسمان پر پروان چڑھنے والی سوچ برحق ہوتی ہے یہاں بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے ملاحظہ ہو:۔

وجعلوا اللّٰہ شرکآء الجنّ وخلقھم وخرقوا لہٗ بنین و بنٰتٍ بغیر علمٍ سبحنہٗ و تعٰلی عمّا یصفون ○ (۲۱۷)

ترجمہ:۔ اور وہ جنوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں حالانکہ اس نے ان کو خلق کیا اور بغیر کسی علم کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیتے ہیں وہ ان صفات سے منزہ بلند و بالا ہے جو وہ قرار دیتے ہیں۔

ذکر اور انثیٰ کی عجیب تقسیم:۔

اَلکم الذّکر ولہ الانثیٰ ○ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ ○ (۲۱۸)

ترجمہ:۔ کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں ہیں یہ تو بڑی نامناسب تقسیم ہے۔

شرک میں مبتلا انسانوں نے اللہ سے جو رشتہ منسوب کیا ہے وہ نہایت بھونڈا ہے اور نامناسب تقسیم ہے۔ اور بالفرض اگر اللہ کو ان رشتوں کی ضرورت ہوتی بھی۔ تو وہ خالق ارض وسماں ہے اس نے بیٹے اور بیٹیاں خلق کی ہیں تو کیا اس نے تمہیں بیٹوں سے نواز دیا اور خود اپنے لئے بیٹیاں اخذ کر لی ہیں؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

اَم اتّخذ مّما یخلق بنٰتٍ وّاصفٰکم بالبنین ○ (۲۱۹)

ترجمہ:۔ یا یہ کہ جو اس نے خلق کیا ہے اس میں سے اس نے بیٹیاں اخذ کر لی ہیں اور تمہیں بیٹوں سے نواز دیا ہے؟

گو کہ خلق اور تولید ان دونوں کی وضاحت کی جا چکی ہے لیکن یہاں مختصراً یہ کہ خلق سے مراد پہلی بار مختلف عناصر کو نئی نئی ترکیبیں دینا اور اس طرح ان سے اور چیزیں پیدا کرتے جانا۔ اور یہ شان صرف رب کریم ہی کی ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے۔ خلق میں اضافے کرتا رہتا ہے۔ لیکن تولید Procreation خالصتاً مخلوق سے وابستہ ہے۔ کیونکہ ہر انسان جسم بھی رکھتا ہے اور نفس بھی۔ لہٰذا دو طرح کے عمل ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱) حیاتیاتی عمل Biological Action

۲) نفسیاتی عمل Psychological Action

اور ان دونوں قسم کے عمل سے انسان گزرتا ہے اور اللہ گزارتا ہے۔ ان چیزوں کی ضرورت انسان کو ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کونہیں۔ اگر ہوتی تو یہ کام تو اس کے لئے آسان تھا کہ تخلیق کے وقت ہی وہ اپنے لئے انتخاب کر لیتا۔ لیکن مشرکین کے قیاس نے انہیں ہر حدود سے تجاوز کر دیا۔ یہاں تک کہ اناث ان کے دل و دماغ پر دوادن خوبیوں حیاتیاتی اور نفسیاتی بناء پر اس قدر چھا گئی کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ یہ رشتہ منسوب کر دیا۔ اور خود ان لوگوں کا یہ عالم ہے کہ:۔

واذا بشّر احدهم بما ضرب للرّحمٰن مثلاً ظلّ وجهه مسوداً وّهو کظیم○(۲۲۰)

ترجمہ:۔ اور جب ان میں سے کسی ایک کو اس کی بشارت دی جاتی ہے کہ جس کی مثال وہ رحمٰن کے لئے دیتا ہے تو اس کا چہرہ مارے غصے اور رنج کے سیاہ پڑ جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ انثیٰ جب خوبیوں سے لیس ہے تو پھر جب ان کے یہاں اس کی پیدائش کی خوش خبری سنائی جاتی ہے تو پھر ان کا چہرہ کیوں سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہ بجائے خوشی کے رنجیدہ کیوں ہو جاتے ہیں۔ جبکہ وہ ان ہی خوبیوں کی بناء پر رشتہ رحمٰن سے منسوب کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ:۔

اَوَمَن یّنشّؤا فی الحِلیة وهو فی الخصام غیر مّبینٍ○(۲۲۱)

ترجمہ:۔ کیا وہ کہ جس کی پرورش زیورات میں ہوئی ہو اور بحث ومباحثہ میں اس کے لئے دلائل غیر واضح ہوں؟

چنانچہ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان سے دلیلیں مانگیں ملاحظہ ہوں:۔

باری تعالیٰ کا بہتان کے اثبات میں دلائل کا تقاضہ:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ادراکی نقطۂ نظر کے حاملین سے ان کے بہتان کے سلسلے میں دلائل طلب کئے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ام لکم سلطٰن مّبین○ فاتوا بکتٰبکم ان کنتم صٰدقین○(۲۲۲)

ترجمہ:۔ یا کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟ پس اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔

سلطان: مادہ س ل ط، السّلاطة التّمکّن من القهر یقال سلطته فتسلّط(۲۲۳)

اردو مفہوم:۔ السّلاطة کے معنی غلبہ حاصل کرنے کے ہیں۔ اور سلطته فتسلط کے معنی میں نے اسے مقہور کیا تو وہ مقہور ہو گیا۔

اس طرح سلطان کا لفظ تسلط، غلبہ اور مقہور کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا درج بالا آیات میں دعویٰ کی صداقت میں رب تعالیٰ نے دو چیزیں ان سے طلب کیں سلطٰن جس کے معنی ومفہوم کی وضاحت کی جا چکی ہے اور دوم کتاب۔ اب ان پر کٹھن وقت آ گیا۔ تب یہ جان گئے کہ نہ اگلے بن چین نہ نگلے بن چین۔ بہر حال بہتان تراشی کی ہے تو کوئی نہ کوئی بات تو کرنی پڑے گی۔

ادراکی نقطۂ نظر کے حاملین کے دلائل :۔

سچ کو آنچ نہیں یہ حقیقت یہاں پر صادق آتی ہے اس بات کو مشرکین بخوبی جانتے تھے۔ لہٰذا الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے کیونکہ انہیں کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس لئے انہوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا وہ ہر مجرم آج تک استعمال کرتا ہے ملاحظہ ہو:۔

الزام برائے الزام:۔

اس طریقہ کے تحت انہوں نے بظاہر اپنی عزت نفس کو دھچکے سے بچا لیا۔ مگر حقیقت سے وہ بھی خوب واقف تھے۔ لہٰذا تین الزامات لگائے اور یہی ان کے دلائل تھے:۔

پہلی دلیل :۔

انہوں نے پہلا الزام اپنے آباؤ اجداد پر لگایا اور کہا کہ ہمیں اپنے آباؤ اجداد کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں ملی تھی۔ اگر ملی ہوتی تو آج ہم بھی ضرور اللہ کے مخلص بندے ہوتے۔ یہ الزام قرآن کی روشنی میں ملاحظہ ہو:۔

و ان کانوا لیقولون○ لو انّ عندنا ذکراً مّن الاوّلین○ لکُنّا عباداللّٰہ المخلصین○ (۲۲۴)

ترجمہ:۔ اور تحقیق وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت پہلوں کی جانب سے آئی ہوتی تو ہم بھی ضرور اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

دوسری دلیل :۔

کفار و مشرکین کا انکار فقط معبود سے نہیں تھا بلکہ ان کا اعتراض یہ تھا کہ ایک معبود کے لئے یہ سب کچھ ممکن نہیں بلکہ بہت سے معبود ہیں۔ ان کے یہاں ایک معبود کی بات بڑی عجیب ہے اس لئے ان کے اور ان کے رؤسا کے لئے ایک معبود ناممکن ہے اس کا اظہار انہوں نے خود اس طرح کیا:۔

اجعل الآلھۃ الٰھاً وّاحداً انّ ھذا لشیٔ عجاب ○ وانطلق الملآء منھم ان امشوا واصبروا علیٰ الھتکم انّ ھذا لشیٔ یّراد○ (۲۲۵)

ترجمہ:۔ کیا اس نے سب معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود قرار دیا ہے؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے! اور ان کے رؤسا یہ کہتے ہوئے نکلے چلو!!!! اور تم اپنے معبودوں کی بندگی پر قائم رہو۔

تیسری دلیل :۔

یہ لوگ اللہ کی کتاب کی صداقت وحقانیت کو اس قدر پہچانتے تھے کہ جس قدر کوئی اپنے سگے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ لہٰذا فقط اپنے منصوبے کی خاطر توحید سے انکار کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ ان کے دلوں میں اللہ کے غیض وغضب کا خوف موجود تھا لہٰذا قانون مشیٔت کو مدنظر رکھ کر دلیل دی کہ:۔

وقالوا لوشآء الرّحمٰن ماعبدنٰھم ط(۲۲۶)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی بندگی نہ کرتے۔

مذکورہ دلائل قیاسی تصورات کے پلندہ کے سوا کچھ نہیں اور اندر کے خوف نے انہیں تزلزل کی منزل پر لا کھڑا کر دیا ہے اس لئے ان کے دلائل نہ صرف بھونڈے ہیں بلکہ نہایت غیر واضح بھی ہیں۔ ان دلائل میں کہیں بھی عقل و منطق کا استعمال نہیں کیا گیا۔ بلکہ سرے سے ہی اندھے پن Blindness کا شکار ہیں۔ یہی کمزوری انہیں عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب بنی ہے۔ رب تعالیٰ کے پاس ان کی غیر واضح دلیلوں کا روشن جواب موجود ہے۔

معترضین کے دلائل کی تردید بذریعہ قرآن

معترضین توحید نے بہتان کے جواب میں جو دلائل پیش کئے ان میں حقیقت ہے یا نہیں؟ وہ واضح ہیں یا غیر واضح، وہ کتابی ہیں یا قیاسی؟ اس کا اندازہ ہم سب قرآنی آیات کی حکمتوں سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

پہلی دلیل کا قرآنی ردّ:۔

قرآن دین آباء یا سنت آباء کی بغیر سوچے سمجھے تقلید کی قابل قدر مذمت کرتا ہے کیونکہ آباء کی قول و سنت اللہ کے حکم کے بغیر مستند نہیں ہو سکتے خالق و مخلوق کے فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ خالق کے سامنے ان کے آباء کی حیثیت ہی کیا ہے۔ اور وہ بھی ایسے آباء کی جو کہ ہدایت یافتہ بھی نہ تھے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

واذاقیل لھم تعالوا الی مآ انزل اللّٰہ والی الرّسول قالو احسبنا ما وجدنا علیہ اٰبآء ناء ط اولو کان اٰباؤھم لایعلمون شیئا وّلا یھتدون ○ یاٰیّھا الّذین اٰمنوا علیکم انفسکم ج(۲۲۷)

ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کیا ہے اور الرسول کی طرف تو کہتے ہیں کہ ہمارے لئے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا اور اگر چہ ان کے آباء کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اور نہ ہی ہدایت یافتہ تھے۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو تمہارے خلاف تو تمہارے ہی نفوس ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کی بات مان کر ہی گمراہی میں جا گرتا ہے اس کا نفس اسے جو مزین کر کے دکھاتا ہے اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن النّاس من یّتّخذ من دون اللّٰہ اندادا یحبّونھم کحبّ اللّٰہ ط(۲۲۸)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اس کے ہمسر بنا لئے ہیں۔ وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔

دراصل ہٹ دھرمی کی نفسیاتی وجہ دراصل آباء سے حب شدید ہے کہ جس کی بناء پر یہ اس قسم کی حرکات کر رہے ہیں۔ اور اسی محبت نے ان کے نفس کو ان پر غالب کر دیا ہے۔ لہٰذا انہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ:۔

ام کنتم شھدآء اذ حضر یعقوب الموت لا اذقال لبنیہ ماتعبدون من م بعدی ط قالوا نعبد الٰھک

والٰہ اٰبآئک ابرٰھم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھاً وّاحداً وّنحن لہٗ مسلمون ○ تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم مّا کسبتم ولا تسئلون عمّا کانوا یعملون ○ (۲۲۹)

ترجمہ:۔ یا کیا تم اس وقت گواہ تھے جب یعقوب کو موت آئی جب اس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود کی اور تیرے آباء ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق کے معبود معبود واحد کی بندگی کریں گے اور ہم اسی کے تابع فرمان ہیں۔ وہ ایک امت تھی جو گزر چکی انہی کے لئے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا۔ اور جو کچھ وہ کیا کرتے تھے اس کا سوال تم سے نہیں کیا جائے گا۔

یہود و عیسائیت کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے چلا آ رہا تھا وہی ان کے آباء اولین تھے۔ انہوں نے توحید کو اپنی زندگیوں میں ڈھالا اور پیچھے بھی کلمۂ توحید ہی چھوڑا:۔

وجعلھا کلمۃً باقیۃً فی عقبہٖ لعلّھم یرجعون ○ (۲۳۰)

ترجمہ:۔ اور اس نے کلمۂ توحید کو اپنے پیچھے باقی چھوڑا تا کہ وہ رجوع کریں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آبائے اولین کا پروردگار اللہ ہی ہے۔ تاہم قرآن میں باری تعالیٰ نے خود فرما دیا:۔

لا الٰہ الاّ ھو یحیی ویمیت ربّکم و ربّ اٰبآئکم الاوّلین ○ (۲۳۱)

ترجمہ:۔ کوئی معبود نہیں سوائے اس کے وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے تمہارا اور تمہارے آبائے اولین کا پروردگار ہے۔

دوسری دلیل کا قرآنی ردّ:۔

اسلام اطاعت کلی کا نام ہے اور دین ابراہیم کے شعور و روح کا نام۔ اس دین کی حقیقت سے فقط نفس کا غلام ہی منحرف ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی اساس رب واحد ہے۔ اسی لئے اللہ تمام انسانوں سے مخاطب ہے اور انسانی عمل کے غیبی نتائج سے آگاہ کر رہا ہے:۔

ومن یرغب عن ملّۃ ابرٰھم الاّ من سفہ نفسہٗ ولقد اصطفینٰہ فی الدّنیا وانّہٗ فی الاٰخرۃ لمن الصّٰلحین ○ اذ قال لہٗ ربّہٗ اسلم قال اسلمت لربّ العٰلمین ○ ووصّٰی بھآ ابرٰھم بنیہ ویعقوب یٰبنیّ انّ اللّٰہ اصطفٰی لکم الدّین فلا تموتنّ الاّ وانتم مسلمون ○ (۲۳۲)

ترجمہ:۔ اور کون ملت ابراہیم سے منحرف ہوسکتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا اور بے شک ہم نے اس کو دنیا میں منتخب کر لیا اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہے جب اس کے رب نے اس سے کہا کہ مطیع کامل بن جا اس نے کہا میں نے رب العالمین کے حضور سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اسی کی ابراہیم اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ کہ اے میرے بیٹوں بے شک اللہ نے تمہارے لئے دین کا انتخاب کر لیا ہے پس یاد رکھو کہ تمہیں موت نہ آ جائے مگر اس حالت میں کہ تم مطیع کامل بن چکے ہو۔

تو کیا یہ وصیت اور اس کے مطابق مشرکین کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں تو کم از کم عقل کو ہی استعمال کرلیں۔ وہ اس طرح کہ اس سے زیادہ معبود تو بڑی بات اگر دو خدا ہوتے تو!!!

لو کان فیھما الھۃ الا اللّٰہ لفسدتا ج (۲۳۳)

ترجمہ:۔ اگر ان دونوں میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد برپا ہو جاتا۔

اس طرح ان کی یہ دلیل ان کی کم مائیگی عقل کے شاخسانہ کے سوا کچھ نہیں۔

تیسری دلیل کا قرآنی ردّ:۔

قانون مشیئت کے کچھ تقاضے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مشیئت الٰہی ہر شے پر لاگو ہے لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اختیار Option دیا ہے نیکی کا اور بدی کا کہ وہ جسے چاہے اختیار کر لے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ انسان اپنی معمولی سے لے کر غیر معمولی طلب کے لئے اللہ کی مشیئت کا متقاضی رہے۔ اس طرح یہ تعلق دوطرفہ بن جاتا ہے۔ تب مشیئت انسان مشیئت الٰہی سے فیضیاب ہوتی ہے۔ مشیئت الٰہی کا مقصد یہ ہرگز نہیں ہے کہ مجرمین جنت میں چلے جائیں اور مخلصین جہنم میں۔ اسی حقیقت کو رب تعالیٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

انّ ھٰذہٖ تذکرۃ ج فمن شآء اتّخذالٰی ربّہ سبیلاً ○ وما تشآؤن الا ان یّشآء اللّٰہ انّ اللّٰہ کان علیما حکیما ○ یّدخل من یّشآء فی رحمتہٖ والظّٰلمین اعدّلھم عذابا الیما ○ ع (۲۳۴)

ترجمہ:۔ بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ اختیار کر لے۔ اور تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں سوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے بے شک اللہ جاننے والا صاحب حکمت ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

مذکورہ آیت مبارکہ ان کی اس دلیل کو بھی بھونڈہ ثابت کرتی ہے۔ حقیقت حال کو قرآن نے اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

مالھم بذٰلک من علمٍ ق ان ھم الا یخرصون ○ ط ام اٰتینٰھم کتٰباً مّن قبلہ فھم بہ مستمسکون ○ (۲۳۵)

ترجمہ:۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں وہ تو بس قیاسی باتیں کیا کرتے ہیں۔ یا ہم نے ان کو پہلے سے کوئی کتاب دے رکھی ہے جسے وہ مضبوط پکڑے ہوئے ہیں؟

سچ تو یہ ہے کہ ان کے پاس نہ تو سلطان ہے نہ برہان۔ ان کے دلائل قرآن کے حقائق اور منطق کے مطابق ردّ ہو جاتے ہیں۔ اتمام حجت بھی ہو چکی۔ کیونکہ رسول کا خطاب موجود ہے کہ:۔

قٰل اولو جئتکم باھدٰی ممّا وجدتّم علیہ اٰبآء کم ط قالوآ انّا بمآ ارسلتم بہ کٰفرون ○ فانتقمنا منھم فانظر کیف کان عاقبۃ المکذّبین ○ ع (۲۳۶)

ترجمہ:۔ اس نے کہا خواہ میں تمہارے پاس اس سے بہتر ہدایت کی راہ لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا تھا؟ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم اس سے انکاری ہیں۔ جس کے لئے تمہیں بھیجا گیا۔ پس ہم نے اس سے انتقام لیا اور دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اتمام حجت کے بعد عذاب مقدر ہے:۔

اتمام حجت کے بعد عذاب لازم وملزوم ہو جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ عذاب کس طرح دے گا وہ اس پر خود قادر ہے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

فاذ انزل بساحتھم فسآء صباح المنذرین○(۲۳۷)

ترجمہ:۔ پس جب وہ ان کے آنگن میں اتر آئے گا تو متنبہ کئے گیوں کی وہ بہت بری صبح ہوگی۔

فارتقب یوم تاتی السّمآء بدخانٍ مّبینٍ○ یّغشی النّاسؕ ھذا عذاب الیم○ ربّنا اکشف عنّا العذاب انّا مؤمنون○(۲۳۸)

ترجمہ:۔ پس انتظام کر اس دن کا جبکہ آسمان ایک واضح دھواں لائے گا جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا یہ دردناک عذاب ہوگا۔ اے ہمارے پالنے والے ہم سے اس دردناک عذاب کو دور کر دے تو ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔

طبعی وادرا کی نقطۂ نظر کا مختصر جائزہ

الآ انّھم من افکھم لیقولون○ ولد اللّٰہ وانّھم لکٰذبون○ اصطفی البنات علی البنین○ مالکم کیف تحکمون○ افلاتذکّرون○(۲۳۹)

ترجمہ:۔ یقیناً جو کچھ بھی یہ کہتے ہیں وہ ان کا بہتان ہے کہ اللہ نے کسی کو جنم دیا ہے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں کیا اس نے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیوں کا انتخاب کیا ہے؟ تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟

کفار ومشرکین کے اس طبعی وادرا کی نقطۂ نظر کا ہم تفصیلی جائزہ لے چکے ہیں جس سے یہ حقیقت ابھر کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ وہ پاک ومنزہ ہستی ہے اس پر دو ہونے کا الزام ہو یا زائد ہونے کا صریحاً ظنی وقیاسی ہے۔ قانون تزویج مخلوق پر لاگو ہے نہ کہ نعوذ باللہ خالق پر۔ ان کے قیاس کی بنیاد ہی قانون تزویج ہے۔ جس کا جواب بزبان جنات، قرآن میں مذکور ہے:۔

قل اوحی الیّ انّہ استمع نفر مّن الجنّ فقالوآ انّا سمعنا قرانًا عجبًا○ یّھدیٓ الی الرّشد فاٰمنّا بہٖ ولن نّشرک بربّنآ احدًا○ وّانّہ تعٰلی جدّ ربّنا ما اتّخذ صاحبۃً وّ لا ولدًا○(۲۴۰)

ترجمہ:۔ کہہ دے مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ جنوں کے ایک گروہ نے بغور سنا پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیکی کی طرف ہدایت کرتا ہے پس ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں گردانتے اور یہ کہ ہمارا پروردگار بڑا عالیشان ہے اس کی نہ تو کوئی بیوی اور نہ ہی کوئی بیٹا اختیار کیا ہے۔

جنات اس حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ وہ اللہ کے حضور حاضر کئے جائیں گے۔ دوم یہ کہ وہ زمین پر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ سچ صرف وہی ہے جسے قرآن میں رب تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا:۔

وجعلوا للّٰہ شرکآء الجنّ وخلقھم و خرقوا لہٗ بنین و بنٰت بغیر علمٍ سبحٰنہٗ و تعٰلی عمّا یصفون ۝ بدیع السّمٰوٰت والارضؕ انّٰی یکون لہٗ ولدٌ لم تکن لّہٗ صاحبۃٌؕ وخلق کلّ شیءٍۚ وھو بکلّ شیءٍ علیم۝(۲۴۱)

ترجمہ:۔ اور وہ جنوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس نے ان کو خلق کیا اور بغیر کسی علم کے اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیتے ہیں۔ وہ ان صفات سے منزہ بلند و بالا ہے۔ جو وہ قرار دیتے ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اس کے ہاں کوئی بیٹا کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے اور اسی نے ہر شے کو خلق کیا ہے۔ اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔

اس تصریح سے طبعی وادراکی فکر کے حاملین کی تسلی ہو جانی چاہئے جو بات بناء علم کے کہی جائے وہ کبھی مصدق نہیں ہوتی اور یہ گناہ کبیرہ بھی ہے اس لئے نہ صرف اللہ بلکہ اس کے مخلص بندے بھی اس ظنی شرک سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ خلوص کامل کے ساتھ اللہ کے آگے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ خود باری تعالیٰ نے اس کی گواہی دی ہے کہ:۔

سبحٰن اللّٰہ عمّا یصفونۙ۝ الّا عباد اللّٰہ المخلصین۝(۲۴۲)

ترجمہ:۔ اللہ ان صفات سے منزہ ہے جو کبھی بھی وہ بیان کرتے ہیں اور اللہ کے مخلص بندے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

سبحٰن ربک رب العزّۃ عمّا یصفون ۝ۚ وسلٰم علی المرسلین ۝ۚ والحمد للّٰہ رب العالمین۝ؑ(۲۴۳)

ترجمہ:۔ تیرا صاحب عزت پروردگار ان صفات سے منزہ ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو مرسلین پر اور تمام تعریف تو جہانوں کے پالنے والے اللہ ہی کے لئے ہے۔

نیز الناس کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبان جنات کہلوا دیا تا کہ حضرت انسان جنات کی حیثیت کا درست اندازہ لگا سکے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے ذمے جو کام لگا دیا جس مقام پر فائز کر دیا۔ وہی کام انجام دینے پر لگ گئے اور یہی عمل فرمانبرداری ان کی تسبیح ہے۔ حضرت انسان کو چاہئے کہ وہ ان کے اس ڈائیلاگ پر غور کریں کہ:۔

فانّکم وما تعبدونۙ۝ مآ انتم علیہ بفٰتنینۙ۝ الا من ھو صال الجحیم۝ ومآ منّا الا لہٗ مقام معلومۙ۝ وّانّا لنحن الصّآفّونۚ۝ وانّا لنحن المسبّحون۝(۲۴۴)

ترجمہ:۔ پس تحقیق تم اور وہ جن کی تم بندگی کرتے ہو اللہ کے برخلاف کسی کو بہکا نہیں سکتے سوائے اس کے جو خود جہنم میں کودنے والا ہے اور ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے کہ جس کے لئے ایک معین مقام نہ ہو اور یقیناً ہم سب صف بستہ کھڑے ہونے والے ہیں اور بے شک ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

قرآن حکیم نے ہر انسان کے اندر چھپے ہوئے نفس کا پردہ چاک کرنے کے لئے ہر طرح کے دلائل دیئے ہیں

تا کہ کوئی تشنہ لب نہ رہ جائے۔ اس لئے تحقیق و مشاہدے میں مستغرق رہنے والے انسانوں کو اور عام انسانوں سے لے مختلف طریق کار اختیار کئے تا کہ ہر کوئی آگاہی حاصل کر سکے لہٰذا آخر میں معرفت وحکمت کے حصول کے لئے قرآن نے باخبر کرنے کے بعد پس پردہ وحی کا طریقہ اختیار کیا تا کہ انسان اپنے اندر کی آواز کو سن کر بول اٹھے کہ:۔

قل لّو کان معهٗ اٰلهة کما یقولون اذاً لّا تبغوا الٰی ذی العرش سبیلاً ○ سبحٰنهٗ و تعٰلٰی عمّا یقولون علوّاً کبیراً ○ (۲۴۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے اگر بقول ان کے اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے تب تو وہ یقیناً صاحب عرش تک رسائی کی راہ تلاش کر لیتے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ وہ اس سے کہیں بلند و بالا اور منزہ ہے۔

سوچ ذرخیزی کی علامت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشاہدہ Observation کی طرف اسی لئے متوجہ کیا ہے کہ انسان ان نشانیوں پر غور و فکر کرنے کے بعد ایک خاص نتیجہ پر پہنچ سکے۔ اور رب کی حقیقت کی معرفت وحکمت حاصل کر سکے۔ مگر جب انسان خود فکری کا حامل ہوگا۔ تب اذہان کے زنگ جھڑیں گے تب ہی شعور جنم لے گا جب سینوں کی کدورتیں ختم ہوں گی تب ضمیر کی آواز بلند ہوگی۔

قل ارئیتم ان جعل اللّٰه علیکم الّیل سرمداً الٰی یوم القیٰمة من اٰله غیر اللّٰه یاتیکم بضیآءٍ ط افلا تسمعون ○ قل ارئیتم ان جعل اللّٰه علیکم النّهار سرمداً الٰی یوم القیٰمة من اٰله غیر اللّٰه یاتیکم بلیلٍ تسکنون فیه ط افلا تبصرون ○ ومن رّحمته جعل لکم الّیل والنّهار لتسکنوا فیه ولتبتغوا من فضله ولعلّکم تشکرون ○ (۲۴۶)

ترجمہ:۔ کہہ دے! کیا تم غور نہیں کرتے کہ اگر اللہ تم پر قیامت کے دن تک رات طاری کر دیتا تو اللہ کے سوا کون سا معبود تمہیں روشنی لا دیتا۔ پس کیا تم غور نہیں کرتے کہ اگر اللہ تمہارے۔لئے یوم قیامت تک ہمیشہ دن ہی قرار دے دیتا تو اللہ کے سوا کون سا معبود تمہیں رات لا دیتا کہ تم اس میں آرام کرتے پس کیا تمہیں اتنی بھی سوجھ بوجھ نہیں؟ اور یہ اس کی رحمت میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے رات اور دن قرار دیئے تا کہ تم اس میں آرام کر سکو اور اس میں اس کا فضل تلاش کر سکو اور تا کہ تم شکر گزار بنو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہم سب انسانوں کو معرفت وحکمت کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

تصور الٰہ اور اللّٰت کا نفسیاتی تجزیہ اور قرآن

افرئیتم اللّٰت والعزّٰی ○ ومنٰوة الثّالثة الاخرٰی ○ الکم الذّکر وله الانثٰی ○ تلک اذاً قسمة ضیزٰی ○ ان هی الّا اسمآء سمّیتموهآ انتم واٰبآؤکم مّآ انزل اللّٰه بها من سلطٰنٍ ط ان یّتّبعون الّا الظّنّ وما تهوی الانفس ج ولقد جآءهم من رّبّهم الهدٰی ○ ط (۲۴۷)

ترجمہ:۔ اور کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے اور ایک تیسری مناۃ کو۔ کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے

بیٹیاں ہیں؟ یہ تو بڑی نامناسب تقسیم ہے یہ تو فقط نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں جس کے لئے اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی وہ تو صرف ظن اور خواہش نفس ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔

الہٰ اور اللّٰت کے معنی و مفہوم:۔

اللّٰت بطور الہٰ کے ہے۔ لہٰذا ہم اس کے معنی سے اس کے مفہوم کا ادراک کریں گے۔ امام راغب المفردات فی غریب القرآن میں لکھتے ہیں:۔

اللات والعزی صنمان واصل اللات اللّٰہ فخذ فوامنہ الھاء وأدخلو التاء فیہ وأنثوہ تنبیھا علیٰ قصورہ عن اللّٰہ تعالیٰ وجعلوہ مختصاً بما یتقرّب بہ الی اللّٰہ تعالیٰ فی زعمھم.(۲۴۸)

اردو مفہوم:۔ اللاّت اور العزّیٰ دو بتوں کے نام ہیں۔ اللاّت اصل میں اللہ ہے ہاء کو حذف کر کے اس کے عوض تاء تانیث لائی گئی ہے اور اس تانیث سے اللہ تعالیٰ کے مرتبے سے کم ہونے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کو اپنے زعم میں قرب الٰہی حاصل کرنے کا خاص ذریعہ سمجھتے ہیں۔

مولانا سید عبید الدائم الجلالی لغات القرآن میں اللّٰت کے بارے میں کہتے ہیں:۔

''لات اقوام بابل کی دیویوں میں سے ایک دیوی تھی۔ رب الارباب یعنی خدا خدائگان کی بہن یا بیٹیاں جہاں مامناتو (مَنوٰۃ) اور استار تھیں وہاں لات بھی ایک بہن یا بیٹی تھی۔ تاہم ولسن کی یہ صراحت کہ لات سورج کی دیوی تھی۔ صحیح ہے۔''(۲۴۹)

ایسا شاید اس لئے کہا گیا کہ یہ لوگ شمس کی بھی پوجا کرتے تھے۔ المفردات فی غریب القرآن میں ہے:۔

والہ جعلوما سمّاً لکلّ معبود لھم لکذا الذّات وسمّو الشّمس الاھۃ لا تخاذھم ایّاھا معبوداً.(۲۵۰)

اردو مفہوم:۔ الہٰ کا لفظ عام ہے ہر معبود پر بولا جاتا ہے اور سورج کو الاھۃ کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ اس کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا۔

اللہ کی نسبت الہٰ:۔

مختلف ادوار میں لوگوں نے الہٰ کے تصور کو محض گمان کی بناء پر اللہ سے مختلف نسبتیں دے رکھی ہیں۔ عقیدہ انا ث اس گمان کا ہی نتیجہ ہے۔ لات، عزّیٰ اور منوٰۃ اسی کا شاخسانہ ہیں جبکہ رب کریم نے فرمادیا:۔

ولاتدع مع اللّٰہ الٰھاً اٰخرؕ لآ الٰہ الّاھوؕ(۲۵۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو کوئی معبود نہیں سوائے اس کے۔

لا تسجدوا للشّمس ولا للقمر واسجدو اِللّٰہ الّذی خلقھن ان کنتم ایّاہ تعبدونO(۲۵۲)

ترجمہ:۔ نہ سجدہ کرو شمس کو اور نہ ہی قمر کو۔ بلکہ سجدہ کرو اللہ کو کہ جس نے انہیں خلق کیا اگر تم اس کی بندگی کرتے ہو۔

بطل پرستی ایک نفسیاتی مرض:۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی اکثریت محض ناموں کی ہی پرستش میں مشغول ہے اور وہ تصور ہے۔ Heroworship کا۔ یہ وہ نفسیاتی مرض ہے کہ جس سے شاید ہی کوئی جماعت محفوظ رہی ہو۔ اس طرح کی پرستش میں انسانی معرفت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تمام باتیں بے بنیاد بے دلیل ہوتی ہیں اس لئے کہ یہ نفس انسانی کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اور نفس انسانی کے علم کی انتہا صرف دنیا تک ہی محدود ہے۔ آخرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ بطل پرستی ایک نفسیاتی مرض ہے کیونکہ ہر کوئی اپنی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

قیاسی نام رکھنے کی توجیہہ اور اس کی حقیقت:۔

بطل پرستی کو فروغ دینے والے قیاسی نام اس لئے رکھتے ہیں تاکہ یہ نام اصل مسمیات سے حجاب بن جائیں۔ اس طرح مخلوق خالق سے بے نیاز ہو کر گمراہیوں کی پستیوں میں غرق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رجحان کے حاملین محض دنیاوی زندگی کے لئے اصل سے حجاب اختیار کرتے ہیں تو پھر مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

انّ الّذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ لیسمّون الملٰئکۃ تسمیۃ الانثیٰ O ومالھم بہ من علمٍ ان یّتّبعون الّا الظّنّ وانّ الظّنّ لا یغنی من الحقّ شیئاً O فاعرض عن مّن تولّٰی ھٗ عن ذکرنا ولم یرد الّا الحیٰوۃ الدّنیا O ذٰلک مبلغھم مّن العلم انّ ربّک ھو اعلم بمن ضلّ عن سبیلہٖ وھو اعلم بمن اھتدٰی O(۲۵۳)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے فرشتوں کے نام عورتوں جیسے رکھ لیتے ہیں۔ اور انہیں اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے، وہ تو صرف وہم و گمان کی ہی پیروی کرتے ہیں حالانکہ گمان تو حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کر سکتا پس جو ہمارے ذکر سے روگردانی کرے اور صرف کمینی زندگی کا ہی طلبگار ہو تو تُو بھی اس سے منہ پھیر لے۔ ان کے علم کی انتہا تو بس یہی ہے۔ بے شک تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور جس نے ہدایت پائی وہ اس سے بھی خوب واقف ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ لوگ بلا سوچے سمجھے تقلید کرنے لگتے ہیں اس شخص کی جسے وہ پسند کریں اور وہ اس کے قریب بھی ہو۔ اور یہیں سے شرک کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ اس شرک میں پرورش پانے والے کے ذہن پر آباء کے عقائد، رسم و رواج بزرگوں کے قصے و حکایات کی چھاپ لگ جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ ایک نیا دین سامنے آتا ہے جسے دین آباء سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دین آباء نفس کی خواہشات کے مجموعے کا نام ہے۔ اور نفس کی بنیاد جذبۂ انانیت پر ہوتی ہے۔ نیز بقاء کا خواہاں ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شے اس کے لئے مفید ہو۔ اسے اپناتا ہے اور دیگر سے ناگواری کا اظہار کرتا ہے۔ اور جس کام سے اس کے جذبۂ انانیت کو تسکین ملتی ہے اسے اختیار کرتا ہے اور جس کام میں اس کو دنیاوی فائدہ نظر نہیں آتا تو اضطرار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس یہی اس شخص کا دین بن جاتا ہے۔ اس طرح توارث اور ماحول Heredity

Environment & کے زیر اثر پرورش پانے والا اپنے مسلک کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ بلا کسی دلیل کے۔ اسی لئے ایسا انسان دین آباء کو مانتا ہے اور دین حق سے انکار کر دیتا ہے۔

موجودہ دور کی صورت حال بھی یہی ہے کہ دین حق جو کہ Complete Code of Life ہے۔ اس کو لوگوں کی اکثریت عملاً تسلیم نہیں کر رہی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی اکثریت نے Heroworship آج بھی شروع کر رکھی ہے مثلاً آج بھی جنہیں ہم بابائے معاشیات، بابائے عمرانیات، بابائے نفسیات، بابائے سیاسیات وغیرہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ یعنی رحمٰن کے بجائے کسی اور کے طریقے کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ شرک نہیں تو اور کیا ہے اور اس شرک کی سزا قرآن حکیم میں کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ وہ گمان کیا کریں گے اور حقیقت اس کے برعکس ہوگی۔

گمان کو حقیقت سمجھنے کی سزا:۔

گمان اور حقیقت میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً اللہ کے صفاتی نام اس کائنات میں حقیقت کی صورت میں ہمارے سامنے ہیں جبکہ آباء کے قرار دیئے ہوئے ناموں کا بوداپن بھی واضح ہے یہی کھوکھلا پن پجاری کے سینے میں پھانس بن جاتا ہے۔ ذکر رحمٰن سے انکار کرنے کی بھی سزا اس کے لئے کافی ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ:۔

وَمَن یَّعشُ عَن ذِکرِ الرَّحمٰنِ نُقَیِّض لَهٗ شَیطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِینٌ ○ وَاِنَّهُم لَیَصُدُّونَهُم عَنِ السَّبِیلِ وَیَحسَبُونَ اَنَّهُم مُّهتَدُونَ ○ (۲۵۴)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی ذکر رحمٰن سے آنکھیں بند کرلے گا ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیں گے اور وہ اس کا ساتھی بن جائے گا۔ اور یقیناً وہ ان کو راہ سے روکتے رہیں گے اور وہ گمان کرتے رہیں گے کہ یقیناً وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

اللہ کا حجاب حائل کرنا:۔

جو لوگ اللہ سے شرک کرتے ہیں اللہ ان کی عقول پر حجاب ڈال دیتا ہے تا کہ وہ حقیقت سے بے بہرہ ہی رہیں۔ لہٰذا ان کے رکھے ہوئے نام اصل مسمیات سے حجاب بن ہی نہیں سکتے مگر اللہ کا حجاب ڈالنا معنی رکھتا ہے لہٰذا یہ لوگ حق سے حقیقت مطلق سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے علم کی رسائی حیات دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ مفادات کی رو میں آگے بڑھتی ہے۔ اور اسی پر ان کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اس طرح یہ سماعت رکھنے کے باوجود بھی ذکر رحمٰن اور آیات قرآن کو سننے سے قاصر رہتے ہیں۔ بصارت کے باوجود بصیرت سے محروم عقل رکھنے کے باوجود شعور سے محروم اور قلوب رکھنے کے باوجود بھی سکون سے محروم ہی رہتے ہیں۔ یہ ایسی مہر اور ایسا حجاب ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ:۔

وَاِذَا قَرَاتَ القُراٰنَ جَعَلنَا بَینَکَ وَبَینَ الَّذِینَ لَا یُؤمِنُونَ بِالاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّستُورًا ○ وَّ جَعَلنَا عَلٰی قُلُوبِهِم اَکِنَّةً اَن یَّفقَهُوهُ وَ فِیٓ اٰذَانِهِم وَقرًا (۲۵۵)

ترجمہ:۔ اور جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے مستور

حجاب ڈال دیتے ہیں اور ہم ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں پر بوجھ ڈال دیتے ہیں تا کہ وہ سمجھ نہ سکیں۔

انسانی علم کی رسائی کا حال:۔

انسانوں کے علم کی رسائی کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا تک محدود ہے ہر شے کے ماوراء کیا ہے وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں لہٰذا ایک جانب تو قلیل علم اور اس پر طرہ یہ کہ اسے Perfect گمان کرے تو اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے؟ حقیقت مطلق سے گریز انہیں شیطان کی راہ پر چلاتا ہے کیونکہ چلنا تو مقدر ہے مگر یہ وہ راہ ہے جس پر منزل نہیں آتی بلکہ جہنم و ہلاکت آتی ہے۔ جسے یقین نہ ہو اسے چاہئے کہ وہ گزشتہ صدیوں میں دیے گئے آباء کے معاشی و سیاسی فلسفوں کے نتائج کو کھنگالے یقیناً اسے فلاح کم ہلاکت زیادہ نظر آئے گی اس لئے اللہ نے فرمایا کہ:۔

ولا تقف مالیس لک بہٖ علمٌ انّ السّمع و البصر والفواء د کلّ اولٰئک کان عنہ مسئولاً ○ ولا تمش فی الارض مرحاً انّک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولاً ○ کلّ ذٰلک کان سیّئہٗ عندربک مکروھاً ○ وذٰلک ممّآ اوحٰی الیک ربّک من الحکمۃ ولا تجعل مع اللّٰہ الٰھاً اٰخر فتلقٰی فی جھنّم ملوماً مّدحوراً ○ (۲۵۶)

ترجمہ:۔ اور اس بات کے درپے نہ ہو جس کا تجھے علم نہیں بالتحقیق سماعت و بصارت اور دل ان میں سے ہر ایک پر اس کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ اور زمین پر اکڑ کر نہ چل، تو اسے ہرگز پھاڑ نہیں سکے گا۔ اور نہ ہی تو پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکے گا ان تمام باتوں کی برائی تیرے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔ یہ باتیں جن کی تیرے رب نے تجھ کو وحی کی، دانائی کی باتوں میں سے ہیں اور اپنے رب کے ساتھ کوئی دوسرا معبود قرار نہ دے مبادا کہ تو ملامت زدہ راندہ درگاہ ہو کر جہنم میں پھونک دیا جائے۔

قیامت کے روز حق سے واقفیت:۔

تو طے ہوا کہ وحی کی بات ہی دانائی کی بات ہے۔ باقی سب کچھ ظن اور یہ ظن محض دنیاوی ہے۔ آخرت کے روز ان گمان کرنے والوں پر اس وقت ان کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا جب رب تعالیٰ انہیں پکارے گا کہ:۔

ویوم ینادیھم فیقول این شرکاءَ ی الّذین کنتم تزعمون ○ ونزعنا من کلّ امّۃٍ شھیداً فقلنا ھاتو ابرھانکم فعلموآ انّ الحقّ للّٰہ وضلّ عنھم مّا کانوا یفترون ○ (۲۵۷)

ترجمہ:۔ اور جس دن وہ انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے؟ اور ہم ہر امت میں سے ایک چشم دید گواہ نکالیں گے اور ہم کہیں گے کہ اپنی دلیل لاؤ پس وہ جان لیں گے کہ بے شک حق اللہ ہی کے لئے ہے اور جو افتراء پردازیاں بھی وہ لوگ کیا کرتے تھے میں سب ان سے غائب ہو جائیں گی۔

اللہ ہی معبود حقیقی:۔

الہٰ اور اللّٰت کی اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کہ اللہ ہی حقیقی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود

نہیں۔ اس لئے کہ کائنات میں کہیں بھی ان کی شرکت نظر نہیں آئی۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں انسان اس حقیقت کا اعتراف کر لے تو دنیوی و اخروی دونوں جہاں میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ سو پوا اس کا خواہاں بننا چاہئے وہ یہ ہو ہے تا کہ حقیقت اصلی کا ادراک کرنے میں اسے قطعاً دشواری محسوس نہ ہو۔

قل لو کان معہٗ اٰلھۃ کما یقولون اذاً لاّ تبغوا الٰی ذی العرش سبیلاً○ سبحٰنہٗ وتعٰلی عمّا یقولون علوّاً کبیراً○ تسبّح لہ السّمٰوٰت السّبع والارض ومن فیھنّ وان مّن شیءٍ الاّ یسبّح بحمدہٖ و لٰکن لاّ تفقھون تسبیحھم انّہٗ کان حلیماً غفوراً○(۲۵۸)

ترجمہ:۔ کہہ دے! اگر بقول ان کے اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے تب تو وہ یقیناً صاحب عرش تک رسائی کی راہ تلاش کر لیتے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ اس سے کہیں بلند و بالا اور منزہ ہے۔ ساتوں آسمانوں اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہا ہے اور کوئی شے بھی ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے بے شک وہ بڑا بردبار بخشنے والا ہے۔

وھو اللّٰہ لآ الٰہ الاّ ھوؕ لہ الحمد فی الاولٰی والاٰخرۃ ولہ الحکم والیہ ترجعون○(۲۵۹)

ترجمہ:۔ اور وہی معبود ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے اول و آخر تمام تعریف اس کے لئے ہے اور اسی کے حکومت ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

العزیٰ اور فلسفہ عزت و ذلت قرآن کی روشنی میں ایک نفسیاتی تجزیہ

افرئیتم اللّٰت والعزّٰی○(۲۶۰)

ترجمہ:۔ کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے؟

العزیٰ کا مفہوم:۔

عز العزۃ حالۃ مانعۃ للانسان من ان یغلب من قولھم أرض عزاز. والعزّی صنم.(۲۶۱)

اردو مفہوم:۔ العزیٰ اس حالت کو کہتے ہیں جو انسان کو مغلوب ہونے سے محفوظ رکھے یہ ارض عزاز سے ماخوذ ہے جس کے معنی سخت زمین کے ہیں۔ اور یہ ایک بت کا نام بھی ہے۔

اس طرح العزیٰ عزت و قوت بخشنے کی علامت قرار پائی جبکہ عزت وہ ہے جو اللہ سے ہے علاوہ ازیں پرستش و شرک سے حاصل ہونے والی ذلت ہوتی ہے جو کہ نفس انسانی پر بوجھ بنتی ہے لیکن یہ اندھی تقلید ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے کبھی العزیٰ کے روپ میں اور کبھی مقتدر و مشہور ہستیوں کے روپ میں۔

العزیٰ کی نفسی وجوہ اور قرآن:۔

قرآن حکیم العزیٰ کی نفسی وجوہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

واتّخذوا من دون اللہ اٰلھۃ لیکونوا لھم عزّاًO(۲۶۲)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اللہ کے علاوہ معبود اختیار کر لئے ہیں تا کہ وہ ان کے لئے باعث عزت وطاقت ہوں۔

صٓ والقرآن ذی الذّکرO بل الّذین کفروا فی عزّۃٍ وّشقاقٍO(۲۶۳)

ترجمہ:۔ صٓ۔ قسم ہے قرآن کی جو نصیحت سے پر ہے۔ لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا وہ تکبر اور مخالفت میں اڑے ہوئے ہیں۔

کفر وشرک کے اندھیرے میں ڈوبنے والے حواس، ادراک وتعقل ہر ایک سے محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے مفاد کی خاطر ان قیاسی خداؤں کو نذرانے دیتے ہیں۔ ہر طرح کی قربانی دینے کو تیار رہتے ہیں۔ ان کے در پر عزت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جو عزت کے مفہوم تک سے آشنا نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ءانزل علیہ الذّکر من بیننا ط بل ھم فی شکٍّ مّن ذکری ج بل لّمّا یذوقوا عذابO ام عندھم خزآئن رحمۃ ربّک العزیز الوھّاب O ام لھم مّلک السّمٰوٰت والارض وما بینھما فلیر تقوا فی الاسبابO جند مّا ھنالک مھزوم مّن الاحزابO(۲۶۴)

ترجمہ:۔ کیا ہم میں سے اسی پر یہ نصیحت نازل کی گئی ہے؟ بلکہ وہ تو میرے ذکر سے ہی شک میں مبتلا ہیں۔ دراصل انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ یا ان لوگوں کے پاس تیرے طاقتور صاحب عطا پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ یا کیا آسمانوں اور زمین پر اور جو کچھ بھی ان کے مابین ہے اس پر ان کی حکومت ہے؟ اگر ہے تو تمام تر ذرائع ووسائل سے بام عروج کو پہنچ جائیں۔ وہ لشکروں میں سے ایک لشکر ہی تو ہے جو وہاں شکست دیا جائے گا۔

درج بالا آیات اس حقیقت کو بیان کر رہی ہیں کہ اگر کوئی غیر صالح دنیاوی امور میں غالب آجاتا ہے یا غلط ذرائع سے کسی اہم ترین عہدہ پر فائز ہو جاتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ وہ صراط مستقیم ہی پر ہے تب ہی اللہ نے اسے عزت دی ہے۔ تو یہ اس کا گمان محض گمان ہے کیونکہ عزت تو اللہ رب العزت کی اطاعت میں مضمر ہے۔ خواہ وہ دنیاوی اور ظاہری طور پر نقصان میں ہو۔ آیات بالا اسی حقیقت کو کہ قرآن چونکہ نصیحت ہے لہٰذا اس ذکر کو اپنانے میں عزت ہے اور اس سے انکار کرنے والے کے لئے ذلت کا سبب ہے۔ کو بیان کر رہی ہے اور لوگوں کی اکثریت اس ذکر اصلی کو چھوڑ کر نقل کو اپنائے ہوئے ہے ان کا یہ عمل ذہنی العزیٰ کی پرستش نہیں تو اور کیا ہے؟

عزت کے حصول کے لئے کافروں کو دوست بنانا:۔

جو لوگ العزیٰ کی ذہنی وعملی پرستش کا شکار ہیں۔ کہ انہیں دنیاوی اور ظاہری عزت ملے آج کل عوام الناس سے کر خاص الخاص تک یعنی سربراہان ممالک اسی ذہنی موذی مرض کا شکار ہیں۔ انہوں نے اپنی مرضی سے یہ راستہ منتخب کر لیا لہٰذا عزت کے خواہاں ہیں مگر عزت نہ پا سکے۔ اس عزت کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ ایمان، شرم، حمیت، نفس، قدریں اور انسانی جانیں بھی یہاں تک کہ انسانی خون کی ارزانی ہے لیکن عزت پھر بھی نہیں۔ کہلاتے پھر بھی تھرڈ ور

لذلنٹری کے لوگ ہی جاتے ہیں۔ ننگے پاؤں جاتے ہیں پرتش کے لئے لیکن دامن خالی ہی لوٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی حالت کو یوں اس طرح بیان کیا ہے:۔

الّذین یتّخذون الکٰفرین اولیآء من دون المؤمنینؕ ایبتغون عندھم العزّۃ فانّ العزّۃ للہ جمیعاًؕO (۲۶۵)

ترجمہ:۔ وہ جنہوں نے مومنوں کی بجائے انکار کرنے والوں کو دوست بنالیا ہے کیا وہ ان کے ہاں عزت کے متلاشی ہیں؟ پس تحقیق تمام عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے۔

عزت کے حصول کا طریقہ:۔

اسی لئے اللہ رب العزت شرک سے نجات کے لئے واحدانیت کی جانب، نیز پستی کی پست ترین سطح سے چھٹکارے کے لئے رفعت حاصل کرنے کا طریقہ بتا رہا ہے۔ کیونکہ عزت اللہ کی صفت اور قانون مشیئت سے وابستہ ہے اسی کی تفصیل کا ذکر آیت ذیل میں کیا گیا ہے:۔

مَن کان یرید العزّۃ فللّٰہ العزّۃ جمیعاًؕ الیہ یصعد الکلم الطّیّب والعمل الصّالح یرفعہٗؕ والّذین یمکرون السّیّاٰت لھم عذاب شدیدٌؕ ومکر اولٰٓئک ھو یبورO (۲۶۶)

ترجمہ:۔ جو شخص عزت کا طلبگار ہے تمام تر عزت تو اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف پاکیزہ کلمات بلند ہوتے ہیں۔ اور وہ خود نیک اعمال کو رفعت عطا کرتا ہے اور وہ جو بڑی تدبیریں کرتے رہتے ہیں ان کے لئے عذاب شدید ہے اور ان کی چال ملیا میٹ ہوگی۔

عزت وذلت اللہ کے ہاتھ میں:۔

جسے خدا عزت دے اسے کوئی ذلت نہیں دے سکتا اور جسے اللہ ذلت دے اسے کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ لہٰذا عام یا خاص جو کوئی بھی آیت بالا کے قانون پرعمل پیرا ہوگا وہ عزت پائے گا اور جو کوئی انحراف کرے گا وہ ذلت کا مستحق ہوگا۔ یہ قانون ہی اللہ کی مشیئت ہے۔ اس لئے جو اس درجہ کو پانا چاہتا ہے وہ یہ دعا کرے جو ہمارے رب نے ہمیں سکھائی:۔

قل اللّٰھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممّن تشآءُ وتعزّ من تشآء وتذلّ من تشآءؕ بیدک الخیرؕ انّک علیٰ کلّ شیءٍ قدیرO (۲۶۷)

ترجمہ:۔ کہہ دے! اے معبود سلطنت کے مالک تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بے شک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

ورنہ حکم الٰہی سے انحراف کرنے والوں کو اللہ گناہ میں پھنسا دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

واذاقیل له اتّق اللّٰه اخذته العزّة بالاثم فحسبهٗ جهنّمُ ولبئس المهاد○(۲۶۸)

ترجمہ:۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو حمیت اس کے دامن گیر ہو کر اسے گناہ پر ابھارتی ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے پس وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

المنوٰۃ اور فلسفۂ آرز قیاسی اور قرآنی ایک نفسیاتی تجزیہ

المنوٰۃ کے معنی:۔ م ن ی المنی التقدیر یقال منی لک المانی ای قدّر لک المقدّر ومنه المناالّذی یوزن به فیما قیل والمنی للّذی قدّربه الحیوانات. والتمنّی تقدیر شیٔ فی نفس و تصویره فیها. والامنیة الصورة الحاملة، فی النّفس من تمنّی الشّیء ولماکان الکذب تصور مالا حقیقة له و ایراده باللّفظ صار التمنّی کالمبداء اکذب فصح ان یعبرعن الکذب بالتمنی.(۲۶۹)

اردو مفہوم:۔ المنی کے معنی اندازہ کرنے کے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے کہ مقدر کنندہ نے تیرے لئے مقدر کر دیا ہے۔ اس سے بعض کے نزدیک من ایک وزن کا نام ہے اور نطفہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے حیوانات کی ساخت مقدار کی گئی ہے۔ اور التمنی کے معنی دل میں کسی خیال کے باندھنے اور اس کی تصویر کھینچ لینے کے ہیں۔ اور الامنیۃ کسی چیز کی تمنا سے جو صورت ذہن میں حاصل ہوتی ہے اسے امنیہ کہا جاتا ہے اور کذب چونکہ کسی غیر واقعی چیز کا تصور کر کے اسے لفظوں میں بیان کر دینے کو کہتے ہیں تو گویا تمنی جھوٹ کا مبداء ہے لہٰذا جھوٹ کو تمنی سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔

قیاسی امید، آرزو وتمنا:۔

جہاں تک انسان کی امید کا تعلق ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی اکثریت قیاسی امید رکھتی رہی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ کتابی امید کی جانب ولائی ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے تاکہ بنی نوع انسان کو المنوٰۃ جو کہ آرزو پوری کرنے کا منبع وعلامت نعوذ باللہ سمجھی جاتی ہے ان کے چنگل سے بچ سکیں اور حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔ اسی لئے آیت ذیل میں ان کے نفس کی شرارت کے راز کو فاش کیا گیا ہے کہ:۔

ومنهم امّیّون لایعلمون الکتٰب الّا امانیّ وان هم الّا یظنّون○(۲۷۰)

ترجمہ:۔ اور امیوں میں سے ایسے بھی ہیں۔ جو کتاب کو صرف اپنی خواہشات کے مطابق ہی جانتے ہیں اور وہ تو صرف قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

ان کی اس حرکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ فقط دنیا ہی کے بارے میں نہیں بلکہ آخرت کے بارے میں بھی گمان کرتے ہیں کیونکہ الکتٰب ان کے نزدیک معیار Standard نہیں ہے بلکہ ان کا معیار ان کی اپنی خواہش ہے۔ لہٰذا اس خواہش کو بنیاد بنا کر وہ قیاس کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کی وہ ظن وتخمین جھوٹ کا پلندہ ہوتی ہے۔ تمنی تو کہتے ہی دل میں غلط آرزو قائم کر لینا کے ہیں ملاحظہ ہو ان کے قیاس کی ایک جھلک:۔

وقالوا لن تمسّنا النّار الّا ایّامًا معدودةً قل اتّخذتم عنداللّٰه عهدًا فلن یّخلف اللّٰه عهدهٗ ام

تقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون○(۱۷۱)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آگ مس نہیں کرے گی، مگر گنتی کے چند ایام کہہ دے کیا تم نے اللہ سے عہد لے لیا ہے اور اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کی نسبت وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

اللہ کا عہد سزا و جزا کی بنیاد عمل پر نہ کہ اہل کتاب کی امید کے مطابق:۔

جبکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ جو ایمان لائے گا اور عمل صالح کرے گا تو اللہ اس کو باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی سزا و جزا کی بنیاد انسانی عمل ہوگا نہ کہ کسی کی خواہش یا کسی کی امید خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ کہلاتے ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

لیس بامانیّکم ولآ امانی اھل الکتاب ط من یّعمل سوٓءً ا یجزبہٖ ولا یجدلہ من دون اللّٰہ ولیًّا وّلا نصیراً ○ ومن یّعمل من الصّٰلحٰت من ذکرٍ او انثیٰ وھو مؤمن فاولٓئک یدخلون الجنّۃ ولا یظلمون نقیراً○(۱۷۲)

ترجمہ:۔ نہ تو تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہوگا اور نہ ہی اہل کتاب کی امیدوں کے، جو کوئی بھی عمل بد کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائے گا۔ اور جو کوئی بھی عمل صالح کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہوگا۔ ایسے ہی لوگ تو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

گمان اور حقیقت:۔

درج بالا آیات کریمہ سے یہ بات صاف واضح ہے کہ جزا و سزا کا انحصار یا جنت اور جہنم کا انحصار انسان کے عمل پر ہوگا۔ فقط ان کے قیاس کے مطابق نہ ہوگا۔ لیکن اہل کتاب کو یہ گمان ہے کہ:۔

اَحسب النّاس ان یّترکوآ ان یّقولوٓا اٰمنّا وھم لا یفتنون○(۱۷۳)

ترجمہ:۔ کیا لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟

اَم حسب الّذین یعملون السّیّاٰت ان یّسبقونا ط سآء مایحکمون○(۱۷۴)

ترجمہ:۔ کیا وہ لوگ جنہوں نے بداعمال کیے گمان کرتے ہیں کہ وہ ہم پر سبقت لے جائیں گے؟ کیا ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔

آرزو شیطان کا حربہ:۔

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے گمان کو باطل قرار دیا ہے۔ اور واضح طور پر فرما دیا کہ آزمائش شرط ہے۔ کیونکہ آزمائش سے ہی کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ اور سچے اور جھوٹے کی بھی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ شیطان کی الٹی کی

ہوئی بات کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دیتا ہے۔ اور یہی بات انسان کی امید، آرزو بن جاتی ہے۔ شیطان کا کام یہ ہے کہ:۔

وّلاضلّنّھم ولا منّیتّھم ولأمرنّھم فلیبتّکنّ اٰذان الانعام ولاٰ مرنّھم فلیغیّرنّ خلق اللّہؕ ومن یّتّخذ الشّیطٰن ولیّاًمّن دون اللّہ فقد خسر خسراناً مّبیناً ۝ یَعدھم ویمنّیھمؕ وما یعدھم الشّیطٰن الّاغروراً۝(۲۷۵)

ترجمہ:۔ اور میں ان کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان پھاڑیں اور ان کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیئت میں یقیناً ردوبدل کر دیں گے اور جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنالیا تو اس نے یقیناً صریح نقصان اٹھایا۔ وہ ان کے ساتھ وعدے کرتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے مگر جو کچھ بھی شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے وہ تو دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اللہ سے دوستی کا معیار آرزوئے موت:۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم کو یہ گھمنڈ ہے کہ تم لوگ ہی اللہ کے دوست ہو تو پھر اللہ کے اس امتحان میں پورے اترو۔

قل یٰایّھا الّذین ھادوآ ان زعمتم انّکم اولیآء للّٰہ من دون النّاس فتمنّوا الموت ان کنتم صٰدقین۝ ولا یتمنّونہٗ ابداًؕ بما قدّمت ایدیھمؕ واللّٰہ علیمٌ بالظّٰلمین۝(۲۷۶)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے یہودو اگر تمہیں گھمنڈ ہے کہ دوسرے لوگوں کے علاوہ تم ہی اللہ کے دوست ہو تو پھر موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو اور وہ اس کی کبھی تمنا نہ کریں گے بسبب اس کے کہ جو ان کے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیج رکھا ہے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

شیطان کا اثر نفس کی نسبت پر:۔

شیطان کا اثر نفس کی نسبت پر ہوتا ہے وہ تو نبی تک کی آرزو میں مخل ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لا تحرّک بہٖ لسانک لتعجل بہٖ ۝ؕ (۲۷۷)

ترجمہ:۔ تو اپنی زبان کو اس میں تعجیل کی غرض سے حرکت نہ دے۔

اور کہیں فرمایا کہ:۔

ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یّقضیٓ الیک وحیہٗ وقل رّبّ زدنی علماً۝(۲۷۸)

ترجمہ:۔ اور قرآن میں تعجیل نہ کر جب تک کہ تجھ پر اس کی وحی پوری نہ ہو جائے اور کہہ اے میرے رب میرے علم میں زیادتی کر۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان نبی تک کی آرزو میں مخل ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ کلام

اللہ کو سمجھ کر پڑھا اور سنا جائے حقیقت حال یہ ہے کہ ہر ایک انسان کی نفسی کیفیت ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہے لیکن قرآن اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک گروہ وہ جو ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتا ہے ان کے لئے اللہ کی بات محکم ہو جاتی ہے اور دوسرے وہ کہ جن کے قلوب میں مرض ہے جس کی وجہ سے حقیقت ان پر آشکارا نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ ظالم اور جاہل رہتے ہیں۔ حالانکہ دونوں گروہ انسانوں کے ہی ہوتے ہیں۔ لیکن اول الذکر گروہ دنیا و آخرت دونوں کا طلبگار رہوتا ہے اور موٴخر الذکر فقط شیطان سے امید باندھ لیتا ہے۔ یہی حال اہل منوٰ ق کا تھا۔ کہ جن کے دلوں میں شیطان نے وسوسہ ڈال کر روگی بنا دیا تھا۔ اس لئے وہ اسلام دشمنی میں بہت آگے نکل گئے تھے۔ جہاں سے واپسی کی امید نہ تھی اس طرح شیطان اپنی بات القاء کر کے فتنہ کو جنم دیتا ہے:۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبي الا اذا تمنّٰى القى الشيطٰن فى امنيته فينسخ الله مايلقى الشيطٰن ثم يحكم الله ايٰته والله عليم حكيم ○ ليجعل مايلقى الشيطٰن فتنة للذين فى قلوبهم مرض والقاسية قلوبهم وان الظّٰلمين لفى شقاقٍ بعيدٍ ○ (۲۷۹)

ترجمہ:۔ اور تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا اور نہ کوئی نبی، جب اس نے آرزو کی، تو شیطان اس کی آرزو میں مخل ہوا۔ پس شیطان جو ڈالتا ہے۔ اللہ ان کو مٹا دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیات کو محکم کرتا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ تاکہ وہ ان کو جو شیطان نے ڈالے ہیں ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے۔ جن کے دلوں میں مرض ہے، جو سنگدل ہیں اور بے شک ظالم حد درجہ مخالف ہیں۔

نفس کی کیفی نسبت پر سزا:۔

لہٰذا عمل صالح اختیار کرنے والے حق ہی کی طرف جھکتے ہیں اس لئے کہ آیات محکم ہو جاتی ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں عناد ہے بغض ہے وہ تو مخالفت حق پر ہی ڈٹے رہتے ہیں۔ انہیں تو صرف اس بات کا زعم ہے کہ وہ فقط ایمان لے آئے ہیں اور یہی کافی ہے ایسے لوگوں کا انجام یہ ہوگا کہ روز محشر عمل صالح والوں کو پکاریں گے:۔

ينادونهم الم نكن معكم قالوا بلٰى ولٰكنكم فتنتم انفسكم و تربصتم وارتبتم وغرتكم الامانى حتّٰى جاء امر الله وغركم بالله الغرور ○ فاليوم لايؤخذمنكم فدية ولا من الذين كفروا ماوٰكم النار هى مولٰكم وبئس المصير ○ (۲۸۰)

ترجمہ:۔ وہ انہیں پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے تو وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو مگر تمہارے نفوس نے تمہیں آزمائش میں ڈالا اور تم منتظر رہے اور شک میں مبتلا رہے اور امیدوں نے تمہیں دھوکہ دیا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچا اور دھوکہ باز نے تمہیں اللہ کی نسبت دھوکہ دیا پس آج کے دن نہ تو تم سے اور نہ ہی ان سے جنہوں نے کہ کفر اختیار کیا کوئی فدیہ لیا جائے گا تمہارا ٹھکانہ آگ ہے وہی تمہاری مالک ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

تمنا اور حقیقت :۔

اس لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ انسان سے پوچھتا ہے کہ :۔

ام للانسان ماتمنّٰی ○ فللّٰہ الاٰخرۃ و الاولٰی ○ (۲۸۱)

ترجمہ :۔ کیا انسان جو بھی خواہش کرتا ہے وہ پوری ہو جایا کرتی ہے؟ اور اللہ ہی کے لئے اول وآخر ہے۔

فلسفۂ شعریٰ اور اس کے نفسیاتی اثرات ونتائج اور قرآن

وانّہٗ ھو اغنٰی و اقنٰی ○ وانّہٗ ھو ربّ الشّعرٰی ○ (۲۸۲)

ترجمہ :۔ اور یہ کہ وہ مالدار اور صاحب ثروت بناتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ کا پروردگار ہے۔

الشعریٰ کا مادہ ش ع ر ہے اس حوالے سے "الشعر معروف و جمعہ اشعار. وشعرت اصبت الشعر ومنہ استعیر شعرت کذا أی علمت علما فی الدقۃ کاصابۃ الشعر وسمی الشاعر شاعر فطنتہ و دقۃ معرفتہ فالشعر فی الاصل اسم للعلم الرتیق فی قولھم لیت شعریٰ (۲۸۳)

اردو مفہوم :۔ الشعر کے معنی بال کے ہیں اور اس کی جمع اشعار ہے شعرت کے معنی بالوں پر مارنے کے ہیں۔ اسی سے شعرت کذا مستعار ہے جس کے معنی بال کی طرح باریک علم حاصل کر لینے کے ہیں۔ اور شاعر کو بھی اس کی فطانت اور لطافت نظر کی وجہ سے ہی شاعر کہا جاتا ہے۔ اس طرح لیت شعریٰ کذا کے محاورہ میں شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودا اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں شعریٰ کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :۔

"شعریٰ آسمان کا روشن ترین تارا ہے جسے سرزم الجوزاء، الکلب الاکبر، الکلب الجبار، الشعری العبور کے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں اس کو Dog Stat Sirius and Canis Majories کہتے ہیں یہ سورج سے ۲۳ گنا زیادہ روشن ہے مگر زمین سے اس کا فاصلہ آٹھ سال نوری سے بھی زیادہ ہے اس لئے یہ سورج سے چھوٹا اور کم روشن نظر آتا ہے اہل مصر اس کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ اس کے طلوع ہونے کے زمانے میں نیل کا فیضان شروع ہوتا تھا۔ اس لئے وہ سمجھتے تھے کہ یہ اس کے طلوع کا فیضان ہے۔ جاہلیت میں اہل عرب کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ یہ ستارہ لوگوں کی قسمتوں پر اثر انداز ہوتا ہے اسی بناء پر یہ عرب کے معبودوں میں بھی شامل تھا۔ اور خاص طور پر قریش کا ہمسایہ قبیلہ خزاعہ اس کی پرستش کے لئے مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری قسمتیں شعریٰ نہیں بناتا بلکہ اس کا رب بناتا ہے۔" (۲۸۴)

ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ شعریٰ ایک قوم کا معبود تھا۔ اسی لئے آیت بالا میں تخصیص کی گئی۔ اور دوم یہ کہ شعر اصل میں علم لطیف کا نام ہے۔ لہٰذا ہم انہی حوالوں سے فلسفۂ شعریٰ کا جائزہ لیں گے۔

فلسفۂ شعریٰ کا نفسیاتی پس منظر و پیش منظر :۔

"مشرک قوموں میں القائے کمع کا مراقبہ راج تھا۔ اس میں وہ اس طرح بیٹھتے گویا ہاتف غیب سے کوئی

بات سننے کے لئے کان لگائے ہوئے ہیں۔ دراصل ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ احمق لوگ جب کسی معاملے میں غیب کی باتیں معلوم کرنے کے لئے ان سے رجوع کرتے تو یہ لوگ کچھ عملیات فعلیہ کے ساتھ مراقبہ کرنے اور پھر ایک مقفّٰی کلام کی صورت میں (جو اکثر بالکل بے معنی یا ذومعانی ہوتا) اپنا الہام پیش کرتے کہ یہ ان پر غیب سے فلاں جن نے القا کیا ہے۔'' (۲۸۵)

ارواح غیب سے رابطہ کا دعویٰ کاہن، پروہت جوگی، عامل، متصوفین اور قبروں کے مجاورین کیا کرتے تھے۔ لہٰذا فال گیری، ٹونے ٹنکے، شگون و فال لینے والے جادو کہانت میں مبتلا ہونے والوں کی نفسیات پر جو اثرات مرتب ہوتے وہ ان کی عملی قوتوں کو کمزور کر دیتے کیونکہ وہ خوف میں مبتلا ہو جاتے جس کی وجہ سے بزدلی، کاہلی، نکماپن اور بری خصلتیں پیدا ہو جاتیں جو کہ ذہنی پستی کا سبب بنتی۔ اس طرح اقتدار پرست طبقہ اپنی عیاشیوں کے ساتھ ان پر اپنا تسلط جمائے رکھتا۔ کچھ ایسا ہی پس منظر اہل مصر جو شعریٰ کو اپنی قسمتوں پر اثراانداز ی پر ایمان رکھتے تھے، کے بعد اہل عرب کے یہاں ملتا ہے۔ تدبر القرآن میں مذکور ہے:۔

اہل عرب یہ تصور رکھتے تھے کہ ہر بڑے شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے جو اس کو شعر الہام کرتا ہے یہ تصور دے کر کہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ کہ ان پر خدا کی طرف سے ایک فرشتہ یہ کلام لے کر اترتا ہے محض واہمہ ہے یہ فرشتہ نہیں بلکہ اسی طرح کا کوئی جن ہے جس طرح کا جن ہر بڑے شاعر کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ (۲۸۶)

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا تبلیغ اسلام کا نیز عبادت وریاضت کی طرف رغبت کا بھی حکم دیا اس یقین کامل کے ساتھ کہ اللہ دیکھتا ہے سنتا اور جانتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

وانذر عشیرتک الاقربینO واخفض جناحک لمن اتّبعک من المؤمنینO فان عصوک فقل انّی بریٓءٌ ممّا تعملونO وتوکّل علی العزیز الرّحیمO الّذی یرٰک حین تقومO وتقلّبک فی السّٰجدینO انّہٗ ھو السّمیع العلیمO ھل انبّئکم علیٰ من تنزل الشّیٰطینO تنزّل علیٰ کلّ افّاکٍ اثیمٍO (۲۸۷)

ترجمہ:۔ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو متنبہ کر اور مومنین میں سے جو تیری اتباع کریں ان کے لئے اپنے بازو جھکا دے۔ پس اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ کہ میں اس سے بری الذمہ ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور غلبہ والے رحیم پر توکل کر جو تجھے دیکھتا ہے جہاں پر بھی تو کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیری نقل وحرکت کو بھی۔ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کس پر نازل ہوتے ہیں وہ ہر بہتان لگانے والے گناہگار پر نازل ہوتے ہیں۔

دوسری جانب اہل عرب نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی عبادت وریاضت کو دیکھا۔ اور کلام ربانی کی فصاحت وبلاغت جس طرح دلوں کو مسحور ومفتوح کر رہی تھی اسے دیکھا تو مارے حسد کے انہوں نے بھی آپ

ﷺ پر نازل کردہ کلام کو خواب ہائے پریشان، کبھی افترٰی کیا ہوا اور کبھی شاعر کہا۔ ملاحظہ ہو۔

بل قالوآ اضغاث احلام بل افترٰہ بل ھو شاعر فلیاتنا بایة کمآ ارسل الاوّلون ○ (۲۸۸)

ترجمہ:۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ خواب ہائے پریشان ہیں۔ بلکہ اس سے ان کو افتراء کر لیا ہے بلکہ وہ شاعر ہے پس وہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی لے آئے جیسی کے ساتھ پہلے بھیجے گئے تھے۔

قرآن نہ صرف ان تمام سوالات کے جوابات کی تصریح کرتا ہے بلکہ ان مجرمین کے لئے دردناک عذاب کی وعید بھی سناتا ہے:۔

وانّہ لتنزیل ربّ العٰلمین ○ نزّل بہ الرّوح الامین ○ علٰی قلبک لتکون من المنذرین ○ بلسانٍ عربیٍّ مّبینٍ ○ وانّہ لفی زبر الاوّلین ○ اولم یکن لّھم اٰیةً ان یّعلمہ علمٰٓؤا بنیٓ اسرآءیل ○ ولو نزّلنٰہ علٰی بعض الاعجمین ○ فقراہٗ علیھم مّا کانوا بہ مؤمنین ○ کذٰلک سلکنٰہ فی قلوب المجرمین ○ لا یؤمنون بہ حتّٰی یروا العذاب الالیم ○ (۲۸۹)

ترجمہ:۔ اور بیشک وہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔ روح الامین اسے لے کر نازل ہوا۔ تیرے قلب پر تا کہ تو متنبہ کرنے والا ہو جائے۔ واضح عربی زبان میں۔ اور بلا شبہ وہی پہلے صحیفوں میں بھی ہے اور کیا یہ نشانی ان کے لئے کافی نہ تھی کہ اس کو بنی اسرائیل کے علماء جان لیتے؟ اور اگر ہم نے اس کو کسی عجمی پر نازل کیا ہوتا اور اس نے اس کو ان کے سامنے پڑھا ہوتا تو بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے ہم نے اسے مجرموں کے دل میں اس طرح راہ دی کہ جب تک وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں اس پر ایمان نہ لائیں۔

آپ ﷺ تو امین و صادق کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ قرآن نے مطلق صداقت بہم پہنچانے کے لئے تین کسوٹیاں معترفین کے سامنے رکھ دیں تا کہ وہ حقیقت سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

قرآن کا نفسیاتی استدلال:۔

مشرکین کے ذہنی و نفسی پس منظر کو سامنے رکھ کر نفسیاتی استدلال کے طریقہ کار کو اختیار کیا۔ تا کہ وہ ان دلائل کو پرکھ کر فیصلہ کر سکیں۔ کہ یہ کلام شاعری اور اس کا پیش کرنے والا شاعر ہے یا پھر یہ کہ یہ کلام کلام ربانی ہے نیز اس کا پہنچانے والا اللہ کا رسول ہے؟ مولانا امین احسن اصلاحی نے ان دلائل کو کسوٹیاں گردانا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔ (۲۹۰)

پہلی دلیل:۔

والشّعرآء یتّبعھم الغاوٗن ○ (۲۹۱)

ترجمہ:۔ اور گمراہ لوگ شعراء کی پیروی کرتے ہیں۔

بقول امین احسن اصلاحی کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" (۲۹۲)

قرآن حکیم نے شاعروں کی شاعری سے متاثر ہونے والے لوگوں کو گمراہ قرار دیا ہے۔ حقیقت ہی یہی

ہے کہ شعراء کی شاعری کو پسند کرنے والے بقول امین احسن اصلاحی ''گمراہ اوباش، عیاش اور شر پسند قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ اور اس کے بالکل برعکس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کلام نے ان لوگوں کو متاثر کیا جو شریف، نیک طینت، صالح فطرت اور خدا ترس ہیں۔'' (۲۹۳)

سچ تو یہ ہے کہ شاعروں کی شاعری فحاشی پر مشتمل ہوتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد ذہنی عیاشی ہے لہٰذا یہ قوم کے اخلاق پر منفی اثر کرتی ہے۔ اس میں مکارم اخلاق کی باتیں بطور مفاخر کے ملتی ہیں اس کے پس منظر میں گھناؤنے مفاسد چھپے ہوتے ہیں۔ جس کا نتیجہ سوائے تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا ان کے ہم مشرب و قماش لوگ ہیں ان کے رنگ میں نہاں اور ہم رنگ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح یہ شاعر حضرات اپنے اردگرد ہم رنگ افراد کو جمع کر لیتے ہیں۔ جبکہ انبیاء و رسل نے ہمیشہ کلام ربانی سنایا اور لوگ اسی کلام کو سن کر صراط مستقیم کی طرف کھنچتے چلے آئے۔ اسی لئے رسول کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

والنّجم اذا ھوٰی ۝ ما ضلّ صاحبکم وماغوٰی ۝ وماینطق عن الھوٰی ۝ ان ھو الاّ وحی یّوحٰی ۝ (۲۹۴)

ترجمہ:۔ قسم ہے ڈوبتے ہوئے ستارے کی کہ نہ تو تمہارا ساتھی بھٹکا ہوا ہے اور نہ ہی بہکا ہوا اور وہ تو اپنی خواہش نفس سے بولتا ہی نہیں بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔

دوسری دلیل:۔

الم ترا انّھم فی کلّ وادٍ یّھیمون ۝ (۲۹۵)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بہکے ہوئے سرگرداں پھرتے ہیں؟

شعراء کے کلام کی بنیاد ظن پر ہوتی ہے۔ ایمان پر نہیں۔ لہٰذا مشاہدہ میں خلوص کے بجائے نفس کا غلبہ شامل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ تذبذب کا شکار رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''ان کے اشعار پڑھیئے تو ایک شعر سے معلوم ہوگا کہ ولی ہیں دوسرے شعر سے معلوم ہوگا کہ شیطان ہیں۔ ایک ہی سانس میں وہ نیکی اور بدی دونوں کی باتیں بے تکلف کہتے ہیں اس لئے کہ شاعروں کا کوئی معین ہدف نہیں ہوتا۔'' (۲۹۶)

یہی وجہ ہے ان کی اچھائی تو بالکل ایسے ہی ہے کہ جیسے ''جھاڑ جھنکاڑ کے جنگل میں اگر کچھ صالح پودے بھی لگا دیئے جائیں تو وہ مثمر نہیں ہوتے۔ (۲۹۷) جبکہ قرآن کی ہم آہنگی و ہم رنگی کا حال یہ ہے کہ الحمد کے الف سے لے کر والناس کے س تک کہیں بھی تضاد نہیں۔ ایسا اس لئے کہ قرآنی ذکر کا مخصوص و معین ہدف ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وماخلقت الجنّ والانس الاّ لیعبدون ۝ (۲۹۸)

ترجمہ:۔ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔

لہٰذا ہر آیت بامقصد ہے اور اپنی ذات میں یعنی اپنے اندر ایک ہدف رکھتی ہے۔ اس معین ہدف کی صداقت

سے کوئی عالم، حکیم، ماہر، سائنسدان بھی انکار نہیں کر سکتا سوائے ملحد و مشرک کے۔

تیسری دلیل:۔

وانّهم يقولون مالا يفعلون ○(۲۹۹)

ترجمہ:۔ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔

قول و فعل کا تضاد منافقت پر دلیل ہے۔ یہاں کچھ ایسا ہی معاملہ فٹ آتا ہے۔ بقول اصلاحی صاحب کہ شاعر گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ کردار کے غازی نہیں ہوتے۔ تب ہی تو اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا۔

لقد كان لكم في رسول اللّٰه اسوة حسنة لّمن كان يرجوا الله واليوم الاخر و ذكر الله كثيراً ○(۳۰۰)

ترجمہ:۔ بے شک رسول اللہ کی ذات میں تمہارے لئے بہترین کردار و اخلاق کا نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے بھی جس کی امید اللہ اور یوم آخرت سے وابستہ ہے۔ اور جو اللہ کو بکثرت یاد کرتا ہے۔

رسول و نبی خود عبادت و ریاضت کا، خدا ترسی و قربانی و ایثار کا، استقامت فی الدین کا عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ رحمت کا مجسم پیکر ہوتے ہیں۔ ہر لمحہ وہ خود کو اللہ کی صفات قدسی سے متصف رکھتے ہیں۔ جبکہ شعراء کے اعمال و اقوال میں معمولی سی بھی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ تاہم دربار رسالت کے شعراء ایمان، عمل، ذکر خیر اور ایک خاص ہدف رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ ان کے سوا ہیں۔

دراصل مشرکین عامۃ الناس میں شک کا بیج بو کر راہ راست سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے ہر وہ قدم اٹھانے سے گریز نہیں کرتے کہ جو اخلاقیات اور انسانیت کے خلاف ہو۔ اس لئے کہ یہ لوگ بے شعور ہیں۔ غافل ہیں۔ اور گمراہ ہیں اور گمراہ لوگ مردہ ہوتے ہیں اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وما علّمنٰه الشّعر وما ينبغي لهٗ ان هو الّا ذكر وّ قرآن مّبين ○ لّينذر من كان حيًّا وّيحقّ القول على الكٰفرين ○(۳۰۱)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اسے شاعری کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی یہ اس کے شایان شان تھا۔ بے شک یہ تو ایک پیغام ہے اور وضاحت سے بیان کرنے والا قرآن ہے۔ متنبہ کرنے کے لئے اس کو جو کہ زندہ ہے!!! اور کافروں پر اتمام حجت کے لئے۔

قوم طاغون کو چیلنج:۔

قرآن میں گمراہ اور مردہ لوگوں کو اللہ نے قوم طاغون کا لقب دیا۔ اس کا مادہ ط غ ی طغوت و طغیت، طغوانا وطغيانا واطغاه كذا حمله على الطغيان و ذٰلک تجاوز لحدّ في العصيان(۳۰۲)

ارد و مفہوم :۔ طغوت وطغیت طغوانا وطغیانا کے معنی طغیان اور سرکشی کے ہیں ۔ اسے طغیان سرکشی پر ابھارا اور طغیان کے معنی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔

اس طرح طاغوت حدود شکن ہوا۔ اسی سے طاغون ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ام یقولون شاعر نتربّص بہٖ ریب المنون ۝ قل تربّصوا فانّی معکم من المتربّصین ۝ ام تامرھم احلامھم بھٰذآ ام ھم قوم طاغون ۝ ام یقولون تقوّلہٗ بل لا یؤمنون ۝ فلیا توابحدیثٍ مّثلہٖٓ ان کانوا صٰدقین ۝ (۳۰۳)

ترجمہ :۔ یا وہ کہتے ہیں کہ یہ ایک شاعر ہے جس کے لئے ہم گردش زمانہ کے منتظر ہیں ۔ کہہ دے انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں ۔ کیا ان کی عقلیں انہیں یہی حکم دیتی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں ۔ یا وہ کہتے ہیں کہ یہ اس کی من گھڑت بات ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ ایمان ہی نہیں رکھتے پھر اگر وہ سچے ہیں تو وہ بھی کوئی ایسی ہی بات لے آئیں ۔

ایک اور مقام پر چیلنج دیتے ہوئے فرمایا :۔

ام عندھم الغیب فھم یکتبون ۝ ام یریدون کیداً فالّذین کفروا ھم المکیدون ۝ (۳۰۴)

ترجمہ :۔ یا کیا ان کے پاس غیب کی خبریں ہیں جنہیں وہ لکھتے جاتے ہیں؟ یا کیا وہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں؟ پس جو لوگ کافر ہیں وہ خود ہی چال میں گرفتار ہوں گے ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ کافر و مشرک کو یا جو کوئی بھی اللہ کے خلاف چال چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چال کو اس کے خلاف ہی الٹا دیتا ہے ۔ یہ لوگ شمع نور رسالت کو بجھانا چاہتے تھے اللہ نے اپنے نور کو تمام کر دیا ۔ اور یہ خود فریبی میں ہی مبتلا رہے ۔ یوں ان کے نیک اعمال بھی ضائع ہو گئے ۔ لہٰذا کبھی ان پر ختم اللّٰہ علی قلوبھم (۳۰۵) کی مہر لگی کبھی یہ تبّت یدآ ابی لھب وّ تبّ ۝ (۳۰۶) کے زمرے میں آئے اور کبھی گستاخان رسول "ابتر" (۳۰۷) ہوئے ۔

وہ لوگ بدترین ہیں جو بے حقیقت و بے اصل اور بے فائدہ چیزوں اور باتوں کا مانتے ہیں اور پھر ان پر یقین بھی رکھتے ہیں ۔ جادو، فال نکلوانا، ٹونے ٹنکے، جھاڑ پھونک اوہام پرستی میں مبتلا ہو کر اسفل سافلین (۳۰۸) کی منزل پر پہنچتے ہیں ۔ یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کی عملی قوتیں کمزور بلکہ ختم ہو جاتی ہیں ۔ مثبت قدروں کی جگہ منفی قدریں جنم لیتی ہیں ۔ خوف سر ابھارتا ہے شجاعت کی جگہ بزدلی اور تعمیر کی جگہ تخریب کاری لے لیتی ہے ۔ اس طرح آہستہ آہستہ باطل حاکمیت کا تسلط وغلبہ بڑھتا جاتا ہے جیسے قرآن نے "الطّاغوت" (۳۰۹) کہہ کر پکارا ہے ۔ اور اس کے ماننے والے گمراہ لوگوں کو طاغون ۔ جو قوم ان باطل قوتوں پر یقین رکھتی ہے وہ ہمیشہ باطل نظریات کے حامل طبقہ کو حق پر گامزن ہونے والوں پر ترجیح دیتی ہے اس طرح عامۃ الناس ایسے حد سے تجاوز کرنے والوں کی حاکمیت میں نان شبینہ کو ترستی ہے جینا محال ہو جاتا ہے اس لئے کہ روحانی واخلاقی ، ذہنی و عملی ترقی کی راہیں مسدود کر دی جاتی ہیں ۔ اس طرح یہ لوگ نور سے

دور اور نار کے قریب ہوتے جاتے ہیں ۔ دراصل ہدایت اور گمراہی واضح ہے اب یہ انسانوں پر منحصر ہے کہ وہ فلسفہ شعریٰ جیسے دیگر فلسفوں کے پیروکار بنیں یا پھر اس کو معبود مانیں جو شعریٰ کا بھی رب ہے ۔ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝(۳۱۰)
تاہم دین و ایمان کی قوت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝(۳۱۱)

ترجمہ:۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے بے شک ہدایت اور گمراہی میں فرق واضح کر دیا ہے پس جس نے ورغلانے والے سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا یقیناً اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتی اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے اللہ سرپرست ہے ان کا جو ایمان لائے وہ ان کو نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف اور وہ جو منکر ہوئے ان کے سرپرست شیطان ہیں جو ان کو نکالتے ہیں نور سے تاریکیوں کی طرف وہی اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حق پر گامزن ہونیکی توفیق عطا فرمائے۔

ہوائے نفس اور فلسفہ نفسی شریعت قرآن کی روشنی میں ایک نفسیاتی تجزیہ

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝(۳۱۲)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذرّیّت کو لیا۔ اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ ٹھہرایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا بے شک ہے ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ مبادا تم قیامت کے دن یہ کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے۔

خواہش زندگی کی رنگینی کی ترجمان اور ایک فطری احتیاج بھی رہی ہے۔ ہر نفس اس فطری احتیاج سے مزین ہے کہ وہ جو چاہے فوراً ہو جائے یا کوئی ایسی ہستی اس کی ہو جائے یا اسے مل جائے کہ جس کے تعاون سے اس کی ہر احتیاج اپنی تمامیت کو پہنچے۔ یہ وہ طلب ہے کہ جس سے دنیا کا کوئی انسان محروم نہیں۔ اور یہی احتیاج ایک قادر مطلق کے وجود پر دلالت کرتی ہے ایسا اس لئے ہے کہ اقرار رب اور اس کی جستجو نفس میں ودیعت کر دی گئی ہے یہ دراصل اللہ کی رحمت کے سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان جب بھی اس فطری احتیاج سے انکاری ہوتا ہے تو باطن کی پنہائیوں سے یہی آواز آتی ہے کہ تو خود خلق کردہ نہیں ہے بلکہ کسی کا بندہ ہے۔ اور یوں اس انسان کا عمل اس کی سوچ خود اس کے خلاف شہادت دے رہی ہوتی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

جب ہر انسان اس فطری احتیاج کا متحمل ہے تو پر انحراف کیوں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

خواہش نفس کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔ اور نفس کی حدود وممکنات نہایت وسیع ہیں۔ لہٰذا خواہش جب سلسلۂ لامتناہی کی ڈور سے بندھ جائے تو پھر ایسے طوفان کی صورت اختیار کر لیتی ہے کہ اس کی راہ میں جتنے بند تعمیر کئے جائیں وہ سب کو توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ طغیانی کی صورت اختیار کر لیتی ہے جو اپنے ساتھ دیگر اشیاء کو بھی بہا لے جاتا ہے۔ خواہش کا یہ نہ تھمنے والا طوفان انسان کو اس کے مقام سے نیچے گرا دیتا ہے۔ مگر جناب حضرت انسان کو داد دیجئے کہ اپنے مقام سے گر کر یہ حال ہے کہ اپنے ہی نفس کو معبود گردان بیٹھا مقام سے کیا گرا کہ حواس خمسہ، ادراک وتعقل، علم ومشاہدہ وتجربہ سب کے سب درستگی کے باوجود جواب دے گئے فطری خواہش کا امین خود خالق و مالک نیز الٰہ ہونے کا دعویٰ کر بیٹھا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

افریت من اتّخذ الٰهه هوٰئه واضلّه اللّه علی علمٍ وّ ختم علٰی سمعهٖ و قلبهٖ و جعل علٰی بصرهٖ غشٰوةً فمن یّهدیه من بعد اللّٰه افلا تذکّرون ○ (۳۱۳)

ترجمہ:۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے کہ اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے؟ اور اللہ نے اسے دانستہ گمراہ کر دیا۔ اور اس کی ساعت اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی بصارت پر پردہ ڈال دیا پھر اللہ کے بعد اسے ہدایت دینے والا کون ہے؟ پس کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرو گے؟

خواہشات کی بناء نفس کو اپنا معبود مان لینا دراصل شرک حقیقی ہے۔

ھویٰ بطور الٰہ کے:۔

الهویٰ میل النّفس الی الشّهوة. والهوٰی سقوط من علو الٰی سفل. ولئن اتّبعت اهوآئهم فانّما قاله بلفظ الجمع تنبیها علیٰ ان لکلّ واحدهوٰی غیر هوٰی الاخر ثمّ هوٰی کلّ واحد لا تینا هی فاذا اتباع اهوآئهم نهایة الضّلال و الحیرة. (۳۱۴)

اردو مفہوم:۔ الھویٰ خواہشات نفسانی کی طرف مائل ہونا اور اوپر سے نیچے گرنا کے ہیں۔ اور ہرگز نہیں تم ان کی خواہشوں پر چلو گے میں اھواء جمع لا کر اس بات پر تنبیہہ کی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کی خواہش دوسرے سے مختلف اور جدا ہے اور یہ کہ ایک کی خواہش غیر متناہی ہونے میں اھوآء کا حکم رکھتی ہے لہٰذا ایسی خواہشات کی پیروی کرنا سراسر ضلالت ہے اور اپنے آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

ان معنی ومفہوم سے ہمیں اس حقیقت کی طرف رہنمائی ملتی ہے کہ خواہشات کا غیر متناہی سلسلہ شرک حقیقی جیسی ضلالت پر دلالت کرتا ہے۔ قرآن حکیم دنیا کی واحد کتاب ہے جو نفس انسانی میں پوشیدہ فکر کو بے نقاب کرتی ہے یعنی نفس کی شیطانیت کو Expose کر دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید والفرقان حمید میں دو مقامات پر ھواہ کو الٰہ گردانا گیا ہے۔ ایک تو مذکورہ بالا آیت میں اور دوسرے سورۃ فرقان میں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب ارض وسما اور اس کے مابین اور اس میں جو کچھ بھی تخلیق کیا تو ہر شے کو اس کا مقام عطا کیا اس کی غایت اور اس کی نہایت کا علم دیا۔ ذرہ ذرہ اس حقیقت کا امین ہے کہ ہر شے نے اپنے مقام سے سرمو انحراف نہیں کیا سوائے متکبرین اور غافل نفوس کے۔ لہٰذا جو نفوس اپنے مقام عبودیت سے گرے، انہیں رب کریم نے جانوروں سے بھی بدتر گردانا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ارءیت من اتّخذ الٰھہٗ ھوٰہُ افانت تکون علیہ وکیلاً ○ ام تحسب انّ اکثرھم یسمعون اویعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضلّ سبیلاً ○ (۳۱۵)

ترجمہ:۔ کیا تو اسے دیکھتا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟ تو بھلا تو اس کا کارساز کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیا تو گمان کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں یا عقل سے کام لیتے ہیں؟ نہیں وہ تو بس ڈھور ڈنگر ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ۔

ایک اور مقام پر مقام عبدیت کو پار کرنے والے جن وانس کو ان کا اصل ٹھکانہ وسبب بیان کیا جا رہا ہے:۔

ولقد ذرانا لجھنّم کثیراً مّن الجنّ والانس لھم قلوب لاّ یفقھون بھا ولھم اعین لاّ یبصرون بھا ولھم اٰذان لاّ یسمعون بھا اولٰئک کالانعام بل ھم اضلّ اولٰئک ھم الغٰفلون ○ (۳۱۶)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم نے بہت سے جن وانس جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ تو ڈھور ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ وہی تو ہیں جو غافل ہیں۔

انسان نے جب خود کو خالق کی صفات سے متصف کیا تو مقام عبدیت کو بھلا کر شان خداوندکا رسیا ہو گیا۔ صفات الٰہیہ کو جاننے کے بجائے اس سے خود کو متصف پا کر کرسیٔ معبود پر خود کو براجمان کر لیا، تصور میں۔ یاد رہے کہ مقام معبود یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل بلا کسی حیل وحجت کے کی جائے۔ یہ شان صرف رب تعالیٰ کے لئے مختص ہے لیکن ہوائے نفس کی اتباع میں انسان اس قدر افراط کا شکار ہوا کہ بلا سوچے سمجھے وہ ہر خواہش کی تعمیل چاہتا ہے دانستہ عصیان تک سے گریز نہیں کرتا۔ اس کی یہ روش ہی اس کے ھویٰ نفس کو معبود ماننے پر دلالت کرتی ہے۔ لوگوں کی بڑی تعداد اس شرک میں ملوث ہے اس لئے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہوائے نفس ہی آج کی دنیا کا سب سے بڑا معبود ہے۔

قرآن حکیم نے نہ صرف اس شرک کا پردہ چاک کیا بلکہ خواہشات نفس کی افراط اور حواس خمسہ وادراک وتعقل کی صلاحیتوں سے محروم افراد کو نیز جذبات کی بھینٹ چڑھنے والے غلاموں کو جانور گردانا ہے بلکہ ان سے بھی بدتر۔

حاملین ہویٰ نفس کا فلسفۂ حیات:۔

دین فطرت جو ہمارے چار سو قائم ہے اسے پہچاننا ہماری ذمہ داری اور عقل ودانش کا ثبوت بھی ہے۔ اور فلاح کی ضمانت بھی۔ مگر جو دین فطرت سے اصول مطابقت کے تحت تعلق اختیار نہیں کرتا وہ اس وسیع وعریض کائنات میں گم ہو

کر رہ جاتا ہے حالانکہ نفس میں اقرار رب کا ودیعت ہونا، تلاش جستجو کا جذبۂ جنوں ہمارے عبد ہونے کی علامات ہیں۔ نہ کہ معبود ہونے کی۔ مگر کیا کیجئے کہ جب انسان نے خود کو کائنات کی دیگر مخلوقات پر افضل پایا تو باچھیں کھل اٹھیں۔ آنکھوں میں شیطانیت کی چمک ابھر آئی کیونکہ نفس میں ھویٰ مزین ہوگئی لہٰذا حق کی جگہ دروغ گوئی نے لے لی۔ عہد الست کو پس پشت ڈال کر نفسی تولیدی عمل کے تحت باطل تصورات کو جنم دیا گیا۔ ان تصورات کی بنیاد اس فلسفۂ حیات پر رکھی کہ:۔

وقالوا ماھی الاّحیاتنا الدّنیا نموت و نحیا ومایھلکنآ الاّالدّھرج ومالھم بذٰلک من علمٍج ان ھم الاّیظنوّن○(۳۱۷)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ فقط یہ دنیاوی زندگی ہی ہماری زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہمیں تو بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے حالانکہ انہیں اس کا علم نہیں وہ تو صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے ہیں۔

حیات دنیا کو ترجیح دیکر دراصل وہ روز آخرت کے منکر بنے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ:۔

ان ھی الاّحیاتنا الدّنیا نموت و نحیا وما نحن بمبعوثین○(۳۱۸)

ترجمہ:۔ بے شک ہماری حیات یہی حیات دنیا ہے ہم مرتے اور جیتے ہیں۔ اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

حیات دنیا کو ترجیح دینے کی نفسیاتی توجیہہ اور قرآن

زیّن للّذین کفروا الحیوٰۃ الدّنیا و یسخرون من الّذین اٰمنوا(۳۱۹)

ترجمہ:۔ حیات دنیا کافروں کی نظر میں زینت دی گئی اور وہ ایمان والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔

دنیا کی محبت چونکہ ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی ہے لہٰذا اسلام فریفتگی دنیا کو علامت کفر گردانتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار دنیا کی فانی چیزوں کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ جبکہ اسلام انسان کو رزق حلال یعنی نوری رزق کا طلبگار بناتا ہے۔ ایک متقی انسان نیکیوں کو دنیاوی چیزوں پر ترجیح دیتا ہے مال اور بیٹوں کو اللہ کی نعمتیں قرار دیتا ہے جبکہ دنیا والوں کے نزدیک بس یہی زندگی ہے:۔

المال والبنون زینۃ الحیوٰۃ الدّنیاج والبٰقیٰت الصّٰلحٰت خیر عندربک ثواباً وّ خیر املاً○(۳۲۰)

ترجمہ:۔ مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینتیں ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں تیرے رب کے نزدیک بلحاظ انجام بہتر اور بلحاظ امید بہترین ہیں۔

ہزار برس زندہ رہنے کی تمنا:۔

مادہ پرستوں کے نزدیک دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے اس لئے وہ حریص زندگی ہوتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں

کہ ان کو موت کبھی نہ آئے ۔ وہ ہزار برس جینے کی تمنا رکھتے ہیں ۔ موت سے دور بھاگتے ہیں ۔ قرآن حکیم نے ان کی اس حرص کا ذکر کچھ یوں کیا ہے :۔

ولتجدنّھم احرص النّاس علٰی حیٰوۃٍ ومن الّذین اشرکوا یودّ احدھم لو یعمّر الف سنۃٍ (۳۲۱)

ترجمہ :۔ اور بے شک تم انہیں حیات کے لئے سب لوگوں سے زیادہ حریص پاؤ گے اور جنہوں نے شرک کیا ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال تک زندہ رہے ۔

لیکن اللہ کے عذاب کو ٹالا نہیں جا سکتا خواہ عمر رفتاں کتنی ہی کیوں نہ عطا فرمائے :۔

اولٰٓئک الّذین اشتروا الحیوٰۃ الدّنیا بالاٰخرۃ فلا یخفّف عنھم العذاب ولا ھم ینصرون ○ (۳۲۲)

ترجمہ :۔ وہی تو ہیں جنہوں نے حیات دنیا کو آخرت کے بدلے خرید ا پس ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے ۔

نتیجہ کا انحصار عمل پر ہوتا ہے جیسا عمل ہوگا ویسا ہی نتیجہ حاصل ہوگا ۔ جبکہ دنیاوی زندگی آخرت میں قلیل ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ارضیتم بالحیوٰۃ الدّنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدّنیا فی الاٰخرۃ الّا قلیل ○ (۳۲۳)

ترجمہ :۔ کیا تم آخرت کی نسبت دنیاوی زندگی سے راضی ہو گئے ہو؟ آخرت میں کمینی زندگی کی پونجی کچھ بھی تو نہیں مگر قلیل ۔

سچ تو یہ ہے کہ دنیاوی زندگی متاع غرور کے علاوہ کچھ نہیں ۔ لہٰذا اخروی زندگی کو دنیاوی زندگی پر قربان کرنے کا مطلب خسارہ ہی خسارہ ہے ۔ اس لئے رب العزت نے ہمیں دنیا کی حقیقت کو مثالوں سے واضح کیا ہے تا کہ ہر شخص اس کی حقیقت جان سکے اس کا مقصد جان سکے ۔

موت وحیات کی تخلیق کا مقصد :۔

کائنات رنگ و بو میں اللہ نے ہر شے کی تخلیق میں اس کا مقصد پیش نظر رکھا ہے ۔ ہر شے اپنی ذات میں ایک مقصد لئے ہوئے ہے ۔ لہٰذا اس دنیا کا بھی کوئی مقصد ہے جس کو رب تعالیٰ نے ہم پر ہمارے فائدے کے جتنا ظاہر کر دیا ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

الّذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایّکم احسن عملاً وھو العزیز الغفور ○ (۳۲۴)

ترجمہ :۔ جس نے موت حیات کو خلق کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟ اور وہ زبردست بخشنے والا ہے ۔

آیت کریمہ سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ جس طرح رب العزت نے دیگر اشیاء کو خلق کیا ہے اسی طرح اس نے موت اور حیاۃ کو تشکیل دیا۔ ان کی تخلیق کے ذریعے اللہ انسانوں کے اعمال کا جائزہ لے گا۔ کہ کون بخشش کے قابل ہے کون نہیں! کس نے بہتر عمل کئے اور کس نے نہیں؟ اسی پر جزا و سزا کا انحصار ہوگا۔

حیات دنیا کی حقیقت کی مثال :۔

قرآن حکیم نے حیات دنیا کی حقیقت کو مثال بنا کر نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے تا کہ انسان جان لے کہ اس کی تخلیق جس خالق کی مرضی سے ہوئی ہے اسے اسی کی جانب ضرور پلٹنا ہے یہ مال و متاع، دنیاوی زینتیں اور خود یہ انفس و آفاق فنا پذیر ہے۔ اور ایک دن حکم الٰہی سے بالکل فنا ہو جائے گا۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہوگی اور وہ اپنے بندے سے حیات دنیا کے اعمال کا حساب لینے کا حق رکھتا ہے لہٰذا اس روز اس سے حساب لیا جائے گا۔ اس دن اس کے صرف اعمال حسنہ ہی کام آئیں گے باقی تمام چیزیں دھوکہ وفریب ہی ثابت ہوں گی۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّما مثل الحیوٰۃ الدّنیا کمآء انزلنٰہ من السّمآء فاختلط بہٖ نبات الارض ممّا یاکل النّاس والانعام ؕ حتّٰی اذا اخذت الارض زخرفھا وازّیّنت وظنّ اھلھآ انّھم قٰدرون علیھآ ۙ اتٰھآ امرنا لیلاً او نہاراً فجعلنٰھا حصیداً کان لّم تغن بالامس ؕ کذٰلک نفصّل الاٰیٰت لقومٍ یّتفکّرون ○ (۲۵ ۳)

ترجمہ:۔ تحقیق اس کمینی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے۔ جسے ہم نے آسمان سے اتارا اور اس سے زمین کی وہ نباتات مخلوط ہوئیں۔ جن میں سے انسان اور مویشی کھاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زمین نے اس سے اپنے زیورات اخذ کئے۔ اور مزین ہوئی۔ اور اہل زمین نے گمان کیا کہ بے شک وہ اس پر قادر ہیں۔ ناگہاں اس پر ہمارا حکم آ پہنچا کسی رات کو یا کسی دن کو پس ہم نے اس کو یوں کاٹ کر ڈھیر کر دیا جیسے وہ کل تھی ہی نہیں اس طرح ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے واسطے جو غور وفکر کرنے والے ہیں۔

دنیاوی زندگی کی زینتوں کی حرص مادہ پرستوں کے نظریے کا عملی اظہار ہے۔

ایک اور مقام پر کفر کرنے والوں پر یہ واضح کر دیا کہ وہ جو بھی خرچ کرتے ہیں ان کا خرچ کرنا تو خود ان کے لئے ہلاکت کا سبب ہے۔ کیونکہ ہر شے اللہ کی امانت ہے۔ خود وہ اللہ کی امانت ہے۔ تو دیگر اشیاء تو ہیں ہی۔ بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں حُبّ دنیا اس قدر پیدا ہوگئی ہے کہ ان کو سوائے اپنے آپ کے کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ جس شخص کو اللہ سے محبت ہو اسے دنیا کی کوئی شے بھی بے نیاز نہیں کر سکتی۔ اس لئے رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

انّ الّذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم ولآ اولادھم مّن اللّٰہ شیئًا ؕ واولٰٓئک اصحٰب النّار ۚ ھم فیھا خٰلدون ○ مثل ما ینفقون فی ھٰذہ الحیوٰۃ الدّنیا کمثل ریحٍ فیھا صرٌّ اصابت حرث قوم ظلموآ انفسھم فاھلکتہ ؕ وما ظلمھم اللّٰہ ولٰکن انفسھم یظلمون ○ (۲۶ ۳)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے مال و اولاد ان کو اللہ سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کر سکتے

اور وہی اصحاب نار ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس کمینی زندگی میں جو کچھ بھی وہ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال تو شدید سرد ہوا کی سی ہے جس میں کہر ہو جو اس قوم کی کھیتی پر آن پڑے جنھوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور اسے ہلاک کر دے اور اللہ نے تو ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔

یہ دنیا اس کی زندگی، عمر، جوانی، طاقت وصلاحیت، وقت الغرض ہر نعمت اللہ کی امانت ہے اور وہ ہر شے کا حساب لینے کا حق رکھتا ہے۔ لہٰذا جو اس کمینی دنیا میں انسان نے جو کمایا وہی روز آخرت پائے گا۔

دار آخرت حقیقی ہے:۔

دنیائے انفس و آفاق کی فطرت میں فنائیت ہے۔ لہٰذا دنیا متاع حیات کا نام اور آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ مادہ پرستوں کے لئے بزبان رسول فرمادیا گیا ہے کہ:۔

یٰقوم انّما ھٰذہ الحیٰوۃ الدّنیا متاعٌ وّانّ الاٰخرۃ ھی دار القرار ○ من عمل سیئۃً فلا یجزٰی الاّ مثلھا ۚ ومن عمل صالحاً مّن ذکرٍ او انثیٰ وھو مومن فاولٰئک یدخلون الجنّۃ یرزقون فیھا بغیر حسابٍ ○ (۳۲۷)

ترجمہ:۔ جو شخص کوئی بدعمل کرے گا تو بس ویسی ہی جزا دیا جائے گا۔ اور جو کوئی خواہ وہ مرد ہو یا عورت نیک عمل کرے گا تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے جس میں انہیں بے حساب رزق دیا جائے گا۔

ایک اور مقام دنیا اور آخرت کے درمیان کی حقیقت اور فرق کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ

وما ھٰذہ الحیٰوۃ الدّنیآ الاّ لھوٌ وّلعبٌ ۚ وانّ الدّار الاٰخرۃ لھی الحیوانُ لو کانوا یعلمون ○ (۳۲۸)

ترجمہ:۔ اور یہ کمینی زندگی ہے کیا؟ سوائے کھیل تماشے کے اور بے شک دار آخرت وہی تو حیات حقیقی ہے اے کاش وہ جانتے ہوتے۔

دراصل یہ تمام تصریحات مشرکین و مادہ پرستوں کے لئے رہنمائی کا باعث نہیں بنتیں اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہوں۔

☆ خواہش نفس کے پیروکار اپنی غفلت کی وجہ سے اسی زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ وہ مشرک نہیں۔

☆ روز قیامت سے قبل یہ تصریحات ان پر واضح بھی ہو جائیں اور انہیں لوٹا بھی دیا جائے تو ان کے قلوب کی سختی کا یہ عالم ہوگا کہ تب بھی وہ شرک ہی کا اعادہ کریں گے۔ کیونکہ شرک ان کے جسم میں خون کی طرح سرایت کر گیا ہے۔

اول الذکر کے حوالے سے ارشاد ربانی ملاحظہ ہو:۔

ثمّ لم تکن فتنتھم الآّ ان قالوا واللّٰہ ربّنا ما کنّا مشرکین ○ (۳۲۹)

ترجمہ:۔ پھر تو ان کا کوئی حیلہ نہ رہے گا سوائے اس کے کہ وہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ اللہ کی قسم وہی ہمارا رب ہے اور ہم مشرک نہیں تھے۔

ثانی الذکر کے حوالے سے ارشاد ربانی ملاحظہ ہو:۔

بل بدالھم مّاکانو ایخفون من قبلُ ولوردّوا لعادو المانھواعنہ وانّھم لکٰذبون○ (۳۳۰)

ترجمہ:۔ بلکہ ان پر یہ واضح ہوگیا جو وہ اس سے قبل چھپاتے تھے اور اگر وہ لوٹا بھی دیئے جائیں تب بھی وہ اسی کا اعادہ کریں گے جس سے منع کیے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

ان کی اس کج روی اور قلوب کی سختی، افتراء پردازیاں، اسلام دشمنی نیز ان کی سوچ کے کھنڈرات میں پائے جانے والے مختلف الٰھوں اور ترغیبات کو بزبان قرآن بیان کیا گیا ہے۔

ہوائے نفس کی ترغیبات اور تصور الہٰ

نفس کی تحریک عمل کے لئے مہمیز ہوتی ہے۔عمل نفس امارہ کی تحریک کا سبب ہو تو برائی جنم لیتی ہے اور برائی اپنی طرف ہر شے کو کھینچنا چاہتی ہے برائی کی یہ قوت کشش ان قلوب کو کہ جن کے دلوں میں مرض ہے اپنی جانب کھینچنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔قرآن انہیں ہوائے نفس کے پیروکار گردانتا ہے کیونکہ یہ بغیر جانے بوجھے فقط نفس امارہ کی تحریک کے سبب اس کی اتباع کرنے لگتے ہیں۔اس طرح ان لوگوں کا ایمان والوں کے فلسفۂ غایت ونہایت سے جدا ہو جاتا ہے۔ایمان والے ارتقاع کی جانب اور یہ لوگ پستی کی پست ترین سطح کی جانب رواں دواں ہو جاتے ہیں۔ایک گروہ اللہ کو سرپرست مانتا ہے تو دوسرا گروہ ہوئٰ نفس کا پیروکار بن کر مادہ پرستی میں مبتلا ہو کر مشرک بن جاتا ہے۔اس طرح ہوئٰ ان کا معبود اور مادیت پرستی ان کا فلسفہ بن جاتی ہے۔قرآن حکیم نے ان کے اعمال کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

ہوائے نفس کو الہٰ ماننے والوں کا اعمال:۔

عہد الٰہیت میں تمام ذریّت آدم نے اللہ کی بندگی کا وعدہ کیا تھا مگر ایمان لانے کے بعد بھی ان کی دروغ گوئی مستقل جاری رہی۔جبکہ علم آنے کے بعد خواہش نفس کو الہٰ ماننے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔مگر انہوں نے علم سے عملاً انحراف برتنا شروع کر دیا۔فقط حیات دنیا کے طلبگار ہو گئے لہٰذا ان کے ان اعمال کا ذکر اللہ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:۔

واذاخذنا میثاقکم لاتسفکون دمآءَکم ولا تخرجون انفسکم مّن دیارکم ثمّ اقررتم وانتم تشھدون○ ثمّ انتم ھٰٓؤلاء تقتلون انفسکم و تخرجون فریقاً مّنکم من دیارھمْ تظٰھرون علیھم بالاثم والعدوانِ وان یّاتوکم اسٰرٰی تفٰدوھم وھو محرّم علیکم اخراجھمْ افتؤمنون ببعض الکتٰب وتکفرون ببعضٍ فما جزآءُ من یّفعل ذٰلک منکم الّا خزیٌ فی الحیوٰۃ الدّنیا ویوم القیٰمۃ یردّون الٰی اشدّ العذاب وما اللہ بغافلٍ عمّا تعملون○ اولٰٓئک الّذین اشتروا الحیوٰۃ الدّنیا بالاٰخرۃ (۳۳۱)

ترجمہ:۔ اور جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا کہ آپس میں خون نہیں بہاؤ گے۔ اپنوں کو شہر بدر نہیں کرو گے پھر تم نے اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ پھر تم وہی تو ہو جو اپنوں کو قتل کرتے ہو۔ اور اپنے ایک فریق کے خلاف جتھا بندی کرتے ہوئے گناہ اور زیادتی کے ساتھ اس کو شہر بدر کرتے ہو۔ اور اگر وہ تمہارے پاس قیدی بنا کر لائے جائیں تو تم ان کا فدیہ دیتے ہو۔ حالانکہ ان کو ملک بدر کرنا تم پر حرام تھا، کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لائے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو؟ پس جو تم میں سے ایسا کرے گا اس کی سزا حیات دنیا میں اور یوم قیامت سخت عذاب کی طرف لوٹائے جانے کے سوا کیا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے غافل نہیں ہے وہی قومیں جنہوں نے حیات دنیا کو آخرت کے بدلے خرید ا۔

مذکورہ بالا آیات میں آفاقی اخلاقی قدروں کو بیان کیا گیا ہے اگر کوئی محسوس کرے تب یہ اس پر منکشف ہو جائیں گی۔ ان مادہ پرستوں کی اسلام دشمنی وحسد کا ثبوت خود ان کے اعمال سے ظاہر ہے۔ ان کے یہ اعمال بد خود ان کے لئے اور دوسرے ظالمین کے لئے ترغیب کا سبب بھی بنتے ہیں۔ جس سے معاشرہ کا سکون ہی تہہ و بالا نہیں ہوتا بلکہ قوموں کی زندگی کم اور تاریک ہونے لگتی ہے۔ ان کی گفتگو کے حصار میں ظالم ہی قید ہوتے ہیں۔ اہل علم و دانش نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن النّاس من یّعجبک قولہٗ فی الحیٰوۃ الدّنیا و یُشھد اللّٰہ علیٰ مافی قلبہٖ وھو الدّ الخصام ○ واذا تولّٰی سعٰی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنّسل والله لایحبّ الفساد ○ واذا قیل لہ اتّق اللّٰہ اخذتہ العزّۃ بالاثم فحسبہٗ جھنّم ولبئس المھاد ○ (۳۳۲)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی دنیاوی زندگی کی گفتگو تمہیں حیرت میں ڈال دے اور وہ اس پر جو اس کے دل میں ہے اللہ کو شاہد بناتا ہے حالانکہ وہ بدترین دشمن ہے اور جب وہ حاکم بنا دیا جائے گا تو کوشش کرے گا کہ زمین میں فساد کرے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو حمیت اس کے دامن گیر ہو کر اسے گناہ پر ابھارتی ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

مذکورہ بالا علامات کو پیش نظر رکھا جائے تو عصر حاضر میں ہوئی بطور الہٰ کے ماننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اسی لئے انا پرستی کا طوفان چارسو پھیل کر نت نئی صورت، نئے ناموں سے فساد پھیلاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

بل جآء ھم بالحقّ واکثرھم للحقّ کٰرھون ○ ولو اتّبع الحقّ اھوآء ھم لفسدت السّمٰوٰت والارض ومن فیھنّ بل اتینٰھم بذکرھم فھم عن ذکر ھم مّعرضون ○ (۳۳۳)

ترجمہ:۔ حالانکہ وہ ان کے پاس حق ہی حق لایا ہے اور ان کی اکثریت حق سے نفرت کرنے والی ہے۔ اور اگر حق انکی خواہش نفس کی پیروی کرنے لگے تو آسمان و زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے فساد برپا ہو جائے۔ بلکہ ہم تو ان کے پاس ان ہی کا ذکر لائے ہیں مگر وہ اپنے ذکر سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔

ایک اور فساد جو کہ آج کی دنیا میں عام ہے وہ ہے حرام وحلال میں کوئی تفریق نہ رکھنا۔ بسا اوقات ایمان

والے بھی اس رو میں بہہ جاتے ہیں۔ کرپشن، سود، بے جا منافع خوری، احتکار و اکتناز، نشہ آور اشیاء کا کھلے عام استعمال، بے پردگی، مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول، مال و دولت کی حرص، قوت و طاقت کا ناجائز استعمال وغیرہ نہایت عام ہے۔ حدود اللہ کی خلاف ورزی کو روایت بنا لیا گیا ہے۔ لہٰذا رب کریم ان سے کچھ اس طرح گویا ہے:۔

وانّ کثیراً لّیضلّون باھوآئھم بغیر علمٍ انّ ربّک ھو اعلم بالمعتدین ○ وذروا ظاھر الاثم وباطنہٗ انّ الّذین یکسبون الاثم سیجزون بما کانوا یقترفون ○ ولا تاکلوا ممّا لم یذکر اسم اللّٰہ علیہ وانّہٗ لفسقٌ وانّ الشّیٰطین لیوحون الٰی اولیٓئھم لیجادلوکمۚ وان اطعتموھم انّکم لمشرکون ○ (۳۳۴)

ترجمہ:۔ اور بے شک اکثر لوگ اپنی ہوائے نفس کی بغیر جانے بوجھے پیروی کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں۔ تحقیق تیرا رب حد سے تجاوز کرنے والوں سے خوب واقف ہے۔ اور ظاہری گناہ اور باطنی گناہ سے کنارہ کشی اختیار کرو بے شک وہ لوگ جنہوں نے گناہ کمایا وہ اسی کے مطابق جزا دیئے جائیں گے جو کچھ انہوں نے کمایا۔ اور اس کو نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو کیونکہ بے شک یہ فسق ہے اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کی اطاعت کرو گے تو ضرور مشرک ہو جاؤ گے۔

چنانچہ شیاطین جن و انس نے اپنی خوش گفتاری سے انہیں فریب میں مبتلا یا ان لوگوں کو جو دنیاوی زندگی ہی کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ وہ بھی برضا و رغبت وہی کچھ کرنے پر راغب ہو جائیں کہ جو عمل وہ خود کرتے ہیں۔ اس راہ پر کہ جس پر خود چل رہے ہو دنیاداروں کو بھی چلاتے ہیں۔ خود شرک پرستی میں مبتلا ہیں لہٰذا چاہتے ہیں کہ بتدریج اپنے گروہ میں دیگر لوگوں کو شامل کرتے جائیں۔ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے مختلف طریقہ کار اختیار کئے جبکہ ان حربوں کے ضمن میں کوئی دلیل نہیں۔

ام انزلنا علیھم سلطٰناً فھو یتکلّم بما کانوا بہٖ یشرکون ○ (۳۳۵)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے کوئی دلیل نازل کی ہے؟ اور وہ انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے؟

ملائکہ اور نبیوں کو رب گردانا:۔

شرک کے سلسلے میں مشرکین نے تدریجاً راہ ہموار کی لہٰذا صریحاً انکار کے بجائے کیونکہ وہ بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو ہی رب گردان لیا۔ جبکہ اس کی کوئی سند نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ماکان لبشرٍ ان یّؤتیہ اللّٰہ الکتٰب والحکم والنّبوّۃ ثمّ یقول للنّاس کونوا عبادًا لّی من دون اللّٰہ ولٰکن کونوا ربّٰنیّٖن بما کنتم تعلّمون الکتٰب وبما کنتم تدرسون ○ ولا یامرکم ان تتّخذوا الملٰٓئکۃ والنّبیّٖن ارباباً ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مّسلمون ○ (۳۳۶)

ترجمہ:۔ ایک بشر کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب و حکمت و نبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ

کی بجائے میرے بندے بن جاؤ بسبب اس کے کہ تم خود بھی پڑھتے ہو۔ اور وہ تمہیں حکم نہیں دیتا کہ تم ملائکہ اور نبیوں کو رب گردان لو، کیا وہ تمہیں بعد اس کے کہ تم مسلم ہوئے کفر کا حکم دے گا؟

یہ ہوائے نفس کے دھوکے نہیں تو اور کیا ہیں؟

علماء وراہب بطور الٰہ کے:۔

کچھ لوگوں کو اس طرح بھی دھوکہ دیا گیا کہ دین کے تو صرف علماء وراہب اور انبیاء ہی وارث ہیں۔ حالانکہ یہ ذکر تو تمام انسانوں کے لئے ہے۔ کسی ایک کے لئے مخصوص نہیں یہی تو جیہہ دین سے دوری کی بنیاد بنی۔ الحاد کا دور دورہ شروع ہوگیا۔ علم کو ٹھیکے پر چڑھا دیا گیا۔ علم سے محتاجی نے غفلت میں اضافہ کردیا۔ شعور دآگہی کی جگہ Blindness نے لے لی۔ اور عصر حاضر میں تو یہ مرض اب نئی صورت اختیار کر گیا ہے۔ مختلف علوم کے بانیان منظر عام پر آ گئے ہیں۔ جو کہ Father of Subject کہلاتے ہیں۔ یہ جو بھی بات، نظریہ وتصور، پالیسی، نظام گھڑ دیں اسے حق سمجھ کر اطلاق کر دیا جاتا ہے عمل کرتے ہوئے کسی کو خیال نہیں آتا کہ آیا کہ یہ اختراع ہے یا شرع میں اس کی سند موجود ہے۔ اور کم از کم یہی خیال کر لیں کہ اس نظریہ وتصور کو پیش کرنے والے کو قرآنی علم پر دسترس ہے یا نہیں، نیز عملاً تصادتو نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

اتّخذوآ احبارھم ورھبانھم اربابًا مّن اللّٰہ والمسیح ابن مریمؑ ومآ امروآ الاّ لیعبدوآ الٰھًا وّاحدًاؑ لا الٰہ الاّ ھوؕ سبحٰنہٗ عمّا یشرکون○ (۳۳۷)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے عالموں اور اپنے راہبوں کو اور المسیح ابن مریم کو رب گردان لیا ہے۔ حالانکہ انہیں تو صرف خدائے واحد کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ منزہ ہے ان سے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

مگر جب اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں پکارے گا اور کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جنہیں تم میرا شریک گمان کرتے تھے تو یہ لوگ کہیں گے کہ:۔

ربّنا ھٰٓؤلآء الّذین اغوینآ اغوینٰھم کماغوینآؑ تبرّانآ الیکؗ ماکانوآ ایّانایعبدون○ (۳۳۸)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار یہ ہیں وہ جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔ ہم نے انہیں گمراہ کیا جس طرح کہ ہم خود گمراہ تھے اب تیرے حضور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں یہ ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔

لیکن روز قیامت یہ اپنی دوستی اور استفادہ کا خود اقرار کریں گے۔ لہٰذا اللہ نے بھی اپنی سنت کو لاگو کیا ہوا ہے:۔

ویوم یحشرھم جمیعًاؑ یٰمعشر الجنّ قد استکثرتم من الانسؑ وقال اولیٰٓؤھم من الانس ربّنا استمتع بعضنا ببعضٍ وّبلغنآ اجلنا الّذی اجّلت لناؕ قال النّار مثوٰکم خٰلدین فیھا الاّ ماشآء اللّٰہؕ انّ ربّک حکیم علیم○ وکذٰلک نولّی بعض الظّٰلمین بعضًاؗ بما کانوا یکسبون○ؑ (۳۳۹)

ترجمہ:۔ اور جس دن وہ ان سب کو اکھا کرے گا اے گروہ جنات بے شک تم نے انسانوں کا بڑا حصہ لے لیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا اور ہم اپنی اجل کو پہنچے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ وہ کہے گا اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے۔ علاوہ اس کے جسے اللہ چاہے۔ بے شک تیرا رب صاحب حکمت جاننے والا ہے۔ اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے حوالے کر دیتے ہیں بسبب اس کے جو انہوں نے کمایا۔

سنت الٰہی:۔

اللہ کی کئی سنتیں ہیں ایک سنت الٰہی یہ ہے کہ وہ ظالموں کو ظالموں کے حوالے کر کے مزہ چکھاتا ہے یوں وہ خود اپنے ہی دام میں آجاتے ہیں۔ جس طرح لوہا لوہے کو کاٹتا ہے اسی طرح برابر ے کو خوب جانتا ہے لہٰذا ایک دوسرے کے ہاتھوں انہیں مزہ چکھنا پڑتا ہے عذاب کا۔

رسول اور نفس انسانی بطور حجت کے:۔

اقرار رب ہر نفس انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ اتمام حجت کے لئے ایک رسول کو ضرور بھیجتا ہے۔ اس طرح شرک کی گنجائش نہیں رہتی۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰمعشر الجنّ والانس الم یاتکم رسل مّنکم یقصّون علیکم اٰیٰتی وینذرونکم لقاءَ یومکم ھٰذا قالو اشھدنا علیٰ انفسنا وغرّتھم الحیٰوۃ الدّنیا و شھدوا علیٰ انفسھم انّھم کانوا کٰفرین ○ ذٰلک ان لّم یکن رّبّک مھلک القریٰ بظلمٍ وّ اھلھا غٰفلون ○ (۳۴۰)

ترجمہ:۔ اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے تم سے میری آیات کو بیان کرتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے متنبہ کرتے تھے؟ وہ کہیں گے ہم اپنے نفسوں کے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں اور انہیں کمینی زندگی نے دھوکہ دیا۔ اور انہوں نے اپنے نفس کے خلاف گواہی دی کہ بے شک وہ کافر تھے۔ یہ اس لئے ہے کہ تیرا رب بستیوں کو اس حال میں کہ اہل بستی بے خبر ہوں ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی عالم، راہب یا کوئی بھی انسان کہے اس کی گنجائش نہیں تو اس کی کیسے؟ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما ینطق عن الھوٰی ○ ان ھو الّا وحی یّوحیٰ ○ (۳۴۱)

ترجمہ:۔ اور وہ تو اپنی خواہش نفس سے بولتا ہی نہیں بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔

درج بالا وضاحت سے شرک کی نفی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ضمیر Concience تو کبھی خلاف حق بات بولتا ہی نہیں مگر ہوائے نفس کا اتباع اسے نت نئی توجیہات سکھاتا ہے اور یوں کمزور نفوس پر نفس امارہ سوار ہو جاتا ہے۔ نفس امارہ کی یہ فوقیت اسے گمراہی کی پستیوں میں لے جاتی ہے۔ ہوائے نفس کی اندھی تقلید میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اتنی سی بات

سمجھ میں نہیں آتی کہ جب رسول کہ جس پر کتاب تمام ہوئی وہ اپنی نطق کو ہوائے نفس کے تحت ہلانے کا حق نہیں رکھتا تو بھلا دیگر انسان جو کہ اس مرتبے سے ہی محروم ہیں۔ وہ بھلا کیونکر حق رکھ سکتے ہیں؟

دین میں غلو کر کے ہوائے نفس کی تکمیل

کلام ربانی کو یکسر بدل ڈالنا ممکن نہیں اس لئے ہوائے نفس کی تسکین کے لئے دین میں غلو شروع کر دیا۔ جس کی وجہ سے وہ اصل راستے سے بھٹک گئے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قل یٰٓاھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحقّ ولا تتّبعوآ اھوآء قومٍ قد ضلّوا من قبل واضلّوا کثیراً وّضلّوا عن سوآءِ السّبیلO(۳۴۲)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہش نفس کی پیروی کرو جو پہلے ہی گمراہ ہو چکی ہے اور انہوں نے بہت ساروں کو گمراہ کیا اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ان کی خطاؤں کا بوجھ اٹھائیں گے قرآن نے انکے اس افتراء کا پردہ چاک کیا ہے:۔

وقال الّذین کفروا للّذین اٰمنوا اتّبعوا سبیلنا ولنحمل خطٰیٰکمؕ وماھم بحٰملین من خطٰیٰھم مّن شیءٍؕ انّھم لکٰذبونO(۳۴۳)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ایمان والوں سے کہتے ہیں۔ کہ ہمارے راستے کی پیروی کرو اور ہم تمہاری خطاؤں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور وہ ان کی خطاؤں کا ذرا بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں بے شک وہ جھوٹے ہیں۔

ایسی افتراء پردازیوں کے لئے رب تعالیٰ نے ثبوت مانگا ہے تاکہ حق پر باطل پرستی کے لباس کو اتار پھینکا جا سکے سو اللہ ان مفتریوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

قل فاتوا بکتٰبٍ من عند اللہ ھو اھدیٰ منھمآ اتّبعہ ان کنتم صٰدقینO فان لّم یستجیبوا لک فاعلم انّما یتّبعون اھوآءھمؕ ومن اضلّ ممّن اتّبع ھوٰہ بغیر ھدًی مّن اللہؕ انّ اللہ لا یھدی القوم الظّٰلمینO(۳۴۴)

ترجمہ:۔ ان سے کہہ دے کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کے ہاں سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان سے بہتر ہدایت دینے والی ہو۔ میں بھی اس کی اتباع کر لوں گا پس اگر وہ تجھے جواب نہ دے سکیں تو جان لے کہ وہ تو بس اپنی ہوائے نفس ہی کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت کے برعکس اپنی ہوائے نفس کی پیروی کرتا ہے بے شک اللہ ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔

دراصل یہ لوگ ہوائے نفس کی خاطر دین میں غلو دانستہ کرتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ انانیت پسند Self Centered ہوتے ہیں لہٰذا کبھی بھی حق کو تسلیم نہیں کریں گے جبکہ حق کو ان سے زیادہ کوئی نہیں پہچانتا۔ لیکن ان کے دلوں کے مرض کا یہ حال ہے کہ انہوں نے اپنی ہوائے نفس کی بھینٹ رسولوں کو چڑھا دیا۔ قرآن حکیم نے ان کی اس سرکشی کو

بھی بیان کیا ہے:۔

کلّما جآء ھم رسول بمالا تھوٰی انفسھم فریقًا کذّبوا وفریقًا یّقتلون ○ (۳۴۵)

ترجمہ:۔ جب کبھی رسول ان کے پاس اس چیز کے ساتھ آیا جسے ان کے نفوس پسند نہیں کرتے تھے تو انہوں نے کسی فریق کو جھٹلایا اور کسی فریق کو قتل کر دیا۔

شاید وہ زمانۂ جاہلیت کے حکم کے خواہاں تھے جس میں ہوائے نفس کا غلام بن کر زندگی بسر کی جاتی ہے۔ جو صریحاً گمراہی پر مشتمل ہے۔ لہٰذا رسول تک کو وارننگ دی جارہی ہے جس میں عام لوگوں کے لئے تو ہے ہی وارننگ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولا تتّبع اھوآء ھم عمّا جآءک من الحقّ لکلٍّ جعلنا منکم شِرعةً وّمنھا جًا ولو شآء اللّٰہ لجعلکم امةً وّاحدةً وّلکن لّیبلوکم فی مآ اٰتکم فاستبقوا الخیرٰت الی اللّٰہ مرجعکم جمیعاً فینبّئکم بما کنتم فیہ تختلفون ○ (۳۴۶)

ترجمہ:۔ اور اس حق سے انحراف کرتے ہوئے جو تیرے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر تم میں ہر ایک کے لئے ہم نے ایک ہی شریعت اور ایک ہی واضح طریقہ قرار دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا مگر ان نعمتوں میں آزمائش کرنے کے لئے جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں اس نے ایسا کیا پس اچھے کاموں میں سبقت کرو تم سب اللہ کی طرف لوٹنے والے ہو۔ پھر وہ تمہیں ان امور سے متنبہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

شرع سے مراد:۔

الشرع نھج الطریق والواضح "شرع لکم من الدّین" فاشارة الی الاصول الّتی تتساوی فیھا الملل فلا یصح علیھا النسخ کمعرفة اللّٰہ تعالیٰ ونحوذٰلک من نحوما دلّ علیہ قولہ" ومن یّکفر باللّٰہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاٰخر". (۳۴۷)

اردو مفہوم:۔ شرع سیدھا راستہ جو واضح ہو کو کہتے ہیں۔ ''تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا'' میں دین کے ان اصولوں کی طرف اشارہ ہے جو تمام ملل میں یکساں طور پر پائے جاتے ہیں اور ان میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ جیسے معرفت الٰہی اور وہ امور جیسے اللہ، ملائکہ، کتب، رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان۔

نہج سے مراد:۔

النھج الطریق الواضح قال ابن عباس الشرعة ماوردبہ القرآن والمنھاج ماوردبہ والسنّة. (۳۴۸)

اردو مفہوم:۔ نہج واضح راستہ کو کہتے ہیں۔ بقول ابن عباس شرع وہ راستہ ہے جسے قرآن نے اور منہاج وہ راستہ ہے جسے سنت نے بیان کیا ہے۔

اس طرح شرع کے معنی قانون الٰہی اور نہج کے معنی سنت رسول اللہ مراد ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم اس شرع و منہاج کو اپنائیں جس پر کہ تمام انبیاء کرام چلے۔ اسی کو اپنا نقش قدم بنائیں علاوہ ازیں کی گنجائش نہیں۔ لیکن !!! جو ھوئ نفس کو ہی مقدم مانتے ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہی ان کے لئے خوشنما بنا دیتا ہے۔ پھر بازگشت کے وقت بتائے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

افتراء پردازیاں کرنے والوں کو عذاب کی وعید:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان لوگوں کو دنیا وآخرت میں عذاب کی وعید سنائی ہے جو اللہ کے ساتھ افتراء پردازیاں کر کے شریک قرار دیتے تھے۔ سو اللہ نے ان کے ہاتھوں نے جو کمایا تھا اسی کو ان کے لئے عذاب بنا دیا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ؕوَمن قال سانزل مثل مآ انزل اللّٰہُؕ ولو ترٰٓی اذالظّٰلمون فی غمرات الموت والملٰٓئکۃ باسطوآ ایدیھمۚ اخرجوآ انفسکمؕ الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللّٰہ غیر الحقّ و کنتم عن اٰیٰتہ تستکبرونO (۳۴۹)

ترجمہ:۔ اور جو کہے کہ میں عنقریب اس کی مثل نازل کروں گا جو اللہ نے نازل کیا ہے اور اگر تو ظالموں کو جان کنی کے عالم میں دیکھے جبکہ فرشتے ان پر دست درازی کر رہے ہوں گے نکالو اپنی جانوں کو آج کے دن تمہیں رسوائیوں کے عذاب سے بدلہ دیا جائے گا بسبب اس کے جو تم اللہ کی نسبت ناحق کہا کرتے تھے اور تم اس کی نشانیوں پر اپنی بڑائی ظاہر کرتے تھے۔

جزاوسزا کا معیار:۔

جو لوگ اپنے ضمیر کی آواز کو دباتے ہیں ان سے رب پوچھ رہا ہے کہ:۔

کیا روشن دلیل والا خواہش نفس کے پیروکار کی مانند ہوسکتا ہے؟

یہ سوال گو کہ بے ضمیر افراد سے کیا گیا ہے تاہم باضمیر افراد بھی اس کی حقیقت سے مستفید ہوسکتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا:۔

اَفمن کان علیٰ بیّنۃٍ مّن رّبّہٖ کمن زیّن لہٗ سوٓءُ عملہٖ واتّبعوآ اھوآءَ ھمO (۳۵۰)

ترجمہ:۔ پس کیا وہ شخص جو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اس کی مانند ہوسکتا ہے جس کی نظر میں اس کی بدعملی زینت دی گئی ہو اور انہوں نے اپنی خواہش نفس ہی کی پیروکاری کی ہو۔

جس طرح نور اور نار کبھی یکساں نہیں ہوسکتے اسی طرح حق و باطل بھی یکساں نہیں ہوسکتے۔ جس طرح دن اور

رات یکساں نہیں ہو سکتے اسی طرح ایمان والے اور جاہل یکساں نہیں ہو سکتے۔

ھویٰ نفس کے پیروکاروں کی مثال کتے کی سی ہے:۔

ھویٰ نفس کے پیروکاروں کی نفسی کیفیات کو اللہ تعالیٰ نے کتے کی مثال سے کر وضاحت فرمائی ہے جو کہ آ تار میں موجود ہے۔ کتے کی عادت یہ ہے کہ جب اس کی احتیاج پوری ہو جائے یا نہ ہو دونوں صورتوں میں زبان لٹکائے رکھتا ہے اور ہانپتا ہی رہتا ہے۔ یہی حال حرص وطمع کے معاملے میں انسانی نفس کا ہے جسے غور وفکر کی خاطر بیان کیا گیا ہے:۔

ولو شئنا لرفعنٰہ بھا ولکنہٗ اخلدالی الارض واتبع ھوٰہ فمثلہٗ کمثل الکلب ان تحمل علیہ یلھث اوتترکہ یلھث ذٰلک مثل القوم الّذین کذّبوا باٰیٰتنا فاقصص القصص لعلّھم یتفکّرون○(۳۵۱)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان کی بدولت بلند کر دیتے مگر وہ تو ہمیشہ زمین کی طرف مائل رہا اور اپنی خواہش نفس کی ہی پیروی کی اس کی مثال تو کتے کی سی ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو بھی ہانپتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دے تو بھی ہانپتا ہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی سو یہ قصہ سنا دے شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔

مشرکین کے شبہ کا ازالہ:۔

مشرکین کی افتراء پردازیوں کے پیش نظر اللہ ان سے پوچھ رہا ہے کہ:۔

وقال الّذین اشرکوا لوشاءَ اللّٰہ ماعبدنا من دونہٖ من شیءٍ نّحن ولا اٰبآؤنا ولاحرّمنا من دونہٖ من شیءٍ کذٰلک فعل الّذین من قبلھم فھل علی الرّسل الّا البلٰغ المبین○ (۳۵۲)

ترجمہ:۔ اور جن لوگوں نے شرک کیا انہوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور اس کے خلاف کسی شئے کو بھی حرام قرار نہ دیتے اسی طرح ان سے پہلوں نے بھی کیا۔ پس کیا رسول کے ذمے واضح طور پر پہنچا دینے کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟

قانون مشیئت اور قانون طلب:۔

مشرکین کی یہ عادت Habbit ہے کہ وہ قانون مشیئت کو اپنے شرک کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ظلم تو انسان خود اپنے نفس پر کرتا ہے۔ اس طرح انسان قانون طلب کے تحت فقط طالب دنیا ہو کر رہ جاتا ہے اسی لئے نفس انسانی پر حقیقت حال کی عکاسی کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ:۔

ولوشاءَ ربّک لاٰمن من فی الارض کلّھم جمیعًا افانت تکرہ النّاس حتّیٰ یکونوا مؤمنین ○ وما کان لنفسٍ ان تؤمن الّاباذن اللّٰہ ویجعل الرّجس علی الّذین لا یعقلون○(۳۵۳)

ترجمہ:۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو جو کوئی بھی زمین ہے سب کے سب ایمان لے آتے۔ اور کیا تو لوگوں پر زبردستی کرے گا کہ وہ ایمان لے آئیں؟ اور کسی نفس کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور وہ نجاست ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

دین اسلام میں جبر نہیں ہے بلکہ صحیح اور غلط فکر کے چناؤ کا اختیار دیا گیا ہے دراصل یہ اختیار Option ہی قانون طلب ہے جس سے کوئی نفس خالی نہیں۔ مگر یہاں پہنچ کر معاملہ نفوس کی کیفیت و حالت کے مطابق جدا ہو جاتا ہے اکثر نفوس طالب دنیا ہوتے ہیں۔ تاہم کچھ نفوس روز آخرت کے مالک کی رضا کو فکر و قول کی بنیاد بناتے ہیں۔ اس طرح وہ اللہ کے قانون مشیت اور قانون طلب سے مستفیض ہوتے ہیں اور دیگر ان محروم بلکہ اپنی سرکشی و نافرمانی کے سبب عذاب کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم رب کریم کی وسیع مغفرت سے اپنی مغفرت کے طلبگار ہو جائیں اور ہمارے قلوب ہر وقت اس دعا کے متمنی رہیں کہ:۔

ربّنآ اٰتنا فی الدّنیا حسنۃً وّ فی الاٰخرۃ حسنۃً وّ قنا عذاب النّار ○ (۳۵۴)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں نیکی عطا کر اور آخرت میں بھی نیکی عطا کر اور ہمیں عذاب نار سے بچا لے۔

جبت اور طاغوت کا نفسیاتی تجزیہ اور قرآن حکیم

الم تر الی الّذین اوتوا نصیباً مّن الکتٰب یؤمنون بالجبت والطّاغوت ویقولون للّذین کفروا ھٰؤلاءِ اھدٰی من الّذین اٰمنوا سبیلاً ○ اولٰئک الّذین لعنھم اللّٰہ ؕ ومن یّلعن فلن تجدلہٗ نصیراً ○ؕ (۳۵۵)

ترجمہ:۔ کیا تو ان کو نہیں دیکھتا جنہیں کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ بت پر اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ان کے متعلق جنہوں نے کفر اختیار کیا کہتے ہیں کہ وہ ایمان لانے والوں کی نسبت زیادہ ہدایت کے راستے پر ہیں۔ وہ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو تو ہرگز کسی کو اس کا مددگار نہیں پائے گا۔

الجبت والجبس الغسل الذی لاخیر فیہ. ویقال لکلّ ماعبد من دون اللّٰہ جبت وسمی السّاحر والکاھن جبتاً (۳۵۶)

اردو مفہوم:۔ جبت اور جبس اس دھوؤں کو کہتے ہیں جو کسی کام کا نہ ہو۔ نیز ہر وہ شے جس کی اللہ کے سوا پرستش کی جائے وہ جبت کہلاتی ہے۔ اور ساحر و کاہن کو بھی جبت کہا جاتا ہے۔

تفہیم القرآن میں ہے۔ ''جبت کے اصل معنی بے حقیقت و بے اصل اور بے فائدہ شے کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں جادو کہانت، فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون اور مہورت اور تمام دوسری وہمی و خیالی باتوں کو جبت سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:۔ النیاقۃ والطرق والطیر من الجبت. یعنی جانوروں کی آوازوں سے فال لینا زمین پر جانوروں کے نشانات قدم سے شگون نکالنا اور فال گیری کے دوسرے طریقے سب جبت کے قبیل سے ہیں۔ پس جبت کا مفہوم وہی ہے جسے ہم اردو زبان میں اوہام Superstitions کہتے ہیں۔'' (۳۵۷)

ڈکشنری آف فلاسفی کے مطابق اوہام پرستی سے مراد بھوت پریت، چڑیلیں، پوشیدہ طاقتیں اور جعلی False مذہب کی باتیں اور ان کے اثرات ہیں:۔

1) Superstition:- False religion, belief on Ghost, demons, secret powers etc. Often combined with practices intended to manipulate or influence them."(358)

جبکہ انسائیکلو پیڈیا آف سائیکولوجی نے چار معنی وضع کئے ہیں۔ ترتیب وار ملاحظہ ہو:۔

2) Superstition:- (1)An appropriate or unnecessary fear or scruple requiring the observance of a rite or practice that it is supposed with ward of a usually non existent danger. (2)Such a rite or practice. (3)The postulation of cause and effect relationship without good reason. (4)Religion without morality, or tradition or faith, or Philosophy etc.(359)

لا اکراہ فی الدّین قد تبیّن الرّشد من الغیّ فمن یّکفر بالطّاغوت ویؤمن باللّٰہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ لا انفصام لھا واللّٰہ سمیع علیم ○ اللّٰہ ولیّ الّذین اٰمنوا یخرجھم من الظّلمٰت الی النّور والّذین کفروا اولیٰئھم الطّاغوت یخرجونھم من النّور الی الظّلمٰت اولٰئک اصحٰب النّار ھم فیھا خالدون○(۳۶۰)

ترجمہ:۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے بے شک ہدایت اور گمراہی میں فرق واضح کر دیا گیا ہے پس جس نے ورغلا نے والے سے انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا یقیناً اس نے مضبوط رسی کو پکڑ لیا جو ٹوٹ نہیں سکتی۔ اور اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اللہ سرپرست ہے ان کا جو ایمان لائے وہ ان کو نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف اور وہ جو منکر ہوئے ان کے سرپرست شیطان ہیں۔ جو ان کو نکالتے ہیں نور سے تاریکیوں کی طرف وہی اہل جہنم ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

طاغوت کے معنی ومفہوم:۔

(طغی) طغوت و طغیت، طغوانا،وطغیانا واطغاہ کذا جملہ علی الطغیان وذٰلک تجاوز لحدّ فی العصیان. والطّاغوت عبادۃ عن کل متعدّ وکلّ معبود من دون اللّٰہ ویسعمل فی الواحد والجمع. فعبارۃ عن کلّ متعدّ ولما تقدّم سمی السّاحر والکاھن والمارد من الجنّ والصّارف ممّن طریق الخیر.(۳۶۱)

اردو مفہوم:۔ (طغی) طغوت وطغیت طغوانا ء وطغیانا کے معنی طغیان اور سرکشی کرنے کے ہیں۔ اور اطغاہ کے معنی ہیں اسے طغیان سرکشی پر ابھارا اور طغیان کے معنی نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا کے ہیں۔ الطاغوت سے مراد ہر وہ شخص ہے جو حدود شکن ہو اور ہر وہ شے جس کی اللہ کے علاوہ پرستش کی جائے اور یہ واحد جمع دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پس طاغوت سے حدود شکن مراد ہے اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کی بناء پر ساحر، کاہن، سرکش جن اور ہر وہ شے جو طریق حق سے پھیرنے والی ہو اسے طاغوت کہا جاتا ہے۔

الغرض طاغوت سے مراد ہر وہ قانون وحکم ہے جس کے لئے اللہ کا اذن موجود نہ ہو یعنی کہ جسے شریعت الٰہی کی

سند حاصل نہ ہو۔ اور ہر وہ شخص ہے جو اپنی جائز حد سے تجاوز کر جائے۔ اس طرح طغیان وسرکشی کے طفیل الوہیت کی صفت حاکمیت کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد:۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی تفسیر تفہیم القرآن میں فرماتے ہیں کہ:۔

وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی وخداوندی کا دم بھرے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے۔ خدا کے مقابلے میں ایک بندے کی سرکشی کے تین (۳) مرتبے ہیں:۔ ☆ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً اس کی فرمانبرداری ہی کو حق مانے، مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے۔ ☆ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی نافرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر یا تو خود مختار بن جائے یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے۔ ☆ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے اس آخری مرتبے پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام طاغوت ہے۔ (۳۶۲)

یہی لفظ وسعت اختیار کر کے ان تمام اشکال واشیاء پر حاوی ہو گیا جو کہ حدود بندگی سے نکل جانے کا باعث یا ذریعہ بنیں اس طرح طواغیت اس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ یہ طاغوت خارجی بھی ہے اور باطنی بھی۔ یعنی کہ شیطان اور نفس انسانی۔ ان دونوں کا مقصد فقط یہی ہوتا ہے کہ اذن الٰہی کی مخالفت پر اکسانے والے کو حکم مان لینا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

الم ترا لی الّذین یزعمون انّھم اٰمنوا بمآ انزل الیک ومآ انزل من قبلک یریدون ان یّتحا کموآ الی الطّاغوت و قد امروآ ان یّکفروا بہٖ ویرید الشّیطٰن ان یّضلّھم ضلٰلاً بعیداً○(۳۶۳)

ترجمہ:۔ کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا کہ جو گمان کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تجھ پر نازل کیا گیا ہے اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو حاکم بنائیں حالانکہ انہیں تو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے انکار کرنا۔ اور شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ گمراہی میں انہیں دور لے جائے۔

شیطان خواہ باہر ہو یا اندر ایک ہی مقصد رکھتا ہے اور ایک ہی کام کی طرف انسان کو ابھارتا ہے۔ قرآن حکیم والفرقان حمید میں اس کی طواغیت کو کچھ اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

ولا ضلّنّھم ولا منّینّھم ولاٰمر نّھم فلیبتّکنّ اٰذان الانعام ولاٰمرنھم فلایغیّرنّ خلق اللّٰہؕ(۳۶۴)

ترجمہ:۔ اور میں ان کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا۔ اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان پھاڑ دیں اور ان کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیئت میں یقیناً ردّ وبدل کر دیں گے۔

جو لوگ شیطانوں کو اپنا مددگار مانتے ہیں۔ شیطان انہیں وحی کرتا ہے۔ اس کا مقصد سوائے فتنہ فساد کے سوا کچھ نہیں۔ چنانچہ اس حربے سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

الشّیطین لیوحون الّی اولیٰئھم لیجادلوکمْ ج (۳۶۵)

ترجمہ:۔ شیاطین اپنے دوستوں کو وحی کرتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑیں۔

ایک اور مقام پر شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ جن باتوں کا حکم دیتا ہے وہ کسی بھی قوم کی زندگی میں زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ یہ سب ازلی دشمنی کے ہی سبب ہے چنانچہ قرآن حکیم نے ہمیں اس کے اس حربے سے بھی باخبر کیا۔

☆ انّما یامرکم بالسّوٓء والفحشآء وان تقولوا علی اللّٰہ مالا تعلمون○(۳۶۶)

ترجمہ:۔ بے شک وہ تمہیں برائی اور فواحش کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کی نسبت وہ کہو جو تم نہیں جانتے۔

☆ فوسوس الیہ الشّیطٰن قال یٰآدم ھل ادلّک علی شجرۃ الخلدو ملکٍ لّا یبلیٰ○(۳۶۷)

ترجمہ:۔ پس شیطان نے اس کے دل میں یہ کہتے ہوئے وسوسہ ڈالا کہ اے آدم کیا میں تجھے ہمیشہ کی زندگی والے درخت اور ایسی سلطنت کی نشان دہی کروں جو فنا نہ ہوگی۔

خود انسان کا نفس اس کے دل میں طرح طرح کے وساوس ڈالتا رہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس بہٖ نفسہٗ ج (۳۶۸)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کیا اور ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ اس کا نفس اس کے دل میں وساوس ڈالتا رہتا ہے۔

دراصل شیطان کے یہ حربے ان ہی لوگوں پر کامیاب ہوتے ہیں جو سرکش ہیں۔ قرآن ان سرکش لوگوں کو قوم طاغون کے لقب سے پکارتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ام تامرھم احلامھم بھٰذآ ام ھم قوم طاغونَ○ ج (۳۶۹)

ترجمہ:۔ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی حکم دیتی ہیں یا وہ سرکش لوگ ہیں۔

طلب قانون فطرت ہے۔ مگر جو لوگ اللہ سے خیر کے طالب نہیں ہوتے تو پھر اللہ ایسوں کو ایمان کی توفیق نہیں بخشتا۔ جو لوگ عقل رکھتے ہوئے بھی عقل سے کام نہ لیں، آنکھیں رکھتے ہوئے بھی مشاہدہ نہ کریں۔ کان رکھتے ہوئے بھی حق صداقت سے محروم رہنا پسند کریں۔ صراط مستقیم کے بجائے شیطان کی راہ پر چلنا پسند کریں تو پھر ایسے لوگوں کی دنیا اور آخرت دونوں تباہ و برباد ہو جایا کرتی ہیں۔ ایسے ہی لوگ خسارہ اٹھانے والے اور ابتر کہلاتے ہیں۔ جہاں تک اللہ کی بات ہے کہ وہ چاہتا تو سب ایمان لے آتے اس میں کوئی شک نہیں۔ وہ ایسا بھی کرسکتا تھا۔ مگر نفس کے سبب اللہ نے انسان کو آزمائش میں مبتلا کردیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

کل نفسٍ ذائقۃ الموتط ونبلوکم بالشّرّ والخیر فتنۃًط والینا ترجعون○(۳۷۰)

ترجمہ:۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا اور ہم خیر و شر سے تمہاری آزمائش کریں گے اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

انسان کے گرد وپیش خارج میں بے شمار طاغوت موجود ہیں جو دراصل اللہ کی جانب سے بطور آزمائش کے ہیں۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی فرماتے ہیں کہ:۔

اور بے شمار طاغوت باہر کی دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بیوی اور بچے، اور اقرباء پروری اور خاندان، دوست، آشنا، سوسائٹی اور قوم، پیشواء ورہنما، حکومت اور حکام یہ سب اس کے لئے طاغوت ہی طاغوت ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک اس سے اپنی اغراض کی بندگی کراتا ہے اور بے شمار آقاؤں کا یہ غلام ساری عمر اس فکر میں پھنسا رہتا ہے کہ کس آقا کو خوش کرے اور کس کی ناراضگی سے بچے۔(۳۷۱)

قرآن مجید والفرقان حمید میں انسانوں کا فلسفۂ عروج وزوال امم کا بغور جائزہ لیا جائے زوال کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔زوال کی اصل وجہ وسبب یہی حد سے تجاوز کرنا یعنی سرکشی ہی ہے۔مثلاً قوم ثمود جس آفت سے ہلاک ہوئی اس کے لئے ”طاغیة(۳۷۲)“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔حضرت نوحؑ کی قوم اسی طغیانی کے سبب ہلاک ہوئی اس کے لئے جو لفظ استعمال ہوا وہ أطغی اور طغیٰ(۳۷۳) تھا۔نیز فرعون کے لئے بھی یہی لفظ طغیٰ(۳۷۴) استعمال ہوا۔لہٰذا رب کریم نے طغیٰ کرنے والوں کو قیام قیامت تک کے لئے اس اصول کے اطلاق سے آگاہ فرمادیا:۔

فامّامن طغیٰ ۝ واٰثر الحیٰوۃ الدّنیا ۝ فانّ الجحیم ھی الماوٰی ۝ وامّا من خاف مقام ربّہٖ ونھی النّفس عن الھوٰی ۝ فانّ الجنّۃ ھی الماوٰی ۝(۳۷۵)

ترجمہ:۔ پس وہ جس نے سرکشی کی اور حیات دنیا ہی کو ترجیح دی پس بے شک اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات سے ٹوکا۔پس بالتحقیق اسی کا ٹھکانہ جنت ہے۔

اس اصول کے اطلاق کے پیش نظر اور اتمام حجت کے بعد اللہ انسانوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ:۔

ولقد بعثنا فی کلّ امّۃٍ رّسولاً أن اعبدوا اللّٰہ و اجتنبوا الطّاغوت(۳۷۶)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

سو اس حکم اور اتمام حجت کے بعد طاغوت کی پرستش کی قطعاً اجازت نہیں خواہ وہ دور رسالت ہو یا مابعد دور رسالت۔مگر جو اس کی پرستش کرے گا اسے رب کریم نے عبدالطّاغوت(۳۷۷) کے لقب سے نوازا ہے اور یہی لوگ دراصل ملعون زدہ بھی قرار پائے ہیں۔لہٰذا جو ایسا کرے گا وہ اس غیض وغضب کا مستحق قرار پائے گا۔کیونکہ وہ شیطان طاغوت کے لئے لڑ رہا ہے۔تاہم فی سبیل اللہ لڑنے والوں کو طاغوت کی قوت کے بارے میں بھی بتادیا:۔

الّذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللّٰہ والّذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطّاغوت فقاتلوآ اولیآء الشّیطٰن انّ کیدالشّیطٰن کان ضعیفاً ۝(۳۷۸)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔پس شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

ساتھ ہی ایمان والوں کو خوشخبری بھی سنادی کہ:۔

والّذین اجتنبوا الطّاغوت ان یّعبدوھا وانابوآ الی اللہ لھم البشریٰ فبشّر عبادO الّذین یستمعون القول فیتّبعون احسنہٗ اولٰئک الّذین ھدٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالبابO (۳۷۹)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی بندگی کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا، انہیں کے لئے خوشخبری ہے پس میرے ایسے بندوں کو خوشخبری دے دے جو بات کو بغور سنتے ہیں اور اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں وہی تو ہیں جن کی اللہ نے ہدایت فرمائی اور وہی تو ہیں جو صاحبان عقل و دانش ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے لہٰذا دین فطرت کے قوانین کا متقاضی ہے۔ اس لئے تلاش حق فطری جذبہ ہے اور اس کی تشفی کے لئے، رفع تشنگی کے لئے تسخیر النفس و آفاق کا ہر انسان کو حکم دیتا ہے۔ اس طرح اسلام میں ادراک کی گنجائش تو ہے مگر لا ادرا کیت کی نہیں۔ جبت اور طاغوت یہ دونوں لا ادرا کیت کی گھڑی ہوئی علامتیں ہیں۔ ان کو ماننے کا مطلب غیب پر ایمان لانے سے انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر ایمان لانے والے لوگ جادو، کہانت، ٹونے ٹنکے، فال گیری، ہاتھوں کی لکیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنا اور وہمی و خیالی باتوں کو حق و سچ مانتے ہیں۔ دراصل یہ ایمان کی کمزوری کی علامتیں ہیں۔ کیونکہ اللہ کے حکم کے بغیر تو ایک پتہ نہیں ہل سکتا۔ پھر زمین و آسمان کی چیزیں بھلا کیونکر مستقبل کی پیشن گوئی کر سکتی ہیں۔ تاہم ایک حد تک شواہد سے اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے مگر یہ کہ کل کیا ہوگا اس کا علم نہیں دیا گیا۔

وما تدری نفس مّاذا تکسب غداً وما تدری نفسٌ بایّ ارضٍ تموت انّ اللہ علیم خبیرO (۳۸۰)

ترجمہ:۔ اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا۔ اور نہ ہی کوئی نفس جانتا ہے کہ وہ کس زمین میں مرے گا بے شک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے۔

اس تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ لا ادرا کیت پر گامزن ہیں لہٰذا ہر شے کے وجود پر شک کرنا ان کا مذہب ہے۔ اپنے اس مذہب کی وجہ سے یہ لوگ مخالفت برائے مخالفت کے عادی ہو چکے ہیں۔ ایسا عادی شخص اسلام کا ازلی دشمن ہے یہی دشمنی حق سے دور کرتی ہے اور انسان کو تعدی پر ابھارتی ہے۔ اور یوں یہ روش انسان کو ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ اگر اسے اپنے اصولوں اور عقیدوں کے خلاف جانا پڑے تو وہ بلا تأمل چلا جاتا ہے۔ یعنی ایک جرم سے جرائم کی فہرست میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ترجمان القرآن میں لکھتے ہیں کہ:۔

''جب ایک جماعت میں اتباع حق کی جگہ جتھا بندی اور گروہ پرستی کی روح پیدا ہو جاتی ہے تو پھر حق و باطل کا امتیاز باقی نہیں رہتا وہ چاہتے ہیں کہ جس طرح بھی بنے اپنی بات بنالی جائے اور مخالف گروہ کو زک دی جائے اگر ایسا کرنے میں اسے اپنے اصولوں اور عقیدوں کے خلاف بھی جانا پڑے تو بلا تأمل چلے جاتے ہیں یہی حال مدینے کے یہودیوں کا تھا وہ ہمیشہ بت پرستی کے مخالف رہے اور بت پرستوں کی تحقیر و تذلیل کرتے رہے۔ لیکن اب مسلمانوں کی ضد میں آ کر بت پرستوں کی تعریف کرتے اور کہتے کہ مسلمانوں سے تو مشرکوں کا طور طریقہ ہی بہتر ہے۔ (۳۸۱)

اس قول کے سبب اللہ نے ان پر لعنت کی۔ اور جس پر اللہ لعنت کرے اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا۔ لہٰذا

شیطان سے ہی کہلوا دیا:۔

فلمّا ترآءت الفئتٰن نکص علیٰ عقبیه وقال انّی بریٓءٌ مّنکم انّیٓ اریٰ مالا ترون انّیٓ اخاف اللّٰہؕ واللّٰہ شدید العقاب○ (۳۸۲)

ترجمہ:۔ پس جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ یہ کہتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں تحقیق میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے بے شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تو بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

کوئی بھی مسلمان اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ادراکی و نفسی الٰہوں کا منکر نہ ہو جائے۔ اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور جو منکر ہوتے ہیں انہیں ان کے سرپرست نور سے تاریکیوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن میں تاریکیوں اور نور کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

تاریکیوں سے مراد جہالت کی تاریکیاں ہیں جن میں بھٹک کر انسان اپنی فلاح وسعادت کی راہ سے دور نکل جاتا ہے اور حقیقت کے خلاف چل کر ان تمام قوتوں اور کوششوں کو غلط راستوں میں صرف کرنے لگتا ہے اور نور سے مراد علم حق ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی اور کائنات کی حقیقت اور اپنی زندگی کے مقصد کو صاف صاف دیکھ کر علی وجہ البصیرت ایک صحیح راہ عمل پر گامزن ہوتا ہے۔(۳۸۳)

ایمان نور کا نام اور نار متعدد و متنوع قسم کی تاریکیوں کا نام ہے۔جن کا مقدر سعادت نہیں گمراہی ہے کیونکہ جب فکر مثبت نہ ہو تو عملی نتیجہ بھی غیر مثبت ہی ہوتا ہے ایسے زنگ آلود اذہان کی موت کا حال۔قرآن حکیم نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے کہ:۔

ولو تریٰٓ اذیتوَ فّی الّذین کفرواۙ الملٰٓئکة یضربون وجوههم وادبارهمۚ (۳۸۴)

ترجمہ:۔ اور کاش کہ تو دیکھے جب ملائکہ کفار کی جان قبض کرتے ہیں تو ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں کہ جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔

مشرکین کے لئے بزبان رسول کہلوا دیا کہ یہ خود اور ان کے اہل خانہ خسارہ پانے والوں میں سے ہیں:۔

لهم مّن فوقهم ظلل من النّار ومن تحتهم ظللؕ (۳۸۵)

ترجمہ:۔ ان کے لئے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہیں اور ان کے نیچے بھی سائبان ہیں۔

اور سوم یہ کہ اللہ کا یہ اصول ہے:۔

انّ اللّٰہ لا یغفر ان یّشرک به ویغفر مادون ذٰلک لمن یّشآءؕ (۳۸۶)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جسے چاہے گا سب کچھ بخش دے گا۔

تلخیص :۔

نفس امارہ اپنے تولیدی عمل کے ذریعے انسان کو جو سمجھاتا اور دکھاتا ہے حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ بالکل اس طرح جیسے صحرا میں سراب جو دیکھنے میں پانی لگتا ہے مگر قریب پہنچتے ہی گمان کا احساس ہوتا ہے دراصل نفسی تولیدی عمل قریب اسی وقت بن جاتا ہے جب ہوئ نفس اپنی کارفرمائیاں دکھاتا ہے۔اس لئے حکم ربی یہ ہے کہ :۔

ولا تتّبع الھویٰ فیضلّک عن سبیل اللّٰہ انّ الّذین یضلّون عن سبیل اللّٰہ لھم عذاب شدید بما نسوا یوم الحساب ۝ (۳۸۷)

ترجمہ:۔ اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی بے شک جولوگ اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے عذاب شدید ہے۔ بسبب اس کے کہ انہوں نے یوم حساب کو بھلا رکھا ہے۔

نیز مذکورہ آیات کی تصریحات سے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ انسان نے اتنا زور مسخر شدہ کائنات کوتسخیر کرنے میں نہیں لگایا جتنا کہ جذبۂ حاکمیت کی تسکین میں لگایا۔ دنیا پرحکمرانی کرنے کی فکر نے انسان کو ہر دور میں نت نئے منصوبے سمجھائے جس کے تحت عوام الناس کوسبز باغ دکھایا گیا اور امیدوں کی طرف لگا دیا۔نت نئی منزلوں کا تعین کیا مگر منزل ہے کہ ملتی نہیں۔اور ملے بھی کیسے؟ جب انسان اس راہ پر گامزن ہی نہیں جس پر کہ منزل مقصود ومطلوب آتی ہے۔ایسے تمام راستوں کوقرآن سبل فتفرق (۳۸۸) کہہ کر پکارتا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جوصراط مستقیم سے جدا کرتی ہے یہ توسبل السلام کے مخالفین کی راہ ہے جس کی بنیاد اور اکی دنفسی شرک پر رکھی گئی ہے۔ یہ وہ راہ ہے جسے ہر دور کے حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں نے تشکیل دیا، اور جسے ہوائے نفس کے تابعداروں نے اپنی ظن وتخمین کی بھٹی میں پگھلا کرعوام الناس کے سامنے پیش کیا۔جس کا مقصدانسانوں کوگمراہی کی بھینٹ چڑھانا تھا۔ہنوز بھی یہی جبت وطاغوت کی پرستش شخصیت ورہنما پرستی وغیرہ کی صورت میں نیز توہم پرستی، غیر متوکل ہونا اور فال وشگون وغیرہ جاری ہیں۔

ہم اگلے عنوان میں انسانوں کی اس نفسیاتی تولید Psychological Procreation کا تجزیہ قرآن کی روشنی میں کریں گے۔ تاکہ عصر حاضر کے شرک کی اطلاقی صورتوں کو آسانی سمجھا جا سکے۔اور دوئم یہ کہ حقیقت مطلق آیات کی روشنی میں حقائق کی صورت میں منصۂ شہود پرجلوہ گر ہو سکے۔تاکہ ہر خاص وعام اپنی تشنہ لبی کو بجھا سکے۔اور سوئم یہ کہ نفس انسانی کی کید ومکر سے آگاہ ہوکر خود اپنے نفس کا احتساب کرنے کے قابل ہو سکے۔

فصل سوم

سبل متفرقہ پس منظر وپیش منظر ایک نفسیاتی جائزہ قرآن کی روشنی میں

ولا تتّبعوا السّبل فتفرّق بکم عن سبیلہٖ ذٰلکم وصّٰکم بہٖ لعلّکم تتّقون ۝ ثمّ اٰتینا موسی الکتٰب تماماً علی الّذی احسن و تفصیلاً لّکلّ شیءٍ وّھدی وّرحمۃً لعلّھم بلقآء ربّھم یؤمنون ۝ وھٰذا

کتٰب انزلنٰہ مبٰرک فاتّبعوہ واتّقوا العلّکم ترحمون۝(۳۸۹)

ترجمہ:۔ اور دیگر راستوں کی پیروی نہ کرو پس وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گے ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی نیک عمل کرنے والوں پر نعمت کی تکمیل ہے اور ہر شے کی تفصیل ہے اور جو ہدایت ورحمت ہے تاکہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لائیں۔ اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا پس اس کی پیروی کرو۔ اور پرہیزگاری اختیار کرو شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

سبل متفرقہ کے معنی ومفہوم:۔

س ب ل السّبیل الطریق الّذی فیہ سھولۃ وجمعہ سبل(۳۹۰)

اردو مفہوم:۔ السبیل اصل میں اس راستے کو کہتے ہیں کہ جس میں سہولت کے ساتھ چلا جا سکے۔ اس کی جمع سبل آتی ہے۔

ف ر ق الفرق یقارب الفلق لکن الفلق یقال اعتبارا بالانشقاق والفرق یقال اعتبارا بالا نفصال. والفرق تفرّق القلب من الخوف. وفرّقت بین الشیئین فصلت بینھما سوآء کان ذلک بفصل یدرکہ البصراء وبفصل تدرکہ البصیر.(۳۹۱)

اردو مفہوم:۔ الفرق والفلق کے قریب قریب ایک ہی معنی ہیں لیکن پھٹ جانا کے لحاظ سے فلق کا لفظ بولا جاتا ہے اور انفصال کے اعتبار سے ''فرق'' کا لفظ بولا جاتا ہے نیز الفرق کے معنی خوفزدہ ہونے کی وجہ سے دل کے پراگندہ ہو جانے کے ہیں۔ اور دو چیزوں کو الگ الگ کر دینے کے ہیں۔ خواہ وہ علیحدگی نظر سے محسوس ہو رہی ہو یا اس کا تعلق بصیرت سے ہو۔

ان معنی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سبل متفرقہ اسلام کے بالکل مخالف ایک راستہ ہے جسے نظر اور بصیرت دونوں سے بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حق اور باطل میں فرق صاف ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرا باریک نقطہ اس میں یہ بھی پوشیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام لاکر منحرف ہونا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اسلام دشمنی کو ظاہر نہیں کرتا، مگر عملاً وہ اس کے برخلاف اقدام کرتا ہے تو اس کی بصیرت کا فرق بھی اسے اسلام سے جدا کر دیتا ہے۔ کیونکہ بنیادی عقیدہ کے خلاف کوئی تصور لے آنا بھی سبل متفرقہ ہے۔

علاوہ ازیں آیات مبارکہ میں قوم موسیٰ کے حوالے سے واضح طور پر رب کریم نے فرمایا کہ:۔

ثمّ اٰتینا موسی الکتٰب تماماً علی الّذیٓ احسن و تفصیلاً لکلّ شیءٍ وّھدًی وّرحمۃً لعلّھم بلقآء ربّھم یؤمنون۝(۳۹۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی نیک عمل کرنے والوں پر نعمت کی تمامیت ہے اور ہر شے کی تفصیل ہے اور ہدایت ورحمت شاید کہ وہ اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

لیکن انہوں نے جو حرکت کی وہ یہ تھی کہ:۔

وانّ منهم لفریقاً یّلوٗن السنتهم بالکتٰب لتحسبوہ من الکتٰب وما ھو من الکتٰب ج ویقولون ھو من عنداللّٰہ وما ھو من عنداللّٰہ ج (۳۹۳)

ترجمہ:۔ اور ان میں ایک فریق ایسا بھی ہے جو کتاب اس طرح زبان بگاڑ کر پڑھتا ہے کہ تم یہ گمان کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوا کہ:۔

انّ الّذین فرّقوادینھم و کانوا شیعاً لّست منھم فی شیءٍ انّمآ امرھم الی اللّٰہ ثمّ ینبّھم بما کانوا یفعلون ○ (۳۹۴)

ترجمہ:۔ تحقیق جن لوگوں نے اپنے ذہن میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقوں میں بٹ گئے تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

ان لوگوں نے دین کو فرقہ فرقہ کر دیا جبکہ اختلاف کی گنجائش ہی نہ تھی۔ مگر اختلاف برائے اختلاف کی پالیسی اپنائی۔ تو پھر اللہ نے بھی انہیں میں عذاب عظیم میں مبتلا کر دیا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولا تکونوا کالّذین تفرّقوا واختلفوا من بعد ماجآء ھم البیّنٰت ط واولٰٓئک لھم عذاب عظیم ○ لا (۳۹۵)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو متفرق ہوئے اور انہوں نے اپنے پاس واضح نشانیاں آ جانے کے بعد بھی اختلاف کیا ایسوں ہی کے لئے عذاب عظیم ہے۔

آئیے قرآنی پس منظر کے حوالے سے جو کہ مختلف زمانوں سے متعلق ہیں، کا جائزہ لیں تا کہ پیش منظر میں ان تصورات باطلہ کے حامیان کو نیز ان باطل نفسیات کے حاملان کو اپنے اردگرد پہچان کر اپنے نفس کا تزکیہ بذریعہ قرآن کر سکیں اپنے دامن نفس کو اور روح و شعور کو زندہ رکھ سکیں۔

سبل متفرقہ اور نفسی و تولیدی شرک کی صورتیں از روئے قرآن

اختلاف تفرقہ کی بنیاد بنتا ہے اور بنیاد کے علیحدہ ہونے سے راہیں جدا ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ اختلاف جزوی نہیں رہتا بلکہ کلی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے فلسفۂ حیات کا مرکز و محور بدل جاتا ہے۔ گو کہ اس کی شروعات جزوی و فروعی ہوتیں ہیں پھر بعد میں بتدریج نظریاتی و بنیادی معاملات پر مشتمل ہو جاتی ہیں۔ یہی ان کی چال، یہی ان کا مذہب اور یہی ان کی خواہش بن جاتا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قل یٰٓاھل الکتاب لم تصدّون عن سبیل اللّٰہ من اٰمن تبغونھا عوجاً وّانتم شھدآء ط وما اللّٰہ بغافلٍ عمّا تعملون ○ یٰٓایّھا الّذین اٰمنوآ ان تطیعوا فریقاً مّن الّذین اوتوا الکتٰب یردّوکم بعد ایمانکم

كُفرين○(۳۹٦)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے اہل کتاب جو ایمان لایا تم اسے اللہ کی راہ سے اس میں کجی تلاش کرتے ہوئے کیوں روکتے ہو حالانکہ تم خود اس پر شاہد ہو اور جو کچھ تم کہتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے اور اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تم ان میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے کسی گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں منکر بنا کر تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پھرا دیں گے۔

مگر کیا کیجئے کہ ہر دور میں از روئے قرآن فرقہ پرستی کی ایک نئی لہر دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔

قوم نوح کی فرقہ پرستی، شرکاء کی شریعت بطور شریعت اصلی کے:۔

سبل متفرقہ کی بنیاد نفسی و تولیدی شرک پر استوار ہوتی ہے اور اس پر مطالبہ یہ کہ شرکاء کی شریعت بطور شریعت اصلی کے ہے لہٰذا نبیؑ سے لے کر عوام الناس اس کو مساوی تسلیم کریں قوم نوح بھی اس اختلاف کا شکار ہوئی۔ کہ اس ارض وسماں کو اللہ نے تخلیق کیا ہے لیکن دوسرے بھی خدائی نظام میں شریک ہیں۔ ان سے ہماری حاجتیں وابستہ ہیں۔ یعنی فوق الفطری الوہیت کے ساتھ ان کو بھی الہٰ مانتے تھے جن سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ جبکہ حضرت نوح نے یہی کہا:۔

فقال یٰقوم اعبدوااللّٰہ مالکم مّن الٰہٍ غیرہٗ (۳۹۷)

ترجمہ:۔ اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

لیکن قوم کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ:۔

وقالوا لا تذرنّ اٰلھتکم ولا تذرنّ ودًّا وّلا سواعًا وّلا یغوث ویعوق و نسرًا○ (۳۹۸)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا کہ تم ہرگز اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور وڈ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

اصل قصہ یہ ہے کہ قوم نے فوق الطبعی اور طبعی (۲) دو طرح کے الٰہ بنا رکھے تھے۔ دنیاوی معاملات میں قوم ان الٰہوں کی پیروی کرتی تھی۔ جبکہ رسول کا یہ کہنا تھا کہ تمام مفہومات کے لحاظ سے صرف اللہ ہی کو الٰہ واحد تسلیم کرو۔ جب یہ قوم باز نہ آئی تو پھر حجت تمام ہوتے ہی عذاب نے آن گھیرا لیکن بجائے عبرت کے آج تک لغوی مفہومات کے ساتھ الٰہ کا تصور قائم و دائم ہے۔ مثلاً بادشاہ وقت کی صورت میں یعنی بلحاظ عہدہ اتھارٹی کی صورت میں، سرداروں، پیشواؤں، علماؤں، جاگیرداروں، صنعتکاروں وغیرہ کی صورت میں ہنوز بھی ہے۔ یہ لوگ جو نظریہ فکر عوام الناس کو فراہم کردیں وہی ان کے لئے فلاح کا موجب قرار پاتا ہے اور یوں نئے فکر و نظر کو متعارف کرانے کا سہرا ان کے سر باندھ دیا جاتا ہے اس طرح ان مفکرین کو اس فکر اس نظریہ کا بانی قرار دے کر بابا Father کے نام سے پکارا جانے لگتا ہے اور پیروی شروع ہو جاتی ہے یہ اللہ کی شریعت کے متبادل شریعت پیش کرنے والے شریک نہیں تو پھر اور کیا ہیں؟

آباء کی بطل پرست روایات بطور شریعت اصلی کے

زمانہ قدیم ہو یا جدید ہر دور میں موجودہ نسل ماضی سے مستعار لئے ہوئے نظریات اور روایات کو فروغ دیتی

رہی ہے۔آ باء کی محبت انسانی فکر پر جب سوار ہوتی ہے تو وہ اچھے اور برے تک کی تمیز کھو بیٹھتا ہے۔نظر ہوتے ہوئے بھی اندھاBlind ہوکررہ جاتا ہے۔اس طرح معاشرے میں اندھی تقلید کا عمل ہمیشہ جاری وساری رہتا ہے۔بہت کم انسان اپنے آپ کو اس اندھی تقلید سے بچا پاتے ہیں۔یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جن کی فکر مو پاتی ہے۔نمو کا میدان چونکہ خاصا وسیع ہے اس لئے یہ ان کے لئے نہ صرف سازگار بلکہ رہنمائی کا باعث بنتا ہے۔اور اللہ بھی اسے ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کا طالب ہو۔کیونکہ اللہ کا اصول یہ ہے کہ:۔

انّ اللّٰہ لا یغیّر ما بقومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم ط(۳۹۹)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کونہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔

تاہم جہاں تک سیدھی راہ کی ہدایت کی بات ہے تو اس بارے میں سچ یہی ہے جو رب تعالیٰ نے فرمایا:۔

وعلی اللّٰہ قصد السّبیل ومنھا جآئر ط ولوشآء لھدٰکم اجمعین○(۴۰۰)

ترجمہ:۔ اور سیدھی راہ کی ہدایت تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور راستوں میں سے کچھ کج بھی ہیں۔اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کی ہدایت کر دیتا۔

اگر انسان اپنے ضمیر Concience کی اطاعت بھی کرنے لگے تو گمراہی سے بچ جاتا ہے نفس امارہ اس پر غلبہ پانے کی قوت نہیں رکھتا۔اس طرح اللہ اس کی سرکشی سے انسان کو بچائے رکھتا ہے۔علاوہ ازیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے یکے بعد دیگرے انبیاء ورسل کو مبعوث کیا۔قوم نوح کے بعد قوم عاد کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا۔اور پھر قوم ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا۔اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا۔یہ سلسلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جا کر ختم ہوا۔لیکن قوم اللہ کے علاوہ دیگر ان کو مشکل کشا مانتی رہی۔اور ان کی دلیل یہی تھی کہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یونہی کرتے چلے آئے لہٰذا ہم ان ہی کی پیروی کرتے رہیں گے بلکہ انبیاء رسل سے یہی کہا کہ تم اپنی راہ کو چھوڑ کر ہماری ملت میں شامل ہو جاؤ۔بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

قال الملاء الّذین استکبروا من قومہٖ لنخرجنّک یٰشعیب والّذین اٰمنوا معک من قریتنآ اولتعودنّ فی ملّتنا ط(۴۰۱)

ترجمہ:۔ اس کی قوم کے متکبر سرداروں نے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ضرور اپنی بستی سے نکال دیں گے یا تم کو ہماری ملت میں لوٹنا ہوگا۔

حضرت ہود علیہ السلام سے بھی آباؤ پرستی کی اطاعت سے متعلق کہا مگر انہوں نے یہی کہا کہ:۔

اتجادلوننی فیٓ اسمآءٍ سمّیتموھآ انتم واٰباؤکم مانزّل اللّٰہ بھا من سلطٰنٍ ط فانتظروآ انّی معکم مّن المنتظرین○(۴۰۲)

ترجمہ:۔ کیا تم ان ناموں کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو جو خود تم نے اور تمہارے آباء نے رکھ لئے ہیں جن کے متعلق اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی پس تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک کو وحی کی پیروی سے منع کیا گیا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زبان مبارک سے کہلوا دیا:۔

افغیر اللّٰہ ابتغی حکماً وّھو الّذیٓ انزل الیکم الکتٰب مفصّلاً (۴۰۳)

ترجمہ:۔ اور کیا میں غیر اللہ کو حکم بناؤں حالانکہ وہ اللہ ہی ہے جس نے تم پر مفصل کتاب نازل کی۔

کیونکہ نبی کے لئے اور تمام ایمان والوں کے لئے حکم ربی یہ ہے کہ یہ مت دیکھو کہ اکثریت جو کہہ رہی ہے تو کہا مانو بلکہ بات کی طرف دھیان دو لہٰذا ارشاد ہوا:۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلّوک عن سبیل اللّٰہ ان یّتّبعون الّا الظّنّ وان ھم الّا یخرصون ○ (۴۰۴)

ترجمہ:۔ اور اگر تو اہل دنیا کی اکثریت کا کہا مانے گا تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔ وہ تو صرف ظن وگمان کی ہی پیروی کرتے ہیں اور وہ تو صرف اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔

لہٰذا رسول کریم کی زبان سے کہلوا دیا اور ہمیں بھی یہی کہنا چاہئے اس لئے کہ ہماری ملت سب سے بہترین ملت ہے۔ اگر آباء کو ترجیح دینے کی بات ہے تو ہم بھی آباء رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے آباء انبیاء رسل ہیں جو ہدایت پر ہیں مشرکین میں سے نہیں بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

قل انّنی ھدٰنی ربّیٓ الٰی صراطٍ مّستقیمٍ دیناً قیماً مّلّۃ ابراھیم حنیفاً وما کان من المشرکین ○ (۴۰۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے بے شک میرے پروردگار نے میری ہدایت صراط مستقیم کی طرف کی۔ ایک دین جو قائم ہے وہ دین جو ابراہیم نے یکسو ہو کر اختیار کیا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

بصیرت کے لئے کردار سازی کے لئے مذکورہ بالا مختصر تفصیل ہی کافی ہے اگر کوئی ہدایت کا طالب ہو تب۔

لہٰذا اس مقام پر جہاں کہ ہمارا ضمیر پہنچ ہی چکا ہے حق واضح ہو کر سامنے آ چکا ہے گمان کا بودا پن بھی واضح ہو چکا ہے۔ گمراہی کی نہایت نے حق کی خود وضاحت کر دی ہے ایسے لمحے پر کہہ دینا چاہئے کہ:۔

وانّ ھٰذا صراطی مستقیماً (۴۰۶)

ترجمہ:۔ اور بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے۔

دراصل اہل کتاب کی یہ خواہش رہی ہے کہ ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

ودّ کثیر مّن اھل الکتٰب لو یردّونکم مّن بعد ایمانکم کفّاراً حسداً مّن عند انفسھم مّن بعد ماتبیّن لھم الحقّ (۴۰۷)

ترجمہ:۔ اور اہل کتاب میں سے اکثر اپنے دلوں میں حسد رکھتے ہوئے یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہارے ایمان لانے

کے بعد پھیر دیں بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔

آیئے ہم اس حسد کا اس خواہش کا عملی اطلاق تاریخ کے آئینے میں بزبان قرآن دیکھیں۔

قوم عاد کی آباء پرستی بطور شریعت اصلی کے:۔

طوفان نوح کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے قوم عاد کو ان کا جانشین بنایا۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تاکہ اللہ اور اس کے رسول کی رہنمائی میں یہ فلاح پاسکیں شکرگزار بن کر نجات پاسکیں مگر!!!

قالوا اجئتنا لنعبد اللّٰہ وحدہٗ و نذر ما کان یعبد اٰباؤنا فاتنا بما تعدنآ ان کنت من الصّٰدقین○(۴۰۸)

ترجمہ:۔ انہوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم اللہ واحد کی عبادت کریں اور چھوڑ دیں ان کو جن کی ہمارے آباء عبادت کیا کرتے تھے۔ پس لے آ ہم پر اس عذاب کو جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔ اگر تو سچوں میں ہے۔

دراصل آباء کے رکھے ہوئے ناموں میں کوئی حقیقت نہیں وہ تو جعلی شعور کا نتیجہ ہیں۔ جو تمہارے لئے کسی طرح بھی فلاح کو موجب نہیں بن سکتے۔ اصل مسمیات کی جگہ لینا تو ناممکن ہے۔ آج جو کوئی بھی ایسا کر رہا ہے وہ قوم عاد ہی کے نقش قدم پر چل رہا ہے لہٰذا منتظر رہے اللہ کے فیصلے کا۔

قوم ثمود کی آباء پرستی بطور شریعت اصلی کے:۔

قوم ثمود کی جانب حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ آپ نے بھی قوم کو توحید کا درس دیا۔ لیکن! قوم جس کی رگ رگ میں شرک بس چکا ہے وہ کہہ رہی ہے!!! کہ:۔

قالوا یٰصٰلح قد کنت فینا مرجوًّا قبل ھٰذآ اتنھٰنآ ان نّعبد ما یعبد اٰبآؤنا و انّنا لفی شکٍّ مّمّا تدعونآ الیہ مریبٍ○(۴۰۹)

ترجمہ:۔ انہوں نے کہا! اے صالح تو ہم میں اس سے قبل تو ہماری امیدوں کا مرکز تھا کیا اب تو ہمیں ان کی پرستش سے منع کرتا ہے۔ جنہیں ہمارے آباء پوجتے تھے اور جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے اس کے بارے میں ہم انتہا درجے مشکوک ہیں۔

آج بھی انسان روایت پرستی میں مبتلا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ شریعت کے موافق عمل کرتے ہوئے نہیں پایا جاتا بلکہ جانتے بوجھتے بھی روایت پرستی کو اس طرح سے نبھایا ہے جیسا کہ دین کا حکم ہو۔ جبکہ دین کو بالائے طاق رکھ چھوڑا ہے یہی وجہ ہے کہ آج اطاعت کی جگہ محض عقیدت نے لے لی ہے۔

قوم شعیب کی وجہ فرقہ پرستی اصحاب الایکہ کا ملکیت کی بناء پر دعویٰ خود مختاری اور شرک:۔

مدین کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ یہ قوم بھی اللہ کی الوہیت کی قائل تھی مگر!!! فوق الفطری معنی میں اللہ کے سوا دوسروں کو بھی الٰہ گردانتی تھی۔ اور دوئم یہ کہ دنیاوی معاملات میں وہ انسانی خودمختاری کی قائل

رہی۔ اس لئے ناپ تول میں انصاف کے تقاضوں کوملحوظ نہ رکھتی تھی۔ اور جب انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوں گےتو پھراس کالازمی نتیجہ فساد ہی نکلتا ہے۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کوتوحید کے درس کے ساتھ واضح نشانیوں پر ایمان لانے کوکہالیکن افسوس آباء کو جواز بنا کر کائنات کی اشیاء پر دعویٰ ملکیت کردیا گیا جوکہ قرآن حکیم میں محفوظ ہے:۔

قالوا یٰشعیب اصلوتک تامرک ان نترک مایعبداٰبا ؤنآ او ان نفعل فی امزالنا مانشٰؤآ انک لانت الحلیم الرشیدO(۲۱۰)

ترجمہ:۔ انہوں نے کہا! اے شعیب کیا تیری صلوٰۃ تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اس کوترک کردیں جس کی کہ ہمارے آباء بندگی کیا کرتے تھے؟ یا ہم اپنے اموال کا حسب منشاء تصرف نہ کریں بے شک تو تو نرم دل اور راست باز ہے۔

الغرض قرآن حکیم والفرقان مجید میں اللہ تعالیٰ نے جتنے رسولوں کا ذکر کیا ہے۔ ان سب نے اپنی قوم کوتوحید ہی کا درس دیا تھالیکن ان کی قوم نے اللہ کوخالق ماننے سے انکارنہیں کیالیکن اپنی جانب سے بنائی ہوئی شریعت، فلسفے اور نظریات کی پیروی کرتے رہے۔ جوان کے پہلوں نے روایت کی بنیاد ڈال دی اس پر اڑے رہے۔ اس طرح اللہ کے علاوہ آبائی الہٰ کی روایت پرستی جاری رہی یہ سلسلہ اب تک یونہی جاری ہے۔

قرآن حکیم والفرقان مجید قیام قیامت تک کے لئے ہے لہٰذا اللہ بزبان رسول قیامت تک ایسا کرنے والوں سے خطاب کرتا رہے گا جب تک کہ کوئی اپنے دعویٰ کی حقیقت کو پا نہ لے اور الہٰ حقیقی کی صلوٰۃ کا پابند نہ ہوجائے۔

نمرود کی وجۂ فرقہ پرستی اور سیاسی حاکمیت کی بناء پر شرک:۔

نمرود اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کوتسلیم کرتا تھا۔ لیکن اس کا دعویٰ یہ تھا کہ:۔

ان اٰتٰہ اللّٰہ الملک ۔۔۔۔۔

ترجمہ:۔ اس لئے کہ اللہ نے اس کوسلطنت دے رکھی ہے۔

فانّ اللّٰہ یاتی بالشّمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الّذی کفرؕ(۲۱۱)

ترجمہ:۔ پس اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ۔ پس وہ جس نے انکار کیا تھا مبہوت رہ گیا۔

اور جب میں اس ملک کا مالک ہوں تو پھر میرا قانون چلے گا یعنی رب ثانی ہونے کا دعویٰ ہے۔ لیکن اس آیت کریمہ میں جب حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ کی شان تو یہ ہے کہ وہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال لا پس اسی بات سے ہر دور کا نمرود مبہوت ہوتا رہے گا۔

فرعون کی فرقہ پرستی اور بحیثیت رب کے دعویٰ خدائی:۔

انّ فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعاً یّستضعف طآئفۃً مّنھم یذبّح ابنآءھم ویستحی نسآءھمؕ انّہٗ کان من المفسدینO(۲۱۲)

ترجمہ:۔ بے شک فرعون نے سرزمین میں تکبر کیا اور اس کے مکینوں کو کئی گروہوں میں بانٹ دیا ان میں سے ایک گروہ کو عاجز و بے بس کر رکھا تھا ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

فرع:۔ فرع الشجر غصنه. واعتبر ذٰلک علٰی وجھین احدھما بالطّول فقیل فرع کذااذاطال وسمّی شعر الرأس فرعا لعلوه. والثّانی اعتبر بالعرض فقد تفرّع کذا وفروع المسئله. وفرعون اسم اعجمی وقد اعتبرعرامته فقیل تفرعن فلان اذا تعاطی فعل فرعون کمایقال أبلس وتبلّس ومنه قیل للطغاة الفراعنة والابالسة.(۴۱۳)

اردو مفہوم:۔ فرع:۔ کے معنی یہ ہوئے درخت کی شاخ۔ اس کے دو معنی ممکن ہیں اول بلحاظ طول کے اسے کہا جیسے محاورہ لمبا ہو جائے اور سر کے بالوں کو بلندی اور طول کی وجہ سے فرع کہا جاتا ہے دوم یہ عرض یعنی پھیلاؤ کے لحاظ سے کہا ہو اور جس کے معنی پھیل جانے کے ہیں اور مسئلہ کی جزئیات کو فروع کہا جاتا ہے۔ فرعون یہ اسم عجمی ہے اور اس سے سرکشی کے معنی لے کر کہا جاتا ہے کہ فلاں فرعون بنا ہوا ہے جس طرح کہ ابلیس سے ابلس وتبلس وغیرہ مشتقات استعمال ہوتے ہیں۔ اسی سے سرکشوں کو فراعنہ اور ابالسہ کہا جاتا ہے۔

فرعون نے حاکمیت کے بل بوتے پر خود کو اللہ کی صفت سے متصف پاکر شجر خبیثہ کا بیج بویا۔ اور اس کا اطلاق عوام الناس پر کیا تو اذن الٰہی حضرت موسیٰ و ہارون اس کے پاس آئے۔ تو فرعون نے کہا کہ:۔

قال فرعون وما ربّ العٰلمین ۝ قال ربّ السّمٰوٰت والارض وما بینھما ان کنتم مّوقنین۝(۴۱۴)

ترجمہ:۔ فرعون نے کہا، رب العالمین کیا شے ہے؟ کہا کہ اگر یقین کرو تو وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ بھی ان دونوں کے مابین ہے کا پالنے والا ہے۔

یہ سن کر فرعون نے کہا کہ:۔

قال یٰقوم الیس لی ملک مصر وھٰذه الانھٰر تجری من تحتیؕ افلا تبصرون۝(۴۱۵)

ترجمہ:۔ اے میری قوم کیا مصر کا مالک اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہتی ہیں میری نہیں ہیں؟ پس کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

پھر فرعون نے کہا کہ:۔

یٰاَیّھا الملاما علمت لکم مّن الٰهٍ غیریؕ فاوقدلی یٰھا مٰن علی الطّین فاجعل لّی صرحًا لّعلّیٓ اطّلع الٰی الٰه موسٰیۙ وانّی لاظنّهٗ من الکٰذبین۝(۴۱۶)

ترجمہ:۔ اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا بھی تمہارا کوئی معبود ہے۔ پس اے ہامان میرے لئے مٹی سلگا دے اور میرے لئے ایک بلند محل بنا دے تاکہ میں موسیٰ کے معبود کو دیکھ سکوں اور بے شک میں اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔

اس طرح فرعون نے لوگوں کو احمق بنا کر اپنی اطاعت پر آمادہ کرلیا۔ لیکن یاد رہے کہ یہی وہ الفاظ ہیں جن کی ادائیگی کے بعد مکافات عمل شروع ہو جاتا ہے۔

فرعون کے لئے بدن کے ساتھ نجات ایک انوکھی سزا:۔

سیاسی حاکمیت کی بناء پر دعویٰ کرنے والے فرعون کو اللہ رب العزت نے ایسی انوکھی سزا دی کہ اس کے بدن کو پانیوں سے محفوظ کرلیا اس کا بدن آج بھی سیاسی حاکمیت کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے قابل عبرت ہے:۔

فالیوم ننجّیک ببدنک لتکون لمن خلفک اٰیةً ؕ وانّ کثیراً مّن النّاس عن اٰیٰتنا لغٰفلون ۠○(۴۱۷)

ترجمہ:۔ پس آج ہم تجھ کو تیرے بدن کے ساتھ نجات دیں گے تا کہ تو ان لوگوں کے لئے جو تیرے بعد آئیں ایک نشانی ہو جائے اور بے شک لوگوں میں سے اکثر ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

اس لئے جو فرعونی کلمے کی پیروی کرے گا۔ تو وہ راستی پر نہ ہوگا کیونکہ فرعونی حکم سے وقتی طور پر تو فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے نہیں۔

کائنات کی ہر شے خالق کی تخلیق کردہ ہے کوئی انسان کسی بھی شے کا حقیقی مالک نہیں بلکہ جز وقتی مالک ہے۔ اسی لئے جو کوئی بھی اللہ کی صفت سے متصف کر کے خود کو معبود، مالک جانے گا۔ مگر اس کے دعویٰ میں کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ اور جو کوئی بھی آج!!! ایسا دعویٰ کر رہا ہے یا سمجھ رہا ہے خود کو۔ تو اس سے اللہ یوں مخاطب ہے کہ:۔

الم تعلم انّ اللّٰہ لہٗ ملک السّمٰوٰت والارض ؕ ومالکم مّن دون اللّٰہ من وّلیٍّ وّلانصیرٍ○(۴۱۸)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی سرپرست و مددگار نہیں؟

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وتبٰرک الّذی لہٗ ملک السّمٰوٰت والارض وما بینھما ۚ وعندہٗ علم السّاعة ۚ والیہ ترجعون ○ ولا یملک الّذین یدعون من دونہ الشّفاعة الّامن شھد بالحقّ وھم یعلمون○(۴۱۹)

ترجمہ:۔ اور مبارک ہے وہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کی سلطنت ہے اور اسی کے پاس گھڑی کا علم ہے۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور وہ جن کو وہ اس کے علاوہ پکارتے ہیں کسی سفارش کا اختیار نہیں رکھتے یہ اختیار تو بس اسی کو ہے جو حق پر شاہد ہے اور وہ بھی جانتے ہیں۔

ان آیات کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ کی سلطنت ہر ہر شے پر ہے۔ ہر جگہ ہے۔ کائنات میں زمین میں اور ان دونوں کے درمیان بھی اس لئے انسان کو ان اشیاء پر حق تصرف حاصل ہے۔ لیکن یہ حق تصرف بھی

انسان کو قاعدے و قانون کے لحاظ سے حاصل ہے۔ کیونکہ کلی اختیار تو مالک حقیقی کو ہے۔ لہٰذا جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو چھوڑ کر کسی کو الہٰ گردانے گا۔ اس بنائے ہوئے الہٰ کے حکم کو Follow کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت اس کا پیچھا کرے گی کیونکہ جو انسان بھی وقتی فائدے کو پیش نظر رکھتے ہوئے حق سے کنارہ کشی اختیار کر کے باطل کی پیروی کرے گا۔ تو اس کا یہ عمل لعنت کے قابل ہی ہوگا۔ اس لئے کہ شجر خبیثہ کا پھل کھانے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ کیونکہ ان کی جڑیں زمین کے اوپر ہی ہوتی ہیں۔ شاخیں لمبی ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایک معمولی جھٹکا برداشت کرنے کی استطاعت سے محروم ہو جاتے ہیں لہٰذا ایک ہی جھٹکے میں زمین پر آ گرتے ہیں۔ کیونکہ یہ نیست ہوتے ہیں اس لئے نیست نیست میں باہم دگر ہو جاتا ہے۔ ہست میں نہیں یہی ان کا مقدر ہے۔ اور یہ حقیقت انسانوں کے لئے نہ صرف قابل غور بلکہ انجام قابل عبرت ہے۔

قارون کی فرقہ پرستی بوجہ علم :۔

انّ قارون کان من قوم موسٰی فبغٰی علیھم ص واٰتینٰہ من الکنوز مآ انّ مفاتحہٗ لتنوٓا بالعصبۃ اولی القوّۃ اذقال لہٗ قومہٗ لاتفرح انّ اللّٰہ لایحبّ الفرحین O(۴۲۰)

ترجمہ:۔ بے شک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا وہ ان پر ظلم وتشدد کرتا تھا اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے ہوئے تھے کہ ان کی کنجیوں کے بوجھ تلے ایک قوت والا گروہ دبا جاتا تھا۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ نہ اترا بے شک اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

قارون کے نام کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ کچھ اس طرح ہوگا:۔

ق ر ن الاقتران کالا زدواج فی کونہٖ اجتماع شیئین اواشیاء فی معنی من المعانی. قرن الآ اذا قرنت بالقوس.(۴۲۱)

اردو مفہوم:۔ ازدواج کی طرح اقتران کے معنی بھی دو یا دو سے زائد اشیاء کے کسی معنی ہیں باہم مجتمع ہونے کے ہیں۔ قرن ترکش جبکہ کمان کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔

بزبان قرآن قارون وہ شخصیت ہے جو موسیٰ کے زمانے میں ظلم و بربریت کا چلتا پھرتا شاہکار تھا وہ دولت کے نشے کی دھن میں اس قدر مست ہوا کہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گیا کہ:۔

قال انّما اوتیتہٗ علٰی علمٍ عندی ط(۴۲۲)

ترجمہ:۔ کہا کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے وہ میرے علم کی بدولت ہے۔

حالانکہ اسے چاہئے تھا کہ وہ علم کے بل بوتے پر حاصل شدہ دولت دونوں نعمتوں کا شکر ادا کرتا۔ مگر وہ تو تکبر کی علامت بن گیا۔ اکثر لوگ اسی زعم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ جو دولت وثروت، ذہانت، علمی قابلیت، عہدہ و اقتدار ان کو ملا ہے وہ ان کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اللہ کی عطا اس کا احسان نہیں ہے۔ نعوذ باللہ۔ یہی لوگ متکبرین میں سے ہیں۔ اور اللہ

لوگ چونکہ اپنی اصل حقیقت سے واقف ہوتے ہیں۔ کہ ہم تعریف کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن جو عمل نہیں کیا ہوتا اس پر تعریف کروانا پسند کرتے ہیں۔ اپنی کارستانیوں پر اتراتے ہیں۔ ناز کرتے ہیں۔ ان کی دوسری نشانی یہ ہے کہ یہ لوگ دنیاوی چیزوں کی نمائش کرتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ اپنی کمزوری سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی خوشی کے پیچھے ایک کرب ایک اذیت ایک مایوسی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ باہر خوشی اور اندر غم اس دہری کیفیت میں ہر وقت مبتلا رہتے ہیں۔ بے یارومددگار۔ شخصیت کا دہراپن ان کے لئے دراصل عذاب ہی ہے۔

قارونی انجام:۔

فخسفنا بہ وبدارہ الارض فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ من دون اللہ وما کان من المنتصرین ○ واصبح الذین تمنوا مکانہ بالامس یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر لولا ان من اللہ علینا لخسف بنا ویکانہ لا یفلح الکفرون ○ تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین ○ (۸۳-۸۱:۲۸)

ترجمہ:۔ پس ہم نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا اور اللہ کے سوا کوئی بھی جماعت اس کی مدد نہ کر سکی اور نہ ہی وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔ اور وہ لوگ جو کل تک اس کے مقام کے متمنی تھے کہنے لگے اف اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی عطا کرتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے اور اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا اور افسوس ہے انکار کرنے والوں پر کہ وہ فلاح نہیں پاتے۔ وہ دارآخرت تو ہم نے ان لوگوں کے لئے قرار دیا ہے جو دنیا میں بڑائی اور فساد کے طلبگار نہیں ہوتے۔ اور عاقبت تو اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ہی ہے۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ غرور کا سر نیچا۔ اور یہ کہ الٰہ حقیقی کے ساتھ خود ساختہ الٰہ کو برابر کا درجہ دینے والوں کا یہی انجام ہوتا رہے گا کیونکہ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں۔

قارونی الٰہ کا راز:۔

دراصل قارون الٰہ حقیقی کے علم کو خود ساختہ علم کے برابر مانتا تھا۔ جبکہ اصولاً محدود لامحدود کے برابر ہو ہی نہیں سکتا۔

نفسیاتی راز:۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی اس زعم کی نفسیاتی وجہ بیان کی ہے۔ کہ انسان یہ دعویٰ اس وقت کرتا ہے جبکہ وہ خوشحال ہو۔ یہاں بھی قارون نے اسی وقت دعویٰ کیا ہے جبکہ وہ خوشحال تھا۔ لیکن جب مصیبت آئی تو پھر اس کا زعم باطل قرار پایا۔ انسان کی اس نفسیاتی کیفیت کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے:۔

علم بطور آزمائش:۔

فاذا مس الانسان ضر دعانا ثم اذا خولنہ نعمۃ منا قال انما اوتیتہ علی علم بل ھی فتنۃ ولکن

اکثرھم لا یعلمون○(۴۲۸)

ترجمہ:۔ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اسے اپنی جانب سے نعمت عطا فرماتے ہیں تو کہتا ہے کہ وہ تو مجھے علم کی بناء پر دی گئی ہے دراصل یہ تو ایک آزمائش ہوتی ہے لیکن ان کی اکثریت نہیں جانتی۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت کردی ہے کہ علم بطور آزمائش ہے اور یہ کہ انسان کا علم محدود ہے۔ اور محدود کے ذریعے لامحدود تک رسائی ناممکن ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

ویسئلونک عن الرّوحؕ قل الرّوح من امر ربّی ومآ اوتیتم مّن العلم الاّ قلیلاً○(۴۲۹)

ترجمہ:۔ اور یہ تجھ سے الروح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ الروح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں تو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔

لہٰذا قارونی نفسیات کے حامل لوگ اسی حقیقت کو نظرانداز کردیتے ہیں۔ اور علم کو آزمائش نہیں گردانتے بلکہ اس زعم میں مبتلا ہوکر اپنے علم کو الہٰ کا درجہ دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے جو کہ درج بالا آیت کریمہ میں بیان ہوئی کہ کہاں اللہ کے علم کی وسعت اور کہاں انسانی علم۔

اللہ کے علم کی وسعت:۔

یعلم مابین ایدیھم وما خلفھمۚ ولا یحیطون بشیءٍ مّن علمہٖٓ الاّ بما شآءَۚ وسع کرسیّہ السّمٰوٰت والارضۚ ولا یؤدہٗ حفظھماۚ وھو العلیّ العظیم○(۴۳۰)

ترجمہ:۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے اس کی سلطنت آسمانوں اور زمین سے وسیع ہے، اور اسے ان دونوں کی حفاظت کرنے میں کوئی زحمت نہیں ہوتی اور وہ بہت عالی مرتبت بزرگ ہے۔

امت مسلمہ کی فرقہ پرستی

۱) مساجد اپنے اپنے فرقے کی علامت:۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً وّلا تفرّقواص واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم اذکنتم اعدآءً فالّف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہٖٓ اخواناًۚ وکنتم علیٰ شفا حفرۃٍ مّن النّار فانقذکم منھاؕ کذٰلک یبیّن اللّٰہ لکم اٰیٰتہ لعلّکم تھتدون○(۴۳۱)

ترجمہ:۔ اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو اور اللہ کی نعمت جو تم پر ہے اسے یاد رکھو کہ تم جب آپس میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا۔ اور تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی بن گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اس نے تمہیں اس سے بچالیا اس طرح اللہ اپنی آیات کو کھول کر بیان

کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔

دور رسالت میں ہی فرقہ پرستی کی بنیاد منافقین نے نظام اخوت کو ختم کرنے اور اتحاد بین المسلمین کو پارہ پارہ کرنے کے لئے مسجد کے سامنے مسجد ضرار بنا کر ڈالی۔ تاکہ حق کو باطل کا لباس پہنا سکیں۔ ان اغراض و مقاصد کی خاطر انہوں نے اس کی تعمیر اس مسجد کے بالمقابل کی کہ جس کی بنیاد تقوی پر تھی۔ اور جس میں نماز ادا کرنے والے بھی پاک و پاکیزہ ہونے کے خواہشمند تھے۔ جبکہ ان کا بنیادی مقصد اور یہ خود بالکل ان کے برعکس تھے اسی لئے قرآن حکیم والفرقان مجید نے ان کے چھپے ہوئے نفسی عزائم کا پردہ چاک کیا ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والّذین اتّخذوا مسجداً ضراراً وّ کفراً وّتفریقاً بین المؤمنین و ارصاداً لّمن حارب اللّٰه ورسولہٗ من قبلُ ولیحلفنّ ان اردنآ الاّ الحسنیٰ واللّٰه یشھد انّھم لکٰذبون○(۴۳۲)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جنہوں نے ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کے لئے اور مومنین میں پھوٹ ڈلوانے کے لئے اور ان لوگوں کو جنہوں نے قبل ازیں اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی تھی گھات میں بٹھانے کے لئے ایک مسجد بنالی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی کا ہے اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

فتنہ کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے دہشت گردی کچھ مساجد کی آڑ میں ہو رہی ہے۔ بعض اوقات مساجد دشمنان اسلام و انسانیت کی پناہ گاہیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ دراصل اس کی وجہ میرے خیال میں کم علمی ہے جسے محدود علمی کہا جا سکتا ہے۔ اور دوسری وجہ مساجد کی کثرت کا ہونا اور یہ بھی ہے کہ رسولوں کے درمیان تفریق کو بنیاد بنایا گیا ہے جبکہ قرآن ہمیں ان وجوہات سے نجات دلانے کے لئے ہم پر واضح کر رہا ہے کہ درج ذیل حکمت عملی کو اپنایا جائے:۔

☆ لّیتفقّھوا فی الدّین کی پالیسی کو اختیار کیا جائے۔ نیز "ولیجدوا فیکم غلظۃً" قوت کے احساس کو کافروں پر اجاگر کیا جائے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔(۴۳۳)

دین پر اگر غور و فکر کیا جائے تو دین تو ہے ہی سراسر سلامتی کا نام اسی لئے رب کریم سبل السلام پر چلنے والوں کو یہ بشارت دیتا ہے کہ:۔

یّھدی بہ اللّٰه من اتّبع رضوانہٗ سبل السّلٰم ویخرجھم مّن الظّلمٰت الی النّور باذنہٖ و یھدیھم الی صراطٍ مّستقیمٍ○(۴۳۴)

ترجمہ:۔ اور اللہ اس کے ذریعے سے سلامتی کے راستے پر ان لوگوں کی ہدایت کرتا ہے جو اس کی رضا پر چلتے ہوں اور ان کو اپنے حکم سے تاریکیوں میں سے نور کی جانب نکالتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی طرف لگا دیتا ہے۔

۲) انبیاء کے مابین تخصیص:۔

جہاں تک ثانی الذکر کا تعلق ہے تو اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ:۔

لا نفرّق بین احدٍ مّن رّسلہٖ(۴۳۵)

ترجمہ:۔ ہم اس کے رسولوں میں کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔

قرآن حکیم والفرقان مجید میں پس پردہ وحی کے حوالے سے بہت سے انبیاء کے خطابات موجود ہیں جن کی بنیاد وحی من جانب اللہ ہے جس پر غور وفکر کرنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر کوئی اللہ کا بندۂ خاص تھا۔ جب اللہ نے ان کے درمیان تخصیص نہیں فرمائی تو ہمیں تخصیص کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ قرآن کے قصائص انبیاء کو پڑھا جائے تو قاری یہی بول اٹھتا ہے کہ ان میں ہر کوئی ایک سے بڑھ کر ایک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بناء پر تفریق کرنے والوں سے کچھ اس طرح مخاطب ہے:۔

انّ الّذین یکفرون باللّٰہ ورسلہٖ و یریدون ان یّفرّقوا بین اللّٰہ ورسلہٖ ویقولون نؤمن ببعضٍ وّ نکفر ببعضٍ وّیریدون ان یّتّخذوا بین ذٰلک سبیلاً ○ اولٰئک ھم الکٰفرون حقّاً (۴۳۶)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ سے انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس بین بین راہ اختیار کریں۔ درحقیقت ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

لیکن جو لوگ عقیدۂ رسالت میں امتیاز نہیں کرتے یعنی رسولوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے، بالخصوص ایمان لانے کے بعد نہیں کرتے تو اللہ ان کو بہترین اجر کی بشارت دیتا ہے۔

ولم یفرّقوا بین احدٍ مّنھم اولٰئک سوف یؤتیھم اجورھمْ وکان اللّٰہ غفوراً رّحیماً ○ (۴۳۷)

ترجمہ:۔ اور ان میں کسی ایک کے درمیان تفریق نہیں کرتے ایسے ہی لوگوں کو وہ جلد ان کے اجر عطا کرے گا۔ اور بے شک اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔

کیونکہ انبیاء کے درمیان تفریق انسان کو شرک پر ابھارتی ہے اور اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے ایمان لانے کے بعد کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہوں کیونکہ مشرکین کے لئے اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی مختلف قسم کے عذاب بھیج کر انہیں ان کے کئے کا مزہ چکھاتا ہے۔ اور دوم یہ کہ آخرت میں تو مشرک پر جنت ہے ہی حرام۔ لیکن جہاں تک دنیاوی عذاب میں مبتلا ہونے کی بات ہے۔ تو جس طرح چاہے عذاب نازل کرے مگر ایک خاص قسم کے عذاب کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

گروہ بندی ایک عذاب:۔

اسلام کا آغاز گروہ بندی کے خاتمے سے ہوا ہے۔ تو پھر انحراف کی صورت میں کیا وہ دوبارہ گروہ بندی میں مبتلا کرنے پر قادر نہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ تو ہر گناہگار پر اپنے قانون مشیئت کے تحت آسمان سے یا زمین سے عذاب نازل کرسکتا ہے مگر یہاں مشرکین کے حوالے سے اللہ تعالیٰ گروہ بندی کے عذاب کی وعید سنا رہا ہے کہ شاید لوگ حقیقی معرفت کا ادراک کرسکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قل ھو القادر علٰٓی ان یّبعث علیکم عذاباً مّن فوقکم او من تحت ارجلکم اویلبسکم شیعاً

وّ یذیق بعضکم باس بعضٍؕ انظر کیف نصرّف الاٰیٰت لعلّھم یفقھون○(۴۳۸)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں گروہ بندی میں ملوث کر کے ایک دوسرے سے ضرر کا مزہ چکھائے دیکھو تو سہی ہم کس طرح اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔شاید کہ وہ سمجھ سکیں۔

اللہ تعالیٰ کی سنت کاملہ یہ ہے کہ وہ کفار و مشرکین کی تدبیروں کو ان ہی پر الٹا دیتا ہے۔اس طرح وہ اپنے ہی کئے کا مزہ چکھتے ہیں۔جس کا ذکر آیت بالا میں کیا گیا ہے۔اس میں منطق و حکمت یہ ہے کہ وہ چونکہ خود اس فعل کو برائی نہیں گردانتے مگر جب پلٹ کر ان پر یہی برائی پڑتی ہے تو پھر راز منکشف ہو جاتا ہے۔تو پھر عقول پر پردے ہٹنے لگتے ہیں۔ اذہان کے زنگ اترنے لگتے ہیں نیز چہار جانب تاریکی چھٹنے لگتی ہے۔یوں جب اپنے آپ پر آفت آتی ہے تب آفت کا پتہ چلتا ہے اسی لئے رب کریم نے فرمایا کہ:۔

وکذٰلک جعلنا فی کلّ قریۃٍ اکٰبر مجرمیھا لیمکروا فیھاؕ وما یمکرون الاّ بانفسھم وما یشعرون○(۴۳۹)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کو سردار بنا دیا ہے تا کہ وہ اس میں منصوبے بنائیں مگر وہ تو اپنے ہی خلاف منصوبے بناتے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

درج بالا تصریحات اس کی غمازی کرتی ہیں کہ اگر ہم نے اللہ کی نشانیوں کا بغور مشاہدہ کیا ہے تو ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے لہٰذا ہم کتاب ہدایت کی آیت کے مصداق ہی قرار پاتے ہیں۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰاھل الکتٰب لم تکفرون باٰیٰت اللّٰہ وانتم تشھدون○(۴۴۰)

ترجمہ:۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو۔حالانکہ تم ان کا خود مشاہدہ کر رہے ہو؟

اس کی دلیل آج بھی فرقان کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے گو کہ حضرت موسیٰ و ہارون عیہ السلام پر بھی کتاب ہدایت اور فرقان کا نزول ہوا ہے۔(۴۴۱) جس کا مقصد یہی ہے کہ حق ہر زمانے میں واضح ہے اور باطل بھی۔نیز حق و باطل کے بین کچھ نہیں ہے۔لیکن اگر کوئی اہل کتاب اس سے انکار کرے جبکہ یہ آیت کریمہ موجود ہے کہ:۔

تبٰرک الّذی نزّل الفرقان علٰی عبدہٖ لیکون العٰلمین نذیراًلا○(۴۴۲)

ترجمہ:۔ بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان کو نازل کیا۔تا کہ وہ عالمین کے لئے متنبہ کرنے والا ہو۔

اس صداقت کے بعد بھی اگر کوئی کج روی کا اظہار کرتا ہے اور وہ اہل کتاب یہود و نصرانی اور مسلمانوں میں سے ہے تب اسے روز قیامت اللہ کا الرسول یہی کہے گا کہ:۔

وقال الرّسول یٰربّ انّ قومی اتّخذوا ھٰذالقراٰن مھجوراً○(۴۴۳)

ترجمہ:۔ اور الرسول کہے گا کہ اے میرے پروردگار بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پکڑا مگر!!! چھوڑتے ہوئے۔

تلخیص:۔

فطرت یکسانیت کی حامل نہیں۔ اسی لئے اختلاف ہی دراصل اس کائنات رنگ و بو اس کی خوبصورتی کی علامت ہے بالکل اس طرح جس طرح ایک گلدستے میں مختلف رنگوں کے پھول اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگاتے ہیں۔ ایسا اختلاف، اختلاف برائے تعمیر ہوا کرتا ہے۔قرآن حکیم میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ:۔

ومن اٰیٰتہ خلق السمٰوٰت والارض و اختلاف السنتکم والوانکمؕ انّ فی ذٰلک لاٰیٰت للعٰلمین○(۴۴۴)

ترجمہ:۔ اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کی خلقت اور تمہاری زبانوں اور تمہاری رنگتوں میں اختلاف ہے بے شک اس میں صاحبانِ علم کے لئے نشانیاں ہیں۔

لیکن اختلاف برائے اختلاف ہوتو پھر فساد نمو پاتا ہےقرآن حکیم اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

انّ الّذین فرّقوا دینھم و کانوا شیعًا لّست منھم فی شیءٍؕ انّمآ امرھم الی اللہ ثم ینبّھم بما کانوا یفعلون○(۴۴۵)

ترجمہ:۔ تحقیق جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقوں میں بٹ گئے تیرا ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے پھر وہ انہیں بتائے گا جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

حاملان قارونی نفسیات کے لئے قرآن کا یہ ارشاد کافی ہے کہ:۔

حتّیٰٓ اذا جآء وقال اکذّبتم باٰیٰتی ولم تحیطوا بھا علمًا امّا ذا کنتم تعملون○(۴۴۶)

ترجمہ:۔ حتیٰ کہ جب وہ جائیں گے تو وہ کہے گا کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی تھی جبکہ تم علم سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے تو یہ کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے۔

نمرود و فرعون کے لئے قرآن کا یہ چیلنج ہی کافی ہے کہ:۔

ام لھم مّلک السمٰوٰت والارض وما بینھما فلیر تقوا فی الاسباب ○ جندٌ مّا ھنالک مھزوم مّن الاحزاب○(۴۴۷)

ترجمہ:۔ کیا آسمانوں اور زمین پر اور جو کچھ بھی ان کے مابین ہے۔ اس پر ان کی حکومت ہے؟ اگر ہے تو تمام تر ذرائع وسائل سے بام عروج کو پہنچ جائیں وہ لشکروں میں سے ایک لشکر ہی تو ہے جو وہاں شکست دیا جائے گا۔

حکم کے اعتبار سے فرمایا:۔

ان الحکم الّا للّٰہؕ(۴۴۸)

اختیار تو صرف اللہ ہی کا ہے۔

اور حکومت کے اعتبار سے فرمایا:۔

ولا تدع مع اللّٰہ الٰہاً اٰخر لاۤ الٰہ الاّ ھو کلّ شیءٍ ھالک الاّ وجھہ لہ الحکم والیہ ترجعون○(۴۴۹)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہ پکارو کوئی معبود نہیں سوائے اس کے سب چیزیں ہلاک ہونے والی ہیں سوائے اس کے چہرے کے اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

حاملان قوم نوح، عاد وثمود اور اصحاب ایکہ کی بابت سخت وعید قیام قیامت تک کے لئے سنا دی گئی ہے کہ:۔

کذّبت قبلھم قوم نوحٍ وّ عادٌ وّ فرعون ذوالاوتاد○ و ثمود و قوم لوطٍ وّ اصحٰب لئیکۃ اولٰٓئک الاحزاب○ ان کلّ الاّ کذّب الرّسل فحقّ عقاب○ وما ینظر ھٰٓؤلاۤء الاّ صیحۃً وّاحدۃً مّالھا من فواقٍ○(۴۵۰)

ترجمہ:۔ ان سے پہلے قوم نوح و عاد اور طاقت والے فرعون نے تکذیب کی اور ثمود اور قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔ یہی گروہ تھے۔ بے شک ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا اور میرے عذاب کے مستحق ہوئے اور یہ لوگ صرف ایک زوردار چیخ ہی کے منتظر ہیں جس میں کہ دم لینے کی بھی مہلت نہ ہوگی۔

شک وشبہ سے بالاتر زندگی گزارنے کا حکم:۔

یہ حقیقت ہے کہ باطل تصورات عقل انسانی کو الجھا کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ اور انسان بعض اوقات شک میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ کس کو درست سمجھے؟ اور یہ کہ کس کی پیروی کرے آباء کی تقلید کرے یا حق کی طرف توجہ کرے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں فیصلہ فرما دیا کہ:۔

فلاتک فی مریۃٍ مّمّا یعبد ھٰٓؤلاۤء ما یعبدون الاّ کما یعبد اٰباؤھم من قبل وانّا لموفوھم نصیبھم غیر منقوصٍ○(۴۵۱)

ترجمہ:۔ جن چیزوں کی یہ بندگی کرتے ہیں تو ان کے متعلق شبہ میں مبتلا نہ ہو وہ تو ویسی ہی بندگی کرتے ہیں جیسی کہ ان سے قبل ان کے آباؤ اجداد کیا کرتے تھے اور بے شک ہم ان کو بغیر کسی کے ان کا پورا پورا حصہ دیں گے۔

تائب کے لئے حکم:۔

لہٰذا جو شخص اس کتاب کے متعلق شک میں مبتلا ہو جائے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے اس فعل سے تائب ہو کر ثابت قدمی اختیار کرے۔ اور اس قدر ثابت قدمی کہ دل کبھی بھی ظلم کرنے والوں کی طرف مائل نہ ہو۔ اس لئے کہ:۔

فاستقم کماۤ امرت ومن تاب معک ولا تطغوا انّہٗ بما تعملون بصیر○(۴۵۲)

ترجمہ:۔ پس تو اور وہ لوگ بھی جو تیرے ساتھ تائب ہوئے ثابت قدم رہو جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور حد سے تجاوز نہ کرو بے شک وہ ان اعمال کو دیکھنے والا ہے جو تم کیا کرتے ہو۔

کیونکہ اللہ کو انسان کے ہر عمل کی خبر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان پر اس حقیقت کو واضح کر دیا تا کہ وہ

خبردار ہو جائے کہ ہر امر اللہ کی جانب پلٹتا ہے حکم خداوندی ہے کہ:۔

یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم و الی اللّٰہ ترجع الامور ○ (۴۵۳)

ترجمہ:۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور اس کی طرف تمام امور لوٹائے جاتے ہیں۔

مشرک پر جنت حرام:۔

مشرک پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت حرام قرار دے دی ہے۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

انّہٗ من یّشرک باللّٰہ فقد حرّم اللّٰہ علیہ الجنّۃ (۴۵۴)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے اس شخص پر جس نے اللہ سے شرک کیا جنت حرام کر دی ہے۔

دین حق کا غلبہ تمام ادیان:۔

اس دین حق کو غالب کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا تاکہ دین کو تمام نظام ہائے حیات پر غالب کر دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

ھو الّذیٓ ارسل رسولہٗ بالھدٰی ودین الحقّ لیظھرہٗ علی الدّین کلّہٖ ولو کرہ المشرکون ○ (۴۵۵)

ترجمہ:۔ وہ وہی ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کرے، اگرچہ مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرے۔

دین فقط دین اسلام:۔

ان لوگوں سے جو کہ اللہ کے دین کے علاوہ دین قرار دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ دین فقط دین اسلام ہے جو سراسر سلامتی ہے۔ الحمد کی الف سے لے کر والناس کے س تک لہٰذا اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

افغیر دین اللّٰہ یبغون و لہٗٓ اسلم من فی السّمٰوٰت والارض طوعًا وّ کرھًا وّالیہ یرجعون ○ قل اٰمنّا باللّٰہ ومآ انزل علینا ومآ انزل علیٰٓ ابراھیم و اسمٰعیل واسحٰق و یعقوب والاسباط ومآ اوتی موسٰی و عیسٰی والنّبیّون من رّبّھم لا نفرّق بین احدٍ مّنھم ونحن لہٗ مسلمون ○ ومن یّبتغ غیر الاسلام دینًا فلن یّقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ○ (۴۵۶)

ترجمہ:۔ کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو کوئی بھی آسمان اور زمین میں ہے وہ بخوشی یا بالجبر اسی کے آگے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔ اور اسی کی طرف وہ لوٹ کر جائیں گے۔ کہہ دے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور اس پر جو موسیٰ

کو،عیسیٰ کو اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے حضور سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اس لئے !!! فقط اور فقط منزل یقین کی طرف اسلام ہی ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فسبّح بحمد ربّک و کن مّن السّجدین ۝ واعبد ربّک حتّٰی یاتیک الیقین ۝ (۴۵۷)

ترجمہ:۔ پس اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کر اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا اور اپنے رب کی بندگی کئے جا حتیٰ کہ تو منزل یقین تک پہنچ جائے۔

المختصر یہ کہ ہمارے نفس کی تسکین اس میں پنہاں ہے کہ ہم فقط اور فقط اللہ کا حکم مانیں اسی میں ہماری دنیاوی و اخروی فلاح کا دارومدار ہے۔ اس موضوع ''سبل متفرقہ پس منظر و پیش منظر ایک نفسیاتی جائزہ قرآن کی روشنی میں'' کے حوالے سے کچھ اہم نکات ہمارے سامنے آتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

☆ انسان کے خلاف خود اس کا نفس ہے۔

☆ نفس انسانی کسی سود و زیاں پر قادر نہیں بلکہ محتاج واقع ہوا ہے۔

☆ یہ خود خلق کردہ ہے۔

☆ سبل متفرقہ کے حاملان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مکھی تو کیا مکھی جو چھین کر لے جاتی ہے اسے واپس لانے سے قاصر ہیں۔ (۴۵۸)

مذکورہ حقیقت اصلی کے باوجود بھی مختلف زمانوں میں جدید تصورات کی بنیاد ان ہی قدیم تصورات پر رکھی گئی ہے۔ اس کا سبب نفسیاتی تقاضوں کا یکساں ہونا ہے۔ اسی یکسانیت کے طفیل آج بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ جس کا مقصد دنیاوی عمر کو ہزار برس کرنے کی خواہش اور لذت و مادہ پرستی کے سوا کچھ نہیں۔ یہی ان کا اوڑھنا اور بچھونا ہے۔ مذکورہ موضوع کے نتائج کچھ اس قسم کے ثبوت فراہم کر رہے ہیں کہ:۔

☆ انسانوں کی اکثریت ان تصورات کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے۔ گمراہی کے یہ مناظر، اور ان تصورات کے نتائج اعداد و شمار کی صورت میں مختلف چینلز پر ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں اور ذرائع ابلاغ ان بھیانک نتائج کو شائع کرتے رہتے ہیں۔

☆ آج جس قدر وحی کی پیروی ہونی چاہئے اس قدر ہوائے نفس، دولت، شہرت، اقتدار، لذتیت اور حسن کی ہو رہی ہے۔

☆ اہل کتاب صراط مستقیم کے بجائے سبل متفرقہ پر ہیں۔

☆ ستم بالائے ستم یہ کہ برائی بھلائی کے لبادہ میں ہے اور لوگوں نے اسے تسلیم کیا ہوا ہے۔ باطل حق کے لباس میں مقبول عام ہے تو پھر کیسی پاکیزگی؟

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت نے شریعت کو نفس کے تابع بنایا ہوا ہے۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ نفس شریعت کے تابع ہو۔ ایسا کر کے وہ اللہ کو ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتے بلکہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے اور یوں ان کے نفوس ان ہی کے خلاف ہیں۔

وما ظلمونا ولکن کانوآ انفسھم یظلمون○(۴۵۹)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے ہم پر تو ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو اپنے ہی نفسوں پر ظلم کیا۔

رسول کو مشرک کی وکالت کا اختیار نہیں:۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز تک مشرک کی وکالت کا اختیار نہیں دیا گیا۔ مشرکین کے بارے میں حکم خداوندی ہے:۔

ولاتکن لّلخآئنین خصیماً ○ۙ (۴۶۰)

ترجمہ:۔ اور خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والا مت بن۔

نفسوں کی خیانت سے ہم اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہیں۔ جب ہم شریعت کے تابع ہو جائیں۔ جب نفس کی مہار شریعت کے ہاتھ میں ہوگی تو نفس امین بن جائے گا۔ لیکن اس مقام پر ذہن انسانی میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ:۔

کیا کوئی شریعت انفس وآفاق میں نافذ العمل ہے؟

اگر ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

یہی وہ سوالات ہیں۔ جو ہماری فکر کو نمو دے کر دوام کی طرف ابھارتے ہیں۔ اب ہم اپنے اگلے موضوع ''موجودہ صدی کی ترقی کا ردعمل'' کے تحت اول الذکر اور ثانی الذکر سوالوں کا جائزہ لیں گے تاکہ فکر کو جلا ملے اور عمل کو استقامت۔

فصل چہارم

۲۰ ویں صدی کی مادّی ترقی کے ردعمل سے مستقبل کو درپیش خطرات

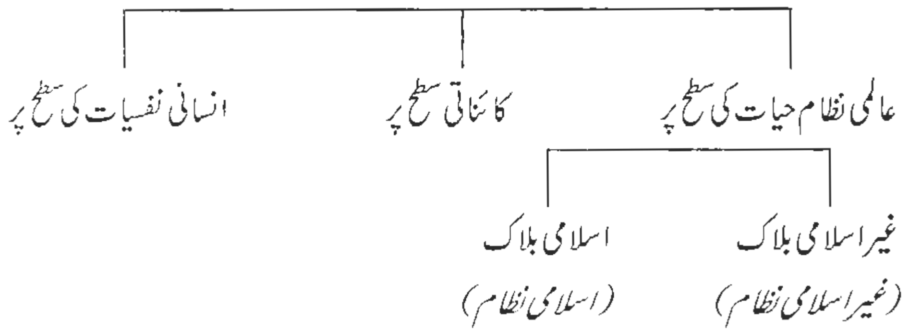
مضامین وتبصرہ سے مرتبہ حوالوں کا جائزہ اور قرآن حکیم

قل لّلّذین اٰمنوا یغفروالّذین لا یرجون آیام اللّٰہ لیجزی قومًاۢ بما کانوا یکسبون○(۴۶۱)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے ان سے کہہ دے کہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو ایام اللہ کی توقع نہیں رکھتے تاکہ وہ ان کو اس کی جزا دے جو کچھ انہوں نے کمایا ہے۔

ہر دور کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے جس سے کہ وہ جانا پہچانا جاتا ہے یہ انفرادیت مخصوص علم کے طفیل ممکن ہوتی

ہے اس لئے روایتی طور پر ۲۰ ویں صدی کی پہچان بھی مخصوص علم ہی ہے۔ یعنی سائنس وٹیکنالوجی کا علم۔ اسی لئے یہ صدی سائنس وٹیکنالوجی کی صدی کہلاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ علم عمل کے لئے مہمیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیز ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر شے کی کوئی نہ کوئی قیمت ضرور ہوتی ہے۔ اور کسی شے کے حصول کے لئے ادائیگی ضروری ہے اسی طرح موجودہ صدی کی ترقی کی بھی کوئی قیمت ضرور ہے۔ جس کی آج ہمیں ادائیگی کرنی پڑ رہی ہے ردعمل Reaction کی صورت میں۔ اس ردعمل کو ہم ۳ جہتوں میں باآسانی دیکھ سکتے ہیں۔



عمل کا ردعمل:۔

انفس و آفاق میں ہر عمل کے ردعمل کا پایا جانا اس کے فطری مزاج کی دلیل ہے اس اثبات کو بزبان قرآن ملاحظہ کیجئے۔

قل یٰقوم اعملوا علیٰ مکانتکم انّی عامل فسوف تعلمون ○ من یّاتیه عذاب یّخزیه ویحلّ علیه عذاب مّقیم○ (۶۲ ۴)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں پس جلد تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ وہ شخص کون ہے جس پر اسے ذلیل کرنے والا عذاب آیا ہی چاہتا ہے۔ اور اس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔

فکر کی نمو اور بصر کی بصیرت کے لئے یہی آیت کافی ہے۔ تاہم عمل کے ردعمل کو جو کہ عذاب بن کر ٹوٹتا ہے کے بارے میں قرآن ہماری رہنمائی فرماتا ہے تاکہ ایام اللہ یعنی حق کی حاکمیت کے ایام جب باطل نیست و نابود ہوگا اور ریاکار اپنے کئے کی سزا پائیں گے تب چہار جانب حق اور شریعت کا بول بالا ہوگا۔ حق آکر رہے گا اور باطل مٹ کر کیونکہ یہی مقدر رہے۔

انسانی نفسیات پر مادی ترقی کا ردعمل

نفس انسانی خبر کے تمام حساس آلات سے مزین ہے۔ اس لئے باخبر ہونے کے ناطے اثر کی صلاحیت رکھتا

ہے۔ اور ضمیر جیسی خوبی اس کو دوام بخشتی ہے۔ تیز نفس ہی تحریک کا موجب رہا ہے۔ لہٰذا نفسی تعمیر و تخریب کردار کی تعمیر و تخریب کا سبب بنتی ہے۔ نفس کا اگر تزکیہ نہ ہو تو مادہ پرستی عروج کو پہنچتی ہے۔ اس طرح انسان کا عمل غیر طبعی قرار پاتا ہے۔ دراصل یہی مادی ترقی کا ردعمل ہے۔ ایک ماہر تعلیمی نفسیات جناب عبدالحئی علوی کے نزدیک:۔

"The present century is the century of science and technology. It seems that the modern civilization, in spite of the immunerable comforts it has provided has given man the gift if disordered behaviour. This can be observed in the form of personal distress disabling behaviour tendencies poor reality control and psychosomatic disorders. In other words, he has cost his mental health and has no peace of mind."(463).

اردو مفہوم:۔ موجودہ صدی سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نئی تہذیب نے جہاں بے شمار آسانیاں مہیا کیں ہیں وہاں انسان کے طرزِ عمل کو غیر طبعی بنا دیا ہے جو کہ اس کے ذاتی کرب، غیر طبعی طرزِ عمل کے میلان، حقیقت پسندانہ نظریہ کے فقدان اور نفسی، جسمانی بے قاعدگیوں میں نظر آتا ہے۔ بالفاظ دیگر انسان اپنی دماغی صحت اور ذہنی سکون سے محروم ہو گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ذہنی امراض انسان کے کردار، دوسرے کے ساتھ اس کے برتاؤ اور میل جول اور اس کی اپنی زندگی کے طور طریقوں کو بے حد متاثر کرتے ہیں۔ تاریخ انسانی کی ابتداہی سے ذہن کے امراض بڑے پیمانے پر المناک انسانی اموات کا باعث رہے ہیں۔ آج کے دور میں باضابطہ ذہنی بے قاعدگیاں ایک بڑا اہم انسانی مسئلہ ہیں۔ اور ان کے ستم رسیدہ لوگ معاشی و معاشرتی ہر سطح پر موجود ہیں۔

اسی لئے اللہ تبارک نے انسان کو پہلے اپنے طریقہ کار کے متعلق بتا دیا کہ طلب والے کو راہ ملتی ہے۔ بے طلب کو نہیں ارشاد ربانی ہے کہ:۔

وفرحوا بالحیٰوة الدّنیا وما الحیٰوة الدّنیا فی الاٰخرة الّامتاع ۝ ویقول الذین کفروا لو لآ انزل علیه اٰیة مّن رّبّه قل انّ اللّٰه یضلّ من یّشآء ویهدیٓ الیه من اناب ۝ (۴۶۴)

ترجمہ:۔ اور لوگ تو حیات دنیا پر ہی فریفتہ ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلے میں کمینی زندگی کی حقیقت ہی کیا ہے بجز عارضی لطف کے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی؟ کہہ دے بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے طلب ہو اس کو اپنی جانب راہ دکھاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں جنہوں نے غلط راہ اختیار کی ہوئی ہے کہ آخر ہم پر نشانی کیوں نازل نہیں ہوتی۔ جبکہ بات ایسی نہیں بلکہ بات یہ ہے یہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوتے ہیں مگر انہیں عذاب کی صورت نظر نہیں آ رہی ہوتی جیسے انخفاض Depression۔

''جس میں آج کے دور کا ہر فرد کسی نہ کسی وقت خود کو گرفتار پاتا ہے۔ اس میں انسان کی اندرونی کیفیت سے ہر

سمت اداسی چھا جاتی ہے اور سارا ماحول سنسان دکھائی دیتا ہے بعض اوقات یہ عصبی انخفاض Neurotic Depression کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس طرح انسان مایوسی' نا امیدی' شکست اور احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے اسے ہر چیز کا تاریک پہلو ہی دکھائی دیتا ہے عصبی انخفاض دراصل خوف سے فرار نہیں بلکہ خوف کے آگے ہتھیار ڈالنا ہے۔'' (۴۶۵)

تو بات گھوم کر پھر کے پھر وہی آ جاتی ہے۔ کہ انکار کرنے والوں کو رب کی یہ نشانیاں جو کہ مذکورہ بالا ہیں انہیں نظر نہیں آتیں۔ تو اس میں تو انسان کا اپنا قصور ہے۔ ورنہ اللہ تو طلب کرنے کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ انسان کو یہ بتا رہا ہے کہ جس سکون کی، جس خوشی کی، جس تسکین کی، جس بہار کی، جس خوش حالی کی، جس کامیابی کی الغرض جس شے کی تمہیں ضرورت Need، طلب Demand ہے وہ تم کو مل جائے گی۔ اللہ کے ذکر سے اس کے علاوہ نہیں۔ دنیا کی بڑی سے بڑی مارکیٹ میں کوئی ایسی شے موجود نہیں جو انسان کو سکون جیسی دولت مہیا کر سکے۔ اس کائنات کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی شے جڑی بوٹی، پھل، جاندار نہیں کہ جو انسان کو سکون کی دولت سے مالا مال کرے۔ اس چار سو پھیلی ہوئی کائنات میں کوئی ایسی مخلوق نہیں جو انسان کو سکون لا کر دے۔ یہ اس لئے کہ سکون ملتا ہے صرف اللہ کے ذکر سے۔ یاد رہے کہ ذکر سے مراد قرآنی نظریۂ حیات ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

الّذین اٰمنو او تطمئنّ قلوبهم بذکر اللّٰه الا بذکر اللّٰه تطمئنّ القلوب ۞ الّذین اٰمنو او عملو الصّٰلحٰت طوبٰی لهم و حسن ماٰب○ (۴۶۶)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ کے ذکر سے ان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں ذکر اللہ سے خوب جان لو کہ ذکر اللہ ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں جو لوگ ایمان لائے عمل صالح بجا لائے ان کے لئے رحمت اور عمدہ انجام ہے۔

اس ساری بحث سے ہم اس نتیجہ تک پہنچے کہ بد اعمالیوں اور مصیبتوں میں نسبتی تعلق ہے

تبصرہ:۔

اعمال بد اور آفات ارضی وسماوی کا نسبتی تعلق:۔

اعمال بد کا آفات ارضی وسماوی سے گہرا تعلق ہے۔ برے کام کا برا نتیجہ ہوتا ہے یہ سب جانتے ہیں۔ مگر جو بظاہر اچھا لگے اور عملاً باطن میں طوفان ہو تو اس کا ادراک اہل نظر ہی کر سکتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

ایک موسمی سائنسدان Schneider کا کہنا ہے کہ ہم لوگ صورتحال کو سمجھنے کے بجائے سسٹم کو مسلسل مورد الزام قرار دے رہے ہیں اور لگتا ہے کہ جب ہم کچھ سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے تو پھر اتنی ہی دیر ہو چکی ہوگی کہ ہمارے ہاتھ میں کسی تدبیر کے لئے کچھ نہ ہوگا۔ (۴۶۷)

یہ حقیقت ہے کہ اب انسانوں کے اعمال اور کسی جوہری تعامل nuclear reaction میں مناسبت اور ان اعمال کا دھماکوں اور دوسرے مختلف قسم کے طریقہ عذاب کا محرک motive بننا ایک ایسے علم کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کے بنیادی اصولوں سے بھی انسان واقف نہیں ہے۔ اس علم کی طرف ایک اشارہ ہیرے ڈے Harrey Day نے اپنی

کتاب "The Hidden Power of Vibration" میں صفحہ نمبر 100 پر یہ کہہ کر کیا ہے کہ قانون manu کے مطابق۔

When there is too much evil-doing on earth the aura of earth is poisoned and reacts in floods, earthquakes, volcanic eruptions, explosions and extremes of Heat and Cold.(495)

اردو مفہوم:۔ جب کبھی دنیا میں بہت زیادہ برائیاں پھیل جائیں تو زمین کا ہالہ مکدر ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے طغیانیاں، زلزلے، لاوے کی شکل میں زمین سے اخراج، دھماکے اور حد درجہ گرمی اور سردی ہونے لگتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانوں کی بد اعمالیوں اور مصیبتوں کے آنے میں قریبی تعلق ہے کیونکہ قرآن پاک کے ارشادات اور ان میں استعمال ہونے والے الفاظ یہ بتا رہے ہیں کہ اس کے درمیان تعلق ہے اور یہ تعلق نسبتا ہے۔قرآن حکیم نے فلسفہ عروج و زوال امم بتا کر اس نسبت کو واضح کر دیا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فکلاً اخذنا بذنبہٖ فمنھم مّن ارسلنا علیہ حاصبًا منھم مّن اخذتہ الصّیحۃ و منھم مّن خسفنا بہ الارض ومنھم مّن اغرقنا وما کان اللّٰہ لیظلمھم ولکن کانوآ انفسھم یظلمونO(۴۶۹)

ترجمہ:۔ پس ان میں سے ہر ایک کی گرفت ہم نے ان کے گناہ کے سبب سے کی پس ان میں سے کسی پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والا طوفان بھیجا۔اور ان میں سے کسی کو چنگھاڑ نے آلیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ تو ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔

ظھر الفساد فی البرّ والبحر بما کسبت ایدی النّاس لیذیقھم بعض الّذی عملوا العلّھم یرجعونO(۴۷۰)

ترجمہ:۔ بحر و بر میں فساد ظاہر ہوا۔بسبب اس کے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا تا کہ وہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائیں کہ شاید وہ لوٹ آئیں (۴۷۰)

اگر اس کی سائنسی تشریح فی الحال ممکن نہیں مگر ناممکن بھی نہیں کیونکہ آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انسانوں کو جس مسائل کا سامنا ہے یہ خود انسانوں کے پیدا کردہ ہیں اور قرآن کے حوالے سے یہ فساد و نقصان مخفی نہیں ہے بلکہ ظاہر، متوقع اور مشاہدہ و تجربہ میں پنہا ہے۔ یہ تو عمل Action کا منطق نتیجہ یعنی ردعمل Reaction ہے۔اس کے لئے اس کے اثرات خشکی اور تری پر یعنی ایک حصہ عمل جہاں ہو رہا ہے کے اثرات اور تری یعنی 1/3 ایک تہائی حصہ پر ظاہر ہو رہے ہیں۔اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اس اکبر کائنات میں انسان اصغر کے عمل کا ردعمل پایا جا رہا ہے مگر!!! افسوس صد افسوس اس تعلق کو محض اس بناء پر جھٹلایا جا رہا ہے کہ اس تعلق کی انسان کو تاویل نہیں مل رہی تو یہ تو کوئی بات نہیں ارشاد ربانی ہے کہ:۔

بل کذّبوا بما لم یحیطوا بعلمہٖ و لمّا یاتھم تاویلہٗ کذٰلک کذّب الّذین من قبلھم فانظر کیف کان عاقبۃ الظّٰلمینO(۴۷۱)

ترجمہ:۔ بلکہ انہوں نے تو اس کی تکذیب کی جس کے علم کا احاطہ وہ نہیں کر سکتے تھے اور جس کی تاویل بھی ان کے پاس نہیں آئی تھی اس طرح وہ جو ان سے پہلے تھے تکذیب کرتے رہے پس دیکھو تو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وکذّب الّذین من قبلھمؕ و ما بلغوا معشارمآ اٰتینٰھم فکذّبوا رسلیؕ فکیف کان نکیرع O (۴۷۲)

ترجمہ:۔ اور ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا حالانکہ جو کچھ بھی ہم نے ان کو دیا تھا اس کا دسواں حصہ بھی ان لوگوں کو نہیں پہنچا پر انہوں نے میرے اصولوں کو جھٹلایا پس میری تکفیر کا انجام کیسا ہوا؟۔

درج بالا آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ کوئی دلیل نہیں کہ انسان جس علم کا احاطہ نہ کر سکے اسے جھٹلا دے۔ ہوسکتا ہے کہ آج نہیں تو کل اس کی تاویل بھی مل جائے ترقی کے ساتھ ساتھ بات سمجھ میں آجائے گی۔ مگر یہ بات شرک کرنے کا جواز تو نہیں اور نہ ہی جھٹلانے کا جواز بن سکتی ہے۔ کیونکہ جھٹلانے کے لئے انسان کو کوئی دلیل لانی ہوگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انسان سے مخاطب ہے کہ جھٹلانے کی دلیل کیا ہے؟ اگر تاویل منظر عام پر نہیں تو یہ کوئی دلیل نہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔

ام انزلنا علیھم سلطٰناً فھویتکلّم بما کانوا بہٖ یشرکون O واذآ اذقنا النّاس رحمۃً فرحوا بھاؕ و ان تصبھم سیّئۃ بما قدّمت ایدیھم اذا ھم یقنطون O (۴۷۳)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے؟ اور وہ انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے اور جب ہم انسانوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جب انہیں کوئی برائی پہنچی ہے بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو وہ مایوس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

قنوطیت:۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ یہ لوگ مایوس کن ہوتے ہیں ہم Depression میں اس کی سرسری وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ ایک ذہنی مرض ہے۔ جو اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی ذہنی صحت درست نہیں۔

Psychlogists generally emphasize "It negative aspects that is absence of Pathological symptoms such as tension, anxiety, depression, emotional imbalance anti social habits drug addiction."(474)

اردو مفہوم:۔ نفسیات دانوں کے نزدیک اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ کوئی مرضیاتی علامت مثلاً تناؤ، پریشانی (اضطراب) مایوسی، جذباتی عدم توازن، سماج بیزاری اور منشیات کی عادت وغیرہ نہیں پائی جاتی ان مرضیاتی علامات کا نہ ہونا صحت مندی کی علامت ہے۔

علمی اکبر منصوری اپنی کتاب مسلم نفسیات میں امام غزالی کا حوالہ دیتے ہیں کہ:۔

امام غزالی نے جہالت کو مرض سے اور علم کو علاج سے تعبیر کیا ہے۔(۴۷۵)

جبکہ مولانا اشرف علی تھانوی کے مطابق:۔

انسانوں کی خدا کی ذات سے دوری ذہنی امراض کا پیش خیمہ ہے جبکہ خدا کی ذات سے قرب انسان کی ذات کی مکمل یک جہتی، ہم آہنگی اور ذہنی صحت کی ضمانت ہے:۔(۴۷۶)

اور مولانا تھانوی کے نقطہ نظر کے مطابق:۔

ذہنی بیماریوں کا سب سے بڑا سبب انسان میں غلط سوچ اور نامعقول رویہ ہے ان کے خیال میں انسان کا اختیاری اور غیر اختیاری امور یا کردار کے امتیاز کا پوری طرح شعور نہ ہونا عام طور پر ذہنی بیماری کا سبب بنتا ہے۔(۴۷۷)

آیئے ہم اسی جانب پلٹیں جہاں سے ہم نے بات شروع کی تھی کہ Schneider کے مطابق ہم صورتحال کو سمجھنے کے بجائے سسٹم کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ Schneider کس سسٹم کی بات کر رہا ہے انسانوں کے بنائے ہوئے سسٹم کی یا پھر خدا کے بنائے ہوئے نظام کی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہماری پیدائش سے پہلے ہی سسٹم موجود ہے لیکن!!! آج کل ہر کوئی ایک ہی اصطلاح Globalization استعمال کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ میڈیا والوں کا کہنا ہے کہ وہ Global Village تخلیق کر رہے ہیں۔

''اقتصادیات کے ماہرین اور سیاستدان 'عالمی نظام' کی رٹ لگائے ہوئے ہیں۔ یا یہ کہ Global Problem درپیش ہے۔ یقیناً ایک Global System موجود ہے۔ لیکن یہ اس مفہوم میں نہیں جو اکثر لوگ سمجھتے ہیں۔(۴۷۸)

قرآنی حوالے سے سسٹم دو صورتوں میں موجود ہے کتاب اور آثار کی صورت میں۔ اگر کوئی سمجھنا چاہے تو:۔



درج ذیل آیت کے طفیل اگر کتاب + آثار کو دو قرآن کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قل ارئیتم ما تدعون من دون اللّٰہ ارونی ماذا خلقوا من الارض ام لھم شرک فی السمٰوٰت ایتونی بکتٰبٍ من قبل ھٰذآ او اثٰرۃٍ من علمٍ ان کنتم صٰدقین○(۴۷۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے غور تو کرو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین میں کیا خلق کیا ہے یا

ان کی آسمانوں میں کوئی شراکت ہے اگر تم سچے ہو تو میرے پاس کوئی اس سے پہلے کی کتاب یا علم کے کوئی آثار لے آؤ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے Order کو مانتا ہے تو پھر اللہ اس شخص سے معمولی سے لے کر غیر معمولی تک کوئی کتابی شکل میں یا آثار کی صورت میں نشانی یا دلیل طلب کر رہا ہے۔ اور اس کا تعلق زمینی شے سے ہو یا آسمان کی کسی شے سے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان محتاج ہے وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ تو پھر انسان کے بنائے ہوئے سسٹم کو Follow کیوں کرتا ہے؟ جبکہ بات درست ہے کہ سسٹم موجود ہے۔ جو کہ کتاب اور آثار کی صورت میں ہمیں متعارف کرایا گیا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کو کوئی تبدیل کرنے کا مجاز نہیں۔ یہ کھلا چیلنج ہے ان تمام انسانوں کے لئے جو قیام قیامت تک آئیں گے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

قل لّئن اجتمعت الانس والجنّ علٰٓی ان یّاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لایاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیراًO(۴۸۰)

ترجمہ:۔ کہہ دو اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگر چہ ان میں سے ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

علاوہ ازیں قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے کھل کر کہہ دیا کہ:۔

وان کنتم فی ریبٍ مّمّا نزّلنا علٰی عبدنا فاتوا بسورۃٍ مّن مّثلہٖ وادعوا شھدآءَ کم مّن دون اللّٰہ ان کنتم صٰدقین O فان لّم تفعلوا ولن تفعلوا فاتّقوا النّار الّتی وقودھا النّاس والحجارۃ اعدّت للکٰفرینO(۴۸۱)

ترجمہ:۔ اور اگر تم اس نسبت شک میں مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو اس کی مثل کوئی سورۃ لے آؤ۔ اور اللہ کے علاوہ اپنے شہداء کو بلالو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کر سکو اور تم ایسا ہرگز نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو کہ منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

درج بالا آیات میں استطعتم کا لفظ استعمال کیا یعنی مال وافراد نیز صلاحیت ہر لحاظ سے دوسری آیت میں جن وانس کی اجتماعی مدد کے لئے الفاظ استعمال ہوئے یعنی ہر ظاہری اور مخفی طاقتوں، قوتوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے اور پھر البقرہ میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کا لفظ استعمال کیا۔ یعنی اپنے حامیوں کو، اپنے مددگاروں کو اپنے گواہوں کو خواہ وہ انسانی زبان کی گواہی ہو یا مصنوعی ذہانت کی زبان کی گواہی ہو بلالو یعنی کمپیوٹر کی زبان کی یا مختلف قسم کے سگنلز کی۔ اللہ کا یہ چیلنج رہتی دنیا تک ہر ایجادات کے لئے ہے کہ کوئی بھی ایسا نہ کر سکا ہے اور نہ ہی ایسا کر سکے گا۔ ڈاکٹر منیر حسین کہتے ہیں کہ احمد دیدات نے اپنی ایک تصنیف Al-Quran the Ultimate Miracle میں یہ ثابت کیا ہے کہ:۔

''پورے قرآن مجید کے حروف ایک خاص حساب کے مطابق ہیں۔ اور لاکھوں حروف میں سے صرف ایک کا فرق بھی اس کے حساب کو بگاڑ دیتا ہے۔ لاکھوں حروف کا اس طرح کا استعمال کہ قرآن مجید جیسی کتاب جس میں احکام، اعمال، عذاب، ثواب، قیامت، قصص اور دوسرے بہت سارے مضامین پر قیامت تک کے لئے حکمت کے انبار

اکٹھے کر دیے ہیں۔ کسی انسان تو کیا کسی کمپیوٹر کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ اس قسم کی کوئی ایک سورۃ بھی تخلیق کر سکے۔'' (۴۸۲)

ہر دور کا انسان یہ جانتا ہے کہ وہ اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکتا وہ بنے ہوئے سسٹم کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ البتہ صورت حال کو سمجھ کر اس سسٹم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن انسان ہے کہ سمجھتا ہی نہیں، مانتا ہی نہیں۔ لہٰذا مقام بندگی سے ہٹ کر شان خداوندی کے حصول کے لئے تگ و دو شروع کر دیتا ہے۔ یعنی بجائے سمجھنے کے سمجھانے لگتا ہے۔ یوں وہ حقیقت سے انحراف کرنے لگتا ہے۔ اور اللہ سے انحراف کا نتیجہ اسے موت و ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور یوں انسان اعتدال سے ہٹ جاتا ہے۔ اس طرح اس کا کردار نارمل نہیں رہتا بلکہ قرآن اسے کبر (۴۸۳) کہتا ہے۔ اور یہ انسان کو زیب نہیں دیتا اس لئے شماریاتی لحاظ سے ایسا کردار نارمل نہیں ہوتا۔

شماریاتی لحاظ سے:۔

اوسط طبعی کردار ہے اور اوسط سے انحراف غیر طبعی کردار کی نشاندہی کرتا ہے۔ فرد کے کردار کا کسی مخصوص نصب العین کے حوالے سے تعین کیا جاتا ہے کسی فرد کے کردار کا طبعی یا غیر طبعی ہونے کا انحصار اس کے نصب العین کے قرب یا دوری پر مبنی ہے۔ (۴۸۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنا نصب العین خود بنانے کے سلسلے میں آزاد ہیں!!! ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وللّٰہ یسجد من فی السمٰوٰت والارض طوعاً وّ کرھاً وّ ظللھم بالغدوّ والاٰصال ○ (۴۸۵)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بخوشی یا بالجبر اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے اور ان کے سائے بھی صبح و شام۔

آیت کریمہ میں مذکورہ سوال کا جواب موجود ہے کہ ہم گلوبل سسٹم کے پابند ہیں۔ جو کہ اللہ نے ہمارے چار سو قائم کیا ہوا ہے اسی طرح نصب العین بھی موجود ہے کیونکہ اگر نصب العین نہ ہوتا تو پھر سسٹم کا جواز بھی نہ ہوتا۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ دیگر منحرف انسانوں کی تقلید کر کے خود کو فراموش کر دے یا پھر خود آگہی کا خواہاں ہو جائے۔ ماہرین کی آراء اور ۲۰ ویں صدی کے اختتام کا ردعمل یعنی موجودہ صورت حال یہ بتا رہی ہے کہ سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی نے انسان کو خاصی حد تک خود سے بیگانہ کر دیا ہے۔ لہٰذا آج کے انسان اپنے نصب العین کو خاصی حد تک فراموش کئے ہوئے ہیں۔ اس خود فراموشی اور اپنے نصب العین سے خود فراری نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا۔ لہٰذا وہ بھول گیا۔ خود کو بھی، اللہ کو بھی اور جب انسان نے خود کو پستی کی اس سطح پر پہنچایا تو اب اللہ کی یہ سنت اس پر لاگو آئی:۔

قل من کان فی الضّللۃ فلیمدد لہ الرّحمٰن مدّاً (۴۸۶)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ جو کوئی گمراہی میں مبتلا ہے رحمٰن اس کو مزید ڈھیل دیتا ہے۔

اور جب انسان اس حد کو بھی پار کر لے تو پھر اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ اللہ کی یہ سنت لاگو ہو جاتی ہے کہ:۔

نسوا اللّٰہ فنسیھمؕ انّ المنٰفقین ھم الفٰسقون۝(۴۸۷)

ترجمہ:۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا پس اس نے بھی ان کو بھلا دیا بے شک منافق بدکار ہیں۔

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہر صدی میں یوں ہی رواں رہی ہے اور رہے گی۔ اور ۲۰ ویں صدی کا اختتام اسی صورت ال کی عکاسی کرتا ہوا نظر آ رہا ہے رد عمل ہمیں تینوں سطح پر ملا ہے جو کہ نہایت بھیانک اور المناک ہے۔ اس خود فراموشی کا عالم یہ ہے کہ ۲۱ ویں صدی میں قدم رکھنے کے باوجود بھی ہم ہیں کہ فلاح کو چھوڑ کر ہلاکت و بربادی کی طرف بڑھتے جا رہے ہیں جبکہ علم کی صورت میں کتاب اور عمل کی صورت میں اسوۂ حسنہ اور یقین کی صورت میں آثار انفس و آفاق موجود ہیں لیکن افسوس صد افسوس ہم بحثیت انسان کے خود کو جان نہ پائے !! خود کو سمجھ نہ پائے جانتے ہیں کیوں؟ یہ اس لئے کہ مادی ترقی کی دوڑ میں انسان اپنے آپ کو کہیں پیچھے چھوڑ آیا ہے اس طرح اس کھوئے ہوئے اس بچھڑے ہوئے انسان کی دریافت ہی ۲۱ ویں صدی کا چیلنج ہے۔

فصل پنجم

۲۱ ویں صدی کا المیہ! مادی ترقی کی دوڑ میں انسان کو اپنی تلاش

عصر حاضر میں مادی ترقی سائنس کی مرہون منت ہے۔ اور سائنس کی بنیاد ظن و قیاس پر ہے یعنی انسانی علم کا دار و مدار حواس اور عقل پر ہے اور جو چیز حواس کے دائرہ کار میں نہیں آتی وہ اس سے خارج ہو جاتی ہے اور عقل اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے فیصلہ دیتی ہے۔ اور دوسرے یہ کہ ہر شخص کے عمل کا نتیجہ ہمیشہ سب پر ثبت نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہر شخص دوسرے سے ہر لحاظ یعنی معاشرتی، نفسیاتی، جذباتی، جسمانی، ذہنی، مذہبی، معاشی، سیاسی، سے مختلف ہے۔ مذہب، معاشرت اور اقدار کے لحاظ سے اس کی اپنی نفسیات ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ انسان مشہود اشیاء کی کسی حد تک خبر رکھتا ہے لیکن غیب کے بارے میں تلاش جاری رہتی ہے یعنی انسانی علم ہر دور میں جزوی رہا ہے کلی کبھی نہیں رہا اور نہ رہے گا۔ ہر دور میں انسانی علم ادھورا Partial رہا ہے۔ کیونکہ حواس و عقل کا دائرہ کار محدود رہا ہے۔ ان دونوں کی بنیاد پر انسانی تجربات کا دار و مدار ہے لہذا وہ بھی ناقص۔ اس لئے کہ علم کے حصول کے ذرائع نامکمل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان مقام آدمیت تک بھی نہ پہنچ سکا۔ اس کشمکش میں یعنی حیوانیت و آدمیت کے درمیان ایک خلاء بدستور حائل رہا، اس خلاء نے ہر دور کے انسان کو سوچنے پر مجبور کیا کہ کہیں کمی ضرور ہے۔

سقراط کا قول:۔

سقراط Socrates (470 ق م۔ 399 ق م) کا مشہور قول ہے کہ:۔

Socrates advocated the Delphic motto "Know thyself"(488)

''اے انسان تو اپنے آپ کو پہچان'' اس کا یہ حکیمانہ ارشاد ایتھنز کے معبد ڈلفی کے مندر پر بھی لکھا ہوا ہے۔ دراصل سقراط

نے فلسفیوں کی توجہ مادی دنیا سے ہٹا کر انسانی ذات کی طرف دلائی۔

لیکن مختلف ادوار کے نظریات کا نتیجہ یہ بتا رہا ہے کہ انسانی ذات کو ہمیشہ پس پشت ڈالا گیا اور مزید ڈالا جا رہا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان نے جس فلسفہ حیات کو منزل جان کر اپنایا وہ بجائے منزل کے سراب نکلی۔ چنانچہ آج بھی تلاش منزل جاری ہے۔یعنی جہاں سے انسان نے سفر شروع کیا تھا آج!! بھی اسی مقام پر کھڑا ہے۔اور اپنے آپ سے سوال کر رہا ہے کہ:۔

''اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے فرائض کیا ہیں؟ کائنات میں اس کا کیا مقام ہے؟ خالق کے ساتھ اس کا کیا رشتہ ہے؟ زندگی کی منزل کیا ہے؟ اس تک پہنچنے کا راستہ کون سا ہے؟ جب تک انسان کو ان سوالوں کے صحیح جواب نہ ملیں وہ زندگی کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا اور اس کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔'' (۴۸۹)

بے یقینی کیوں؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج فضا میں ماحول میں بے یقینی Uncertanity کیوں ہے؟

''مقصد نہ ہو تو یقین کی حاجت نہیں رہتی اور مقصد نہ ہو تو عمل کا رخ متعین نہیں ہو سکتا۔اس لئے بے راہ روی کا پیدا ہونا ضروری ہے۔قول و عمل کا تضاد بھی اسی لئے ہے کہ جس چیز کا دعویٰ کیا جا رہا ہے موقع پرستی اور مفاد پرستی کے ماحول میں اس کے خلاف عمل کئے بغیر کوئی تقاضا پورا نہیں ہو سکتا فرد کے سامنے کوئی حیات بخش مقصود نہ رہے تو پہلے وہ نشاط کاری، پھر لذت اندوزی، پھر ہوس انگیزی اور پھر معصیت کی طرف مائل ہوتا ہے۔تمام جرائم اسی سے پیدا ہوتے ہیں۔ جب حیات اجتماعی کا کوئی مقصود نہ رہے تو موت وارد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اجتماعی موت جو عدم اور وجود کو برابر کر دیتی ہے عبارت کا ہے غایت کی بصیرت کے خیرہ ہو جانے، نظام افکار کی روح کے فناء ہو جانے، تصور کائنات کے بے معنی ہو جانے اور فضائل اخلاق کے مسخ ہو جانے سے۔'' (۴۹۰)

روح عصر کی کورانہ تقلید:۔

''روح عصر کی اس کورانہ تقلید نے انسان کو جس نظریاتی بحران میں مبتلا کیا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

۱) ذریعہ علم صرف حواس ہیں جس کے نتیجے میں محسوسات ہی حقیقت متصور ہوتے ہیں اور محسوسات میں طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضے ہی اہم ترین حقیقت ہیں۔لہٰذا جغرافیائی وحدت، ہی عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد بن جاتی ہے۔

۲) معاشی مفاد ہی اہم ترین مفاد ہے۔

۳) سیاسی تصور ہی سب سے ولولہ انگیز تصور ہے۔

اگر ہم نے ان ماورائی حقائق کے افکار کے بجائے قرآنی ہدایت کے نتائج کے تجربی توثیق وشہادت کو یقین کی اساس تصور کیا ہوتا تو ہم کبھی بھی بے یقینی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے۔'' (۴۹۱)

کورانہ تقلید کے اسباب:۔

اس کورانہ تقلید کے کچھ اہم اسباب کو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اپنی کتاب منہاج القرآن میں اس طرح بیان کیا

ہے:۔

۱) صمدیت کے مفہوم کو مسخ کرنا۔عقائد کا بے جان ہونا۔

۲) عبادت کا مردہ رسوم وظواہر میں تبدیل ہو جانا۔

۳) فرقہ پرستانہ آرزؤں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیوں کو پیغمبرانہ راہ حق پرستی سمجھنا۔

۴) تخیل پرستی اور کمزوری کا شکار دیگر باطنی طمانیت کی خاطر معاشی زندگی کو راہبانہ قناعت سے بسر کرنا۔

۵) منصوبہ بندی، مسابقت اور تصادم سے گریز کی بنیاد پر پہلے معاشی نشو ونما دینے کی صلاحیت سے پھر اس کی آرزؤں سے عاری ہو جانا:۔

۶) دنیا میں مسلسل ناکامیوں سے مضمحل ہو کر قبل از مرگ زندگی کو قانون پروردگاری سے ناساز گار بناتے چلے جانا۔(۴۹۲)

عصری فکر کے بحران کا حل :۔

اس عصری فکر کے بحران کا حل صرف اور صرف ایسے نظام میں پنہاں ہے جو فطری ہو، حقیقی ہو، جامع ہو، متحرک ہو، وحدت ہو، آفاقی ہو، ہم آہنگی ہو، متوازن ہو، مکمل ہو، پاک ہو۔

بات دراصل یہ ہے کہ جب تک انسان محض ظن و قیاس، عقل و حواس پر علم کی بنیاد کو استوار رکھے گا وہ یونہی مایوسی، بے چینی اور اضطراب کی شکل میں نتیجہ پائے گا کیونکہ عقل انسان کا اعلیٰ جوہر اور اس کی اصلی صفت ضرور ہے مگر العلم یعنی وحیٔ الٰہی کے بغیر اس کی تکمیل ممکن نہیں وحی عقل کی تطہیر و تزکیہ کرتی ہے اور تربیت کر کے تکمیل کے مرحلے تک پہنچاتی ہے۔

انسان جس خالق حقیقی کی تخلیق ہے وہی اس کے متعلق بہتر جاننے والا ہے۔ڈاکٹر اسمٰعیل نے، ڈاکٹر ڈی جے گران کی کتاب The Key to the Science of Man سے ایک اقتباس کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ :۔

"Man is a product of nature. He is an organism that maintains Physiologically, a state normal for its species and itself uniformally precise to linist details. These man is expected to obey regorously the Divine law. He is the vicegerent of God. He must recognise his supermacy. His Omniscience, His Omnipotence and his omnipresence. He must regulate his actions in accordance with the devine bordain, with the fear of the punishment of God Here in and Hereafter. This is to only key to regulate the normally and aquilibrium of the human life. Man has been Constantly changing the natural environment, Industrialisation Urbanisation. change in Socio-Political institutions etc, are among the factors responsible

for maladjustments in human society and all these have to be reckoned with to solve the problems. The task will be difficult unless a deep Sealed feeling of destiny and ultimate accountibility is ingrained in everyone concerned.(493)

اردو مفہوم:۔ انسان فطرت کی تخلیق ہے انسان وہ جاندار ہے جس کے نظام حیات کا چھوٹے سے چھوٹا جز و بھی یکساں روی کے ساتھ اپنے اپنے فعلیاتی اعمال پورے کر رہا ہے۔نوع انسانی کے اس متعین کردہ نظام میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدیلی پیدا نہیں ہوتی تو انسان پر لازم ہے کہ اس اللہ کی جس کی وہ تخلیق ہے بنائے ہوئے قوانین کی پابندی کرے۔ انسان کو اللہ نے خلیفہ ہے۔انسان کو اللہ کی بالا دستی ،اس کے لامحدود علم ،اس کی فطرت کا ملہ اور اس کی ہمہ جائی کا اقرار کرنا چاہئے اسے اپنی زندگی خدا کی عائد کردہ حدود کے اندر منظم کرنی چاہئے۔ تاکہ وہ دوسری دنیا میں سزا کا مستحق نہ ٹھہرے۔انسانی زندگی میں توازن اور نظم پیدا کرنے کا اس کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے انسان نے فطری ماحول کو بدل کرر کھ دیا ہے۔صنعت کاری،شہر کاری، سیاسی وسماجی تبدیلیاں انسانی معاشرے کے عدم توازن کی چند وجوہ ہیں اور ان سے نبٹنا انسان کو درپیش مسائل کے لئے پہلا قدم ہے اور اس کے لئے سچے جذبے اور لگن کی ضرورت ہے۔

بنی نوع انسان کے مسائل کا حل القرآن

ماكنت تدرى ماالكتٰب ولا الايمان ولٰكن جعلنٰه نوراً نّهدى به من نّشآء من عبادنا ط (۴۹۴)

ترجمہ:۔ اور تو تو نہیں جانتا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے لیکن ہم نے اسے ایک نور قرار دیا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔

النّور والضوء المنتشر الّذى بعين على الابصار و ذٰلك ضربان دنيوى و اخروى فالدنيوى ضربان ضرب معقول بعين البصيرة وهو ما انتشر من الامور الالٰهية كنور العقل و نور القرآن و محسوس بعين البصر وهوما انتشر من الاجسام النيرّة . والنّار تقال للهيب الّذى يبدوا للحاسّة.(۴۹۵)

اردو مفہوم:۔ نور وہ پھیلنے والی روشنی جو اشیاء کو دیکھنے میں مدد دیتی ہے یہ دو طرح کی ہے دنیوی واخروی،نور دنیوی پھر دو طرح کا ہے معقول جس کا ادراک بصیرت سے ہوتا ہے یعنی امور الٰہیہ کی روشنی دوم محسوس جس کا تعلق بصر سے ہے جیسے اجسام نیرہ،اور نار اس شعلے کو کہتے ہیں جو آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا ہے۔

گو کہ نور اور نار دونوں کا مادہ Root ایک ہی ہے لیکن یہ ایک ہی سکے کے دو رخ واقع ہوئے ہیں ایک شعور ہے تو دوسرا جمود۔ یہ نور پر نور ہر دور میں زندہ و تابندہ رہا خواہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ ہو تو زبور کی صورت میں۔(۴۹۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تو تورات کی صورت میں۔(۴۹۷) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ ہو تو انجیل کی صورت میں۔(۴۹۸) اور اب قرآن ہی کتاب نور قرار (۴۹۹) پائی ہے بے شک یہی ہمارے مسائل جو لاحل ہیں ان کا حل ہے۔''

قرآن کیا کہتا ہے؟ بنی نوع انسان کے مسائل کے حل کے بارے میں :۔

افلا یتدبّرون القرآن ام علیٰ قلوبٍ اقفالھا ○ انّ الّذین ارتدّو اعلیٰ ادبارھم من بعد ماتبیّن لھم الھدیٰ الشّیطٰن سوّل لھمؕ واملیٰ لھم ○ ذٰلک بانّھم قالو اللّذین کرھوا مانزّل اللّٰہ سنطیعکم فی بعض الامرۚ واللّٰہ یعلم اسرارھم○(۵۰۰)

ترجمہ:۔ تو کیا لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں بے شک شیطان نے ان لوگوں کو جو کہ خود پر ہدایت واضح ہو چکنے کے بعد الٹے پاؤں پلٹ گئے ورغلایا اور ان کی امیدیں دراز کیں یہ اس لئے کہ انہوں نے لوگوں سے جنہوں نے کہ خدا کے نازل کئے ہوئے کو ناپسندیدہ جانا کہا کہ ہم بعض امور میں تمہاری اطاعت کریں گے اور اللہ ان کے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔

دبّر کے معنی ومفہوم:۔

دبر دبر الشّئی خلاف القبل و کنی بھا عن العضوین المخصوص و یقال دُبُرو دبر و جمعہ ادبار(۵۰۱)

اردو مفہوم:۔ دبر پشت، مقعد یہ قبل کی ضد ہے اور یہ دونوں لفظ بطور کنایہ جائے مخصوص کے مضمون میں استعمال ہوئے ہیں اس میں دبراور دبر دولغات ہیں اس کی جمع ادبار ہے۔ الغرض اس سے مراد کسی مسئلے کا ابتداء سے لے کر انجام تک جائزہ لے کر پھر کوئی قدم اٹھانا کے ہیں۔ جو لوگ متدبر ہوتے ہیں تو وہ مسئلے کی سنگینی کو بھانپ کر نہایت تحمل اور بصیرت سے حل کرتے ہیں۔ مسلہ کے حل کی تلاش میں تولیدی فکر کو بنیاد نہیں بناتے بلکہ اللہ کی آیات اور اس کے آثار پر غور وفکر کرتے ہیں پھر کسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ وہ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر فیصلے کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ:۔

افلا یتدبّرون القرآنؕ ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً○(۵۰۲)

اور کیا وہ قرآن پر تدبر نہیں کرتے اگر وہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتے تو بے شک وہ اس میں بہت سے اختلافات پاتے۔

اسی لئے قرآن حکیم وہ نور بصیرت ہے۔ جو قیام قیامت تک لوگوں کی رہنمائی کرتا رہے گا۔

عالمگیر نصیحت وشفاء:۔

قرآن حکیم والفرقان مجید دنیا کی واحد کتاب حقیقی ہے جو انسانوں کی صحیح سمت میں رہنمائی کرتی ہے۔ خواہ اس رہنمائی کا تعلق جسم سے ہو یا نفس سے یا روح سے یا پھر کائنات سے۔ ہر ہر مقام پر فطرت سے مطابقت کی تعلیم دیتی ہے۔ فکر کو نمو دیتی ہے عمل کو مستقیم بناتی ہے نفس کو تزکیہ سکھاتی ہے۔ نظر کو مشاہدہ کراتی ہے۔ علم کو بام عروج عطا کرتی ہے۔ جمود کی جگہ تحریک کو شعار بنانے کی تعلیم دیتی ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ انسان میں انسانیت پیدا کرنے کے لئے ماضی کی

سرگذشت بھی دہراتی ہے۔اس لئے رب کریم نے اپنی آیت ذیل میں سہہ جہتی صفات کو اس میں یکجا کر کے فرمایا تا کہ لوگ غور و فکر کر سکیں :۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ O (۵۰۳)

ترجمہ:۔ اے بنی نوع انسان تحقیق تمہارے پاس ایک نصیحت آ چکی ہے تمہارے رب کی طرف سے جو ان کے لئے شفاء ہے جو سینوں میں ہیں۔اور وہ صاحبان ایمان کے لئے ہدایت رحمت ہے۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں بلا شک وشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسانوں کے تمام مسائل کا حل القرآن میں ہے موجودہ تہذیب کی تمام برائیوں اور مسائل کا علاج اس میں موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال کی رائے :۔

"O Mulsim if you want to live an honourable life it is not possible to do so without following the Principles of the Quran.

This complete could as well be addressed with a full sense of responsibility to all mankind and not merely to the Muslims."(504)

اردو مفہوم:۔ اے مسلمان! اگر تم با کردار، اور باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہو تو قرآن کے اصولوں پر چلے بغیر ایسا ممکن نہیں۔اور یہ پیغام صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہو سکتا ہے۔

یہ اس لئے کہ :۔قرآن کا تو موضوع ہی فقط انسان ہے :۔

"The subject deals with is man. Its discusses those aspect of man's life that lead either to his real success or failure. The central theme that runs throughout the Quran is the exposition of the reality and the invitation of the right way based on it.(505)

اردو مفہوم:۔ قرآن کا موضوع انسان ہے اس پر انسانی زندگی کے ان پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے جو انسان کو کامیابی یا ناکامیابی سے ہم کنار کرتے ہیں۔قرآن کا مرکزی مقصد ہے کہ قرآن صراط مستقیم کا صحیح مطلب سمجھانا اور اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔

نظریاتی بحران کا حتمی علاج

نظریاتی بحران کا حتمی علاج کے ضمن میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ :۔

کیا قرآن عصری نظریاتی بحران کا حتمی علاج پیش کر سکتا ہے؟

قرآن کا چیلنج:۔

یریدون ان یّطفئو انوراللہ بافواھھم ویابی اللہ الآّ ان یّتمّ نورہٗ ولو کرہ الکٰفرون○(۵۰۶)

ترجمہ:۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ کو اس کے علاوہ منظور نہیں کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اگر چہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے:۔

یہاں پھونکوں سے اللہ کی مراد مختلف نظریات اور فلسفہ حیات ہیں جو کہ نظریاتی بحران کا سبب بنے ہوئے ہیں جبکہ اللہ تبارک وتعالٰی کو سوائے دین اسلام کے کوئی منظور نہیں۔اس لئے اللہ تعالٰی نے کافروں کو چیلنج کیا ہے کہ یہی نور نور کامل ہے۔اسی کی روشنی چارسو ہے اس لئے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرلیں مگر کامیاب نہ ہوسکیں گے۔

خصائص القرآن

قرآن کا موضوع انسان:۔

قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو فقط انسان کے گرد گھومتی ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب قیامت تک آنے والے نظریاتی بحرانوں کا حل پیش کرنے کی بدرجۂ اتم قدرت رکھتی ہے۔اس لئے کہ اس کے اصول Dynamic ہیں Static نہیں اس میں ہر دور کے لئے روشنی ہے۔

☆ شیطانیت کو بے نقاب کرتی ہے:۔

یہ کتاب اس لحاظ سے بھی بے مثل قرار پاتی ہے کہ یہ شیطان کو Expose کرتی ہے۔دنیا کی کوئی کتاب آج تک شیطان کو Expose کرنے سے قاصر رہی ہے۔جبکہ یہ کتاب باطل کے ہر ہر روپ کو، ہر ہر پہلو کو عمدہ مثالوں سے یہاں بیان کرتی ہے۔

☆ ہر عمل کتاب میں موجود:۔

عمل کو جانچنے کا بہترین پیمانہ ہے۔انسان جو عمل بھی کر رہا ہے وہ عمل پہلے ہی سے اس کتاب میں درج ہے۔(۵۰۷)اوّل یہ کہ انسانی عمل کو صحیح یا غلط کر رہا ہے دونوں صورتوں میں بہرکیف اللہ ہی کو سجدہ ریز ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وللّٰہ یسجد من فی السّمٰوٰت والارض طوعاً وّ کرھاً وّظللھم بالغدوّ والأصال○(۵۰۸)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں بے بخوبی یا بالجبر اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے اور ان کے سائے بھی صبح وشام۔

☆ قرآنی احکامات کی مطابقت پذیری فطرت:۔

قرآن انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے کہ معروف احکامات ہی حکمت سے لیس نہیں بلکہ منکرات بھی

حکمت سے لیس ہیں۔ روزمرہ کا مشاہدہ اور جدید تحقیق اس امر کی شاہد ہے، کہ انسان اللہ کی فطرت پر فطر ہوا ہے لہٰذا انفس و آفاق میں قانون و نظام دونوں موجود ہیں چنانچہ کہ جب کوئی احکامات قرآنی کے مطابق عمل کرتا ہے تو اس کا نفس مطمئن رہتا ہے۔ اور اس کے انحراف کی صورت میں دور جدید کی بیماریاں، جرائم کے اعداد و شمار اور ہولناک تباہیاں ہمارے سامنے ہیں۔ اور یہ انسانی اعمال اس کے اپنے نفس پر بوجھ ہیں جس کے خلاف قرآن آواز بلند کرتا ہے۔ دعوت حق دیتا ہے۔

☆ ایمان بالغیب کی حکمت :۔

مشہود Visible، غیب Invisible کا علم اس کتاب مبین میں موجود ہے۔ لہٰذا اس کتاب میں اصغر و اکبر، خشک و تر، جزو کل سب کا علم موجود ہے۔ مگر!!! آج کے غیب کو کل کا مشہود بنانے کے لئے ہم سب انسانوں کو غور و فکر کی، مشاورت و تجزیہ کی تحقیق دتجربہ کی دعوت دیتی ہے۔ علم وعمل کی طرف ابھارتی ہے۔ چونکہ غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔ اس لئے قرآن Hidden Powers جو کائنات میں پوشیدہ تو نہیں ہیں۔ ان کا علم دیتی ہے گو کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کا انکار کردیں اسی لئے یہ کتاب ہماری توجہ ایمان بالغیب تقاضے کی حکمت کی طرف دلاتی ہے کیونکہ خالق ہی غیب کا علم رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ :۔

وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمھآ الاّ ھوؕ ویعلم مافی البرّ و البحرؕ وما تسقط من وّرقۃٍ الاّ یعلمھا ولا حبّۃٍ فی ظلمٰت الارض ولا رطبٍ وّلا یابسٍ الاّ فی کتٰبٍ مّبینٍ○(۵۰۹)

ترجمہ:۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اسی کے اور وہ جو جانتا ہے جو کچھ بھی خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ ہی کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہے اور نہ ہی کوئی تر اور خشک ہے مگر وہ واضح کتاب میں ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے Visible اور Invisible اشیاء کی قسم کھائی ہے :۔

فلآ اقسم بما تبصرونؕ○ وما لاتبصرونؕ○(۵۱۰)

ترجمہ:۔ پس مجھے ان چیزوں کی قسم ہے جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے۔

اس کتاب کا ہر ایک قول، قول فیصل اور حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :۔

بل ھو قرآن مجیدٌ○ فی لوحٍ مّحفوظٍ○ؑ(۵۱۱)

ترجمہ:۔ بلکہ وہ ایک بزرگ قرآن ہے! لوح محفوظ میں درج!

☆ قرآن مجید کی بزرگی :۔

علمی اعتبار سے یہ کتاب مجید ہے اللہ بزرگ و برتر کے ارشاد سے زیادہ بزرگ بلند اور شریف کون سی شے ہو سکتی ہے؟ اور یہ قرآن ثابت و متحقق ہے اس کا قول ہر معاملہ میں آخری سند اور مرجع ہے ہر قول موجودہ دور یا کسی بھی دور میں

غلط ہوسکتا ہے لیکن قرآن کا فرمایا ہوا ہر دور میں محفوظ، ثابت اور حرف آخر رہے گا۔ اسی لئے قرآن منحرفین کے لئے چیلنج ہے۔

☆ جن وانس کے لئے چیلنج :۔

قرآن جن وانس کو چیلنج دیتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

قل لّئن اجتمعت الانس والجنّ علٰٓی ان یّاتوا بمثل ھٰذا القراٰن لا یاتون بمثلہٖ ولو کان بعضھم لبعضٍ ظھیراًO(۵۱۲)

ترجمہ :۔ کہہ دے کہ اگر چہ تمام جن وانس اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں گے تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔

☆ حیات آفرین نظام کی دعوت :۔

روز اول سے منکرین ومنحرفین آئے دن نظام ہائے زندگی پیش کرتے رہے ہیں۔ اور موجودہ صورت حال تو یہ ہے کہ نظامہائے زندگی کی بھرمار وطومار ہے ہر نظام خود کو بہترین نظام کے طور پر متعارف کرا چکا ہے۔ لیکن !!! حقیقت حال اس کے برعکس رہی ہے۔ جس کا ذکر مختلف ماہرین نے اپنے اپنے طور پر کیا ہے۔ ان تمام نظامہائے زندگی کے برعکس قرآن نے جو فطری نظام حیات انسانوں کے لئے مخصوص کیا ہے۔ وہ حیات بخش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ :۔

یٰٓا یّھا الّذین اٰمنوا استجیبوا لِلّٰہ وللرّسول اذا دعاکم لما یحییکمۚ واعلموٓا انّ اللّٰہ یحول بین المرءِ وقلبہٖ واَنّہٗٓ الیہ تحشرونO(۵۱۳)

ترجمہ :۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کا حکم بجالاؤ، جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہے، جو تمہارے لئے حیات بخش ہے اور خوب جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکھٹے کئے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس حیات بخش نظام جو سراسر خیر ہے کو Join کرنے کی دعوت دے رہا ہے آیئے !!! لبیک کہہ کر کفر کی تاریکیوں سے نکل کر الھدیٰ کی روشنی میں آجائیں، ذلت کی پستیوں سے نکل کر اور بام عروج پر پہنچ کر ان کروڑھا مسائل، مصیبتوں اور بیماریوں سے نجات پالیں جو آج ہمارا مقدر بنی ہوئی ہیں آیئے !!!! اس فلاح بخش نظام کی برکتوں اور رحمتوں سے خود کو مستفیض کرلیں جنہیں ہماری آنکھیں پاسکتی ہیں اور جو ہماری آنکھوں سے پوشیدہ ہے آیئے !!! امید سے بھرپور زندگی گزاریں اور خود کو اللہ کے سپرد کردیں یہ کہیں کہ :۔

قل انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہ ربّ العٰلمینOۙ(۵۱۴)

ترجمہ :۔ کہہ دے بالتحقیق میری صلوٰۃ میری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے۔

لاشریک لہٗ وبذٰلک امرت و انا اوّل المسلمین○(۵۱۵)

ترجمہ:۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا سرِتسلیم خم کرنے والا ہوں۔

☆ سلامتی کی ضمانت:۔

اس عہد کے ساتھ اس یقین کو بھی اپنے قلب میں جاگزیں کرلیں کہ:۔

واذا جآءک الّذین یؤمنون باٰیٰتنا فقل سلٰم علیکم کتب ربّکم علٰی نفسہ الرّحمۃ انّہٗ من عمل منکم سوٓءًا بجہالۃٍ ثمّ تاب من بعدہٖ واصلح فانّہٗ غفور رّحیم○(۵۱۶)

اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لے آئے تو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو۔ تمارے رب نے اپنے اوپر رحمت واجب کرلی ہے بے شک تم میں سے اگر کوئی جہالت کے سبب برا عمل کرے گا اور پھر اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کرے گا تو یقیناً وہ بخشنے والا ہے۔

یقیناً اللہ نے اپنے اوپر رحمت واجب کرلی ہے تاکہ ایمان والے عالم آخرت اور عالم واقعہ دونوں میں فلاح حاصل کرسکیں۔

تلخیص:۔

المختصر یہ کہ درج بالا آیات اور خود ان آیات اور خود ان آیات کی صراحت بالقرآن ایک طرف تو اس مفروضے کو کیا قرآن عصری نظریاتی بحران کا حتمی علاج پیش کرسکتا ہے؟ کا مثبت جواب فراہم کرتیں ہیں تو دوسری جانب خصائص القرآن کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہے اور قیام قیامت تک کے لئے چیلنج ہے۔ کیونکہ تعلیمات الٰہی کی بنیاد قیاس، نفس، عنصر کی ظاہری حیثیت پر نہیں رکھی گئی بلکہ مطلق سچ اور حکمت سے لیس ہے کیونکہ اس کی بنیادوں میں اللہ کا نور ہے۔ اور جہاں نور ہے وہاں برق رفتاری ہے، رفعت ہے، معراج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں دین و دنیا یعنی دنیا و آخرت دونوں زندگیوں میں فلاح کی ضمانت ہے۔

یاد رہے کہ یہ فلاح ہم اسی وقت حاصل کرسکتے ہیں جب تک کہ ہم تخلیق اور مقصد تخلیق کو نہ جانیں۔ کیونکہ یہی وہ اہم نقطہ ہے کہ جس کی آگہی کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں۔ جو ہوا سو ہوا! جو کیا سو کیا!!! مگر اب اپنے مقام کی معرفت کا وقت آن پہنچا ہے نئی صدی جو کل ہمارے سروں پر منڈلا رہی تھی آج ہم اس میں داخل ہو چکے ہیں ہمیں چاہئے کہ ہم اس ضمن میں غور و فکر سے کام لیں۔ تاکہ ہم اور آئندہ آنے والی نسلیں مذکورہ روش اختیار نہ کریں بلکہ خود کو شعور و آگہی کے راستے پر لے آئیں۔ تاکہ پستی جو آج ہمارا مقدر بنی ہوئی ہے اس سے نجات حاصل کر کے بام عروج کو پہنچ جائیں۔ اور یہ تب ممکن ہو گا جب ہم انفس و آفاق اور اس کے ماوراء ہستی کی حقیقت کا ادراک کریں گے۔

وما توفیقی الا باللہ۔

فہرست کتابیات مع حوالہ جات برائے باب دوم

نمبر شمار	حوالہ جات
۱	القرآن،۴۲:۱۳
۲	ایضاً،۴۲:۱۴
۳	العلامہ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت، آرام باغ، ۱۹۶۱ء، ص۵۴ تا ۵۵
۴	القرآن،۳۰:۳۰
۵	المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص۳۸۹ تا ۳۹۰
۶	القرآن،۱۹:۶۵
۷	ایضاً،۲۸:۸۸
۸	المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص۱۹
۹	القرآن،۱۹:۶۵
۱۰	ایضاً،۲:۲۵۵،۵۹:۲۲اور۲۳
۱۱	ایضاً،۷:۱۸۰،۲۰:۸،۱۷:۱۱۰،۵۹:۲۴
۱۲	ایضاً،۴۰:۶۰اور۶۲اور۶۴،مزید معلومات کے لئے سورۃ رحمان ملاحظہ ہو۔
۱۳	ایضاً،۴۲:۱۴
۱۴	ایضاً،۲۸:۸۸
۱۵	المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص۱۹ تا ۲۰

16 Michael W. Eyesenck, The Black Well Dictionary of Cognitive Psychology, UK, Basil Blackwell Ltd, 108 Cowley Road, Oxford, OX4, 1/F, UK, 1990, P-77.

نمبر شمار	حوالہ جات
۱۷	القرآن،۶:۱۱۶
۱۸	ایضاً،۵۱:۱۰
۱۹	ایضاً،۲۵:۷۷
۲۰	ایضاً،۱۰:۶۶
۲۱	ایضاً،۱۰:۱۸
۲۲	ایضاً،۳۶:۷۴ تا ۷۵
۲۳	ایضاً،۱۹:۸۱ تا ۸۲
۲۴	ایضاً،۱۹:۷۷ تا ۷۸
۲۵	ایضاً،۳۹:۳
۲۶	ایضاً،۱۹:۸۳ تا ۸۶

۲۷ القرآن، ۷۵:۱۹

۲۸ ایضاً، ۲۱:۲۱ تا ۲۳

۲۹ ایضاً، ۶:۱۰۲ تا ۱۰۳

۳۰ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۱۶۷

31 Floyed L. Ruch. Psychology and Life, USA, Scott, Foresmen & Company, 1958, P-265

32 Ibid, P-265

33 Ibid, P-265

34 Ibid, P-265

۳۵ مولانا محمد اسحاق سندیلوی، دینی نفسیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف مدرسہ عربیہ، نیو ٹاؤن، کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۱۴۱

36 "Psychology and Life", OP-cit, 1958, P-267

۳۷ القرآن، ۷۵:۶ تا ۷۹

۳۸ ایضاً، ۳۴:۴۸

۳۹ ایضاً، ۳۴:۵۰

40 "Psychology and Life", OP-cit, 1958, P-272

۴۱ القرآن، ۴۵:۲۴

۴۲ ایضاً، ۳۴:۵۱ تا ۵۴

۴۳ ایضاً، ۲۷:۶۶

۴۴ ایضاً، ۱۰۲:۵ تا ۷

۴۵ ایضاً، ۵۶:۹۵

۴۶ ایضاً، ۴۲:۵۲ تا ۵۳

۴۷ ایضاً، ۳۴:۴۶

48 Raymond J. Corsini, "Concise Encyclopedia of Psychology", New York, John Willey Sons Inc, 1985, P-564

۴۹ القرآن، ۶:۱۰۱

۵۰ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۱۵۷

۵۱ القرآن، ۲۳:۱۴

۵۲ ایضاً، ۱۶:۱۷

۵۳ ایضاً، ۲۰:۵۰

۵۴ ایضاً، ۱۱۲:۱ تا ۴

۵۵ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۵۵۴

۵۶ القرآن، ۱۳:۱۶

۵۷ ایضاً، ۱۳:۱۷

۵۸ ایضاً، ۳۶:۷۷ تا ۷۸

۵۹ القرآن، ۲:۳۱ تا ۳۲

۶۰ ایضاً، ۲:۱۶۵ تا ۱۶۷

۶۱ ایضاً، ۲:۵۸ تا ۵۹

۶۲ ایضاً، ۲:۱۵۹ تا ۱۶۰

۶۳ ایضاً، ۲:۱۶۳

۶۴ ایضاً، ۲:۲۰۷ تا ۲۱۰

65 Alvin Toffler, Future Shock, London, Pan Book, London, Covely Place, SW10, 9PG, 1971, P-297

66 Ibid, P-297

67 Ibid, P-312

۶۸ القرآن، ۲۷:۴۴

۶۹ ایضاً، ۲۷:۳۰

۷۰ ایضاً، ۲۷:۴۱ تا ۴۲

۷۱ ایضاً، ۲۷:۴۴

۷۲ ایضاً، ۷۱:۲۱ تا ۲۳

۷۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۳۸

74 "Concise Encyclopedia of Psychology", OP-cit, P-564

۷۵ القرآن، ۸۵:۱۴، ۱۱:۹۰

۷۶ ایضاً، ۱۹:۹۶

۷۷ ایضاً، ۵:۵۴

۷۸ ایضاً، ۳۰:۲۱ تا ۲۲

۷۹ ایضاً، ۲۹:۲۵

۸۰ ایضاً، ۲:۹۶

۸۱ ایضاً، ۳:۱۱۸

۸۲ ایضاً، ۱۱:۸۹ تا ۹۰

۸۳ ایضاً، ۲:۱۰۵

۸۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۴۸ تا ۲۴۹

۸۵ ایضاً، ص ۲۴۸

۸۶ القرآن، ۱۰:۴۸ تا ۵۱

۸۷ ایضاً، ۱۰:۴۶

۸۸ ایضاً، ۱۲:۱۰۶ تا ۱۰۷

۸۹ ایضاً، ۷۱:۲۱ تا ۲۳

۹۰ ایضاً، ۴۵:۲۴

۹۱ ایضاً، ۳۳:۶۳، ۴۲:۱۷، [illegible]

۹۲ القرآن، ۶:۶۲

۹۳ ایضاً، ۱۶:۷۷

۹۴ ایضاً، ۴۱:۴۷

۹۵ ایضاً، ۲۰:۱۵تا۱۶

۹۶ ایضاً، ۱۷:۱۳تا۱۴

۹۷ ایضاً، ۴۲:۱۷

۹۸ ایضاً، ۴۲:۲۰

۹۹ ایضاً، ۴۵:۲۹

۱۰۰ ایضاً، ۶:۴۰تا۴۱

۱۰۱ ایضاً، ۴۵:۳۴

۱۰۲ ایضاً، ۴۵:۳۵

۱۰۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۳۷۳

۱۰۴ القرآن، ۴۶:۱۷

۱۰۵ ایضاً، ۸:۹تا۱۰

۱۰۶ ایضاً، ۱۸:۲۹تا۳۰

۱۰۷ ایضاً، ۲:۲۱۹تا۲۲۰

۱۰۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۱۷۱تا۱۷۲

۱۰۹ ایضاً، ص۱۷۲

۱۱۰ القرآن، ۵۷:۲۰

۱۱۱ ایضاً، ۷۱:۲۱تا۲۳

۱۱۲ ایضاً، ۵۷:۲۰

۱۱۳ ایضاً، ۱۶:۱۲۲

۱۱۴ ایضاً، ۲۲:۱۱

۱۱۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۳۶۰

۱۱۶ مولانا علامہ وحید الزماں، لغات الحدیث، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت، آرام باغ، کراچی، سن اشاعت درج نہیں، ص ۲۲۷، جلد چہارم

۱۱۷ القرآن، ۳۳:۱۸

۱۱۸ ایضاً، ۳:۱۶۸

۱۱۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۹۴

۱۲۰ القرآن، ۲۷:۸۰

۱۲۱ ایضاً، ۳:۱۵۶

۱۲۲ ایضاً، ۳:۱۶۹تا۱۷۱

۱۲۳ ایضاً، ۳:۱۶۶تا۱۶۷

۱۲۴ ایضاً، ۳:۱۴۲

۱۲۵ القرآن،۳:۱۵۴

۱۲۶ ایضاً،۳:۱۴۰تا۱۴۱

۱۲۷ ایضاً،۳:۱۴۵

۱۲۸ ایضاً،۴:۷۸تا۷۹

۱۲۹ ایضاً،۳۲:۱۱

۱۳۰ ایضاً،۳۳:۱۶

۱۳۱ ایضاً،۳۳:۱۷

۱۳۲ ایضاً،۳:۱۷۸تا۱۷۹

۱۳۳ ایضاً،۳:۱۷۵

۱۳۴ ایضاً،۴:۷۶

۱۳۵ ایضاً،۳:۱۰۲

۱۳۶ ایضاً،۴:۷۷

۱۳۷ ایضاً،۷:۱۵۶

۱۳۸ ایضاً،۲۲:۴

۱۳۹ ایضاً،۱۳:۱۳

۱۴۰ ایضاً،۱۳:۱۴

۱۴۱ ایضاً،۷:۵۵تا۵۸

۱۴۲ ایضاً،۷۱:۲۱تا۲۵

۱۴۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص:۵۰۹

۱۴۴ لغات الحدیث، محولہ بالا، ص۵۹، جلد پنجم

۱۴۵ القرآن،۱۰:۳۲

۱۴۶ ایضاً،۱۰:۳۵

۱۴۷ ایضاً،۷:۶۰

۱۴۸ ایضاً،۲۳:۳۳تا۳۴

۱۴۹ ایضاً،۳۴:۳۴

۱۵۰ ایضاً،۷:۵۹تا۶۲

۱۵۱ ایضاً،۳۴:۴۳

۱۵۲ ایضاً،۲۷:۸۰

۱۵۳ ایضاً،۳:۱۶۹

۱۵۴ ایضاً،۲:۶۹

۱۵۵ ایضاً،۱۱:۴۳

۱۵۶ ایضاً،۱۱:۴۶

۱۵۷ ایضاً،۱۱:۴۹

۱۵۸ ایضاً،۲:۲۶۸تا۲۶۹

۱۵۹ القرآن، ۱۱:۲۷

۱۶۰ ایضاً، ۱۱:۲۵ تا ۲۶

۱۶۱ ایضاً، ۱۱:۳۱

۱۶۲ ایضاً، ۱۱:۲۸

۱۶۳ ایضاً، ۷:۵۲

۱۶۴ ایضاً، ۷:۵۷

۱۶۵ ایضاً، ۷:۵۶

۱۶۶ ایضاً، ۳۱:۱۳

۱۶۷ ایضاً، ۱۷:۲۵

۱۶۸ ایضاً، ۴۹:۲

۱۶۹ ایضاً، ۱۷:۸۶ تا ۸۷

۱۷۰ ایضاً، ۷:۵۸

۱۷۱ ایضاً، ۱۰:۲۱

۱۷۲ ایضاً، ۲۳:۱۱۷ تا ۱۱۸

۱۷۳ ایضاً، ۳۷:۱۲۳ تا ۱۲۹

۱۷۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۴

۱۷۵ مولانا حنیف ندوی، لسان القرآن، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، ۱۹۸۳ء، ص ۲۰۴، جلد اول

۱۷۶ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تفہیم القرآن، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، اندرون موچی دروازہ، ۱۹۷۰ء، ص ۳۰۴، جلد چہارم

۱۷۷ القرآن، ۲۳:۱۲ تا ۱۴

178 A Studants Dictionary of Psychology. Peter Stratton, London, Arnold Memper of Hatter, Headline Group 338 Euston Road London, N.W.I, 3BH, 1999, P-49.

۱۷۹ القرآن، ۲۲:۷۳

۱۸۰ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ص ۳۰۴، جلد چہارم

۱۸۱ القرآن، ۲۲:۱۷

۱۸۲ ایضاً، ۲۲:۱۸

۱۸۳ ایضاً، ۲۲:۱۹ تا ۲۴

۱۸۴ ایضاً، ۶:۱۰۰ تا ۱۰۱

۱۸۵ ایضاً، ۵۱:۴۹

۱۸۶ ایضاً، ۹:۲۰

۱۸۷ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۸۰

۱۸۸ القرآن، ۱۶:۵۱ تا ۵۶

۱۸۹ ایضاً، ۱۶:۳

۱۹۰ ایضاً، ۲۱:۲۲

۱۹۱ ایضاً، ۲۱:۲۴

۱۹۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۷۸

۱۹۳ القرآن، ۵:۷۳

۱۹۴ ایضاً، ۵:۱۱۶ تا ۱۱۷

۱۹۵ ایضاً، ۳:۷۹

۱۹۶ ایضاً، ۳:۸۱

۱۹۷ ایضاً، ۵:۱۷

۱۹۸ ایضاً، ۱۹:۳۴ تا ۳۵

۱۹۹ ایضاً، ۱۹:۳۶ تا ۳۸

۲۰۰ ایضاً، ۵:۷۲

۲۰۱ ایضاً، ۵:۷۴

۲۰۲ ایضاً، ۳۹:۴

۲۰۳ ایضاً، ۶:۱۰۱

۲۰۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۷

۲۰۵ القرآن، ۱۱۲:۱ تا ۴

۲۰۶ ایضاً، ۲۱:۲۵ تا ۳۰

۲۰۷ ایضاً، ۳۹:۴

۲۰۸ ایضاً، ۴:۱۱۷

۲۰۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۶ تا ۲۷

۲۱۰ القرآن، ۲۴:۳۱

۲۱۱ ایضاً، ۳:۱۴

۲۱۲ ایضاً، ۴۳:۱۸

۲۱۳ ایضاً، ۱۳:۸ تا ۱۰

۲۱۴ ایضاً، ۹۱:۷ تا ۸

۲۱۵ ایضاً، ۴۳:۱۹

۲۱۶ ایضاً، ۳۷:۱۵۰ تا ۱۵۲

۲۱۷ ایضاً، ۶:۱۰۰

۲۱۸ ایضاً، ۵۳:۲۱ تا ۲۲

۲۱۹ ایضاً، ۴۳:۱۶

۲۲۰ ایضاً، ۴۳:۱۷

۲۲۱ ایضاً، ۴۳:۱۸

۲۲۲ ایضاً، ۳۷:۱۵۶ تا ۱۵۷

۲۲۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۳۸

۲۲۴ القرآن، ۳۷:۱۶۷ تا ۱۶۹

۲۲۵ ایضاً، ۳۸:۵تا۶

۲۲۶ ایضاً،۴۳:۲۰

۲۲۷ القرآن، ۵:۱۰۴تا۱۰۵

۲۲۸ ایضاً،۲:۱۶۵

۲۲۹ ایضاً،۲:۱۳۳تا۱۳۴

۲۳۰ ایضاً،۴۳:۲۸

۲۳۱ ایضاً،۴۴:۸

۲۳۲ ایضاً،۲:۱۳۰تا۱۳۲

۲۳۳ ایضاً،۲۱:۲۲

۲۳۴ ایضاً، ۷۶:۲۹تا۳۱

۲۳۵ ایضاً،۴۳:۲۰تا۲۱

۲۳۶ ایضاً،۴۳:۲۴تا۲۵

۲۳۷ ایضاً، ۳۷:۱۷۷

۲۳۸ ایضاً،۴۴:۱۰تا۱۲

۲۳۹ ایضاً، ۳۷:۱۵۱تا۱۵۵

۲۴۰ ایضاً،۷۲:۱تا۳

۲۴۱ ایضاً، ۶:۱۰۰تا۱۰۱

۲۴۲ ایضاً، ۳۷:۱۵۹تا۱۶۰

۲۴۳ ایضاً، ۳۷:۱۸۰تا۱۸۲

۲۴۴ ایضاً، ۳۷:۱۶۱تا۱۶۶

۲۴۵ ایضاً، ۱۷:۴۲تا۴۳

۲۴۶ ایضاً، ۲۸:۷۱تا۷۳

۲۴۷ ایضاً،۵۳:۱۹تا۲۳

۲۴۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۷۱

۲۴۹ مولانا عبید الدائم الجلالی، لغات القرآن، ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد، دہلی، سن اشاعت درج نہیں، ص ۱۹۹، جلد پنجم

۲۵۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۹تا۲۰

۲۵۱ القرآن، ۲۸:۸۸

۲۵۲ ایضاً،۴۱:۳۷

۲۵۳ ایضاً،۵۳:۲۷تا۳۰

۲۵۴ ایضاً،۴۳:۳۶تا۳۷

۲۵۵ ایضاً، ۱۷:۴۵تا۴۶

۲۵۶ ایضاً، ۱۷:۳۶تا۳۹

۲۵۷ ایضاً، ۲۸:۷۴تا۷۵

۲۵۸ ایضاً، ۱۷:۴۲تا۴۴

۲۵۹ ایضاً، ۲۸:۷۰

۲۶۰ ایضاً، ۵۳:۱۹

۲۶۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۳۶ تا ۳۳۷

۲۶۲ القرآن، ۸۱:۱۹

۲۶۳ ایضاً، ۳۸:۱ تا ۲

۲۶۴ ایضاً، ۳۸:۸ تا ۱۱

۲۶۵ ایضاً، ۴:۱۳۹

۲۶۶ ایضاً، ۳۵:۱۰

۲۶۷ ایضاً، ۳:۲۶

۲۶۸ ایضاً، ۲:۲۰۶

۲۶۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۹۳

۲۷۰ القرآن، ۲:۷۸

۲۷۱ ایضاً، ۲:۸۰

۲۷۲ ایضاً، ۴:۱۲۳ تا ۱۲۴

۲۷۳ ایضاً، ۲۹:۲

۲۷۴ ایضاً، ۲۹:۴

۲۷۵ ایضاً، ۴:۱۱۹ تا ۱۲۰

۲۷۶ ایضاً، ۶۲:۶ تا ۷

۲۷۷ ایضاً، ۷۵:۱۶

۲۷۸ ایضاً، ۲۰:۱۱۴

۲۷۹ ایضاً، ۲۲:۵۲ تا ۵۳

۲۸۰ ایضاً، ۵۷:۱۴ تا ۱۵

۲۸۱ ایضاً، ۵۳:۲۴ تا ۲۵

۲۸۲ ایضاً، ۵۳:۲۸ تا ۲۹

۲۸۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۶۲

۲۸۴ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ص ۲۶۲

۲۸۵ مولانا امین احمد اصلاحی، تدبر القرآن، لاہور، مکتبہ انجمن خدام القرآن، ۱۳۹۶ھ، ۱۹۷۶ء، ص ۶۹۷، جلد چہارم

۲۸۶ ایضاً، ص ۶۹۸، جلد چہارم

۲۸۷ القرآن، ۲۶:۲۱۴ تا ۲۲۲

۲۸۸ ایضاً، ۲۱:۵

۲۸۹ ایضاً، ۲۶:۱۹۴ تا ۲۰۱

۲۹۰ تدبر القرآن، محولہ بالا، ص ۶۹۹، جلد چہارم

۲۹۱ القرآن، ۲۶:۲۲۴

۲۹۲ تدبر القرآن، محولہ بالا، ص ۶۹۹، جلد چہارم

۲۹۳ ایضاً،ص۶۹۹،جلد چہارم

۲۹۴ القرآن،۵۳:۱تا۴

۲۹۵ القرآن،۲۶:۲۲۵

۲۹۶ تدبر القرآن،بحوالہ بالا،ص۶۹۹،جلد چہارم

۲۹۷ ایضاً،ص۷۰۰،جلد چہارم

۲۹۸ القرآن،۵۱:۵۶

۲۹۹ ایضاً،۲۶:۲۲۶

۳۰۰ ایضاً،۳۳:۲۱

۳۰۱ ایضاً،۳۶:۶۹تا۷۰

۳۰۲ المفردات فی غریب القرآن،بحوالہ بالا،ص۳۰۷

۳۰۳ القرآن،۵۲:۳۰تا۳۴

۳۰۴ ایضاً،۵۲:۴۱تا۴۲

۳۰۵ ایضاً،۲:۷

۳۰۶ ایضاً،۱۱۱:۱

۳۰۷ ایضاً،۱۰۸:۱تا۳

۳۰۸ ایضاً،۹۵:۵

۳۰۹ ایضاً،۲:۲۵۷

۳۱۰ ایضاً،۵۳:۴۹

۳۱۱ ایضاً،۲:۲۵۶تا۲۵۷

۳۱۲ ایضاً،۷:۱۷۲

۳۱۳ ایضاً،۴۵:۲۳

۳۱۴ المفردات فی غریب القرآن،بحوالہ بالا،ص۵۷۱

۳۱۵ القرآن،۲۵:۴۳تا۴۴

۳۱۶ ایضاً،۷:۱۷۹

۳۱۷ ایضاً،۴۵:۲۴

۳۱۸ ایضاً،۲۳:۳۷

۳۱۹ ایضاً،۲:۲۱۲

۳۲۰ ایضاً،۱۸:۴۶

۳۲۱ ایضاً،۲:۹۶

۳۲۲ ایضاً،۲:۸۶

۳۲۳ ایضاً،۹:۳۸

۳۲۴ ایضاً،۶۷:۲

۳۲۵ ایضاً،۱۰:۲۴

۳۲۶ ایضاً،۳:۱۱۶تا۱۱۷

۳۲۷ ایضاً، ۴۰:۳۹تا۴۰

۳۲۸ ایضاً، ۲۹:۶۴

۳۲۹ القرآن، ۶:۲۳

۳۳۰ ایضاً، ۶:۲۸

۳۳۱ ایضاً، ۲:۸۴تا۸۶

۳۳۲ ایضاً، ۲:۲۰۴تا۲۰۶

۳۳۳ ایضاً، ۲۳:۷۰تا۷۱

۳۳۴ ایضاً، ۶:۱۱۹تا۱۲۱

۳۳۵ ایضاً، ۳۰:۳۵

۳۳۶ ایضاً، ۳:۷۹تا۸۰

۳۳۷ ایضاً، ۹:۳۱

۳۳۸ ایضاً، ۲۸:۶۳

۳۳۹ ایضاً، ۶:۱۲۸تا۱۲۹

۳۴۰ ایضاً، ۶:۱۳۰تا۱۳۱

۳۴۱ ایضاً، ۵۳:۳تا۴

۳۴۲ ایضاً، ۵:۷۷

۳۴۳ ایضاً، ۲۹:۱۲

۳۴۴ ایضاً، ۲۸:۴۹تا۵۰

۳۴۵ ایضاً، ۵:۷۰

۳۴۶ ایضاً، ۵:۴۸

۳۴۷ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص۲۵۹

۳۴۸ ایضاً، ص۵۲۷

۳۴۹ القرآن، ۶:۹۳

۳۵۰ ایضاً، ۴۷:۱۴

۳۵۱ ایضاً، ۷:۱۷۶

۳۵۲ ایضاً، ۱۶:۳۵

۳۵۳ ایضاً، ۱۰:۹۹تا۱۰۰

۳۵۴ ایضاً، ۲:۲۰۱

۳۵۵ ایضاً، ۴:۵۱تا۵۲

۳۵۶ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص۸۳

۳۵۷ تفہیم القرآن بحوالہ بالا، ص۳۵۹، جلد اول

358 Thomas Mounter, "A Dictionary of Philosophy", UK, Blackwell Publishers Ltd, 1996, P-416.

359 H. J. Eyesenck, "Encyclopedia of Psychology", London, Search Press London, 1972, P-293, Vol-3.

۳۶۰ القرآن،۲:۲۵۶تا۲۵۷

۳۶۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۰۷

۳۶۲ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ۱۹۷۰ء، ص۱۹۶، جلد اول

۳۶۳ القرآن،۴:۶۰

۳۶۴ ایضاً،۴:۱۱۹

۳۶۵ ایضاً،۶:۱۲۱

۳۶۶ ایضاً،۲:۱۶۹

۳۶۷ ایضاً،۲۰:۱۲۰

۳۶۸ ایضاً،۵۰:۱۶

۳۶۹ ایضاً،۵۲:۳۲

۳۷۰ ایضاً،۲۱:۳۵

۳۷۱ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ۱۹۷۰ء، ص۱۹۷، جلد اول

۳۷۲ القرآن، ۲۹:۵

۳۷۳ ایضاً،۵۳:۵۲، اور ۶۹:۱۱

۳۷۴ ایضاً،۷۹:۱۷، ۲۰:۴۳

۳۷۵ ایضاً،۷۹:۳۷تا۴۱

۳۷۶ ایضاً،۱۶:۳۶

۳۷۷ ایضاً،۵:۶۰

۳۷۸ ایضاً،۴:۷۶

۳۷۹ ایضاً،۳۹:۱۷تا۱۸

۳۸۰ ایضاً،۳۱:۳۴

۳۸۱ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، لاہور، مکتبہ اشاعت ادب، سن اشاعت درج نہیں، ص ۳۷۸، جلد اول

۳۸۲ القرآن، ۸:۴۸

۳۸۳ تفہیم القرآن، محولہ بالا، ۱۹۷۰ء، ص۱۹۷، جلد اول

۳۸۴ القرآن، ۸:۵۰

۳۸۵ ایضاً،۳۹:۱۶

۳۸۶ ایضاً،۴:۱۱۶

۳۸۷ ایضاً،۳۸:۲۶

۳۸۸ ایضاً،۶:۱۵۳

۳۸۹ ایضاً،۶:۱۵۳تا۱۵۵

۳۹۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۲۱

۳۹۱ ایضاً، ص۳۸۴

۳۹۲ القرآن، ۶:۱۵۴

۳۹۳ ایضاً، ۳:۷۸

۳۹۴ ایضاً، ۶:۱۵۹

۳۹۵ القرآن، ۳:۱۰۵

۳۹۶ ایضاً، ۳:۹۹-۱۰۰

۳۹۷ ایضاً، ۷:۵۹

۳۹۸ ایضاً، ۷۱:۲۳

۳۹۹ ایضاً، ۱۳:۱۱

۴۰۰ ایضاً، ۱۶:۹

۴۰۱ ایضاً، ۷:۸۸

۴۰۲ ایضاً، ۷:۷۱

۴۰۳ ایضاً، ۶:۱۱۴

۴۰۴ ایضاً، ۶:۱۱۶

۴۰۵ ایضاً، ۶:۱۶۱

۴۰۶ ایضاً، ۶:۱۵۳

۴۰۷ ایضاً، ۲:۱۰۹

۴۰۸ ایضاً، ۷:۷۰

۴۰۹ ایضاً، ۱۱:۶۲

۴۱۰ ایضاً، ۱۱:۸۷

۴۱۱ ایضاً، ۲:۲۵۸

۴۱۲ ایضاً، ۲۸:۴

۴۱۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۳۸۳ تا ۳۸۴

۴۱۴ القرآن، ۲۶:۲۳ تا ۲۴

۴۱۵ ایضاً، ۴۳:۵۱

۴۱۶ ایضاً، ۲۸:۳۸

۴۱۷ ایضاً، ۱۰:۹۲

۴۱۸ ایضاً، ۲:۱۰۷

۴۱۹ ایضاً، ۴۳:۸۵ تا ۸۶

۴۲۰ ایضاً، ۲۸:۷۶

۴۲۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۱۰

۴۲۲ القرآن، ۲۸:۷۸

۴۲۳ ایضاً، ۵۹:۲۳

۴۲۴ ایضاً، ۲۸:۷۷

۴۲۵ ایضاً، ۴۰:۸۳

426 Raymond J. Corsini, "Encyclopedia of Philosophy", New York, A Wiley Inter Science Publication, John Wiley & Sons, 1984, P-261, Vol-1.

۴۲۷ القرآن، ۲۸:۸۱تا۸۳

۴۲۸ القرآن، ۳۹:۴۹

۴۲۹ ایضاً، ۱۷:۸۵

۴۳۰ ایضاً، ۲:۲۵۵

۴۳۱ ایضاً، ۳:۱۰۳

۴۳۲ ایضاً، ۹:۱۰۷

۴۳۳ ایضاً، ۹:۱۲۲اور۱۲۳

۴۳۴ ایضاً، ۵:۱۶

۴۳۵ ایضاً، ۲:۲۸۵

۴۳۶ ایضاً، ۴:۱۵۰تا۱۵۱

۴۳۷ ایضاً، ۴:۱۵۲

۴۳۸ ایضاً، ۶:۶۵

۴۳۹ ایضاً، ۶:۱۲۳

۴۴۰ ایضاً، ۳:۷۰

۴۴۱ ایضاً، ۲۱:۴۸

۴۴۲ ایضاً، ۲۵:۱

۴۴۳ ایضاً، ۲۵:۳۰

۴۴۴ ایضاً، ۳۰:۲۲

۴۴۵ ایضاً، ۶:۱۵۹

۴۴۶ ایضاً، ۲۷:۸۴

۴۴۷ ایضاً، ۳۸:۱۰تا۱۱

۴۴۸ ایضاً، ۶:۵۷، ۶:۶۲

۴۴۹ ایضاً، ۲۸:۸۸

۴۵۰ ایضاً، ۳۸:۱۲تا۱۵

۴۵۱ ایضاً، ۱۱:۱۰۹

۴۵۲ ایضاً، ۱۱:۱۱۲

۴۵۳ ایضاً، ۲۲:۷۶

۴۵۴ ایضاً، ۵:۷۲

۴۵۵ ایضاً، ۹:۳۳

۴۵۶ ایضاً، ۳:۸۳تا۸۵

۴۵۷ ایضاً، ۱۵:۹۸تا۹۹

۴۵۸ ایضاً، ۲۲:۷۳تا۷۴

۴۵۹ ایضاً، ۷: ۱۶۰۔

۴۶۰ ایضاً، ۴: ۱۰۵

۴۶۱ ایضاً، ۴۵: ۱۴

۴۶۲ القرآن، ۳۹: ۳۹ تا ۴۰

463 Zafar Afaq Ansari, "Quranic Concepts of Human Psyche", Islamabad, International Institute of Islamic Thought and Institute of Islamic Culture, 1992, P-87.

۴۶۴ القرآن، ۱۳: ۲۶ تا ۲۷

۴۶۵ پروفیسر رخسانہ سلیم، ماہنامہ سائنس ڈائجسٹ، مضمون اوپر کا سایہ، کراچی، ISSN-1019-7540، جنوری وفروری ۱۹۹۳ء، ص ۷۶

۴۶۶ القرآن، ۱۳: ۲۸ تا ۲۹

۴۶۷ حسن کاظمی، روزنامہ جنگ، مضمون موسم میں زبردست تبدیلیاں، کراچی، بتاریخ ۱۴ اپریل ۱۹۹۵ء،

۴۶۸ پروفیسر ڈاکٹر محمد منیر حسین، قرآن اور سائنس، کراچی، خواجہ پرنٹرز، ۱۹۹۳ء، ص ۳۸

۴۶۹ القرآن، ۲۹: ۴۰

۴۷۰ ایضاً، ۳۰: ۴۱

۴۷۱ ایضاً، ۱۰: ۳۹

۴۷۲ ایضاً، ۳۴: ۴۵

۴۷۳ ایضاً، ۳۰: ۳۵ تا ۳۶

474 "Quranic Concepts of Human Psyche", OP-cit, 1992, P-57.

۴۷۵ علی اکبر منصوری، مسلم نفسیات، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص ۱۷۶

۴۷۶ ایضاً، ص ۱۹۰

۴۷۷ ایضاً، ص ۱۳۹

۴۷۸ جنگ اور انسداد جنگ سے ماخوذ ۲۱ ویں صدی میں دنیا کا نقشہ، آخری قسط، تلخیص و ترجمہ شاہد جتوئی، کراچی، روزنامہ جنگ کراچی، بتاریخ ۲۸ اپریل ۱۹۹۵ء

۴۷۹ القرآن، ۴۶: ۴

۴۸۰ ایضاً، ۱۷: ۸۸

۴۸۱ ایضاً، ۲: ۲۳ تا ۲۴

۴۸۲ قرآن اور سائنس، محولہ بالا، ص ۲۶

۴۸۳ القرآن، ۴۱: ۱۵

۴۸۴ مسلم نفسیات، محولہ بالا، ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۶

۴۸۵ القرآن، ۱۳: ۱۵

۴۸۶ ایضاً، ۱۹: ۷۵

۴۸۷ ایضاً، ۹: ۶۷

488 Paul Adward, "The Encyclopedia of Philosophy", New York, The Macmillan Company, The Free Press Ltd, 1967, P-484, Vol-VII.

۴۸۹ پروفیسر محمد منظور علی شیخ، کتاب فلاح، لاہور، مکتبہ سرور اردو بازار، جولائی ۱۹۹۳ء، ص ۳

۴۹۰ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، منہاج القرآن، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ، ۱۹۸۸ء، ص ۱۴

۴۹۱ منہاج القرآن، لاہور، محولہ بالا، ص ۲۷ تا ۲۸

۴۹۲ ایضاً، ص ۱۹ تا ۲۰

493 Dr. M. Ismail, "The Quran and Contemporary Challange", New Delhi, Ajay Verma for Common Wealth Publisher, P-6.

۴۹۴ القرآن، ۴۲:۵۲

۴۹۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۲۸ تا ۵۲۹

۴۹۶ القرآن، ۳:۱۸۴

۴۹۷ ایضاً، ۵:۴۴

۴۹۸ ایضاً، ۵:۴۶

۴۹۹ ایضاً، ۴:۱۷۴، ۴۲:۵۲، ۲۲:۸، ۳۱:۲۰

۵۰۰ ایضاً، ۴۷:۲۴ تا ۲۶

۵۰۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۶۴

۵۰۲ القرآن، ۴:۸۲

۵۰۳ ایضاً، ۱۰:۵۷

504 Sh. Zafar Hussain, "Reconstruction of Islamic Society", Karachi, Feroz Sons Pvt Ltd, 1992, P-21.

505 Ibid, P-21.

۵۰۶ القرآن، ۹:۳۳

۵۰۷ ایضاً، ۴۸:۲۹

۵۰۸ ایضاً، ۱۳:۱۵

۵۰۹ ایضاً، ۶:۵۹

۵۱۰ ایضاً، ۶۹:۳۸ تا ۳۹

۵۱۱ ایضاً، ۸۵:۲۱ تا ۲۲

۵۱۲ ایضاً، ۱۷:۸۸

۵۱۳ ایضاً، ۸:۲۴

۵۱۴ ایضاً، ۶:۱۶۲

۵۱۵ ایضاً، ۶:۱۶۳

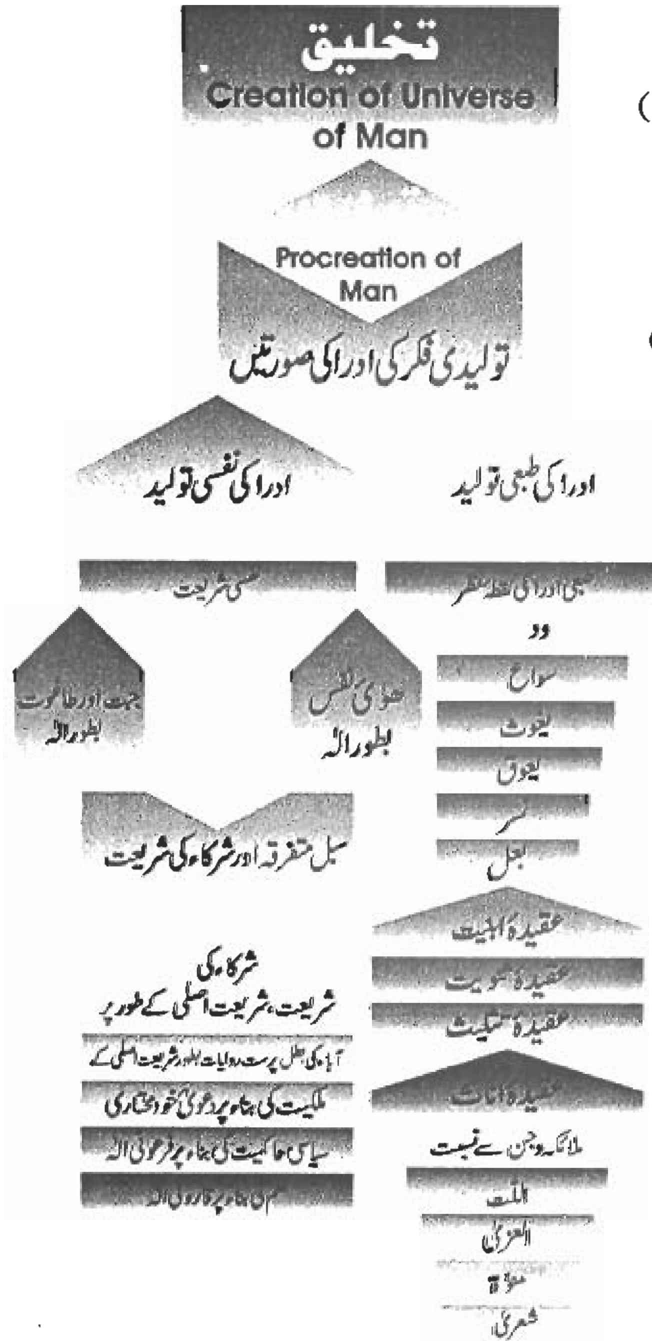
۵۱۶ ایضاً، ۶:۵۴

ضمیمہ جات نمبر۱ برائے باب دوم

• چارٹ نمبر۱

بدیع السموت والارض

اللہ کی سطح پر
(تخلیق انفس و آفاق)

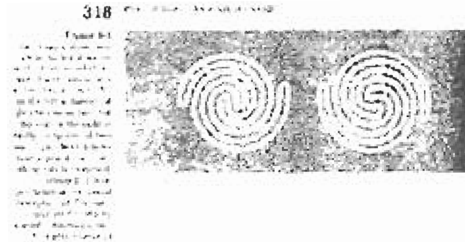


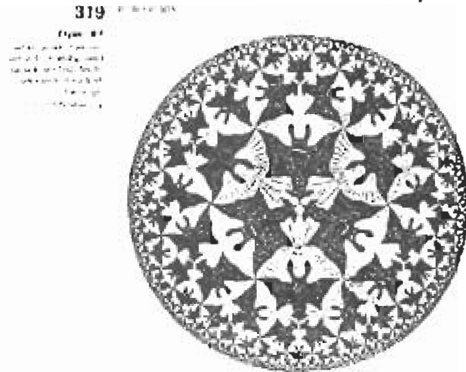
انسانوں کی سطح پر
(تولید نفس و جسم)

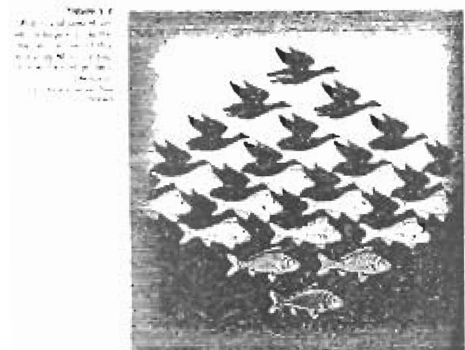
ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب دوم

Fig. 9.3 to 9.6

فیگر نمبرا



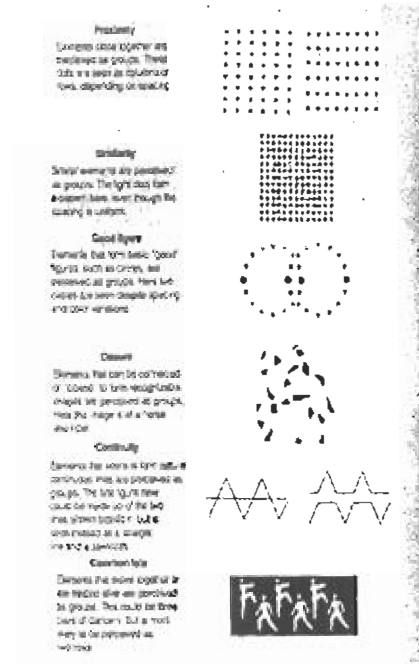


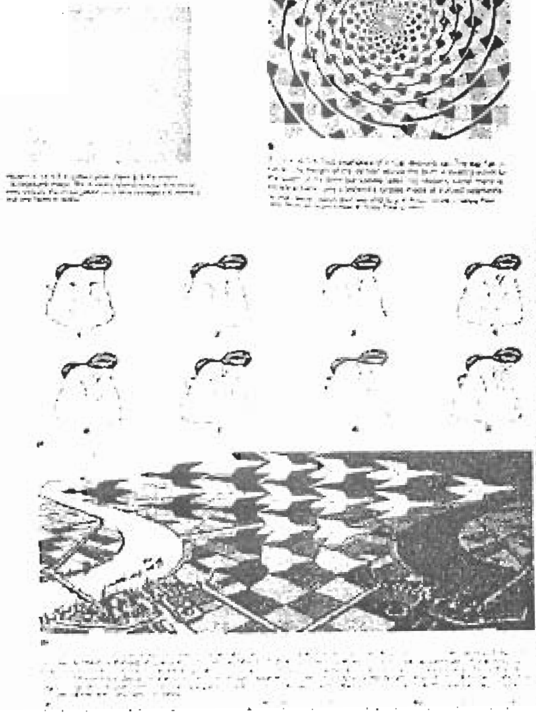




مزید تصاویر:

Fig: 6.2, 6.3, 6.18, 6.20





1) Figure 9.3 to 9.6
Charles G. Morris, Psychology an Introduction, New Jersey, Prentice Hall Inc, 1976, P-318, 319.
Other Figures 6.2, 6.3, 6.18, 6.20
John. C. Ruch, Psychology The Personal Science Belmont, California, Wadsworth Publishing Company, 1984, P-178, 179, 194, 196.

باب سوم

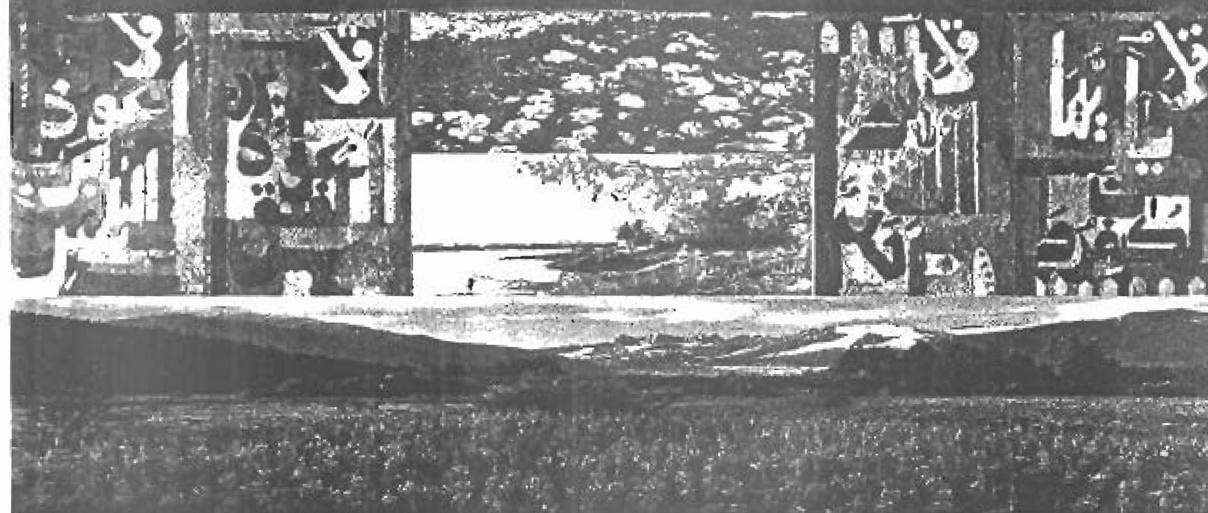
Chapter 3

ماورائے کائنات مشیت الٰہی کی کارفرمائیاں

The Will Of Allah Beyond The Universe In Action







باب سوم

ماورائے کائنات مشیئت الٰہی کی کارفرمائیاں

The Will of Allah Beyond the Universe in Action

دنیا کی ہر شئے Cause and Effect کے سلسلے میں بندھی نظر آتی ہے۔ لیکن اس کے ماوراء کیا ہے؟ یہ وہ مقام ہے جہاں ہمیں کائنات کے سلسلۂ آغاز کے لئے کسی ہستی کی مرضی و خود مختاری کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ ماورائی ہستی اتنی کل مختار اور خود کفیل ہے کہ اس نے اس کائنات میں ایسے قاعدے اور قوانین بنائے ہوئے ہیں جو ہمارے حیطۂ ادراک سے ماوراء ہیں۔ Cause سے پہلے کونسا قانون لاگو ہوتا ہے؟ اس کی ہمیں قطعاً کوئی خبر نہیں۔ لیکن اس ماورائی ہستی کو علم ہے کہ اسے کام کیسے، کیونکر انجام دینا چاہئے۔ اسی قاعدے و قانون کے سلسلے کو مشیئت الٰہی کہتے ہیں۔ یعنی Will of Allah as a Complete, successive and rational order. ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ویفعل اللّٰہ مایشآءُ ؏ (۰۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

مگر ہمیں اس کی مشیئت کی وسعت کا علم نہیں۔

المشیٔت شی ی' المشیٔۃ فی الاصل ایجاد الشی واصابتہ وان کان یستعمل فی التعارف موضع الارادۃ فالمشیٔۃ من اللّٰہ تعالیٰ ھی الایجاد من النّاس ھی الاصابۃ(۰۲)

اردو مفہوم: مشیئت کے اصل معنی کسی شئے کی ایجاد یا کسی چیز کو پالینے کے ہیں۔ اگرچہ عرف میں مشیئت ارادہ کی جگہ استعمال ہوتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے معنی اشیاء یا مخلوق کو موجود کرنے کے ہیں۔ اور لوگوں کی مشیت کے معنی کسی چیز کو پالینا کے ہیں۔

اس تصریح سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے جبکہ مشیئت انسانی مشیئت الٰہی کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما تشآؤن الآّ ان یّشآء اللّٰہ ربّ العٰلمین ؏ (۰۳)

ترجمہ: اور تم کچھ بھی نہیں چاہتے مگر وہی جو اللہ چاہے۔

تاہم اس کے یہاں قاعدے اور قانون کے مطابق کام ہوتا ہے مگر مخلوق کا یہ مقام نہیں کہ یہ سلسلۂ آغاز و انجام کیوں؟ ارشاد ربّ العزت ہوتا ہے کہ:۔

لایسئل مما یفعل وھم یسئلون ○ (۰۴)

ترجمہ:۔ اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا جو وہ کرتا ہے۔ مگر ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہے کہ خالق کومخلوق پرحق مسئولیت حاصل ہے۔لیکن یاد رہے کہ اللہ کی مشیئت خواہ مخواہ نہیں۔ بلکہ یہ ہر شئے ،قول حق ،ارادہ، فیصلہ، امر،خلق اورحق کے ساتھ وابستہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ کی کائنات میں نظم ہے، ترتیب ہے، مقصدیت ہے، تعمیر ہے یعنی کہ اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں۔

فصل اوّل

(۱) مشیئت اور اشیائے کائنات

مشیئت اور شئے میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ یہ کہ دونوں کی Root ایک ہی ہے مگر ان کے معنی میں ایک باطنی فرق موجود ہے جسے مفردات القرآن میں امام راغب نے اس طرح بیان کیا ہے۔

الشیء ،ش ی ' الشیئ قیل ھو الذی یصح ان یعلم ویخبرعنه وعند کثیر من المتکلمین ھو اسم مشترک المعنی اذاستعمل فی اللّٰہ و فی غیرہ ویقع علی الموجود والمعدوم وعندبعضھم الشئ عبارۃ عن الموجود و اصله مصدر شاء واذا وصف به تعالیٰ فمعناہ شاء واذاوصف بہ غیرہ فمعناہ المشئ(۵ ۰)

اردومفہوم: الشیٔ ،ش ی ء،بعض کے نزدیک شئے وہ ہوتی ہے جس کا علم ہوسکے اور اس کے متعلق خبردی جاسکے اور اکثر متکلمین کے نزدیک یہ اسم مشترک ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے ماسوا پر بھی بولا جاتا ہے اور موجودات ومعدومات سب کو شئے کہہ دیتے ہیں ۔بعض نے کہا کہ شئے صرف موجود کو کہتے ہیں یہ اصل میں شاء کا حصہ ہے جب اللہ تعالیٰ کے لئے شئے کا لفظ استعمال ہوتو یہ بمعنی شاءیعنی اسم فاعل کے ہوتا ہے اور غیر اللہ پر بولا جاتا ہے تو مشئ یعنی اسم منعول کے معنی میں آتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اپنی قلیل علمی اور محدود عقلی کے باعث مشیئت کی ماہیت جاننے سے قاصر ہیں۔تاہم تمام اشیاء اسی مشیئت سے وابستہ ہیں جنہیں ہم شمار بھی نہیں کرسکتے۔ارشاد ربانی ہے:۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَانُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ○(۰۶)

ترجمہ:۔ اور کوئی شئے بھی ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں اور ہم اس کو ایک جچی تلی مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں۔

درج بالا آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ ہر شئے میں تناسب کا پایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ ہر شئے کا تعلق مشیئت سے ہے۔یہ اس لئے کہ اللہ کے یہاں ہر شئے کا ایک پیمانہ مقرر ہے:

قد جعل اللّٰہ لکلّ شئی قدراً (۰۷)

ترجمہ:۔ اللہ نے ہر شئے کے لئے ایک پیمانہ مقرر کررکھا ہے۔

یعنی حد اعتدال میں رہنے والوں کے لئے ایک پیمانہ، اور حد سے گزرنے والوں کے لئے خواہ وہ افراط کا

شکار ہوں یا تفریط کا ایک پیمانہ مقرر ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ :

لکلّ اجلٍ کتاب ○ یمحوا اللّٰہ ما یشآء ویثبّت ۚ وعندہٗ امّ الکتب ○ (۰۸)

ترجمہ :۔ ہر وقت مقررہ کے لئے ایک تحریری نوشتہ ہے اللہ جسے چاہتا ہے بتا دیتا ہے ۔ اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے ۔

آیت مذکورہ سے پتہ چلا کہ اللہ ہر لمحے ہر گھڑی ایک نئی شان میں ہے ۔ اور اللہ کا قانون محو اور قانون ثابت دونوں لاگو ہیں ۔ دونوں اپنا اپنا کام انجام دینے میں لگے ہوئے ہیں ۔ ہر لحہ میں ہونے والی تبدیلی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی طاقت ہے جو ہمیں مسلسل موت وحیات سے دو چار کر رہی ہے ایک تو جسم کو محو کر رہی ہے تو دوسرے جانب جسم کو مسلسل ثابت بناتی جارہی ہے ۔ ارشاد ربانی ہے کہ :۔

اولم یروا انّا نأتی الارض ننقصہا من اطرافہا ۭ واللّٰہ یحکم لا معقّب لحکمہٖ ۭ وھو سریع الحساب ○ (۰۹)

ترجمہ :۔ اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے رہتے ہیں ؟ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ۔

(i) مشیئت الٰہی اور نفس انسانی :۔

الغرض یہ چار سو پھیلی ہوئی کائنات اس منشاء یزدی کا منہ بولتا شاہکار ہے ۔ اور یہ عظیم اس لئے ہے کہ جو کوئی بھی کبر کرے وہ اس کی عظمت کے آگے عاجز ہو جائے ۔ ان قارون ونمرود وفرعون کے بطلان کے لئے تو کائنات کا ایک ذرہ کافی ہے ۔ کیونکہ کائنات کی کوئی شئے خود اپنی خالق نہیں بلکہ خلق کردہ ہے اور اس لئے بھی کہ کوئی آنکھ تخلیق کی شاہد نہیں ۔ ارشاد ربانی ہے کہ :۔

والّذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئًا وّھم یخلقون ○ ۭ (۱۰)

ترجمہ :۔ اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ۔ انہوں نے کچھ خلق نہیں کیا بلکہ وہ خود خلق کئے گئے ہیں ۔

(ii) بطلان کرنے والوں کی نفسیاتی بیماری :۔

دراصل بطلان کرنے والے کبر جیسی نفسیاتی بیماری کا شکار ہوتے ہیں ۔ یہ نور سے منہمک ہونے کے بجائے نار سے منہمک ہوتے ہیں اسی لئے سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا کہ :۔

اموات غیر احیآءٍ ۚ وما یشعرون ۙ ایّان یبعثون ○ۧ الٰھکم الٰہ وّاحد ۚ فالّذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ قلوبھم مّنکرۃ وّھم مّستکبرون ○ لاجرم انّ اللّٰہ یعلم ما یسرّون وما یعلنون ۭ انّہٗ لا یحبّ المستکبرین ○ (۱۱)

ترجمہ :۔ وہ تو مردے ہیں بغیر زندگی کے اور وہ نہیں جانتے کہ کس وقت اٹھائے جائیں گے تمہارا معبود معبود واحد

ہے۔مگر وہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ متکبر ہیں۔ بلا شبہ اللہ جانتا ہے اس کو جو وہ چھپاتے ہیں۔اور اس کو بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ بے شک وہ متکبروں کو پسند نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ تکبر غفلت نفس پر دلیل اور کفر کی جڑ ہے۔غفلت کا سب سے بڑا سبب علم الٰہی سے دوری ہے۔ دراصل یہ لوگ اس گمان میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ درست ہے، گناہ نہیں، شرک نہیں، تکبر نہیں ہے۔اس کا اندازہ درج ذیل آیت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:۔

الّذین تتوفّٰهم الملٰئکة ظالمیٓ انفسهمؕ فالقوا السّلم ما کنّا نعمل من سوٓءٍؕ بلیٰ انّ اللّٰه علیمٌ بما کنتم تعملون ○ فادخلوآ ابواب جهنّم خٰلدین فیهاؕ فلبئس مثوی المتکبّرین ○ (۱۲)

ترجمہ:۔ وہ جنہیں ملائکہ اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے ہوں پر وہ اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے، گزارش کریں گے کہ ہم تو برائی نہیں کرتے تھے۔ یقیناً اللہ خوب جانتا ہے۔ جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ پس جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ آہ۔تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ منکرین حق نہ صرف بے شعوری کی زندگی گزاریں گے بلکہ بے شعوری کی حالت میں ہی مریں گے۔ اور یہی بے شعوری انہیں جہنم میں لے جانے کا سبب بھی بنے گی۔ جبکہ متقین کی موت کے بارے میں قرآن کچھ یوں گویا ہے کہ:۔

الّذین تتوفّٰهم الملٰئکة طیّبینۙ یقولون سلٰم علیکمُۙ ادخلوا الجنّة بما کنتم تعملون ○ (۱۳)

ترجمہ:۔ وہ جن کو فرشتے اس حال میں وفات دیں گے کہ وہ پاک و پاکیزہ رہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ بسبب اس کے جو تم کیا کرتے تھے۔

اللہ رب العزت نے اپنی مشیئت کا اظہار رسول پر وحی نازل فرما کر کر دیا ہے۔ اب وہی علم حجت Authority ہے۔اس لئے بزبان رسول کہلوا دیا:

قل ایّ شیءٍ اکبر شهادةًؕ قل اللّٰهُ شهیدٌۢ بینی و بینکمۛ و اوحی الیّ هٰذا القران لانذرکم به و منۢ بلغؕ ائنّکم لتشهدون انّ مع اللّٰه اٰلهةً اخریٰؕ قل لّآ اشهدُۚ قل انّما هو الٰهٌ وّاحدٌ وّ انّنی بریٓءٌ مّمّا تشرکون ○ (۱۴)

ترجمہ:۔ کہہ دے کونسی چیز سب سے بڑی شہادت ہے۔ کہہ دے میرے اور تمہارے درمیان اللہ شاہد ہے اور اس نے یہ قرآن مجھ پر وحی کیا تاکہ میں تمہیں اور ان کو جن تک وہ پہنچے اس سے متنبہ کر دوں کیا تم واقعی یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے کہہ دے میں گواہی نہیں دیتا کہہ دے اس میں شک نہیں کہ وہی معبود واحد ہے اور میں اس شرک سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

نبی اللہ کے نازل کردہ کو جیسا ہے اسی بنیاد پر یعنی As it is لوگوں تک پہنچایا ہے وہ اس میں اپنے خود ساختہ

نظریات Self Views پیش نہیں کرتا۔ اس میں ملاوٹ نہیں کرتا۔ اسی لئے وہ اس بات کا اعلان فرما رہا ہے کہ میں نے تو اصل کو اصل صورت میں پیش کر دیا اور اس پر اللہ کی ذات گواہ ہے لیکن اگر کوئی بعد وفات نبی ﷺ اس میں کوئی نفسی شریعت شامل کر دے۔ کلام نہیں بلکہ تاویل کی صورت میں تو اس فعل حرام کے مرتکب صرف وہی لوگ ہوں گے جو اسے پیش کریں گے نبی کی ذات اس فعل حرام سے بری الذمہ ہے۔ (۱۵) اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم وحی اور غیر وحی کے فرق کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ لیکن وہ لوگ جو ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے مختلف طریقہ کار وضع کرتے ہیں۔ وہ دین کو، اللہ کی کتاب کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں۔ مگر ہمیشگی کے خواب کی تعبیر کے لئے شیطان کے سکھائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ زمانے میں وہ نہ رہیں مگر ان کا نام زندہ رہے۔ ان کے فلسفہ کا ڈنکا بجتا رہے۔ قرآن ایسے منکرین کے بارے میں کہتا ہے کہ:

الّذین اٰتینٰھم الکتٰب یعرفونہٗ کما یعرفون ابنآئھمْ الّذین خسروآ انفسھم فھم لا یؤمنون ۝ (۱۶)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب عطا کی وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈالا وہ ایمان لانے والے نہیں۔

فلمّا جآءَ ھم مّا عرفوا کفروا بہٖ فلعنۃ اللّٰہ علی الکٰفرین ۝ بئسما اشتروا بہٖ انفسھم (۱۷)

ترجمہ:۔ پس جب وہ ان کے پاس آ گیا جس کو وہ پہچانتے تھے۔ تو انہوں نے انکار کیا پس انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ کیا ہی بری شے تھی۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچ ڈالا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے نفوس کو کس طرح بیچا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب مشیت الٰہی کی جگہ نفسی شریعت لے لے تو پھر اسی کو نفسوں کا بیچنا اور نفسوں کا خسارہ کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

فاصا بھم سیّاٰت ماعملوا وحاق بھم مّا کانوا بہٖ یستھزءُون ۝ (۱۸)

ترجمہ:۔ پس ان کے اعمال کی خرابی ان پر وارد ہوئی اور جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر مسلط ہوئی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول پر جو بات نازل ہوئی تھی۔ وہ ان کے نفوس کے عین مطابق نہ تھی۔ ان کی اس کیفیت شرک کا پردہ کچھ اس طرح سے قرآن نے چاک کیا ہے کہ:

افکلّما جآءَکم رسول بمالا تھوآی انفسکم استکبرتم ففریقاً کذّبتمْ و فریقاً تقتلون ۝ وقالو اقلوبنا غلفٌ بل لّعنھم اللّٰہ یکفرھم فقلیلاً مّا یؤمنون ۝ (۱۹)

ترجمہ:۔ کیا جب کبھی تمہارے پاس رسول اس بات کے ساتھ آئے جو تمہارے نفسوں کی خواہش کے مطابق نہ تھی تو تم نے تکبر کیا بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا۔ اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں بلکہ اللہ نے ان پر ان کے کفر کے سبب لعنت کی پس بہت کم ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

یہ حرکات آج بھی جاری وساری ہیں۔ قرآن نے موجودہ دور کی عکاسی بھی خوب کی ہے۔ آج بھی انسانوں

کی اکثریت اس فریب میں مبتلا ہو کر زندگی گزار رہی ہے مگر علم الٰہی کی جگہ خواہش Desire کو بنیاد بنا کر قیاس کو ترجیح دیتی ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ:

ومنھم امّیّون لا یعلمون الکتٰب الاّ امانیّ و ان ھم الاّ یظنّون ○ فویل للّذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثمّ یقولون ھٰذا من عند اللّٰہ لیشتروا بہ ثمناً قلیلاً فویل لّھم ممّا کتبت ایدیھم و ویل لّھم ممّا یکسبون ○ (۲۰)

ترجمہ:۔ اور امیوں میں سے ایسے بھی ہیں جو کتاب کو صرف اپنی خواہشات کے مطابق ہی جانتے ہیں۔ اور وہ تو صرف قیاس آرائیاں ہی کرتے ہیں۔ پس صد افسوس ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اسے تھوڑی قیمت پر بیچ دیں پس خرابی ہے ان کے لئے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ان پر حیف ہے اس کے لئے جو کچھ کہ انہوں نے کمایا۔

آج مسلمانوں کا یہی طرز عمل ہے کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزار رہے بلکہ ان کا نفس اگر کسی نظام کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو اس کو Follow کرنے کے لئے دوڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں حطّۃ (۲۱) کہنا ہے وہاں حنطۃ، حنطۃ کی آوازیں آرہی ہیں۔ اور اگر ان کا نفس کسی شخص کی طرف مائل ہو جاتا ہے بجائے رسول کے۔ تو پھر یہ اسی کی بات کو سنتے ہیں۔ اور اللہ کی بات بتائی جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے۔ و سمعنا و عصینا (۲۲)

اور جب کتاب الٰہی کو Follow کرنے کی بات کی جاتی ہے تو اسے بہت سارے کپڑوں میں لپیٹ کر اونچی جگہ رکھ دیا جاتا ہے کہ نہ وہ سامنے رہے نہ کھلے اور نہ ہی نظر پہنچے کہ دل چاہے اور نہ ہی نیچے ہو کہ ہر ایک کے ہاتھ لگ سکے۔ کتاب الٰہی کی اسی دوری نے آج دنیا کے لاتعداد انسانوں کے ہاتوں میں وہ کتابیں پہنچا دیں۔ جو کہ فرقان کا درجہ نہیں رکھتیں۔ افسوس کہ جو فرقان ہے جس کی ہمیں اشد ضرورت ہے، اس کا ذکر صرف زبانی ہوتا ہے۔ اس کے مطابق Practice نہیں ماسوائے چیدہ چیدہ لوگوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ذکر ہی دنیا و آخرت دونوں میں اطمینان کا باعث ہے۔ باقی تمام فلسفے اپنی عبرت انگیزیوں، اپنی ہلاکتوں کے سبب عدم اطمینان کا موجب بنے ہوئے ہیں۔ مگر کیا کیجئے ایسے انسانوں کا جو کہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں لہٰذا ہم ہی جنت کے حقدار ہیں:۔

وقالوا لن تمسّنا النّار الاّ ایّاماً مّعدودۃً قل اتّخذتم عند اللّٰہ عھداً فلن یّخلف اللّٰہ عھدہٗ، ام تقولون علی اللّٰہ مالا تعلمون ○ بلٰی من کسب سیّئۃً وّاحاطت بہٖ خطیٓئتہٗ، ○ (۲۳)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں ہمیں آگ مس نہیں کرے گی مگر گنتی کے چند ایام کہہ دے کیا تم نے اللہ سے عہد لے لیا ہے اور اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کی نسبت وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے پس جس کسی نے برائی کمائی اور اس کی خطاؤں نے اس کا احاطہ کر لیا۔

خطاؤں سے احاطہ کرنے سے مراد یہی ہے کہ جو کوئی حد سے بڑھے گا اس کے لئے پھر اس کے مطابق ایک پیمانہ مقرر ہے۔ ہر شے، ہر بات اللہ کے قول سے بندھی ہوئی ہے مثلاً (۲۴) Clone Man بننے کی خواہش ہی کو لیں تو ذہن

پکار اٹھتا ہے کہ اگر ہر کوئی ایک جیسا ہوگا تو پھر مجرم کی شناخت کیسے ہوگی؟ کیا انسان کی ہمیشہ زندہ رہنے کی خواہش اس کی ضرورت Need نہیں بن جائے گی؟ کیا اس کی بداعمالیاں طول نہیں پکڑ لیں گیں؟ کیا یہ ایک ذہم پر عذاب کی صورت میں مسلط نہ ہوگی اس لئے ہمیں اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہئے کہ:۔

☆ ایک مرضی پہلے سے مسلط ہے۔

☆ ایک قانون پہلے سے قائم ہے ہمیں اس قانون کے ماتحت رہنا ہے۔

☆ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ قانون مکمل ہے کیونکہ آغاز انجام سے مشروط ہے۔

☆ اور مشروط بات مقصدیت کی امین ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم کسی شے کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ہم کائنات کا احاطہ کریں ہماری ازان تخلیقی اعتبار سے اس قدر نہیں۔ یہ تو فقط رب العزت ہی ہے جو کہ نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس کارخانۂ قدرت کو چلا رہا ہے۔

(۲) مشیئت اور قول کی کارفرمائیاں

انّما قو لنا لشیءٍ اِذآ اردنٰه ان نّقول لهٗ کن فیکونo (۲۵)

ترجمہ:۔ بے شک ہمارا قول تو کسی شے کے لئے ایسا ہی ہے کہ جب ہم اس کے لئے ارادہ کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ''ہو جا'' ''پس وہ'' ہو جاتی ہے۔''

قول کے معنی:۔

القول و القیل، والقول یستعمل علی اوجه اظهرها ان یکون للمرکب من الحروف المبرز بالنطق مفرداً کان اؤجملة مفرداً، وقد یستعمل الجز الواحد من الانواع الثلاثة اعنی الاسم والفعل والادا ة قولا کماقد تسمی القصیدة والخطبة و نحوهما، قولا الثانی یقال للمتصور فی النفس قبل الابراز باللفظ قول فیقال فی نفسی قول لم اظهره، قولا الثالث للاعتقاد نحو فلان یقول بقول ابی حنیفة الرابع یقال للدلالة علی الشی. (۲۶)

اردو مفہوم:۔ قول اور قیل کے معنی بات کے ہیں قول کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ عام طور پر حروف کے اس مجموعہ پر قول کا لفظ بولا جاتا ہے جو بذریعہ نطق کے زبان سے ظاہر ہوں خواہ وہ الفاظ مفرد ہوں یا جملہ کی صورت میں مفرد، کبھی انواع ثلاثہ اسم فعل اور حرف میں ہر ایک کو قول کہا جاتا ہے جس طرح کہ قصیدہ اور خطبہ وغیرہ کو قول کہہ دیتے ہیں۔ دوم جو بات ابھی ذہن میں ہو اور زباں تک نہ لائی گئی ہو تو اسے بھی قول کہتے ہیں یعنی دل میں خیال کرنے کو قول سے تعبیر کیا ہے۔ سوم رائے خیال، عقیدہ پر بھی قول کا لفظ بولا جاتا ہے کہ فلاں ابوحنیفہ کی رائے کا قائل ہے۔ چہارم کسی شئے پر دلالت کرنے کو قول سے تعبیر کر لیتے ہیں۔

بہرحال قول کے بنیادی معنی حرکت پیہم اور تگ و دو کے ہیں اور اللہ کے ارادے درحقیقت اس کے وہ نتیجے ہیں جو عالم امر سے اس کے قوانین مشیئت کے مطابق سرزد ہوتے ہیں اور جن کے مطابق کائنات سرگرم عمل ہے چنانچہ اگر اس سلسلے کو اس طرح پیش کیا جائے تو مفہوم زیادہ سہل ہو جاتا ہے کہ ۔۔

شئے وابستہ ہے قول سے اور قول وابستہ ہے ارادہ سے، ارادہ وابستہ ہے کن سے اور کن وابستہ ہے فیکون سے ۔ الغرض ایسا مکمل نظام ہے کہ جس میں خیال حقیقت کی صورت میں نافذ ہو کر تخلیقی نتیجہ خیزی کے مرحلے سے گزر کر ہی اپنی تمامیت کو پہنچتا ہے ۔ یوں وہ حق بن جاتا ہے ۔

(i) قول الٰہی کی نوعیت :۔

اللہ کے قول کی نوعیت کا یہ عالم ہے کہ وہ Abstract Truth ہوتا ہے ۔ یعنی مجرد حق ۔ خود رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

وعد اللّٰہ حقًّا ؕ و من اصدق من اللّٰہ قیلاً ○ لیس بامانیکم و لآ امانیّ اھل الکتٰب ؕ من یّعمل سوٓءًا یّجزبہٖ ۙ و لا یجدلہٗ من دون اللّٰہ ولیًّا وّلانصیرا○(۲۷)

ترجمہ:۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ قول کا سچا کون ہوسکتا ہے ۔ نہ تو تمہاری آرزوؤں کے مطابق اور نہ ہی اہل کتاب کی امیدوں کے مطابق ہوگا ۔ جو کوئی بھی بدعمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائے گا ۔

(ii) قول اور مشیئت :۔

ہر قول وابستہ ہے مشیئت سے ۔ اپنے قول میں اللہ کسی کو شریک نہیں کرتا ۔ کسی کی خواہش کا اس کے قول میں کوئی دخل نہیں ۔ بلکہ اللہ کا قول ''اصل مشیئت'' پر مبنی ہے اور قول کے سلسلے میں اس کی مشیئت یہ ہے کہ وہ قول جو کسی نفس کی خواہش یا اہل کتاب کی خواہش کا مظہر نہیں ہے تو جو کوئی بھی ایسے قول کو Follow کرے گا وہی سرخرو ہوگا ۔ اور جو کوئی اس کے Against جائے گا وہ دونوں جگہ اپنی گمراہی کے سبب نقصان اٹھائے گا ۔ ارشاد رب العزت ہے کہ :۔

یثبّت اللّٰہ الّذین اٰمنوا بالقول الثّابت فی الحیٰوۃ الدّنیا و فی الاٰخرۃ ۚ و یضلّ اللّٰہ الظّٰلمین ۙ ویفعل اللّٰہ مایشآء ○ ؑ (۲۸)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کو حیات دنیا و آخرت میں قول ثابت سے ثابت قدم بناتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے ۔

(iii) قول کی وسعت :۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول کی وسعت و ممکنات کا عالم یہ ہے کہ :۔

وھو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ؕ و یوم یقول کن فیکون ؕ قولہ الحقّ ؕ و لہ الملک یوم

ینفخ فی الصّورؕ عٰلم الغیب والشّھادۃؕ وھو الحکیم الخبیر ○ (۲۹)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا ہے اور جس دن وہ کہتا ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے اس کا قول سچا ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا۔ اس کی حکومت ہوگی وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے اور وہ صاحب حکمت خبردار ہے۔

(iv) الغیب والشھادۃ:۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہی علم الغیب والشھادۃ ہے اور اپنے قول کے تحت باخبر ہے۔ یعنی قول کے ساتھ ہی خبرداری کے لئے ایک نگرانی کرنے والا انظام جاری وساری ہے جو کہ نتیجہ مرتب کرتا ہے۔ اسی لئے وہ ہر نفس Phyche کی کمائی پر نگراں ہے۔ وہ جانتا ہے جو مخلوق کے باطن میں ہے وہ فرماتا ہے کہ:۔

افمن ھو قآئم علٰی کلّ نفسٍ بما کسبتؕ وجعلو اللّٰہِ شرکآءؕ قل سمّوھمؕ ام تنبّؤنہٗ بما لا یعلم فی الارض ام بظاھرٍ مّن القولؕ بل زیّن للّذین کفر وامکرھم وصدّوا عن السّبیلؕ و من یّضلل اللّٰہ فمالہٗ من ھادٍ ○ (۳۰)

ترجمہ:۔ کیا وہ جو ہر نفس کی کمائی پر نگراں ہے وہ لوگ اللہ کے شریک ٹھہرائیں؟ کہہ دے کہ ان کے نام تو بتلاؤ یا کیا تم اسے وہ چیز بتلاتے ہو۔ جسے وہ زمین میں نہیں جانتا۔ یا یہ نمائشی باتیں ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ کافروں کی نظر میں ان کی چالیں زینت دی گئی ہیں اور وہ راہ راست سے روکے گئے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لئے کوئی ہادی نہیں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ ہی نہ چاہے تو پھر بندہ کیا کرے؟ یا پھر کیا زمانے میں جتنی برائیاں ہو رہی ہیں۔ ان میں اللہ کی مرضی کا دخل ہے اللہ ہی نہیں چاہتا کہ سارے کام درست ہوں۔ یا اللہ ہی قاتل بناتا ہے (نعوذ باللہ) اللہ ہی فحاشی و برائی میں مبتلا کرتا ہے اور اللہ ہی بد دیانت بناتا ہے:۔

ہرگز ایسا نہیں! ہرگز ہرگز اللہ کا مذکورہ بالا مقصود نہیں مگر!!! بات ہے اصول کی۔

(v) اصول الٰہی اور قول:۔

اللہ اس کو ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کا خواہاں ہوں۔ ہر نفس کو راہ راست پر لانا کر اللہ کے لئے قطعا مشکل کام نہیں۔لیکن بات ہے اصول کی اس سلسلے میں فرمان ربی ہوتا ہے:

ولو شئنا لاٰتینا کلّ نفسٍ ھدٰھا ولکن حقّ القول منّی لا ملئنّ جھنّم من الجنّۃ والنّاس اجمعین ○ فذوقو ابما نسیتم لقآءِ یومکم ھٰذاؕ انّا نسینٰکم. (۳۱)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو راہ راست پر لے آتے لیکن میرا وعدہ سچا ہو کر رہے گا کہ میں ضرور جہنم کو سب جن وانس سے بھر دوں گا۔ پس مزا چکھو بسبب اس کے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا تحقیق ہم نے

بھی تمہیں بھلا دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے قول یہ ہے کہ جیسی کرنی ویسی بھرنی جو بوئے گا سو کاٹے گا۔

(vi) قول کی نزاکت:۔

قول کی نزاکت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ:۔

قٰل ربّی یعلم القول فی السّمآء والارضؕ وھو السّمیع العلیم ○ (۳۲)

ترجمہ:۔ کہا میرا رب ہر اس بات کی جو آسمان اور زمین میں کہی جاتی ہے۔ جانتا ہے اور وہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

لہٗ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثّرٰی○ وان تجھر بالقول فانّہٗ یعلم السّرّ واخفٰی ○ اللہ لا الٰہ الّا ھوؕ لہ الاسمآء الحسنٰی ○ (۳۳)

ترجمہ:۔ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور جو کچھ بھی زمین میں ہے اور جو کچھ بھی ان دونوں کے مابین ہے اور جو کچھ بھی تحت الثریٰ میں ہے اسی کا ہے اور اگر تو کوئی بات بلند آواز میں کہے بلکہ وہ تو ہر راز اور اس سے بھی مخفی تر بات کو جانتا ہے۔ اللہ ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے اسمآء الحسنٰی اسی کے لئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسماء الحسنٰی فقط نام نہیں ہیں بلکہ ہر نام اپنی جگہ ایک عظیم نظام فطرت ہے مگر ہمیں اس کی شاید خبر نہیں حقیقت میں یہ کائنات ان ہی صفات کی مظہر ہے اس لئے اس کی نزاکت کے بارے میں رسولؐ سے Indirectly کہلوا دیا کہ:۔

قٰل یٰقوم اعملو اعلٰی مکانتکم انّی عاملٌۚ فسوف تعلمون ۙ○ من یّاتیہ عذاب یخزیہ ویحلّ علیہ عذابٌ مّقیم ○ (۳۴)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں پس جلد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ شخص کون ہے جس پر اسے ذلیل کرنے والا عذاب آیا ہی چاہتا ہے اور اس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔

دراصل یہ مکافات عمل ہی اس Sensitive System پر مہر ثبت کرتا ہے اور ہر انسان کے لئے بین ثبوت بھی ہے۔

(vii) اللہ کا قول قولِ حیرت:۔

اللہ کا قول ہی قول حیرت ہے کسی فرد کا قول، قولِ حیرت نہیں بن سکتا۔ یہ کھلا چیلنج ہے ہر فرد کے لئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد کا علم دنیا کے لئے حیرت کا باعث نہیں بن سکتا کیونکہ وہ جس بات کی تہہ تک پہنچا ہے وہ Discovery کہلائے گی Creation نہیں۔ اسی لئے رب العزت نے اس کی برائیوں کا تذکرہ کیا اور اللہ کی خوشنودی

کے طالب گاروں پر اپنی مہربانی اور اجر کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ:۔

ومن النّاس من یّعجبک قولہٗ فی الحیٰوۃ الدّنیا و یشھد اللّٰہ علیٰ مافی قلبہٖ وھو الدّالخصام ○ واذاتولّٰی سعٰی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنسل والله لا یحبّ الفساد ○ واذا قیل لہ اتّق اللّٰہ اخذتہ العزّۃ بالاثم فحسبہٗ جھنّم ولبئس المھاد ○ ومن النّاس من یّشری نفسہ ابتغآء مرضات اللّٰہ (۳۵)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی دنیاوی زندگی کی گفتگو تمہیں حیرت میں ڈال دے اور وہ اس پر جو اس کے دل میں ہے اللہ کو شاہد بناتا ہے۔ حالانکہ وہ بدترین دشمن ہے اور جب وہ حکم بنا دیا جائے گا تو کوشش کرے گا کہ زمین میں فساد کرے، اور کھیتی کو اور نسل کو تباہ کرے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو حمیت اس کے دامن گیر ہو کر اسے گناہ پر ابھارتی ہے۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے پس وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے!!! اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کی خوشنودی کے لئے بیچ دیا ہے۔

درج بالا آیات سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ غیر اللہ کا قول چہار جانب سے برے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اول یہ کہ زمین کا امن قول کی نظر ہو جائے گا۔ اس قدر فساد برپا ہوگا کہ لوگ امن کو ترسیں گے۔ یقینا جب ذہن کی زمین بنجر ہو جائے تو پھر تو آسمان و زمین میں فساد برپا ہوتا ہی ہے۔ اور دوم یہ کہ پیداواری عمل متاثر ہوگا۔ زمین کا فساد بنیاد بنتا ہے۔ پیداواری عمل کی۔ جب نفسی تولیدی کام کو تخلیقی کام میں بدلنے کی کوشش کی جائے گی۔ تو ایسا تو ہوگا۔ خواہ اس کا نام حیاتیاتی کیمیائی جنگ Ecological War ہو یا پھر کلون ازم Clonionism موجودہ دور کی صورت حال اس جنگ کے آغاز کا ثبوت ہے۔ اور سوم بات یہ کہ نسل کو تباہ کرے۔ مطلب یہ کہ غیر اللہ کا قول نسل کے لئے اخلاقی بگاڑ کا پیش خیمہ بنتا ہے۔ یاد رہے کہ کسی نسل کا بگاڑ پوری قوم کی ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ عصر رواں کی فکر و نظر کی عیاشی اور عریانیت رکھی ہلاکت کے اشتہار سے کم نہیں۔ چہارم یہ کہ جب اس انسان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو شیطان اس میں حلول کر جاتا ہے۔ اس طرح حمیت اس کے دامن گیر ہو کر اسے گناہ پر ابھارتی ہے۔ اور یوں انسان پھر کہیں کا نہیں رہتا۔ اسی لئے اللہ نے قرآن میں اس کا ٹھکانہ جہنم بتایا ہے۔ یعنی ایسی گہرائی جس سے باہر نکلنا ممکن نہ ہو۔ اسے ذہن کی Static Position بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی کہ ذہن پر جمود طاری ہو جانا۔ اسی لئے لوگ Egoistic ہو جاتے ہیں۔ حد اعتدال سے گر جاتے ہیں۔ مگر وہ شخص جس نے اپنے نفس کو اللہ کی رضا اور خوشنودی کے موافق چلایا اس کی Ego متوازن رہتی ہے۔ اور یوں بتدریج نیکی کی جانب پیش قدمی Super Ego کو مطمئنہ کے درجے پر فائز کر دیتی ہے۔ اس طرح ضمیر Concience انسانی ہمیشہ پرسکون رہتا ہے۔ اور ذہن ارتقاء پاتا چلا جاتا ہے۔ اور یوں وہ خدا کی خدائی کے مزے لوٹتا رہتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اعمال کا انحصار اس کے نفس پر ہے۔ وہ چاہے تو اللہ کے قول کو اپنا کر سرخرو ہو جائے۔ اور وہ چاہے تو غیر اللہ کے قول کو اپنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نامراد ہو جائے۔

(3) قول کی قدرت:۔

القدر والتقدير تبيّن كمية الشئ . وقدره بالتشديد اعطاه القدرة، فقدر اشارة الى ماسبق به القضاء والكتابة فى اللوح المحفوظ والمشار اليه يقول عليه السلام فرغ ربكم من الخلق والاجل و الرزق و المقدور اشارة الى مايحدث عنه حالاً فحالا مما قدر وهو المشار اليه بقوله كل يوم هو فى شان. (۳۶)

اردو مفہوم: القدر والتقدیر کسی شئے کی کمیت کو بیان کرنے کے ہیں اور قدرہ کے معنی کسی کو قدرت عطا کرنا کے آتے ہیں۔ قدر کے لفظ سے مراد وہ امور جن کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور وہ لوح محفوظ میں درج ہیں جن کے متعلق آپ صلعم نے فرمایا کہ اللہ خلق، عمر، رزق سے فارغ ہو چکا ہے اور مقدور سے مراد وہ امور جو وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ ہر روز کام میں مصروف رہتا ہے کے ہیں۔

یعنی اللہ کا قانون ہر شئے پر حاوی ہے۔ اسی لئے ہر شئے کو اس کی آخری منزل تک لئے جا رہا ہے۔ جس طرح اللہ نے اس شئے کی قدروں کو ترتیب دیا ہے اس کے موافق کام ہو رہا ہے۔ مجال نہیں کسی شئے کی کہ اس سے روگردانی کرے۔ تمام اشیائے کائنات On Rational Basis پر کام کر رہی ہیں۔ اور ہر شئے فطرت کی پابند ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

☆ وان مّن شئ الّا يسبّح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم ط (۳۷)

ترجمہ:۔ اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔ لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

☆ الم تر انّ اللّه يسبّح لهٗ من فى السّمٰوٰت والارض والطّير صٰفّٰتٍ ط كلٌّ قد علم صلاته، و تسبيحهٗ ط والله عليمٌ بما يفعلون ○ (۳۸)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور اڑتا ہوا پرندہ اللہ ہی کی تسبیح کر رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی صلوۃ اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

فطرت سے انحراف کی کسی شئے کو مجال نہیں اس لئے سورج کی مجال نہیں کہ چاند کو جا پکڑے یا چاند کی مجال نہیں کہ سورج کو جا پکڑے۔ ہر کوئی اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ انسانی آنکھ کا مشاہدہ اس بات کا گواہ ہے کہ ہر شئے بے عیب ہے۔ اس سے تسبیح کے مفہوم کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ کہ ہر شئے کا عیب سے منزہ ہونے کا عملی طور پر اظہار حقیقی تسبیح ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیونکر ہے؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ کیونکہ اللہ نے ہر شئے کی ایک قدر مقرر کی ہے۔ اس لئے کوئی بھی اس قدر سے انحراف نہیں کر سکتا۔ قدروں کا مختلف ہونا ہی کائنات کا حسن ہے۔ اور اس کے زندہ ہونے کی علامت بھی۔ اور صلوۃ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شئے کو اپنی ذات کا شعور ہے۔ اور ان دونوں باتوں سے تیسری بات یہ پتہ چلی کہ ہر شئے جاندار ہے۔ ان میں صرف قدروں کا فرق ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ

کائنات کی کچھ چیزیں بے جان ہیں۔ اور یہ کہ سب کچھ مادہ ہی ہے۔ پھر یہ فلسفہ پیش کیا گیا کہ صرف مادہ Matter ہی نہیں بلکہ روح بھی ہے لیکن اس صدی کے اختتام پر صورتحال یکسر بدل گئی ہے۔ روح کا وجود تو ثابت ہو رہا ہے لیکن Matter کا وجود ثابت نہیں ہو رہا۔ کیونکہ اگر ہم کسی بھی مادہ چیز کا Analysis تجزیہ کریں تو ایٹم بچے گا اور ایٹم کی تحلیل سے Electrone اور Protone۔ اس طرح مادہ ختم ہو گیا لیکن بقول ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کے کہ برق پارے درمیان میں آ گئے۔ (۳۹) انرجی، روح Soul، قوت و طاقت Spirit آ گئی۔ لہٰذا اصل انرجی اور وجود مظہر قرار پایا اور اس لحاظ سے کوئی چیز بھی بے جان نہیں رہی۔ جس کا کہ آیت مذکورہ میں علم دیا جا رہا ہے۔ اصل بنیاد ایٹم اور ایٹم کی بنیاد الیکٹران اور پروٹان ہے۔

گویا حاصل یہ کہ نسبت کا فرق ہے۔ ایک الیکٹران اور دو پروٹان ہوں تو ایک خاص چیز کا ایٹم بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک الیکٹران اور 5 پروٹان ہوں تو دوسری کسی شئے کا ایٹم بن جاتا ہے۔ تب ہی تو اللہ اپنے کلام کے تحت ہم سے یوں گویا ہے کہ:۔

وماَ ادرٰتک مالیلۃ القدرؕ ○ (۴۰)

ترجمہ:۔ اور تجھے کیا معلوم کہ قدر والی رات کیا ہے؟

تاہم اختیار انسانی کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

اعملو اما شئتمؕ انہٗ بما تعملون بصیر ○ (۴۱)

ترجمہ:۔ عمل کرو جیسا بھی تم چاہو۔ تحقیق جو کچھ بھی تم کرتے ہو وہ اسے دیکھنے والا ہے۔

یہ بات اس لئے کہی گئی ہے کہ ہر ہر شئے کی ہر اچھے برے کلیے کی قدریں مقرر ہیں۔ ان میں کسی کو بھی اختیار نہیں کہ وہ اپنی من مانی کر سکے۔ تاہم انسان کو اختیار Right of Choice Or Option دیا گیا ہے کہ وہ چاہے تو اپنے نفس کو معروف قدروں کا متحمل بنا کر تقویٰ کی منزل پر چلے یا پھر منکر قدروں کو سمیٹ کر فجور کے راستے کو اپنائے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

انّ اللّٰہ لا یستحیٖ ان یضرب مثلاً مّا بعوضۃً فما فوقھاؕ فامّا الّذین اٰمنوا فیعلمون انّہ الحقّ من رّبّھمۚ وامّا الّذین کفروا فیقولون ماذآ اراد اللّٰہ بھٰذا مثلاً یُضلّ بہٖ کثیراً وّیھدی بہٖ کثیراًؕ وما یضلّ بہٖ الّا الفسقینۙ○ (۴۲)

ترجمہ:۔ ''بے شک اللہ مچھر کی یا اس سے بڑی کی مثال بیان کرنے سے نہیں جھجکتا پس وہ جو ایمان لائے جانتے ہیں کہ بے شک وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور وہ جنہوں نے انکار کیا کہتے ہیں کہ اللہ کی اس مثال سے کیا مراد ہے؟ جس سے بہت سے گمراہ ہوتے ہیں اور بہت سے ہدایت پاتے ہیں۔ مگر اس سے فاسقوں کے سوا گمراہ نہیں ہوتا۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ نے انسانوں کی توجہ کائنات کی ایک چھوٹی سی مخلوق کی جانب دلائی ہے جو کہ اپنی

ذات میں کوئی خاص مفہوم رکھتی ہے وہ اس طرح کہ اگر ایک خاص قسم کا مچھر کاٹ لے تو وہ ملیریا جیسی بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے۔ دوم یہ کہ یہ جراثیم کو ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل بھی کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں مچھر جیسی معمولی اور چھوٹی چیز کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ اس کے مضر اثرات پر غور و فکر کرو۔ تاکہ ہدایت پاؤ۔ اس ہدایت کا مقصود یہ ہے کہ ہم ہر چھوٹی چیز کو معمولی نہیں بلکہ غیر معمولی تصور کریں۔ موجودہ دور میں وائرس اور بیکٹیریا کا وجود ثابت ہے اور اللہ نے ہمیشہ مچھر کی مثال سے اصل میں وائرس اور بیکٹیریا کی موجودگی کا علم دیا ہے۔ تاکہ ہم اپنے آپ کو ان تکالیف سے محفوظ رکھیں۔ اور ساتھ ہی یہ کہ دنیا میں کوئی بھی شے فالتو یا بیکار نہیں۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اور اس کا علم اللہ کو ہے۔ ہمیں تو صرف اس قدر رہوتا ہے جس قدر ہم تحقیق کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کی ہمیں خبر نہیں۔ اور یہ کہ نفع اور ضرر اس کائنات میں موجود ہے۔ اس لئے جو نفع حاصل کرے ضرر سے بچنا چاہتا ہے وہ اللہ کے قول کے موافق عمل کرے بصورت دیگر نقصان ہی نقصان ہے سو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے یہی قانون قدرت ہے۔ غیر اللہ کا قول کچھ نہیں۔ مثلاً سوچنے کو تو یوں بھی سوچا جا سکتا ہے کہ:۔

بکری کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ اسے شیر کھائے اور چوہے کو اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ اسے بلی کھائے۔

درج بالا غیر الٰہی قول محض قیاسی فکر ہے جو درست نہیں۔ ہمیں ہر شئے کی حکمت پر غور کرنا ہے۔ کیونکہ مچھر کی مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ کی نظر سے کوئی چھوٹی اور کوئی بڑی شئے مخفی نہیں۔ سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ بے شک اللہ ہی ہر شئے پر قادر ہے۔

(4) قول، ارادہ اور اس کا اطلاق:۔

الرود التردد فی طلب الشیء برفق الارادة منقوله رادیرود اذا سعی فی طلب شیء والارادة فی الاصل قوة مرکبة من شهوة وحاجة و امل و جعل اسما لنزوع النفس الی الشیء مع الحکم فیه بانه ینبغی ان یفعل اولا یفعل ثم یستعمل مرةً فی المبداء وهو نزوع النفس الی الشیء و تارة فی للمنتهی وهو الحکم فیه بانه ینبغی ان یفعل او لا یفعل فاذا استعمل فی اللّٰه فانه یراد به المنتهی دون المبداء فانه یتعالی عن معنی النزوع فمی قیل اراد اللّٰه کذا فمعناه حکم فیه انه کذا. (۴۳)

اردو مفہوم: الرود اس کے اصل معنی نرمی کے ساتھ کسی چیز کی طلب میں بار بار آمد و رفت کے ہیں۔ الارادۃ یہ راد، یرود سے ہے جس کے معنی کسی شئے کی طلب میں کوشش کرنے کے ہیں۔ اور ارادہ اصل میں اس قوت کا نام ہے جس میں خواہش ضرورت اور آرزو کے جذبات ملے جلے ہوں پھر اس سے مراد دل کا کسی چیز کی طرف کھنچنا اس فیصلہ کے ساتھ کہ اسے کرنا چاہئے کہ نہیں۔ علاوہ یہ کہ کبھی دل کے کسی طرف کھنچنے کے لئے بولا جاتا ہے جو کہ ارادہ کا مبداء ہے اور کبھی صرف منتھی کے معنی مراد ہوتے ہیں یعنی محض فیصلے کے لئے جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے متعلق استعمال ہوں تو منتھی

کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ یعنی کسی کام کا فیصلہ نزوع نفس کا معنی رادنہیں ہوتا کیونکہ ذات باری تعالیٰ خواہشات نفسانی سے مبرا ہے۔لہٰذا ارادالله کذا کے معنی ہوں گے الله نے فلاں کام کا فیصلہ کیا الله جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر کن ارادہ کوظاہر فرماتا ہے۔

ارشادربانی ہوتا ہے:۔

انّما قولنا لشیءٍ اذآ اردنٰه ان نّقول لهٗ کن فیکون ○(۴۴)

ترجمہ:۔ بے شک ہمارا قول تو کسی شئے کے لئے ایسا ہی ہے کہ جب ہم اس کے لئے ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہوجا پس وہ ہوجاتی ہے۔

الله کا ارادہ دیوار کا لکھا پتھر کی لکیر سے بھی زیادہ اٹل حقیقت ہے لیکن لفظ ہم کے استعمال نے بعض لوگوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ الله اپنے ارادوں میں کچھ مدمقابل لوگوں کو بھی شامل کرتا ہے(نعوذ بالله) چنانچہ اس خام خیالی کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا:۔

سیقول لک المخلّفون من الاعراب شغلتنآ اموالنا واهلونا فاستغفرلناۚ یقولون بالسنتهم مّالیس فی قلوبهمۚ قل فمن یّملک لکم مّن الله شیئًا ان ارادبکم ضرًّا اواراد بکم نفعًاۚ بل کان الله بما تعملون خبیرًا○(۴۵)

ترجمہ:۔ اورعربوں میں سے وہ جو پیچھے رہ گئے تجھ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل وعیال نے ہمیں مشغول رکھا پس ہمارے لئے طلب مغفرت کر وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں کہہ دے کہ اگر الله تمہیں کوئی اجر یا فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے تو کون ایسا ہے جو اس کے مقابل ذرا بھی اختیار رکھتا ہو؟ بلکہ الله تو ان اعمال سے خوب واقف ہے جو تم کرتے ہو۔

جبکہ قرآن شفاعت حقیقی کی جانب توجہ دلا رہا ہے:۔

قل من ذا الّذی یعصمکم مّن الله ان ارادبکم سوًٓا اواراد بکم رحمةًۚ ولا یجدون لهم مّن دون الله ولیًّا وّلا نصیرًا○(۴۶)

ترجمہ:۔ کہہ دے اگر وہ تم سے برائی کا ارادہ کرے یا تم پر رحمت کرنے کا ارادہ کرے تو کون ہے؟ جو تمہیں الله سے بچا سکتا ہے اور وہ اپنے لئے الله کے سوا کوئی دوست و مددگار نہیں پائیں گے۔

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

انّما امرهٗٓ اذآ اراد شیئًا ان یّقول لهٗ کن فیکون ○ فسبحٰن الّذی بیده ملکوت کلّ شیءٍ وّالیه ترجعون ○(۴۷)

ترجمہ:۔ اس کی شان تو ہے کہ جب کسی شئے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے کہ ہوجا، پس وہ ہوجاتی ہے، بس وہ منزہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں ہر شئے کا اقتدار ہے اور تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

درج بالا آیات اللہ کے ارادے کی اطلاقی قوت واختیار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ارادہ تو خالص اسی کا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ وہ جب چاہے اور جیسا چاہے ویسا کر سکتا ہے۔ مگر اللہ کے یہاں اندھیر نگری چوپٹ راج نہیں ہے۔ ہر قول قاعدے اور قانون کے مطابق ہے۔ اسی لئے اس کا ارادہ ہمیشہ کی صورت میں اٹل ہے۔ اور فیصلہ ارادہ کے اطلاق کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ ارادہ اطلاق کی خور کھتا ہے۔

(5) امراللہ کا طے شدہ فیصلہ۔

ہم ارادوں کے ٹوٹنے سے ہی اللہ کو پہچانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ارادہ ہی مبداو منتھی ہے۔ کیونکہ اللہ کا ارادہ ایک متعین اور طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے لہٰذا اطلاق کی بھر پور توانائی رکھتا ہے۔ اس لئے فرمایا:۔

بدیع السّمٰوٰت والارض ؕ واذا قضیٰ امراً فانّما یقول لهٗ کن فیکون○(۴۸)

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین کا مؤجد ہے اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے اس کے لئے کہتا ہے" ہو جا" تو وہ ہو جاتا ہے۔

آیت بالا میں بدیع اور قضیٰ امراً کے حوالے سے بات بیان کی گئی آیئے اس کی نوعیت کا اس کے معنی سے ادراک کریں:۔

الابداع انشاء صنعة بلا احتذاء واقتداء ومنه قیل رکیة بدیع ای جدیدة الحفر و اذا استعمل فی اللّٰه تعالیٰ فهویجا دالشیء بغیر آلة و لا مادة ولا زمان ولا مکان ولیس ذلک الا للّٰه (۴۹)

اردو مفہوم: الابداع کسی کی تقلید اور اقتداء کے بغیر کسی چیز کو ایجاد کرنا اس سے نئے کھودے ہوئے کنوئیں کو رکیة بدیع کہا جاتا ہے جب ابداع کا لفظ اللہ عزوجل کے لئے استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں کہ بغیر آلہ، بغیر مادہ، بغیر زماں و مکان کے کسی شیئے کو ایجاد کرنا یہ معنی صرف اللہ کی ہستی کے ساتھ مختص ہیں۔

قضیٰ: القضاء فصل الامر قولا کان ذالک اوفعلا وکل واحد منهما علیٰ وجهین الٰهی و بشری فمن القول الالٰهی قوله وقضیٰ ربّک ان لاتعبدو الا ایّاه ومن الفعل الالٰهی قوله و اللّٰه یقضی بالحقّ والّذین یدعون من دونه لا یقضون شیٔ. (۵۰)

اردو مفہوم: قضیٰ:۔ القضاء کے معنی قولاً یا عملاً کسی کام کا فیصلہ کر دینے کے ہیں۔ اور قضاء قولی و عملی میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ قضائے الٰہی اور قضائے بشری۔ قضائے الٰہی قول کے مطابق فرمایا اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ اور فعلاً قضائے الٰہی کے متعلق فرمایا اور اللہ سچائی کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے۔

ہمیں جو فرائض واحکامات بذریعہ وحی بتادیئے گئے ہیں وہ بھی اور جو کائنات ہمارے چار سو پھیلی ہوئی ہے اور اس کے اندر پایا جانے والا نظام اس کے قضائے قولی و فعلی کے مظاہر ہیں۔ وہی مبدع ہے جو کہ بغیر کسی آلہ، مادہ،

مکان وزماں کے اشیاء کو ایجاد کرتا ہے وہی تمام امور سے متعلق فیصلے بھی کرتا ہے۔لہٰذا ہم پر اس کا فیصلہ مسلط ہے۔ اور ہم اور کائنات اس کے فیصلے کے شاہکار۔

اللہ کے فیصلے کی جہتیں:۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی 3 جہتیں ہیں:۔

۱۔ امر مقضیاء،قضیٰ امراً (۵۱) ہر کام کا فیصلہ قضائے الٰہی متعین و طے شدہ ہوتا ہے۔

۲۔ قضی اجلاً (۵۲) ہر فیصلے کے لئے ایک میعاد مقرر ہے۔

۳۔ یقضی بالحق (۵۳) ہر فیصلہ حق کی ڈور سے بندھا ہوا ہے کیونکہ یہ قضائے الٰہی فعلاً ہے قضائے بشری نہیں۔

یہ انفس و آفاق ان مذکورہ فیصلوں کا مظہر و ثبوت ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی مرضی و منشاء اس کے امر کا فیصلہ ہم سب انسانوں کے لئے کن فیکون کی صورت میں لاگو ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قانون کن کیا ہے؟

(6) قانون کن اور امر الٰہی:۔

کان، ک و ن :. فقد قیل معناه ○ حصل و وقع والکون یستعمله بعض الناس فی استحالة جو هرالیٰ ماهو دونه و کثیر من المتکلمین یستعملونه فی معنی الابداع. (۵۴)

اردو مفہوم: بعض نے کہا یہاں کان کے معنی کسی چیز کا واقع ہو جانا کے ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ کون کا لفظ کسی جوہر کے اپنے سے پست تر جوہر میں تبدیل ہونے کے لئے آتا ہے اور اکثر متکلمین اسے بمعنی ابداع میں استعمال کرتے ہیں۔

یعنی یہ وہ حالت ہے کہ جس میں اشیاء Formless ہوتیں ہیں۔ بہرحال اس درجے پر اللہ کے امر کی کیا کیفیت ہوتی ہے ہم اس کو جاننے سے قاصر ہیں۔البتہ فیکون کی بنیاد قانون کن پر ہے۔

(i) کن کا دائرہ کار:۔

قانون کن کی وسعت و ممکنات کا دائرہ کس قدر وسیع ہے اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ امر،خلق اور حق ان تینوں کے مجموعے کا نام کن اور فیکون ہے اسے عالمین بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ تینوں عالم انسان میں بھی پائے جاتے ہیں۔اس لئے کہ وہ شاہکار ہے نفس،جسم اور روح کا لہٰذا یہ کہنا بجا ہے کہ کن فیکون نام ہے امر،خلق اور حق کا۔اس لئے اب ان تینوں عالمین کی نوعیت، دائرہ کار اور اطلاقی صورتوں کا جائزہ بالترتیب لیا جائے گا۔

(7) امر الٰہی کی ہیئت اور اطلاقی اصول

امر الامر الشّان و جمعه امور و مصدر امرته اذا کلفته ان یّفعل شیاء وهو لفظ عام للافعال والاقوال کلهاو علی ذلک قوله تعالی الیه یرجع الامر کله . ویقال للابداع الاله الخلق والامر. (۵۵)

اردو مفہوم: الامر (اسم) کے معنی شان یعنی حالت کے ہیں اس کی جمع امور ہے اور امرتہ کا مصدر بھی امر ہے جس کے معنی حکم دینے کے ہیں۔ امر کا لفظ جملہ اقوال و افعال کے لئے عام ہے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے۔ اور کبھی امر بمعنی ابداع بھی آتا ہے خلق و امر اللہ کے لئے ہے۔

امرالٰہی بلا شرکت غیرے ایک حقیقت:۔

امر الٰہی ایک حقیقی حالت و معاملہ کا نام ہے۔ اس حقیقت کو اللہ نے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے تاکہ انسان جان سکے کہ یہ کارخانہ قدرت کس طرح چل رہا ہے:۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا کَمَآءٍ اَنْزَلْنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا یَاْکُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَھَا وَازَّیَّنَتْ وَظَنَّ اَھْلُھَآ اَنَّھُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَیْھَآ ۙ اَتٰھَآ اَمْرُنَا لَیْلًا اَوْ نَھَارًا فَجَعَلْنٰھَا حَصِیْدًا کَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ (۵۶)

ترجمہ:۔   تحقیق اس کمینی زندگی کی مثال تو بس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا اور اس سے زمین کی وہ نباتات مخلوط ہوئیں جن میں سے انسان اور مویشی کھاتے ہیں حتیٰ کہ زمین نے اس سے اپنے زیورات اخذ کئے اور مزین ہوئی اور اہل زمین نے گمان کیا کہ بے شک وہ اس پر قادر ہیں ناگہاں اس پر ہمارا حکم آ پہنچا کسی رات کو یا کسی دن کو پس ہم نے اس کو یوں کاٹ کر ڈھیر کر دیا جیسے کہ وہ کل تھی ہی نہیں اس طرح ہم اپنی آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے واسطے جو غور و فکر کرنے والے ہیں۔

یہ مثال امر کی حقیقت کی وضاحت کرتی ہے کہ امر صرف اللہ کا ہے۔ اس میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ یہ تو سراسر لوگوں کا قصور ہے جو کہ انبیاء کو اللہ کا بیٹا یا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں یا دیگر کو اللہ کا مقرب مانتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے وضاحت فرمادی:۔

ذٰلِکَ قَوْلُھُمْ بِاَفْوَاھِھِمْ ۚ یُضَاھِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَھُمُ اللّٰہُ ۚ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰھًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ (۵۷)

ترجمہ:۔   یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں ملتی جلتی ان کے قول سے جو ان سے پہلے منکر تھے۔ خدا ان کو قتل کرے کیسی جھوٹی باتیں گھڑتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے عالموں اور اپنے راہبوں اور مسیح ابن مریم کو رب گردان لیا ہے۔ حالانکہ انہیں تو صرف خدائے واحد کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ منزہ ہے اور ان سے جنہیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

اللہ اپنے امر میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا خواہ وہ رسول کی ذات ہی کیوں نہ ہو؟ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبَھُمْ فَاِنَّھُمْ ظٰلِمُوْنَ ○ وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا

فی الارض یغفر لمن یشاءُ و یعذب من یشآء و اللّٰہ غفور رّحیم ○ (۵۸)

ترجمہ:۔ تیرا اس معاملے سے کچھ بھی سروکار نہیں خواہ وہ ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں اور جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ غفور الرحیم ہے۔

امر کے اطلاقی اصول:۔

امر کے اطلاق کے تین زریں اصول ہیں۔

۱) اصول افراط ۲) اصول سہولت ۳) اصول غلبہ وتسلط

۱) اصول افراط:۔

امر الٰہی میں افراط نیز تفریط کی بھی قطعاً گنجائش نہیں۔ فرمان ربی ہے:۔

واصبر نفسک مع الّذین یدعون ربّھم بالغدٰوۃ والعشیّ یریدون وجھہٗ ولا تعد عینک عنھمۚ ترید زینۃ الحیٰوۃ الدّنیاۚ ولا تطع من اغفلنا قلبہٗ عن ذکرنا و اتّبع ھوٰہ وکان امرہٗ فرطاً ○ (۵۹)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو اس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے ہیں ان کی معیت میں صبر کر اور ان سے حیات دنیا کی زیبائش کا طلبگار رہتے ہوئے آنکھیں نہ پھیر اور تو اس کی اطاعت نہ کر جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے اور جس کا معاملہ حسد سے بڑھا ہوا ہے۔

دراصل امر الٰہی پر قائم رہنا فلاح کی ضمانت بصورت دیگر امرہٗ فرطا کا مطلب ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

فرط: فرط اذا تقدّم بالقصد. (۶۰)

اردو مفہوم: الفرط قصداً آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ (ضمیمہ جات نمبر ا میں، شکل نمبر ا، ص نمبر ۳۱۶ پر ملاحظہ کیجئے)

اللہ تعالیٰ نے ہر ہر شے کا مقام متعین کر رکھا ہے۔ لیکن جو کوئی ان حدود کا احترام نہ کرے اور امر و فرط کا مترادف قرار پایا تو پھر کسی اور کو خواہ وہ رسول ہی کیوں نہ ہو (نعوذ باللہ) اسے کوئی سروکار نہیں۔ پھر وہ جانے اور اللہ۔

۲) اصول سہولت:۔

اللہ رب العزت کے احکامات حکمت سے لیس ہوتے ہیں۔ اگر ان کو Follow کیا جائے تو انسان ہزار ہا قسم کے مسائل سے محفوظ رہتا ہے۔ اسی لئے رب کریم نے فرمایا کہ:۔

ومن یّتق اللّٰہ یجعل لّہٗ من امرہٖ یسراً ○ (۶۱)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے معاملے میں سہولت پیدا کرتا ہے۔

اللہ نے یہ اصول اس لئے متعارف کروایا تا کہ اس کے بندے اس سے ہرگز ہرگز مایوس نہ ہوں۔ اللہ اپنے بندوں کے معاملات کو خود براہ راست اپنے اصول وقوانین کے تحت نبٹاتا ہے جزا وسزا کے معاملے میں کسی ہستی کو کوئی دخل نہیں۔سوائے اللہ کے اگر ہم بحیثیت انسان ،مسلمان ،مومن ،اپنی فلاح چاہتے ہیں تو ہمیں امر دیسرا کے مطابق چلنا ہوگا۔اسی میں دین ودنیا کی بھلائی مضمر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

واما من اٰمن و عمل صالحا فلهٗ جزآءً الحسنیٰ و سنقول لهٗ من امر نا یسرا ۝(۶۲)

ترجمہ:۔ اور وہ جو ایمان لایا اور عمل صالح بجالایا پس اس کے لئے اچھی جزا ہے اور ہم اس کے لئے اپنے حکم کو آسان بنادیں گے۔

اللہ نے حکم کو ہی نہیں بلکہ اس کے پورے مجموعے کو آسان بنادیا ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

ولقد یسّرنا القرآن للذّکر فهل من مدّکر ۝ (۶۳)

ترجمہ:۔ اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان بنادیا ہے پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اسی اصول کے اطلاق کی دعا فرمائی:۔

قال ربّ اشرح لی صدری ۝ ویسّر لی امری ۝ واحلل عقدةً مّن لّسانی ۝ یفقهوا قولی ۝(۶۴)

ترجمہ:۔ کہا میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے اور میرے کام کو آسان بنادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے وہ میرے کلام کو سمجھ سکیں۔

اصول سہولت بطور اطلاقی صورت

امر کی اطلاقی صورت تخلیق ہے اسے بھی اللہ نے ہمارے لئے آسان راہ قرار دی ہے۔تا کہ ہم اس دنیا میں خود کو Adjust کرسکیں۔یہ خوبی ہماری سرشت میں شامل ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قتل الانسان مآ اکفرهٗ ۝ من ایّ شیءٍ خلقهٗ ۝ من نّطفةٍ خلقهٗ فقدّرهٗ ۝ ثم السّبیل یسّرهٗ ۝ ثمّ اماتهٗ فاقبرهٗ ۝ ثمّ اذا شآءَ انشرهٗ ۝ کلا لمّا یقض مآ امرهٗ ۝ (۶۵)

ترجمہ:۔ غارت ہوا انسان کہ وہ کس قدر ناشکرا ہے؟ کس چیز سے اس نے خلق کیا ہے؟ اسے اس نے نطفہ سے خلق کیا پھر اسے نہایت متناسب بنادیا پھر اس کے لئے راہ آسان بنادی۔ پھر اسے موت دی اور پتھر میں گاڑھ دیا پھر جب وہ چاہے گا تو اسے اٹھالے گا حقیقت تو یہ ہے کہ جو حکم اسے دیا گیا تھا وہ اسے بجا نہ لایا۔

وجود کے اعتبار سے بھی اللہ نے انسان کے کام کو سہل تر بنادیا لیکن افسوس کا مقام ہے کہ اسے چاہئے تھا کہ وہ شکر بجالاتا لیکن اس نے اس سہل اور آسان راہ کو چھوڑ کر اپنے لئے مشکل راہ کا انتخاب کرلیا۔ دراصل مقام شکر یہ ہے

درج بالا آیت کریمہ میں خلق اور امر دونوں کے Process کو اللہ نے اپنے آپ سے وابستہ کیا ہے۔ البتہ دونوں کی نوعیت میں فرق ہے۔ خلق کا تعلق پردۂ تخلیق سے اور امر کا تعلق پس پردہ عمل سے ہے۔ ایک نظر آنے والا اور دوسرا نظر نہ آنے والا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کارفرمائیاں اللہ ہی کی ہیں۔ اسی بات کی طرف آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

(i) امر کی نوعیت سرعت:۔

گو کہ ہم امر کی Nature کو اس کی کارگزاری کو اس کے عمل کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مگر امر بھی خلق ہی کی طرح ہے۔ لیکن اس کا عمل نظر نہیں آتا دکھائی نہیں دیتا۔ یعنی امر کا معاملہ ایسا ہی ہے کہ Programme in the Pipe line قرآن پاک میں اللہ نے سرعت ایجاد سے کنایہ کیا ہے کہ عالم میں ایجاد و تکوین کا جو سلسلہ جاری ہے اس کی تیز رفتاری کو بتانے کے لئے ایسا بلیغ طریقہ اختیار کیا ہے جو ہماری قوت واہمہ سے بھی بلند ہے۔

وما امرنا الّا واحدة کلمح بالبصر O (۷۰)

ترجمہ:۔ اور ہمارا حکم تو بس چشم زدن میں پورا ہونے والا ہے۔

(ii) امر کی نزاکت:۔

امر کی نزاکت کا یہ عالم ہے کہ شب و روز میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے نتائج بڑی تیزی سے مرتب ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک مکمل نظام کے تحت کارخانۂ قدرت چل رہا ہے اس میں اللہ کے امر کا اطلاق ہے اس کی نزاکت کا اندازہ اس کی کیفیات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ قرآن میں تین لفظ استعمال ہوئے ہیں:۔ ترجع الامور، تصیر الامور، عاقبة الامور بالترتیب امر کی نزاکت ملاحظہ ہو:۔

☆ وللّٰہ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض والی اللّٰہ ترجع الامور O (۷۱)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے اور تمام امور اللہ ہی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں۔

☆ صراط اللّٰہ الّذی لہٗ ما فی السّمٰوٰت وما فی الارض الآ الی اللّٰہ تصیر الامور O (۷۲)

ترجمہ:۔ اس اللہ کی صراط جو مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمینوں میں ہیں۔ واضح رہے کہ تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی طرف ہے۔

☆ ومن یّسلم وجھہٗ الی اللّٰہ وھو محسن فقد استمسک بالعروة الوثقٰی والی اللّٰہ عاقبة الامور O (۷۳)

ترجمہ:۔ اور جس کسی نے اپنا سر تسلیم اللہ کے لئے خم کیا اور وہ نیکی کرنے والا ہوا۔ تو بے شک اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کی طرف ہے۔

اس بحث سے پتہ چلا کہ یہ تین قانون ہیں اور نفسی لحاظ سے تین کیفیتیں یعنی قانون رجع، قانون بازگشت اور قانون نتیجہ خیزی۔ اب ہم امر کے مراحل کا جائزہ لیں گے۔

فصل دوم:۔

امر کے مراحل

امر کے نقطۂ آغاز سے انجام تک 7 مراحل ہیں جو کہ اس کائنات حقیقی میں جاری و ساری ہونے کے بعد اپنے نقطۂ تمامیت کو پہنچتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان مراحل کا ذکر نہایت شرح و بسیط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی روشنی میں ہم ہر ہر مرحلہ کا بخوبی جائزہ لیں گے۔

۱)..... شریعة من الامر / ظهر من الامر

۲)..... امر الٰهی اور قدر

۳)..... امر مستقر

۴)..... امر اور تدبر

۵)..... یتنزّل الامر

۶)..... امر مفعولا

۷)..... امر الساعة

۱) پہلا مرحلہ

شریعة من الامر:۔

ثمّ جعلنٰک علٰی شریعةٍ مّن الامر فاتّبعها ولا تتّبع اهوآء الّذین لا یعلمون ○ انّهم لن یّغنوا عنک من اللّٰه شیًٔا ؕ وانّ الظّٰلمین بعضهم اولیآء بعضٍ ۚ واللّٰه ولیّ المتّقین ○ هٰذا بصآئر للنّاس وهدًی وّ رحمة لّقوم یّوقنون ○ (۷۴)

ترجمہ:۔ پھر ہم نے تیرے لئے احکام کا ایک واضح راستہ قرار دیا۔ پس اس کی پیروی کر، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر جو نہیں جانتے۔ یقیناً وہ لوگ اللہ کے حضور تیرے کسی کام نہ آئیں گے اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ بنی نوع انسان کے لئے بصیرت افروز دلائل اور یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شریعت کسے کہتے ہیں؟ آیئے اس کی تفہیم کریں:۔

شرع. الشرعه نهج الطريق الواضح يقال شرعت له طريقا. واستعير ذٰلک للطريقة الالهية قال بعضهم سميت الشريعة شريعة تشبيها بشريعة الماء من حيث ان من شرع فيها على الحقيقة المصدوقة روى تطهر قال واعنى بالرى ماقال بعض الحكماء كنت اشرب فلا أروى فلما عرفت اللّٰه تعالىٰ رويت بلا شرب وبالتطهر ماقال تعالىٰ انما يريد اللّٰه ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيراً. (۷۵)

اردو مفہوم: شرع سیدھا راستہ جو واضح ہو۔ پھر استعارہ کے طور پر طریق الٰہیہ پر یہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ شریعت کا لفظ شریعۃ الماء سے ماخوذ ہے جس کے معنی پانی کے گھاٹ کے ہیں۔ اور شریعت کو شریعت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی صحیح حقیقت پر مطلع ہونے سے سیرابی اور طہارت حاصل ہوتی ہے۔ سیرابی سے مراد معرفت الٰہی کا حصول ہے جیسا کہ بعض حکماء کا قول ہے کہ میں پیتا رہا لیکن سیر نہ ہوا پھر جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوگئی تو بغیر پینے کے سیری حاصل ہوگئی۔ اور طہارت سے مراد وہ طہار ہے جس کا ذکر اس آیت ''اے پیغمبر کے اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی کی میل کچیل صاف کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔'' میں پایا جاتا ہے۔

یہ لفظ قرآن پاک میں ۵ مرتبہ آیا ہے۔ اور سورۃ الشوریٰ میں تو لفظ الدین سے شرع کی وسعت و ہمہ گیری کا اندازہ اور وسیع ہو جاتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہ فطری راستہ ہے جس پر ہر کس و ناکس نے چلنا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ وہ طوعاً چلتا ہے یا کرھاً۔ عالم امر میں امر کے طفیل اور جب امر کا اطلاق فیکون کی صورت میں تو عالم خلق کے طفیل اور جب خلق کے سمندر میں غوطہ زن ہو تو نتائج کے ظہور میں عالم حق کے طفیل چلنا ہی نہیں بلکہ حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے خواہ کافر ہو یا مومن سو اس لحاظ سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ دین و شرع ایک ہیں۔ یہ بات اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو بتا کر اس پر احسان عظیم فرمایا ہے کیونکہ لوگ شرع اور دین کو الگ کرنے کے در پے ہیں۔ جبکہ دین نظام زندگی ہے۔ اصل قانون حیات ہے۔ اکبر نظام ہے اور شرع احکام الٰہی کا وہ سر چشمہ ہے کہ جس سے ہر تشنہ لب اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس میں کسی قسم کا بھی تعطل نہیں بلکہ تسلسل ہے۔ اسی لئے دین و شرع ہر دور کے لئے ہیں۔ ہر نبی دنیا میں ایک ہی دین اور ایک ہی شرع لے کر آیا۔ تبدیلیاں اگر ہوئیں تو جزوی پیمانے پر بنیادی اعتبار سے نہیں اسی لئے ارشاد رب العزت ہوا:۔

شرع لكم من الدّين ما وصّٰى به نوحاً وّالّذىٓ اوحينا اليک وما وصّينا به ابراهيم وموسىٰ وعيسىٰ ان اقيموا الدّين ولا تتفرّقوا فيه كبر على المشركين ما تدعوهم اليه اللّٰه يجتبىٓ اليه من يّشآء ويهدىٓ اليه من يّنيب ○ (۷۶)

ترجمہ:۔ اس نے دین میں تمہارے لئے وہی راہ قرار دی جس کی وصیت اس نے نوح کو کی اور جس کی وحی ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو کی کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو مشرکین پر وہ بہت بہت گراں ہے جس کی طرف تو انہیں بلاتا ہے اللہ اپنے لئے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور اپنی طرف اس کی ہدایت کرتا ہے جو رجوع کرنے

والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ اصول پتہ چلتا ہے کہ اللہ اس سرچشمۂ ہدایت سے اس کو نوازتا ہے جو اس کا طالب ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص دین کی کوئی راہ اپنی خواہش نفس سے نکال لے تو ایسے لوگوں کے لئے دنیا بھی عذاب اور آخرت میں تو ہے ہی عذاب۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

ام لھم شرکٰٓؤا شرعوا لھم مّن الدّین مالم یاذن بہ اللّٰہ (۷۷)

ترجمہ:۔ کیا ان کے کوئی شریک ہیں۔ جنہوں نے ان کے لئے دین کی ایسی راہ قائم کی جس کا کہ اللہ نے حکم نہیں دیا تھا؟

درج بالا آیات میں شرع لکم من الدین اور شریعۃ من الامر کا مفہوم ''الدین'' ہے۔ اس لئے آج بھی جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو ہم اس کا اقرار کرتے ہیں۔

قل اٰمنّا باللّٰہ ومآ انزل علینا ومآ انزل علٰٓی ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب و الاسباط وما اُوتی موسیٰ و عیسیٰ و النّبیّون من رّبّھم لا نفرّق بین احدٍ منھم و نحن لہٗ المسلمون ○ و من یّبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یّقبل منہ وھو فی الاٰخرۃ من الخٰسرین ○ (۷۸)

ترجمہ:۔ کہہ دے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا۔ اور اس پر جو موسیٰ کو عیسیٰ کو اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اس کے حضور سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے گا تو وہ اسے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

(i) مناسک ومنہاج:۔

ہر زمانے کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں ان تقاضوں کی تکمیل ضروری ہوتی ہے اور دوم یہ کہ ہر قوم ایک عہد سے بندھی ہوتی ہے۔ اور کردار اس عہد کا پابند ہوتا ہے لیکن بسا اوقات خطا وسعی کے تحت اصول تلے روندھ دیا جاتا ہے یا پھر واقعی خطاء عمد کر بیٹھتا ہے اسی صورت میں انبیاء کی موجودگی میں مختلف احکامات آزمائش نازل ہوئے جہاں پر پھر نت نئے مسائل نے جنم لیا اس لئے ان کے مناسک اور منہاج میں بھی تبدیلی کوئی غیر فطری بات نہیں۔ یہ تو موافقت کی بات ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت وہی رہی لیکن جزوی طور پر احکامات کبھی کبھار بدلتے رہے جیسے بنی اسرائیل پر یوم سبت کا حکم (۷۹) یہ حکم ہم سب کے لئے نہیں بلکہ فقط ان کے لئے ہے جن پر یہ نازل ہوا اسی لئے اللہ اپنے امر کی یکتائی کے بارے میں فرماتا ہے کہ:۔

لکلّ امّۃٍ جعلنا منسکاً ھم ناسکوہ فلاینازعنّک فی الامر وادع الٰی ربّک انّک لعلٰی ھدی مّستقیم ○ (۸۰)

ترجمہ:۔ ہرامت کے لئے ہم نے مناسک مقرر کئے ہیں جومناسک وہ بجالاتے ہیں پس لازم ہے کہ وہ تجھ سے اس امر میں تنازعہ نہ کریں اور تو لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دے بالیقین و بلاشبہ تو راہ راست پر ہے۔

نسک:۔ النسک العبادة والناسک العابد واختص باعمال الحج و المناسک مواقف النسک واعمالها والنسیکة مختصة بالذبیحة قال ففدیة من صیام او صدقة اونسک. (۸۱)

اردو مفہوم: النسک کے معنی عبادت کے ہیں اور ناسک عابد کو کہا جاتا ہے مگر یہ لفظ ارکان حج کے ادا کرنے کے ساتھ مخصوص ہو چکا ہے المناسک اعمال حج ادا کرنے کے مقامات ہیں۔ النسیکہ خاص طور پر ذبیحہ یعنی قربانی کو کہتے ہیں۔ آیت ہے تو اس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے۔

اس امر واضح میں اگر قوم نبی سے جھگڑا کرے تو حکم خداوندی فوری طور پر مذکورہ بالا حکم کے ساتھ آتا ہے۔

و ان جدلوک فقل اللّٰه اعلم بما تعملون ○ اللّٰه یحکم بینکم یوم القیٰمة فیما کنتم فیه تختلفون○ (۸۲)

ترجمہ:۔ اور اگر وہ تجھ سے جھگڑا کریں پس کہہ دے جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن اس کا فیصلہ کرے گا جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔

شریعت سراسر قانون الٰہی ہے۔ جو بنیادی طور پر قدر کی صورت میں ہر شے میں سرایت کی ہوتی ہے اور دوسری جانب ہمیں کائنات میں اختیاری یا اشیاء کی صورت میں ممکنات کے طور پر پائی جاتی ہے۔ جبکہ منہاج طریقہ، پروگرام اور سنت کو کہتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لکلٍّ جعلنا منکم شرعةً وّ منها جاً ط ولوشآء اللّٰه لجعلکم امّةً وّاحدةً وّلٰکن لّیبلوکم فی مآ اٰتکم فاستبقوا الخیراتؕ الی اللّٰه مرجعکم جمیعاً فینبّئکم بما کنتم فیه تختلفون ۙ○ (۸۳)

ترجمہ:۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک ہی شریعت اور ایک ہی واضح طریقہ قرار دیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا مگر ان نعمتوں میں آزمائش کرنے کے لئے جو اس نے تمہیں عطا کیں ہیں پس اچھے کاموں میں سبقت کرو تم سب اللہ کی طرف لوٹنے والے ہو۔ پھر وہ تمہیں ان امور سے متنبہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

نهج:۔ النهج الطریق الواضح و نهج الامر والنهج .قولهم نهج الثوب وانهج بان فیه اثر البلی. (۸۴)

اردو مفہوم: النھج کے معنی کھلے راستہ کے ہیں اور نہج الامر وانہج کے معنی میں کسی امر کا واضح ہونا اور اس سے ہے جس کے معنی کپڑے میں بوسیدگی کے آثار ظاہر ہونے کے ہیں۔ ایک اور روایت کے مطابق.....

قال ابن عباسؓ الشرعة ما وردبه القرآن والمنهاج ماوردبه السنة.(۸۵)

اردو مفہوم: حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ شرعۃ وہ راستہ ہے جسے قرآن نے بیان کر دیا اور منہاج وہ جسے سنت

نے بیان کیا۔

بات دراصل یہ ہے کہ دین کے شریعت کے بنیادی اصولوں میں نسخ نہیں ہوسکتا۔ جیسے معرفت الٰہی اور ایمانیات۔ مناسک ومنہاج شریعۃ من الامر کے ہی تابع ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔ کیونکہ نبی کو بھی اختلاف رکھنے والوں کی خواہش کے مطابق عمل پیرا ہونے سے روکا ہے جو کہ مذکورہ آیت کے فوراً ساتھ بیان کی گئی ہے۔

۲) دوسرا مرحلہ

امر الٰہی اور قدر:۔

امر الٰہی کی قدریں ترتیب شدہ، متعین شدہ ہیں اور ہر تعین شدہ امر کی Value کا اس کے Number Value کا علم فقط خدائے رب العزت کو ہے۔ ہمیں تو صرف قدر کے ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ:۔

ما کان علی النبی من حرج فیما فرض اللّٰہ لہ سنۃ اللّٰہ فی الذین خلوا من قبل و کان امر اللّٰہ قدراً مقدوراً ○ (۸۶)

ترجمہ:۔ نبی کے لئے اس فرض میں کوئی دشواری نہیں آتی جسے اللہ نے اس کے ذمہ لگا دیا جو لوگ پہلے گزر چکے ہوں اللہ کا ہی دستور ان میں بھی تھا۔ امر اللہ کا حکم تو ایک طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔

القدر و التقدیر تبین کمیۃ الشیٔ . فقدر اشارۃ الی ماسبق بہ القضاء والکتابۃ فی لوح محفوظ. والمقدور اشارۃ الی مایحدث عنہ حالاً فحالاً قدر (۸۷)

اردو مفہوم: قدر کے معنی اندازہ، پیمانہ کے ہیں۔ Pattern کو کہتے ہیں گو کہ قدر کے معنی کسی چیز پر اقتدار و اختیار رکھنے کے بھی ہیں۔ مقدور ان امور کو کہتے ہیں جو رفتہ رفتہ اپنے پیمانے کے مطابق سامنے آتی رہیں۔

کائنات کی تمام اشیاء ایک خاص تناسب کی حامل ہیں۔ اگر تناسب نہ ہوتا تو نہ جانے کب کی کائنات ختم ہوچکی ہوتی۔ یہ نیرنگیٔ کائنات تناسب کا ہی پیش خیمہ ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قدجعل اللّٰہ لکل شیٔ قدراً ○ (۸۸)

ترجمہ:۔ یقیناً اللہ نے ہر شے کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

مگر ہمیں اس مقرر عدد کی خبر نہیں۔ لیکن اللہ جانتا ہے۔ انسان اس تناسب کو کسی حد تک تحقیق و تجربہ کے ذریعے جانتا ہے۔ آج جو سائنسی ترقی ہو رہی ہے وہ اسی تناسب کی ہی بدولت ہے مگر انسان کا یہ علم بہت ہی کم ہے۔ کیونکہ ہر شے کی قدر کو صرف اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

واللّٰہ یقدر الّیل والنّھارؕ علم ان لّن تحصوہ ۔ (۸۹)

ترجمہ:۔ اور اللہ تو رات اور دن کا انداز ہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ کر سکو گے۔

(i) قدر اور تسبیح

یسبح للّٰہ مافی السّمٰوٰت وما فی الارض لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کلّ شیٔ قدیر ○ (۹۰)

ترجمہ:۔ جو کچھ بھی آسمانوں و زمین میں ہے وہ اللہ ہی کی تسبیح کر رہا ہے اس کے لئے سلطنت ہے اور تمام تعریف بھی اسی کے لئے ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

السبح المرا السبح فی المآء وفی الھواء، والتسبیح تنزیہ اللّٰہ تعالیٰ واصلہ المر السّریع فی عبادۃ اللّٰہ وجعل ذٰلک فی فعل الخیر۔ (۹۱)

اردو مفہوم: سبح کے اصل معنی پانی یا ہوا میں تیز رفتاری کے ساتھ گزر جانا اور تسبیح کے معنی تنزیہ الٰہی بیان کرنے کے ہیں اصل میں اس کے معنی عبادت الٰہی میں تیزی کرنا پھر اس کا استعمال ہر فعل خیر پر ہونے لگا۔

دوڑ کی ایک قسم۔ لہٰذا سبح کے معنی ہوئے کسی کام کی تکمیل کے لئے پوری پوری تگ و دو کرنا امکان بھر جد و جہد کرنا، ہر وقت سرگرم عمل رہنا کے ہوئے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر ہر شے اپنا اپنا کام اپنے اپنے مقرر کئے ہوئے انداز سے مسلسل کئے جا رہی ہے۔ کسی شے کو قرار نہیں۔ جمود نہیں۔ ہر شے کو علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے خواہ وہ Seed ہو، Cell ہو، یا Atom الغرض ہر ایک ذرے کو علم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس طرح مادہ ختم ہو کر Energy کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اسی لئے رب کریم نے فرمایا کہ:۔

الم تر انّ اللّٰہ یسبّح لہٗ من فی السّمٰوٰت والارض والطّیر صٰٓفّٰتٍ کلّ قد علم صلاتہٗ وتسبیحہٗ واللّٰہ علیمٌ بما یفعلون ○ (۹۲)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور اڑتا ہوا پرندہ اللہ ہی کی تسبیح کر رہا ہے۔ ہر کوئی اپنی صلوٰۃ اور اپنی تسبیح کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے۔ اللہ اس سے خوب واقف ہے۔

اللہ رب العزت کے پاس ہر شے کے خزانے ہیں مگر اس کے یہاں انداز ہ مقرر ہے وہ اپنے اندازے کے مطابق نازل فرماتا ہے۔ ورنہ کسی چیز کی کثرت بنی نوع انسان کے لئے تکلیف کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ اللہ تو ان چیزوں پر بھی قادر ہے جن کے حصول کی ہم قدرت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اپنی قدرت کاملہ کے بارے میں فرماتا ہے:۔

وّاخرٰی لم تقدر واعلیھا قد احاط اللّٰہ بھاؕ وکان اللّٰہ علی کلّ شیٍٔ قدیراً ○ (۹۳)

ترجمہ:۔ اور اللہ دوسری پر بھی جن کے حصول کی تم قدرت نہیں رکھتے محیط ہے اور اللہ تو ہر شے پر قادر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر ہر شے ایک خاص قانون کے تحت کام کر رہی ہے یہ تمام اشیاء اللہ کے پروگرام

کی تکمیل کے لئے از خود Instinctively سرگرم عمل ہیں ہر ہر شے کو ہر اعتبار سے اللہ نے ایک خاص قدر کی ڈور سے باندھ رکھا ہے۔تب ہی یہ کائنات قائم و دائم ہے۔بصورت دیگر ان ہی قدروں کا فساد، انتشار اور ٹکراؤ یا تصادم اس کی ہلاکت کا سبب۔تو پتہ چلا کہ ہر امر کی قدر مقرر ہے۔جیسا کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں جب اللہ نے چاہا کہ وہ سبق سکھائے قوم کو تو حکم دیا کہ:۔

وفجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علی امر قدقدر ○ (۹۴)

ترجمہ:۔ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے پس پانی اس کام کے لئے مل گئے جو کہ مقدر ہو چکا تھا۔

۳)......تیسرا مرحلہ

امر مستقر:۔

وکلّ امرٍ مّستقرٌ ○ (۹۵)

ترجمہ:۔ اور ہر امر کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

ق ر ر، قر فی مکانہ یقر قراراً اذا ثبت ثبوتا جامدا واصله من القروهو البرد وهو یقتفی السکون. قال ابن مسعودؓ مستقر فی الارض و مستورغ فی القبور وقال ابن عباسؓ مستقر فی الارض و مستودع فی الاصلاب وقال الحسن مستقرفی الاخرة ومستودع فی الدنیا و جملة الامر أن کل حال ینقل عنها الانسان فلیس بالمستقر التام والاقرار الثبات الشئ.(۹۶)

اردو مفہوم: ق رر کے معنی کسی جگہ ٹھہر جانے کے ہیں اصل میں یہ قر سے ہے جس کے معنی سردی کے ہیں جو کہ سکون چاہتی ہے۔ابن مسعودؓ کے نزدیک مستقر زمین میں ٹھہرنا اور مستودع سے مراد قبریں ہیں۔ابن عباسؓ کے نزدیک مستقر سے مراد زمین اور مستودع سے مراد اصلاب ہیں۔حسنؒ کے نزدیک مستقر سے مراد آخرت اور مستودع سے مراد دنیا ہے۔الحاصل ہر وہ حالت جس سے انسان منفعل ہو جائے وہ مستقر تام نہیں ہوسکتا اور اقرار کے معنی کسی چیز کو ٹھہرا دینا کے ہوتے ہیں۔

ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔اسی طرح ایک واقعہ ایک خاص حد تک جا کر رک جاتا ہے اور اس کے نتائج ظہور میں آتے ہیں۔یہی اس کا مستقر ہوتا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

والشّمس تجری لمستقرٍّ لّھاؕ ذٰلک تقدیر العزیز العلیم ○ (۹۷)

ترجمہ:۔ اور سورج اپنے محور پر گردش کر رہا ہے۔یہ طاقت ور جاننے والے کا اندازہ ہے۔

سورج اپنی محوری گردش کے علاوہ اپنے نظام کو لے کر ایک مستقر Destination کی طرف تیزی سے جا رہا ہے۔جبکہ یہ بات ہمیں ۲۰ ویں صدی میں بتائی جا رہی ہے اور قرآن اس حقیقت پر سے کئی سو صدیاں پہلے پردہ اٹھا چکا ہے۔اسی لئے اللہ رب العزت ہماری توجہ ہر خبر کی مستقر کی جانب دلا رہا ہے:۔

لکلّ نبإٍ مّستقرٌّ وسوف تعلمون ○ (۹۸)

ترجمہ:۔ ہر خبر کے لئے ایک وقت معین ہے اور تم جلد جان جاؤ گے۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک منتہٰی ہوتی ہے جہاں پہنچ کر اس کی صداقت یا عدم صداقت آشکارا ہو جاتی ہے ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے لہٰذا ہر امر اپنے مستقر کی جانب تیزی سے جا رہا ہے۔ اسی لئے سورۃ القمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:۔

وکذّبوا واتّبعوآ اھوآءھم وکلّ امرٍ مّستقرٌّ ○ ولقد جآءھم من الانبآء مافیه مزدجر ○ حکمةٌ بالغة فما تغن النّذر ○ فتولّ منھم یوم یدع الدّاع الی شیءٍ نّکرٍ ○ (۹۹)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی اور ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے اور بے شک ان کے پاس ایسی خبریں آچکی ہیں۔ جن میں تنبیہ تھی اعلیٰ درجہ کی دانائی پھر بھی تنبیہات ان کے کسی کام نہ آئیں۔ پس ان سے منہ پھیر لے جس دن بلانے والا انہیں ایک نہایت ناگوار شے کی طرف بلائے گا۔

قرآن ہمیں تکذیب کرنے والوں کے عمل اور ان کے ہولناک نتائج کے ذریعے ہمیں تنبیہ کرتا ہے تا کہ ہم انسان اس امر مستقر کی حقیقت کو جان کر اپنی راہ کو درست کر لیں ورنہ جو حشر ان اقوام کا ہوا ہے۔ اسی ہولناکیوں سے گزرنا پڑے گا۔ جیسے حضرت نوحؑ کی قوم کو طوفان عظیم نے آن گھیرا۔ سو جو کوئی بھی امر الٰہی سے انحراف کی پالیسی پر گامزن رہے گا اور اس کی جگہ خواہش نفس کی پیروی کرے گا تو اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا۔ قرآن نے اخروی انجام کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے کہ:

خشّعاً ابصارھم یخرجون من الاجداث کانّھم جرادٌ مّنتشر ○ مّھطعین الی الدّاع یقول الکفرون ھٰذا یوم عسر ○ (۱۰۰)

ترجمہ:۔ تو وہ نظریں جھکائے ہوئے اپنی قبروں سے نکلیں گے گویا کہ وہ منتشر ٹڈی دل ہوں وہ تیز دوڑتے ہوئے بلانے والے کی طرف جاتے ہوں گے انکار کرنے والے کہیں گے کہ یہ دن تو بڑا ہی کٹھن ہے۔

اس لئے ہر نفس پر لازم ہے کہ وہ امر الٰہی کی نتیجہ خیزیوں کے مزے لوٹے نہ کہ خواہش نفس کی پیروی کر کے یوم عسر کی تکالیف کا مستحق قرار پائے۔

۴) چوتھا مرحلہ

امر اور تدبر:۔

دبر الشیئ خلاف القبل وکنی بھما عن العضوین المخصوصین. والتدبیر التفکیر فی دبر الامور. دابرة الطائر اصبعه المتاخرة. والدبرة من المزرعة. (۱۰۱)

اردو مفہوم: دبر۔ پشت مقعد، یہ قبل کی ضد ہے اور یہ دونوں لفظ بطور کنایہ جائے مخصوص کے معنی ہے اور تدبیر کسی

معاملے کے انجام پر نظر رکھتے ہوئے اس میں غور وفکر کرنا۔ دابرۃ الطائر سے مراد پرندوں کے پاؤں کا رخ اریعنی پرندکی پانچویں انگلی جو دوسری انگلیوں کے اوپر نکلتی ہے۔ اور الدبرۃ قابل کاشت زمین کا ٹکڑا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اس مسئلے کی نزاکت کو اول تا آخر غور وفکر کر لینا نیز آیات و آثار کی مدد سے حقیقت کا ادراک کرنا تدبر کہلاتا ہے جبکہ امر کا Process بہت Dynamic ہے۔ امر Static ہرگز نہیں۔ اسی کے متحرک ہونے کے بارے میں خود اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

انّ ربّکم اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض فی ستّۃ ایّام ثمّ استوی علی العرش یدبّر الامرؕ مامن شفیعٍ الّامنۢ بعد اذنہٖ ذٰلکم اللّٰہ ربّکم فاعبدوہ افلا تذکّرون ○ الیہ مرجعکم جمیعاً (۱۰۲)

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں خلق کیا پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے اسی کی بندگی کرو کیا تم غور نہیں کرو گے؟ تم سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے۔

اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر امر تدبیر کی صفت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور تخلیق کائنات میں انسان کے وجود کا مقصد بھی بتا دیا گیا کہ جس طرح کائنات کی ہر ہر شے اپنا کام کر رہی ہے آیا کہ انسان اپنے ارادہ واختیار کے ساتھ کس طرح کام لے رہا ہے اسکے عمل پر اس کی جزا وسزا کا انحصار ہے۔ اسی لئے اللہ نے جو کائنات تخلیق کی ہے۔ وہی اس کا اعادہ بھی کرے گا۔ اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ دوسری بات یہ کہ:۔

یدبّر الامر من السّمآء الی الارض ثمّ یعرج الیہ فی یومٍ کان مقدارہٗ الف سنۃٍ ممّاتعدّون○(۱۰۳)

ترجمہ:۔ وہ آسمان سے زمین تک کے امور کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف بلند ہوتے ہیں ایک دن میں جس کی مدت تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار برس ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے کاموں کی تدبیر میں نہایت سرعت سے کام لیتا ہے۔ یہ رفتار ہمارے حیطۂ ادراک سے باہر ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

والنّٰزعٰت غرقاً ○ وّالنّٰشطٰت نشطاً ○ وّالسّٰبحٰت سبحاً ○ فالسّٰبقٰت سبقاً ○ فالمدبّرٰت امراً ○ یوم ترجف الرّاجفۃ ○ تتبعھا الرّادفۃ ○ قلوب یّومئذٍ وّاجفۃ ○ ابصارھا خاشعۃ ○ (۱۰۴)

ترجمہ:۔ قسم ہے ان کی جو ڈوب کر سختی سے کھینچ لیتے ہیں۔ جو نہایت چابکدستی سے آزاد کرا لیتے ہیں۔ قسم ہے ان کی جو تیزی سے تیرتے پھرتے ہیں پھر قسم ہے ان کی جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں۔ پھر قسم ہے امور کی تدبیر کرنے والوں کی کہ جس دن شدید زلزلے کا جھٹکا بری طرح ہلا ڈالے گا اس کے فوراً بعد ایسا ہی ایک اور، اس دن دل دھڑک رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی۔

درج بالا آیت میں اللہ ہم انسانوں کو یہ بتا رہا ہے کہ موت چونکہ یقینی امر ہے۔ لہٰذا اس امر پر مامور فرشتوں

کی نزاکت کا عالم یہ ہے کہ وہ ہر شے میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور طاقت کا عالم یہ ہے کہ وہ اس شے کو کھینچ نکالتے ہیں۔ اور چابکدستی کا عالم یہ ہے کہ وہ انتہائی مہارت سے آزاد کرا لیتے ہیں۔ اس طرح ہر امر کو انجام تک پہنچانے کے لئے ایسے فرشتے انتہائی سبک رفتاری کے ساتھ تیرتے پھرتے ہیں اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے والی قوت رکھتے ہیں۔ اور ہم پھر قسم کھا کر رب تعالیٰ ہم انسانوں کو یقین دلا رہا ہے کہ بالکل اسی طرح قیامت کے لئے اس کائنات کو نہایت تدبیر کے ساتھ اس کے انجام تک دھکیل رہے ہیں مگر ہمیں دکھائی نہیں دیتا۔ اس کام پر مامور فرشتوں کا احساس ہمیں اس وقت ہوگا جب حشر برپا ہو چکا ہوگا قیامت کا زلزلہ آئے گا۔ ایسے وقت میں پھر یقین آئے تو کس کام کا۔ اسی لئے رب نے فرمادیا کہ اس دن ان کی آنکھیں جو تکذیب کرتے رہے ہیں جھکی ہوئی ہونگیں۔ لیکن اب شرمندگی سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وقت گزر چکا ہوگا۔ مہلت ختم ہو چکی ہوگی۔

آج انسان نے ایسی ایجادات کر لی ہیں کہ وہ برق رفتاری میں ایک نام پیدا کرتا چلا جا رہا ہے۔ تو اب تو شک کی گنجائش ہی نہیں رہتی جب مخلوق اس قدر تیزی کا مظاہرہ کر سکتی ہے تو خالق کی تیزی کا اندازہ تو ہم لگا ہی نہیں سکتے۔ اللہ نے اپنے امر کو انجام تک پہنچانے کے لئے کیا کیا نہ کر رکھا ہوگا۔ بہر حال ان آیات میں اللہ نے ہم پر اس حقیقت کو واضح ضرور کر دیا ہے کہ ہر امر تدبیر کے ساتھ بندھا ہے۔ اور تدبیر با مقصد ہے۔ اور یہی حق ہے۔ انسان کی فلاح کا راز اسی میں ہے کہ وہ امرِ الٰہی کے مطابق اپنی زندگی گزارے۔ ورنہ اس کائنات میں اس کے علاوہ کوئی اس کا ''ولی، مددگار اور شفیع سفارش کرنے والا نہیں''۔ (۱۰۵)

۵)...... پانچواں مرحلہ

یتنزل الامر:۔

النزول فی الاصل هو انحطاط من علو. ونزل بكذا وانزله بمعنى وانزال الله نعمته ونقمه على الخلق اعطاؤهم اياها و ذلك امّا بانزال الشئ نفسه كا نزال القرآن وامّا بانزال اسبابه والهداية اليه كا نزال الحديد واللباس. (۱۰۶)

اردو مفہوم: اصل میں نزول کے معنی بلند جگہ سے نیچے اترنے کے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے مخلوق پر عذاب یا نعمتوں کا نازل کرنے سے ان کا وقوع یا عطا کرنا یا تو بعینہ اس چیز کے نازل کرنے کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن کا نزول فرمانا یا ان چیزوں کو پیدا کر کے ان کی طرف ہدایت کر دینے کے ذریعے ہوتا ہے۔ جیسا کہ لوہا اور لباس اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کو اتارنا کے ہیں۔

اور نزول کا ہونا دراصل اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس بزم کائنات میں اللہ کا امر گردش کرتا رہتا ہے اس کائنات کا نظم اس کی ترتیب اس کا تسلسل، اس کی تحریک اس کا مثبت نتیجہ بتا رہا ہے کہ اس کو چلانے والا کوئی ہے جو اس قدر طاقتور ہے کہ اس قدر وسیع کائنات کو تصادم سے بچائے ہوئے ہے وہ کون ہے؟

اللّٰہ الّذی خلق سبع سمٰوٰتٍ وّمن الارض مثلھنّ یتنزّل الامر بینھنّ لتعلموآ انّ اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیر وّانّ اللّٰہ قد احاط بکلّ شیءٍ علماً O (۱۰۷)

ترجمہ:۔ اللہ وہی ہے کہ جس نے سات آسمان اور ان ہی کے مثل زمینیں خلق کیں جن کے مابین حکم نازل ہوتا رہتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور بے شک اللہ اپنے علم سے ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اللہ کا کوئی ثانی نہیں چونکہ اللہ بشر سے کلام نہیں کرتا۔ اس لئے فرشتوں کے ذریعے اپنے امر کو جس بندے پر چاہے نازل فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

تنزّل الملٰئکة والرّوح فیھا باذن ربّھم من کلّ امرٍ O (۱۰۸)

ترجمہ:۔ اس میں ملائکہ امر الروح اپنے رب کی اجازت سے ہر امر لے کر نازل ہوتے ہیں۔

فرشتوں کے نزول کا مقصد:۔

امر کے نزول کا مقصد تنبیہہ کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ امر کے ذریعے ہمیں صرف خالق ہی بتائے گا کہ کیا چیز حلال ہے اور کیا حرام؟ کیا شے جائز ہے اور کیا ناجائز۔ کونسا کام معروف ہے اور کون سا منکر؟ الغرض زندگی کے تمام شعبہ جات سے متعلق ایک مکمل ضابطۂ حیات Complete Code of Life کو اللہ نے ہی نازل کیا ہے۔ اس طرح بات فقط کلام کی حد تک نہیں بلکہ اللہ نے امر کا نزول فرما دیا ہے۔ ارشار ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ینزّل الملٰئکة بالرّوح من امرہٖ علی من یّشاءُ من عبادہٖ ان انذروآ انّہٗ لآ الٰہ الآ انا فاتّقون O (۱۰۹)

ترجمہ:۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے الروح کے ساتھ فرشتوں کو نازل کرتا ہے تاکہ وہ تنبیہہ کریں بے شک میرے سوا کوئی معبود نہیں پس مجھ سے ڈرو۔

اس طرح فرشتے تنبیہہ کرتے ہیں۔ ہمیں غلط کام سے روکتے ہیں۔ اللہ نے ہر انسان کے اندر ایک ایسا نفس رکھا ہے جو اس کو ملامت کرتا ہے۔ جسے نفس لوّامہ کہتے ہیں۔ یہ نفس ہر برے کام سے روکتا ہے تنبیہہ کرتا ہے۔ اسے باز رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ الغرض فرشتوں کی تنبیہہ ایک کیفیت ہے جو کہ انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اس تنبیہہ کے موافق عمل کرتے ہیں۔ وہ کامیاب ہو جاتے ہیں اور بصورت دیگر بے چین اور خوف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فرشتوں کا نزول اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ ان کی مجال نہیں کہ وہ بغیر اللہ کے حکم کے نازل ہو جائیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وما نتنزّل الّا بامر ربّک لہٗ ما بین ایدینا وما خلفنا وما بین ذٰلک وما کان ربّک نسیّاً O (۱۱۰)

ترجمہ:۔ ہم تنزل نہیں کرتے مگر تیرے رب کے حکم کے ساتھ جو کچھ بھی ہمارے آگے ہے اور جو کچھ بھی ہمارے

پیچھے ہے اور جو کچھ بھی ان کے مابین ہے اسی کا ہے اور تیرا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

بھولنے کی عادت مخلوق کی ہوتی ہے خالق کی نہیں۔ جہاں تک فرشتوں کی بات ہے تو وہ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں۔ وہ وہی کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور امر کا نزول ہی دراصل کائنات کو نتیجہ خیز بناتا ہے۔ یہاں یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ کائنات سکوتی Static نہیں بلکہ متحرک Dynamic واقع ہوئی ہے۔ اور یہ Dynamic اس لئے ہے کہ اس میں امر کے ذریعے Revealed Knowledge کی جاتی ہے۔

۶)...... چھٹا مرحلہ

امر مفعولا:۔

فعل الفعل السالیرس جهه مؤثر وهو عام لما کان باجادة اوغیر اجادة ولما کان بعلم او غیر علم و قصدا اوغیر قصد ولما کان من الانسان والحیوان والجادات والعمل مثله. یایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته ای ان لم تبلغ هذا الامر فانت فی حکم من لم یبلغ شیاء بوجه والذی من جهة الفاعل یقال له مفعول و منفعل و قد فعل بعضهم بین المفعول والمنفعل فقال المفعول یقال اذا اعتبر بفعل الفاعل والمنفعل اذا اعتبر قول الفعل فی نفسه قال فالمفعول اعم من المنفعل (۱۱۱)

اردو مفہوم: الفعل کے معنی کسی اثر انداز کی طرف سے اثر انداز ہی کے ہیں عام اس سے کہ وہ تاثیر عمدگی کے ساتھ ہو یا بغیر عمدگی کے ہو اور علم سے ہو یا بغیر علم کے قصداً کی جائے یا بغیر قصد کے پھر وہ تاثیر انسان کی طرف سے ہو یا دوسرے حیوانات و جمادات کی طرف سے ہو یہی معنی لفظ عمل کے ہیں۔ ''اے پیغمبر جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے'' یعنی اگر تم نے یہ حکم نہ پہنچایا تو گویا تم نے تبلیغ کی ہی نہیں اور جس پر فاعل اپنا فعل کرتا ہے اسے منفعل اور مفعول کہا جاتا ہے بعض نے مفعول اور منفعل میں فرق کیا ہے کہ فاعل کے فعل کے اعتبار سے اسے مفعول کہا جاتا ہے اور فعل کا اثر قبول کر لینے کے لحاظ سے اسے منفعل کہا جاتا ہے بس مفعول منفعل سے اعم ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ کا ہر امر مطلق، مکمل صورت Absolute Programe & Complete Form میں ہوتا ہے۔ اللہ کے امر میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰٓاَیُّھا الّذین اوتوا الکتٰب اٰمنوا بما نزّلنا مصدّ قًالّما معکم مّن قبل ان نّطمس و جو ھًا فنردّھا علٰٓی ادبار ھآ اونلعنھم کما لعنّآ اصحٰب السّبتِؕ و کان امر اللّٰہ مفعو لاً ○ (۱۱۲)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جن کو کتاب دی گئی ہے ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کیا تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس پہلے سے ہے اس سے پیشتر کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور ان کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں یا ان پر لعنت کریں

جیسا کہ ہم نے اصحاب سبت پر لعنت کی تھی، اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر رہے گا۔
ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ولٰکن لّیقضی اللّٰہ امراً کان مفعولاً لّیھلک من ھلک عن بیّنۃٍ وّیحیی من حیّ عن بیّنۃٍ و انّ اللّٰہ لسمیع علیم ○ (۱۱۳)

ترجمہ:۔ اور لیکن اسلیئے کہ اللہ نے جس امر کا فیصلہ کر دیا تھا وہ ہو کر رہتا ہے اور اس لئے کہ جو ہلاک ہوں وہ واضح حجت سے ہلاک ہوں اور جو زندہ رہیں واضح دلیل پر زندہ رہیں اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

قرآن حکیم والفرقان مجید کے مطابق ہر شے ایک خاص قانون کے مطابق سرگرم عمل ہے اور ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے یہ نتیجہ مخصوص قانون کے تحت مرتب ہوتا ہے۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ زندگی اللہ نے دی لیکن درمیان میں موت کو رکھا ہے تا کہ اپنے بندوں کو آزمالے اور آزمائش ہر ایک کے لئے مختلف ہے۔ کبھی انتہائی آزمائش میں ڈالتا ہے۔ تا کہ جو لوگ زندہ رہیں وہ بھی دلیل پر اور جو مر جائیں وہ بھی دلیل کے مطابق۔ اس طرح اللہ اپنی حجت ضرور تمام کرتا ہے۔ خود پر الزام نہیں لیتا۔ اس طرح اللہ اپنے امر کو مفعول کرتا ہے۔ مثلاً

واذیریکموھم اذا لتقیتم فیٓ اعینکم قلیلاً وّ یقلّلکم فیٓ اعینھم لیقضی اللّٰہ امراً کان مفعولاً والی اللّٰہ ترجع الامور ○ (۱۱۴)

ترجمہ:۔ ''اور جب مڈبھیڑ کے وقت اس نے انہیں تمہاری نظروں میں قلیل کر دکھایا، اور ان کی نظروں میں تمہیں قلیل دکھایا تا کہ اللہ اس امر کا فیصلہ کر دے جو کہ ہو کر رہنے والا تھا اور تمام امور کی بازگشت اللہ ہی کی جانب ہے۔''

اسی لئے اصول بھی بیان کر دیئے تا کہ مومنین فلاح پاسکیں۔

۱) آزمائش کے وقت ثابت قدم رہو اللہ کی یاد کثرت سے کرو۔

۲) اطاعت اللہ اور رسول کرو۔ آپس میں تنازعہ نہ کرو۔ صبر کرو ورنہ ہوا اکھڑ جائے گی۔

۳) اترانے اور دکھاوے کی ممانعت ہے۔

۴) باطل اعمال کو زینت نہ دو کیونکہ شیطان کی معیت سراسر دھوکہ کے سوا کچھ نہیں۔

۵) منافقت کے مرض سے بچو شیطان کے دین پر نہ چلو اللہ پر بھروسہ کامل رکھو۔ (۱۱۵)

ان شرائط پر جو پورا اترتا ہے تو اسی کے لئے اللہ کا امر مفعولا ہو جاتا ہے۔ یہ امر مفعول کیسے ہوتا ہے؟ ہم اس کی کنہہ وحقیقت کو نہیں پاسکتے۔ کیونکہ ہم اللہ کی Hidden Power کو نہیں جانتے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ ہم خواب کی زندگی بسر کر رہے ہیں یا حقیقت کی۔ یعنی یہ زندگی خواب ہے یا حقیقت لیکن اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ کہ اس نے ہم پر خواب طاری کیا یا حقیقت۔ وہ جانتا ہے کہ اس نے کیونکر اس امر کو مفعول کرنا ہے؟ سو وہ کر کے رہتا ہے اسی لئے وہ اللہ ہے۔

۷)......ساتواں مرحلہ

امر السّاعۃ:۔

امر کے مراحل کی آخری Stage الساعۃ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

وللّٰہ غیب السّمٰوٰت والارضؕ ومآ امر السّاعۃ الّا کلمح البصر اوھو اقربؕ انّ اللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر ○ (۱۱۶)

ترجمہ: اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے اور قیامت کا معاملہ تو چشم زدن کی بات ہے یا اس سے بھی جلد تر۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

ساعۃ:۔ السّاعۃ جزٌ من اجزاء الزمان ویعبربہ عن القیامۃ الساعات التی ھی القیامۃ ثلاثۃ الساعۃ الکبریٰ وھی بعث النّاس للمحاسبہ، والساعۃ الوسطی وھی موت اھل القرن الواحد، والساعۃ الصغریٰ وھی موت الانسان فساعۃ کل انسان موتہ. (۱۱۷)

اردو مفہوم: سوع:۔ اجزاء زمانہ میں سے ایک جز کا نام ہے اور الساعۃ بول کر قیامت مراد لی جاتی ہے۔ وہ ساعات جن سے قیامت مراد ہوتی ہے الساعۃ الکبری یعنی لوگوں کو محاسبے کے لئے اٹھانا یا زندہ کرنا، دوم الساعۃ الوسطی جو کہ ایک قرن کے لوگ گزر جانے سے عبارت ہے اور ساعۃ صغری جو کہ انسان کی موت سے عبارت ہے یعنی ہر انسان کی موت اس کے لئے قیامت ہے۔

دراصل یہ ظہور نتائج کا نام ہے۔ جسے ہلاکت انگیز انقلاب کی گھڑی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ نہ تو انسانی زندگی موت سے ختم ہو جاتی ہے اور نہ ہی اعمال کے نتائج کا سلسلہ یہیں منقطع ہو جاتا ہے اس لئے اس زندگی کے بعد ظہور نتائج کو امر الساعۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہر حال شریعۃ من الامر اس مقام پر ظہر من الامر کی سطح پر آ جاتی ہے تو حق آ جاتا ہے اور باطل مٹ جاتا ہے۔

درج بالا تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ساعت ہر گزرنے والے لمحے کو کہتے ہیں جس عمل سے ابتداء ہوتی ہے اور ایک نتیجہ مرتب کیا جاتا ہے۔ یہ نتیجہ انفرادی بھی ہوتا ہے اور اجتماعی بھی۔ اقوام کی زندگی کی غلط روش کے تباہ کن اثرات ساتھ ہی ساتھ مرتب ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کا مجموعی نتیجہ Accumalative Effect کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ وقت اس قوم کی زندگی کے لئے الساعۃ ثابت ہوتا ہے۔ جیسے مسلمان اقوام جب تک صحیح روش پر قائم رہیں۔ اللہ کے فیض و کرم کے مزے لوٹتی رہیں۔ اور جب الساعۃ آئی تو ذلت و بربادی کے گڑھے میں گر گئیں۔ آج بھی مغرور لوگ جو عیش و تنعم کا شکار ہیں پوچھتے ہیں کہ الساعۃ کب آئے گی؟ ان کے نفسی ڈائیلاگ کا ذکر قرآن میں کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ:۔

یسئلک النّاس عن السّاعۃؕ قل انّما علمھا عند اللّٰہؕ وما یدریک لعلّ السّاعۃ تکون

قریباً○(۱۱۸)

ترجمہ:۔ لوگ تجھ سے ساعت کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہدے کہ اس کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور تو کیا جانے کہ شاید وہ ساعت قریب ہی ہو؟

یعنی ہوسکتا ہے کہ وہ فیصلہ کن ساعت کہ جس میں حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے یا غرور وتکبر کرنے والے کو مزہ چکھا دیا جائے گا قریب ہی ہو جیسا کہ گمان کرنے والے نے کہا ہے۔

ودخل جنّتهٗ وهو ظالم لّنفسهٖ ج قال مآ اظنّ ان تبيد هٰذهٖٓ ابداً ○ لا وّما اظنّ السّاعة قآئمةً وّلئن رّددتّ الٰى ربّى لاجدنّ خيرً آ مّنها منقلباً ○ (۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور وہ اپنے باغ میں اس طرح داخل ہوا کہ اس نے یہ کہتے ہوئے اپنے نفس پر ظلم کیا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ کبھی بھی فنا ہوگا۔ اور نہ ہی میں گمان کرتا ہوں کہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً اس سے بہتر ٹھکانہ پاؤں گا۔

لیکن ہوا یہ کہ صاحب ایمان ویقین کی بات پوری ہوئی۔

واحيط بثمرهٖ فاصبح يقلّب كفّيه علٰى مآ انفق فيها وهى خاوية علٰى عروشها ويقول يٰليتنى لم اشرك بربّى احداً ○ (۱۲۰)

ترجمہ:۔ اور اس کا پھل گھیرا گیا اور وہ اس پر ہاتھ ملنے لگا جو کہ اس نے اس پر خرچ کیا تھا اور وہ بالکل تباہ و برباد ہوگیا اور وہ کہنے لگا ہائے افسوس، اے کاش میں نے کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنایا ہوتا۔

الساعۃ ایک نتیجہ خیز گھڑی کا نام ہے۔ ہم انسانوں کو اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے۔ لیکن جو لوگ وقت کی نتیجہ خیزی سے بظاہر انکار کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ دنیاوی نتیجہ کو تو مانتے ہیں پر اخروی نتائج کو ماننے سے یا غیبی نتائج کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اللہ ایسے ہی لوگوں سے مخاطب ہے کہ:۔

اقترب للنّاس حسابهم وهم فى غفلةٍ مّعرضون ○ ج مايا تيهم مّن ذكرٍ مّن رّبّهم محدثٍ الّا استمعوه وهم يلعبون ○ لا (۱۲۱)

ترجمہ:۔ لوگوں کا حساب قریب سے قریب تر آ پہنچا ہے اور وہ غفلت سے منہ پھیرائے ہوئے ہیں۔ کوئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس نہیں آئی مگر یہ کہ وہ اسے تفریح سمجھ کر سنتے ہیں۔

(i) گمان اور حقیقت

حقیقت یہ ہے کہ جب ساعت قائم ہوگی تو انکار کرنے والوں کے گمان حرف غلط کی طرح مٹ جائیں گے۔ اسی حقیقت اور نتیجہ خیزی کے بارے میں اللہ یوں گویا ہے:۔

ولِلّٰه ملك السّمٰوٰت والارض ط ويوم تقوم السّاعة يومئذٍ يّخسر المبطلون ○ وترٰى كلّ امّةٍ

جاثیۃً کلّ امّۃٍ تدعیٰ الی کتٰبھاؕ الیوم تجزون ما کنتم تعملون ○ ھٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحقّؕ انّا کنّا نستنسخ ماکنتم تعلمون○ (۱۲۲)

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ اور جس دن وہ ساعت قائم ہوگی اس دن جھٹلانے والے نقصان اٹھائیں گے اور تو ہر امت کو گھٹنوں کے بل دیکھے گا ہر امت کو اس کی کتاب کی طرف بلایا جائے گا آج کے دن تمہیں اس کے مطابق جزا دی جائے گی جو کچھ تم کرتے تھے۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تم پر حق ہی حق بولے گی ہم تو لکھتے رہتے تھے جو کچھ بھی تم کیا کرتے تھے۔

(ii) گمان سے یقین کی منزل تک کا سفر:۔

ایک اور جگہ اللہ رب العزت نے ان کے اعتراض اور حقیقت دونوں کو بیان کیا ہے:۔

واذا قیل انّ وعد اللّٰہ حقّ وّالسّاعۃ لاریب فیھا قلتم مّاندری ما السّاعۃ ان نّظنّ الّا ظنّا وّما نحن بمستیقین ○ وبدالھم سیّاٰت ما عملوا وحاق بھم مّا کانوا بہٖ یستھزؤن ○ (۱۲۳)

ترجمہ:۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ساعت میں کوئی شک نہیں تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ ساعت کیا ہے؟ ہم تو یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ محض ایک قیاس آرائی ہے اور ہم ایسی باتوں پر یقین لانے والے نہیں اور ان پر وہ برائیاں جو وہ کیا کرتے تھے ظاہر ہو جائیں گی اور وہ جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے انہیں گھیر لے گا۔

(iii) کفار کے لئے ساعت کی سختی:۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

ساعت کی سختی کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ:۔

بل السّاعۃ موعدھم والسّاعۃ ادھی و امرّ ○ انّ المجرمین فی ضلٰلٍ وّ سعرٍ ○ یوم یسحبون فی النّار علٰی وجوھھمؕ ذوقوا مسّ سقر ○ (۱۲۴)

ترجمہ:۔ بلکہ وہ ساعت ہی ان کے وعدے کا وقت ہے اور وہ ساعت بڑی کھٹن اور تلخ ہے بلا شبہ مجرم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہیں جس روز وہ لوگ اپنے منہ کے بل جہنم میں گھسیٹے جائیں گے جہنم کے لمس کا مزہ چکھو۔

منکرین کے لے یہ سزا اللہ نے مقرر کردی ہے۔ اسی لئے اس کی وعید بھی سنادی تاکہ دیگر لوگ نصیحت حاصل کریں۔

(iv) ساعت کا علم صرف اللہ کو کیوں؟

ساعت کا علم صرف اللہ کو ہے اس لئے کہ ہر معاملہ اس کی جانب لوٹایا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

الیہ یردّ علم السّاعۃؕ وما تخرج من ثمرٰتٍ مّن اکمامھا وما تحمل من انثٰی و لا تضع

الآ بعلمہٖ (١٢٥)

ترجمہ:۔ ساعت کی گھڑی کا حوالہ علم اسی کی طرف لوٹایا جاتا ہے۔اور کوئی پھل اپنے غلاف میں سے نہیں نکلتا اور نہ ہی کوئی مادہ حمل اٹھاتی ہے اور وضع کرتی ہے مگر وہ اس کے علم میں ہوتا ہے۔

اللہ چونکہ العلیم ہے اس لئے صرف وہی جانتا ہے جس نے کہ امر کو رجعی بنایا۔ چونکہ کوئی دوسرا خالق نہیں اس لئے وہ خلق کے متعلق نہیں جان سکتا۔لہٰذا عوام الناس کو اس کی ہولناکیوں سے باخبر فرمارہا ہے۔

(۷) ساعت کی ہولناکیاں:۔

ساعت وہ لمحہ ہے کہ جس میں نتائج کا ظہور ہوتا ہے لہٰذا اس کی ہولناکیوں سے مطلع فرمارہا ہے شاید کہ کوئی فلاح حاصل کر سکے۔ارشاد باری ہوتا ہے کہ:۔

یٰا یّھا النّاس اتّقوا ربّکمْ انّ زلزلۃ السّاعۃ شیئ عظیم ○ یوم ترونھا تذھل کلّ مرضعۃ عمّآ ارضعت و تضع کلّ ذات حملٍ حملھا وتری النّاس سکرٰی و ماھم بسکرٰی ولکنّ عذاب اللّٰہ شدید○(١٢٦)

ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو بے شک ساعت کا زلزلہ بہت بڑی ہولناک شے ہے جس دن تم اس کو دیکھو گے تو ہر دودھ پلانے والی دودھ پینے والے کو بھول جائے گی اور حاملہ اپنے حمل کو ساقط کر دے گی اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا حالانکہ وہ نشے میں مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب شدید ہے۔

عصر حاضر میں موجود لوگوں کے اعمال اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ وہ مکمل طور پر حیات دنیا کی رنگینیوں میں محو ہیں۔شیطان نے ان کے اعمال کو اس قدر زینت دی ہے کہ وہ ایک جانب تو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ امان میں ہیں جبکہ دوسری جانب بصارت وبصیرت رکھتے ہوئے بھی ان صلاحیتوں کو استعمال کرنے سے قاصر ہیں۔ غافل اور بے شعور۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ھل ینظرون الآ السّاعۃ ان تاتیھم بغتۃً وّھم لا یشعرون ○ الا خلاّءُ یومئذٍ بعضھم لبعضٍ عدوّ الاّ المتّقین ○ؕ (١٢٧)

ترجمہ:۔ کیا وہ قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ انہیں اچانک آلے اسی حال میں کہ انہیں اس کا شعور بھی نہ ہو اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقین کے۔

وانّہ لعلم لّلسّاعۃِ (١٢٨)

ترجمہ:۔ اور بے شک یہ قیامت کی ایک علامت ہے۔

یقیناً مکافات عمل ساعت کی نتائجیت کا امین بھی ہے اور اس کے ہونے کی علامت بھی چہار جانب اللہ ہی اللہ ہے کائنات کی ہر شے ایک خاص قانون کے تحت سرگرم عمل ہے ہر جانب اللہ کے امر کی کارفرمائیاں ہیں لیکن امر کی حد

کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امر کس طرح اگلے مرحلے سے وابستہ ہو جاتا ہے؟ تو اس کا مختصراً سہل جواب یہ ہے کہ جس طرح کن، فیکون سے۔لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

کن کا اطلاق فیکون کی صورت میں کس طرح ممکن ہے؟

فصل سوم:۔

قول کن کا اطلاق فیکون میں صورت میں

اللہ تبارک وتعالیٰ Abstract Truth کو جب حقیقت کا روپ دینا چاہتا ہے تو پھر قول کـــن سے جو چاہتا ہے اسے فیکـون کی صورت میں تخلیق کر دیتا ہے۔یعنی کہ حرکت اولیٰ اپنی کارفرمائی شروع کرتی ہے تو کائنات میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔قول کـــن کچھ اس قسم کی نوعیت کا حامل ہے کہ اس میں عروج بھی ہے اور زوال بھی بلندی بھی ہے اور پستی بھی، نشیب بھی ہے اور فراز بھی، تعمیر بھی ہے اور تخریب بھی، کثرت بھی ہے اور قلت بھی، طول بھی ہے اور عرض بھی، رحمت بھی ہے اور زحمت بھی، خوشی بھی ہے اور غم بھی، فلاح بھی ہے اور خسارہ بھی، طمانیت بھی ہے اور مایوسی بھی، دنیا بھی ہے اور آخرت بھی، نیز جنت بھی ہے جہنم بھی۔الغرض وہی اول ہے اور وہی آخر، وہی ظاہر ہے وہی باطن، وہی غیب ہے اور وہی شہود، وہی خالق ہے اور وہی مالک۔لہٰذا جو کوئی قول کـــن کے موافق کام کرتا ہے تو مثبت انداز سے فیکـون ہو جاتا ہے اور جو باطل کی پیروی کرتا ہے تو قول کن اس کے لئے منفی انداز سے عمل پیرا ہو جاتا ہے پہلی صورت میں جو ہر بلند جو ہر سے مل کر سلامتی پاتا ہے تو دوسری صورت میں نیست جو ہر سے مل کر فساد کا سبب بنتا ہے۔اس طرح!!!

امر جو Formless Or Invisible Things کی صورت میں ہوتا ہے فیـکـون ہوتے ہی متشکل (Form Or Visible Things) کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔تو پھر خلق بن جاتا ہے۔گو کہ یہ اتنا بھی آسان نہیں کیونکہ امر سے خلق بننے میں اللہ کی اسم صفت الاعلیٰ شامل حال ہوتی ہے۔تب خلق کی صورت ملتی ہے اس طرح خلق غیبی امور کو واقف کرانے کی علامت بن جاتا ہے۔یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ موجود اشیاء سے غیر موجود اشیاء کا ادراک کرتا ہے۔بصورت دیگر اس کے لئے موجود اشیاء کی عدم موجودگی میں وہ ادراک کرنے سے قطعاً قاصر ہے۔بہر حال خلق کے سلسلے میں مختلف قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔

۱) سائنسدانوں کا نظریہ	1)_ Scientific View
۲) مشرکین کا نظریہ	2)_ Polytheism View
۳) عقلی نظریہ	3)_ Logical Approach
۴) کن سے فیکون کا عملی نظریہ	4)_ Command Be in Action form
۵) قرآنی نظریہ	5)_ Quranic Approach

۱) **سائنسدانوں کا نظریہ** Scientific View:۔

سائنسدان قول کن اور فیکون کے بارے میں کچھ اس طرح کہتے نظر آتے ہیں کہ:۔

Life has occupied the Planet for nearly 4 billion of its 4.5 billion years but untill about 600 millions years ago, there was no organism more complex than bacteria, multicelled algae and single cell Plankton. The first hint of biological ferment was a Plathora of mysterious palmshape, frond like creatures that vanished as in expecticably as they appeared. (129)

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے آغاز کے نشانات سائنسدانوں کی نظر میں Plankton Bacteria and algae ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ دعویٰ کو سچا ثابت کرنے کے لئے شواہد کی ضرورت پڑتی ہے آغاز خواہ کائنات کا ہو یا انسان کا اس کا کوئی شاہد نہیں ہے سوائے اللہ کے۔ (ضمیمہ جات نمبر ۲ میں تصویر نمبر ۱ ص نمبر ۳۱۷ پر ملاحظہ ہو۔)

۲) **مشرکین کا نظریہ** Polytheism:-

قدیم تا جدید زمانہ میں کچھ لوگ مشرکانہ عقائد کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق اتنی بڑی کائنات نعوذ باللہ اللہ نے اکیلے کیسے بنائی ہوگی، وہ تھک گیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ اس قسم کی بات کا مقصد فقط بلا واسطہ شرک کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے اس لئے اللہ نے مخلوق کی غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہوئے فرمادیا کہ:۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ○ (۱۳۰)

ترجمہ:۔ میں نے ان کو آسمانوں اور زمین کی خلقت میں گواہ نہیں بنایا تھا اور نہ ہی ان کی اپنی خلقت میں اور میں گمراہوں کو اپنا بازو بنانے والا نہیں۔

حقیقت یہی ہے آج اتنی ترقی کرنے کے باوجود ہم میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اپنی تخلیق کا خود شاہد ہوں۔

۳) **عقلی نظریہ** Logical Approach:-

عقل حواس خمسہ کی روشنی میں چلتی ہے۔ لہٰذا Symbols کے ذریعے حقیقت کا ادراک کرتی ہے۔ مشاہدہ میں آنے والی چیزوں سے ان کی باطنی کیفیت و اثرات کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔ پتہ لگانا دراصل سائنس ہے مگر جو چیزیں ہمارے حیطۂ ادراک میں نہیں آتیں ہم ان کے وجود سے یا ہونے سے انکار تو نہیں کر سکتے۔ پہلے چاند کی پوجا ہوتی تھی لیکن اب چاند کی زمین پر پہنچنے والوں سے ہمارا رابطہ رہتا ہے تو بھلا ایسی صورتوں میں ہم اس مسخر شدہ قوتوں اور طاقتوں کا انکار کیسے کر سکتے ہیں؟ مگر انسان تمام موقعوں پر عقل کو عقل کل سمجھے بیٹھا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ہر

انسان نے دھوکہ کھایا۔ اور عقلی ارتقاء کو حقیقت سمجھ بیٹھا۔ نعوذ باللہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ کی عقل کا ارتقاء ہو رہا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب مظاہر مخلوق کی اور عقل کی مختلف اقسام اور قدریں ہیں جو کہ Side by Side اپنے اپنے امور کی انجام دہی میں مصروف پیکار ہیں انسانوں کے تخیل دریافت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

(ضمیمہ جات نمبر۲، تصویر نمبر۲، ص نمبر ۳۱۸ پر ملاحظہ کیجئے۔)

۴) کن سے فیکون کا عملی نظریہ:۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے کائنات کو پہلے سے مسخر کر دیا۔ کائنات میں جتنی Unseen & Hidden Powers ہیں۔ ان سب کو آدم کے لئے مسجود کر دیا سوائے ابلیس کے۔ (۱۳۱) یہ اور بات ہے کہ کوئی علم حاصل کرنا نہ چاہے اور تسخیر کائنات میں دلچسپی نہ لے یا پھر دلچسپی لے تو پھر علمی اعتبار سے عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے یا نہ رکھے۔ لیکن جو صاحبان علم ہیں وہ عدل پر بدستور قائم ہیں وہ بھی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ:۔

شهد اللّٰه انّهٗ لآ الٰه الاّ هوۙ والملٰٓئكة و اولوا العلم قائمًۢا بالقسطؕ لا اله الاّ هو العزيز الحكيمؕ ○ (۱۳۲)

ترجمہ:۔ اللہ نے خود شہادت دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ نے اور صاحبان علم نے بھی شہادت دی وہ عدل پر قائم ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس طاقت ور حکمت والے کے۔

یہ حقیقت ہے کہ ہم واقعی نہیں جانتے کہ کائنات رنگ و بو میں اللہ کا امر کس طرح کارفرما ہے۔ اللہ کب؟ کس وقت؟ کیونکر؟ کن کہتا ہے اور فیکون ہو جاتا ہے۔ ہمارے احاطہ میں شے صرف اس وقت آتی ہے جب وہ نیست سے ہست ہو جاتی ہے۔ خواہ ٹھوس ہو یا مائع ہو، گیس ہو، Gel ہو یا پھر توانائی کی صورت۔ (ضمیمہ جات نمبر۲ میں کن کا اطلاق فیکون کی صورت میں تصویر نمبر۳، ص نمبر **۳۱۹** پر ملاحظہ ہو۔) حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے امر کے سامنے مشاہدہ طبیعی قانون کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ تو ممکنات کا پتہ دیتے ہوئے انسان کی فکر کو جلا بخشتا ہے۔ Test Tube baby اور Clone اسی خیال کی عملی کوششیں ہیں۔ گو کہ یہ معجزہ کا توڑ کبھی نہیں ہو سکتیں۔ لیکن معجزہ انسانی خیال کو معراج ضرور عطا کرتا ہے جیسا کہ حضرت مریم کے گھر بیٹا پیدا فرما دینا۔ قرآن نے خود اسے یوں بیان فرمایا:۔

قالت ربّ انّى يكون لى ولدٌ ولم يمسسنى بشرٌؕ قال كذٰلك اللّٰه يخلق مايشآءؕ اذا قضٰٓى امراً فانّما يقول لهٗ كن فيكون ○ (۱۳۳)

ترجمہ:۔ اس نے کہا میرے پالنے والے میرے کیسے بیٹا ہوگا جبکہ کسی بشر نے مجھے مس نہیں کیا اس نے کہا، اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لئے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کلمہ کن سے فیکون ہوئے۔ یہ سب سے بڑا عملی مظاہرہ ہے۔ علاوہ ازیں بڑھاپے میں انبیاء علیہم السلام کے گھروں میں بیٹوں کا پیدا ہونا یہ سب اسی کی مشیئت کے مظاہرے ہیں۔ پوری کائنات پر اسی کا تسلط ہے۔

۵) قرآنی نظریہ:۔

آغاز و انجام کے تمام امور اسی کی جانب سے ہیں لہٰذا اسی کی جانب لوٹائے جاتے ہیں وہی اپنی مخلوق کی مقصدیت کو مرتب کرتا ہے۔ زندگی کی یہ روانی اسی کے حکم کے طفیل ہے۔ وہی پالنے والا وہی برکت دینے والا ہے۔ یہ شرف و طاقت صرف اللہ کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ جب کن سے فیکون ہوتا ہے تو جھٹکا نہیں لگتا۔

(i) امر و خلق کی وابستگی:۔

امر جب خلق سے وابستہ ہوتا ہے تو اہل علم اور فکر و نظر کو نہ تو کوئی نقص نظر آتا ہے اور نہ ہی شگاف۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ:۔

يُغشي اليل النّهار يطلبهٗ حثيثًا وّالشّمس و القمر و النّجوم مسخّراتٍ بأمرهٖ الا له الخلق و الامرُ تبٰرک اللّٰه ربّ العٰلمين ○ (۱۳۴)

ترجمہ:۔ وہ رات سے دن کو ڈھانپ دیتا ہے اور وہ سرعت سے ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں۔ اور سورج اور چاند ستارے اسی کے حکم کے مسخر کردہ ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ اسی کے لئے خلق اور امر ہے اللہ جہانوں کا پالنے والا نہایت برکت والا ہے۔

الخلق اصله التقدير المستقيم و مستعمل في ابداع الشيء من غير اصل و لا احتزاء، ويستعمل في ايجاد الشيء من الشيء. (۱۳۵)

اردو مفہوم: خلق کے معنی پوری طرح اندازہ لگانے کے ہیں۔ خلق بمعنی ابداع بھی آتا ہے جس کے معنی ہیں کسی شے کو بغیر مادہ کے اور بغیر کسی تقلید کے پیدا کرنا نیز ایک چیز کو کسی دوسری شے سے بنانے اور ایجاد کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

جس طرح امر وجوب کائنات پر دلیل بن جاتا ہے اسی طرح خلق وجود کائنات پر دلیل بن جاتا ہے۔

رب العالمین کو کائنات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

ہر ذی نفس کے ذہن میں یہی سوال ابھرتا ہے کہ آخر رب العالمین کو کائنات کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ ہر دور کا انسان اس سوال کے جواب کا خواہاں رہا ہے۔ اس سوال کا جواب اگر ہم اپنے نفسوں کے حوالے سے تلاش کریں تو بات نہایت سیدھی ہے وہ یہ کہ فکر اطلاق چاہتی ہے۔ اسی طرح اللہ کے کئی اسماء الحسنٰی ہیں ان کا اطلاق سنت الٰہی تھا جو کہ عین فطری بات ہے۔ مثلاً

رب، الرب في الاصل التربية وهو انشاء الشيء حالا فحالا الى حد التمام (۱۳۶)

اردو مفہوم: رب کے معنی کسی شے کو تدریجاً نشو و نما دے کر حد کمال تک پہنچانا کے ہیں۔

اس مفہوم سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ نام ہو یا صفت اطلاق چاہتے ہیں۔ اس لئے امر کا خلق

کی صورت میں اطلاق لازم وملزوم تھا۔اس طرح تخلیق کائنات مظہر ہے امر کے لئے اور ربوبیت کے لئے۔

اب ہمارے ذہن کے نقشے پر چند سوالات ابھرتے ہیں کہ:۔

۱) خلقت درجۂ کمال تک کیسے پہنچی؟

۲) خلقت کا مقصود کیا ہے؟

۳) خلقت کن خلقی مراحل کی حامل ہے؟

ہم ان سوالوں کا جواب تولیدی افکار سے حاصل نہیں کریں گے بلکہ خالصتاً قرآن کی روشنی میں اکتساب کریں گے کیونکہ یہی وہ معیار ہے کہ جس سے حقیقت کا ادراک ممکن ہے۔

❖ جہاں تک پہلے سوال کے جواب کا تعلق ہے تو اس کی بابت قرآن فرماتا ہے کہ:۔

مالکم لا ترجون لِلّٰہ وقاراً ○ وقد خلقکم اطواراً ○ (۱۹۷)

ترجمہ:۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تمہیں اللہ کی بزرگی ومرتبہ کا پاس نہیں حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح کی کیفیات سے گزار کر خلق کیا ہے۔

❖ اور جہاں تک دوسرے سوال کے جواب کا تعلق ہے تو اس کی بابت فرمایا:۔

وما خلقت الجنّ و الانس الا لیعبدون ○ (۱۳۸)

ترجمہ:۔ اور میں نے نہیں خلق کیا جن اور انس کو سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

تخلیق کے مراحل:۔

❖ جہاں تک تیرے سوال کا جواب ہے تو اس سلسلے میں قرآن کی آیات ملاحظہ ہوں:۔

سبّح اسم ربّک الاعلیٰ ○ الّذی خلق فسوّٰی ○ والّذی قدّر فھدی ○ والّذی اخرج المرعٰی ○ فجعلہٗ غثآءً احوٰی ○ (۱۳۹)

ترجمہ:۔ اپنے رب اعلیٰ کے نام کی تسبیح کر جس نے خلق کیا اور پھر ٹھیک ٹھاک بنادیا جس نے اندازہ مقرر کیا اور پھر ہدایت فرمائی جس نے چارہ اگایا پھر اسے خشک سیاہ کوڑا کردیا۔

دراصل ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے امر دخلق کی وابستگی کی نزاکت کے ساتھ خلق کے مراحل کو بیان فرمایا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱) پہلا مرحلۂ تخلیق الاعلیٰ

۲) دوسرا مرحلۂ تخلیق خلق

۳) تیسرا مرحلۂ تخلیق سوی

۴) چوتھا مرحلۂ تخلیق قدر

۵) پانچواں مرحلۂ تخلیق هدیٰ

۶) چھٹا مرحلۂ تخلیق خرج

۷) ساتواں مرحلۂ تخلیق جعل

یہی وہ بنیادی مراحل ہیں جو کہ اکبر و اصغر تخلیق کی بنیاد بنتے ہیں۔ اس لئے کہ عالم امر ہو عالم محسوسات دونوں ایک دوسرے سے اتنی خوبصورتی سے وابستہ ہیں۔ کہ علیحدگی کا کوئی تصور تو کیا شائبہ تک نہیں۔

پہلا مرحلۂ تخلیق

الاعلیٰ :۔ ایک ادنیٰ سے بیج کا نمو پا کر درخت بن جانا، اور پھر ثمرات سے لد جانا ربوبیت کا ہی مظاہرہ ہے۔ ورنہ ادنیٰ شے کی کیا مجال۔ اسی لیئے اللہ نے فرمایا ہے کہ :۔

انا ربکم الاعلیٰ ۝ (۱۴۰)

ترجمہ :۔ میں ہی تمہارا سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں۔

العلو ضد السفل، والاعلیٰ الاشرف، الاعلیٰ فمعناه اعلی من ان قیاس بہ او یعتبر بغیره(۱۴۱)

اردو مفہوم: الاعلیٰ کا مادہ علو ہے جو پستی کی ضد ہے۔ جس کا مطلب کسی چیز کا بلند ترین حصہ، سب سے زیادہ بلند اور اشرف، پروردگار کے اعلیٰ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اس بات سے بلند ہے کہ کسی مخلوق کو اس پر قیاس کیا جائے یا اسے دوسروں کی طرح سمجھا جائے۔

یہی وہ مفہوم ہے کہ جہاں شرک کی گنجائش باقی نہیں رہتی وہ تو اتنا اعلیٰ ہے کہ اسے مخلوق کی طرز پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ بے شک وہ عالی شان ہے وہی ہے جو دو نا پاک مرحلوں کے درمیان سے پاک و شفاف دودھ فراہم کرتا ہے۔

تلخیص:۔

لیکن خلق و امر کی وابستگی میں کونسا فارمولا لگتا ہے اس کی کنہہ وحقیقت کو ہم سمجھنے سے قاصر ہیں تا ہم ایک طرف تو ان کی وابستگی ربوبیت وتخلیق کائنات کا مظہر بنتی ہے تو دوسری جانب مقصد تخلیق کائنات بھی ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ اس طرح کہ تمام خلائق خواہ وہ سماوی ہوں یا ارضی کسی کی مجال نہیں کہ اللہ کے امر کے خلاف جاسکے۔ بے شک یہی وہ مقام ہے کہ جہاں ذہن انسانی کے پردے پر کچھ سوالات نمو پاتے ہیں وہ یہ کہ :۔

- کیا ہم خود سے واقف ہیں؟
- کیا اس پیکر نفسی کی تخلیق بلا جواز ہے؟
- کیا نفس انسانی کی نشو ونما کے اصول وقوانین اور مراحل نمو کو متعارف کرانے کا کوئی خاص مقصد ہے؟
- کیا اس کائنات میں انسان ہی فقط قابل ذکر شے ہے؟

- نفس انسانی کے تقاضے کیا ہیں!
- کائنات کی اشیاء سے اشتراک کی وجوہ کیا ہیں؟
- پیکرِ نفس بالکل مجبور مقہور ہے، یا فطرت کو بدلنے کی قدرت رکھتا ہے؟ (نعوذ باللہ)
- نفس انسانی معراجِ کمال تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟

نیز

- نفس انسانی کی ممکنات کیا ہیں؟

مذکورہ بالا تمام سوالات کے جوابات کے لئے ہم اگلے باب میں شواہد و آثار تاریخی حقائق اور سائنسی تحقیقی مواد کا جائزہ قرآنی آیات کی روشنی میں لیں گے، تاکہ تمام بنی نوع انسان عام ہو یا خاص سب کے باطن یہ بول اٹھیں:

نحن خلقنکم فلولا تصدقون ○ (۱۴۲)

ترجمہ:۔ ہم نے تمہیں خلق کیا ہے پھر تم کیوں تصدیق نہیں کرتے

شاید کہ نفس کا یہ ابھار ہی نفس انسانی کو معراج تک پہنچانے میں بنیاد ثابت ہو سکے۔

فہرست کتابیات مع حوالہ جات برائے باب سوم

نمبر شمار	حوالہ جات
۱	القرآن، ۱۴:۲۷
۲	العلامہ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغت الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت، آرام باغ، ۱۳۸۰ ھج، ص ۲۷۳
۳	القرآن، ۸۱:۲۹
۴	ایضاً، ۲۱:۲۳
۵	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۷۳
۶	القرآن، ۱۵:۲۱
۷	ایضاً، ۶۵:۳
۸	ایضاً، ۱۳:۳۸ تا ۳۹
۹	ایضاً، ۱۳:۴۱
۱۰	ایضاً، ۱۶:۲۰
۱۱	ایضاً، ۱۶:۲۱ تا ۲۲
۱۲	ایضاً، ۱۶:۲۸ تا ۲۹
۱۳	ایضاً، ۱۶:۳۲
۱۴	ایضاً، ۶:۳۲
۱۵	ایضاً، ۱۰:۳۸ تا ۴۱
۱۶	ایضاً، ۶:۲۰
۱۷	ایضاً، ۲:۸۹ تا ۹۰
۱۸	ایضاً، ۱۶:۳۴
۱۹	ایضاً، ۲:۸۷ تا ۸۸
۲۰	ایضاً، ۲:۷۸ تا ۷۹
۲۱	ایضاً، ۲:۵۸ تا ۵۹، ۷:۱۶۱
۲۲	ایضاً، ۲:۹۳، ۴:۶۴
۲۳	ایضاً، ۲:۸۰ تا ۸۱
24	Newsweek, New York, Newsweek Inc. Nov,9, 1998, Vol-CXXXII, No-19. P-56, 57.
۲۵	القرآن، ۱۶:۴۰
۲۶	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۲۶

۲۷ القرآن ۴:۱۲۲ تا ۱۲۳

۲۸ ایضاً ۱۴:۲۷

۲۹ ایضاً ۶:۲۳

۳۰ ایضاً ۱۳:۳۳

۳۱ ایضاً ۱۳:۳۲ تا ۳۴

۳۲ ایضاً ۲۱:۴

۳۳ ایضاً ۲۰:۶ تا ۸

۳۴ ایضاً ۳۹:۳۹ تا ۴۰

۳۵ ایضاً ۲:۲۰۴ تا ۲۰۷

۳۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۰۳ تا ۴۰۴

۳۷ القرآن، ۱۷:۴۴

۳۸ ایضاً ۲۴:۴۱

۳۹ ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ، انوار القرآن، لاہور، ملک سنز، ۱۹۹۶، ص ۳۳۲، جلد اول

۴۰ القرآن، ۲:۹۷

۴۱ ایضاً ۴۱:۴۰

۴۲ ایضاً ۲:۲۶

۴۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۰۶

۴۴ القرآن، ۱۶:۴۰

۴۵ ایضاً ۴۸:۱۱

۴۶ ایضاً ۳۳:۱۷

۴۷ ایضاً ۳۶:۸۲ تا ۸۳

۴۸ ایضاً ۲:۱۱۷

۴۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۷

۵۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۱۶

۵۱ القرآن، ۱۹:۲۱، ۱۹:۳۵

۵۲ ایضاً ۱۳:۲

۵۳ ایضاً ۴۰:۲۰

۵۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۶۱

۵۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۲

۵۶ القرآن، ۱۰:۲۴

۵۷ ایضاً ۹:۳۰ تا ۳۱

۵۸ ایضاً ۳:۱۲۸ تا ۱۲۹

۵۹ ایضاً ۱۸:۲۸

۶۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۸۳

۶۱ القرآن، ۴:۶۵

۶۲ ایضاً، ۸۸:۱۸

۶۳ ایضاً، ۱۷:۵۴ مزید ۲۲،۳۲ ۱اور ۴۰ ملاحظہ کیجئے۔

۶۴ ایضاً، ۲۶:۲۰تا۲۸

۶۵ ایضاً، ۱۷:۸۰تا۲۳

۶۶ ایضاً، ۲۱:۱۲

۶۷ ایضاً، ۶۵:۲۲ مزید ۴۶:۳۰، ۱۲:۴۵، ۳۲:۱۴

۶۸ ایضاً، ۲۵:۳۰

۶۹ ایضاً، ۵۴:۷

۷۰ ایضاً، ۵۰:۵۴

۷۱ ایضاً، ۱۰۹:۳

۷۲ ایضاً، ۵۳:۴۲

۷۳ ایضاً، ۲۲:۳۱

۷۴ ایضاً، ۱۸:۴۵تا۲۰

۷۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۵۹

۷۶ القرآن، ۱۳:۴۲تا۱۴

۷۷ ایضاً، ۲۱:۴۲

۷۸ ایضاً، ۸۴:۳تا۸۵

۷۹ ایضاً، ۱۶۳:۷

۸۰ ایضاً، ۶۷:۲۲

۸۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۵۰۷تا۵۱۰

۸۲ القرآن، ۶۸:۲۲

۸۳ ایضاً، ۴۸:۵

۸۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۵۲۷

۸۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۵۹

۸۶ القرآن، ۳۸:۳۳

۸۷ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۰۳تا۴۰۴

۸۸ القرآن، ۳:۶۵ مزید ۳۸:۳۶

۸۹ ایضاً، ۲۰:۷۳

۹۰ ایضاً، ۱:۶۴

۹۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۱۹

۹۲ القرآن، ۴۱:۲۴

۹۳ ایضاً، ۲۱:۴۸

۹۴ ایضاً، ۱۲:۵۴

۹۵ القرآن،۳:۵۴

۹۶ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص ۴۰۷

۹۷ القرآن، ۳۸:۳۶

۹۸ ایضاً، ۶۷:۶

۹۹ ایضاً،۳:۵۴ تا ۲۶

۱۰۰ ایضاً،۷:۵۴ تا ۸

۱۰۱ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص۱۶۴

۱۰۲ القرآن،۳:۱۰ تا ۴

۱۰۳ ایضاً،۵:۳۲

۱۰۴ ایضاً،۱:۷۹ تا ۹

۱۰۵ ایضاً،۳۱:۱۰

۱۰۶ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص ۵۰۷

۱۰۷ القرآن، ۱۲:۶۵

۱۰۸ ایضاً، ۴:۹۷

۱۰۹ ایضاً،۲:۱۶

۱۱۰ ایضاً،۶۴:۱۹

۱۱۱ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص ۳۹۰

۱۱۲ القرآن،۴۷:۴

۱۱۳ ایضاً، ۴۲:۸

۱۱۴ ایضاً، ۴۴:۸

۱۱۵ ایضاً، ۴۵:۸ تا ۴۹

۱۱۶ ایضاً، ۷۷:۱۶

۱۱۷ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص ۲۴۸

۱۱۸ القرآن،۶۳:۳۳

۱۱۹ ایضاً، ۳۵:۱۸ تا ۳۶

۱۲۰ ایضاً: ۴۲:۱۸

۱۲۱ ایضاً،۱:۲۱ تا ۲

۱۲۲ ایضاً، ۲۷:۴۵ تا ۲۹ مزید ۷۹:۴۳ تا ۸۰

۱۲۳ ایضاً، ۳۲:۴۵ تا ۳۳

۱۲۴ ایضاً،۴۶:۵۴ تا ۴۸

۱۲۵ ایضاً،۴۷:۴۱

۱۲۶ ایضاً،۱:۲۲ تا ۲

۱۲۷ ایضاً،۶۶:۴۳ تا ۶۷ مزید ۱۰۷:۱۲ ملاحظہ کیجئے۔

۱۲۸ ایضاً،۶۱:۴۳

129 Norman Pearlstine, Time (Magazine), New York, Published Rockefeller Center, NY-100201393, John Mascom, 4th Dec, 1995, P-50, Vol-146, NO-23.

۱۳۰ القرآن، ۱۸:۵۱

۱۳۱ ایضاً، ۱۸:۵۰

۱۳۲ ایضاً، ۳:۱۸

۱۳۳ ایضاً، ۳:۴۷

۱۳۴ ایضاً، ۷:۵۴

۱۳۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۵۷

۱۳۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۸۲

۱۳۷ القرآن، ۷۱:۱۳تا۱۴

۱۳۸ ایضاً، ۵۱:۵۶

۱۳۹ ایضاً، ۸۷:۱تا۵

۱۴۰ ایضاً، ۷۹:۲۴

۱۴۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۵۰تا۳۵۱

۱۴۲ القرآن، ۵۶:۵۷

ضمیمہ جات نمبر ا برائے باب سوم

شکل نمبر ا:۔

امر الٰہی کی اطلاقی حدود

امر الٰہی

امرہ فرطا

حد سے بڑھا ہوا

امر الٰہی اور اس کی حد

تفریط

ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب سوم

◄ تصویر نمبر۱:۔ تخلیقی ارتقاء اور سائنس

Complex creatures with teeth and tentacles and cla









'LODED

For billions of years, simple creatures like plankton, bacteria and algae ruled the earth. Then, suddenly, life got very complicated

Genetic advances led life across a critical threshold



Norman Pearlstine, Time Magazine, New York, John Mascom Rockfeller Center, NY 100201393, Dec-4, 1995, P-49, 50, 55, Vol-146, No.23

ضمیمہ جات نمبر ۲ برائے باب سوم

► تصویر نمبر ۲:۔ چاند سے لی گئی زمین کی تصویر

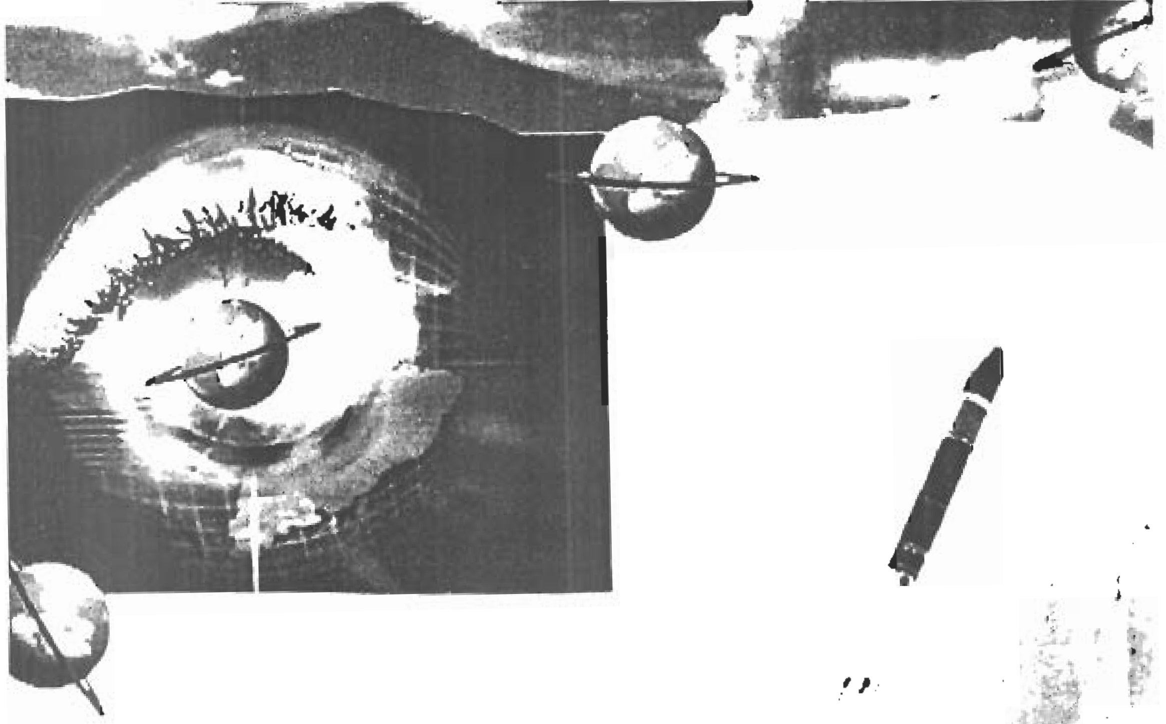


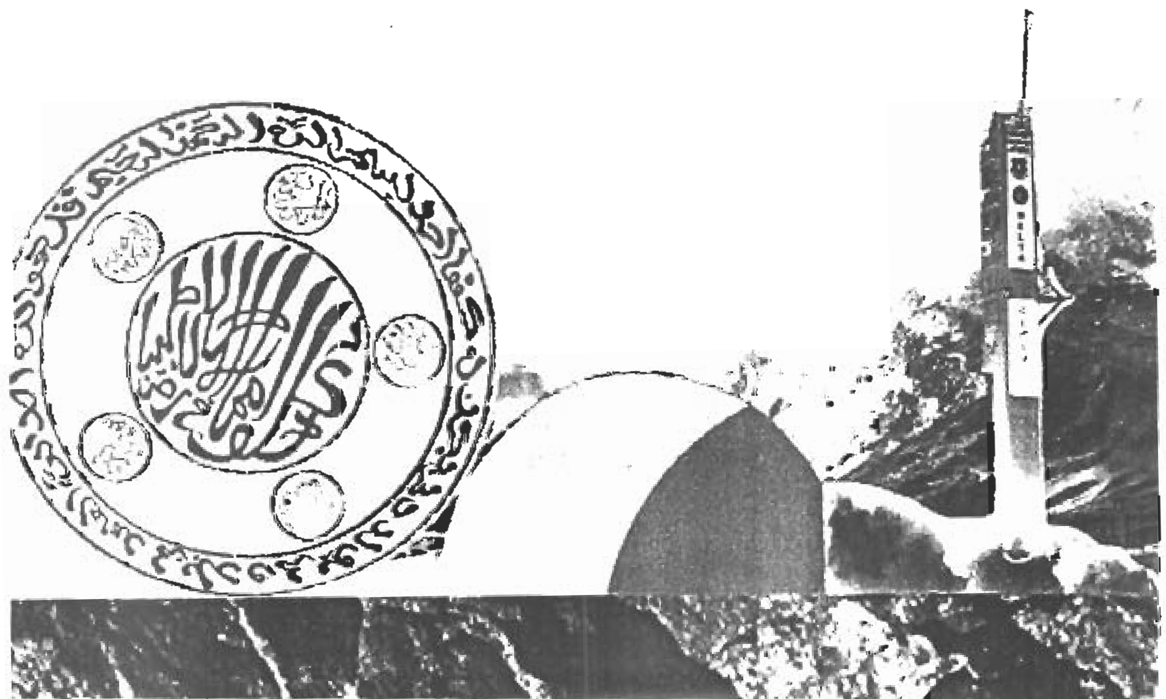
شکل نمبر ۹

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اس کا نظام، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۸۹

ضمیمہ جات نمبر ۲ برائے باب سوم

تصویر نمبر ۳:۔ کن کا اطلاق فیکون کی صورت میں



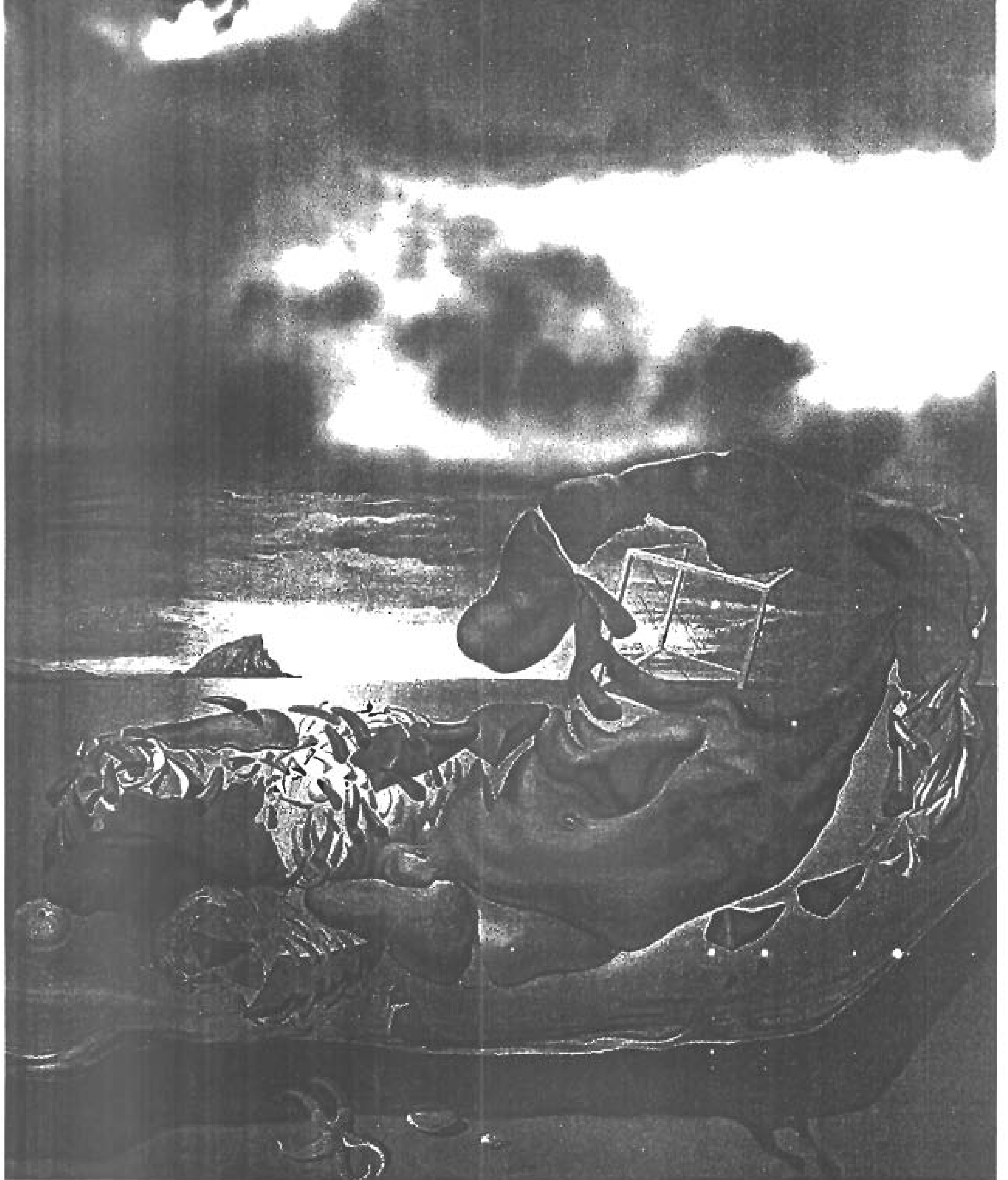


باب چہارم

Chapter 4

تخلیقِ دنیائے نفس اور القرآن

Creation Of The Psychic World And The Quran



باب چہارم:۔

تخلیق دنیائے نفس اور القرآن

Creation Of The Psyche World And Al-Quran

یہ میں (ا) کیا ہے؟ میں کو مختلف ادوار میں مختلف حوالوں سے جاننے کی کوشش کی گئی۔ اس لئے کبھی روحانی طریقۂ کار اختیار کیا گیا، کبھی وجودی طریقۂ کار کو بنیاد بنایا گیا اور کبھی باطنی طریقۂ کار اختیار کیا گیا۔ لیکن معرفت نفس کی حقیقت کا ادراک نہ ہو سکا۔ گو کہ ماہرین طبعیات نے مادی قوانین کے ذریعے اور ماہرین حیاتیات نے حیوانی طبقے کے قوانین کے ذریعے اور ماہرین نفسیات نے ان دونوں طبقوں کے قوانین کے ذریعے معرفت چاہی۔ اس طرح نفس انسانی کو باہر کی کائنات یعنی آفاق میں بھی جاننے کی کوشش کی گئی اور نفس کی دنیا کا بھی جائزہ لیا گیا۔ مگر ان علوم کے ذریعے کسی حد تک معلومات مل سکیں لیکن انسان غیر مطمئن ہی رہا۔ اس کی کئی وجوہات ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر ہم نفسیات کا ارتقاء میں بیان کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں مختصر یہ کہ:

- سارا علم خواہ وہ کسی ذریعہ سے حاصل ہو حقیقت کائنات کا علم گردانا گیا۔
- کائنات کو فقط سلسلہ قوانین کا گہوارہ مانا گیا۔
- روح پر نور کا انکار کیا گیا۔
- اخلاق و مذہب سے آزاد لوگوں کے نتائج کو متقی شخص پر بھی لاگو کیا گیا۔
- حیوانات سے حاصل شدہ نتائج کو بنیاد بنا کر دیگر لوگوں پر منتج کیا۔
- نتائج کی جانچ کے لئے مطلق معیار کی عدم دستیابی۔

جس کا نتیجہ یہ نکلا اور معاشرہ کے افراد تضاد، فساد اور انتشار ذہنی میں مبتلا ہو گا۔ جبکہ قرآن حکیم ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ ہم انسانوں کو تخلیق کے تصور و نوعیت سے آگاہ فرما رہا ہے تاکہ ہم معرفت نفس سے حقیقت کا ادراک کریں ارشاد رب العزت ہوتا ہے کہ:۔

سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق وفیٓ انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحقّ ط اولم یکف بربّک انّہ علٰی کلّ شیءٍ شھید O (۱)

ترجمہ:۔ عنقریب ہم ان کو کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا۔ بے شک یہی حق ہے اور کیا تیرے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر شے پر چشم دید گواہ ہے۔

قرآن دراصل تمام علوم کا تتمہ و تکملہ ہے۔ اس لئے کائنات کا تمام علم مجمل صورت میں موجود ہے۔ اور ابدی قوانین عالم لوح محفوظ میں درج ہیں۔ (۲) مگر ہمیں ان تمام قوانین جو کہ غیر متبدل ہیں ان کا علم نہیں۔ جیسے خرق

عادت کے واقعات نامعلوم قانون قدرت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی لئے قرآن نے وقت کو بنیاد بنایا ہے۔ اب ہم نفس کیا ہے؟ اس کی نوعیت کیا ہے؟ فانی ہے یا حیات جاوداں کی صلاحیت سے معمور اور سب سے بڑھ کر یہ کہ What's the Psyche Beyond the world ? کا تفصیلی جائزہ لیں گے۔

فصل اول:۔

دوسرا مرحلہ خلق:۔

دنیائے نفس اور قرآن

تعلم مافی نفسی ولاً اعلم مافی نفسکؕ (۳)

ترجمہ:۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے نفس میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے جی میں ہے۔

نفس بطور مبداء ومصادر کے ہے چونکہ انسان مجموعہ ہے جسم، روح اور نفس کا لہٰذا ہم نفس انسانی کا بطور مبداء مصدر تفصیلی ذکر کریں گے۔ کیونکہ روز اول سے ہی انسان اپنی معرفت کا خواہاں رہا ہے۔ وہ فی زمانہ اپنی تہذیبی وعلمی ترقی کے تحت، نیز اپنی ذہنی استعداد کو بروئے کار لاکر مختلف نظریات پیش کرتا رہا۔ یہ نظریات فلسفیانہ وتصوفانہ سوچ کا نتیجہ ہونے کے ساتھ ساتھ منسوخ شدہ الہامی کتابوں سے بھی وابستہ دکھائی دیتے ہیں۔ یا پھر جدید سائنسی تحقیق کے حامل نظریہ کے تحت اپنا مدعا ومقصد بیان کررہے ہوتے ہیں۔ لیکن ایک لازوال نظریہ ہمیں قرآن فراہم کرتا ہے۔ جو کہ صرف ایمان والوں ہی کی رہنمائی نہیں فرماتا بلکہ ہر نفس کی رہنمائی فرماتا ہے۔

(1)......نفس کیا ہے؟

فنفسه ذاته (۴)

اردو مفہوم:۔ نفس کے معنی ذات کے ہیں۔

''اس طرح ذات وہ مرکزیت قرار پاتی ہے جس سے اس شے کے قوی واعمال کا نظام وابستہ ہو جاتا ہے۔ تمام حرکات ترتیب وتنظیم وحصول غایت کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ اور تمام سلسلۂ اعمال اسی پر منتہی ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر ذات شے اور محرک مرکزی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔'' (۵)

ذات دراصل کسی شے کی حقیقت کو کہتے ہیں۔ اور کسی شے کی حقیقت دراصل وہی ہو سکتی ہے جو اس شے کے نظام میں مرکزی حیثیت رکھتی ہو۔ اس لحاظ سے تمام بنی نوع انسان کی حقیقت امر وذات خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایک ہی ہے۔ اس طرح اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ:

انسان نفس کا مظہر کامل ہے۔ جسمانیت مظہر صفات نفس اور باطن انانیت مظہر ذات۔

(2)......ماہیئت نفس اور قرآن

ونفسٍ وّما سوّٰها ○ فالهمها فجورها و تقوٰها ○ قد افلح من ذكّٰها ○ و قد خاب من دسّٰها ○ (۶)

ترجمہ:۔ اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے کامل بنایا کہ اس کی بدکاریاں اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی بے شک فلاح اسی نے پائی۔ جس نے اسے پاک کیا اور بے شک نامراد وہی ہوا جس نے اس کو دبا دیا۔

ان آیات کریمہ میں مائیت نفس کو بہت خوبصورتی اور جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں مائیت کی ترجمانی دو لفظوں تسویہ اور الہام کے ذریعے کی گئی ہے۔ نیز تسویہ اور الہام سے متعلق اگلی آیات میں نہایت موثر طریق پر نفس کی نوعیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ قرآن نے اتنے بہتر انداز میں اسلوب میں حقیقت نفس کو بیان کیا ہے کہ اب ہم کسی انسان کی نوعیت کے محتاج نہیں رہے۔ لہٰذا اب ہم ان دونوں اصطلاحات کے مفہوم کا قرآن کی روشنی میں ادراک کرینگے۔

تسویہ نفس:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفس کو تسویہ کی صلاحیت سے مالا مال کیا ہے جو کہ خلقت کے اعتبار سے اہم ترین مرحلہ ہے۔

سوا الاعتدال الشئ فی ذاته (۷)

اردو مفہوم:۔ کسی شے کو اپنی ذات کے اعتبار سے حالت اعتدال پر ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔

الہام اور نفس:۔

اکتساب اور تسویہ بناوٹ کے اعتبار سے نفس وہ امکانی قوت ہے جو بجائے خویش ہے نہ شر۔ تاہم الہام کے ذریعے خیر وشر کی صلاحیت ودیعت کر دی گئی ہے۔

الالهام، القاء الشئ فی الروع و یختص ذلک بما کان من جهة الله تعالیٰ الی وجهة الملأ الاعلیٰ . داصله من التّهام الشئ وهوا بتلاؤه (۸)

اردو مفہوم:۔ الہام کسی کے دل میں کوئی بات القاء کر دینے کے ہیں۔ تاہم یہ لفظ ایسی بات کے القاء کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ یا ملأ اعلیٰ کی جانب سے کسی کے دل میں ڈالی جاتی ہے۔ اور اول میں یہ التہام الشئ سے ماخوذ ہے جس کے معنی کسی شے کو نگل جانا کے ہیں۔

مذکورہ بالا سورۃ الشمس کی آیات سے (۳) تین باتیں اخذ ہوتیں ہیں۔

﴿﴾......اول یہ کہ نفس انسانی بطور فطرت صحیحہ کے ہے۔

﴿﴾......دوم یہ کہ الہام کے ذریعے نیکی اور بدی کو واضح کر دیا۔

۞......سوم یہ کہ اعمال کی ذمہ داری نفس پر ہے۔

لہٰذا ماہیئت نفس کے لئے ضروری ہے کہ نفس کے ادراکات یعنی فجور اور تقویٰ کا قرآنی تجزیہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی بناء پر کوئی نفس Mortal اور کوئی Immortal واقع ہو سکے گا۔

مدرکات نفس و جوہ اکتساب نفس:۔

انسان بذریعہ حواس وادراک حقیقت کے اکتساب کا خواہاں ہوتا ہے۔مگر اس کے لئے دیانتدار ہونا ضروری ہے، بصورت دیگر معاملہ الٹ ہو جاتا ہے کیونکہ نفس انسانی حواس وادراک کی قوتوں کو بقدر کفایت وضرورت ہی خرچ کرتا ہے۔ اسے قانون کفایت حواس Lqw of Economy of Senses سے موسوم کیا جاتا ہے۔اس قانون کا انحصار نفس انسانی میں موجود مقصد پر ہوتا ہے۔ چنانچہ نفس انسانی اپنے حواس ادراک کے مدرکات کو اپنے مقصد خاص کے لئے کنٹرول کرتا ہے چونکہ نفس کی خواہشات اور رجحانات فکر سلیم کو معطل کر دیتے ہیں اور حسی ادراک کو بگاڑ دیتے ہیں۔اسی کیفیت نفس کا قرآن نے پردہ چاک کیا ہے۔ درج ذیل میں ہم نفس کا فجور اور نفس کا تقویٰ کی خصوصیات کو بیان کریں گے۔تا کہ معرفت نفس ممکن ہو سکے۔

(i)......نفس بلحاظ فجور Psyche as A Disintegration of the mind

نفس کا مزاج اکتساب کرنا ہے چاہے وہ فجور ہو یا تقویٰ اس سے نفس کو کوئی تعلق نہیں۔ (ضمیمہ جات نمبر۲ میں ماہیئت نفس بلحاظ فجور وتقویٰ تصویر نمبر ا میں ص نمبر ۷۴۹ پر ملاحظہ ہو۔) ماہیئت نفس کا گہرا تعلق تو حاملان نفس سے ہے وہ جو چاہے بس فوراً ہی ہو جائے۔اس جلدی میں انسان بہت سی معصیتیں کر بیٹھتا ہے نفس کا فجور اسے نامراد بنا کر ہی دم لیتا ہے۔ چنانچہ وہ کفر کی دہلیز پر پہنچ کر یوں کہنے لگتا ہے:۔

وقالو الن نّؤمن لک حتّٰی تفجرلنا من الارض ینبوعاً ۝ اوتکون لک جنۃ مّن نّخیلٍ وّ عنبٍ فتفجّر الانھر خللھا تفجیراً ۝ (۹)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ ہمارے لئے زمین میں سے ایک چشمہ جاری نہ کر دے۔ یا تیرے پاس خرمے وانگور کا ایک باغ ہو اور تو اس میں زمین پھاڑ کر نہریں جاری کر دے۔

فجر الفجر شق الشئ شقا و اسعا. والفجور شق ستر الديانة. وقيل معناه يذنب ويقول غدا توب ثم لا يفعل فيكون ذلک فجور البذله عهداً لا بغى به وسمى الكاذب فاجر الكون الكذب بعض الفجور. (۱۰)

ترجمہ:۔ فجر الفجر کے معنی کسی شے کو وسیع طور پر پھاڑنے اور شق کر دینے کے ہیں۔ الفجور کے معنی دین کی پردہ دری کرنے کے ہیں۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ انسان گناہ کرتا ہے اور دل میں کہتا ہے کل توبہ کرلوں گا لیکن پھر نہیں کرتا۔ تو یہ سراسر فجور ہے کیونکہ وہ عہد کر کے اسے توڑ ڈالتا ہے اور کاذب کو فاجر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ کذب بیانی بھی فجور کی ایک

قسم ہے۔

دراصل دین کی نافرمانبرداری فجور ہے۔ اور فرمانبرداری کا نام تقویٰ ہے۔ قرآن حکیم و الفرقان حمید نے ان کی خصوصیت یہ بیان کی ہے:۔

بل یرید الانسان لیفجر امامہٗ ۝ (۱۱)

ترجمہ:۔ بلکہ انسان تو بس یہی چاہتا ہے کہ وہ آئندہ بھی بدکاری کرتا رہے۔

گمراہی و بدکاری کے سبب ان کی حالت نفسی کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ نہ تو کسی کے دکھ میں دکھی ہوتے ہیں اور نہ ہی خوف خدا سے ان کے دل لرزتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کے قلوب پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں کیونکہ پتھروں میں بھی سوراخ ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

ثم قست قلوبکم من بعد ذٰلک فھی کالحجارۃ او اشدّ قسوۃً وانّ من الحجارۃ لما یتفجر منہ الانھٰر وان منھا لما یشّقّق فیخرج منہ المآء وانّ منھا لما یھبط من خشیۃ اللّٰہ وما اللّٰہ بغافلٍ عمّا تعملون ۝ (۱۲)

ترجمہ:۔ پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے اور وہ پتھر کی مانند ہو گئے یا اس سے بھی زیادہ سخت حالانکہ بلاشبہ پتھروں میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ جب وہ شق ہو جاتے ہیں تو ان سے پانی بہہ نکلتا ہے اور ان میں ایسے بھی ہیں جو خوف الٰہی سے گر پڑتے ہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔

اللہ جو کہ ہر نفس پر شاہد ہے اس کے بیان سے تمام شک وشبہات کی دیواریں خود بخود گر جاتی ہیں اس رب کریم نے ان فجور زدہ شخصیات کی کیفیت نفسی کو بیان کیا ہے جو کہ اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ ان کے نفوس میں ذرا برابر بھی نرمی نہیں بلکہ ان سے بہتر تو پتھر ہیں۔ کہ جب وہ پھٹتے ہیں تو کبھی ان کے سینوں سے پانی بہہ نکلتا ہے تو کبھی پانی کے مسلسل گرنے سے سخت پتھروں میں سوراخ ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی وہ خوف الٰہی سے لرزتے ہیں تو ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ بیشتر مقامات پر اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ دراصل ان کی شخصیت میں Unification کی خصوصیت باقی نہیں رہتی اس لئے ان کا نفس Disintigrate ہو جاتا ہے۔ اس لئے ان کی شخصیت میں سوائے انتشار کے اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ یہ انتشار نفسی نسل درنسل پر پھیل جاتا ہے۔ اسی لئے نبی حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگی کہ:۔

انّک ان تذرھم یضلّوا عبادک ولا یلدوآ الاّ فاجراً کفّاراً ۝ (۱۳)

ترجمہ:۔ تحقیق اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دینے اور سوائے کافر و فاجر کے کسی کو جنم نہ دیں گے۔

ان منتشر زدہ شخصیات کا مقام ابدی جہنم ہے ارشاد ربانی ہے کہ:۔

وانّ الفجّار لفی جحیمٍ ○ (۱۴)

ترجمہ:۔ اور بیشک بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

فاجر کی نشانیاں:۔ Sign's Disitegrated Personalities

چونکہ یہ لوگ نفسی طور پر انتشار ذہنی کا شکار تھے جو کہ ان کا خود ساختہ تھا۔ اس لئے قیامت کے روز جب اٹھائے جائیں گے تو ان کی شخصیت کے بارے میں قرآن فرماتا ہے کہ ان کے چہرے غبار سے اٹے ہوئے ہوں گے اور مزید یہ کہ سیاہی چھائی ہوگی کفر وعصیان کے سبب یہ نشانیاں دراصل کافر و فاجر کی نشانیاں ہیں۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

ووجوہ یّومئذٍ علیہا غبرۃ ○ ترھقھا قترۃ ○ اولٰٓئک ھم الکفرۃ الفجرۃ ○ (۱۵)

ترجمہ:۔ اور کچھ چہرے اس دن غبار آلود ہوں گے ان پر سیاہی چھائی ہوگی۔ وہی تو کافر اور بدکار لوگ ہوں گے۔

مزید تفصیلات فراہم کرتے ہوئے نیز فجار کے نامۂ اعمال کے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ:۔

کلّآ انّ کتٰب الفجّار لفی سجّینٍ ○ ومآ ادرٰک ما سجّین ○ کتٰب مّرقوم ○ ویلٌ یّومئذٍ لّلمکذّبین ○ الّذین یکذّبون بیوم الدّین ○ وما یکذّب بہٖ الّا کلّ معتدٍ اثیمٍ ○ اذا تتلٰی علیہ اٰیٰتنا قال اساطیر الاوّلین ○ کلّا بل رّان علٰی قلوبھم مّا کانوا یکسبون ○ کلّآ انّھم من رّبّھم یومئذٍ لّمحجوبون ○ (۱۶)

ترجمہ:۔ سچ تو یہ ہے کہ بدکاروں کا نوشتہ سجین میں ہوگا تو کیا جانے سجین کیا ہے؟ وہ ایک تحریری نوشتہ ہے اس دن ان جھٹلانے والوں کی کمبختی آئے گی جو یوم جزا کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کی کوئی تکذیب نہیں کرتا۔ سوائے ہر حد سے تجاوز کرنے والے گنہگار کے کہ جب اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو اگلوں کے قصے کہانیاں ہیں سچ تو یہ ہے کہ ان کے قلوب ان کے اعمال کے سبب زنگ آلود ہیں جو انہوں نے کمائے سچ تو یہ ہے بے شک اس دن وہ اپنے پروردگار سے حجاب میں ہوں گے۔

اسی لئے رب کریم نے سجین کا فہم انسانی کے مطابق ادراک کرانے کے بعد انسانوں سے یوں مخاطب ہے کہ:۔

ام نجعل الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت کالمفسدین فی الارضؗ ام نجعل المتّقین کالفجّار ○ (۱۷)

ترجمہ:۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو کہ ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے۔ زمین میں فساد کرنے والوں کی مانند قرار دیں گے؟ یا کیا ہم متقین کو بدکاروں کی مانند قرار دیں گے؟

جس طرح اندھا اور سوانکھا کبھی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح فجار اور متقین کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اس ادراک کے لئے ہمیں متقین کی خصوصیات کا جائزہ لینا ہوگا۔

(ii)......نفس بلحاظ تقویٰ Psyche As A Full Of Piety

نفس جب نور کا اکتساب کرتا ہے تو پھر پرہیزگاری اختیار کرنے والی شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ یہ وہ شخصیت ہوتی ہے جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اس لئے اللہ اپنے نوری کلمات سے انہیں باخبر کر رہا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کو اس نور سے معمور کرلیں ارشاد ربانی ہوتا ہے۔

یٰایّھا الّذین اٰمنو اقوآ انفسکم و اھلیکم ناراً وّقودھا النّاس والحجارۃ علیھا ملٰئکۃ غلاظ شداد لّا یعصون اللّٰہ مآ امر ھم ویفعلون ما یؤمرون O (۱۸)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر نہایت تندخو سخت مزاج فرشتے مامور ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کی جو وہ انہیں دیتا ہے نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔

قوا، و ق ی ،الوقایۃ حفظ الشئ مما یؤذیہ ویفرہ یقال وقیت الشئ افیہ وقایۃ ووقاء التقوی فی تعارف الشرع حفظ النفس عمایؤثم وذلک یترک المحضور ویتم ذلک بترک المباحات. (۱۹)

اردو مفہوم:۔ وق ی وقیت الشئ ، وقایۃ ووقاء کے معنی کسی شے کو مضر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں سے بچانا کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں نفس کو ہر اس شے سے بچانے کا نام تقویٰ ہے جو گناہ کا مؤجب ہو اور یہ بات محظورات شریعہ کے ترک کرنے سے حاصل ہو جاتی ہے مگر اس میں درجہ کمال حاصل کرنے کے لئے بعض مباحات کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔

اس مفہوم سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صفت تقویٰ دراصل ایک توانائی کا نام ہے۔ جب یہ کسی میں واضح ہوتی ہے۔ روح کو معراج اور نفس کو ارتفاع اور جب یہ خوبیاں کسی انسان میں جمع ہو جائیں۔ تو پھر زندگی کی سرگرمیاں، حق، عدل وانصاف، توکل، امانت اور سچائی الغرض عبادات وطاعات، جہاد واجتہاد سے نبریز نظر آتیں ہیں۔ نفس انسانی معرفت الٰہی کے لئے ہر سو طواف کرتا دکھائی دیتا ہے ایسا اس لئے ہے کہ لوگ محظورات شریعہ کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور اللہ کے حضور سربسجود ہو جاتے ہیں اور اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جس طرح کہ ڈرنے کا حق ہے تو وہی معرفت حق کا ادراک کرتے ہیں وہی فلاح پاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰاَیّھا الّذین اٰمنوا اتّقوا اللّٰہ حقّ تقتہٖ ولا تموتنّ الّا وانتم مّسلمون O (۲۰)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو۔ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور دیکھو کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تم اس حال میں مرجاؤ کہ تم مسلم نہ ہو۔

اللہ کی یہ نصیحت صرف مومنین کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام بنی آدم کے لئے ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ جو تقویٰ اختیار کر کے اصلاح کر لے گا تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

فمن اتقٰی و اصلح فلا خوف علیھم یحزنون ○ (۲۱)

ترجمہ:۔ جو کوئی بھی تقویٰ اختیار کر لیں گے اور اپنی اصلاح کر لیں گے، تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

اسی لئے رب کریم نے فجر کے قرآن کو مشہود قرار دیا ہے۔ تا کہ اللہ اپنے بندوں کو بہترین مقام سے نواز سکے۔ اسے مشہود اس لئے قرار دیا کیونکہ اس وقت انسان انتہائی دل جمعی سے قرآن کو پڑھتا ہی نہیں بلکہ نفس کے اعمال پر غور بھی کرتا ہے جس سے شخصیت مشہود ہو جاتی ہے اس طرح اللہ کی آیات دل پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اور نفوس انسانی میں مثبت تغیر برپا ہوتا ہے۔

والقران الفجرؕ انّ قرآن الفجر کان مشھوداً ○ (۲۲)

ترجمہ:۔ اور فجر کے وقت قرآن، بلاشبہ فجر کا قرآن مشہود ہے۔

متقی شخصیات کو ملنے والے ثمرات:۔

انسانی شخصیت میں توازن پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جہاں بدن کی ضروریات کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے وہیں پر روح ونفس کی ضرریات کو بھی پورا کرنا ضروری ہے۔ اور نفس انسانی کو یہ ملکہ حاصل ہے کہ وہ حق و باطل اور خیر وشر کے درمیان تمیز کر لیتا ہے تاہم اللہ نے انسان کو ارادہ کی آزادی عطا فرمائی ہے تا کہ وہ اپنی مرضی سے خیر وشر میں سے کسی ایک راستے کو اپنائے۔ جو لوگ اعتدال وتوازن کے خواہاں ہوتے ہیں وہ مطالبات نفس کو لگام میں رکھتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی فطرت کو مستقیم صورت میں برقرار رکھتے ہوئے عبادات، طاعات، اعمال صالحہ اور ذکر الٰہی کا پابند بنا لیتے ہیں۔ اس طرح ان کے قلوب چراغ کی مانند روشن ہوتے ہیں چونکہ یہ نور سے متمسک رہتے ہیں اس لئے انتہائی مطمئن ہوتے ہیں۔ اور اسی اطمینان کے طفیل متقین دنیا وآخرت کے ثمرات کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

متقین کے قلوب چونکہ مطمئن ہوں گے اور اسی حالت میں اللہ انہیں وفات بھی دے گا لہٰذا روز قیامت ان کی شخصیت میں اطمینان، اعتماد اور توکل خوشی نظر آئے گی اس لئے کہ ان کی شخصیت نور سے معمور رہی۔ قرآن حکیم میں ان کے نامۂ اعمال کے متعلق فرمایا، جنت میں ملنے والی نعمتوں اور چہرہ کی تر و تازگی کے متعلق فرمایا:۔

کلآ ان کتٰب الابرار لفی علّیّین ؕ ومآ ادرٰک ما علّیّون ○ کتٰب مرقوم ○ یّشھدہ المقرّبون ؕ انّ الابرار لفی نعیمٍ ○ علی الارآئک ینظرون ○ تعرف فی وجوھھم نضرۃ النّعیم ○ یسقون من رّحیقٍ مختومٍ ○ ختٰمہٗ مسکٌ ؕ و فی ذٰلک فلیتنا فس المتنافسون ؕ و مزاجہٗ من تسنیمٍ ○ عیناً یّشرب بھا المقرّبون ؕ (۲۳)

ترجمہ:۔ سچ تو یہ ہے کہ بالتحقیق نیکوکاروں کا نوشتہ علیین میں ہوگا اور تو کیا جانے کہ علیون کیا ہے؟ وہ ایک تحریری نوشتہ ہے جس پر مقربین شاہد ہیں بے شک نیکوکار لوگ نعمتوں میں ہوں گے وہ مسندوں پر بیٹھے نظارہ کر رہے ہوں گے تو ان کے چہروں سے نعمتوں کی تروتازگی پہچان لے گا انہیں سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی جس کی مہر مشک کی ہوگی پس رغبت رکھنے والوں کو چاہئے کہ اس میں اور رغبت بڑھائیں۔ اور اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقربین بارگاہ ایزدی پئیں گے۔

اس طرح متقین کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں حسنات ہی حسنات ہیں۔ اسی لئے اللہ ایک کو بامراد و کامیاب قرار دیا اور دوسرے کو نامراد۔ الغرض نفس دیگر خصوصیات کا بھی حامل ہے۔ اب ہم نفس کی خصوصیات کا آفاقی طور پر قرآن کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔

(3)……نفس کی فطری واطلاقی خصوصیات:۔

نفس تخلیق کائنات رنگ و بو کا مظہر ہے یہ اپنی ہستی میں فطری و اطلاقی صفات کا امین ہے خ طر فطرت نے نفس کو ان خوبیوں سے مزین فرما کر حجت تمام کردی اب یہ نفس انسانی پر منحصر ہے کہ وہ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے یا نہیں نفس ۴قسم کی آفاقی خصوصیات کو اپنے اندر جو کہ درج ذیل ہیں:۔ اول نفسہ الرحمة، دوم نفسہ خیفة، سوم نفسہ مبین، چھارم نفسہ بصیرہ.

(i)…… نفسہ الرحمة کی صفات اور قرآن:۔

قل لِلّٰہ کتب علی نفسہِ الرّحمة (۲۴)

ترجمہ:۔ کہہ دے اللہ کا ہے اس نے اپنے نفس پر رحمت واجب کر لی ہے۔

الرحمة رقة تقتضی الاحسان الی المرحوم. واذاوصف بہ الباری فلیس یرادبہ الا الاحسان(۲۵)

اردو مفہوم:۔ وہ رقت قلب جو مرحوم پر احسان کی مقتضی ہو اور جب یہ اللہ کی ذات سے متصف ہو تو پھر احسان ہوگا۔

لہٰذا اللہ کی صفت رحمت مراد ہے۔ یہ دراصل ایک نظام ہے جس کے تحت یہ کارخانہ قدرت چل رہا ہے۔ اگر رحمت نہ ہوتی تو نہ جانے کتنی مرتبہ یہ کائنات درہم برہم ہو چکی ہوتی۔ لیکن ہماری حد نگاہ تک یہ مجسم رحمت کا شاہکار نظر آتی ہے۔ زمین کو دیکھئے تو زیورات سے مزین پاتے ہیں۔ آسمان کو دیکھتے ہیں تو اسے بھی ستاروں اور سیاروں اور اس میں مخفی دنیا سے آراستہ پاتے ہیں۔ بہتے جھرنوں کو دیکھیں تو ترنم پاتے ہیں۔ ننھی سے ننھی مخلوق کو دیکھتے ہیں تو خالق کی رزاقیت پاتے ہیں۔ دہر سے ظہور تک کے سفر کو دیکھیں تو رب کی ربوبیت کو پاتے ہیں۔ خیال سے لے کر حقیقت تک رحمان کی رحمانیت کو پاتے ہیں۔ الغرض عمل کے لئے جب علم الٰہی کی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو شعور و آگہی کا ابلتا ہوا سمندر پاتے ہیں۔ مگر اس نظام رحمت سے فقط وہی منفعت حاصل کرسکتا ہے جو اس کا طلبگار ہو۔ بصورت دیگر خسارہ

ہی خسارہ۔ تاہم نافرمانوں کے لئے بھی اس نظام رحمت میں فقط دنیا وی حصہ ہے۔ زندگی بطور مہلت کے ہے۔ لہذا رحمت کی واجبیت کے لئے قانون توبہ بنا دیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

انّہٗ من عمل منکم سوٓءاً بجھالۃٍ ثمّ تاب من بعدہٖ و اصلح فانّہٗ غفور رّحیم ○ و کذٰلک نفصّل الاٰیٰت و لتستبین سبیل المجرمین ○ (۲۶)

ترجمہ:۔ بے شک تم میں سے اگر کوئی جہالت کے سبب برا کام کرے گا اور پھر اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کر لے گا تو یقیناً وہ بخشنے والا رحیم ہے اور اس طرح سے ہم آیات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ مجرموں کے راستے کی واضح طور پر نشاندہی کر دیں۔

(ii)......نفسہ خیفۃ کی صفت اور قرآن:۔

فاوجس فی نفسہٖ خیفۃً مّوسٰی ○ (۲۷)

ترجمہ:۔ پس موسیٰ نے اپنے آپ میں خوف محسوس کیا۔

خوف فطری طور پر ہر نفس میں موجود ہوتا ہے۔ اسے توازن صرف توحید الٰہی سے ملتا ہے۔ بصورت دیگر خوف ہلاکت کا باعث بنتا ہے۔ یہ ہلاکت نفسیانی اعتبار سے انسان کو ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ جہاں اس کے آگے بھی موت اور پیچھے بھی موت۔ ایمان میں تغیر پیدا کر کے انسان کو اسفل سافلین کی منزل پر پہنچا دیتی ہے۔ اسی لئے صرف اللہ کا خوف جائز ہے۔ تب ہی حضرت موسیٰ سے کہا جا رہا ہے کہ نفس کی اس خوبی کو خوبی کے درجے پر ہی رکھیں۔ اس لئے کہ کائنات پر حکم سوائے اللہ کے کسی کا نہیں چلتا لہٰذا کیا شیطان اور کیا جادوگر، سماوی و ارضی کی ہر شے اللہ سے ڈرتی ہے:۔

من دآبّۃٍ و الملٰئکۃ وھم لا یستکبرون ○ یخافون ربّھم مّن فوقھم و یفعلون ما یؤمرون ○ (۲۸)

ترجمہ:۔ جانوروں اور ملائکہ میں سے ہے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جو ان سے برتر ہے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

الخوف توقع مکروہ عن امارۃ مظنونۃ او معلومۃ (۲۹)

اردو مفہوم:۔ الخوف کے معنی قرآئن وشواہد سے کسی آنے والے خطرے کا اندیشہ کرنا کے ہیں۔

دراصل خوف الٰہی میں ہدایت مضمر ہے۔ یہ خوف کائنات کی ہر شے میں پایا جاتا ہے۔ گرج اور فرشتوں سے متعلق قرآن فرماتا ہے کہ:۔

و یسبّح الرّعد بحمدہٖ و الملٰئکۃ من خیفتہٖ ۚ (۳۰)

ترجمہ:۔ گرج اور فرشتے اس کے خوف سے اس کی حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔

والخوف من اللّٰه لا یراد بہ مایخطر بالبال من الرعب کا ستسعار الخوف من الاسدبل انما یرادبہ الکف عن المعاصی و اختیار الطاعات. (۳۱)

اردو مفہوم:۔ اللہ کے خوف کے یہ معنی نہیں کہ جس طرح انسان شیر کو دیکھ کر ڈرتا ہے بلکہ خوف الٰہی کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کا رعب اللہ کے تصور سے قلب انسان پر طاری ہو جائے کہ انسان گناہوں سے بچ کر فرمانبرداری اختیار کر لے۔

دراصل خوف دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک خوف الٰہی Fear of Allah جو جائز ہے۔ اور دوسرا شیطان کا خوف Fear of Satan/Evil. جس کا ذکر درج ذیل ہے۔ دونوں کی مقصدیت میں زمین و آسمان کا فرق موجود ہے۔ اول الذکر کے تحت خوف کا مفہوم یہ ہے کہ خوف حالت لازم بن جائے اور ہر آن طاری رہے۔

جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر لحہ قوانین فطرت سے مستفیض ہوا جا سکے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اسی پر گامزن ہو کر منزل مراد مل سکتی ہے۔ اسی لئے خوف کائنات کی ہر شے میں موجود ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ خوف ہر نفس میں ودیعت ہونے کے ناطے یہ کارخانہ قدرت برسہا برس سے اسی طرح چل رہا ہے۔

جہاں تک ثانی الذکر کی بات ہے تو شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

☆ انّما ذٰلکم الشّیطٰن یخوّف اولیآءہٗ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مّؤمنین ○ (۳۲)

ترجمہ:۔ وہ درحقیقت شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے ڈرا رہا تھا پس تم ان سے نہ ڈرو اگر تم صاحب ایمان ہو تو مجھ ہی سے ڈرو۔

☆ الشیطان الخوف فلاناتمرو الشّیطان و اعمروا اللّٰہ. (۳۳)

اردو مفہوم:۔ شیطان کا حکم مت بجالاؤ بلکہ اللہ کا حکم بجالاؤ۔

شیطان دراصل انسان کو مختلف طریقوں سے خوف میں مبتلا کرتا ہے۔ یہ محرکات خوف مالی بھی ہو سکتا ہے، جانی بھی اور نفساتی بھی۔ اس طرح خوف لازمی ہے اس سے نجات ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اپنے خوف کی حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:۔

لھم مّن فوقھم ظلل مّن النّار ومن تحتھم ظلل ذٰلک یخوّف اللّٰہ بہ عبادہٗ یٰعباد فاتّقون ○ (۳۴)

ترجمہ:۔ ان کے لئے ان کے اوپر بھی آگ کے سائبان ہیں اور ان کے نیچے بھی سائبان ہیں۔ اس بات سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ پس اے میرے بندوں مجھ ہی سے ڈرو۔

کچھ زینتیں خواہ وہ اولاد کی صورت میں ہوں یا مال کی یا پھر عزت و شہرت کی صورت میں یہ سب کے سب نفس کے محرکات ہونے کے سبب خوف کی پیداوار کے اہم ترین ذرائع ہیں۔ اور جہاں تک افلاس کی بات ہے تو مفلسی کا خوف تو انسان کو اولاد تک کے قتل پر آمادہ کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کے افکار ان ہی محرکات کے گرد گھومتے

ہیں۔جن کا سب سے بڑا سبب خوف ہے۔شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ فتنہ پیدا کرے جب وہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہ اپنے سر کبھی الزام نہیں لیتا کہتا ہے :۔

فلا تلوموني ولوموآ انفسکم (۳۵)

ترجمہ :۔ پس تم مجھے الزام نہ دو اپنے آپ ہی کو الزام دو۔

ایک اور مقام پر شیطان یہ کہتا ہے کہ :۔

انیّ اخاف اللّٰہ (۳۶)

ترجمہ :۔ بے شک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔

ہر شے اللہ سے ڈرتی ہے تو شیطان کی یہ بات بعید از قیاس ہرگز نہیں بلکہ حقیقت کی عین عکاسی کر رہی ہے۔

اس مختصر بحث سے یہ پتہ چلا کہ خوف کی دو قسمیں ضرور ہیں لیکن یہ دونوں ایک دوسرے سے یکسر مختلف نتائج کی امین ہیں۔

خوف الٰہی میں آس ہے جس کا نتیجہ رحمت ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے :۔

وادعوہ خوفاً وّ طمعاً انّ رحمت اللّٰہ قریب مّن المحسنین ○ (۳۷)

ترجمہ :۔ اور اسے پکارو خوف کے ساتھ اور آس لگا کر بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

جبکہ شیطانی خوف میں آس بطور فتنہ کے ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے :۔

لّیجعل مایلقی الشّیطٰن فتنۃً لّلّذین فی قلوبھم مّرض وّ القاسیۃ قلوبھم (۳۸)

ترجمہ :۔ تاکہ وہ ان کو جو شیطان نے ڈالے ہیں ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو سنگدل ہیں۔

اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ فاطر فطرت کا خوف دل میں جاگزین کر کے اللہ کی رحمت سے قریب تر ہوتا ہے یا پھر دلوں کی سختی اسے دیگر فتنوں میں الجھائے رکھتی ہے۔حالانکہ اللہ بنی آدم سے یہ عہد لے چکا ہے کہ :۔

الم اعھد الیکم یٰبنیٓ اٰدم ان لاّ تعبدو ا الشّیطٰن (۳۹)

ترجمہ :۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا۔

لہٰذا حجت تمام ہونے سے پہلے ہی ہمیں اپنے نفس کی اس صفت کا فائدہ اٹھا لینا چاہئے۔

(iii)...... نفسہٖ مبین کی صفت اور قرآن :۔

ومن ذرّیّتھما محسن وّ ظالم لّنفسہٖ مبین ○ (۴۰)

ترجمہ :۔ اور ان دونوں کی اولاد میں نیک بھی ہیں اور اپنے نفوس پر کھلم کھلا ظلم کرنے والے بھی۔

(بان) يقال بان واستبان و تبين وقد بينته (۴۱)

اردو مفہوم:۔ بان واستبان وتبین کے معنی کسی چیز کو ظاہر اور واضح کر دینے کے ہیں اور بینۃ کے معنی کسی شے کو واضح اور ظاہر کر دینے کے ہیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

یٰاَھل الکتٰب قد جآء کم رسولنا یبیّن لکم کثیرا مّمّا کنتم تخفون من الکتب و یعفوا عن کثیرٍ قد جآء کم من اللہ نور وّ کتٰب مّبین (۴۲)

ترجمہ:۔ اے اہل کتاب تمہاری پاس ہمارا رسول آ چکا ہے وہ تمہارے لئے کتاب میں سے اس کا بڑا حصہ جس کو تم چھپایا کرتے تھے کھول کر بیان کرتا ہے اور بہت سی چیزوں سے تو درگزر کرتا ہے بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ایک واضح کتاب آ چکی ہے۔

اس لحاظ سے کتاب مبین کے معنی حقائق مستورہ کو ظاہر اور واضح کرنے والے کے ہوئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس کو یہ خصوصیت عطا کرنے کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ قرآن نے یہ بیان فرمائی:۔

لّیھلک من ھلک عنۢ بیّنۃٍ وّ یحییٰ من حیّ عنۢ بیّنۃٍ (۴۳)

ترجمہ:۔ اس لئے کہ جو ہلاک ہوں وہ واضح حجت سے ہلاک ہوں اور جو زندہ رہیں وہ واضح دلیل پر زندہ رہیں۔

قرآن مجید والفرقان حمید نفس کو مکمل تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا اس میں معروف بھی واضح ہے، اور منکر بھی۔ کوئی بات پوشیدہ صورت میں نہیں کیونکہ یہ انسانوں کیلئے ہدایت ورہنمائی کا واحد ذریعہ ہے لہٰذا کہیں فرمایا:۔

بلسانٍ عربیٍّ مّبینٍ (۴۴)

ترجمہ:۔ واضح عربی زبان ہے۔

کتابٍ مّبینٍ (۴۵)

ترجمہ:۔ واضح کتاب۔

چونکہ اسی مادہ میں ظہور اور انفعال کے معنی ملحوظ ہیں۔ لہٰذا کہیں اسے کہا گیا۔

ضلٰلٍ مّبینٍ (۴۶)

ترجمہ:۔ واضح گمراہی۔

اور کہیں اسے کہا گیا:۔

الخسران المبین (۴۷)

ترجمہ:۔ کھلا خسارہ۔

اور جب انسان کے حوالے سے بات آئی تو مبین کا لفظ کچھ اس طرح استعمال ہوا۔

خصیم مّبین (۴۸)

ترجمہ:۔ صریحاً جھگڑالو۔

لَکَفُورٌ مُّبِین ○ (۴۹)

ترجمہ:۔ صریحاً ناشکرا۔

اور کہیں پر مطلق صداقت کے حوالے سے کہا گیا کہ:۔

البلٰؤا المبین ○ (۵۰)

ترجمہ:۔ کھلی ہوئی آزمائش۔

اور کہیں نتائجیت کی بناء پر حصول جنت کی طلب کے ابھار کے لئے فرمایا گیا:۔

الفوز المبین ○ (۵۱)

ترجمہ:۔ صریحاً کامیابی۔

بات یہ ہے کہ جو علم حق پر مبنی ہو۔ وہ ہمیشہ واضح ہوتا ہے۔ نفس چونکہ عین حق کے موافق انشاء کیا گیا ہے اسی لئے اللہ نے نفس کو واضح قرار دیا ہے کیونکہ کوئی بات اس میں مخفی نہیں ہے۔ جو ہے وہ واضح ہے۔

(iv)......نفسہٖ بصیرۃ کی صفت اور قرآن:۔

بل الانسان علٰی نفسہٖ بصیرۃ ○ وّلو القٰی معاذیرہٗ ○ (۵۲)

ترجمہ:۔ بلکہ انسان تو اپنے نفس کو خوب دیکھنے والا ہے چاہے وہ اس کے لئے کتنے ہی عذر پیش کرے۔

بصر و للقوۃ التی فیھا ویقال لقوۃ القلب المدرکۃ بصیرۃ و بصر. (۵۳)

اردو مفہوم:۔ قوت بینائی کو بصر کہہ لیتے ہیں اور دل کی بینائی پر بصر اور بصیرت دونوں لفظ بولے جاتے ہیں۔ نیز آنکھ سے دیکھنے کے لے بصیرۃ کا لفظ استعمال میں نہیں آتا۔

اس طرح بصیرۃ کے معنی کسی کو جان لینا کے ہوئے۔ اس میں قوت ادراک بھی آگئی اور ذہانت و فطانت بھی۔ اور چھٹی حس بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور حس و ادراک ہر نفس میں پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ادراک، تعقل ہر نفس اپنے حواس کی مدد سے اور عطا اور حاصل کئے ہوئے علم کے مطابق ہی اکتساب کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہر ذرے اور مخلوق کی فہم ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ اس طرح بصیرت کسی شے کی حقیقت کے علم کو کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ آنکھیں تو دیکھتی ہیں لیکن بصیرت!!! گواہ بن جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یّوم تشھد علیھم السنتھم وایدیھم وارجلھم بما کانوا یعملون ○ (۵۴)

ترجمہ:۔ جس دن کہ ان کے خلاف ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی شہادت دیں گے۔

دراصل ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ نفس کی اس خوبی کے تعلق بے بہرہ ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ وہ اس

خوبی کو تسلیم نہیں کرتے۔ مگر یہ سب کچھ تو فطرت کی صورت میں ہم سب انسانوں پر لاگو ہے چنانچہ بے بصیرت لوگوں سے اللہ کچھ اس انداز سے مخاطب ہے کہ:۔

﴿﴾...... الھم ارجل یّمشون بھآ ام لھم ایدٍیّبطشون بھا ام لھم اعین یّبصرون بھآ ام لھم اٰذان یّسمعون بھا ط (۵۵)

ترجمہ:۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں؟

﴿﴾...... وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون ○ (۵۶)

ترجمہ:۔ تو ان کو اپنی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہوئے دیکھتا ہے حالانکہ وہ دیکھ نہیں رہے۔

بے بصیرت دراصل حکمت کی صلاحیت سے قطعاً محروم ہوتا ہے۔ یہاں ایسے ہی اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کے برخلاف رحمٰن کے بندے کا طرزِ عمل بالکل مختلف ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن یوں کہتا ہے کہ:۔

والّذین اذا ذکّروا باٰیٰت ربّھم لم یخرّوا علیھا صمّاً وّ عمیاناً ○ (۵۷)

ترجمہ:۔ اور وہ کہ جب ان کے سامنے ان کے رب کی آیات کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گر پڑتے۔

اس طرح رحمٰن کے بندے اندھی تقلید کے خواہاں ہرگز نہیں ہوتے بلکہ یقین کی نور رکھتے ہیں۔ ان کا ہر کام اسوہ حسنہ کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ:۔

علٰی بصیرۃٍ انا ومن اتّبعنی ط (۵۸)

ترجمہ:۔ میں اور میری اطاعت کرنے والے ایک دیکھی بھالی دلیل پر ہیں۔

جب نبی پوری تحقیق اور معرفت کے بعد دعوت ایمان و عمل دیتا ہے تو ہماری نجات و فلاح کا راز بھی یہی ہے۔ بصورت دیگر خدا تعالیٰ بصیرت سے محروم لوگوں کو اندھا محشور کرے گا تو وہ کہے گا:۔

قال ربّ لم حشرتنیٓ اعمٰی وقد کنت بصیراً ○ قال کذٰلک اتتک اٰیٰتنا فنسیتھاج وکذٰلک الیوم تنسٰی ○ (۵۹)

ترجمہ:۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا محشور کیا؟ جبکہ میں تو آنکھوں والا تھا۔ کہے گا اس لئے کہ جس طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں اور تو نے انہیں بھلا دیا پس آج کے دن اسی طرح ہم نے تجھے بھلا دیا۔

اگر انسان دنیا و آخرت کی فلاح اور شعوری زندگی کا خواہاں ہے تو اسے اپنے نفس کی بصیرت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اسی طرح جو بصیرت میں وسعت نظری کا خواہاں ہے اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی نشانیوں پر غور کرے۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

لا تدرکہ الابصار ز وھو یدرک الابصار ج وھو اللّطیف الخبیر ○ قد جآء کم بصائر من رّبّکم ج

فمن ابصر فلنفسہٖ ج ومن عمی فعلیھا ط (۶۰)

ترجمہ:۔ آنکھوں کی رسائی اس تک ممکن نہیں اور اس کی رسائی آنکھوں تک ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آچکے ہیں۔پس جس نے انہیں دیکھ لیا تو اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو اندھا رہا تو اپنے ہی نقصان کے لئے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

ہم بصائر سے بصیرت کیونکر حاصل کریں؟ اس کے جواب کے لئے ہمیں نفس کے شعبہ جات کی جانب رجوع کرنا ہوگا۔

(4) نفس کے شعبہ جات:Faculties of Nafs

انسان ہو یا کوئی بھی مخلوق اللہ تبارک وتعالیٰ نے تحفظ اور بقاء کے لئے ماحول اور تقاضوں کے مطابق امکانی ذرائع یعنی حواس خمسہ، ادراک، تعقل، بالا ادراک کی خصوصیات عطا فرمائی ہیں۔تاکہ مخلوق اپنے اردگرد کے خارجی واقعات کا وقوف حاصل کرسکے اور مذکورہ قوتوں کی تعمیری خوبیوں اور حیرت ناک کارفرمائیوں سے محظوظ ہوسکیں نیز خود کو ان قوتوں کے شر سے بھی محفوظ رکھ سکیں۔نفس جن ذرائع سے اپنے وظائف خواہ وہ خیر سے متعلق ہوں یا شر سے انجام دیتا ہے وہی دراصل نفس کے شعبہ جات کہلاتے ہیں۔نیز انہیں نفس کے مدرکات بھی کہتے ہیں۔اس سلسلے میں جدید ماہرین نفسیات نے ''انہیں چار قسموں، دیکھنے کی صلاحیت، دیگر حواس اور ادراک و تنظیم میں تقسیم کیا ہے''۔(۶۱)

جبکہ ڈکشنری آف سائیکالوجی اینڈ سائیکاٹری میں نفس کے شعبہ جات کو چھ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ملاحظہ ہو:۔

(A)_ Neural organ or system

(B)_ A perception based on a sensory function organ

(C)_ A special kind of awareness

(D)_ A personality trail

(E)_ Good's meaning good judgment or intelligence and

(F)_ A consensus (the s, of the meeting). (62)

ہمیں مذکورہ شعبہ جات کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ان شعبہ جات کی تفصیل نفسیات کی مختلف کتابوں میں درج ہے۔مگر ہم اسے مختلف زاویے سے دیکھیں گے کیونکہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وفی الارض ایٰت للموقنین لا وفیٓ انفسکم ط افلاتبصرون O (۶۳)

ترجمہ:۔ اور روئے زمین میں یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔

دیکھا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے خواہ کتنی ہی زیادہ امکانی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو؟ مگر ایک حد ضرور رکھتی ہے۔ اسی طرح نفس کی بھی ایک حد ہے لیکن جہاں تک نفس کے اعمال کی بجا آوری کا معاملہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر!!! نفس کا مقام و محل وقوع کیا ہے؟

(5) نفس انسانی کا محل وقوع: The Locus of the Human Psyche

افلم یسیروا فی الارض فتکون لھم قلوب یعقلون بھآ اواٰذان یسمعون بھا فانھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور ○ (۲۴)

ترجمہ:۔ کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے تا کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے وہ سمجھ سکتے اور کان ایسے ہو جاتے جن سے وہ سن سکتے پس بے شک آنکھیں ہی اندھی نہیں ہو جاتیں بلکہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

قلب : قلب الشئ تصریفہ و صرفہ عن وجہ الی وجہ کقلب الثوب (۲۵)

اردو مفہوم:۔ یعنی کسی چیز کو پھیرنے اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنے کے ہیں جیسے کپڑے کو الٹنا۔

نیز یہ کہ آیت مذکورہ کے حوالے سے قلب کا کام علم شناسی اور فہم و فراست کرنا ہے۔ جیسا کہ لغت میں ہے کہ:

ای علم و فھم (۲۶)

اردو مفہوم:۔ قلب سے مراد علم و فہم ہے۔

دراصل اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو دل دیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس میں موجود اوصاف کا پتہ لگائے۔ بعض کا کہنا ہے کہ:۔

وقلب الانسان قیل سمعی بہ لکثرۃ تقلبہ، ویعبر بالقلب عن المعانی التی تختص بہ من الروح و العلم والشجاعۃ وغیر ذلک۔ (۲۷)

اردو مفہوم:۔ چونکہ انسان کا دل کثرت سے الٹتا پلٹتا ہے اسی لئے قلب کی اصطلاح استعمال کر کے اوصاف قلبی روح، علم اور شجاعت وغیرہ مراد لئے ہیں۔

اور بے شک یہ قلب کی جامع نفسی تعریف ہے۔ جو ہماری توجہ اس جانب مبذول کراتی ہے کہ یہ بھی ایک عجیب دنیا ہے یہاں ارادے فیصلے میں بدلتے ہیں اور فیصلے انسان کو عمل کی جانب ابھارتے ہیں۔ یہ درست بھی ہو سکتے ہیں اور غیر درست بھی۔ اس کی نزاکت کے بارے میں قرآن یوں گویا ہے:۔

انّ فی ذٰلک لذکرٰی لمن کان لہٗ قلب اوالقی السّمع وھو شھید○ (۲۸)

ترجمہ:۔ بے شک اس میں صاحب دل کے لئے نصیحت ہے یا اس کے لئے جو کان دھرتا ہے۔ اور جو گواہ ہے۔

دل دراصل تمام اوصاف قلبی پر گواہ ہوتا ہے۔ اسی لئے انسان اپنی بات کو خود سے بھی چھپا نہیں سکتا۔ لہٰذا وہ

اپنے قلب کی کیفیت سے خود آگاہ ہوتا ہے۔قلبی کیفیات کس قسم کی ہیں۔آیئے درج ذیل میں ملاحظہ کریں۔

(6)......قلب کی کیفیات اور اس کی قسمیں:۔

ماجعل اللّٰہ لرجلٍ من قلبین فی جوفہٖ ج (۲۹)

ترجمہ:۔ اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل قرار نہیں دیئے۔

قلب انسانی مختلف کیفیات کے لئے منبع کی حیثیت رکھتا ہے۔مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک قسم کی کیفیت کا متحمل ہے یعنی دو طرح کی کیفیات بہ یک وقت وارد نہیں ہوسکتیں۔یہ قلبی کیفیات تین قسم کی ہوتی ہیں۔ایسا اس لئے ہے کہ چونکہ نفس انسانی کی بھی تین قسمیں ہیں۔نفس امارہ،لوامہ اور مطمئنہ،یہ قلبی کیفیات ان ہی اقسام نفس کی نمائندگی کرتی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

i) قلب متکبر و جابر — نفس امارہ

ii) قلب منیب — نفس لوامہ

iii) قلب سلیم — نفس مطمئنہ

ان کیفیات کی وجہ سے ہی تین طرح کی شخصیات سامنے آتی ہیں جو کہ مذکورہ قلوب کی نمائندگی کرتی ہیں۔جن کا ذکر ہم مومن کافر اور منافق ومشرک کے حوالے سے کر چکے ہیں۔اس لئے ہم یہاں فقط اوصاف قلبی کو تینوں سطح پر بیان کریں گے۔

(i)......قلب متکبر و جابر کے اوصاف اور قرآن:۔

الّذین یجادلون فیۤ اٰیٰت اللّٰہ بغیر سلطٰنٍ اٰتٰھُمْ ط کبر مقتاً عنداللّٰہ وعند الّذین اٰمنوا ط کذٰلک یطبع اللّٰہ علیٰ کلّ قلب متکبّرٍ جبّارٍ O (۷۰)

ترجمہ:۔ ایسے لوگ جو اللہ کی آیات کے بارے میں اپنے پاس کوئی دلیل آئے بغیر ہی بحث کرنے لگتے ہیں۔وہ اللہ کے نزدیک اور ایمان والے لوگوں کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔اسی طرح اللہ ہر متکبر و جابر کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

والتکبر یقال علی وجھین احدھما ان تکون الافعال الحسنة کثیرة فی الحقیقة و زائلة علیٰ محاسن غیرہ وعلی ھذا وصف اللّٰہ تعالیٰ بالتکبر . والثانی ان یکون متکلفاً لذلک متشبعاً و ذلک فی وصف عامة الناس (۷۱)

اردو مفہوم:۔ دراصل تکبر کا استعمال دو طرح سے ہوتا ہے۔ایک یہ کہ فی الحقیقت کسی کے افعال حسنہ زیادہ ہوں اور وہ ان میں سے دوسروں سے بڑھا ہوا ہو۔اسی معنی میں اللہ تعالیٰ صفت تکبر کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔دوم یہ کہ کوئی شخص صفات کمال کا ادعاء کرے لیکن فی الواقع صفات حسنہ سے عاری ہو اس معنی کے لحاظ سے یہ انسان کی صفت بن کر

استعمال ہوا ہے۔

اس طرح معنی کے لحاظ سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ صفت ذم ہے۔ اور سب سے بڑا تکبر تو قبول حق سے انکار اور عبادت سے انحراف کر کے اللہ تعالیٰ پر تکبر کرنا ہے۔ اسے اعظم التکبر گردانا جا سکتا ہے۔

دوسری قلبی صفت جبار بیان ہوئی۔ اس کا مادہ جبر ہے۔ امام راغب کہتے ہیں کہ:۔

اصل الجبر اصلاح الشئ بضرب من القهر (۷۲)

اردو مفہوم:۔ اس طرح جبر کے معنی زبردستی دباؤ سے کسی چیز کی اصلاح کرنے کے ہیں۔

والجبار فی صفة الانسان یقال لمن یجبر نقیصته بادعاء منزلة من التعالی لا یستحقها وهذا لا یقال الاعلی طریق الذم (۷۳)

اردو مفہوم:۔ الجبار انسان کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ناجائز تعلّی سے اپنے نقص کو چھپانے کی کوشش کرنا۔ بدیں معنی، اس کا استعمال بطور مذمت ہی ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں صفات اللہ کی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

العزیز الجبّار المتکبّر ط (۷۴)

ترجمہ:۔ طاقت ور، زبردست، صاحب کبریائی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ استحقاق فقط رب تعالیٰ کو حاصل ہے۔ درحقیقت یہ شیطانی صفت ہے۔ سو جو کوئی اس صفت سے خود کو متصف کر لیتا ہے تو پھر اس انسان کا قلب شیطانی اوصاف کا حامل بن جاتا ہے۔ ایسے ہی قلوب پر اللہ اپنی مہر ثبت کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو بدترین خلائق کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی نفسیات کچھ اس طرح ہو جاتی ہے:۔

افکلّما جآءکم رسول بما لا تهویٰ انفسکم استکبرتم ج (۷۵)

ترجمہ:۔ کیا جب کبھی تمہارے پاس رسول اس بات کے ساتھ آئے جو تمہارے نفسوں کی خواہش کے مطابق نہ تھی تو تم نے تکبر کیا۔

اسی بناء پر ان کے قلوب غلف زدہ قرار پائے ہیں اور اسی بناء پر مہر زدہ بھی۔ کیونکہ جب انہیں پیغمبروں نے دعوت حق دی تو انہوں نے آباؤ اجداد کی پیروی اور شیطانی دعوت کو فوقیت دی جو کہ انہیں جہنم کی طرف دعوت دے رہا تھا اس کی بات مان لی اس کی روش کو اختیار کر لیا۔ مزید برآں یہ کہ روشن کتاب میں موجود علم و ہدایت پر جھگڑتے رہے۔ لہٰذا نبی پر واضح کر دیا گیا کہ ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔ کیونکہ:۔

ختم اللّٰه علیٰ قلوبهم وعلیٰ سمعهم ط وعلیٰ ابصارهم غشاوة ز ولهم عذاب عظیم ع (۷۶)

ترجمہ: اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

طبع اللّٰه علیٰ قلوبهم (۷۷) اور ختم اللّٰه علیٰ قلوبهم کے معنی ایک ہیں۔ کیونکہ

الطبع التصور الشئ بصورة ما کطبع السکۃ وطبع الدراھم (۷۸)

اردو مفہوم:۔ یعنی کسی چیز کو کوئی شکل دینا کے ہیں۔ جیسے سکہ یا دراہم کو ڈھالنا۔

ان معنی کے لحاظ سے مفہوم اخذ کرنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔ دراصل یہ بات واضح ہو گئی کہ طبیعت کا بدلنا ممکن نہیں اسی لئے اللہ ایسے کافرین کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور ان کی نشانی یہ ہے کہ یہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں مثلاً

دعویٰ و عمل کے اعتبار سے	حقیقت یا نتیجہ کے اعتبار سے
۞…… یخٰدعون اللّٰہ۔	۞…… یخٰدعون الّا انفسھم۔
۞…… نحن مصلحون ○	۞…… ھم المفسدون۔
۞…… قالوا اٰمنّا ج	۞…… نحن مستھزءون ○ (۷۹)

قول و فکر کا تضاد منافقت کی علامت بنتا ہے اور منافقت بے شعوری پر مہر ثبت کرتی ہے۔ درج ذیل آیت کریمہ اسی حقیقت کی عکاسی کر رہی ہیں۔

فھل عسیتم ان تولّیتم ان تفسدوا فی الارض و تقطّعوٓا ارحامکم ○ اولٰٓئک الّذین لعنھم اللّٰہ فاصمّھم واعمٰٓی ابصارھم ○ افلایتدبّرون القرآن ام علٰی قلوبٍ اقفالھا ○ (۸۰)

ترجمہ:۔ پس کیا وہ وقت قریب نہیں کہ جب تم حاکم بنا دیئے جاؤ گے تو زمین میں فساد کرو گے اور قطع رحمی کرو گے یہی تو وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی۔ اور انہیں بہرہ بنا دیا۔ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ تو کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے ؟؟؟ یا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہیں۔

اگر ہم ان نشانیوں کو مدنظر رکھ کر اپنی طبیعت یعنی قلبی کیفیت کا جائزہ لیں تو مہر لگنے سے پہلے اللہ کی جانب رجوع کیا جا سکتا ہے۔

(ii)……قلب منیب کے اوصاف اور قرآن:۔

مَن خشی الرّحمٰن بالغیب و جآء بقلبٍ مّنیبٍ ○ لا (۸۱)

ترجمہ:۔ جو رحمٰن سے بن دیکھے ڈرتا رہا اور رجوع کرنے والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

منیب کا مادہ نوب ہے اور یہ "رجوع الشئ مرۃ بعد اخری" یعنی کسی چیز کا بار بار لوٹ کر آنا۔ بالخصوص:۔

"والانابۃ الی اللّٰہ تعالیٰ الرجوع الیہ بالتوبۃ واخلاص العمل" (۸۲)

اردو مفہوم:۔ توبہ اور اخلاص عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا۔

قرآن حکیم و الفرقان مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نفسوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کو نظام رحمت، نظام مغفرت سے متعارف کرایا وہیں ان نظاموں کے اطلاقی نتائج سے مستفید ہونے کے لئے قانون انیب کے متعلق فرماتا

ہے کہ:۔

قل یٰعبادی الّذین اسرفو اعلٰی انفسھم لا تقنطوا من رّحمة اللہ انّ اللہ یغفر الذّنوب جمیعاً انّہٗ ھو الغفور الرّحیم ○ وانیبوآ الٰی ربّکم واسلموا لہٗ من قبل ان یّاتیکم العذاب ثمّ لا تنصرون ○ (۸۳)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے میرے بندوں جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ بے شک اللہ تو سارے ہی گناہ معاف کردیتا ہے۔ بالتحقیق وہ بخشنے والا رحیم ہے۔ اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس کے آگے اپنا سرتسلیم خم کردو۔ پیشتر اس کے کہ عذاب تم تک آن پہنچے پھر تو تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

اللہ کی جانب رجوع کرنا۔ سنت انبیاء ہے۔ تو دوسری طرف محتاجیٔ انسان بھی ہے۔ اس لئے کہ انسان خطا کا پتلا ہے اللہ نے اسی سے نجات کا قانون متعارف کروادیا۔ اور سنت انبیاء کے ذریعے لوگوں کو اخلاص عمل کی جانب ابھارا مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کو علم وحکمت عطا فرمائی تو آزمائش میں ڈالا چونکہ اقتدار واختیار پر بھی براجمان تھے لہٰذا آزمائش بھی سخت ہوئی۔ اور آپ سے لغزش ہوگئی آپ نے یکطرفہ بات سن کر فیصلہ حتمی طور پر سنادیا۔ جبکہ طرفین کی بات سن کر فیصلہ دیا جانا چاہئے تھا۔ جیسے ہی اس بھول کا خیال آیا تو آپ نے نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ توبہ واستغفار کی۔ (۸۴)

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام بھی رجوع کرنے والوں میں سے تھے۔ اللہ نے ان کی بھی آزمائش کی۔ آپ کی کرسی پر ایک مردہ جسد ڈال دیا۔ پھر وہ اللہ کی جانب متوجہ ہوئے اور اللہ سے دعا فرمائی کہ ایسی سلطنت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ آئے۔ اللہ تو ہے ہی صاحب بخشش وعطا سو بخش دیا۔ (۸۵)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نرم دل اور شفیق طبیعت رکھنے والے انسان تھے اللہ نے انہیں ان کی اس خوبی کے بعد آزمائش میں ڈالا جب آپ کے پاس دو پیغمبروں کی بشارت لے کر آئے حضرت اسحاق اور اس کے بعد حضرت یعقوبؑ کی تو آپ نے ان کے سامنے بھنا ہوا بچھڑا پیش کیا تو ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھے آپ خوفزدہ ہوئے تو اس پر انہوں نے کہا کہ ہمیں تو قوم لوط کی جانب بھیجا گیا ہے۔ بس یہ سننا تھا کہ آپ اپنی طبیعت کے مطابق ایک مجرم قوم پر سے عذاب ٹالنے کے بارے میں جھگڑنے لگے لیکن چونکہ عذاب کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ لہٰذا گریز کیا اور اللہ کی جانب رجوع کیا۔ (۸۶)

حقیقت تو یہ ہے کہ آسمان وزمین میں جو کچھ بھی ہے وہ عبد منیب (۸۷) کے لئے ایک نشانی ہے۔ لیکن انسان ہے کہ ان نشانیوں سے کچھ نہیں سیکھتا۔ اور نہ ہی ڈرتا ہے۔ زیادہ تر انسانوں کی روش یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ کی جانب رجوع ہوتے ہیں۔ مگر جب وہ اپنی نعمت سے نوازتا ہے تو پھر اللہ کو بھول کر کسی اور کو ''انداداً'' (۸۸) ہمدرد ومددگار چن لیتے ہیں یعنی شرک کرنے لگتے ہیں یہی عمل جہنم کا سبب بن جاتا ہے۔ جبکہ وہ لوگ جو اس سارے عمل سے اجتناب کرتے ہیں انہیں اللہ صاحبان عقل ودانش کے خطاب سے نوازتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

والّذین اجتنبوا الطّاغوت ان یّعبدوھا و انا بوآ الی اللّٰہ لھم البشریٰ ج (۸۹)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے طاغوت کی بندگی کرنے سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کیا ان کے لئے خوشخبری ہے۔

گناہ کرنے کے بعد مایوسی ہو یا کسی شے کے نہ ملنے پر مایوس ہوں کسی بھی صورت میں مایوسی جائز نہیں لہٰذا رجوع کرنے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔ حکم خداوندی ہے کہ تائب ہوکر ان خطوط پر اپنی زندگی کو استوار کرو:۔

منیبین الیہ واتّقوہ واقیموا الصّلٰوۃ ولا تکونوامن المشرکین ۝ۙ (۹۰)

ترجمہ:۔ اسی کی طرف تائب ہوکر رجوع کرو اور اسی سے ڈرو اور صلوٰۃ قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہوجاؤ۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ اموال واولاد اور دیگر خوبیاں بطور آزمائش کے ہیں۔ ان کے طفیل اسی وقت اجر عظیم مل سکتا ہے جب استطاعت کے موافق اللہ سے ڈرا جائے۔ اطاعت کی جائے اللہ کے احکامات کی۔ اور اس کی راہ میں خرچ کیا جائے تب ہی نفس خیر وسلامتی کا سبب بن سکے گا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّمآ اموالکم واولادکم فتنۃٌ واللّٰہ عندہٗٓ اجر عظیم ۝ فاتّقوا اللّٰہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لّا نفسکمؕ و من یّوق شحّ نفسہٖ فا ولٰٓئک ھم المفلحون ۝ (۹۱)

ترجمہ:۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس ایک آزمائش ہے اللہ کی قسم اجر عظیم تو اللہ کے پاس ہے پس جہاں تک تمہاری استطاعت ہے اللہ سے ڈرو اور غور سے سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو یہی تمہارے نفوس کے لئے بہترین ہے اور جو کوئی بھی اپنے نفس کی حرص سے بچائے گئے وہی تو ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

ایمان عمل کے پیرہن کے بغیر مکمل نہیں۔ اسی طرح جب انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسے ایمان و عمل دونوں کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ عمل کا مظاہرہ استطاعت کے مطابق خرچ واطاعت ہے اور ایمان کا مظاہرہ اس طرح کہ توبہ کرنے والے نفوس ہمیشہ یہی دعا کرتے ہیں کہ:۔

ربّنا علیک توکّلنا والیک انبنا والیک المصیر ۝ (۹۲)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار ہم تجھ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اور ہم تیری ہی جانب رجوع کرتے ہیں۔ اور تیری ہی جانب بازگشت ہے۔

نفس انسانی کی حرص وہوس جہنم کے مشابہہ ہے یہ آتش کدہ تو آب قناعت سے اور توبہ سے بجھ سکتا ہے اور اس منزل پر وہی انسان پہنچتا ہے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ اسے ہدایت دیتا ہے جو طلب ایمان رکھتا ہے۔ چونکہ طلب عمل کا سبب بنتی ہے۔ سو جس قدر شدت ہوگی اسی قدر عطائے توفیق اخلاص وعمل ہوگی۔ یہی قانون طلب ہے۔ ورنہ تو اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا کہ وہ سب کو ہدایت دیتا۔ سب اہل ایمان ہوتے۔ اسی طرح ایمان کی توفیق کا انحصار قانون مشیت پر بھی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اللہ کیونکر گمراہی یا ہدایت دیتا ہے؟ اس کا جواب درج ذیل آیت میں پوشیدہ ہے:۔

واعلموآ انّ اللّٰہ یحول بین المرء وقلبہٖ وانّہٗ الیہ تحشرون ○ (۹۳)

ترجمہ:۔ اور خوب جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بے شک تم اسی کی طرف اکھٹے کئے جاؤ گے۔

لہٰذا قلب منیب کے حاملان سے جو کہ اللہ سے بن دیکھے ڈرتے رہے اور رجوع کرنے والے دل کے ساتھ حاضر ہوئے ان سے کہا جائے گا کہ:۔

ادخلوھا بسلٰمٍ ذٰلک یوم الخلود ○ لھم مّایشآؤن فیھا ولدینا مزید ○ (۹۴)

ترجمہ:۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہی داخلے کا دن ہے اس میں ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے موجود ہوگا اور ہمارے حضور مزید برآں۔

قلب کی یہ وسعتیں یہیں ختم نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہمیں منزل مقصود کی جانب پیش قدمی پر ابھارتی ہیں۔ جہاں قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

(iii)......قلب سلیم کے اوصاف اور قرآن:۔

یوم لا ینفع مال وّ لابنون ○ الّامن اتی اللّٰہ بقلبٍ سلیمٍ ○ (۹۵)

ترجمہ:۔ جس دن کہ مال واولاد کچھ نفع نہ پہنچائیں گے سوائے اس کے جو اللہ کے پاس قلب سلیم لے کر آئے گا۔

سلیم کا مادہ سلم ہے۔ السلم والسلامۃ التعری من الافات الظاھرۃ و الباطنۃ قال بقلب سلیم أی متعرمن الدغل فھٰذا فی الباطن (۹۶)

اردو مفہوم:۔ گو کہ السلم و السلامۃ کے معنی ظاہری وباطنی آفات سے پاک اور محفوظ رہنے کے ہیں قرآن میں بقلب سلیم سے مراد ہے وہ دل جو دغا اور کھوٹ سے پاک ہو۔ تو یہ سلامت باطن کے متعلق ہے۔

قلب سلیم کے مفہوم سے یہ بات عیاں ہے کہ قلب میں کفر کا اندھیرا، شرک کی کالی گھٹائیں دغا وفریب کاری، نافرمانی کا جراثیم اور ناشکری کی کیفیت الغرض نفاق کے امراض نہ پائے جائیں۔ ورنہ دل مجرم بن جاتے ہیں۔(۹۷) اور جب دل مجرم بن جائیں تو حد سے گزرنے والوں کی صف میں کھڑے کر دیئے جاتے ہیں۔ اور یوں حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دی جاتی ہے۔(۹۸) جبکہ قلب سلیم کے حاملان کے لئے انعام واکرام کے متعلق ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

☆ وازلفت الجنّۃ للمتّقین ○ (۹۹)

ترجمہ:۔ اور متقین کے لئے جنت قریب لائی جائے گی۔

☆ انّ المتّقین فی جنّٰت وعیونٍ ○ ادخلوھا بسلٰمٍ اٰمنین ○ ونزعنامافی صدورھم مّن غلٍّ اخوانًا علٰی سررٍ مّتقٰبلین ○ لا یمسّھم فیھا نصب وّما ھم مّنھا بمخرجین ○ (۱۰۰)

ترجمہ:۔ بے شک متقین باغات اور چشموں میں رہیں گے تم ان میں سلامتی اور امان کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور جو کینہ ان کے سینوں میں تھا ہم نے اسے نکال دیا وہ آپس میں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے بالمقابل تختوں پر بیٹھے ہوں گے نہ تو ان کو وہاں کوئی مشقت ہوگی اور نہ ہی وہاں سے نکالے جائیں گے۔

جنت ایسا مقام ہے کہ جہاں بقاء ہے فنا نہیں، غنا ہے احتیاج نہیں، عزت ہے ذلت نہیں، صحت ہے بیماری نہیں، زندگی ہے ہلاکت نہیں، نور ہے مگر نار نہیں۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر اللہ ارشاد فرماتا ہے کہ جو حاملین قلب سلیم ہوں گے ان کا سرپرست وولی اللہ ہے بسبب اعمال صالح کے۔

وھو ولیّھم بما کانوا یعملون ○ (۱۰۱)

ترجمہ:۔ اور وہ ان کا سرپرست ہے بسبب ان اعمال کے جو وہ کیا کرتے تھے۔

دراصل یہ لوگ حاملین شرح صدر ہیں ان کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ ہیں جن کی شرح صدر ہوئی؟ بالترتیب ملاحظہ ہو:۔

فمن یّرد اللّٰہ ان یّھدیہٗ یشرح صدرہٗ للاسلامِ ج (۱۰۲)

ترجمہ:۔ جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے۔

اس آیت کی رو سے تمام انبیاء علیہم السلام کو یہ مقام حاصل تھا۔ اسی لئے اللہ نے ان پر سلام بھیجا:۔

- سلمٌ علٰی نوحٍ فی العٰلمین ○
- سلمٌ علٰی ابراھیم ○
- سلمٌ علٰی موسٰی و ھٰرون ○
- سلمٌ علٰی اِل یاسین ○
- وسلمٌ علی المرسلین ○ ج (۱۰۳)

اللہ اپنے ان واجب قابل اطاعت بندوں پر سلام کیوں نہ بھیجے؟ جب نوح کا شرح صدر ہوتا ہے تو وہ اس کا مفہوم بھی پالیتے ہیں۔ اور کشتی بنا کر اپنی امت کے ساتھ سلامتی اور برکت لئے اتر جاتے ہیں۔ قرآن میں فرمایا گیا۔

قیل ینوح اھبط بسلمٍ مّنا و برکٰتٍ علیک وعلٰی امم مّمّن مّعک ط (۱۰۴)

ترجمہ:۔ کہا گیا اے نوح سلامتی کے ساتھ اتر جا تجھ پر اور تیرے ہمراہیوں پر ہماری طرف سے برکتیں ہیں۔

دراصل یہ قلب سلیم کی منزل ہے۔ اس منزل پر جب حضرت ابراہیم پہنچتے ہیں۔ تو قرآن ان کے بارے میں کچھ اس طرح گویا ہوتا ہے کہ:۔

اذجآءَ ربّہٗ بقلبٍ سلیمٍ ○ اذقال لابیہ وقومہٖ ماذا تعبدون ○ ج (۱۰۵)

ترجمہ:۔ جب وہ اپنے پروردگار کے حضور قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہوا جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی بندگی کرتے ہو؟

حضرت ابراہیمؑ کی شرح صدر ہوئی تو بتان آزری کو توڑ پھوڑ ڈالا۔قوم کا تزکیۂ نفوس کیا۔اور جب خواب دیکھا تو ذبح عظیم کرڈالا۔اس لئے جو کوئی سلامتی چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ وہ اسلام قبول کرے اس کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں کیا جائے گا۔بصورت دیگر گمراہوں کو جہنم دکھلادی جائے گی۔حقیقت یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کوئی بھی ہے وہ بخوشی و بالجبراسی کے آگے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہے۔اوراسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔اس لئے ضروری ہے کہ اپنے قلب کو اسلام کی دولت سے مالا مال کریں جس طرح تمام انبیاء علیھم السلام نے کیا۔شاید کہ قلب سلیم کی منزل کو پاسکیں۔اور یہ صدا سن سکیں۔

سلٰمٌ قولاً مّن رّبٍّ رّحیمٍ○ وامتازوا الیوم ایّھا المجرمون○ (۱۰۶)

ترجمہ:۔ رب رحیم کی طرف سے سلامتی کا پیغام ہوگا۔اوراے مجرموں آج کے دن الگ ہو جاؤ۔

(۷)......نفس کی صورتیں:۔ Forms of the Psyche

نفس ایک ایسی غیر مادی شے ہے جو کہ کسی حد تک اختیار وارادہ کی استعداد رکھتی ہے۔گو کہ نفس پران قوانین کا اطلاق نہیں ہوتا جن کا وجود پر ہوتا ہے۔اس کی نشو ونما ان قوانین کے تحت ہوتی ہے جو خالصتاً من جانب اللہ ہوتے ہیں۔قرآن ہمیں ان ہی قوانین کی معرفت دلاتا ہے۔تاکہ ہم اپنے نفس کی صورت کو پہچان سکیں۔اورانجام سے بھی باخبر ہوں جبکہ فی زمانہ تحقیق کا رخ ظاہری حیات دنیا ہے حالانکہ جس طرح کائنات میں ہر شے کی ضد ہے اسی طرح دنیا کی ضد بھی ہے جسے آخرت کہتے ہیں۔قرآن ہماری توجہ اسی جانب دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

یعلمون ظاھراً مّن الحیٰوۃ الدّنیا وھم عن الاٰخرۃ ھم غٰفلون ○ اولم یتفکّروا فیٓ انفسھم (۱۰۷)

ترجمہ:۔ وہ تو ظاہراً حیات دنیا کو جانتے ہیں۔اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔کیا وہ اپنے نفسوں پر غور وفکر نہیں کرتے۔

اگر ہم اپنے نفس کی نشو ونما بہتر انداز پر کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں قرآن کے بتائے ہوئے قوانین کا اتباع کرنا ہوگا۔اپنی استعداد کو خیر کے کاموں میں استعمال کرنا ہوگا۔لیکن یاد رہے کہ نفس اپنی ذات میں ایک امکانی قوت ہے جو بجائے خویش نہ خیر ہے اور نہ ہی شر۔بلکہ ایک غیر منقسم وحدت ہے۔تاہم اس کی کچھ ممکنہ صورتیں ہیں جن کی طرف قرآن ہماری توجہ مبذول کراتا ہے۔

ذٰلک بانّ اللّٰہ لم یک مغیّراً نّعمۃً انعمھا علٰی قومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم وانّ اللّٰہ سمیعٌ علیم○ (۱۰۸)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم پر کوئی نعمت عطا کر کے بدلنے والا نہیں جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت کو نہیں بدلتے۔بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نفس مختلف حالتوں کا حامل ہوسکتا ہے۔ مگر ایک وقت میں دو حالتوں میں نہیں رہ سکتا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس کتنی صورتوں یا حالتوں میں پایا جاتا ہے؟ کیا ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونا ممکن ہے؟ کیا یہ تبدیلی اندرونی و باطنی استعداد سے ممکن ہے یا پھر فقط بیرونی ؟

نفس کی نشو ونما اور اس کے افعال قرآنی آیات کی روشنی میں تین طرح کی صورتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ جو کہ درج ذیل ہیں۔

نفس کی صورتیں



اب ہم درج ذیل میں ہر صورت کی نوعی کیفیت و افعال کو بیان کریں گے تاکہ اپنے نفوس کی اعلیٰ صورت گری کر سکیں۔

(i)......**نفس امارۃ بالسوٗ کے افعال ونتائج اور قرآن :۔**

نفس امارۃ بالسوٗ نفس کے تین طبق میں سے ایک طبق ہے۔ اس طبق کے افعال ونتائج دیگر طبق سے جدا ہوتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید والفرقان حمید میں اس کا ذکر کچھ اس طرح کیا گیا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (۱۰۹)

ترجمہ :۔ اور میں اپنے نس کی برادت نہیں کرتی ہے بے شک نفس تو بدی کا حکم ہی دیتا ہے۔

امارۃ کا مادہ امر ہے الامر الشان ر جمعه امور رمصدر امرته (۱۱۰)

اردو مفہوم :۔ اس طرح امر کے معنی شان حالت کے ہیں، اور اس کی جمع امور آتی ہے۔ اور یہ امرتہ کا مصدر بھی ہے جس کے معنی حکم دینا کے ہیں۔

جبکہ السوء کا مادہ سوأ ہے۔ السّوٗ کلّ مابغم الانسان من الامور والدنیویة والاخرویة ومن الاحوال النفسیة والبدنیة والخارجة من فوات مال وجاہ وفقد حمیم. (۱۱۱)

اردو مفہوم :۔ ہر وہ چیز جو انسان کو غم میں مبتلا کر دے اسے سوء کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ امور دنیوی سے متعلق ہو یا اخروی سے۔ اور عام طور سے اس کا تعلق احوال نفسانیہ سے ہو یا بدنیہ سے یا ان امور خارجیہ سے ہو۔ جن کا تعلق جاہ وجلال کے چلے جانے یا کسی قریبی رشتہ دار یا دوست کے فوت ہو جانے سے ہوتا ہے۔

اس طرح ہر وہ چیز جو قبیح ہو اسے سوء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ان معنی کے اعتبار سے نفس امارۃ بالسوء کی مراد وہ

استعداد جوشر کا مظہر ہو۔حکم خداوندی تو یہ ہے کہ بلند اقدار کے حصول کی طرف توجہ دی جائے۔مگر ایسی استعداد کی حامل شخصیت ہمیشہ پست مفاد کے حصول کی دھن میں مگن رہتی ہے۔اس طرح شیطان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔قرآن حکیم میں اس کے غلبے کی علامت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ اللہ کے حکم کے خلاف حکم دیتا ہے۔مثلاً:

یٰٓاَیُّھا النّاس کلو ممّا فی الارض حلٰلاً طیّباً وّلا تتّبعوا خطوٰت الشّیطٰن انّہٗ لکم عدوٌّ مّبین ○ انّہ یامرکم بالسوء والفحشاء (۱۱۲)

ترجمہ:۔ اے لوگوں جو کچھ بھی زمین میں حلال اور پاک ہے اسے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے بے شک وہ تمہیں برائی اور فواحش کا حکم دیتا ہے۔

جیسا کہ عزیز مصر کی بیوی نے فواحش کا ارتکاب کرنا چاہا تو حضرت یوسف نے فرمایا اور اللہ کے غضب کی طرف اسے متوجہ کیا۔

قال معاذ اللّٰہ انّہٗ ربّیٓ احسن مثوایؕ انّہٗ لا یفلح الظّٰلمون ○ (۱۱۳)

ترجمہ:۔ معاذ اللہ یہ نہیں ہوسکتا میرے رب نے مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔بے شک ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔

سو یہ قول صادق آیا اور اللہ نے اسباب مہیا کر کے اپنے مخلص بندے کو بچالیا اور اصول یہ مقرر کر دیا کہ:۔

ولقد ھمّت بہٖ وھمّ بھا لو لآ ان رّاٰ برھان ربّہٖ کذٰلک لنصرف عنہ السّوٓء والفحشآء انّہٗ من عبادنا المخلصین ○ (۱۱۴)

ترجمہ:۔ اور اس عورت نے اس کے ساتھ ارادہ کیا اور وہ بھی اس کے ساتھ ارادہ کرتا اگر اپنے پروردگار کی واضح دلیل نہ دیکھ لیتا۔یہ اس لئے ہوا کہ ہم اس کو برائی اور بے شرمی کے کام سے دور رکھیں یقیناً وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

یہ آیت کریمہ دو قسم کے نفسوں کے فرق کو ظاہر کرتی ہے ایک طرف وہ شخصیت ہے جو نفس امارہ کی حامل ہے اور دوسری طرف وہ شخصیت ہے جو نفس مطمئنہ کی حامل ہے۔لہٰذا نتائج میں بھی اسی طرح فرق ہے کہ شہر کی عورتوں نے عزیز مصر کی بیوی ہی کی برائی کی۔اور گواہی بھی اس کے خلاف گئی۔لہٰذا حقیقت کو خود تسلیم کرلیا۔اور دوسری جانب حضرت یوسف کو بلند مرتبے پر فائز کر دیا۔سو جو کوئی شیطانی حکم کے مطابق چلے گا تو وہ اپنی ہی برائی کے دائرہ میں پھنس کر رہ جائے گا یہی قانون قدرت ہے۔

علیھم دآئرۃ السّوٓءؕ (۱۱۵)

ترجمہ:۔ ان ہی پر بری مصیبت ہے۔

شیطان کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ میرے اعمال کو بھلا کر کے دکھائے۔ اس کا مقصد انسانوں میں سے ایک خاص مقرر حصہ لینا ہے۔سو وہ اپنے مقصد کو عملی جامہ اس طرح پہناتا ہے کہ:۔

ان یّدعون من دونہٖٓ الّا انٰثاً وان یّدعون الّا شیطٰناً مّریداً ○ لّعنہ اللّٰہ وقال لاتّخذنّ من عبادک نصیباً مّفروضاً ○ وّلا ضلّنّھم ولا منّینّھم ولاٰمرنّھم فلیبتّکنّ اٰذان الانعام ولاٰمرنّھم فلیغیّرنّ خلق اللّٰہ(۱۱۶)

ترجمہ:۔ وہ تو اللہ کے بجائے عورتوں کو پکارتے ہیں اور سرکش شیطان کو ہی پکارتے رہتے ہیں۔ اللہ کی لعنت ہو اس پر جس نے کہا کہ یقیناً میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا اور میں ان کو ضرور گمراہ کر کے رہوں گا اور ان کو امیدیں دلاؤں گا اور ان کو حکم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان پھاڑیں اور ان کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی بنائی ہوئی ہیئت میں ضرور ردوبدل کریں گے۔

آج دنیا کی اس اسٹیج کو جو شیطان کے فواحش پر مبنی ہے مغرب اور مشرکین کے کسی بھی چینل پر دیکھا جا سکتا ہے۔ آج عورت مرد اور مرد عورت کے روپ میں خود کو دیکھنا چاہتی ہے، چاہتا ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ وہ اپنی ہیئت کو جس قدر ممکن ہو سکتا ہے تبدیل کر لیں۔ اور بے ہنگم موسیقی کان پھاڑنے کے لئے کافی ہے۔ ان تمام حربوں کا مقصود نظر و فکر میں اس قدر الجھا دیا جائے کہ انسان اپنے اندر موجود ضمیر کی آواز بھی نہ سن سکیں۔

اس ساری بحث کا حاصل کلام یہ ہے کہ:۔

- ......نفس کے فریب سے وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ الّا مارحم ربّیؕ(۱۱۷)
- ......شیطان کی امیدیں دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ جبکہ اللہ ولی ونصیر ہے۔(۱۱۸)
- ......سزاو جزا کا انحصار عمل پر ہے۔ عمل صالح ہی مرد و عورت دونوں کے لئے جنت کی نوید ہے۔
- ......کل اختیار اللہ ہی کا ہے۔ قل انّ الامر کلّہٗ لِلّٰہؕ(۱۱۹)
- ......نفوس کے خلاف جہاد کا حکم ہے۔ ومن جاھد فانّما یجاھد لنفسہٖؕ(۱۲۰)
- ......نفوس کے خلاف جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ بہتر جزا کا وعدہ کرتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ نفس کی کونسی صورت ہے؟

(ii)......نفس لوامہ کے افعال ونتائج اور قرآن:۔

یہ صورت نفسانیت کی جگہ انسانیت کی خواہاں ہوتی ہے۔ اور اسے اچھا بننے کی جانب اکساتی ہے۔ اسی حقانیت پر اللہ نے اس عظیم ترین نعمت کی قسم کھائی۔ تاکہ انسان اس بیش بہا نعمت کی قدر و قیمت کے پاسدار بنیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

ولآ اُقسم بالنّفس اللّوّامۃِ ○ؕ (۱۲۱)

ترجمہ:۔ اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں۔

لوامہ کا مادہ ل وم ہے۔ "اللوم عذل الانسان بنسبۃ الی مافیہ لوم یقال لمنہ فھو ملوم" (۱۲۲)

اردو مفہوم:۔ یعنی کسی کو برے فعل کے ارتکاب پر برا بھلا کہنے اور ملامت کرنے کے ہیں۔

اس طرح نفس لوامہ سے مراد قیل ھی النفس التی اکتسبت بعض الفضیلہ فتلوم صاحبھا اذا ارتکب مکر و ھا نھی دون النفس المطمئنہ.(۱۲۳)

اردو مفہوم:۔ اس طرح وہ نفس جس نے کچھ فضائل حاصل کر لئے ہوں اور کسی غلطی کے ارتکاب پر صاحب نفس کو ملامت کرے اس لحاظ سے نفس لوامہ کا درجہ مطمئنہ سے کم ہوگا۔

میرے خیال میں نفس لوامہ انسان کے عمل سے متعلق جزا و سزا کے فیصلے کے لئے بطور حجت ہے۔ ہر نفس اس کیفیت و حالت سے گزرتا ہے کہ جب وہ کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھے تو یہ اسے ملامت زدہ کرتا ہے۔ حیوانیت و انسانیت کی اس کشمکش کو دراصل نفس لوامہ کہتے ہیں۔ اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ روزمرہ مشاہدے کی بات ہے کہ انسان نفس اور شیطان کے اکسانے پر جب کوئی عمل غیر صالح کر گزرتا ہے۔ تو بعد میں کف افسوس ملتا ہے۔ مگر اکسانے والا الزام کی ذمہ داری نہیں لیتا بلکہ انجام کار کو سزا بھگتنے کے لئے تنہا چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح ھوئے نفس اور شیطان کی دعوت کو قبول کرنے کا مطلب شرک ہے اور شرک ظلم عظیم ہے۔ قرآن میں شیطان کے ڈائیلاگ کچھ اس طرح ہیں کہ:۔

فلاتلومونی و لو موآ انفسکم (۱۲۴)

ترجمہ:۔ پس اب مجھے الزام نہ دو اپنے نفس کو الزام دو۔

قرآن حکیم والفرقان حمید میں کئی افراد کی ملامت کا ذکر ہے کہ جس میں لوگوں نے زعم باطل کے طفیل محتاج و غیر قادر ہونے کے باوجود پیشن گوئی کی۔ وہ یہ کہ:۔

اذاً قسموا لیصر منّھا مصبحین ○ ولا یستثنون ○ (۱۲۵)

ترجمہ:۔ جبکہ انہوں نے اس بات کی قسم کھائی تھی کہ کل صبح ہوتے ہی ہم بالضرور پھل توڑیں گے۔ اور اس میں انہوں نے کوئی استثناء نہ کیا تھا۔

جبکہ نفس کو پیشن گوئی کی صفت و استعداد حاصل نہیں ہے ہر نفس پیشن گوئی Prediction کی صلاحیت سے محروم و قاصر ہے۔ لیکن جب انتہائی وثوق سے بات کہی گئی تو اللہ نے نتیجہ بھی دکھا دیا:۔

وّغدو اعلی حرد قٰدرین ○ فلمّا راَوھا قالوآ انّا لضآلّون ○ بل نحن محرومون ○ (۱۲۶)

ترجمہ:۔ اور وہ پیچ و تاب کھاتے ہوئے خود کو قادر جانتے ہوئے صبح سویرے ہی پہنچے پھر جب اسے دیکھا تو کہنے لگے کہ شاید ہم راستہ بھول گئے بلکہ ہم بدنصیب ہیں۔

انسان غیب کا محتاج ہے نہ کہ غیب پر قادر۔ لہٰذا وہ آنے والے لمحے کے لئے پیشن گوئی نہیں کر سکتا اور دوم یہ کہ انسان کی نیت خراب حرص و بخل ساتھ ہی ساتھ۔ ان دونوں برائیوں کے حاملان علی الصبح ہی ایک دوسرے کو پکارنے لگے اور صدقہ سے اجتناب کی باتیں کرنے لگے۔ لیکن جب پھلوں کی جگہ زمین کو پایا۔ تو راستہ بھولنے کا گمان کیا۔ لیکن ان میں جو شخص اعتدال پسند تھا اس نے حقیقت کو پایا اور کہنے لگا۔

قال اوسطھم الم اقل لّکم لو لاتسبّحون ○ قالوا سبحٰن ربّنآ انّا کنّا ظٰلمین ○ فاقبل بعضھم علٰی بعضٍ یّتلاومون ○ قالوا یٰویلنآ انّا کنّا طٰغین ○ عسٰی ربّنآ اَن یّبدلنا خیراً مّنھآ انّآ الٰی ربّنا راغبون○(۱۲۷)

ترجمہ:۔ ان میں سے جوشخص اعتدال پسند تھا کہنے لگا کیا میں نے تم لوگوں سے نہ کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے وہ کہنے لگے ہمارے پروردگار تو پاک ہے بے شک ہم بھی ظالم تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے یہ کہتے ہوئے کہ ہائے ہماری کمبختی بے شک ہم ہی سرکش تھے۔ بعید نہیں کہ ہمارا پروردگار ہمیں اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرمادے تحقیق ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

طریقہ صرف یہ ہے کہ انسان حد اعتدال میں رہ کر خرچ کرے۔ تو ملامت زدہ نہ ہوگا اور رزق کی فراخی و تنگی کا دارومدار تو ایزدی پر ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولا تجعل یدک مغلولۃً الٰی عنقک ولا تبسطھا کلّ البسط فتقعد ملوماً مّحسوراً ○ انّ ربّک یبسط الرّزق لمن یّشآء ویقدر ط(۱۲۸)

ترجمہ:۔ اور اپنے ہاتھ گردن سے نہ باندھ لے نہ ہی اسے بالکل کھول دے کہ تو ملامت زدہ پشیمان ہو کر بیٹھ رہ جائے بے شک تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کرتا ہے اور تنگی کرتا ہے۔

اسی اصول کی ان افراد نے خلاف ورزی کی اور حد سے بڑھ کر جو خلاف ورزی انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ خود کو قادر مطلق کی طرز پر گمان کرلیا۔ لہٰذا عذاب کی گرفت میں آئے اس شرک کا ذکر قرآن میں کچھ اس طرح مذکور ہے کہ:۔

﴿﴾...... ولا تجعل مع اللّٰہ الٰھاً اٰخر فتلقٰی فی جھنّم ملوماً مّدحوراً ○ (۱۲۹)

ترجمہ:۔ اور اپنے رب کے ساتھ کوئی دوسرا معبود قرار نہ دے مبادا کہ تو ملامت زدہ راندہ درگاہ ہو کر جہنم میں جھوک دیا جائے۔

﴿﴾...... فرعون اپنے اعمال کے سبب ملامت زدہ ہوا۔ مگر اب ملامت کس کام کی:۔

فاخذنٰہُ و جنودہٗ فنبذ نٰھم فی الیمّ وھو ملیم ○ط (۱۳۰)

ترجمہ:۔ پس ہم نے اس کی اور اس کے لشکروں کی گرفت کی اور انہیں سمندر میں پھینک دیا۔ اور وہ ملامت زدہ ہوا۔

﴿﴾...... حضرت یونس علیہ السلام اپنی سوچ کے تحت ملامت زدہ ٹھہرے۔

فالتقمہ الحوت وھو ملیم ○ فلولآ انّہٗ کان من المسبّحین ○لا للبث فی بطنہٖ الٰی یوم یبعثون○ج (۱۳۱)

ترجمہ:۔ پھر اس کو ایک مچھلی نگل گئی اور وہ ملامت زدہ ٹھہرا پس اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو ضرور

اس کے پیٹ میں اٹھائے جانے والے دن تک رہتا۔

ان آیات سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ملامت کی بھی ایک حد ہے جو اس حد کے اندر تسبیح و تقدیس کرے وہ کامیاب اور جو اس کو پار کر لے وہ راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے لہٰذا نبی کو دونوں نفسوں کی بابت حکم ہوا۔

فتولّ عنهم فمآ انت بملومٍ ۝ وّ ذکّر فانّ الذّکرٰی تنفع المؤمنین ۝ (۱۳۲)

ترجمہ:۔ پس ان سے منہ پھیر لے کہ اس میں تجھ پر کوئی الزام نہیں اور نصیحت کئے جا پس بے شک نصیحت ایمان والوں کے لئے سودمند ہے۔

جن لوگوں کے دلوں میں رغبت ہوتی ہے تو جب وہ اپنے کئے پر پشیمان ہو کر تائب ہوتے ہیں تب اللہ ان کے دلوں سے گناہ کی ملامت اور اس کے خوف کو ختم کر دیتا ہے یہ اللہ کی رحمت ہے وہ فرماتا ہے۔

ولا یخافون لومة لآئمٍ (۱۳۳)

ترجمہ:۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھائیں گے۔

دراصل یہی کیفیت انسان کو اعلیٰ ترین درجہ وصورت کی جانب مائل کرتی ہے جہاں فقط اطمینان ہی اطمینان ہے۔

(iii)......نفس مطمئنہ کے افعال ونتائج اور قرآن:۔

نفس لوامہ کے تحت حیوانیت وانسانیت کے مابین ہونے والی کشمکش ختم ہو کر جب معرفت نفس سے بدلتی ہے تو انسان حقیقت کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ شک کی سطح کو خیر باد کہہ کر یقین کی فضا میں سانس لینے لگتا ہے۔ تو باطنی دنیا کا موسم تغیر سے گزر کر اطمینان، امن وآشتی کو جنم دینے کا باعث بنتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ معرفت رب سے معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے۔ اس درجے پر پہنچنے والے صحراء کے ذرے آفتاب بن کر چمکنے لگتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس درجے کو نفس مطمئنہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے ایسے نفوس کے لئے حکم ربی ہے کہ:۔

یٰۤاَیّتها النّفس المطمئنّة ۝ ارجعیٓ الیٰ ربّک راضیةً مّرضیّةً ۝ فادخلی فی عبٰدی ۝ وادخلی جنّتی ۝ (۱۳۴)

ترجمہ۔ اے نفس مطمئنہ۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ ایسی حالت میں کہ تو خوش اور پسندیدہ ہے۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

مطمئنہ کا مادہ طمن ہے۔ اس کے معنی السکون بعد الانزا عاج. النفس المطمننه. وهی ان لا تعیر امّارة بالسّوٓء (۱۳۵)

اردو مفہوم:۔ یعنی خلجان کے بعد نفس کا سکون پذیر ہونا۔ اور نفس مطمئنہ سے مراد وہ نفس ہے جسے برائی کی طرف کسی طور پر بھی رغبت نہ ہو۔

قرآن حکیم والفرقان مجید میں اسی اطمینان کا سبب ذکر الٰہی کو قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ۔

الّذین اٰمنوا وتطمئنّ قلوبهم بذکر اللّٰه ألاَ بذکر اللّٰه تطمئنّ القلوب ○ (۱۳۶)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کے ذکر سے ان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں خوب جان لو کہ ذکر اللہ ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

اصول طمانیت:۔ Principle of Satisfaction

ذکر کا اصول یہ بیان کیا گیا کہ:۔

فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون ○ (۱۳۷)

ترجمہ:۔ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ اصول فقط مومنین کے لئے ہے عام انسانوں کے لئے نہیں؟ اس کا جواب بھی قرآن نے ہمیں دیا۔ جہاں تک مومنین کے حکم کے بارے میں ہے۔ قرآن مومنین کو بکثرت ذکر کا حکم دیتا ہے اور اس عمل کے انعام میں عزم وتکریم کا ذکر کر کے خیر کے راستے کی ترغیب دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰایّها الّذین اٰمنوا اذکروا اللّٰه ذکراً کثیراً ○ وّسبّحوه بکرةً وّاصیلاً ○ هو الّذی یصلّی علیکم وملٰئکته، لیخرجکم من الظّلمٰت الی النّور وکان بالمؤمنین رحیماً ○ تحیّتهم یوم یلقونهٗ سلٰم واعدّلهم اجراً کریماً ○ (۱۳۸)

ترجمہ:۔ ''اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو وہ وہی ہے جو تم پر رحمتیں بھیجتا ہے اور اس کے ملائکہ بھی تا کہ تمہیں ظلمتوں سے نکال کر نور کی جانب لے آئیں اور وہ ایمان والوں کے لئے رحیم ہے جس دن کہ وہ اس سے ملاقات کے لئے پیش ہوں گے تو ان کی مدارات سلام وسلامتی سے ہوگا اور ان کے لئے اس نے عزت وتکریم والا اجر تیار کر رکھا ہے۔''

ذکر الٰہی کی خوبی اہل ایمان کے لئے یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جہالتوں سے نکل کر روشنی کی سمت سفر کرتا ہے۔ اس راستے میں اللہ اور ملائکہ کی رحمتیں ہیں۔ اس طرح دین ودنیا دونوں میں عزت وتکریم ہے۔

جہاں تک عام انسانوں کی بات ہے تو یہ اصول ان کے لئے بھی ہے وہ بھی اطمینان کی دولت سے مالا مال ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس حقیقت کا ادراک کریں۔ رزق دینے والی ذات ماسوائے اللہ کے اور کوئی نہیں۔ اللہ کی نعمتوں کو یاد کریں تو اسی طرز عمل پر انہیں سکون میسر آجائے گا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰایّها النّاس اذکروا نعمت اللّٰه علیکم هل من خالقٍ غیر اللّٰه یرزقکم مّن السّمآء والارض لآ اله الاّ هو فانّٰی تؤفکون ○ (۱۳۹)

ترجمہ:۔ اے لوگو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرتے رہو کیا کوئی خالق ماسوائے اللہ کے تمہیں آسمان وزمین سے

روزی دینے والا ہے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کدھر بھٹکتے پھرتے ہو۔

حیات دنیا دراصل انسان کو فریب میں مبتلا کر دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ذکر الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کے حکم کے خلاف چلنے لگتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

یٰاَیّھا النّاس انّ وعد اللّٰہ حقّ فلا تغرّنّکم الحیٰوۃ الدّنیا ولا یغرّنّکم باللّٰہ الغرور ○ (۱۴۰)

ترجمہ:۔ اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے پس حیات دنیا تمہیں فریب نہ دے اور فریب دینے والا تمہیں اللہ کے بارے میں فریب نہ دے جائے۔

ان آیات اور اصول کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اطمینان کی دولت سے وہی انسان مالا مال ہو سکتے ہیں جو اصول کے موافق چلیں نہ کہ غیر موافق۔ جو لوگ شکر کے بجائے کفر اختیار کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ عذاب نازل فرماتا ہے۔ قرآن حکیم میں ایسی ہی مثال بیان کی گئی ہے جو قیام قیامت تک کے انسانوں کے لئے قابل عبرت ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وضرب اللّٰہ مثلاً قریۃً کانت اٰمنۃً مّطمئنّۃً یّاتیھا رزقھا رغداً مّن کلّ مکانٍ فکفرت بانعم اللّٰہ فاذاقھا اللّٰہ لباس الجوع و الخوف بما کانو ایصنعون ○ (۱۴۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو کہ عافیت میں مطمئن تھی اس کا رزق اسے ہر طرف سے فراخی کے ساتھ پہنچتا تھا پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان پر بھوک اور خوف مسلط کر کے انہیں ان کی کرتوتوں کا مزا چکھایا۔

اس تمام مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:۔

- ...... دلوں کو اطمینان ذکر الٰہی سے ملتا ہے
- ...... عبد و معبود کے تعلق کی نسبت اجر ہے
- ...... کفران نعمت، نعمت کو سلب کرنے کا سبب بنتی ہے۔

جو انسان اس حقیقت کو پا لیتے ہیں۔ تو پھر ان پر اس اصول کا اطلاق ہو جاتا ہے۔

قال اللّٰہ ھٰذا یوم ینفع الصّٰدقین صدقھم لھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھآ ابداً رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ ذٰلک الفوز العظیم ○ (۱۴۲)

ترجمہ:۔ اللہ نے کہا یہ ان سچوں کو ان کی سچائی کا نفع دینے والا ہے ان کے لئے باغات ہیں جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اور یہی وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، جہاد کرتے ہیں اپنی جانوں، اپنے مالوں سے۔ انہی لوگوں کو بڑا درجہ حاصل ہے۔ قرآن نے اس کا ذکر کچھ اس طرح کیا ہے کہ:۔

الّذین اٰمنوا وھاجروا وجٰھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم و انفسھم اعظم درجۃً عنداللّٰہ

واولٰئک هم الفائزون ○ یبشّر هم ربّهم برحمۃٍ مّنه ورضوانٍ وّ جنّٰتٍ لّهم فیها نعیمٌ مّقیمٌ ○ (۱۴۳)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بلند درجہ رکھتے ہیں اور وہی تو ہیں جو کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی طرف سے رحمت و خوشنودی اور جنت کی بشارت دیتا ہے جس میں ان کے لئے دائمی نعمات ہیں۔

دراصل یہ وہ لوگ ہیں جو ہر دم اللہ کی خوشنودی کے طلبگار رہتے ہیں۔ اچھے اعمال کے اچھے نتائج کے خواہاں رہتے ہیں۔ ان کی نشانیاں قرآن نے کچھ اس طرح بیان فرمائی ہیں:۔

محمّد رّسول اللّٰه والّذین معهٗ اشدّآء علی الکفّار رحمآء بینهم تراهم رکّعاً سجّداً یّبتغون فضلاً مّن اللّٰه ورضواناً سیماهم فی وجوههم من اثر السّجود ذٰلک مثلهم فی التّوراة ومثلهم فی الانجیل کزرعٍ اخرج شطئهٗ فاٰزرهٗ فاستغلظ فاستوٰی علٰی سوقه یعجب الزّرّاع لیغیظ بهم الکفّار وعد اللّٰه الّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت منهم مّغفرةً وّاجراً عظیماً (۱۴۴)

ترجمہ:۔ محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ہمراہ ہیں وہ کافروں پر نہایت سخت گیر اور آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو انہیں اللہ کے فضل و رضا کا طلبگار رہوتے ہوئے رکوع و سجود کرتے دیکھے گا ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات نمایاں ہوں گے ان کی یہی مثل تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی مثال ایک بیج کی سی ہے۔ جس نے اپنی کونپل نکالی پھر اسے تقویت پہنچائی پھر وہ موٹی ہو کر اپنے تنے پر کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو بھی بھلی معلوم ہونے لگی تاکہ کفار کو اس کے سبب سے غیظ دلائے اللہ نے لوگوں میں سے ایمان لانے والوں اور اعمال صالح بجالانے والوں سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

ایسا اس لئے ہے کہ اللہ ایمان والوں سے راضی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

لقد رضی اللّٰه عن المؤمنین (۱۴۵)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ایمان والوں سے راضی ہوا۔

جن سے اللہ راضی ہو جائے تو ان کے لئے بھی حکم ہے کہ:۔

ارجعیٓ الٰی ربّک راضیةً مّرضیّةً ○ فادخلی فی عبٰدی ○ وادخلی جنّتی ○ (۱۴۶)

ترجمہ:۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ ایسی حالت میں کہ تو خوش اور پسندیدہ ہے پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

لیکن!!! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس مطمئنہ کے حامل نفوس کی وسعت کیا یہیں ختم ہو جاتی ہے یا اس کے ماوراء کچھ اور ہے؟

(۸)......نفس کی وسعت:۔ Capacity of the Psyche

نفس کی وسعت کی ممکنات کیا ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جو ہماری فکر کو پرواز عطا کرتا ہے۔ اور یوں جسم کثیف جسم باطن میں بدلنے لگ جاتا ہے۔ حق واضح ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جب اس کی ڈور ایمان سے وابستہ ہو جائے۔ تو پھر نار اور نور کے حجابات اٹھنے لگ جاتے ہیں۔ مگر جن لوگوں کے دل تنگ ہوتے ہیں وہ نار اور نور کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ شاید ان کی نظر اس بات پر جاتی ہو کہ نار اور نور کا مادہ ایک ہی ہے۔ مگر حقیقت میں نور کی ضد نار ہے۔ ایک فرحت بخش دوسرا تکلیف دہ نار کے حامل نفوس کا مقدر جامد ہوتا ہے جس کا انجام تباہی کے سوا کچھ نہیں قرآن حکیم والفرقان مجید میں ایسے ہی نفوس کی بابت فرمایا گیا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝ (۱۴۷)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس پر نہایت تندخو سخت مزاج فرشتے مامور ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کی جو وہ انہیں دیتا ہے نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے بجالاتے ہیں۔

جامد نفوس اس لئے ہوتے ہیں کیونکہ ان کا سفر زندگی موت پر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کا مقدر سوائے عبرتناک انجام کے اور کچھ نہیں۔ جبکہ اسلام جاودانی کے تصور کی ترغیب دیتا ہے۔

نفس کی جاودانی:۔ Immortal Psyche

قرآن نفس انسانی کو جاودانی کا حاصل وخوگر بنانا چاہتا ہے۔ تا کہ انسان زماں و مکاں کی قید سے بالاتر ہو کر سوچ سکے یوں نفس ارتقاع پا کر نوری سفر کی طرف رواں دواں ہو جائے۔ اور اپنے لئے گوہر مراد ڈھونڈھ سکے۔ اور جب کسی نفس میں نور الٰہی موجود ہو تو پھر وہ نفس ہدایت پا کر شعور سے مزین ہو جاتا ہے۔ اور یوں نہ ختم ہونے والی ہمیشگی کی زندگی کی طرف سفر شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اسلام شعوری زندگی کی بات کرتا ہے۔ اس زندگی میں ایک اور زندگی پوشیدہ ہے۔ جس کی طرف اسلام ہماری توجہ مرکوز کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ ؕ لَھُمْ اَجْرُھُمْ وَنُوْرُھُمْ ؕ (۱۴۸)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے وہی تو اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے ان کا اجر ہے اور ان کا نور ہے۔

جو لوگ حیات دنیا کی چیزوں مال و اولاد پر فخر نہیں کرتے دراصل وہی اس اجر کے حقدار بھی بنتے ہیں۔ یہ لوگ ہر دم اپنی معمولی سے معمولی برائی کی بھی توبہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ وہاں بھی اپنے شعور کے ساتھ

زندہ ہوں گے اس لئے کہ موت سے شعور کی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہ سلسلہ نور علیٰ نور کے مصداق جاری رہتا ہے۔ اسی لئے اللہ نے اپنی راہ میں مارے جانے والوں کی زندگی کے متعلق فرمایا کہ:۔

ولا تقولوا لمن یّقتل فی سبیل اللّٰہ اموات ط بل احیاء وّلٰکن لّا تشعرون ○ (۱۴۹)

ترجمہ:۔ اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔

دراصل اللہ کا اصول یہ ہے کہ جب کوئی توبۃ نصوحا (۱۵۰) کرتا ہے تو پھر اللہ اس سے اس کی برائیاں دور فرما دیتا ہے۔اس طرح بے شعوری زندگی کو اللہ موت یا مردہ زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور شعوری زندگی کو نور سے، یوں نوری نفوس پر مشتمل لوگوں کو اسی جاودانی کی زندگی متعارف کراتے ہوئے کہتا ہے:۔

یوم لا یخزی اللّٰہ النّبیّ والّذین اٰمنوا معہٗ ج نورھم یسعٰی بین ایدیھم وبا یمانھم یقولون ربّنآ اتمم لنا نورنا واغفرلنا ج انّک علٰی کلّ شیءٍ قدیر ○ (۱۵۱)

ترجمہ:۔ اس دن اللہ نبی کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہ کرے گا ان کا نور ان کے آگے اور داہنی طرف دوڑتا ہوگا اور وہ کہتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو کامل کردے اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ان کا نور کی عافیت کے لئے دعا گو ہو یا اس بات کا ثبوت ہے کہ موت ایک مومن کے لئے ایک نئے مرحلے ایک نئی زندگی میں داخل ہونے کا نام ہے۔لیکن منافق کیا جانیں۔

فیوچرڈائیلاگ مابعدالموت:۔

قرآن حکیم والفرقان مجید نے ہمیں ہر بات سے باخبر فرمایا ہے جس میں کہ ہمارا بھلا ہے۔لہٰذا ہمیں ایمان، منافقت اور کفر کے دنیاوی واخروی زندگی میں ملنے والے نتائج سے بھی باخبر فرمایا، تاکہ نفس انسانی فیوچری حقیقت کا ادراک کرلے۔اسی حقیقت کو منکشف کرنے کے لئے مومن اور منافق کے مابعد الموت فیوچرڈائیلاگ کو قرآن حکیم میں رقم کیا ہے تاکہ ہر نفس یہ جان لے کہ ماورائے دنیا نفس کی حقیقت وسعت کے اطلاقی نتائج کی ممکنات کیا ہیں؟ آیئے ملاحظہ کریں۔

یوم تری المؤمنین والمؤمنٰت یسعٰی نورھم بین ایدیھم وبا یمانھم بشرٰ ىکم الیوم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ط ذٰلک ھوالفوز العظیم ○ ج یوم یقول المنٰفقون والمنٰفقٰت الّذین اٰمنوا انظرونا نقتبس من نّور کم ج قیل ارجعو اورآءکم فالتمسوا نوراً ط فضرب بینھم بسورٍلّہٗ باب ط باطنہٗ فیہ الرّحمۃ وظاھرہٗ من قبلہ العذاب ○ ط ینادونھم الم نکن مّعکم قالو ابلٰی ولٰکنّکم فتنتم انفسکم و تربّصتم و ارتبتم وغرّتکم الامانیّ حتّٰی جآء امراللّٰہ و غرّکم باللّٰہ الغرور ○ فالیوم لا یؤخذ کم منکم فدیۃ وّلا من الّذین کفروا ط ماوٰکم النّار ط ھی موٰلٰکم ط وبئس المصیر ○ (۱۵۲)

ترجمہ:۔ اس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کا نور ان کے آگے اور ان کی داہنی طرف دوڑتا ہوا دیکھے گا

آج کے دن تمہارے لئے جنت کی بشارت ہے جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور جس میں تم ہمیشہ رہو گے یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے جس دن کے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے کہ ایک نظر کرم ہماری طرف بھی ہو کہ ہم تمہارے نور میں سے کچھ اکتساب کر لیں۔ کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور کوئی اور نور تلاش کرو اور ان کے درمیان دیوار حائل ہو جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر تو رحمت ہوگی اور جس کے باہر عذاب ہوگا وہ انہیں پکاریں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے تو وہ کہیں گے کہ ہاں تھے تو مگر تمہارے نفوس نے تمہیں آزمائش میں ڈالا اور تم منتظر رہے اور شک میں مبتلا رہے امیدوں نے تمہیں دھوکہ دیا حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ پہنچا دھوکہ باز نے تمہیں اللہ کی نسبت دھوکہ دیا پس آج کے دن نہ تو تم سے اور نہ ہی ان سے جنہوں نے کفر اختیار کیا کوئی فدیہ لیا جائے گا۔ تمہارا ٹھکانہ آگ ہے وہی تمہاری مالک ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

تجزیہ:۔

بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ نفس انسانی میں جہاں امارۃ کی سرکشی ہے، خبث اوصاف ضمیمہ کا پیکر ہے وہیں پر نفس لوامہ کی صورت میں ضمیر کی آواز بھی ہے جو الرسول کی طرح نیکیوں کی طرف دعوت دیتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جاودانی کا حامل بناتی ہے ایسا کیوں ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ نفس انسانی ایک امکانی قوت کے طور پر ہے جو بجائے خویش ذ خیر ہے نہ شر۔ مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی نے امکان نفسی کی تعریف اپنی کتاب ''دینی نفسیات'' میں اس طرح فرمائی ہے کہ:۔

نفس انسانی کا وہ خلاء جو کسی تصور سے پر نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ جس کا مقصد کسی نئے تصور کے لئے گنجائش باقی رکھنا ہو امکان کہلاتا ہے۔ (۱۵۳)

اس طرح امکان نفسی سے مراد علمی مشاہدے و تجربے کے نتائج اور عقلی دلائل کی روشنی اور قرآن مبین کی ربانیت وفرقانیت کے سہارے ملنے والے تصور کی آماجگاہ ہے جس کا مقصود و منتہا یہ ہے کہ شک سے حق تک اور ایمان سے یقین تک جانے کے ہیں۔ دراصل اس خصوصیت کے طفیل ہی ہم نفس میں آباد جزیروں کو دریافت کرتے ہیں کہ جنہیں قیاس محض قلت معرفت کی بناء پر رد Reject کر دیتا ہے مولانا صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

اگر یہ نہ ہوتے تو اس قسم کے بعید از قیاس تصورات کے علم سے ہم کیسے آشنا ہو سکتے تھے۔ (۱۵۴)

سچ تو یہ ہے کہ امکان نفسی جیسی خصوصیت کی دولت کے بغیر ماوراء کی جستجو اور خوب سے خوب ترکی تلاش اور شک سے حق کی اور ایمان سے یقین کی منزل کیونکر نصیب ہو سکتی تھی؟ تلاش تو نام ہی یقین کا حصول ہے۔ اس لئے آج بھی یہی امکان نفسی کی صفت دولت یقین کی تلاش کے لئے سعی پر ابھارنے کے لئے تیار ہے۔ تو آیئے!!! ہم اسی صفت

دولت کے طفیل قرآنی علم کو بنیاد بنا کر نفس کے ارتقاء کی معرفت کا ادراک کریں تا کہ یقین کی منزل پر پہنچ کر حیات جاوداں یعنی نفس کی جاودانی کے مزے لوٹ سکیں۔

فصل دوم

تخلیق نفس اور ارتقاء

Psychological Creation & Evolution

نفس کیا ہے؟ ذہن کا نعم البدل ہے یعنی Substitute of Mind، یا ذہنی مظاہر کا ایک سلسلہ Series of Mental Phenomenon، یا پھر زندگی Life، یا پھر گزشتہ زندگی Departed of Life اور یا پھر Ghost؟

عربی میں نفس کے معنی فنفسه ذاته (۱۵۵) یعنی انسانی ذات کے ہیں جو حقیقت امر بھی ہے۔

تاہم یہ ایک ایسی توانائی ہے کہ جس سے تمیز کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے بہر حال اسے ظاہری و باطنی دونوں قسم کی شخصیت کے لئے بولا جاتا ہے۔

دراصل نفس انسان کی باطنی شخصیت Inner Human Personality اور اس کی باطنی فطرت Inner Human Nature کو کہتے ہیں۔ اس طرح نفس جو کہ انسانی ذات ہے جو وجود خاکی کا پیرہن اوڑھے ہوئے ہے اور اختیار و ارادہ کا مالک ہے مگر محدود سطح پر۔ اور دوم یہ کہ نفس انسانی Human Psyche ایک نا قابل تقسیم وحدت کے طور پر Human Psyche as a Indivisible Whole ہے۔ اسی لئے باپ کا بوجھ بیٹے پر اور بیٹے کا بوجھ باپ پر نہیں ڈالا جائے گا۔ (۱۵۶) اور سوم یہ کہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ''انسان تنہا کھڑا ہے Man Stand Alone (۱۵۷)، بلکہ انسان تنہا نہیں کھڑا Man Does not Stand Alone کے طور پر ہے۔ دراصل اسی قسم کے خیالات غلط فکر و تصورات کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ انسان اپنی ذات کو خود سے خود سے سوال کرے کہ:۔

امّن یّجیب المضطرّ اذا دعاہ ویکشف السّوٓء ویجعلکم خلفآء الارضؕ ءالٰہ مّع اللہ قلیلاً مّاتذکّرون ۝ امّن یّھدیکم فی ظلمٰت البرّ و البحر. (۱۵۸)

ترجمہ:۔ بھلا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت دفع کرتا ہے۔ اور جو تمہیں زمین پر جانشین بناتا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوسکتا ہے؟ تم بہت ہی کم غور کرتے ہو۔ بھلا وہ کون ہے جو بحر و بر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔

حقیقت کچھ یوں مترشح ہے کہ:۔

الم تر انّ اللّٰہ یعلم ما فی السّمٰوٰت وما فی الارضؕ مایکون من نّجوٰی ثلٰثۃٍ الّاھو رابعھم ولا خمسۃٍ الّاھو سادسھم ولآ ادنٰی من ذٰلک ولآ اکثر الّاھو معھم این ما کانواؕ (۱۵۹)

ترجمہ:۔ کیا تونہیں دیکھتا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے؟ اور کسی تین کے درمیان کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کسی پانچ میں مگر یہ کہ وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم اور نہ ہی اس سے زیادہ مگر یہ کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں وہ ان کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔

یہی وہ زاویے ہیں جو ہمارے نفس کی استعداد کو ظاہر کرتے ہیں اور استعداد امکانی نفسی کا پتہ دیتی ہے۔ چنانچہ یہی زاویے امکان نفسی کی بنیادیں بن جاتے ہیں۔ اس لئے کہ امکان نفسی تو نئے تصور کی آماجگاہ ہوتا ہی ہے لہٰذا یہی وہ نفسی نشانی وعلامت ہے جو ہمیں ایک اٹل حقیقت کا ادراک کراتی ہے کہ ہم پہلے سے کچھ نہیں جانتے بلکہ جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ ہم مخلوق ہیں خالق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نفس میں ابھار پیدا ہوتا ہے تو فکر کے سوتے ابل پڑتے ہیں۔ اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کیا میں ہی واحد مخلوق ہوں یا جو میرے چہار جانب جو کچھ پایا جاتا ہے وہ کیا ہے؟ ہم سب کا مقام کیا ہے؟ مقام مساوی ہے یا درجاتی؟ ان میں کوئی خالق بھی ہے یا سب مخلوق میں سے ہے؟ اور اگر یہ سب مخلوق ہے تو خالق اس کے ماوراء ہے کہ نہیں۔

آیئے!!! انسانی ذہن میں ابھرنے والے ان سوالوں کا تفصیلی جائزہ لیں۔ تاکہ فکر انسانی کو صحیح بنیادیں مل سکیں۔

تخلیق کی اقسام اور نہوج ارتقاء

آسمان پر موجود ستاروں کو شمار کرنا ناگزیر ہے اسی طرح اس کائنات میں تخلیق کی اقسام کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اس ناممکن مسئلے کا حل قرآن کریم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمایا:۔

لخلق السّمٰوٰت والارض اکبر من خلق النّاس ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون ○ (۱۶۰)

ترجمہ:۔ آسمانوں اور زمین کی خلقت تو یقیناً انسانوں کی خلقت سے کہیں زیادہ بڑی ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے بے خبر ہے۔

دو قسم کی مخلوق:۔

ارض وسماں میں دو قسم کی مخلوق پائی جاتی ہے ایک کا تعلق سماوی طور پر ہے اور دوسری کا ارضی حوالے سے یعنی ملائکہ اور دآبۃ. قرآن حکیم مخلوق کی تقسیم سے متعلق فرماتا ہے:۔

وللّٰہ یسجد مافی السّمٰوٰت وما فی الارض من دآبّۃٍ وّالملٰئکۃ وھم لا یستکبرون ○ یخافون ربّھم مّن فوقھم ویفعلون ما یؤمرون ○ع (۱۶۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور زمین میں۔ جانوروں اور ملائکہ میں سے ہے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جو ان سے برتر ہے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔

نہوج ارتقاء:۔

تخلیق اکبر ہو یا اصغر چونکہ اجسام مفرد نہیں بلکہ مرکب ہیں۔ مرکب ہونے کی صورت میں ارتقاء صرف ایک نہیں بلکہ کئی نہوج رکھتا ہے چارٹ میں ملاحظہ ہو کہ اکبر و اصغر تخلیق کا نہوج ارتقاء کیونکر ہوا؟ (ضمیمہ جات نمبر ا پر نہوج ارتقاء، تخلیق اکبر و اصغر چارٹ نمبر ا، ص نمبر ۴۹۱ پر ملاحظہ ہو)

قوانین ارتقاء تخلیق کی تجریدی سطح:۔

عالم چاہے وجودی ہو یا نفسیاتی یا پھر روحانی سب کے سب قوانین فطرت سے وابستہ ہیں۔ قوانین چونکہ نافذ ہیں۔ اس لئے ہم ان کے محتاج بھی واقع ہوئے۔ اس لئے یہ قوانین ارتقاء تجریدی طور پر حق کا ادراک کرانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کے اطلاقی اثرات پر غور و فکر کیا جائے اور ان کی نوعیت پر بھی تو علم و تحقیق کے نئے باب افشاں ہونے لگتے ہیں۔ اور غیب شھود کے زینے طے کرتا ہے تو ناممکن ممکن کی سطح پر آجاتا ہے۔ ہم انتہائی تفصیل میں تو نہیں جائیں گے تاہم خاکے کی مدد سے اس کی تقسیم کریں گے یہ تجریدی ارتقاء کائناتی اور انسان کی سطح پر ہوگا۔ درج ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

(۱)......کائناتی سطح پر تجریدی ارتقاء:۔ (1) Abstract side of Universal Evolution

۱......قانون تخلیق	1. Law of Creation
۲......قانون رتق	2, Law of Rataq
۳......قانون فتق	3. Law of Fataq
۴......قانون طبق	4, Law of Tabaq
۵......قانون طرق	5, Law of Taraq
۶......قانون فلق	6, Law of Falaq
۷......قانون شقق	7, Law of Shaqaq

(۲)......انسان کی سطح پر تجریدی ارتقاء:۔ (2) Abstract side of Man's Evolution

۱......الطین	1. Law of Factor / Element
۲......لازب	2, Law of Co-ordination

۳.....حما مسنون	3. Law of Product or non Product
۴.....تراب	4. Law of Shape or Form
۵.....صلصال	5. Law of Making
۶.....فخار	6. Law of Maturity
۷.....سللٰة	7. Law of Essence/ Organic Matter

(ضمیمہ جات نمبر۲ میں تخلیق کی تجریدی سطح ارتقاء، طین سے سللٰة تک تصویر نمبر۲، ص نمبر ۴۹۷ پر ملاحظہ ہو۔)

جہاں تک نفس و آفاق کے وجودی ارتقاء کی بات ہے وقت اور موضوع کی مناسبت سے درست نہیں اس لئے ہم صرف نفسیاتی ارتقاء کو ہی بیان کریں گے کیونکہ یہ بہت تفصیلی موضوع ہے اس میں وسعت بھی ہے اور ممکنات بھی، ارتقاء بھی اور معراج بھی، مراحل نمو بھی ہیں اور فطرۃ اللہ بھی ہے اور فطرۃ الناس بھی نیز نتائج کی ضمانت بھی ہے اور عدل کی مہر بھی۔

نفسیاتی ارتقاء کائناتی سطح پر

Psychological Evolution On Universal Bases

وھو الّذیٓ انشا کم مّن نّفسٍ وّاحدۃٍ فمستقرّو مستودعٌ قد فصّلنا الاٰیٰت لقومٍ یّفقھون○(۱۶۲)

ترجمہ:۔ وہ وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدۃ سے انشاء کیا۔ پھر جائے قرار اور عارضی سپردگی کی جگہ ہے۔ بے شک ہم نے غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لئے مفصل طور پر نشانیاں بیان کر دیں ہیں۔

یہ زعم باطل ہوگا کہ ہم نقطۂ آخریں کو پا چکے ہیں۔ انسانی علم تو صدا بہ صحرا ہی ثابت ہوا ہے۔ جبکہ انسانی ذات میں تو بہت جزیرے آباد ہیں۔ لیکن ہم اپنی کم علمی، کم مائیگی عقل، سائنسی وتحقیقی نتائج، دریافتوں کے سلسلے کی سست رفتاری، حیات دنیا کے دھوکہ کا شکار ہوکر انسانی ذات کی معرفت کے ادراک سے قاصر رہے ہیں۔ جب بھی جاننے کی کوشش کی تو حیوانیت کے درجے پر پہنچنے والوں کے کرداری نتائج کا اطلاق سب پر منج کر کے عارضی اور ادھوری خوشی حاصل کی۔ مگر حقیقت کوسوں دور رہی۔ لہٰذا اب ہم غیبی علم کے سہارے معرفت نفس کا ادراک کریں گے۔

نفس واحدۃ سے خلق:۔

نفس واحدۃ مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد ایک امکانی قوت کے ہیں۔ اس کارخانہ قدرت کی ہر شے کو نفس واحدۃ سے خلق کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لِلّٰہ ما فی السّمٰوٰت والارضؕ انّ اللّٰہ ھو الغنیّ الحمید ○ ولو انّ ما فی الارض من شجرۃٍ اقلامٌ وّالبحر یمدّہٗ من بعدہٖ سبعۃ ابحرٍ مّانفدت کلمٰت اللّٰہؕ انّ اللّٰہ عزیز حکیم ○ ماخلقکم ولا بعثکم

الّا کنفسٍ وّاحدۃٍ اِنّ اللّٰہ سمیعٌ بصیر O (۱۶۳)

ترجمہ :۔ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے بے شک اللہ وہ تو بے نیاز لائق حمد ہے اور اگر زمین کے تمام درخت اقلام ہوتے ۔ اور سمندر سیاہی ہوتا اور اس کے علاوہ سات اور سمندر ہوتے تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوسکتے ۔ بے شک اللہ زبردست صاحب حکمت ہے تمہارا خلق کرنا اور جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک جان کا ۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۔

تمام جہانوں کا پیدا کرنا اور ایک آدمی کا پیدا کرنا اللہ کے لئے دونوں برابر ہیں یہ بالکل اس طرح ہیں کہ جس طرح تمام آوازوں کا سننا بیک وقت اور تمام غیب کا علم رکھنا اس کے لئے قطعاً مشکل نہیں ۔

نفس واحدۃ سے تخلیق کا کام دو سطحوں پر ہوا ۔ کائناتی لحاظ سے اور انسان اور دیگر دابۃ وغیرہ کے لحاظ سے ۔ نیز نفسیاتی ارتقاء کے سات مراحل ہیں ۔ جن کا ذکر ہم تفصیلاً کریں گے (ضمیمہ جات نمبر ا پر کائنات کی سطح پر نفسیاتی ارتقائی مدارج کا چارٹ نمبر ۲ ، ص نمبر ۴۹۲ پر ملاحظہ کیجئے ۔)

نفس واحدۃ سے ارتقاء :۔

دنیائے تخلیق میں اور اس مرحلے و مقام پر ہر نفس کو اثر کی ضرورت رہتی ہے ۔ اس لحاظ سے نفس واحدۃ یعنی ایک آفاقی امکانی قوت دو سطحوں پر اپنی کارگزاری دکھاتی ہے ۔ لیکن نفس کے یہ تمام آثار خواہ آفاقی ہوں یا دیگر مخلوقات اور انسان کے حوالے سے مختلف ہوتے ہیں ۔ اور ہر ایک کا کوڈ نمبر سے لے کر ذمہ داریاں اور صورت سب کچھ جدا ہوتا ہے ۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس کو اثر Body کی ضرورت کیوں ؟

تو اس کا جواب Aquinas نے کچھ اس طرح دیا ہے کہ :۔

Aquinas (Following Asistotale) Soul to be the form of the activity of the body. For Aquinas a Human soul needed a body to think and feel just as a Computer Programme needs a Physical Computer to run." (164)

(ضمیمہ جات نمبر ۲ میں نفسیاتی ارتقاء کے حوالے سے نفس واحدۃ سے ارتقاء تصویر نمبر ۳ ، ص نمبر ۴۹۸ پر ملاحظہ ہو)

سچ تو یہ ہے کہ ہر نفس کو مظاہرہ کے لئے وجود Existence کی ضرورت ہے ۔ یہ وجود چاہے کسی بھی صورت Form میں ہو ۔ جہاں تک کائناتی ارتقاء کی بات ہے تو سائنسدان حضرات Single Psyche کی داستان کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ :۔

Three major revolutions mark the History of life on Earth:- The first was the origion of life itself, some time it Prior to 3.5 billion years ago life in the form of micro-organisms, became a Powerfull force in a world where previously only chemistry and physics had operated.

The 2nd revolution was the origion of multicellulor organisms about half a billion years ago life became complex, as Plants and animals of myriad forms and sizes evolved and interrected in fertile eco-systems. The origion of Human Consciousness some time with in the last 2.5 million years was the third event life became aware of itself and began to transform the world of nature to its on ends." (165)

یہ فیصلہ کرنا کہ پہلے مرغی آئی یا انڈہ بہت مشکل ترین کام ہے۔ رب تعالیٰ نے تخلیق کے کام میں کسی کو بھی گواہ نہیں بنایا۔ اور جب تخلیق کا کوئی گواہ ہی نہیں تو درج بالا ارتقاء کو محض خیالی اور فرضی و قیاسی ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جہاں عینی شاہد نہ ہو وہاں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی اور جہاں تک تحقیقات کا تعلق ہے۔ تو اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں، Multicelluler Organism اور Micro-Organisms یعنی Myriad forms میں اور Human Consciousness کی صورت میں ملتی ہے۔ مگر یہ کہنا کہ ہمارے قیاسی Step کے مطابق ارتقاء ہوا ہے۔ درست نہیں کیونکہ ہر شے Side by Side کے طور پر اپنے کام انجام دے رہی ہے خواہ وہ یک خلیہ ہو یا کثیر الخلیہ، جمادات ہوں یا نباتات، جاندار ہوں یا انسان۔ البتہ Single Psyche کے لفظ سے ہمارا نفس بڑا وسیع ہو جاتا ہے یعنی "Immortal" حقیقت یہ ہے کہ طرح طرح کی مخلوق تخلیق کے مختلف مظاہر ہیں۔ ہم جس طرح پر Procreation کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی بنیاد Basis پر تخلیق Creation اور ارتقاء کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ تخلیق کو سمجھنا ہمارے حیطۂ ادراک سے ماوراء ہے۔ اور نہ ہی یہ ہم انسانوں کا مقام ہے۔ اور مقام ہو بھی کیسے؟ ہم تو خود خلق کردہ ہیں۔ بھلا خلق کردہ خالق کی تخلیق کو کیونکر جان سکتا ہے!

نفس اور اصول ارتقاء:۔

لیکن کیا کیجئے ہر کوئی اپنے عقلی ارتقاء کو اللہ کے ارتقاء کے مطابق سمجھے بیٹھا ہے اس ارتقاء کو پیش کرنے میں صرف غیر مسلم سائنسدان و مفکرین ہی نہیں بلکہ مسلمان سائنسدان و مفکرین بھی پیش پیش ہیں۔ اور وہ ایڑھی چوٹی کا زور لگانے پر تلے ہوئے ہیں اور اسی عقلی ارتقاء کو اصلی ارتقاء گردان رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ Amoeba کو "First Parent on the earth" (166) قرار دیتے ہیں۔ اس لئے وہ نفس واحدۃ کو a single living being قرار دیتے ہیں۔ یعنی نفس Psyche سے ہٹ کر وجود Existence پر آ جاتے ہیں۔ جبکہ یہ سب مظاہر، نشانیاں فقط انسان کی آموزش کے لئے ہیں۔ اور جو تخلیق کے ضمن میں رب تعالیٰ نے اصطلاحات یعنی Terms پیش کیں ہیں وہ فقط اس لئے کہ انسان کی صحیح رہنمائی ہو سکے مگر انسان نے ان رہنما چیزوں اور نشانیوں کو حقیقت جان لیا۔ حقیقت کیا ہے؟ اس کی سوائے خالق کے کسی کو خبر نہیں۔ تاہم ارتقاء کے کچھ اہم اصول درج ذیل ہیں:۔

۱) اصول فطری انتخاب اور قرآن

1) Principle of Natural Selection and Quran

یمحوا اللّٰہ مایشآء ویثبت ۚ وعندہٗ امّ الکتٰب ○ وان مّانرینّک بعض الّذی نعدھم اونتوفّینّک فانّما علیک البلٰغ و علینا الحساب ○ اولم یروا انّا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھا ۚ واللّٰہ یحکم لا معقّب لحکمہٖ ۚ (۱۶۹)

ترجمہ:۔ اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے اور خواہ اس میں سے ہم تجھے کچھ دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے یا تجھے وفات دے دیں پس تیرے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہی ہے اور حساب لینا ہمارے ذمہ ہے اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے اطراف سے گھٹاتے رہتے ہیں؟ اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں۔

قانون محو یا قانون ثبات مشیئت سے وابستہ ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی حکمت کے طفیل جس حکم کو چاہے قائم رکھے اور جس حکم کو چاہے منسوخ کرے جس کو چاہے باقی رکھے اور جسے چاہے مٹائے جن اشیاء کی تاثیر چاہے بدلے یا نہ بدلے جو وعدہ چاہے شرائط کی موجودگی میں ظاہر کرے یا عدم شرائط کی بناء موقوف کردے ہر قسم کی تبدیلی، تغیر، محو و اثبات، نسخ واحکام، قضاء وقدر سب کے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ اپنی مشیئت کا مجاز ہے۔ اور یہ ساری تفصیلات ام الکتاب میں موجود ہیں۔ ام الکتاب کے بارے میں مذکورہ تفصیل کے حوالے سے تفسیر عثمانی میں ہے کہ:۔

''علم ازلی محیط'' جو ہر قسم کے تبدل وتغیر سے قطعاً منزہ ومبرّی اور لوح محفوظ کا ماخذ ہے۔ حضرت شاہ صاحب کہتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعض اسباب ظاہر ہیں بعض چھپے ہوئے ہیں اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ کم یا زیادہ کردے۔ جب چاہے ایسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک انداز ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے۔ جو ہرگز نہیں بدلتا۔ اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیریں ہوئیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں۔ (۱۷۰)

آیات کریمہ میں دوسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ اس نے جو وعدے کئے ہیں چاہے تو وہ رسول کی زندگی میں یا پھر مابعد وفات وقت مناسب پر ظاہر کردے گا لہٰذا رسول فقط ذمہ داری ادا کریں تکذیب کرنے والوں سے اللہ خود ہی حساب کرلے گا۔ سوم یہ کہ اس کا تکوینی حکم اور فیصلہ اٹل ہے جب وقت آجائے تو کسی کی مجال نہیں کہ اس میں لحہ بھر کی، تاخیر بھی کرسکے۔ مشاہدہ کے طور پر زمین کو دیکھیں کہ وہ کس طرح اپنے اطراف سے گھٹتی جارہی ہے۔

لیکن جن لوگوں کے دل میں قانون محو وثبات کے سلسلے میں شک پیدا ہوجاتا ہے تو پھر وہ عقلی ارتقاء وانداز ے کو حتمی جان لیتے ہیں۔ اور قلوب میں باطل سے محبت اور حق سے نفرت کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔ اس طرح ذہن پر جمود

طاری ہونے لگتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر ان کی عقل وخرد سب جواب دے جاتی ہے اور وہ رسول سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں کہ:۔

ویقول الذین کفر والست مرسلاً قل کفٰی باللّٰہ شھیداً بینی و بینکم و من عندہٗ علم الکتٰب ○ (۱۷۱)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں ہے کہہ دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے اور وہ بھی جس کے پاس علم الکتاب ہے۔

قانون محو کے اطلاق کی حکمت:۔

اللہ رب العزت کی ہر بات مطلق صداقت کی حامل ہوتی ہے لہٰذا وقت آنے پر اہل علم خود اس صداقت کی تصدیق کرتے ہیں کیونکہ اٹل حقیقتوں سے انحراف ممکن نہیں۔ اسی لئے اللہ فرماتا ہے کہ:۔

ویمح اللّٰہ الباطل و یحق الحق بکلمٰتہٖ انہٗ علیمٌ بذات الصدور ○ (۱۷۲)

ترجمہ:۔ اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے ثابت کر دیتا ہے بے شک وہ سینوں کے احوال کا جاننے والا ہے۔

دراصل اللہ تعالیٰ ان ہی صداقتوں کے طفیل قلوب انسانی کو شواہد وتحقیق سے حاصل ہونے والے نتائج سے جب وہ رسولوں کی خبروں سے میچ Match کر جائیں تو تقویت فراہم کرتا ہے۔ اور ایسا کیونکر نہ ہو کیونکہ اللہ کے کلمات ثبات رکھتے ہیں۔ لہٰذا فنائیت وزوال سے پاک ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے کہ جب پاک نفوس اور پراگندہ نفوس کے بین فرق قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جو حق پر ہوں وہ کلمۂ ثبات کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو باطل پرست ہوں وہ انحراف کرتے ہیں۔

قانون ثبات کے اطلاق کی حکمت:۔

قانون ثبات کا اصول یہ ہے کہ:۔

یثبت اللّٰہ الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیٰوۃ الدنیا و الاٰخرۃ ویضل اللّٰہ الظٰلمین و یفعل اللّٰہ مایشاء ○ (۱۷۳)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لائے اللہ ان کو حیات دنیا اور آخرت میں قول ثابت سے ثابت قدم بناتا ہے اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔

مقصد بحث یہ کہ جو زندہ رہیں وہ بھی واضح حجت پر اور جو ہلاک ہوں وہ بھی واضح حجت پر کیونکہ رسولوں کو بھیج کر اللہ نے تو اپنی حجت کو سنت کی صورت میں پورا کیا ہے لہٰذا عملاً جب انسان اپنی اپنی مرضی کر چکیں گے تب حجت تمام ہو جائے گی۔ لہٰذا ان کے مابین آخرت میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس حجت کے تمام کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اللہ طیب

وخبیث نفوس کو جانچ لے۔

لیمیز اللّٰہ الخبیث من الطّیّب. (١٧٤)

ترجمہ:۔ تا کہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کر لے۔

حاصل بحث یہ کہ اللہ جانتا ہے کہ طبعی قانون فطرت کے موافق کس کو ہلاک کرنا اور کس کو زندہ رکھنا ہے؟ خلق و موت کا توازن کیا ہونا چاہئے؟ قضاء و قدر میں تبدیلی و تغیر اسی کے حکم کے طفیل ممکن ہے۔ وہ اس کارخانہ کے نظام کو بڑی خوبی سے سنبھالے ہوئے ہے۔ ورنہ بعض حیوانات و حشرات کی نسل اتنی تیزی سے بڑھتی ہے کہ اگر اس کا قانون محو و ثبات نہ ہوتا تو شاید یہ زمین ان کی نسلوں سے بھر جاتی۔ بلا شبہ اس کے کلمے کو ہی ثبات ہے۔

۳...... **جد و جہد برائے وجود اور قرآن**:۔ Principle of the Struggle for Existence and Quran

ہر ذات ہر مخلوق فنا فی الذات کے فطری مسئلے میں جکڑی ہوئی ہے اس سے کسی حد تک نبرد آزما ہوا جا سکتا ہے۔ لیکن موت برحق ہے۔ تو ایسی صورتحال میں کیا وجود انسانی دوام حاصل کر سکتا ہے؟

یہ وہ سوال ہے جو ہر انسان کے دل میں پرورش پاتا ہے اور اس کی خواہش اولین یہ ہوتی ہے کہ وہ امر ہو جائے۔ انسان کی یہ خواہش اسے زندگی سے جد و جہد پر ابھارتی ہے۔ یہ جد و جہد دو طرح کی ہوتی ہے:۔

۱)...... جد و جہد برائے دنیا

۲)...... جد و جہد برائے آخرت

ان صورتوں کے اختیار کے اظہار سے شخصیت کا کھوج لگایا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے یا آخرت کے طلبگار رہیں۔ جو حیات دنیا کا طلبگار ہوگا۔ اسے اپنی عمر دراز کی فکر لگی ہوئی ہوگی اس لئے اس کی ساری زندگی دولت، عزت، شہرت، اقتدار، حسن کے گرد طواف کرتے گزرے گی۔ بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر انسان طواف کرنے پر مجبور ہے اب یہ اس کی مرضی ہے کہ وہ فرضی طواف کرتا ہے یا اپنی خواہش کے گرد گھومتا ہے کیونکہ جو لوگ آخرت کے طلبگار رہوں گے ان کی اول اور آخر یہی کوشش ہوگی کہ کہیں ہم سے خدا ناراض نہ ہو جائے۔ اس طرح ہر گھڑی ہر آن وہ نئی شان میں دکھائی دیتے ہیں اور جیسے ہی انہیں موقع ملتا ہے یہ فوراً بیت اللہ کی جانب دوڑے جاتے ہیں۔ اس طرح ان کی ساری زندگی سعیِ الٰہی میں گزرتی ہے۔

ایسی زندگی جہاد کی علامت ہے۔ قرآن پاک میں ایسے ایمان والوں کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:۔

اجعلتم سقایة الحآجّ وعمارة المسجد الحرام کمن اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر و جٰھد فی سبیل اللّٰہ لا یستوٗن عند اللّٰہ واللّٰہ لا یھدی القوم الظّٰلمین ۝ الّذین اٰمنو و ھاجروا وجٰھدوا فی سبیل اللّٰہ باموالھم و انفسھم اعظم درجةً عند اللّٰہ و اولٓئک ھم الفآئزون ۝ (١٧٥)

ترجمہ:۔ کیا تم حاجیوں کے پانی پلانے والوں کو اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کرنے والوں کو ان جیسا قرار دیتے ہو

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں یکساں نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور اپنے مالوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بلند درجہ رکھتے ہیں اور وہی تو ہیں جو کامیاب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں کتنا بڑا فرق ہے جد و جہد برائے حیات دنیا میں اور جد و جہد برائے حیات اخروی میں۔ اول الذکر کے تحت ساری حیات دنیا کی اشیاء کے حصول میں سرگرداں اور ثانی الذکر کا حال یہ ہے کہ جو کچھ بھی اللہ نے ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اسی کی راہ میں نچھاور کرنے کی فکر میں محو۔ اسی لئے ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

وجاهدوا فی اللّٰه حقّ جهادهٖ هو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدّین من حرجٍ (۱۷۶)

ترجمہ:۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہارا انتخاب کرلیا ہے اور دین میں اس نے تمہارے لئے کوئی تنگی نہیں رکھی۔

دنیاوی مصیبتوں کا ذکر کرتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

ولنبلونّکم بشیءٍ مّن الخوف والجوع ونقصٍ مّن الاموال والانفس والثّمرات وبشّر الصّٰبرین ○ (۱۷۷)

ترجمہ:۔ اور البتہ ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور جانوں و اموال اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دے۔

بعثت رسول کا مقصد تزکیہ نفوس کرنا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینا تھا اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ ہدایت کے راستے کو اپناتا ہے یا پھر گمراہی کو پسند کرتا ہے۔ تاہم دنیاوی زندگی آزمائشوں کا نام ہے۔ قدم قدم پر مسائل ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت نے واضح کر دیا تاکہ انسان بے خبر نہ رہے۔ بلکہ یہی کہے کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ تو زندگی دنیا و آخرت دونوں کامیاب گزرتیں ہیں۔

جہد مسلسل کا نام ہی دراصل زندگی ہے یہ کوشش شعور کے ساتھ ہو تو ایک دن کی زندگی ہزار دن کی زندگی سے بہتر لگتی ہے۔ بصورت دیگر ہزار برس کی تمنا لئے جیتا رہتا ہے۔ شعور رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ موت و شہادت ایک دوسری زندگی ہے۔ لہٰذا اپنی زندگی کو اللہ کی راہ میں نچھاور کر دینا ایک بڑی سعادت بھی ہے اور دوسری طرف شہید کی موت قوم کی حیات بن جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں رب تعالیٰ کچھ اس طرح گویا ہیں کہ:۔

ولا تقولوا لمن یّقتل فی سبیل اللّٰه اموات بل احیاء ولٰکن لّا تشعرون ○ (۱۷۸)

ترجمہ:۔ اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تمہیں اس کا شعور نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے اپنی راہ میں سعی کرنے والوں کو آزمائش میں مبتلا کیا۔ اور جب آزمائش کی بھٹی سے نکالا تو وہ کندن بن چکا تھا۔ بلا شبہ ایسے وجود ہی اس مقام کو پاتے ہیں۔ کہ جب وہ مرتے ہیں تو

اللہ اپنی مخلوق سے فرماتا ہے کہ ان کے اجسام کو مردہ نہ کہو یہ تو زندہ ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ اس طرح جد وجہد برائے آخرت رنگ لاتی ہے۔ اور انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے۔ یہ مقام امکان بھر جد وجہد کرنے سے ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔

آزمائش شرط ہے:۔

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو رب کریم کے حکم سے انحراف برتتے ہیں۔ مگر ظاہر یہ کرتے ہیں کہ وہ اللہ والے ہیں تو اللہ ایسے لوگوں کے گمان بابت اپنا فیصلہ سناتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

☆ **ام حسبتم ان تترکو اولمّا یعلم اللّٰہ الّذین جٰھدو امنکم ولم یتّخذوا من دون اللہ ولا رسولہٖ ولا المؤمنین ولیجۃً واللّٰہ خبیرٌ بما تعملون ○ع (١٧٩)**

ترجمہ:۔ کیا تم گمان کرتے ہو، کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ جب تک کہ اللہ تم میں سے ان لوگوں کو نہ جانچ لے جنہوں نے جہاد کیا، اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے سوا کسی اور کو جگری دوست نہ بنانا اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

☆ **الٓمّٓ ○ع احسب النّاس ان یّترکوآ ان یّقولوا اٰمنّا وھم لا یفتنون ○ (١٨٠)**

ترجمہ:۔ الم، کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے۔

چنانچہ جو لوگ فطرتاً منحرف ہوں وہ اپنے اعمال کو کنٹرول نہیں کرتے۔ اپنی حرکات سے باز نہیں رہتے۔ بلکہ ان کا ساتھی شیطان انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا۔ حیات دنیا کی چیزوں میں گم کیئے رکھتا ہے۔ لیکن شیطان بذات خود وہاں سے راہ فرار اختیار کرتا ہے جب وہ عین ملوث ہو جاتے ہیں اور یہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ قرآن نے اس کے ڈائیلاگ اس طرح بیان کئے ہیں:۔

واذا زیّن لھم الشّیطٰن اعمالھم وقال لا غالب لکم الیوم من النّاس وانّی جارٌ لکمۚ فلمّا ترآءت الفئتٰن نکص علٰی عقبیہ وقال انّی بریٓءٌ مّنکم انّیٓ اریٰ مالا ترون انّیٓ اخاف اللّٰہؕ واللّٰہ شدید العقاب ○ع (١٨١)

ترجمہ:۔ اور جب شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظر میں زینت دی اور کہا کہ آج لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور بے شک میں تمہارا ساتھی ہوں پس جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ یہ کہتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ تحقیق میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور بے شک میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تو بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

تو اس طرح ثابت ہوا کہ شیطان ہمیشہ ساتھ چھوڑ جانے والا ہے تو جو دھوکہ دینے والا ہے۔ اس کو کبھی ساتھی نہیں بنانا چاہئے۔ اس لئے کہ یہی اللہ کا حکم ہے ملاحظہ ہو سورۃ التوبۃ کی آیت نمبر ٢٣ اور ٢٤۔ اس بات سے صاف

ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وہ کہ جس کی فطرت میں انحراف ہے اور دوسرا وہ کہ جو فطری طور پر مستقیم ہو لیکن اس نے اختیاری طور پر ارادی عمداً انحراف کیا ہو۔ تو وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایک کی سعی طاعت کہلائے گی اور دوسرے کی کراہت۔

ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّکم وما تعبدون من دون اللّٰہ حصب جھنّمؕ انتم لھاوٰردون ۝ (۱۸۲)

ترجمہ:۔ بے شک تم اور وہ جس کی تم اللہ کے سوا بندگی کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں اور تم اس پر وارد ہونے والے ہو۔

اگر دیکھا جائے تو کائنات کی تمام مخلوق خواہ آسمان دنیا میں سے ہو یا زمین میں سے وہ ملائکہ میں سے ہوں یا دابۃ میں سے، نباتات ہوں یا جمادات، Visible ہوں یا Invisible ان کا شمار طائعین میں ہوتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ رب کریم عمل پر صلہ کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

ومن جاھد فانّما یجا ھد لنفسہؕ انّ اللّٰہ لغنیّ عن العٰلمین ۝ (۱۸۳)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو بے شک وہ اپنے ہی نفس کے لئے کوشش کرتا ہے بالتحقیق اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

یہ کوشش ہی ہے جو ہمیں بقاء و دوام جیسی منزل پر پہنچا دیتی ہے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ صحت و بیماری، خوشحالی و بدحالی، خوشی و غمی سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ بھلائی اللہ کی طرف سے اور برائی خود انسان کے نفس کی کمائی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے خلاف Fight for Allah کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ سو جو جہاد کرتا ہے وہی کامیاب بھی ہوتا ہے۔ ارتقاء کے ان قرآنی اصولوں پر اگر ہم گامزن رہیں گے تو شاید فلاح عظیم کو پالیں۔
آمین ثمہ آمین۔

(۱)...... پہلا مرحلہ:۔

نفس واحدۃ،

تخلیق کے بنیادی قوانین اور قرآن

ماخلقکم ولا بعثکم الاّ کنفسٍ وّاحدۃٍؕ انّ اللّٰہ سمیعٌ بصیر ۝ (۱۸۴)

ترجمہ:۔ تمہارا خلق کرنا اور جلانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کا۔ بے شک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

کیا خون کی الکلی Alkali اور سمندر کا پانی مماثل قوانین کے تابع ہیں؟ اور سکڑے ہوئے عضلات سے صادر ہونے والے اعمال؟؟؟ عقل زندگی کے فہم سے طبعی طور پر عاجز ہے۔ زندگی جو کہ ایک فعال قوت تو ہے مگر مادہ کے اندر اور مادہ سے ماوراء متنوع صورت میں نظر آتی ہے۔ یہ زندگی ہے کیا؟

I claim that a "living being" is any entity which Codes information with the information Coded being Preserved by natural Selection. (185)

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ اختلاف لیل ونہار، یہ نور اور نار، یہ طول وعرض، شرق تا غرب، چھوٹا بڑا، اعلیٰ ادنیٰ، کالا گورا، وسعت وتنگی، قربت ودوری، آسمان وزمین، زبانوں اور رنگوں کا اختلاف، بظاہر اختلاف اور حقیقت میں رونق بزم کائنات کا سبب یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ اختلاف تو ہے مگر انحراف نہیں!!!

ہمارے چہار جانب رنگ ونور کا سیلاب دکھائی دیتا ہے۔ ہر ہر شے اور ہر ہر مخلوق اپنے حصول مقصد کے لئے سرگرم دکھائی دیتی ہے اختلاف ضرور ہے مگر انحراف کی صورت میں نہیں۔ بلکہ فرمانبرداری کی صورت میں۔ زمین میں بکھرے ہوئے بیج Seed جو فطری عمل سے گزر جائیں تو درخت کی صورت بنتے ہیں۔ بصورت دیگر وہی بیج ضائع ہو کر کھاد کا کام دیتے ہیں۔ بیج تو سب مساوی تھے تو پھر ایسا اختلاف کیوں؟ چاندرات کو نور کی چادر تان دیتا ہے مگر دن میں روشنی سے کیوں محروم ہو جاتا ہے؟ سورج آسمان دنیا پر جب ابھرتا ہے تو اپنی تابناک کرنوں سے سخت زمین کو گرما دیتا ہے مگر پھر غروب کیوں ہو جاتا ہے۔ رات اس پر کیونکر چھا جاتی ہے؟ اور دن رات پر کیوں چھا جاتا ہے؟ آخر ہر شے اپنے اپنے انداز سے برسرپیکار کیوں ہے؟ یہ اور اس قسم کے ہزار ہا سوالات جب ذہن انسانی کے نقشے پر جگہ پاتے ہیں۔ تو پھر تفکر وتحقیق کی دنیا میں ہلچل مچ جاتی ہے کہ:۔

- کیا زندگی وما دہ ایک ہیں یا دو برسرپیکار قوتیں ہیں؟
- کیا ہر کوئی جدا حیثیت رکھتا ہے؟
- تو پھر مشترکہ مقاصد کا حامل کیوں ہے؟
- کیا کائنات میں مماثل قوامین کارفرما ہیں؟

کائنات میں ہر ایک کے عنصر تخلیق سے لے کر وجود اور وجود سے لے کر صورت ونوع اور صورت ونوع سے لے کر فرائض منصبی اور فرائض منصبی سے لے کر مقام تک سب کچھ ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ اسی لئے ہر ایک شے کا Existing Code (186) دوسرے سے جدا ہے۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ مگر ہر ہر شے اپنی خبر ضرور رکھتی ہے۔ یہی چیز ہم انسانوں کو عاجز کرتی ہے کہ آخر وہ کیوں ایک دوسرے سے مشترک ہے۔ بالآخر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ کوئی ہے جو کہ کثرت علم رکھتا ہے کہ جس نے اشیاء کو لامحدود کیا ہوا ہے جو کہ اللہ کے علم کا عکس ہیں۔ اور مختلف فارمز میں اس کا خلاصہ۔ انہی کلمات کا ذکر سورۃ لقمٰن میں کیا گیا ہے۔ کہ کلمات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جو کہ اس فطرت کائنات میں ہے .Fundamental Laws & Creation کی صورت میں موجود ہیں۔ اس طرح Natural Law as a legal code. کے تحت سامنے آتے ہیں۔ اس لئے جدا ہو کر بھی ایک نظر آتے اور محسوس ہوتے ہیں۔ ہر شے کی Inner State میں کئی دنیائیں آباد ہیں۔ کئی لامحدود پروگرام موجود ہیں۔ اور انسان تو تمام مخلوقات میں انتہائی پیچیدہ ترین مخلوق کے طور پر ہے۔ مگر ان مماثل اور بنیادی قوانین کا کیا کہنا کہ ہر کوئی ''نفس واحدۃ'' کا شاہکار ہے۔

اس ضمن میں ایمرسن کا نظریہ ملاحظہ ہو، ایمرسن مثالیت پسند تھا۔ موضوعیت کے تحت ایمرسن Emerson کا نظریہ ہے کہ خارجی اشیاء حقیقت میں وجود نہیں رکھتیں بلکہ نفس مدرکہ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

The human soul and nature are related as "Print" to "Seal" and yet nature is not always beneficient(187)

ایک اور جگہ ہے کہ کائنات کی تاریخ مجموعی تجربات پر منحصر ہے اور تمام کی تمام یکدم وجود میں آئی۔

The Identification really does means that the Omega Point. "Experiences" the whole (Past, Present, Future) Universal History "all at once," (188)

لیکن!

The indefinitely continued existence of life is not only physically possible, it also leads naturally to a model of a God who is evolving in His/Her immanent aspect (the events in space time) and yet is eternally complete in His/ Her transcendent aspect (the omega point which is neither space nor time nor matter, but is beyond all of these). (189)

دراصل یہ Plato کی اس بات کو Follow کرتے ہیں کہ

God indeed is eternal but the world is perpetual (Since, to the world not every event is simultaneonuly present) The Omega Point is thus eternal.(190)

یہ حقیقت ہے کہ رب العزت چونکہ خود غیر فانی ہے لازوال ہے اسی لئے اس نے اپنی اس صفت کو اپنی تخلیق کی فطرت میں سمو دیا ہے۔ چنانچہ اس صفت کو ہم نفس کی دنیا میں بھی جاگزیں کرتے ہیں۔ جو کہ اس کائنات میں ایک Whole کی صورت میں موجود ہے۔ اس لئے خواہ کائنات کا کوئی ذرہ ہو یا آسمان دنیا کا آفتاب ہر کوئی اپنے پروگرام کی صورت میں Side by Side کے طور پر ظہور فرما ہیں۔ ہر نوع میں نفس کی کارفرمائیاں پروگرام کے مطابق یکساں ہیں۔ خواہ اس نوع کا تعلق آسمان دنیا سے ہو یا زمین سے۔ اور اسی طرح خواہ اس کا تعلق بنی نوع انسان سے ہی کیوں نہ ہو۔

(۱)......**قانون مطابقت:۔** Law of Adjustment

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان خواہ وحشی ہو یا متمدن، مشرق کا ہو یا مغرب کا، پتھر کے زمانے کا ہو یا دور جدید کا، رنگت کے اعتبار سے کالا ہو یا گورا، عقائد کے اعتبار سے کافر ہو یا مسلم، مشرک ہو یا منافق اور صنف کے لحاظ سے مرد ہو یا عورت مگر ان سب کی قدر مشترک یہ ہے کہ یہ سب انسان ہیں۔ اور ان سب کی تخلیق نفس واحدۃ سے ہوئی۔ لہٰذا وہ

انسانی نفسیات Human Psychology کے اعتبار سے یکساں Same ہیں۔ اسی لئے ہر انسان اپنے قوی و افعال کے اعتبار سے بالکل ایک جیسا ہے۔ اور کوئی بھی اس حقیقت سے منحرف نہیں ہوسکتا۔

البتہ مرد اور عورت کی نفسیات میں اس کی درجہ بندی اور مقصد تخلیق کے اعتبار سے فرق ہے۔ مگر یہ فرق کبھی خارجی نہیں بلکہ فطری ہے۔ یہ اس لئے کہ رب العالمین نے ہر ہر شے کی اس کے مقام کے لحاظ سے اس کے نفس کی Classification کی ہوئی ہے۔ تاکہ وہ Law of Adjustment پر پورا اتر سکے۔ Complex کا شکار نہ ہو۔ بے شک ایسا کرنا اللہ ہی کی صناعی ہوسکتی ہے۔ ورنہ یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

(۲)......**قانون توارث و ماحول**:۔Law of Heridity and Environment

اور دوم یہ کہ تمام بنی نوع انسان کی نفسیات ضرور ایک ہے لیکن اس پر اثر انداز ہونے والے عوامل، مذہب و عقیدہ، خواہش، آزادی، خودغرضی، بھوک، ماحول اسے یکسر مختلف بنا دیتے ہیں۔ اس کی شخصیت پر چھاپ بن جاتے ہیں۔ جبکہ وہ سب نفس واحدۃ کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

In the transcendental Deduction, the features of experience on which Kant Concentrate is the ability of a subject of experience to be aware of several distinct inner states as all belonging to a single consciousness. (191)

(۳)......**قانون پیداوار**:۔Law of Production

اور تیسری مشترک بات یہ کہ نفس Psyche مؤنث صیغہ ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ خواہ مرد ہو یا عورت یہ دونوں اس کی پیداوار ہیں۔ اور ایسا اس لئے ہے کہ Natural Laws کے مطابق ساری کائنات میں پیداوار کا ذریعہ مؤنث ہی ہے۔ یہی کائنات کا مزاج بھی ہے۔ اور اللہ کی سنت بھی۔ یہ سنت قوانین کی صورت میں نافذ ہے۔ اس لئے دنیا نے کبھی اسے بدلا ہوا نہیں پایا۔

(۴)......**قانون امکانات**:۔Law of Possibilities

اور چہارم یہ کہ جب وجودی لحاظ سے ایک وجود سے تخلیق کی مثال حضرت مریمؑ کی صورت میں موجود ہے تو پھر نفس واحدۃ سے تخلیق کیونکر ناممکن ہوسکتی ہے؟ مؤنث کے سلسلے میں سب سے اہم بات یہ کہ نفس کی یہ دنیا عام دنیا سے مختلف ہے لیکن اس کے مظاہر چار سو بکھرے ہوئے ہیں۔ ان مظاہر کی خصوصیت سے ہم نفس کی امکانی خصوصیت کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ کیونکہ مرد ہو یا عورت یہ مؤنث ہر نفس کی خصوصیت ہے اس کے بغیر کوئی تکمیل نہیں ہوسکتا۔ ضروری نہیں کہ مؤنث خصوصیت عورت کے حصے میں ہی آئے۔ نفس کی دنیا اس لحاظ سے منفرد اور عجیب ہے کہ یہ مؤنث مرد انسان میں موجود ہوتی ہے۔ اس کے بغیر انسان Normal نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے ہر Normal Human کے بارے میں خواہ وہ

مرد ہو یا عورت اللہ کو سب معلوم ہے کہ اس نے کیا اٹھا رکھا ہے۔ کس شے کو، کس علم کو، کس بات کو Concieve کیے ہے اور کیا کرنا چاہتا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

اللّٰہ یعلم ما تحمل کلّ انثٰی وما تغیض الارحام و ما تزداد ؕ و کلّ شیءٍ عندہٗ بمقدارٍ ○ علم الغیب و الشّھادۃ الکبیر المتعال ○ سوآءٌ منکم مّن اسرّ القول ومن جھر بہٖ ومن ھو مستخفٍ بالّیل و سارب ٌ بالنّھار ○ (۱۹۲)

ترجمہ:۔ اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو ارحام کم کرتے ہیں یا زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا بہت بزرگ عالی مرتبت ہے تم میں سے جو کوئی بھی آہستہ یا بلند آواز سے بات کرتا ہے اور رات کی تاریکی میں چھپتا یا دن کی روشنی میں چلتا ہے سب برابر ہے۔

اللہ رب العزت ہمارے نفس کی دنیا میں ہمارے نہایت قریب ہے یہی وجہ ہے کہ اسے ہماری ہر بات، ہر خواہش کا علم ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما تخرج من ثمرٰتٍ مّن اکمامھا وما تحمل من انثٰی ولا تضع الّا بعلمہٖ ؕ (۱۹۳)

ترجمہ:۔ ''اور کوئی پھل اپنے غلاف میں سے نہیں نکلتا اور نہ ہی کوئی مادہ حمل اٹھاتی ہے اور وضع کرتی ہے مگر اس کے علم میں ہوتا ہے۔''

یہ بالکل تو نہیں کیونکہ مستقبل کا علم اللہ کو ہے مگر جیسے خود انسان کو اپنے نفس کی خوبیوں خامیوں کا علم ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر اللہ اپنے بندے کو جانتا ہے۔ اس سے زیادہ حیرت کی اور کیا بات ہوگی؟

لیکن!!!

کیا نفس واحدۃ واقعی واحد ہے؟

(۲)......دوسرا مرحلہ:۔

اصول تزوتج، نفس کی سطح

Principle of Pair Production On the state of the Psyche.

How the Universe Create through a Single Psyche?

یہ موضوع پیچیدہ تو بہت ہے لیکن ہماری عقل کی محدود وقعتی کی وجہ سے مگر اس عزم کے ساتھ کہ پیچیدہ کا مطلب یہ تو نہیں کہ دریافت ممکن ہی نہیں اگر یقین کو بنیاد بنایا جائے تو ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ نفس واحدۃ کی دنیا کا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے ایک دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری دنیا سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ نفس واحد ہے تو پھر تخلیق کیونکر؟ اس سوال کا بھی رب تعالیٰ نے مسئلہ حل کر دیا کہ جس طرح وجودی دنیا میں تخلیق ہوئی جس سے کہ تولیدی عمل جاری وساری ہے اسی طرح نفس کی بھی تخلیق ہوئی۔ (ضمیمہ جات نمبر۲ میں تزوتج نفس تصویر نمبر۴، ص نمبر

۴۹۸ پر ملاحظہ ہو۔)

وجودی دلائل سے اکتساب:۔

درحقیقت انسان کا سوچنا ہی اس بات کے ثبوت میں دلیل بن جاتا ہے "نفسی تولید" کے جاری و ساری ہونے کی۔ سورۃ الیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

والّیل اذا یغشٰی ○ والنّھار اذا تجلّٰی ○ وما خلق الذّکر والانثٰی ○ ان سعیکم لشتّٰی ○ فامّا من اعطٰی واتّقٰی ○ و صدّق با لحسنٰی ○ فسنیسّرہٗ للیسرٰی ○ وامّا من بخل واستغنٰی ○ وکذّب بالحسنٰی ○ فسنیسّرہٗ للعسرٰی ○ وما یغنی عنہ مالہٗ اذا تردّٰی ○ انّ علینا للھدٰی ○ وانّ لنا للاٰخرۃ والاولٰی ○ (۱۹۴)

ترجمہ:۔ قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور قسم ہے اس کی جس نے ذکر اور انثیٰ خلق کیئے۔ بلا شبہ تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں۔ پس وہ شخص جس نے دیا اور پرہیز گاری اختیار کی اور اچھی باتوں کی تصدیق کی پس ہم جلد ہی اس کے لئے راحت و آسانی کے اسباب فراہم کر دیں گے اور وہ شخص جس نے بخل کیا اور لا پرواہی برتی اور اچھی باتوں کی تکذیب کی پس ہم جلد ہی اس کے لئے دشواری کے اسباب فراہم کریں گے اور جب وہ ہلاک ہوگا تو اس کا مال اس کے کسی کام نہ آئے گا!!! یقیناً ہدایت کر دینا تو ہمارے ذمہ ہے اور دنیا و آخرت تو بے شک ہمارے ہی اختیار میں ہے۔

درج بالا آیات اس بات کی صراحت کرتیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو جوڑے جوڑے تخلیق کیا مختلف انواع واقسام کے جوڑے، اصناف میں جوڑے، اضداد میں جوڑے، مثلاً جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان میں جوڑے، اضداد کے اعتبار سے آسمان وزمین کا جوڑا، دن اور رات کا جوڑا، خشک وتر کا جوڑا، بلندی و پستی، طول و عرض، عروج وزوال وغیرہ اس طرح نفس واحدۃ کے لئے اس کائنات میں نمونہ کے طور پر Unicelluler موجود ہے جو وجودی اعتبار سے ایک دکھائی دیتا ہے لیکن ہے نہیں۔ بالکل اسی طرح نفس بھی واحدۃ ہوتے ہوئے واحد نہیں بلکہ اس کا زوج بھی ہے۔ اس طرح وہ واحد نہیں اس کو ہم اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ نفس واحدۃ صفت ذکر اور صفت انثیٰ کا حامل ہے۔ (ضمیمہ جات نمبر ا میں شکل نمبر ۳، ص نمبر ۴۹۳ پر ملاحظہ ہو۔)

لیکن اس مقام پر لوگوں کو سمجھنے میں کچھ غلطی ہوگئی اور انہوں نے نفس کو دنیا کے وجود کے پیرہن میں ڈھال لیا حالانکہ یہ دونیائیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ جبکہ مذکورہ بالا آیات اس بات کی دلیل فراہم کرتیں ہیں کہ نفس ضرور ایک ہے مگر Form کے لحاظ سے جداگانہ حیثیت کا حامل ہے اور نہ صرف Form کے لحاظ سے بلکہ سعی کے لحاظ سے، نیچر کے لحاظ سے، فرائض کے لحاظ سے، مقام کے لحاظ سے یکسر مختلف ہے۔ جیسے لیل ونہار، سورج کا اپنے وقت پر نکلنا اور غروب ہونا، چاند کا اپنی منزلیں طے کرنا، درخت کا ثمرات سے لد جانا، زمین کا زیورات سے مزین ہونا، یہ سب نفس

ہی کے تو رنگ ہیں۔ اور یہ کہ زمین ایک مگر طرح طرح انواع و اقسام کے پودے درخت پھر ان کے رنگ، ذائقہ، خوبی کا فرق وغیرہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ہر ہر شے میں وہی نفس ہے لیکن سب ایک دوسرے سے مختلف الغرض چہار سو اس کی کارفرمائیاں ہیں۔ اور زمین کے بارے میں تو رب العزت فرماتا ہے کہ:۔

اولم یروا الی الارض کم انبتنا فیھا من کلّ زوجٍ کریمٍ ○ انّ فی ذٰلک لاٰیۃً ؕ وما کان اکثر ھم مّؤمنین ○ (۱۹۵)

ترجمہ:۔ کیا وہ زمین کی طرف نہیں دیکھتے کہ ہم نے اس میں کس قدر ہر قسم کی عمدہ نباتات کے جوڑے اگائے؟ بے شک اس میں نشانی ہے مگر ان کی اکثریت ایمان لانے والی نہیں ہے۔

اس آیت میں لفظ کریم پر ہی غور کرلیا جائے تو حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی مگر کیا کیجئے کہ نظر فقط Amoeba پر آ کر ٹھہر گئی ہے۔ حالانکہ عقلی اعتبار سے بھی سوچا جائے تو بات سمجھ میں آنے لگتی ہے کہ وجود اپنی ذات میں ایک حقیقت ضرور رکھتا ہے لیکن یہی وجود اصل حقیقت جو کہ ماوراء ہے اس کے لئے نشانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور آیت کریمہ میں تو اسی جانب اشارہ بھی کیا گیا ہے لہٰذا قرآن کے مطابق Single Psyche کا مطلب ہرگز ہرگز Amoeba نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ارتقاء قیاسی کے اعتبار سے First Parent on the earth. ہے۔ حق اور سچ تو یہ ہے کہ جو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

یٰاَیّھا النّاس اتّقوا ربّکم الّذی خلقکم من نّفسٍ وّاحدۃٍ وّ خلق منھا زوجھا و بثّ منھما رجالاً کثیراً وّنسآءً ج (۱۹۶)

ترجمہ:۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں نفس واحدۃ سے خلق کیا اور اس کی نوع سے اس کا جوڑا خلق کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں۔

یہ آیت حقیقی ارتقاء کے ضمن میں مہر ثبت کرتی ہے کہ وجود تو فقط نشانی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ نے ہر ہر شے کے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ اور یہ کہ وہ خود پاک ہے پاک چیزوں کو پسند فرماتا ہے۔ اسی لئے پرہیزگاری کا حکم بھی دیتا ہے۔ اور یہ بھی بتاتا ہے کہ اس نے ایک ہی نوع میں اس قدر اختلاف کیوں رکھا ہے کہ کوئی پست قامت ہے تو کوئی لمبا، کوئی کالا ہے تو کوئی گورا، کوئی عربی ہے تو کوئی عجمی یہ اس لئے کہ ہم انسان اپنے کنبے کی معرفت ہی حاصل نہ کریں بلکہ قبائل سے بھی متعارف ہوسکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰاَیّھا النّاس انّا خلقنٰکم مّن ذکرٍ وّ انثٰی وجعلنٰکم شعوبًا وّ قبآئل لتعارفوا ؕ انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکم ؕ انّ اللّٰہ علیم خبیر ○ (۱۹۷)

ترجمہ:۔ اے بنی نوع انسان بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہیں کنبے و قبیلے والا بنایا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہی ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے بے شک اللہ جاننے والا، خبردار ہے۔

مذکورہ آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ نے ذکر وانثیٰ پہچان کے لئے معرفت کے لئے بنائے ۔ لہٰذا حسب و نسب کی اپنی جگہ حقیقت ضرور ہے مگر یہ معیار نہیں ہیں انسانیت کا۔ ہمارے نفس کا تو کام ہی اچھے اور برے میں تمیز برتنا ہے لہٰذا نفس کا معیار فقط اور فقط تقویٰ ہے ۔ طاعت ہے، فرمانبرداری ہے ۔ ہمیں تو فقط Follow the Nature of Allah کے مطابق زندگی گزارنی ہے ۔ آج جو لوگ فرمانبرداری کی جگہ نافرمائی کررہے ہیں ۔ اور تعمیل کی جگہ منحرف ہورہے ہیں ۔ وحی کی صداقت کی جگہ نفس کی شریعت لیتی جارہی ہے ۔ اس سے پہلے کہ ہم میں سے کوئی گمراہی کا شکار ہو ہمیں نفس اور اس کا مفہوم سمجھ آ جانا چاہئے ۔ ہمیں یہ بات سمجھ آ جانی چاہئے کہ ہم مخلوق ہیں ہم واحد One کی Position پر آ ہی نہیں سکتے چہ جائیکہ کہ ہم Oneness کی بات کریں ۔ دنیا کی ہر شے کے وجود میں کئی کئی دنیا ئیں آباد ہیں ۔ اس نفس کو لے لیں ۔ یہ بھی ذکر اور انثیٰ میں تقسیم ہوگیا اور یہ تقسیم بھی اکیلے End نہیں بلکہ یہ درجات و کیفیات کے اعتبار سے منقسم ہوتا رہتا ہے ۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ خوشی ، غمی ، سونا ، جاگنا ، الغرض جینا مرنا ، ہر شے دو پہلو رکھتی ہے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

وانّہٗ ھو اضحک و ابکٰی ۝ وانّہٗ ھو امات و احیا ۝ وانّہٗ خلق الزّوجین الذّکر والانثی ۝ (۱۹۸)

ترجمہ :۔ اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور وہی رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور وہی جلاتا ہے اور یہ کہ وہی نر و مادہ کے جوڑے جوڑے خلق کرتا ہے ۔

اب ہمیں اس بات کا کھوج لگانا ہے کہ نفس جو کہ مؤنث ہے اس کا جوڑا کن صفات کا مالک ہے؟

قرآن حکیم و الفرقان حمید نے اس سوال کے جواب کی ابتداء ان الفاظ سے کی ہے جو کہ خاصے غور طلب ہیں ۔ اور اگلے موضوع کو بنیاد بھی فراہم کی ہے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ومن کلّ شیءٍ خلقنا زوجین لعلّکم تذکّرون ۝ (۱۹۹)

ترجمہ :۔ اور ہم نے ہر شے کے جوڑے جوڑے بنائے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو ۔

اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ زوج ذکر کے واسطے بنائے ہیں ۔ اور لفظ لعلکم سے اس بات کی تصریح فرمادی کہ شاید نفس کا تزکیہ کرسکو ۔ اس موقع پر ہمارے ذہن کی پنہائیوں میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ :۔

کیا ذکر ذکر کے بغیر ممکن ہے؟

کیا ذکر قوت اخذ یعنی Concieving Power کے بغیر ممکن ہے؟

آیئے اب ہم اس موضوع کا نفسیاتی جائزہ لیں گے ۔ اور نفس جو کہ باطنی قوت ہے اس کو سمجھنے کے لئے وجودی دلائل سے اکتساب کریں گے تاکہ حقیقت کا ادراک ممکن ہوسکے ۔

دنیائے نفس ذکر، ذکراور قرآن

Psyche's World, Rememberance, Masculine and Quran

ولذکر اللہ اکبرؕ (۲۰۰)

ترجمہ:۔ اور اللہ کا ذکر تو یقیناً سب سے بڑھ کر ہے۔

ذکر:۔

لغت کے اعتبار سے ذکر کا مفہوم کچھ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ:۔

الذکر تارۃ یقال ویراد به هیئة للنفس بها یمکن للانسان ان یحفظ ما یقتنیه من المعرفة.
الذکر ذکر ان ذکر بالقلب و ذکر باللسان و کل واحد منهما ضربان ذکر عن نسیان و ذکر لاعن نسیان بل عن ء ادامة الحفظ و کل قول یقال له ذکر. (۲۰۱)

اردو مفہوم:۔ ذکر اس کی روٹ ہے الذکر یہ کبھی تو اس ہیئت نفسانیہ پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنے علم کو محفوظ رکھتا ہے بعض نے کہا کہ ذکر دو قسم پر ہے ذکر قلبی اور ذکر لسانی۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک دو قسم پر ہے نسیان کے بعد کسی چیز کو یاد کرنا یا بغیر نسیان کے کسی کو ہمیشہ یاد رکھنا، اور ہر قول کو ذکر کہا جاتا ہے۔

اس مفہوم کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ذکر تو ایک فطری نفسی قدر کے طور پر ہے لیکن کیا کیجئے کہ انسان اس فطری نفس قدر کو بسا اوقات بالائے طاق رکھ دیتا ہے تو پھر وہ نسی کے مقام پر آ جاتا ہے۔ اس لئے یہ دوسری فطری نفسی قدر جو کہ منفی ہے قرار پاتی ہے۔ چنانچہ رب العالمین نے اس کے لئے اصول ترتیب دیا ہے جسے اصول ذکر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

اصول ذکر:۔

اللہ رب العزت نے اپنی مشیئت کو اصول وقوانین کے پیرہن میں لپیٹ دیا ہے۔ جو جیسا عمل کرتا ہے اس کے موافق ہی پھل پاتا ہے۔ اگر انسان ذکر کی خصوصیت کو اپنانا چاہتا ہے تو اس کے لئے یہ اصول موجود ہے کہ:۔

فاذکرونی اذکرکم (۲۰۲)

ترجمہ:۔ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔

اصول نسی:۔

اور جو کوئی اپنی ہمیشہ ساتھ رہنے والی قدر ذکر کو استعمال کرے گا اور اس سے استفادہ نہیں اٹھائے گا۔ تو اس کے لئے اللہ کا اصول اٹل ہے۔ کیونکہ تعلق ہمیشہ دوطرفہ Two Sided ہوتا ہے۔ یک طرفہ One Side عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ عام دنیا میں تعلق کی جڑیں وہیں گہری ہوتیں ہیں جہاں مستقل بنیاد ہو۔ لہٰذا ارشاد باری ہوتا

ہے کہ:۔

الّذین اتّخذوا دینهم لهواً وّلعباً وغرّتهم الحیٰوة الدّنیا فالیوم ننسٰهم کما نسوا لقآء یومهم هٰذا (۲۰۳)

ترجمہ:۔ وہ کہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنالیا تھا اور کمینی زندگی نے انہیں دھوکہ دیا تھا پس آج کے دن ہم نے انہیں بھلا دیا ہے جس طرح کہ انہوں نے اپنی آج کی ملاقات کو بھلا دیا تھا۔

نسیان کا ازالہ اور اللہ کی ذمہ داری:۔

خوش قسمتی ہے انسان کی کہ رب تعالیٰ نے اسے گمراہیوں اور بھول بھلیوں میں تنہا نہیں چھوڑا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان خطا کا پتلا ہے بار بار خطائیں کرتا ہے۔لہٰذا نسیان کے ازالہ کا تصور بھی ہر ذکر کو دے دیا۔ یاد رہے ذکر ایک صفت ہے جو کہ مرد میں اور عورت دونوں میں یکساں ودیعت کی گئی ہے۔جس کا مقصد یہ ہے کہ شاید کہ وہ اس جانب سوچے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ نے ارشاد فرمایا کہ:۔

واذا رایت الّذین یخوضون فیٓ اٰیٰتنا فاعرض عنهم حتّٰی یخوضوا فی حدیثٍ غیرهٖ واِمّا ینسینّک الشّیطٰن فلا تقعد بعد الذّکرٰی مع القوم الظّٰلمین ○ وما علی الّذین یتّقون من حسابهم مّن شیءٍ وّلٰکن ذکرٰی لعلّهم یتّقون ○ (۲۰۴)

ترجمہ:۔ اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیت میں کج بحث سے کرتے ہیں تو ان سے گریز کر جب تک کہ وہ کسی دوسری حدیث پر گفتگو نہ کرنے لگیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھ۔اور وہ لوگ جو متقی ہیں ان کے ذمہ حساب میں سے کوئی شے نہیں ہے لیکن یاد دہانی کرا دیں۔شاید کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

ذکر کی حقیقت:۔

ذکر:. والذکر ضد الانثی. وجمعه ذکور و ذکران. وجعل الذکر کنایة عن العضو المخصوص. (۲۰۵)

اردو مفہوم:۔ الذکر نر یا انثیٰ کی ضد ہے اور اس کی جمع ذکور اور ذکران آتی ہے۔اور ذکر کا لفظ بطور کنایہ عضو تناسل پر بھی بولا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ذکر کی حقیقت پرسے پردہ کچھ اس طرح ہٹایا گیا ہے کہ۔

هل اتی علی الانسان حین مّن الدّهر لم یکن شیاً مّذکوراً ○ (۲۰۶)

ترجمہ:۔ کیا انسان پر زمانے میں ایسا وقت نہیں گزرا کہ وہ کوئی قابل ذکر سے نہ تھا۔

اہل لغت کے نزدیک حقیقت ذکر سے متعلق کچھ اس طرح لب کشائی ہوئی ہے کہ:۔

ای لم یکن شیٔا موجودا بذاته وان کان موجودا فی علم اللہ تعالیٰ وقولہ او لا یذکر الانسان انا خلقناہ من قبل (۲۰۷)

اردو مفہوم:۔ شیأ مذکورا کے معنی یہ ہیں کہ بذات خود اس کا وجود نہ تھا اگرچہ علم الٰہی میں اس وقت بھی موجود تھا۔ قرآن میں فرمایا کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان شیأ مذکورا تھا تو پھر اللہ نے انسان کو قابل ذکر کیسے بنایا؟

ذکر کی مائیت نفسی:۔

وما ارسلنا من قبلک الاّ رجالا نّوحی الیھم فسئلو آاھل الذّکر ان کنتم تعلمون ۝ بالبیّنٰت والزّبرؕ وانزلنا الذّکر لتبیّن للنّاس ما نزّل الیھم ولعلّھم یتفکّرون۝(۲۰۸)

ترجمہ:۔ اور تجھ سے پہلے بھی جو ہم نے رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے۔ ہم نے ان پر وحی کی پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ واضح نشانیوں اور صحیفوں کے ساتھ اور تجھ پر ہم نے ذکر نازل کیا تاکہ تو لوگوں پر کھول کر بیان کردے جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے اور شاید کہ وہ غور کریں۔ (۲۰۸)

ذکر کو ذکر پر نازل کرنا سنّت الٰہی ہے اس لئے فطرت بھی اس کی متقاضی واقع ہوئی ہے لہٰذا ذکر ذکر کی زمین پر نازل ہوتا ہے تو یہ اسے Concieve کر لیتی ہے۔ اس طرح ذکر اور انثیٰ کی قوت اشتراک عمل سے ذکر نفس کی زمین پر بو دیا جاتا ہے تاہم الہام اور نفسی تولیدی عمل میں ایک بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ اپنے ذکر کو جب نبی پر نازل فرماتا ہے تو نبی اسے As it is کی بنیاد پر بیان کر دیتا ہے جبکہ انسان جب کوئی بات سنتا ہے اور اسے سمجھنا چاہتا ہے تو اس دوران نفسی تولید کئی مراحل سے گزرتی ہے پھر وہ اس سوچ کو قیاسی معنی پہنا کر بیان کر دیتا ہے۔ اس لئے اگر اس عمل کو نفسی امشاج کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا لہٰذا ذکر کی مائیت نفسی کے ادراک کے لئے ہم دو پہلوؤں سے جائزہ لیں گے۔

۱...... نفسی امشاج اور اس کی کارفرمائیاں

۲...... نفوس کے جوڑے طیب وخبیث کے حوالے سے

نفسی امشاج اور اس کی کارفرمائیاں

انّا خلقنا الانسان من نّطفۃٍ امشاجٍ نّبتلیہ فجعلنٰہ سمیعًا بصیرًا۝

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے انسان کو نطفہ امشاج سے خلق کیا تاکہ اس کی آزمائش کریں پس ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا۔ (۲۰۹)

م ش ج ای اخلاط من الادم و ذٰلک عبارۃ عمّا جعلہ اللّٰہ تعالیٰ بالنطفۃ من القوی المختلفۃ المشارالیھا. (۲۱۰)

اردو مفہوم؛۔ مشج :۔مخلوط تے،یعنی خون کے مختلف خلطوں سے،اور مختلف خلطوں سے مختلف قوی مراد ہے۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے معنی مخلوط شے کے ہیں۔ یہی بات ظاہر کرتی ہے کہ نفس انسانی Breaking اور Fracturing کے مرحلے سے دو چار رہتا ہے۔نفس کی دنیا میں جب ایک نظریہ الٰہی کے ساتھ دوسرا نفسی وقیاسی نظریہ آئے تو پھر ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اُنثیٰ ان دونوں نظریات کو Concieve کرتی ہے۔اور جس شے کو وہ Concieve کرتی ہے وہ ذکر ہوتا ہے۔ جو اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی۔ اس مرحلہ پر آ کر جب نظریات کی یلغار ہوتی ہے۔اور جنگ چھڑ جاتی ہے تب انسان اپنی Senses کا استعمال کرتا ہے۔ یا پھر نہیں کرتا اس طرح نفسی تولیدی عمل کا نتیجہ مرتب ہو جاتا ہے۔لہٰذا یا تو انسان نفسی طور پر مستقیم بن جاتا ہے اور شکر گزاروں کی فہرست میں نام شامل ہو جاتا ہے یا پھر اس لمحے وہ ناشکرا بن جاتا ہے۔

اول الذکر کے تحت انسان انسانیت کے مقام کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے۔

مؤخر الذکر کے مطابق انسان حیوانیت کی حدود سے بھی باہر ہو جاتا ہے۔

چنانچہ اس طرح انسان اپنی نفسی تولیدی عمل کی بناء پر یا تو Humanity کی سطح پر ہوتا ہے یا پھر Animality کی۔ اس سارے عمل کو ہم اس طرح با آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ دراصل انفس و آفاق پر سات فطری قوانین کا اطلاق ہے۔درج ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

سات قوانین فطرت	Seven Laws of Nature
۱) قانون تنزیل وحی/نفسی تولید	i) Law of Revealation / Pro-creation
۲) قانون ایصال	ii) Law of Given
۳) قانون وصول	iii) Law of Taken
۴) قانون ٹوٹ پھوٹ برائے وضع	iv) Law of Breaking and Fracturing
۵) قانون پیداوار	v) Law of Produce
۶) قانون نشوونما	vi) Law of Develop
۷) قانون خروج	vii) Law of Deliver

ان سات فطری قوانین کا اطلاق نفس انسانی کی سطح پر ہوتا ہے۔تب پتہ چلتا ہے کہ انسان نے حق کو اختیار کیا یا پھر باطل کو۔پہلی صورت میں انسانیت نظر آئے گی اور دوسری صورت میں حیوانیت کا مظہر قرار پائے گا۔

(ضمیمہ جات نمبر ا میں سات فطری قوانین کے اطلاقی عمل کا چارٹ نمبر ۴، ص نمبر ۴۹۳ پر ملاحظہ ہو۔)

سورۃ الدھر میں اللہ نے امشاج کی وضاحت ایک ہی جگہ دو بیانات یا دو موضوعات کے ساتھ کی۔ ایک تو یہ کہ امشاج کے ساتھ نطفہ لگا کر اسے وجودی بیان اور موضوع بنا دیا۔اور دوسرے یہ کہ نطفۃ امشاج کو نشانی کے طور پر بیان کر دیا اور کہہ دیا کہ:۔

انّا خلقنا الانسان من نّطفةٍ امشاجٍ نّبتلیه فجعلنٰه سمیعًا بصیراً ○ انّا ھدینٰه السّبیل امّا شاکراً وّامّا کفوراً ○ (۲۱۱)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے انسان کو ملے جلے نطفے سے خلق کیا کہ اس کی آزمائش کریں پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنادیا یقیناً ہم نے اسے راہ دکھلادی خواہ وہ شکر گزار ہے یا ناشکرا۔

اس طرح حواس خمسہ جو کہ ذکر کے لئے قوت ایصال یعنی Given Power کا درجہ رکھتے ہیں۔ نیز قوت وصول یعنی Taken Power کے لئے مضبوطی، استحکام اور تقویت کا باعث بنتے ہیں، کا ذکر کر دیا۔ اور تیسری جانب نفس کو راہ مستقیم دکھلادی کا مطلب یہ ہوا۔ کہ نفس کی Concieving Power کو اتنا درست بنایا کہ اس کے لئے کوئی مشکل، مشکل نہ رہی۔ اور پھر اسے آزمائش میں ڈالنے کے لئے وضع کیا۔ لہٰذا جب نفس نے نتیجہ مرتب کیا تو وقت آنے پر اسے ظاہر یعنی Deliver کر دیا۔ اس طرح نفس نے اپنی تولیدی فکر کو انجام کار تک پہنچا دیا۔

قرآن حکیم میں اسی لئے نفس کے زوج کا ذکر اس قدر واضح طور پر کیا ہے کہ نوعی اور نفسی دونوں لحاظ سے اس کو بیان کر دیا ہے مگر الگ الگ طور پر۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

☆ واللّٰه جعل لکم مّن انفسکم ازواجاً وّجعل لکم مّن ازواجکم بنین و حفدةً وّرزقکم مّن الطّیّبٰت افبالباطل یؤمنون و بنعمت اللّٰه ھم یکفرون ○ (۲۱۲)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے تمہارے لئے نفسوں میں سے جوڑے بنائے تمہارے لئے، اور تمہارے لئے بنائے تمہاری ازواج میں سے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاک و پاکیزہ رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان رکھیں گے؟ اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے؟

☆ الّذی خلقکم من نّفسٍ وّاحدةٍ وّ خلق منھا زوجھا وبثّ منھما رجالاً کثیراً وّنساءً (۲۱۳)

ترجمہ:۔ جس نے تمہیں نفس واحدۃ سے خلق کیا اور اس کی نوع سے اس کا جوڑا خلق کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں پھیلا دیں۔

اگر ہم مرد و عورت کی نوع کی خصوصیات کا جائزہ لیں تو ایک بات جو کہ طے شدہ ہے وہ ہمارے سامنے آتی ہے اور وہ یہ کہ مرد مضبوطی کی علامت ہی نہیں بلکہ نگران بھی ہیں۔ اور عورت نزاکت ہی کی علامت نہیں بلکہ ملکہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لحاظ سے قوی ہونا طیب پر دلالت کرتا ہے اور کمزور ہونا محتاجی پر نیز جب ہم الذکر کا جائزہ لیتے ہیں تو اس میں جتنی اچھائیاں ممکنات میں ہیں وہ بھی مذکور ہیں اور جتنی برائیاں ممکنات نفس میں ہیں وہ بھی مذکور ہیں۔ سو اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نفوس کی حالت دو قسم کی ہے طیب و صالح اور خبیث و بد، اس لئے قانون یہ ہے کہ صالح صالح کے ساتھ اور بد بد کے ساتھ رہتا ہے اور رہے گا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ جبکہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

واذاالنّفوس زوّجت ○ (۲۱۴)

ترجمہ:۔ اور جب نفوس کے جوڑے ملا دیئے جائیں گے۔

لہٰذا جو نبی کے نقش قدم کے مطابق چلیں وہ مرد ہوں یا عورت وہ اللہ کے عبد شمار ہوں گے بصورت دیگر شیطان کے۔ اب ہم الہامی نفسی تولید کی حیران کر دینے والی معراج کا ذکر کریں گے جسے قرآن نے نہایت شرح بسط سے بیان کیا ہے۔ تاکہ ذکر، ذکر اور انثیٰ کی حقیقت کا ادراک ہو سکے۔

نفسی تولید کی معراج دنیائے موجودات میں

فطرت کائنات کی عادت یہ ہے کہ مؤنث بوجھ اٹھاتی ہے اور ڈلیور کرتی ہے۔ نفس واحدۃ مؤنث ہے اس پر جب ذکر کا نزول ہوتا ہے تو وہ کیا صورت اختیار کرتی ہے۔ قرآن نے اسے حضرت مریمؑ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ شاید عورت کے نبی نہ بنائے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

حضرت مریمؑ کے نفس کا پیغام الٰہی کو سننا اور وضع کرنا:۔

حضرت مریمؑ کے نفس کی معراج کو قرآن نے تذکرۂ مریم کہا ہے۔ اور حکم ہے کہ اس کو مزید آگے تک پہنچایا جائے تاکہ ہر نفس یہ جان لے کہ یہ کسی بھی نفس واحدۃ کی وہ حد ہے کہ جہاں ناممکن بات بھی ممکنہ صورت میں حقیقت کا روپ دھار سکتی ہے۔ مگر اس کی شرط یہ ہے کہ وہ دنیائے موجودات میں Principal of Natural Selection کے ذریعے منتخب ہوں اور مشیئت الٰہی اس کی پسندیدگی کا اظہار کرے اور تب وہ تمام عالمین کے لئے برگزیدہ بن جائے گی۔

ایسا عمل کسی انسان کے بس کی بات نہیں یہ تو نفس مطمئنہ کی وہ معراج ہے جسے رب نے نشانی بنا کر ہم انسانوں کے سامنے پیش کیا۔ یاد رہے کہ Symbol ایک ہی ہوتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے تمام عالمین میں آپ کے نام کا ایسا بول بالا ہوا کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ یعنی کہ قرآن پاک میں سورۃ نمبر ۱۹ کو آپ کے نام سے منسوب کر کے دوامیت بخشی۔ یہ وہ کامیابی ہے کہ ایسی کامیابی کسی گینز بک آف ریکارڈز میں نہیں ہوگی جیسی کہ اللہ نے اپنی لوح محفوظ میں ریکارڈ کر لی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

واذکر فی الکتٰب مریمؑ اذا نتبذت من اھلھا مکاناً شرقیاًO فاتخذت من دونھم حجاباً فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویاO (۱۹:۱۶-۱۷)

ترجمہ:۔ اور کتاب میں تذکرہ مریم کو۔ جب اس نے اپنے اہل خانہ سے حجاب اختیار کر لیا۔ اور ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو بھیجا پس اس کے لئے اس نے ٹھیک ٹھاک بشر کا روپ دھار لیا۔

یہاں ہمیں آموزش کرائی جا رہی ہے تاکہ ہم نوعیت کا ادراک صحیح طور پر کر سکیں۔ یعنی اللہ کی Spirit بشر کی صورت اختیار کر گئی۔ یہ اس لئے کہ حضرت مریم یقین کر لیں کہ جب روح Human Form میں تبدیل ہو سکتی ہے تو اس اللہ کے لئے کوئی کام کر دینا کوئی مشکل بات نہیں وہ شب و روز یہی کرتا رہتا ہے۔ اس طرح ایک جانب حضرت مریمؑ

کے نفس کو تقویت بخشی تا کہ وہ اگلے مرحلے کو بحسن وخوبی نبھا سکیں۔ اور پھر یہ کہ دنیائے موجودات کے سامنے حضرت مریمؑ کے نفس کے تزکیہ اور نفس کی معراج کی جھلک دکھائی جائے۔ اور یہ کہ اتمام حجت کے لئے بھی ایسا کرنا لازمی تھا، تا کہ تخلیق آدم کے لئے دلیل فراہم ہو۔ لہٰذا جب فرشتہ آیا تو حضرت مریمؑ نے فرمایا:۔

قالت انّٰی یکون لی غلٰم وّلم یمسسنی بشر وّلم اک بغیًّا ○ قال کذٰلکِ قال ربّک هو علیّ هیّنٌ ولنجعلهٗ اٰیةً لّلنّاس و رحمةً مّنّا وکان امرًا مّقضیًّا ○ فحملته فانتبذت بهٖ مکانًا قصیًّا ○ (۲۱۶)

ترجمہ:۔ کہا میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور تا کہ ہم اس کو لوگوں کے لئے ایک نشانی اور اپنی طرف سے رحمت قرار دیں اور یہ امر تو طے شدہ ہے۔ پس اس نے اس کو اٹھا لیا اور اس کے ساتھ ایک اور مقام پر چلی گئی۔

جب آپ کی سیرت اتمام حجت بن گئی تو پھر پیغام الٰہی کو Law of Giver کے تحت دے دیا گیا۔ دوسری جانب چونکہ آپ نفس کی اس طہارت کے مقام پر پہنچ گئی تھیں کہ جہاں سوائے پاکیزگی کے کچھ نہ تھا۔ اور نفسی ایمان کے اس مقام پر پہنچ گئی تھیں کہ جہاں سوائے یقین کی دولت کے اور کچھ نہیں ہوتا لہٰذا نفسی یقین کی معراج کو اس طرح پایا کہ آپ پر Law of Concieving لاگو ہو گیا کیونکہ رب العالمین کی رحمت اور نشانی قیامت تک کے لئے بننا تھا۔ لیکن اللہ نے یہ بات فرما کر منکرین کے منہ بند کر دیئے کہ یہ ایک طے شدہ امر تھا۔ اور جسے اللہ طے کر لے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ جو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

تاہم نفسیاتی اعتبار سے ان آیات میں حقیقت منکشف ہو رہی ہے کہ نفس واحدۃ نے اپنی Concieving Power کو استعمال کیا۔ اور جب اسے Concieve کر لیا تو پھر Given اور Taken کا مرحلہ پورا ہو گیا۔ بلاشبہ یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ کیونکہ انسان کی عزت وآبرو پر آنچ آئے اس سے بڑی قربانی اور کیا ہوسکتی تھی۔ لہٰذا جب آپ حامل پیغام قرار پائیں تو دور مقام پر چلی گئیں تا کہ اللہ کے کلمات کی روح صحیح طور پر وضع ہو جائے۔ اور آپ اپنی اس آزمائش میں رب تعالیٰ کے آگے سرخرو ہو سکیں۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان اس آرزو میں مخل ہو جائے۔ نفس انسانی کی اس کیفیت کو قرآن میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ جب آپ پر Law of Delivery نافذ ہوا تو کچھ ایسی صورت حال درپیش ہوئی ہے کہ آپ یہ کہہ اٹھیں:۔

فاجآءها المخاض الی جزع النّخلة قالت یٰلیتنی متّ قبل هٰذا و کنت نسیًا مّنسیًّا ○ (۲۱۷)

ترجمہ:۔ پس دردزہ اس کو ایک کھجور کے درخت کے تنے تک لے آیا۔ اس نے کہا، اے کاش کہ میں اس سے قبل ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی۔

جب حضرت مریم آزمائش کی سختی کو محسوس کیا تو اللہ سے شکایت نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ کاش میں اس سے قبل مر گئی ہوتی اور بھولی بسری یاد بن جاتی۔ بات یہ ہے کہ بندہ کاش کا لفظ استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ اگر کسی اصول پسند کو بڑی ذمہ داری مل جائے تو لازمی ہے کہ وہ اپنے منصب کے بوجھ کو اپنے کاندھوں پر محسوس کرے گا۔

تو اگر کبھی وہ یہ کہہ دے کہ کاش میں ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا تو کم از کم اتنے بڑے امتحان سے تو نہ گزرنا پڑتا۔ ایسے جملے کہنے پر کوئی حرج نہیں ہے۔ لہٰذا سزا کا قانون لاگو نہیں ہوتا۔ یہ تو فقط انسانی جذبات ہیں جس کے لئے اظہار پر کوئی سزا نہیں۔ بہر حال یہ ایک نقطہ تھا جس کی وضاحت کی۔ ہم دوبارہ اسی جانب آتے ہیں جہاں سے سلسلہ شروع کیا تھا جب حضرت مریمؑ نے ذکر الٰہی کو اپنی صفت ذکر کے طفیل مضبوطی سے تھاما تاکہ اسے جیسا ہے اسی بنیاد پر آگے پہنچا سکے لہٰذا پھر اسے انسان کی صفت مؤنث نے اسے محفوظ صورت میں Concieve کر لیا تو پھر بھلا Law of Delivery کے وقت اصول نسی کیونکر لاگو ہوسکتا تھا؟ یہ تو وہ وقت تھا کہ جب ذکر اپنی فیضیابی کے طفیل نمو پا کر کمال کو پہنچ رہا تھا۔ کیونکہ وہ بیرونی دنیا کے تشنہ اذہان کی سیرابی کا باعث بننے والا تھا۔ کیونکہ اب وہ پختہ صورت اختیار کر چکا تھا۔ تب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت مریمؑ سے کہلوایا کہ:۔

فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًاۙ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّاۚ۝ (۲۱۸)

ترجمہ:۔ اور پھر اگر تو کسی بھی بشر کو دیکھے تو کہہ کہ میں نے رحمٰن کی نذر کا روزہ رکھا ہے پس آج میں کسی انسان سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔

اس لئے کہ جب کلام ہی تمام ہو جائے اور اپنے شباب پر پہنچے تو پھر بھلا مریمؑ کیوں کسی اور سے ہم کلام ہوں۔ لہٰذا آپ کو آپ کی محنت کا پھل مل گیا۔ تب حضرت مریمؑ اپنے اس کلمۂ الٰہی کے ساتھ اپنی قوم کے پاس آئیں اور کہا:۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗؕ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا۝ (۲۱۹)

ترجمہ:۔ پس وہ اس کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی انہوں نے کہا۔ اے مریم بلاشبہ تو نے ایک انہونا کام کیا ہے۔

نفس واحدۃ سے عیسیٰ کی پیدائش کا زندہ ثبوت صرف اس قوم کو حیران کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ قیامت تک وہ ان لوگوں کو حالت حیرانی میں مبتلا رکھے گا۔ جو لوگ اللہ کے کلمے پر یونہی شک کرتے ہوں گے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تذکرہ بالکل سچ ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ۝ (۲۲۰)

ترجمہ:۔ عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں یہی سچ بات ہے جس میں کہ وہ شک کرتے ہیں۔

جہاں تک شک کی بات ہے تو اس کی دو وجوہات ہیں ایک یہ کہ علمی دنیا میں جو بات ناممکن ہو وہ اللہ کے علم سے ممکن ہو جائے تو معجزہ کہلاتی ہے کیونکہ عام طور پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دوم یہ کہ نفس انسانی حیران کن دنیا ہے اور یہ تو نفسی معراج ہے بلکہ نفسی معراج کی وجہ سے بڑی وجودی دلیل ہے۔

روایت ہے کہ ہمیشہ اولاد کو باپ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی یہی قانون لاگو ہے چونکہ کتاب اذن الٰہی کا شاہکار عظیم تھے اس لئے جب ذکر نے ذکر کی صورت اختیار کر لی تو ایک کلمہ قرار پائے۔ اور چونکہ

ولادت میں ماں ظاہری وجود کی حامل تھی اس لئے آپ آدم ثانی نہ کہلائے بلکہ المسیح عیسیٰ بن مریم کہلائے ۔ بے شک آپ دنیا کی واحد ہستی ہیں جو ماں کے نام سے منسوب ہے ۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو :۔

اذقالت الملٰئکۃ یٰمریم انّ اللّٰہ یبشّرک بکلمۃٍ منہُ اسمہ المسیح عیسیٰ ابن مریم (۲۲۱)

ترجمہ :۔ جب ملائکہ نے کہا کہ اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام المسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا ۔

آج ذکر کے Eggs فریز کر کے کسی بھی انثیٰ کے رحم سے بے بی کو پروان چڑھایا جا سکتا ہے مگر ایسا کرنے کے باوجود بھی بچے کو باپ کے نام سے منسوب کرنا پڑے گا کیونکہ یہی دنیاوی دستور ہے ۔ سوائے آپ علیہ السلام کے، کوئی بھی اپنی ماں کے نام کے ساتھ منسوب نہیں لہٰذا اس مقام پر تمام شک وشبہات ختم ہو جانے چاہئیں ۔ اور اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ آیت ایک اہم نقطہ کا پتہ دیتی ہے ۔ وہ یہ کہ یہ فقط ایک کلمہ کی کارفرمائی ہے ۔ ذرا سوچیں ! اگر کلمات نازل ہو جائیں تو پھر کیا ہو؟

یہ وہ Dimention ہے جو ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اللہ کسی نفس پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا جس کی کہ وہ اہلیت نہ رکھتا ہو ۔ اسی لئے آج تک دنیائے موجودات میں رسول اور نبی آئے وہ سارے کے سارے مذکر تھے ۔ اس لئے اللہ کے پیغام کو مضبوطی سے تھام کر آگے پہنچاتے رہے ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ :۔

وماَ ارسلنا من قبلک الاّ رجالاً نّوحیٓ الیھم فسئلوآ اھل الذّکر ان کنتم لا تعلمون ○ بالبیّنٰت والزّبر و انزلنآ الیک الذّکر لتبیّن للنّاس ما نزّل الیھم ولعلّھم یتفکّرون ○ (۲۲۲)

ترجمہ :۔ اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے جو رسول بھیجے وہ مرد ہی تھے ہم نے ان پر وحی کی ، پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھ لو ۔ واضح نشانیوں اور زبر کے ساتھ اور تجھ پر ہم نے ذکر نازل کیا تاکہ تو لوگوں پر کھول کر بیان کردے جو انکی طرف نازل کیا گیا ہے اور شاید کہ وہ غور کریں ۔

چنانچہ جب ذکر کو ذکر نے یا انثیٰ نے تھاما تو پھر ایمان و عمل کا سلسلہ چل پڑا ، قلب و دماغ روشن ہوئے ۔ اور بیوت میں ذکر الٰہی ہونے لگا ۔ روشنی اپنے سفر کی جانب رواں ہوئی تو خارجی کیا باطنی سارا ماحول ذکر الٰہی میں مشغول ہوگیا ۔ قرآن میں اس ماحول کا ذکر کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ :۔

فی بیوتٍ اذن اللّٰہ ان ترفع و یذکر فیھا اسمہٗ یسبح لہ فیھا بالغدوّ والاٰصال ○ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃٌ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ و اقام الصّلوٰۃ لا وایتآء الزّکوٰۃ یخافون یوماً تتقلّب فیہ القلوب والابصار ○ (۲۲۳)

ترجمہ :۔ وہ کچھ گھروں میں ہے جن کو اللہ نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے اور جن میں اس کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں صبح و شام اس کے لئے تسبیح کی جاتی ہے ۔ وہ مرد ہیں جنہیں کوئی تجارت یا خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور صلوٰۃ کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی وہ ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں دل اور

آنکھیں تلپٹ کر دی جائیں گی۔

زوج بہ اعتبار کیفیت طیب وخبیث کے حوالے سے

واذا النّفوس زوّجتۡ ○ (۲۲۴)

ترجمہ:۔ اور جب نفوس کے جوڑے ملا دیئے جائیں گے۔

قانون قدرت یہ ہے کہ کھارا پانی میٹھے پانی میں مل نہیں سکتا بالکل اسی طرح طیب نفوس کے حامل خبیث نفوس سے نہیں مل سکتے۔ کیونکہ یہ دونوں علیحدہ فکر اور علیحدہ ماحول کی پیداوار ہیں لہٰذا مقصد زندگی بھی علیحدہ ہے۔ ذہن اور نفس میں ایک قدر مشترک ہے۔ یعنی اگانے کی صلاحیت۔ اس لحاظ سے زمین کی فطرت کو مدنظر رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ زمین میں کسی بھی قسم کا بیج ڈالا جائے تو اپنا کام کر دکھاتی ہے اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ پھل دار اور مفید درخت و پودا ہے یا پھر کڑوا زہر اور کانٹے دار ہے۔ بالکل اسی طرح نفس انسانی بھی اپنا کام کر دکھاتا ہے۔ تاہم زمین اور نفس میں بڑے جزیرے حائل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ مگر یہاں فطرت مستقیم کے لحاظ سے بات ہو رہی ہے۔ اس لئے نفس انسانی کی زمین پر طیب شجر بھی پروان چڑھ سکتا ہے اور خبیث شجر بھی۔

لہٰذا افراد باعتبار نفوس دو قسم کے ہوں گے، یا تو وہ طیب فطرت کے حامل ہوں گے یا پھر خبیث فطرت کے۔ طیب نفوس کے حامل افراد کلمۂ طیب کے ماننے والے ہوں گے اور خبیث نفوس کے حامل کلمۂ خبیثہ کے پیروکار ہوں گے۔

۱)...... شجر طیبہ اور حقیقت نفس:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے طیب نفوس کے حامل افراد کی مثال بیان فرمائی ہے اس کی صفات معراج المومنین کا ذریعہ بنتی ہیں۔ نفس کو ارتفاع ہی نہیں ملتا بلکہ وہ نہایت بلند و بالا اور مضبوط بنیادوں پر مستقیم ہو جاتا ہے۔ اور استقامت فی الدین کی منزل کے مزے لوٹتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلاً کلمةً طیبةً کشجرةٍ طیّبةٍ اصلها ثابت وّ فرعها فی السّماءِ ○
تؤتیۤ اکلها کلّ حین باذن ربّها ؕ ویضرب اللّٰہ الامثال للنّاس لعلّهم یتذکّرون ○ (۲۲۵)

ترجمہ:۔ کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ کلمۂ طیبہ کی مثال کس طرح دیتا ہے؟ اس کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں وہ ہر موسم میں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۲)......شجر خبیثہ اور حقیقت نفس:۔

جو لوگ خبیث فطرت کے حامل ہیں۔ وہ ہمیشہ غیر مستقیم ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا مقدر ہمیشہ تزلزل پاء کی منزل

ھوتا ہے۔ یہ انتہائی غیر پائیدار نظریات رکھتے ہیں۔جن کی وجہ سے ان کی دنیا بھی برباد ھوتی ہے اور آخرت تو ہے ہی برباد کیونکہ یہ کلمۂ خبیثہ کے پیروکار ہوتے ہیں۔اور نفس انسانی کی زمین پر جب کلمۂ خبیثہ اگ جاتا ہے۔تو پھر انسان فطرت کے منافی زندگی گزارنے لگتا ہےلہٰذا اس کی حقیقت کے بارے میں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومثل کلمۃٍ خبیثۃٍ کشجرۃٍ خبیثۃٍاجتثّت من فوق الارض ما لھا من قرارٍO (۲۲۶)

ترجمہ:۔ اور کلمۂ خبیثہ کی مثال شجر خبیثہ کی سی ہے جو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا ہو۔اسے ثبات نہیں۔

شجر طیبہ اور شجر خبیثہ کی حقیقت سے نفس کے طیب اور خبیث ہونے کی حقیقت کا ادراک بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۳)......قانون طیب اور خبیث:۔

طیب اور خبیث علیحدہ علیحدہ دو صفتیں ہیں۔ایک کا تعلق مثبت قدر سے ہے اور دوسرے کا منفی قدر سے ......لہٰذا اضداد کے اعتبار سے یہ دونوں جوڑے ہو سکتے ہیں پر نفوس کے اعتبار سے ہرگز نہیں۔اس لئے کہ قانون الٰہی ہمیں نفوس کی حقیقت کا ادراک کراتا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الخبیثٰت للخبیثین والخبیثون للخبیثٰتۚ والطّیّبٰت للطّیّبین والطّیّبون للطّیّبٰتۚ اولٰٓئک مبرّءُون ممّا یقولونؕ لھم مّغفرۃ وّ رزق کریمٌO (۲۲۷)

ترجمہ:۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے اور پاک و پاکیزہ عورتیں پاک پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاک پاکیزہ مرد پاک و پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں۔وہ اس سے بری ہیں۔جو کچھ وہ بکواس کرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور باعزت رزق ہے۔

۴)......قانون طیب وخبیث کا اطلاق:۔

اللہ رب العزت جو کہتا ہے سو کرتا ہے۔لہٰذا تمام جن وانس مل کر بھی اگر حق کو باطل کا لباس پہنانے کی کوشش کریں تو وہ ایسا کرنے سے عاجز ہیں، عاجز رہے ہیں اور عاجز ہی رہیں گے۔ہاں البتہ جو مہلت رب کریم نے انہیں فراہم کی ہے وہ اس کے طفیل جتنا چاہیں دنیاوی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔علاوہ ازیں وہ اپنے گناہوں میں بھی زیادتی کرتے چلے جائیں۔لیکن اللہ کے قانون کا اطلاق واضح ہو کر رہتا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ماکان اللّٰہ لیذر المؤمنین علٰی مآانتم علیہ حتّٰی یمیز الخبیث من الطّیّبؕ وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولٰکنّ اللّٰہ یجتبی من رّسلہٖ من یّشآءُ فاٰمنوا باللّٰہ و رسلہٖۚ و ان تؤمنوا وتتّقوا فلکم اجر عظیم O (۲۲۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ صاحبان ایمان کو اس حالت میں چھوڑنے والا نہیں ہے جس میں کہ تم ہو۔تا آنکہ وہ پاک لوگوں کو خبیث لوگوں سے الگ نہ کر لے اور اللہ تمہیں غیب سے مطلع کرنے والا نہیں مگر اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔بس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ۔اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے

تو تمہارے لئے اجر عظیم ہوگا۔

ان آیات مقدسہ میں اللہ نے واضح طور پر مومنین کو خوشخبری سنا دی ہے۔ کہ پاک و پاکیزہ نفوس کے حامل لوگوں کو اللہ خبیث لوگوں سے جدا کر دے گا۔ اس لئے کہ یہی اس کا قانون قدرت ہے لہٰذا جو لوگ ایمان بالغیب پر ایمان لائیں گے اور رسولوں کے نقش قدم پر چلیں گے تو اللہ دنیا و آخرت دونوں میں انہیں اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ جبکہ بصورت دیگر وہ خسارہ پانے والے لوگ ہوں گے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لیمیز اللّٰہ الخبیث من الطّیّب ویجعل الخبیث بعضہٗ علیٰ بعضٍ فیرکمہٗ جمیعاً فیجعلہٗ فی جھنّم اولٰٓئک ھم الخٰسرون ۞ قل لّلّذین کفروا ان یّنتھوا یغفر لھم مّا قد سلف وان یّعودوا فقدمضت سنّت الاوّلین ۞ (۲۲۹)

ترجمہ:۔ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے الگ کرلے پھر ان سب خبیثوں کو اکٹھا ڈھیر بنا کر جہنم میں ڈال دے یہی تو وہ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ کہہ دے ان لوگوں سے جنہوں نے کہ کفر اختیار کر لیا کہ اگر وہ باز آجائیں تو جو کچھ ہو چکا انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کا وطیرہ یہی رہا تو پھر جو پہلوں پر گزر چکا ہے۔

عمدہ و ناقص زمین اور نفس میں مماثلت:۔

عمدہ و ناقص زمین کا ذکر نفس انسانی کی کیفیت کے لئے بطور استعارہ کے ہے۔ اہل الذکر، اہل علم و دانش کے لئے اس درج ذیل آیت مقدسہ میں واضح طور پر اشارہ موجود ہے۔ کہ نفوس انسانی کی کیفیت بالکل زمین کی سی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والبلدالطّیّب یخرج نباتہٗ باذن ربّہٖ والّذی خبث لا یخرج الّا نکداً کذٰلک نصرّف الاٰیٰت لقومٍ یّشکرون ۞ (۲۳۰)

ترجمہ:۔ اور عمدہ زمین اپنے رب کے حکم سے اپنی نباتات اگاتی ہے اور وہ جو ناقص ہے اس سے سوائے بیکار چیز کے کچھ نہیں اگتا اسی طرح ہم آیت کو ان لوگوں کے لئے جو شکرگزار ہیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔

اس طرح ثابت ہوا کہ طیب و خبیث نفوس پر اس کی کیفیت کی نسبت اللہ کے قانون جزا و سزا کا اطلاق ہوگا۔ اسی کیفیت کے سبب اس کی زندگی کا مقصد اور دائرہ بھی واضح ہو جائے گا آیا کہ وہ Mortal رہنا چاہتا ہے یا پھر Immortality کا حصول چاہتا ہے۔ تاہم اللہ کا فیصلہ اٹل رہا ہے۔ اور اٹل رہے گا۔ کیونکہ تاریخ قرآن یہ بتاتی ہے کہ جنہوں نے اپنے نفس کی زمین پر اپنے رب کے حکم سے کلمۂ طیب کا بیج بویا تھا ان کی زمین نے عمدہ فصل اگا لی۔ لہٰذا اللہ نے ان کو حیات دنیا میں بھی حسنات سے نوازا اور آخرت میں بھی نوازے گا جبکہ ناقص زمین کے مالک خبیث فکر کے متحمل ہی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس فکر کو عملی جامہ پہنایا اور عذاب نے انہیں آن گھیرا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولوطاً اٰتینٰہ حکماً وّ علماً وّ نجّینٰہ من القریۃ الّتی کانت تّعمل الخبٰٓئث انّھم کانوا قوم سوءٍ

فٰسقینO (۲۳۱)

ترجمہ:۔ اور لوط کو ہم نے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا اور اسے ان بستی والوں سے نجات دی جو کہ خبیث اعمال کرتے تھے بے شک وہ ایک بدکار قوم تھے۔

جبکہ نفس کی زرخیز زمین پر عمدہ شے اگانے یعنی کہ کلمۂ طیبہ کے مطابق عمل پیرا ہونے والوں کے متعلق قرآن عمدہ مساکن کا وعدہ ہی نہیں فرماتا بلکہ اپنی خوشنودی کی خبر بھی سناتا ہے۔ جسے قرآن فوز العظیم کہتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وعد اللّٰہ المؤمنین و المؤمنٰت جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا و مسٰکن طیّبۃً فی جنّٰت عدنٍ ورضوان مّن اللّٰہ اکبرُ ذٰلک ھو الفوز العظیمO (۲۳۲)

ترجمہ:۔ اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغات کا وعدہ کیا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور دائمی جنتوں میں نہایت ہی عمدہ مساکن ہوں گے اور سب سے بڑھ کر تو اللہ کی خوشنودی ہوگی وہی تو ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

کیا طیب و خبیث برابر ہو سکتے ہیں:۔

قرآن حکیم والفرقان حمید نے اس پر بے شمار مقامات پر نہایت شرح وبسط سے اس کیفیت نفسی کو بیان کیا ہے اب انسانوں سے جو کہ حواس خمسہ، عقل وادراک رکھتے ہیں ان سے کہلوا رہا ہے کہ:۔

قل لّایستوی الخبیث و الطّیّب ولو اعجبک کثرۃ الخبیثۚ فاتّقوا اللّٰہ یٰاُولی الالباب لعلّکم تفلحون O (۲۳۳)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ خبیث اور پاک و پاکیزہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اگرچہ خبیثوں کی کثرت تمہیں بھلی لگے پس اے صاحبان بصیرت اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

اسی لئے رب کریم نے فرمایا کہ روز قیامت طیب کو طیب کے ساتھ اور خبیث کو خبیث کے ساتھ جوڑوں میں ملا دیا جائے گا۔

خلاصۂ بحث:۔

الغرض یہ پورا کارخانۂ قدرت Principal of Pair Production کے اصول پر قائم ہے۔ خود اللہ نے اس حقیقت کو ہم پر منکشف کیا ہے تا کہ ہم انسان اپنی Given اور Taken Power سے اس جہان کو تسخیر کر لیں۔ اور یہ اس صورت ممکن ہوگا جب ہم معرفت نفس کو جان کر معرفت حق کا ادراک کریں گے اسی لئے رب العزت نے ہمیں غیر یقینی کی منزل سے یقین کی منزل و مقام پر کچھ اس طرح پہنچایا ہے کہ ہمارے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

سبحٰن الّذی خلق الازواج کلّها ممّا تنبت الارض و من انفسهم و ممّا لا یعلمون ○ واٰیۃ لّهم الّیل نسلخ منه النّهار فاذاهم مّظلمون ○ (۲۳۴)

ترجمہ:۔ منزہ ہے وہ جس نے ہر اس شے کو جسے زمین اگاتی ہے اور خود ان کی اپنی جنس کو اور اشیا کو جنہیں وہ نہیں جانتے جوڑے جوڑے خلق کیا۔ اور ان کے لئے رات ایک نشانی ہے اس میں سے ہم دن نکالتے ہیں ورنہ وہ اندھیرے میں ہی رہ جاتے۔

بلا شبہ اگر نفس ذکر کی خصوصیت نہ رکھتا تو واقعی ساری کائنات Only One Side ہی رہتی تو واقعی ہر شے اندھیرے میں ہی رہ جاتی۔ ہر ہر شے، مخلوق بھٹکتی رہتی اور زندگی بے مقصد و بے کار ہو جاتی، لیکن پروردگار نے اصول زوج کے ذریعے ہر لمحے کو، ہر درجے کو زندگی بخشی ہے خود ہماری اپنی زندگی بھی تین ظلمتوں سے نکل کر منظر عام پر آئی ہے۔ اگر یہ اصول تزویج نہ ہوتا۔ تو ہر شے کسی ایک ہی درجے کے اندھیرے میں غرق ہو کر رہ جاتی۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

خلقکم مّن نّفس وّاحدۃٍ ثمّ جعل منها زوجها و انزل لکم مّن الانعام ثمٰنیۃ ازواجٍ یخلقکم فی بطون امّهٰتکم خلقاً مّنۢ بعد خلقٍ فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ ذٰلکم اللّٰه ربّکم له الملک لآ الٰه الّا هو فانّی تصرفون○ (۲۳۵)

ترجمہ:۔ اس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لئے آٹھ مویشیوں کے جوڑے اتارے وہ تم کو تمہاری ماؤں کے بطنوں میں تین ظلمتوں میں اس طرح پیدا کرتا ہے کہ ایک حالت خلق کے بعد دوسری حالت خلق میں گزرتے چلے جاتے ہو۔ وہی اللہ تمہارا پالنہار ہے اسی کو سب اختیار ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے پھر تم کدھر پھرے جاتے ہو؟

واقعی اگر ایک حالت دوسری حالت کو قبول نہ کرتی تو تخلیق کا عمل کیسے ممکن تھا؟ کیا نفس کو کاملیت حاصل ہے؟

تیسرا مرحلہ:۔

تسویہ اور نفس

تسویہ خلق کی وہ سطح ہے کہ جہاں الاعلیٰ وخلق ایک دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ تو پھر اس وابستگی کے نتیجے میں جو شے تخلیق کی جاتی ہے اسے متناسب اور اعتدال جیسی خوبی کا حامل بنانا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الّذی خلقک فسوّٰک فعدلک ○ (۲۳۶)

ترجمہ:۔ جس نے کہ تجھے خلق کیا اور تجھے ٹھیک ٹھاک اور ہر لحاظ سے موزوں بنایا۔

استوٰی یقال علی وجهین احد هما یسنداليه فاعلان والثانی ان یقال لا عتدال الی الشئ فی ذاته . وقیل معناه استوی له مافی السموٰت و ما فی الارض ای استقام الکل علی مراده تسویۃ اللّٰه تعالی

ایاہ. (۲۳۷)

ترجمہ:۔ 'سوا' اس کا مادہ ہے۔ استویٰ کا استعمال دوطرح سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ ایک، دو یا دو سے زائد فاعل کی طرف اس کی اسناد ہو اور دوم یہ کہ کسی شے کے اپنی ذات کے اعتبار سے حالت اعتدال پر ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اس کے سامنے مساوی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ان کو درست بنانے سے سب اس کے ارادہ کے مطابق ٹھیک اور درست ہوگئی ہیں۔

اس طرح ان کا مفہوم یہ ہوا کہ کسی شے کو درست وآراستہ کر کے ظاہری و باطنی قویٰ میں اعتدال کی حالت کا پیدا ہو جانا۔ یہی تسویہ کی خوبی ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے جس میں کہ تسویہ کی احسن طریق پر وضاحت ہو جاتی ہے۔

عدل کا اطلاق:۔

العدالة والمعادلة لفظ يقتفي معنى المساواة ويستعمل باعتبار المضايفة . بالعدل قامت السموت والارض تنبيهأ انه لو كان ركن من الاركان الاربعة في العالم زائد على الاخر اوناقصا عنه على مقتفى الحمكة لم يكن العالم منتظما. (۲۳۸)

ترجمہ:۔ عدل العدالۃ والمعادلہ کے لفظ میں مساوات کے معنی پاتے جاتے ہیں اور معنی اضافی کے طور پر استعمال ہوتا ہے یعنی ایک دوسرے کے ہم وزن و برابر ہونا۔ عدل ہی سے آسمان وزمین قائم ہے۔ اگر عناصر اربعہ جن سے کائنات نے ترکیب پائی ہے، میں سے ایک عنصر میں بھی اس کی معینہ مقدار سے کمی یا بیشی ہو جائے تو نظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا۔

چنانچہ اس قانون کے لاگو ہوتے ہی تسویہ کا اطلاق درست طور پر عمل میں آ جاتا ہے۔ تسویہ کا عدل کے ساتھ اطلاق کے بارے میں اللہ ہم سے کچھ یوں گویا ہے۔ شاید کہ ہم انسان فطرت کی نوعیت و ہیئت کا ادراک کر کے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ جس کے مظاہر رات کی تاریکی بھی ہیں اور دھوپ نکال کر دن کے مناظر بھی۔ جس میں پہاڑوں کو گاڑھنا بھی شامل ہے تو اس میں سے پانی اور چراگاہ کا نکالنا بھی۔ لیکن درج ذیل آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری توجہ باطن کی طرف دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

هوالّذي خلق السّمٰوٰت والارض في ستّة ايّامٍ ثمّ استوٰى على العرشؕ يعلم ما يلج في الارض وما يخرج منها وما ينزل من السّمآء وما يعرج فيهاؕ وهو معكم اين ما كنتمؕ واللّٰه بما تعملون بصير○(۲۳۹)

ترجمہ:۔ وہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں خلق کیا پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا وہ جانتا ہے جو کچھ بھی زمین کے اندر داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے خارج ہوتا ہے اور جو کچھ بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ بھی اس کی طرف بلند ہوتا ہے اور جہاں کہیں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھنے

والا ہے۔

تسویہ اور نفس انسانی ایک جائزہ

ونفسٍ وّما سوّٰھا O فالھمھا فجورھا و تقوٰھا O قد افلح من زکّٰھا O وقد خاب من دسّٰھاO (۲۴۰)

ترجمہ:۔ اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے کامل بنایا کہ اس کی بدکاریاں اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کردی۔ بے شک فلاح اس نے پائی جس نے اسے پاک کیا۔ اور بے شک نامراد وہی ہوا جس نے اس کو دبادیا۔

فاطر فطرت نے نفس انسانی کو اس قدر درست طریق پر بنایا ہے کہ وہ اکتساب کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر انسان کا کیا کیجئے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتا۔ وہ اپنی فطرت صحیحہ کو دبادیتا ہے یعنی اس کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اس میں نفس کا کوئی قصور نہیں۔ قصور ہے تو انسان کا جو اپنے اختیار وارادہ سے غیر عدل کی راہ کو اپنالیتا ہے۔ نفس کا کام تو اکتساب کرنا ہے چاہے وہ نور کا اکتساب کرے یا نار کا۔ مگر یہ فیصلہ اس انسان نے کرنا ہے جسے رب العالمین نے نفس عطا کیا۔ تاہم اللہ نے اسے باخبر ضرور کردیا ہے کہ فلاح وہی پائے گا جس نے پرہیز گاری اختیار کی۔ اور نامراد وہ ہوگا جس نے اپنی فطرت صحیحہ کا گلا گھونٹ دیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس کی اس دنیا میں کیا ہو رہا ہے اس کا پتہ کیسے چلے گا؟ تو اس بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے ہمیں تسویۂ نفس اور عرش کے تحت مختصر سا جائزہ لینا ہوگا۔

تسویۂ نفس اور عرش:۔

قرآن نفس انسانی کی اصلاح کا سب سے بڑا ذریعہ ہی نہیں بلکہ ذخیرہ ہے۔ نہ صرف دنیاوی اعتبار سے بلکہ اخروی اعتبار سے بھی۔ اس لئے وہ ہمیں انفس وآفاق کے غیوب کے متعلق اس کی نزاکتوں سے ہمیں بار بار آگاہ فرماتا ہے۔ وہ نفس انسانی کو حقیقت کا ادراک کرانے کے لئے فرماتا ہے کہ:۔

ثمّ استوٰی علی العرش ط مالکم مّن دونہٖ من وّلیّ ولا شفیعٍ ط افلا تتذکّرون O (۲۴۱)

ترجمہ:۔ پھر وہ عرش پر جلوہ افروز ہوا تمہارا اس کے سوا کوئی سرپرست وشفیع نہیں ہے پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑو گے۔

ایک اور مقام پر مقصد تخلیق کو آزمائش قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

وکان عرشہٗ علی المآء لیبلوکم ایّکم احسن عملاً ط (۲۴۲)

ترجمہ:۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے عمل والا ہے۔

دراصل یہی مقصد تخلیق کائنات ہے۔ اور یہ کہ اللہ جو بھی نعمت دیتا ہے وہ بطور آزمائش ہے اس لئے نفس کو اللہ کی دکھائی ہوئی راہ کے مطابق چلایا جائے تو درست طریق پر کام انجام دیتا ہے تو یوں بندہ فلاح حاصل کرنے میں

کامیاب ہوسکتا ہے۔ اس لئے ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جو خلقت کی ابتداء کرسکتا ہے وہ اسے دہرا بھی سکتا ہے۔ اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ کائنات میں نعوذ باللہ دو معبود نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لو کان فیھمآ اٰلھة الّا اللّٰہ لفسدتا فسبحٰن اللّٰہ ربّ العرش عمّا یصفون ○ (۲۴۳)

ترجمہ:۔ اگر ان دونوں میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بھی ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد بپا ہو جاتا۔ پس رب العرش ان صفات سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرش کے ساتھ جو صفاتی نام استعمال کیا وہ ملاحظہ ہو۔

ذوالعرش المجید ○ فعّال لّما یرید ○ (۲۴۴)

ترجمہ:۔ عظمت والے عرش کا مالک جو چاہے سو کرنے والا ہے۔

مجید م ج د، و قولھم فی صفة اللّٰہ تعالیٰ ای یجری السعة فی بذل الفضل المختص به(۲۴۵)

اردو مفہوم:۔ مجید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ ذات جو اپنے خصوصی فضل و کرم سے نوازنے میں نہایت وسعت اور فراخی سے کام لینے والی ہو۔

چونکہ المجید کے معنی شرف و بزرگی میں وسعت کے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی نفس چاہتا ہے کہ اس پر اللہ اپنا خصوصی کرم فرمائے تو اسے چاہئے کہ وہ فقط اس پر توکل کرے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فقل حسبی اللّٰہ لآ الٰہ الّا ھو علیه توکّلت و ھو ربّ العرش العظیم ○ (۲۴۶)

ترجمہ:۔ تو کہہ دے میرے لئے اللہ کافی ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا پروردگار ہے۔

وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفوس کو آزمائش میں ڈالا ہوا ہے ان سے رب کریم پوچھ رہا ہے شاید کہ وہ یوں حقیقت کا ادراک کرسکیں۔

قل من رّبّ السّمٰوٰت السّبع و ربّ العرش العظیم ○ سیقولون للّٰہ قل افلا تتّقون ○ (۲۴۷)

ترجمہ:۔ کہہ دے سات آسمانوں کا اور عرش عظیم کا پروردگار کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ ہی کے ہیں کہہ دے تو پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟

یہ آیات حق ہر انسان کی نفسی آوازیں ہیں۔ اس سے انکار ممکن ہی نہیں۔ اس لئے وہ ہمیں جزاوسزا کا ذکر کر کے ہمارے نفس کے تسویہ کی جانب ہماری توجہ دلا رہا ہے۔

ثمّ استوٰی علی العرش یدبّر الامر ما من شفیعٍ الّا من بعد اذنه ذٰلکم اللّٰہ ربّکم فاعبدوہ افلا تذکّرون ○ الیه مرجعکم جمیعًا وعد اللّٰہ حقًّا انّه یبدؤا الخلق ثمّ یعیدہ لیجزی الّذین اٰمنوا و عملوا الصّٰلحٰت بالقسط والّذین کفروا لھم شراب مّن حمیمٍ وّعذاب الیمٌ بما کانوا یکفرون ○ (۲۴۸)

ترجمہ:۔ پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے وہی اللہ تمہارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو کیا تم غور نہیں کرو گے؟ تم سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے تحقیق وہی خلقت کی ابتداء کرتا ہے پھر وہی اس کو دہرائے گا تاکہ وہ جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجا لائے انصاف کے ساتھ کے ساتھ جزا دے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے لئے کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے۔ بسبب اس کفر کے جو انہوں نے کیا۔

دراصل ہمارا نفس مکاناً سوًیO (۲۴۹) کی مانند ہے کہ جہاں خیالات، نظریات، خواہشات و جذبات کی جنگ چھڑی رہتی ہے۔ لیکن یہ جنگ رحمٰن کے بندے اور شیطان کے بندے کے درمیان مختلف ہے کیونکہ ایک تو حق کی راہ میں لڑ کر حق تسویہ عدل کے تقاضوں کے موافق ادا کرتا ہے جبکہ دوسری جانب تسویۂ نفس اپنی ضائع میں ذرا نہیں چوکتا اس ہمواری سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہمارے نفس کی دنیا کو بھی اللہ نے اسی طرح سنوارا ہے جس طرح کہ اس کائنات کو، ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ء انتم اشدّ خلقاً ام السّمآء بنٰها O رفع سمكها فسوّٰها O (۲۵۰)

ترجمہ:۔ بھلا کیا تمہاری تخلیق زیادہ سخت ہے یا آسمان کی جسے اس نے بنایا۔ اسی نے اس کی چھت کو بلند کیا اور اسے ٹھیک متوازن کیا۔

تخلیق اکبر کا بے عیب نظام یہ بتا رہا ہے کہ انسان کی تخلیق اس کے لئے قطعی دشوار نہیں۔ وہ اپنے نظام کے عدل و تسویہ کے تحت اپنے بندے کے نہایت قریب ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ سب کچھ کیوں نہ جانے کیونکہ اس نے تو:۔

بلٰى قٰدرين علٰى ان نسوّى بنانهٗ O (۲۵۱)

ترجمہ:۔ کیوں نہیں بلکہ ہم تو پور پور کو ٹھیک ٹھاک کر دینے پر قادر ہیں۔

فاذا سوّيتهٗ و نفخت فيه من رّوحى فقعوا لهٗ سٰجدين O (۲۵۲)

ترجمہ:۔ پس جب اسے ٹھیک ٹھاک کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

جس کی پور پور کو اللہ نے خود درست کیا اور جسے مسجود ملائکہ قرار دیا گیا ہو آخر اس میں کوئی تو نمایاں خوبی ہو گی؟ ہمیں اس بات کی تفہیم کرنی چاہئے کہ جس طرح وقت وجود پر اپنا نقش چھوڑتا ہے اسی طرح نفس کی اس منزل کا حال ہے کیونکہ اس میں خیر و شر دونوں کے لئے ہمواری ہے۔ تو کیا:۔

☆ فلا تعلم نفس مّآ اخفى لهم مّن قرّة اعينٍ جزآءً بما كانوا يعملون O افمن كان مؤمنًا كمن كان فاسقًا لا يستوٗن O (۲۵۳)

ترجمہ:۔ اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ جو کچھ ان کی خنکیٔ چشم کا سامان ان کے لئے چھپا کر رکھا گیا ہے ان اعمال کی جزا میں جو انہوں نے کئے۔ پس کیا وہ جو مومن ہے اس کی مانند ہو سکتا ہے کہ جو نافرمان ہے؟ وہ کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔

☆ قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرۃ الخبیث فاتقوا اللّٰہ یاولی الالباب لعلکم تفلحون ○ (۲۵۴)

ترجمہ:۔ کہہ دے کہ خبیث اور پاک و پاکیزہ لوگ برابر نہیں ہو سکتے اور اگر چہ خبیثوں کی کثرت تمہیں بھلی لگے پس اے صاحبان بصیرت اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

دنیا میں بے شمار ایسے بھی نفوس ہیں جو کہ خواہشات و جذبات کے دنیا سے بہت دور ہیں۔ اسی لئے سکون قلب کے ساتھ ہیں حالانکہ یہ تمام نفوس Same time and Same World میں وجود Existence رکھتے ہیں مگر کیا کیجئے ایک آزاد ہے اس لئے کہ اس نے اپنے نفس کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہے لہٰذا اللہ ہی اس کا مولا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جو خواہشات نفسی کے جال میں جکڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے اسے ہر خواہش پر مخلوق کے آگے نہ صرف جھکنا بلکہ بکنا پڑتا ہے۔ لہٰذا نفس کے اکتساب و سعی میں دونوں کیونکر برابر ہو سکتے ہیں۔ اسی متضاد سعی کے مطابق زندگی گزارنے والوں کی مثال دیتے ہوئے اللہ انسان سے یوں گویا ہے کہ:۔

ضرب اللّٰہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشکسون ورجلاً سلماً لرجلٍ ھل یستوین مثلاً الحمد للّٰہ بل اکثرھم لا یعلمون ○ (۲۵۵)

ترجمہ:۔ اللہ نے مثال بیان فرمائی ایک شخص کی جس کے آپس میں جھگڑنے والے کئی مالک ہیں۔ اور ایک شخص ایسا ہے جو کہ ایک ہی شخص کا غلام ہے کیا ان دونوں کی مثال یکساں ہو سکتی ہے؟ تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے مگر ان کی اکثریت بے خبر ہے۔

سوئی کی منزل کا تقاضہ:۔

سر تسلیم خم کرنا مقدر انسانی ہے۔ یہ وہ تقدیر ہے کہ جس کو بدلا نہیں جا سکتا اس لئے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کے آگے سربسجود نہیں ہوتا تو پھر اس کا نفس اسے مخلوق کے آگے جھکا دیتا ہے۔ یہی سوئی کی منزل ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ وہ کامل سطح اکتساب ہے کہ جہاں سے نفس اپنا سفر با آسانی شروع کر سکتا ہے اور اس کا سفر کرنا ہی اس کی تسبیح ہے یہ تسبیح وہ راضی برضائے الٰہی ہو کر انجام دے یا پھر ہر خواہش کی تکمیل میں ہر در پر جھک کر انجام دے یعنی کہ کرھا انجام دے۔ کیونکہ تسبیح کے بغیر تو ممکن نہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

کیا تسبیح بناء قدر کے ممکن ہے؟

چوتھا مرحلہ خلق:۔

قدر نفس

☆ انا کل شیءٍ خلقنٰہ بقدرٍ ○ (۲۵۶)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے مطابق خلق کیا۔

☆ الذی قدر...... (۲۵۷)

ترجمہ:۔ جس نے اندازہ مقرر کیا۔

قدر و القدر والتقدیر تبین کمیة الشئ . فتقدیر الله علی وجھین احدھما بالحکم منه أن یکون کذا اؤلایکون کذا اما علی سبیل الوجوب واما علی سبیل الامکان والثانی باعطاء القدرة علیه.(۲۵۸)

اردو مفہوم:۔ ق د ر، القدر والقدر والتقدیر کے معنی کسی شے کی کمیت کو بیان کرنا۔ پس تقدیر کے دو معنی ہوئے ایک یہ کہ کسی شے کے متعلق نفی یا اثبات کا حکم لگانا کہ یوں ہوگا اور یوں نہ ہوگا عام اس سے کہ وہ حکم بہ سبیل وجوب ہو یا بر سبیل امکان۔ دوم کسی شے پر قدرت حاصل کرنا کے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری و باطنی قویٰ کے اعمال کے لئے ایک خاص طرح کا انداز ٹھہرا دیا جس سے وہ باہر نہیں جاسکتے۔ چونکہ تمام اشیاء ایک خاص تناسب کی حامل ہیں اس لئے یہی ان کی تقدیر ہے۔ قدر دو طرح پر ترتیب دے دی گئی ایک ایجاد بالفعل یعنی ابتداء سے کامل وجود عطا کرنا جب تک مشیئت الٰہی اس کی تبدیلی یا فنا کی مقتضی نہ ہو اس میں کمی ممکن نہیں۔ اسی لئے اجرام سماویہ کی تخلیق اس کا مظہر ہے۔ دوم اصول اشیاء کو بالفعل اور ان کے اجزاء کو بالقوۃ وجود عطا کرنا۔ اور ان کو اس اندازے کے ساتھ مقدر کرنا کے اس کے خلاف ظہور پذیر نہ ہوسکیں۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کائنات جو بظاہر ہمیں غیر تغیر پذیر نظر آتی ہے حقیقت میں ویسی نہیں۔ یعنی ساکن نہیں بلکہ متغیر ہے۔ اس کی وجہ اس کائنات کا اشیاء کا متناسب ہونا ہے جو کہ توازن کا باعث بنتا ہے۔ اس طرح یہ تغیر ضرور ہے مگر!!! On Rational Basis کے ساتھ۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے فرما دیا کہ:۔

قدر معلوم کی سطح پر:۔

حقیقتاً قدر معلوم کی سطح پر ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا گواہ بھی ہے اسی لئے رب العزت نے فرمادیا کہ:۔

فجعلنٰه فی قرار مّکینٍ ۝ الٰی قدر مّعلومٍ ۝ فقدرنا فنعم القٰدرون ۝ (۲۵۹)

ترجمہ:۔ پھر اس کو ایک محفوظ مقام پر رکھا۔ ایک معینہ اندازے کے مطابق پس ہم نے اندازہ کیا پس ہم کیا ہی عمدہ اندازہ کرنے والے ہیں۔

چنانچہ اس طرح کائنات میں قرار ہوتے ہوئے بھی قرار...... قرار نہیں ثبات ہوتے ہوئے بھی ثبات نہیں۔ دوام ہوتے ہوئے بھی دوام نہیں بلکہ لحہ لحہ تغیر برپا ہے۔ مگر تغیر کے باوجود بھی جس کی جو قدر، ہیئت، جسامت، کمیت، طول و عرض، حجم مقرر کیا وہی رہتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں؟

کامیابی سے ہمکنار ہونا ہی دراصل قدر معلوم کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ اور عمدہ اندازے کا پتہ دیتی ہے۔ ورنہ اللہ کے پاس اشیاء اور ان کے خزانوں کی کمی نہیں۔ تاہم یہ اصول ہی زندگی کو چار چاند لگاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا

ہے کہ:۔

وان مّن شیءٍ الّا عندنا خزآئنہٗ وما ننزّلہٗ الّا بقدرٍ مّعلومٍ○ (۲۶۰)

ترجمہ:۔ اور کوئی شے بھی ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں اور ہم اس کو ایک نپی تلی مقدار میں ہی نازل کرتے ہیں۔

اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خزانوں میں سے جس قدر مناسب سمجھتا ہے اس قدر نازل فرماتا ہے۔ یعنی تعمیر وتکمیل کے لئے پیمانہ ضروری ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر قدر معلوم ہی کیوں؟؟؟؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی بھی شے کی کثرت تخریب اور بغاوت پر آمادہ کرتی ہے۔

قدر اور مشیئت:۔

ولو بسط اللّٰہ الرّزق لعبادہٖ لبغوا فی الارض ولکن ینزّل بقدرٍ مّا یشآءُ انّہٗ بعبادہٖ خبیرٌ بصیر○ (۲۶۱)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں پر رزق میں بہت کشادگی کر دیتا تو وہ دنیا میں سرکشی اختیار کرتے لیکن وہ ایک اندازے کے مطابق جس طرح چاہتا ہے نازل کرتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار، دیکھنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ نے قدر کو مشیئت کے ساتھ وابستہ فرمایا ہے اسی لئے بارش جو کہ رحمت ہوتی ہے بعض اوقات زحمت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت نوحؑ کے زمانے میں ہوا۔

قدر اور تقدیر:۔

قدر اور تقدیر کے دوران وہ کونسے جزیرے حائل ہیں جو کہ ان دونوں کے مابین فرق قائم کرتے ہیں؟ قرآن نے اس کی وضاحت کچھ اس طرح فرمائی ہے کہ:۔

ففتحنآ ابواب السّمآءِ بمآءٍ مّنھمرٍ○ وّفجّرنا الارض عیونًا فالتقی المآءُ علٰٓی امرٍ قد قدر○ (۲۶۲)

ترجمہ:۔ پس ہم نے آسمان کے دھارے موسلا دھار پانی سے کھول دیئے۔ اور ہم نے زمین سے چشمے جاری کر دیئے۔ پس وہ پانی اس کام کے لئے مل گئے جو مقدر ہو چکا تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ منفی اور مثبت قدریں ہر شے کی تقدیر کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وخلق کلّ شیءٍ فقدّرہٗ تقدیرًا○ (۲۶۳)

ترجمہ:۔ اس نے ہر شے کو خلق کیا پھر اس کے لئے پیمانے اور اندازے مقرر کر دیئے۔

اس آیت کریمہ کے مطابق تقدیر کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

☆ ایک تو یہ ہے کہ قدریں ترتیب پا چکی ہیں۔ قانون کی صورت میں۔

☆ اور دوم یہ کہ ان قدروں کو امر کے ذریعے متغیر بنا دیا ہے۔

قدر کی نوعیت:۔

قدر کی نوعیت کا عالم یہ ہے کہ اس میں خیر بھی ہے اور شر بھی، زندگی بھی ہے اور ہلاکت بھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ نے انسان پر احسان عظیم فرمایا کہ اس کو ہر شے قدر رکھتی ہے کا علم دیا۔ اب انسان پر منحصر ہے کہ وہ قدروں سے فائدہ اٹھائے۔ نہ کہ ہلاکت کا باعث بنے۔ ایٹمی ٹیکنالوجی کا دور اس قدر کا مرہون منت ہے۔ اگر یہ قدریں ترتیب شدہ نہ ہوتیں تو ہماری زندگی اتنی ترتیب اور تسلسل کے ساتھ نہ ہوتی۔ لیکن انسان کا کیا کیجئے کہ جب رب نے مطلع کر دیا تو وہ حقیقت کو پا کر کچھ اور منصوبے بنانے لگا۔

انہٗ فکّر و قدّر ۝ فقتل کیف قدّر ۝ ثمّ قتل کیف قدّر ۝ (۲۶۴)

ترجمہ:۔ بالتحقیق اس نے غور کیا اور منصوبے بنائے اس پر پھٹکار ہو۔ اس نے کیسے منصوبے بنائے؟ ہاں وہ ہلاک ہو، اس نے کیسے منصوبے بنائے؟

بے شک یہ شیطانی منصوبے انسان ہی کے ہو سکتے ہیں۔ اگر نہیں تو پھر ہیروشیما اور ناگاساکی کی تقدیر بگاڑنے والا کون ہے؟ انسانی جین پر اپنی مرضی کی چھاپ لگانے والا کون ہے؟ جرائم پیشہ افراد کے کلون Clone فریز Freeze کرنے والا کون ہے؟ بات یہ ہے کہ انسان یہ فراموش کر بیٹھا ہے کہ:۔

نحن قدّرنا بینکم الموت وما نحن بمسبوقین ۝ علٰی ان نّبدّل امثالکم و ننشئکم فی مالا تعلمون ۝ ولقد علمتم النّشاۃ الاولٰی فلو لا تذکّرون ۝ (۲۶۵)

ترجمہ:۔ ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کیا اور ہم بے بس نہیں ہیں کہ تم جیسے اور بدل کر نہ لا سکیں اور تمہیں از سر نو اس صورت میں خلق کر سکیں جس کا تمہیں کوئی علم نہ ہو اور بلا شبہ تم اپنی پہلی پیدائش کو جانتے ہو پھر تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

ایک اور مقام پر سختی سے فرمایا کہ:۔

علی الکٰفرین غیر یسیر۝ ذرنی و من خلقت وحیداً۝ (۲۶۶)

ترجمہ:۔ جس میں انکار کرنے والوں کے لئے کوئی آسانی نہ ہوگی مجھے اس سے نمٹ لینے دے جسے میں نے اکیلے پیدا کیا۔

نمٹنے سے مراد غلط اعمال کے سبب منفی قدروں کا وہ مجموعہ ہے جو انسان کی تقدیر مرتب کرتا ہے۔ اور پھر اس کی

مناسبت سے اس پر اللہ کا قانون لاگو ہو جاتا ہے۔ یہ کیونکر ہوتا ہے؟

مصیبت بطفیل کسب نفس:۔

انسان جب بھی کبھی کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اپنے ہی کیئے کے سبب، چنانچہ اس لحہ بھی یہی کہا گیا:۔

قل هو من عند انفسكمؕ انّ اللّٰه علٰی كلّ شیءٍ قدیر ○ (۲۶۷)

ترجمہ:۔ کہہ دے یہ تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

اور جہاں تک اللہ رب العزت کی بات ہے تو اس کا جاہ و جلال اور فیض کا حال یہ ہے کہ:۔

و ان یمسسک اللّٰه بضرٍّ فلا کاشف لهٗ الّا هوؕ و ان یمسسک بخیرٍ فهو علٰی كلّ شیءٍ قدیر ○ (۲۶۸)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں سوائے اس کے اور اگر وہ تجھے کوئی فیض پہنچائے تو وہ ہر شے پر قادر ہے۔

یہ تو نفوس کی کیفیت پر منحصر ہے کہ وہ منکسر المزاج رہنا پسند کرتے ہیں یا پھر ان کا نفس نیک قدروں کا متحمل ہے۔ اور خود انسان کے اندر اللہ نے ایسی قوت عطا فرمائی ہے جو اسے برائے سے روکتی ہے اور عیب کو بتاتی ہے ملامت بھی کرتی ہے۔ یہ اللہ کی جانب سے بہت بڑی نعمت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔ اسی نعمت عظیم کی قسم رب تعالیٰ نے کھا کر انسان کو اس کے انجام سے متنبہ فرمایا:۔

ولا اقسم بالنّفس اللّوّامة ○ؕ ایحسب الانسان الّن نّجمع عظامه‌ؕ ○ بلٰی قادرین علٰی ان نّسوّی بنانهٗ ○ بل یرید الانسان لیفجر امامهٗ ○ج (۲۶۹)

ترجمہ:۔ اور میں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہ کریں گے۔ کیوں نہیں بلکہ ہم تو پور پور کو ٹھیک ٹھاک کر دینے پر قادر ہیں۔ بلکہ انسان تو یہی چاہتا ہے کہ وہ آئندہ بھی بدکاری کرتا رہے۔

اہل لغت کے نزدیک:۔

لوّامة اللوم عذل الانسان بنسبة الٰی مافیه لوم یقال عنه فهو ملوم (۲۷۰)

اردو مفہوم:۔ لوم کسی کو برے فعل کے ارتکاب پر برا بھلا کہنے اور ملامت کرنے کے ہیں۔

جب بھی انسان منفی قدر کا متمنی ہوتا ہے تو یہ قوت انسان کو گمراہی سے باز رہنے کی طرف آمادہ کرتی ہے اسے اس برائی کے متعلق بتاتی ہے اسی طرح جو لوگ روز آخرت سے انکاری ہیں فقط اپنے سخت قلوب کی وجہ سے، یہ قوت انہیں بھی رہنمائی فراہم کرتی ہے اور کہتی ہے کہ جس طرح پہلی مرتبہ اللہ نے پیدا کیا تو دوسری مرتبہ بھی وہی ہے جو بوسیدہ ہڈیوں کو اکٹھا کرے گا۔ کیونکہ وہ پور پور کو سنوارنے پر قادر ہے۔ لہٰذا دنیا کی سیر کا حکم دیا گیا تاکہ وہ اللہ کے

نظامِ انشائیت سے آخرت کا ادراک کر سکیں ۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ :۔

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف بدا الخلق ثمّ اللّٰہ ینشی ء النّشاۃ الاٰخرۃ ؕ انّ اللّٰہ علٰی کلّ شی ءٍ قدیر ۝ (۲۷۱)

ترجمہ :۔ کہہ دے دنیا میں سیر کرو اور غور کرو کہ کس طرح اس نے خلقت کی ابتداء کی پھر اللہ اسے دوسری مرتبہ انشاء کرے گا ۔ بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نظام انشائیت کیا ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ہم لغت اور قرآن سے جائزہ لیں گے ۔

اہل لغت کے نزدیک :۔

ن ش ء النش والنشاۃ احداث الشی ء و تربیتہ والانشاء ایجاد الشی و تربیتہ (۲۷۲)

اردو مفہوم :۔ انشاء وانشاۃ کسی شے کو پیدا کرنا ۔ اور اس کی پرورش کرنا کے ہیں ۔ اور انشاء کے معنی کسی شے کی ایجاد اور ترتیب کے ہیں ۔

انشائیت کا نظام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے ۔ Growth پر صرف اور صرف رب تعالیٰ کو مکمل کنٹرول حاصل ہے ۔ خواہ انسان کتنی ہی ترقی کیوں نہ حاصل کرلے وہ اشیاء کائنات اور مخلوق کی Growth کو کنٹرول کرنے سے عاجز ہے ۔ اس لئے انسان کو نظام انشائیت کا ادراک کرانے کے لئے درخت کی طرف متوجہ کررہا ہے ۔ اس لئے درج ذیل آیت میں آگ کے لئے درخت اگانے پر بطور تشبیہ انشاء کا لفظ استعمال کیا ۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو :۔

افریتم النّار الّتی تورون ۝ ء انتم انشاتم شجرتھاۤ ام نحن المنشؤن ۝ نحن جعلنٰھا تذکرۃً وّ متاعاً لّلمقوین ۝ فسبّح باسم ربّک العظیم ۝ (۲۷۳)

ترجمہ :۔ کیا تم نے اس آگ پر غور کیا ہے جسے تم جلاتے ہو؟ کیا تم نے درخت پیدا کئے ہیں یا ہم پیدا کرنے والے ہیں؟ ہم نے اس کو یاد دہانی کا ذریعہ اور صحرانشینوں کے لئے سامان زینت قرار دیا ۔ پس اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کر ۔

اللہ رب العزت کا ہر ہر شے پر مکمل کنٹرول ہے اس لئے کہ وہ ہر ہر شے کی قدر کو جانتا ہے سو جیسا وہ چاہے گا ۔ تو اجسام سماوی وارضی میں تغیر برپا کردے گا یا فنا کردے گا اور دوبارہ پیدا کرنے میں اسے کوئی مشکل نہیں ۔ لہٰذا وہ فرماتا ہے کہ :۔

انّا کلّ شی ءٍ خلقنٰہ بقدرٍ ۝ وماۤ امرنا الاّ واحدۃ کلمحٍ بالبصر ۝ ولقد اھلکناۤ اشیا عکم فھل من مّدّکرٍ ۝ وکلّ شی ءٍ فعلوہ فی الزّبر ۝ وکلّ صغیرٍ وّ کبیرٍ مّستطر ۝ انّ المتّقین فی جنّٰت وّ نھرٍ ۝ فی مقعد صدقٍ عند ملیکٍ مّقتدرٍ ۝ (۲۷۴)

ترجمہ :۔ بے شک ہم نے ہر شے کو ایک اندازے کے مطابق خلق کیا اور ہمارا حکم تو بس چشم زدن میں پورا ہونے والا ہے اور بالتحقیق ہم تم جیسے گروہوں کو ہلاک کرچکے ہیں ۔ پس ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ؟ اور ہر کام جو انہوں

نے کہا وہ نوشتوں میں موجود ہے اور ہر چھوٹا و بڑا تحریر شدہ ہے بالتحقیق پرہیز گار لوگ باغات اور سہروں میں صاحب اقتدار بادشاہ کے حضور ایک قرار گاہ صدق میں ہوں گے۔

قدر کے سلسلے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ قدر متعینہ ہے اور امر الٰہی سے یہ ایسا تغیر برپا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے جو انسان کے فہم وادراک سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے نفس انسانی کی ممکنات ادراک کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے تحقیق ومشاہدہ کروایا اور دعوت غور وفکر اور سیر وتفریح دی ہے اور اپنی آیات مقدسہ کے ذریعے گزشتہ انسانوں کا انجام بتلا کر نصیحت وعبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے۔ اس لئے کہ نفس انسانی مثبت قدروں کا امین بن کر حیات جاودانی کے مزے لوٹ سکے۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ نفس مثبت قدروں کا متحمل ہوسکتا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بناء ہدایت یہ کیونکر ممکن ہے؟

فصل چہارم

پانچواں مرحلۂ خلق:۔

ھدیٰ اور نفس

قال ربّنا الّذیٓ اعطیٰ کلّ شیءٍ خلقہٗ ثمّ ھدیٰ ○ (۲۷۵)

ترجمہ:۔ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی خلقت عطا کی پھر اس کی رہنمائی کی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نفس کو ھدیٰ کی منزل سے گزارا ہے تا کہ انسان کو قطعاً دشواری کا سامنا نہ ہو۔ لہٰذا ہدایت کی تفہیم ضروری ہے۔ چنانچہ اہل لغت کے نزدیک:۔

ھدی الھدایة دلالة بلطف و منه الھدیة . وھدایة اللّٰہ تعالیٰ للانسان علی الاربعة اوجه الاول الھدایة التی عم بجنسھا کل مکلف من العقل و الفطنة والمعارف الضروریة التی اعم منھا کل شیء بقدر فیه حسب احتماله. الثانی الھدایة التی جعل للناس بدعائه ایاھم علی السنة الانبیاء و انزال القرآن. الثالث التوفیق الذی یختص به من اھتدی. الرابع الھدایة فی الاخرة الی الجنة. (۲۷۶)

اردو مفہوم:۔ الھدایة کے معنی لطف وکرم کے ساتھ کسی کی رہنمائی کرنے کے ہیں۔ ھدیة جس کے معنی اس تحفہ کے ہیں جو بغیر معاوضہ دیا جائے۔ انسان کو اللہ نے چار طرف ہدایت کی ہے۔ اول وہ ہدایت جو عقل و فطانت اور معارف ضروریہ کے عطا کرنے سے کی ہے اور اس معنی میں ہدایت اپنی جنس کے لحاظ سے جمیع مکلفین کو شامل ہے بلکہ ہر جاندار شے کو حسب ضرورت اس سے بہرہ ور ہے۔ دوم اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی سنت اور نزول قرآن فرما کر تمام انسانوں کو ہدایت بخشی۔ سوم ہدایت کے معنی توفیق خاص کے ہیں جو ہدایت یافتہ لوگوں کو عطا کی جاتی ہے۔ چہارم آخرت میں جنت کی طرف رہنمائی کرنا مراد ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہوا کہ ہر ہر شے پر زندگی کی راہ کھول دی جائے۔مگر ہدایت چار طرح پر ہے اس کا جائزہ یا جائے یہ ادراک کرنا بہت آسان ہے کہ جس انسان کو پہلے درجے کی ہدایت حاصل نہ ہو یعنی کہ وہ امین ہونے کے باوجود بھی اس کا حق ادا نہ کرے تو وہ دوسرے درجے کی ہدایت کو ہرگز نہیں پا سکتا۔اسی طرح جو دوسرے درجۂ ہدایت سے بہرہ ور نہ ہو وہ تیسرے درجے کی ہدایت تک نہیں پہنچ سکتا۔اسی طرح تیسرے درجے کی جسے ہدایت کمال حاصل نہ ہو تو اسے قطعاً چوتھے درجے کی ہدایت نصیب نہیں ہوسکتی۔تاہم جو چوتھے درجۂ ہدایت کا امین ہوا سے وہ ہدایت مل جائے تو بقیہ تینوں درجات اسے لازماً حاصل ہوں گے۔

بہرحال ہدایت کا یہ فطری نظام پورے انفس و آفاق پر محیط ہے۔اسی لئے زمان و مکان قائم ہیں۔اگر خلق کر دیا جائے لیکن تخلیق میں ہدایت نہ ہو تو کوئی شے بھی اپنے فرض منصبی کو ادا نہ کر سکے گی۔اسی لئے رب العزت نے فرمایا کہ:۔

الاّ الّذی فطرنی فانّهٗ سیهدین ○ (۲۷۷)

ترجمہ:۔ سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا پس بے شک وہی جلد میری ہدایت کرے گا۔

ہدایت صرف اس کو ملتی ہے جو ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے۔اس کے لئے رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

وعلی اللّٰه قصد السّبیل و منها جائرٌ ولو شآء لهدٰکم اجمعین ○ع (۲۷۸)

ترجمہ:۔ اور سیدھی راہ کی ہدایت تو اللہ کے ذمے ہے اور راستوں میں سے کچھ کج بھی ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کی ہدایت کر دیتا۔

لیکن اس کا ایک اصول ہے۔وہ یہ کہ:۔

ذٰلک بانّ اللّٰه لم یک مغیّراً نّعمةً انعمها علٰی قومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسهم (۲۷۹)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم پر کوئی نعمت عطا کر کے بدلنے والا نہیں جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت کو نہیں بدلتے۔

بلاشبہ یہ نظام چار سو بتا رہا ہے کہ یہ ہدایت ہی کے کرشمے ہیں۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہدایت کیونکر ممکن ہے؟ ہدایت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کی وسعت و ممکنات کیا ہیں؟ ہدایت فطرت کا حصہ ہے تو پھر شریعت کی حیثیت کیا ہے؟ نیز ہدایت کا مقصود کیا ہے؟

اب ہم درج بالا سوالات کا تفصیلی جائزہ لیں گے تاکہ خود کو ہدایت یافتہ میں شمار کرایا جا سکے۔(آمین ثمہ آمین)

ھدیٰ نفس:۔

من اهتدٰی فانّما یهتدی لنفسهٖ ومن ضلّ فانّما یضلّ علیها ولا تزر وازرة وّزر اخرٰی (۲۸۰)

ترجمہ:۔ جس کسی نے ہدایت حاصل کی تو اپنے ہی نفس کے لئے اور جو گمراہ ہوا تو اسی کے خلاف گمراہ ہوا۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

ہدایت:۔

ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں کہ:۔

اندر وجدان وحواس کی روشنی پیدا ہوگئی جو انہیں زندگی و بقاء کی راہیں دکھاتی اور سامان حیات کے طلب وحصول میں رہنمائی کرتی ہے ہدایت ہے۔(۲۸۱)

ہدایت کا یہ نظام ہماری خلقت نفس، فطرت و جبلت اور فطرۃ اللہ یعنی کتاب الٰہی میں محفوظ ہے۔ اس طرح ہدایت ہماری پوری زندگی پر محیط ہے خواہ اس کا تعلق ہمارے وجود Body سے ہو یا نفس سے یا شعور سے، اور جہاں تک دنیاوی زندگی کا تعلق ہے تو یہ ہدایت ہمیں ہر شعبۂ زندگی خواہ اس کا تعلق معاشی زندگی، معاشرتی زندگی، قانونی زندگی، انتظامی امور وسیاسی زندگی یا ثقافتی زندگی یا مذہبی زندگی یا تعلیمی زندگی یا سیر وسیاحت سے بھرپور زندگی سے ہو۔ تحقیق ہر سمت میں ہر پہلو سے اس زماں ومکاں میں الھدیٰ کے اصول ہمیں بھرپور رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ اور کیوں نہ کریں اصل خالق وہی ہے۔

الّذی خلقنی فھو یھدین ۝ (۲۸۲)

ترجمہ:۔ جس نے مجھے خلق کیا اور وہی میری ہدایت کرے گا۔

ہدایت اور شاکلۃ:۔

منصۂ شہود پر آنے والے مظاہر اپنے اپنے انداز میں عمل پیرا دکھائی دیتے ہیں۔ مثلاً سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ زمین کے چھوٹے چھوٹے حشرات اپنے انداز سے کارفرما ہیں۔ شہد کی مکھی اپنے انداز سے الغرض آسمانی دنیا میں اور زمینی دنیا میں ہر کوئی اپنے مخصوص انداز سے کارفرما نظر آتا ہے لیکن مشاہدے اور تجربے کی رو سے بھی دیکھا گیا تو یہی بات سامنے آئی کہ کائنات میں ہر کوئی ایک ہی مقصد کے لئے رواں دواں ہے۔ حالانکہ کسی کو کسی کی خبر نہیں۔ اس کا ذکر ہم آگے تفصیلاً کریں گے۔ شاید اسی لئے کائنات میں کوئی Gap موجود نہیں وہ ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے۔ قرآن حکیم میں خود انسان سے اعتراف حقیقت کروایا جارہا ہے۔ اسی لئے Indirect Speach میں بات ہو رہی ہے۔ یعنی ہم سے اللہ کہلوا رہا ہے کہ:۔

قل کلّ یّعمل علیٰ شاکلتہٖ فربّکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً ۝ (۲۸۳)

ترجمہ:۔ کہہ دے ہر کوئی اپنے انداز میں ہی عمل پیرا ہے پس جو زیادہ سیدھی راہ پر ہے تیرا رب اس سے خوب واقف ہے۔

اب ہم شاکلۃ کی وضاحت کا لغوی اعتبار سے جائزہ لیں گے تاکہ اس کے مفہوم کی وسعت کا ادراک کیا

جا سکے:۔

شکل:. المشاکلة فی الهیئة و الصورة. شاکلة ای علی سجیته التی قیدته و ذلک ان سلطان السجیة علی الانسان قاهر .(۲۸۴)

اردو مفہوم:۔ المشاکلة کے معنی شکل وصورت کے ہیں ۔شاکلة اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اسے پابند کئے ہوئے ہے کیونکہ فطرت انسان پر سلطان قاہر کی طرح غالب رہتی ہے۔

مطلب یہ کہ ہر شے کی کچھ ممکنات Potentialities ہیں جو اس کو اس کے منتھیٰ تک لے جاتی ہیں ۔ان میں سے کوئی شے بھی اپنی اس حد کو کراس نہیں کر سکتی ۔مثلاً انسان دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ خارجی کائنات میں ہر شے کی شاکلة متعین ہوتی ہے لیکن ہر ممکنات کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے ۔جیسے موت آخری حد نہیں بلکہ مابعد الموت بھی زندگی کا تصور ملتا ہے جو منتھیٰ کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی لئے موروثی اثرات شکل وصورت ، مذہب ذہانت ، چال ڈھال وغیرہ اور ماحول یعنی تربیت ذہنی وجسمانی کے نفسیاتی ، معاشرتی ، جذباتی ،تعلیم ، خیالات ونظریات ، مقصد وغیرہ وہ رسیاں ہیں کہ جن سے اس کا پاؤں بندھ جاتا ہے۔لیکن علم وآ گہی کی ترقی کے ساتھ نئی نسل کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی گزشتہ نسلوں سے، اپنے اسلاف سے آگے بڑھ سکتا ہے۔مگر اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ انسان اپنی ممکنات کے دائرے میں ہی رہے گا۔ یہ متعینہ ہیں مثلاً کل کا انسان چاند پر جا سکتا تھا لیکن وہ وہاں نہ پہنچ سکا جبکہ آج کا انسان چاند سے بھی آگے کی دنیا میں پہنچا ہی چاہتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ ممکنہ حد متعین تھی تو ایسا ہوا۔

اور ابھی تو بڑے جہاں دریافت کرنا باقی ہیں۔ابھی تو ہم نے خود کو دریافت کرنا ہے۔لیکن ہمیں کیا پتہ کہ ہم اور ہماری جدوجہد یں مستقیم ہیں یا نہیں اسی طرف قرآن ہماری توجہ دلاتا ہے کہ:۔

افمن یّمشی مکبًا علی وجههٖٓ اهدیٰٓ امّن یّمشی سویًّا علیٰ صراطٍ مّستقیمٍ ○ قل هو الّذیٓ انشا کم وجعل لکم السّمع والابصار و الافئدة قلیلاً مّا تشکرّون ○ (۲۸۵)

ترجمہ:۔ کیا وہ شخص جو اوندھے منہ چل رہا ہو کیا وہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا صراط مستقیم پر چل رہا ہے؟ کہہ دے وہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ شکل و شاکلة کے حوالے سے بنی نوع انسان کیونکر ہدایت پاتا ہے، یعنی کہ نفس کی باطنی ماہیئت کا جائزہ لیں گے۔

نفس کی باطنی ماہیئت بحوالۂ ہدایت من جانب اللہ:۔

انّک لا تهدی من احببت ولکنّ اللّٰه یهدی من یّشآءُ وهو اعلم بالمهتدین ○ (۲۸۶)

ترجمہ:۔ بے شک تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو تم دوست رکھتے ہو۔مگر اللہ ہی ہدایت کرتا ہے، اس کی جس کی وہ چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو جانتا ہے۔

جا سکے:۔

شکل:. المشاکلة فی الهیئة والصورة. شاکلة ای علی سجیته التی قیدته وذلک ان سلطان السجیة علی الانسان قاهر.(۲۸۴)

اردو مفہوم:۔ المشاکلة کے معنی شکل وصورت کے ہیں۔ شاکلة اپنی فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اسے پابند کئے ہوئے ہے کیونکہ فطرت انسان پر سلطان قاہر کی طرح غالب رہتی ہے۔

مطلب یہ کہ ہر شے کی کچھ ممکنات Potentialities ہیں جو اس کو اس کے منتہٰی تک لے جاتی ہیں۔ ان میں سے کوئی شے بھی اپنی اس حد کو کراس نہیں کر سکتی۔ مثلاً انسان دونوں پاؤں اٹھا کر کھڑا نہیں رہ سکتا۔ خارجی کائنات میں ہر شے کی شاکلة متعین ہوتی ہے لیکن ہر ممکنات کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے۔ جیسے موت آخری حد نہیں بلکہ مابعد الموت بھی زندگی کا تصور ملتا ہے جو منتہٰی کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی لئے موروثی اثرات شکل وصورت، مذہب ذہانت، چال ڈھال وغیرہ اور ماحول یعنی تربیت ذہنی وجسمانی کے نفسیاتی، معاشرتی، جذباتی، تعلیم، خیالات ونظریات، مقصد وغیرہ۔ وہ رسیاں ہیں کہ جن سے اس کا پاؤں بندھ جاتا ہے۔ لیکن علم وآگہی کی ترقی کے ساتھ نئی نسل کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی گزشتہ نسلوں سے، اپنے اسلاف سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ مگر اس حقیقت کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ کہ انسان اپنی ممکنات کے دائرے میں ہی رہے گا۔ یہ متعینہ ہیں مثلاً کل کا انسان چاند پر جا سکتا تھا لیکن وہ وہاں نہ پہنچ سکا جبکہ آج کا انسان چاند سے بھی آگے کی دنیا میں پہنچنا ہی چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ممکنہ حد متعین تھی تو ایسا ہوا۔

اور ابھی تو بڑے جہاں دریافت کرنا باقی ہیں۔ ابھی تو ہم نے خود کو دریافت کرنا ہے۔ لیکن ہمیں کیا پتہ کہ ہم اور ہماری جدوجہدیں مستقیم ہیں یا نہیں اسی طرف قرآن ہماری توجہ دلاتا ہے کہ:۔

افمن یّمشی مکبًّا علٰی وجههٖٓ اهدیٰٓ امّن یّمشی سویًّا علٰی صراطٍ مّستقیمٍ ۝ قل هو الّذیٓ انشا کم وجعل لکم السّمع والابصار والافئدة قلیلاً مّا تشکرّون ۝ (۲۸۵)

ترجمہ:۔ کیا وہ شخص جو اوندھے منہ چل رہا ہو کیا وہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ جو سیدھا صراط مستقیم پر چل رہا ہے؟ کہہ دے وہ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ شکل و شاکلة کے حوالے سے بنی نوع انسان کیونکر ہدایت پاتا ہے، یعنی کہ نفس کی باطنی ماہیئت کا جائزہ لیں گے۔

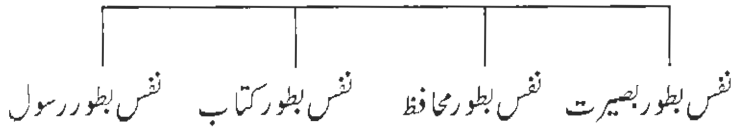
نفس کی باطنی ماہیئت بحوالۂ ہدایت من جانب اللہ:۔

انّک لا تهدی من احببت ولٰکنّ اللّٰه یهدی من یّشآءُ وهو اعلم بالمهتدین ۝ (۲۸۶)

ترجمہ:۔ بے شک تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کو تم دوست رکھتے ہو۔ مگر اللہ ہی ہدایت کرتا ہے اس کی جس کی وہ چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو جانتا ہے۔

ہدایت من جانب اللہ ہوتی ہے یہ فقط اسی ذات بابرکت کا نام ہے کہ ہم پر یہ لطف وکرم عام ہے۔ ہدایت کا یہ عظیم نظام اللہ کے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کیونکر ہدایت پاتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لئے ہمیں نفس کی ماہیت کا جائزہ لینا ہوگا۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔ جس میں سے شکل وشاکلۃ کے حوالے سے تو جائزہ لے چکے ہیں۔ لیکن اس کی تفصیل میں تین چیزیں آتی ہیں۔ جو درج ذیل ہیں۔

نفس کی باطنی ماہیت



۱)...... نفس بطور بصیرت:۔

نفس ایک ایسی نوری صلاحیت کا امین ہے جسے عام طور پر عوام الناس چھٹی حس Six Sense کی صلاحیت کہتے ہیں رکھتا ہے اور اسلام نفس کو بابصیرت قرار دیتا ہے۔ بصیرت Insightness کو کہتے ہیں۔ نفس کی بصیرت افروزی ہی آیات وآثار کو سمجھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اسی لئے اللہ رب العزت انسانوں کو ان کی فطری نفسی خصوصیت کو متعارف کروا رہا ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے معاملات وفیصلے اور نتائج حاصل کر سکیں الغرض معرفت نفس کا ادراک کرے معرفت حق کے خواہاں ہوں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

بل الانسان علی نفسہٖ بصیرۃ ۝ ولو القٰی معاذیرہٗ ۝ (۲۸۷)

ترجمہ:۔ بلکہ انسان تو اپنے نفس کو خوب دیکھنے والا ہے چاہے وہ اس کے لئے کتنے ہی عذر پیش کرے۔

نفس کی بابصیرت ہونے کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ یہ تجربہ ہم عام زندگی میں خود اپنے نفوس میں جھانک کر کر سکتے ہیں۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہر ہر بات ہمارے نفس پر نقش کے ساتھ گہرے اثرات لئے ہوئے ہوتی ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ جس طرح ہم کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح نفس پر نقش کو بھی پرکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ سب بصیرت کے دم سے ہی ممکن ہے۔

۲)...... نفس بطور محافظ:۔

نفس کی بصیرت فقط فہم رسانی ہی کا ذریعہ نہیں بلکہ اس منزل پر جب نفس فائز ہوتا ہے تو وہ اس فہم وفراست کا محافظ بھی بن جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اس آگہی کو اپنے اندر محفوظ کر لیتا ہے۔ اس طرح حافظ ہونے کے ناطے وہ انسان کی محافظت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

والسّماء والطّارق ۝ وما ادراک ما الطّارق ۝ النّجم الثّاقب ۝ ان کلّ نفسٍ لمّا علیھا حافظ ۝ (۲۸۸)

ترجمہ:۔ قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی اور تو کیا جانے رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ چمکتا ہوا روشن

ستارہ ہے، بے شک کوئی نفس ایسا نہیں جس کے اوپر ایک محافظ نہ ہو۔

مذکورہ آیات کریمہ ہمیں ایسے غیبی نظام کی طرف متوجہ کر رہی ہیں جو شاید فی الحال تو پورے طور پر سمجھ میں نہ آئے لیکن مفہوم کا ادراک کر کے مقصد سے بالضرور آگاہی حاصل کی جا سکتی ہے اس لئے کہ نفس بطور حافظ کے ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر یہی ہمارا محافظ بھی ہے مگر اس کا تعلق نفس کے اکتساب و وضع سے ہے۔

۳)...... نفس بطور کتاب:۔

ہر نفس میں ایک کتاب موجود ہے جو اس بات پر دلیل ہے کہ انسان پڑھنے کی صلاحیت سے مالا مال ہے اب اس کا انحصار انسان پر ہے کہ وہ اسے پڑھتا ہے یا نہیں۔ کلام ربانی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا کہ:۔

وکلّ انسانٍ الزمنٰہ طٰئرہٗ فی عنقہٖ ونخرج لہٗ یوم القیٰمۃ کتٰباً یّلقٰہ منشوراً ۝ اقرا کتٰبک کفٰی بنفسک الیوم علیک حسیباً ۝ من اھتدٰی فانّما یھتدی لنفسہٖ و من ضلّ فانّما یضلّ علیھا ولا تزر وازرۃ وّزر اخرٰی وماکنّا معذّبین حتّیٰ نبعث رسولاً ۝ (۲۸۹)

ترجمہ:۔ اور ہر انسان کا طائر ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور ہم اسے قیامت کے دن ایک کتاب کی صورت میں نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔ پڑھ لے اپنی کتاب تو آج کے دن اپنا حساب کرنے کے لئے خود ہی کافی ہے۔ جس کسی نے ہدایت حاصل کی تو اپنے ہی نفس کے لئے ہدایت حاصل کی اور جو گمراہ ہوا تو اسی کے خلاف گمراہ ہوا اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور ہم تو عذاب دینے والے نہیں ہیں۔ جب تک کہ ہم ایک رسول نہ بھیج دیں۔

انسان اگر اپنے باطن میں دیکھے تو اسے محسوس ہوگا کہ اعمال تو درکنار نیت تک کا ریکارڈ بھی اس کمپیوٹر نما کتاب میں موجود ہے جس سے چھٹکارا ممکن نہیں۔ لہٰذا نفس جو کچھ کمائے گا تو وہ اسی کے ذمہ ہوگا۔ ہدایت یا گمراہی اس کا حساب اسے خود دینا ہوگا۔ تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ کا اصول ہے وہ یہ کہ جب بھی وہ کسی کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کی جانب رسول بھیجتا ہے یہ دو طرح سے ہے۔ ایک تو یہ کہ امت میں رسول بھیجنا جو کہ وہ بھیج کر اپنی حجت کو تمام کر چکا ہے اور دوسرے یہ کہ ہر نفس میں رسول موجود ہے۔ اس طرح مکمل طور پر تمامیت حجت ہو جاتی ہے۔

۴)...... نفس بطور رسول:۔

قرآن مجید نفس انسانی میں موجود رسول کو متعارف کراتا ہے۔ اس رسول کا مقصد گمراہی سے بچا کر رسالت کے مقاصد کی طرف متوجہ کرنا ہے۔ اگر ہم اپنے نفسوں پر غور کریں تو ہم پر نفس کی ایسی سطح کا ادراک ہوتا ہے کہ جو عام طور پر نہیں ہوتا۔ خاص طور پر اس وقت کہ جب انسان برائی کی طرف دوڑتا ہے تو یہی رسول اس کو صحیح راستے کا پتہ دیتا ہے۔ اس لئے ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین اذبعث فیھم رسولاً مّن انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکّیھم

ویعلّمهم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰلٍ مّبینٍ O (۲۹۰)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے صاحبان ایمان پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں انہی کے نفسوں میں ایک رسول مبعوث کیا وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پیشتر وہ صریح گمراہی میں تھے۔

مندرجہ بالا تصریح اس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارا نفس باطنی ماہیئت کے اعتبار سے مکمل ہدایت یافتہ ہے اور کیوں نہ ہو۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی ہدایت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جو کہ رب العزت نے فطرۃ اللہ کی صورت میں عطا فرمائی جو اپنے باطن میں تین اہم خصوصیات رکھتی ہے۔ یعنی کلمۃ اللہ، سنت اللہ اور روح اللہ۔ الغرض فطرت ہو یا شریعت ہدایت سے لیس ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہدایت کا نظام اتنا پختہ واکمل کیونکر ہے؟ فطرت کے حوالے سے ہدایت کی وسعت وممکنات کیا ہیں؟ نیز نفس انسانی کے اکتساب ہدایت کی وسعت وممکنات کیا ہیں؟

رہنمائی کے حصول کے لئے اب ہم ان سوالات کا اگلے موضوع سے ادراک کریں گے۔

ہدایت کی وسعت، فطرۃ اللہ اور قرآن:۔

ہدایت کی وسعت ادراکیاں فطرۃ اللہ کی وسعتوں اور ممکنات سے وابستہ ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فطرت اللہ الّتی فطر النّاس علیہا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدّین القیّم (۲۹۱)

ترجمہ:۔ اللہ کی فطرت جس پر انسان کو فطر کیا گیا اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو دین قیم ہے۔

فطرۃ اللہ کے مفہوم کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ہم لفظ فطر کا جائزہ لیں اہل لغت کے نزدیک:۔

فطر أصل الفطر الشق طولا. فطریٰ ابدع و رکز فی الناس من معرفۃ تعالیٰ و فطرۃ اللّٰہ ھی مار کز من قوتہ علی معرفۃ الایمان. (۲۹۲)

ترجمہ:۔ فطر کے اصل معنی کسی شے کو طول میں پھاڑنے کے ہیں۔ فطر الناس سے اس معرفت الٰہی کی طرف اشارہ ہے جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر ودیعت کی گئی ہے لہٰذا فطرۃ اللہ سے معرفت الٰہی کی استعداد مراد ہے۔ جو انسان کی جبلت میں پائی جاتی ہے۔

بہرحال فطر سے فطرت اور فطرۃ اللہ سے مراد ایسی شریعت جو انسانی زندگی کے تمام اطراف، اس کی سرگرمیوں Activities کے تمام گوشوں پر محیط ہے وہ انسان کی زندگی کے لئے ان امور کے سلسلے مین جو زماں ومکان کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔ کلی اور بنیادی اصول ومبادی کو وضع کرتی ہے۔ اور ان امور کے سلسلے میں جو زماں ومکان کے اثر سے تبدیل نہیں ہوتے وہاں تفصیلی احکام اور جزئی قوانین فراہم کرتی ہے اس طرح یہ شریعت اپنے کلی اصول مبادی اور اپنے تفصیلی احکام کے ساتھ ان تمام امور کو محیط ہے جس سے تا قیامت انسانی زندگی عبارت ہے۔

انسان ان قوانین وہدایات کا محتاج رہا ہے، رہا تھا اور رہے گا۔ کیونکہ فطرۃ اللہ محور ہے۔ جس کے گرد اس کی

اپنی نشو ونما کا عمل جاری وساری رہتا ہے۔اور یہ وہ فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی جب تک کہ اللہ خود نہ چاہے۔

اس شریعت میں تغیر وتبدل اس لئے بھی ممکن نہیں کیونکہ یہ اکمل دین ہے۔لہٰذا ہر عیب اور ہر خامی سے مبرا ہے۔لہٰذا رسول ان تمام افراد سے جو شک کرتے ہیں ان سے اس طرح مخاطب ہے کہ:۔

قالت رسلھم افی اللّٰہ شکّ فاطر السمٰوٰت والارض ط (۲۹۳)

ترجمہ:۔ ان کے رسولوں نے کہا کیا تم اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو۔آسمانوں اور زمین کا فاطر ہے۔

فطرۃ اللہ کی اطلاقی صورتیں:۔

شرق وغرب، فرش تا عرش جس جس شے کو بھی بنایا خوب بنایا اور اس طرح بنایا کہ وہ با آسانی اپنے لئے راہ کا انتخاب کرلے۔کوئی دشواری نہ ہو۔کسی شے کو نیست سے ہست کرنے کے لئے قدروں، ترتیب، تنظیم، صورت، تمامیت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے لئے اصول وقوانین کی۔لہٰذا رب العالمین نے اس کے لئے Laws of Nature کا اطلاق کیا ہے۔کیونکہ اس کے بغیر یہ لیل ونہار، رنگ ونور، یہ روانی ممکن نہ تھی۔سو اللہ نے فطرۃ اللہ کا اطلاق تین صورتوں میں کیا جو کہ ازل تا ابد اس کائنات میں جاری وساری رہیں گی۔درج ذیل میں فطرۃ اللہ، اس کی صورتیں، نوعیت، اقسام کلمہ اور کلمات کی اطلاقی خوبیوں کا مختصر خاکہ ملاحظہ ہو:۔

(ضمیمہ جات نمبر ۱ میں فطرت اللہ کی صورتیں، کلمے کی نوعیت واقسام مع اطلاقی خوبیاں، چارٹ نمبر ۵، ص نمبر ۴۹۴ پر ملاحظہ ہو۔)

فطرۃ اللہ کا ظہور خلقت، جبلت اور شریعت کی صورت میں:۔

وجود خلقی کلمات اللہ کا نتیجہ، نفس کی سعی سنۃ اللہ کا کمال اور روح، روح اللہ کی بدولت شعور پاتی ہے۔یہ سب خواص مل کر فطرۃ اللہ بنتے ہیں۔فطرۃ اللہ کا یہ اجتماع ظہور چاہتا ہے تو دین قیم سے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں۔تو ہر نوع کو ایک خلقت اور ہر خلقت کو ایک جبلت اور ہر جبلت کو ایک شریعت ملتی ہے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات میں ہر شے اپنے گھاٹ کو خوب جانتی ہے۔اپنے قیام کو پہچانتی ہے۔جبلت سے سرمو انحراف نہیں، ہر ہر شے اور ہر کوئی اپنی صلوٰۃ اور تسبیح کو خوب جانتا ہے۔مگر کیسے؟

خَلق اوّل:۔

لامحدود علم رکھنے والی ہستی نے ہر نوع کو اپنی مشیت کے تحت تخلیق کیا ہے اور ہر تخلیق کوئی نہ کوئی مقصد رکھتی ہے۔اور اس مقصد کے حصول کے لئے اس کو اسی کے موافق تخلیق کرنا ضروری ہے۔لہٰذا اسے کسی ایک طریق وترتیب پر تخلیق کیا جاتا ہے۔وہی اس نوع کی اول تخلیق کہلاتی ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک خَلق اور دوسرے خُلق۔(ضمیمہ جات نمبر ۱ میں خَلق وخُلق اول کے لئے تصویر نمبر ۵، ص نمبر ۴۹۹ پر ملاحظہ کیجئے)

خُلق الاوّل:۔

خلق اوّل کے معنی پہلی مرتبہ خلق Create کرنا۔قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا کہ:۔

افعیینا بالخلق الاوّل ط (۲۹۴)

ترجمہ:۔ کیا ہم پہلی مرتبہ خلق کرنے سے تھک گئے تھے۔

جو رب خلق اوّل کرسکتا ہے۔تو پھر دوبارہ بھی Create کرسکتا ہے۔ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ جب پہلے نہیں تھا تو اب کیسے؟ اسی لئے رب العزت نے فرمایا کہ کیا تم غور نہیں کرتے، النفس و آفاق پر تا کہ تم صحیح اصول کا ادراک کرسکو لہٰذا کئی مقام پر متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ:۔

☆ اولم یروا انّ اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض ولم یعی بخلقھنّ (۲۹۵)

ترجمہ:۔ کیا وہ اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا اور ان خلق کرنے میں اسے تھکان نہیں ہوئی۔

☆ اولم یروا انّ اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض قادر علٰٓی ان یّخلق مثلھم (۲۹۶)

ترجمہ:۔ کیا وہ غور نہیں کرتے کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے اس پر قادر ہے کہ ان کی مانند اور خلق کردے۔

☆ الم تراو کیف خلق اللّٰہ سبع سمٰوٰت طباقاً ۞ وجعل القمر فیھنّ نوراً وجعل الشّمس سراجاً۞ واللّٰہ انبتکم من الارض نباتاً ۞ ثمّ یعیدکم فیھا و یخرجکم اخراجاً ۞ (۲۹۷)

ترجمہ:۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے کس طرح تہہ بہ تہہ سات آسمان خلق کئے؟ اور ان میں چاند کو ایک نور قرار دیا۔اور سورج کو ایک چراغ قرار دیا اور اللہ نے زمین سے تمہاری اس طرح افزائش کی جس طرح افزائش کرنے کا حق ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی میں لوٹا دے گا اور پھر وہ تمہیں اس میں سے اسی طرح نکالے گا جس طرح کہ نکالنے کا حق ہے۔

☆ افعیینا بالخلق الاوّل بل ھم فی لبسٍ من خلقٍ جدیدٍ ۞ ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہٖ نفسہٗ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید۞ (۲۹۸)

ترجمہ:۔ کیا ہم پہلی مرتبہ خلق کرنے سے تھک گئے تھے؟ تاہم وہ تو از سرِ نو خلقت کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کیا اور ہم خوب جانتے ہیں۔کہ جو کچھ اس کا نفس اس کے دل میں وساوس ڈالتا رہتا ہے اور ہم تو اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جو پہلی مرتبہ خلق کرسکتا ہے وہی خلق جدید بھی کرسکتا ہے کوئی دوسرا ایسا نہیں کرسکتا۔لیکن کائنات کی تخلیق تو سوائے اللہ کے کسی نے نہیں کی لہٰذا اس نے ابتداء کی ہے وہی اسے دہرائے گا۔ جو اس حقیقت پر

یقین نہیں رکھتے ایک تو علم کی کمی کے سبب اور دوسرے نفسی وساوس سے۔ تاہم بعث بعد الموت جیسی حقیقت پر ابھی تحقیقات جاری ہیں۔

خُلق الاوّلین:۔

خلق اوّل یعنی انسان کی پہلی عادت۔ قرآن حکیم نے انسان کی عادتوں کے متعلق کئی جگہ ارشاد فرمایا کہ:۔

ان ھٰذآ الاّ خلق الاوّلین ۝ (۲۹۹)

ترجمہ:۔ بے شک یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انسان اپنے اخلاق Moral کے لحاظ سے خاصا کمزور واقع ہوا ہے۔ جبکہ اخلاق ہر فعل کی بنیاد ہے۔ لہٰذا اپنی کمزوروں کو اپنے نفس پر حاوی نہیں کرنا چاہئے۔ تب ہی اخلاقی بلندی کی معراج تک پہنچ جا سکتا ہے۔ درج ذیل کی تخلیقی کمزوریوں پر قابو پالیا جائے تو پھر اخلاقی طور پر انسان خاصا مضبوط ہو جاتا ہے۔ وہ کمزوریاں درج ذیل ہیں:۔

☆ وخلق الانسان ضعیفاً ۝ (۳۰۰)

ترجمہ:۔ اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

☆ خلق الانسان من عجلٍ (۳۰۱)

ترجمہ:۔ انسان جلد باز خلق کیا گیا ہے۔

☆ انّ الانسان خلق ھلوعاً ۝ (۳۰۲)

ترجمہ:۔ بے شک انسان فطرتاً بے صبرا خلق کیا گیا ہے۔

☆ انّہٗ کان ظلوماً جھولاً ۝ (۳۰۳)

ترجمہ:۔ بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

☆ فلینظر الانسان ممّا خلق ۝ (۳۰۴)

ترجمہ:۔ پس چاہئے کہ انسان غور کرے کہ وہ کس شے سے خلق کیا گیا ہے۔

مختصر تجزیہ سے پتہ چلا کہ جس قانون کے تحت رب تعالیٰ نے یہ تخلیق زماں ومکاں کی ہے۔ اسی قانون کے تحت وہ موت کے بعد دوبارہ خلق کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ انسان کے علم کا تو یہ حال ہے۔ کہ ابھی زماں ومکاں پر تحقیق جاری ہے۔ کون جانے کہ یہ فقط مکان ہے یا پھر لامکاں تک پھیلا ہوا سلسلہ۔ اور دوم یہ کہ اخلاق فعل مکافات عمل اور جرم وسزا کی بنیاد ہے۔ لہٰذا قدم اٹھانے سے پہلے دین کے معاملے میں فکر سے کام لیا جائے اسی میں فلاح کا راز مضمر ہے۔

خلقت مع جبلت:۔ Creation With Instinct

واتّقوا الّذی خلقکم والجبلّة الاوّلین ۞ (۳۰۵)

ترجمہ:۔ اور ڈرو اس سے جس نے تمہیں اور گزشتہ خلقت کو خلق کیا۔

جبل:. الجبل، واعتبر معانیه فاستعیر و اشتق منه بحسبه فقیل فلان جبل لا یتزحزح تصورا لمعنی ثبات فیه و جبله الله علی کذا اشارة الی مارکب فیه من الطبع الذی یابی علی الناقل نقله. ای المجبولین علی اموالهم التی بنوا علیها و سبلهم (۳۰۶)

اردو مفہوم:۔ جبل:۔ پہاڑ اور پہاڑ کی مختلف صفات کے اعتبار سے استعارۃ ہر صفت کے مطابق اشتقاق کر لیتے ہیں۔ مثلاً معنی ثبات کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ فلاں نہ ہلنے والا پہاڑ ہے۔ اس کی فطرت ہی ایسی ہے یعنی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ جبلت سے مراد ان کے وہ احوال ہیں جن پر ان کو پیدا کیا تھا اور وہ راستے جن پر چلنے کے وہ فطرۃً پابند تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی شے کی کثرت، مستحکم عادت کے ہیں چونکہ پہاڑ سے مشتق ہے لہٰذا کسی شے کا تمام اجزاء کے ساتھ مستحکم طور پر اکٹھے ہوکر بلند ہونا کے ہیں۔ ڈاکٹر رفیع الدین جبلت کے ارتقاء کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

On the appearance of the amoeba, life broke the resistance of the Physical Laws; On the appearance of man it broke the resistance of the instincts. Just as the Physical laws had help the evolution of life but were neverthless an obstacle to its future growth, so the instincts too, by assuring the continuation of life and increasing by their own multiplication, the complexity of the brain, had helped its evolution but were neverthless an obstacle to its future progress (307)

میکڈوگل کے نزدیک:۔

Mc Dougall's defines an instinct as "an inherited and innate Psycho-Physical diposition which determiness its possessor to percieve and pay attention to objects of a certain class and experience an emotional excitement of a particular quality upon percieving such an object and to act in regard to it is a particular manner or at least to experience an impulse to such action." (308)

جبلت کے ارتقائی مدارج:۔ Evolutional Stages of the Instinct

ڈاکٹر رفیع نے اس کے تین ارتقائی مدارج بیان کئے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ:۔

1. The material stage, developing the urge of matter of the Physical laws.

2. The animal stage, developing the urge of the animal or the instincts.

3. The human stage developing the urge of consciousness in freedom. (309)

ان کا کہنا ہے کہ یہ صرف تین ارتقائی مدارج نہیں بلکہ یہ علم کے تین شعبے اور دنیائے سائنس کی تین اہم مدارج ہیں۔طبعی، حیاتیاتی اور نفسیاتی اعتبار سے۔ علاوہ ازیں اس میں ارتقاء کی اہم ترین بات یہ ہے کہ جبلت کو شریعت کی لگام ڈالی جاسکتی ہے۔ تب ہی ہم انسانیت کی معراج کو پاسکتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبلت میں ہم کس حد تک آزاد ہیں؟ مختصر یہ کہ کچھ عادتیں ایسی ہیں جن میں ہم قطعاً آزاد نہیں۔ کچھ خلقی بناء پر کچھ خلقی بناء پر۔ اور کچھ توارث کے حوالے سے خلقی اعتبار سے اس طرح کہ ہم انسان ہیں۔ لہٰذا انسانی جبلت سے چھٹکارا ممکن نہیں اس کو Follow the nature کے اصول کے مطابق انجام دیتا ہے۔ اسی طرح کچھ خلقی لحاظ سے ہیں۔

جس کا ہم نے پچھلے عنوان میں ذکر کیا ہے۔ اور توارث میں چال، ڈھال، بولنا، خاموش رہنا یہ عادتیں ہم میں پیدائشی ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اپنی خلقی جبلت کی بناء پر یوں تو دو ٹانگوں والے ہیں۔ دونوں سے چلتے ہیں۔ ایک پر کھڑے ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ دونوں ٹانگیں اٹھا کر کھڑے رہو۔ تو یہ ممکن نہیں۔

نفسیاتی لحاظ سے دیکھا جائے تو ہماری زندگی کی ساری سرگرمیاں Activities اسی جبلت Instinct پر منحصر ہیں۔ البتہ ان میں عادت Habits کا بھی کمال ہے۔ لیکن مختلف ماہرین جبلت کے بارے میں کچھ یوں گویا ہیں:۔

Marx regards the instinct of feeding as the life dynamic. According to Freud, the sex instinct and, according to Adler the instinct of self assertion is the cause of all human activities. McDougall holds the view that all instincts to gether constitute the urge of human life. But the facts of human nature make it clear that far from the instincts being the urge of life they are themselves ruled and controlled by the urge of life which is the urge of consciousness. (310)

جبلت کے لیولز:۔ Levels of the Instinct

دراصل جبلت کے تین لیول ہیں۔ جن کو ہم با آسانی سمجھ سکتے ہیں۔ اور ان میں انسان درمیان میں ہے اس پر سیر حاصل بحث تو فطرالناس کے حوالے سے انسان ملائکہ اور جن کے حوالے کی جائے گی۔ لیکن ہاں مختصراً ہم جبلت کو تین لیولز میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

Levels of the Instinct

Physiological wise	Psychological wise	Spiritual wise
1 Malaika	1, Up ward	1, Highest
2 Human	2, On ward	2, Balanced
3, Animal	3, Down ward	3, Lowest

نیز وجودی ،نفسیاتی اور روحانی اعتبار سے مخلوق کی جبلّت کو ملاحظہ کیجئے ۔ (ضمیمہ جات نمبر ا میں چارٹ نمبر ۲ ، صفحہ نمبر ۴۹۵ پر ملاحظہ کیجئے ۔)

اسی لئے شاید ڈاکٹر رفیع الدین نے جبلت کے ارتقائی مدارج کے حوالے سے علم کے تین شعبہ قرار دیتے ہوئے سائنس کے تین درجات کی وضاحت فرمائی ہے ۔ ملاحظہ ہو:۔

Three departments of knowledge or these sciences corresponding to these three stages:-

1, The science of matter or the physical Science which explains the laws of matter.

2. The science of animal or biology which explai ns the laws of the animal body.

3, The science of man or psychology which explains the laws of the human mind. (311)

حقیقت میں انسان تخلیق کے اعتبار سے تو احسن تقویم کی منزل پر ہے لیکن جب حیوانی جبلت کو Follows کرتا ہے تو پھر اسفل سافلین کی منزل پر آ جاتا ہے ۔ قرآن حکیم میں ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا جو کہ جبلت کے اعتبار سے پیدا تو انسان ہوئے لیکن انسانیت کے مقام سے نیچے آن گرے لہٰذا ان کا پھر ایسا ہی حال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا:۔

وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ○ وَ لَقَدۡ اَضَلَّ مِنۡکُمۡ جِبِلًّا کَثِیۡرًا ؕ اَفَلَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡقِلُوۡنَ ○ (۳۱۲)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ صرف میری ہی بندگی کرنا یہی صراط مستقیم ہے اور تم میں سے کتنی کثیر تعداد کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہ لو گے؟

انسانی جبلت پر ماحول کے بھی اثرات ہوتے ہیں ۔ اور مذہب وعقیدہ کے بھی اس میں سب سے زیادہ عقیدہ اہم Role Play کرتا ہے ۔ درج بالا آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے ۔ کہ انسان کے علاوہ جتنی بھی مخلوقات ہیں ۔ سب کو رب العالمین نے فقط اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے ۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ جو کہ اس کائنات میں افضل جانا جاتا ہے ۔ تسخیر النفس و آفاق کو مسخر کرنے کا سبق دیکر بھیجا گیا ہے وہ اپنی ہستی کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے یا حیوانیت اور درندگی کی طرف ۔ اگر وہ اپنے مقام سے نیچے آتا ہے تو دیگر مخلوقات اس پر درجہ لے جاتی ہیں ۔ یہی بات ہمیں ایک اور حقیقت کا پتہ دیتی ہے کہ جبلت بنا شریعت کے اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی ۔ لہٰذا اب ہم اس

سلسلے میں قرآن وسائنسی حوالے سے جائزہ لیں گے۔

جبلت مع شریعت:۔

قرآن حکیم والفرقان حمید نے تو ہر ایک نفس کو راہ دکھائی ہے۔ پس فرق اتنا ہے کہ:۔

1, Nature Dominated on Matter, Animal and Plant sides.

2. Freedom with conditioned on Human Sides.

لیکن ملائکہ میں سے ہوں یا دابۃ میں سے ہر ایک شرع کا پابند ہے۔ یادر ہے دین قائم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں وہ ان قوانین کی پابند ہیں جبکہ انسان ان پابندیوں سے کسی اور خاص حد تک آزاد بھی ہے۔ لیکن اس کو بھی رب العالمین نے ہدایت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّا عرضنا الامانة علی السّمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یّحملنها و اشفقن منها وحملها الانسانؕ انّهٗ کان ظلوماً جهولاًۙ ۝ (۳۱۳)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا پس انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کردیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور انسان نے اسے اٹھالیا بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

جبال اور جبلۃ کی Root ایک ہی ہے۔ آیت کریمہ میں جس امانت کا بار اٹھانے سے انکار، آسمان وزمین اور پہاڑوں کا اور اقرار انسان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر ہم فقط غور وفکر سے کام لیں تو اس امانت کی معرفت ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ ہر خلقت کی جبلت اپنے شعور میں مخصوص رجحان کی حامل ہوتی ہے۔ مثلاً آسمان کی ایک جبلت مینہ برسانا ہے اور زمین کی ایک جبلی خصوصیت اشیاء کو نشوونما دینا یعنی اگانا ہے اسی طرح شیطان کی جبلت ہے گمراہ کرنا۔ یہی اس کا وطیرہ ہے۔ اسی لئے وہ کہتا ہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اس کا عنصر آگ Fire ہے آگ کا مطلب ہلاکت، موت، تباہی وبربادی ہے لیکن نہیں آگ کی اس جبلت میں کئی درجے ہیں۔ جو شدت، توازن اور گرمی کی صورت میں ہیں۔ جو زندگی کا ایک اہم عنصر بھی ہے۔ اسی طرح پہاڑ ہیں۔ جو سختی، بلندی، جو کسی شے کی کثرت کی علامت اور مستحکم عادت جیسی خوبیوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ لیکن جب رب العالمین کا حکم ہوتا ہے۔ تو پھر اس پہاڑ کی صورت کچھ اس طرح ہوتی ہے کہ:۔

ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفها ربّی نسفاًۙ ۝ فیذرها قاعاً صفصفاًۙ ۝ لّا ترٰی فیها عوجاً وّلا امتاًؕ ۝ (۳۱۴)

ترجمہ:۔ اور وہ تجھ سے پہاڑوں کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ پس کہہ دے میرا رب ان کو ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے اور ان کو چٹیل میدان چھوڑ دے گا تو نہ تو اس میں کوئی موڑ دیکھے گا اور نہ گھاٹی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شے کی قدروں کی نسبت ہدایت ودیعت کردی گئی ہے اور اس ہدایت سے انحراف

اس خلقت کے لئے ممکن نہیں ۔ ان کو جتنا شعور دیا گیا ہے وہ اسی کے موافق عمل پیرا ہیں ۔ اور مزید یہ کہ جو ہدایت بھی ان کو بروقت ملتی ہے وہ اس کو لینے میں ذرا تاخیر نہیں کرتے ان کی اطاعت کا تو یہ حال ہے کہ ۔۔

لو انزلنا ھٰذا القراٰن علیٰ جبلٍ لّرایتہٗ خاشعاً مّتصدّعاً مّن خشیۃ اللّٰہؕ و تلک الامثال نضر بھا للنّاس لعلّھم یتفکّرون ○ (۳۱۵)

ترجمہ:۔ اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تُو اسے اللہ کے خوف سے عاجزی کے ساتھ دب جانے والا دیکھتا۔ اور ہم لوگوں کے لئے یہ مثالیں بیان کرتے ہیں شاید کہ وہ غور وفکر کریں ۔

پتھروں سے چشموں کا پھوٹنا مذکورہ آیت کی صداقت کا مظہر ہے ۔ مگر ایک انسان کا دل ہے جو شاید پتھروں سے زیادہ سخت ہے کہ جب قرآن پڑھتا ہے یا سنتا ہے تو اثر قبول نہیں کرتا ۔ اس لئے کہ ایک وشیطانی وسوسے کے سبب اور دوم عدم تفکر کے سبب اور سوم خیانت کے ۔ فرمان ربی ہے کہ:۔

وا مّا ینزغنّک من الشّیطٰن نزغ فاستعذ باللّٰہؕ انّہٗ سمیع علیم ○ انّ الّذین اتّقوا اذا مسّھم طٰٓئف مّن الشّیطٰن تذکّروا فاذا ھم مّبصرون ○ (۳۱۶)

ترجمہ:۔ اور اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی ترغیب ہو تو اللہ سے پناہ مانگ بے شک وہ سننے والا جاننے والا ہے وہ لوگ جو متقی ہیں ۔ جب بھی انہیں شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ لاحق ہوتا ہے تو وہ یاد کرتے ہیں اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ۔

و اذا قرئی القرآن فاستمعوا لہٗ وانصتوا لعلّکم ترحمون ○ (۳۱۷)

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے ۔

یٰاَیّھا الّذین اٰمنوا لا تخونوا اللّٰہ والرّسول و تخونوآ اٰمٰنٰتکم و انتم تعلمون ○ (۳۱۸)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اللہ اور الرسول کے ساتھ خیانت نہ کرو تو تم اپنی امانتوں میں جان بوجھ کر خیانت کروگے ۔

اس طرح انسان اللہ کے حکم سے انحراف اور رسول جو کہ نفسوں میں موجود ہے، کی آواز ہر نفس کی آواز کو غالب کر کے خیانت کا مرتکب ہوتا ہے ۔ جبکہ رب یہ فرماتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تقویٰ کے ذریعے فرقان جیسی نعمت کا حصول ممکن ہو سکے ۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے :۔

یٰٓاَیّھا الّذین اٰمنوا ان تتّقوا اللّٰہ یجعل لّکم فرقاناً وّیکفّر عنکم سیّاٰتکم و یغفر لکمؕ واللّٰہ ذوالفضل العظیم ○ (۳۱۹)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو وہ تمہیں فرقان کی نعمت عطا کرے گا اور تمہاری برائیاں تم سے دور کر دے گا ۔ اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا صاحب فضل ہے ۔

لیکن جو لوگ کج بحثی کرتے ہیں ایمان کو بیہودہ فرمائشوں پر معلق کرتے ہیں اور اپنے اختیار کو غلط طریقہ پر

استعمال کرتے ہیں جبکہ ہدایت کے تمام اسباب پر حجت تمام ہو چکی ہے۔ تو ایسے لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے اللہ فرماتا ہے کہ:۔

ولو انّ قرانًا سیّرت به الجبال او قطّعت به الارض او کلّم به الموتٰی بل لّلّٰه الامر جمیعًا افلم یایئس الّذین امنوآ ان لّویشآء اللّٰه لهدی النّاس جمیعًا و لا یزال الّذین کفروا تصیبهم بما صنعوا قارعة اوتحلّ قریبا مّن دارهم حتّٰی یاتی وعد اللّٰه انّ اللّٰه لا یخلف المیعاد ۝ (۳۲۰)

ترجمہ:۔ اور اگر قرآن ایسا ہے کہ اس سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین شق کی جاتی یا اس سے مردے بلوائے جاتے تاہم اختیار تو سب اللہ ہی کا ہے ایمان والے نہیں سمجھتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کی ہدایت کر دیتا جن لوگوں نے انکار کیا ان پر تو ان کی کرتوتوں کے سبب سے مصیبت آتی ہی رہے گی یا ان کے گھروں کے آس پاس منڈلاتی رہے گی جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو۔ بے شک اللہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

تفسیر عثمانی میں مذکورہ آیت کے مفہوم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ صاحب قرآن تو صاحب معراج ہے لیکن صاحب قرآن ہونے کی خصوصیات ایسی ہیں کہ جو چاہے ہو جائے۔ ملاحظہ ہو:۔

اگر کوئی کتاب ایسی اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی نشان پورے ہو جاتے تو وہ بجز اس قرآن کے اور کونسی ہو سکتی تھی؟ یہی قرآن ہے جس نے روحانی طور پر پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو انکی جگہ سے ہٹا دیا قلوب بنی آدم کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفت الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے۔ وصول الی اللہ کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرائے مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی جب ایسے قرآن سے تمہیں شفا و ہدایت نصیب نہ ہو تو فرض کرو تمہاری طلب کے موافق اگر یہ قرآن مادی اور حسی طور پر بھی وہ سب چیزیں دکھلا دیتا جن کی فرمائش کرتے ہو تب بھی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی حجتیں اور کج بحثیاں شروع نہ کرتے تم ایسے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو کہ کسی نشان کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں اصل یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے وہ چاہے قیامت تک ہدایت نہیں ہو سکتی۔ لیکن وہ اس کو چاہتا ہے جو اپنی طرف سے قبول حق کی خواہش اور تڑپ رکھتا ہو۔ (۳۲۱)

سماوی و ارضی کی خلقت پابند شریعت ہیں۔ ان کی ذات میں ارادہ و اختیار کو کوئی دخل نہیں آج بھی آسمان پانی برساتا ہے۔ زمین سبزہ اگاتی ہے پہاڑوں نے زمین کو تھاما ہوا ہے۔ توازن کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ دن و رات بدلتے ہیں اور پھر موسموں کے تغیرات آتے جاتے ہیں کوئی بھی چیز اپنی فطرت کے منافی نہیں جانور، چرند، پرند، پودے، جو کوئی بھی زمین و آسمان کے درمیان موجود ہے سوائے انسان کے سب کے سب اسی طرح اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ذرات میں جو الیکٹران ہے وہ الیکٹران ہے جو پروٹان ہے وہ پروٹان ہے کہیں بھی کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ نے ان کی جبلت کو جس شریعت کا پابند کر دیا یہ اس کے تحت اپنا کام کر رہے ہیں۔ جبکہ انسان اپنے ارادہ و اختیار سے جو کہ بعض امور میں ہے۔ تمام امور میں نہیں، اس کو غلط طور پر استعمال کر رہا ہے۔

جو اس دین کے صریحاً خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین پر چلنے کی یا اس کے مخالف چلنے کی اللہ نے ہر کسی کو مہلت دی ہے تا کہ اس کی صحیح طور پر گرفت کر سکے۔ چنانچہ فرمان ربی ہو رہا ہے کہ:۔

ولقد استھزیٔ برسلٍ مّن قبلک فاملیت للّذین کفروا ثمّ اخذ تھمؔ فکیف کان عقاب○ (۳۲۲)

ترجمہ:۔ اور تجھ سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی پس میں نے انکار کرنے والوں کو مہلت دی پھر میں نے ان کی گرفت کی پس میری سزا کیسی سخت تھی۔

مہلت دینا اللہ کی سنت ہے لیکن جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف نہ رہے، تو پھر اللہ اپنی مخلوق کا جو کہ جہاد فی سبیل اللہ اور تقویٰ اختیار کرتی ہے کا رعب ڈال دیتا ہے اسی لئے ایک مومن کئی فاسقوں پر بھاری ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے ان بے عقل لوگوں کی نفسیات اور کردار کی مکمل وضاحت کی ہے شاید کہ انسان خود احتسابی کے عمل سے خود کو گزار سکے۔

حزب اللہ اور حزب الشّیطٰن کی نفسیات اور کرداری نتائج:۔

انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک جو حزب اللہ کہلاتے ہیں اور دوسرے وہ حزب الشّیطٰن کہلاتے ہیں۔ درمیان کی کوئی صورت نہیں ہے لہٰذا ان دونوں گروہ کی نفسیات و کردار ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہے اس لئے نتائج بھی ایک دوسرے کے برعکس ہیں قرآن نے ان دونوں کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے کہ ہر عاقل و بالغ اس سے رہنمائی حاصل کر سکتا ہے اور گروہ کو پہچان کر خود کو برائی سے بچا کر بھلائی کی طرف راغب کر سکتا ہے۔

استحوذ علیھم الشّیطٰن فانسٰھم ذکر اللّٰہ ؕ اولٰٓئک حزب الشّیطٰن ؕ الآ ان حزب الشّیطٰن ھم الخٰسرون ○ انّ الّذین یحآدّون اللّٰہ و رسولہٗٓ اولٰٓئک فی الاذلّین ○ کتب اللّٰہ لا غلبنّ انا و رسلی ؕ انّ اللّٰہ قویّ عزیز ○ لا تجد قوما یّؤمنون باللّٰہ والیوم الاٰخر یو آدّون من حآدّ اللّٰہ و رسولہٗ ولو کانوآ اٰبآءَھم او ابنآءَھم او اخوانھم او عشیرتھم ؕ اولٰٓئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایّدھم بروحٍ منہ ؕ و یدخلھم جنّٰت تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ؕ رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنہ ؕ اولٰٓئک حزب اللّٰہ ؕ الآ انّ حزب اللّٰہ ھم المفلحون ○ (۳۲۳)

ترجمہ:۔ ان پر شیطان نے غلبہ پالیا ہے اور انہیں اللہ کی یاد بھلا دی ہے وہی لوگ تو شیطان کا گروہ ہیں واضح ہو کہ بے شک شیطان کا گروہ ہی خسارہ اٹھانے والا ہے۔ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں یقیناً وہی تو نہایت ذلیلوں میں سے ہیں اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے بے شک اللہ زبردست طاقت والا ہے جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو انہیں ان لوگوں سے دوستی کرتے نہ پائے گا جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں اور اگرچہ وہ ان کے آباء، یا ان کے بیٹے، یا ان کے بھائی، یا ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں ایسے ہی تو ہیں جن کے دلوں میں اس نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی امداد کی

ہے۔ وہ انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے وہی تو اللہ کا گروہ ہیں۔ خوب جان لو کہ بلا شبہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

قرآن حکیم نے ہماری توجہ جس بابت دلائی ہے اگر ہم اس کے مطابق اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ہر دور میں ایک کربلا ہے۔ اور یہ کہ ایسے لوگوں کے قلوب میں اللہ کی محبت کے بجائے اسلام اور اس پر عمل کرنے والوں کا خوف طاری ہے۔ شیطان اور اس کی فوج کے درمیان گھمسان کی جنگ ہے ہر ایک کو اپنی موت کا خوف ہے جس کی وجہ سے ان کا آپس میں اتفاق نہیں اور اسی سبب وہ متحد نہیں۔ یہ تمام نشانیاں ہمارے معاشرے میں پائی جاتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ہمارا معاشرہ خاصی حد تک اسلام سے دور ہو کر شیاطین کے خواب کا تعبیر کدہ اور ان کی آماجگاہ بن کر رہ گیا ہے۔ ساری دنیا میں کم وبیش یہی جنگ طاری ہے۔ جس نے سارے معاشرے کو خوف زدہ کیا ہوا ہے اور گمراہی ان پر اس طرح طاری ہے جیسے رات کی چادر۔ اسی لئے رب کریم نے ان لوگوں کی مثال کچھ اس طرح دی ہے کہ:۔

کمثل الّذین من قبلھم قریباً ذاقوا وبال امرھم ج ولھم عذاب الیم ○ کمثل الشّیطٰن اذقال للانسان اکفر ج فلمّا کفر قال انّی بریٓءٌ منک انّیٓ اخاف اللّٰہ ربّ العالمین ○ فکان عاقبتھمآ انّھما فی النّار خالدین فیھا ط وذٰلک جزٰٓؤا الظّٰلمین ○ ع (۳۲۴)

ترجمہ:۔ ان کی مثال تو ان ہی لوگوں کی سی ہے جو ان سے کچھ ہی عرصہ قبل اپنے کئے کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ مثال تو شیطان کی سی ہے جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کفر اختیار کر پس جب وہ کفر اختیار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری الذمہ ہوں بے شک میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں پس ان دونوں کا یہی انجام ہے کہ وہ دونوں ہمیشہ آگ میں رہیں اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات میں اتنی تمامیت اتنی کاملیت Perfection ہے کہ جو ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اب اس کا انحصار ہم پر ہے کہ ہم اپنی جبلت کو حکم الٰہی کا پابند کریں یا پھر جانوروں کی تقلید کر کے خود اپنی آزادی کا مذاق اڑائیں۔ آزادی کے بے جا استعمال سے انسان کو کیا نقصان پہنچ سکتا ہے اس کا ذکر خاصی حد تک ہم قدر خلقت اور مشیت کے حوالے سے کر چکے ہیں۔ لیکن یہاں فقط اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ انسانی جبلت اور حیوانی جبلت میں بہت فرق ہے۔ اس کا ذوق، اس کا شوق، اس کا ہنر، حسن، خیالات، طبعی فعلیت، اخلاقی اقدار، روحانی تجربات، عزم الغرض انتہائی متنوع جذبات کا حامل ہے۔ اور میرے نزدیک تو سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ بظاہر ہر جاندار اور انسان بھوک کے معالے میں یکساں بے چین ہوتا ہے۔ اور اپنی جبلت بقاء کے دوام کا خواہاں ہوتا ہے لیکن کیا بھوک جیسے مسئلے کو حل کرنے میں انسان اور جانور یکساں ہیں؟ یقیناً نہیں کیونکہ انسان کو رزق حلال سے بھوک ختم کرنی ہے جبکہ جانور کو فقط شکار کرنا ہے۔ اس سے اس کو کوئی غرض نہیں کہ وہ جس گائے بھینس بکری کا شکار کر رہا ہے۔ وہ جنگل میں

آزاد جانور کے طور پر ہے یا پھر اس کا کوئی غریب مالک ہے۔ اسی طرح انسان اپنے Will اور Volition میں بھی خاصہ مختلف ہے۔ اسی کی بناء پر اسے فرقان عطا کی گئی تاکہ وہ اس سے اس کائنات کو نہ صرف تسخیر کرے بلکہ اپنے نئے نئے جہان تلاش کرے۔ اس کی اڑان کے تقاضے اور ہیں اور جانوروں کی اڑان کے تقاضے اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں محو پرواز ہے۔ جس طرح Urge of Matter سے Urge of Instinct کا درجہ بہتر ہے اسی طرح Urge of Instinct سے Urge of Consciousness بدرجہا بہتر ہے۔ پھر بھلا کیونکر زمین آسمان اور بلند و بالا پہاڑ اس امانت کو تھام سکتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے اہل نہیں تھے۔ ورنہ ان کی مجال نہ تھی کہ وہ پروردگار کے حکم سے ذرہ بھر بھی انکار کرتے۔ ان کی فطرت و جبلت میں تو فقط اطاعت ہے کسی پہاڑ کی مجال نہیں جو کہ اپنی جبلت سے منحرف ہو کر دریا بن کر بہہ جائے۔ البتہ خشیت الٰہیہ سے ریزہ ریزہ ضرور ہو جاتا ہے۔ یہ اختیار کا بار تو فقط انسان کو دیا گیا ہے آزمائش کے لئے اب اس کا انحصار انسان پر ہے کہ وہ اس اختیار کو استعمال کر کے فرمانبردار بنتا ہے یا نافرمان۔ وہ اپنے مقام کا عروج چاہتا ہے یا زوال۔ وہ نور چاہتا ہے یا نار وہ اپنی جبلت کے ماتحت ہوتا ہے یا جبلت کو شریعت کے تابع بناتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ لَا يَسْتَوِيْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (۳۲۵)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور ہر نفس پر یہ لازم ہے کہ وہ غور کرے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے؟ اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ اس سے خوب واقف ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔ اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جاتا۔ جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا پس اس نے انہیں اپنے نفسوں سے غافل کر دیا۔ ایسے ہی لوگ تو فاسق ہیں۔ اصحاب نار، اصحاب جنت یکساں نہیں ہو سکتے۔ اصحاب جنت ہی تو کامیاب ہیں۔

منکرین ہوں یا فاسقین ان کے کرداری نتائج اس بات کے امین ہیں کہ دراصل یہ غافل نفوس کے حاملین ہیں۔ لہٰذا جس طرح غفلت اور حق یکساں نہیں ہو سکتے اسی طرح ان پر عمل پیرا ہونے والوں کے نتائج بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔

المختصر یہ کہ انسان کو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ:۔

☆ آزادی تو حاصل ہے مگر مشروط۔

☆ حدود کے اعتبار سے کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور۔

☆ قوت محرک Urge کے لحاظ سے سب مادہ، غیر مادہ، جاندار اور انسان یکساں نہیں۔

☆ ہر ایک شریعت کا پابند ہے۔ مگر ہر نوع کی شریعت دوسرے سے قدرے مختلف صورت میں موجود ہے۔

☆ لیکن!!! تمام مخلوقات Laws of Nature کے تحت ایک مقصد ہی Single Purpose کے لئے کوشاں ہیں۔

جو کہ فلاح کی ضمانت ہے۔

آ یئے! فطرۃ اللہ اور اس کی حدود و قیود اور مشروط آزادی کے حوالے سے انسانی جبلت و عادات نیز اس کے مقام، نفسیات اور اس کے تقاضوں کا تفصیلی جائزہ لیں تا کہ بحیثیت انسان اپنی معرفت کا ادراک کر سکیں اس ادراک کے لئے اللہ نے نہایت عمدہ اور انوکھا طریق آموزش اختیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے باطن میں چھپے جزیروں کو دریافت کر سکے۔ جو اس کے لئے فلاح دارین کا موجب بن سکیں۔ آمین ثمہ آمین۔

ہدایت کا انوکھا طریق آموزش

فطرت اللہ الّتی فطر النّاس علیھا لا تبدیل لخلق اللّٰہ ذٰلک الدّین القیّم (۳۲۶)

ترجمہ:۔ اللہ کی فطرت جس پر انسان کو فطر کیا گیا اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو نہایت درست دین ہے۔

تخلیق امر کا مظہر ہے اس طرح فطر الناس فطرۃ اللہ کا کمال ہے اور فطرۃ اللہ اپنے باطن میں بے شمار کلمات کی امین ہے۔ جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہی غیر متبدل کلمات الدین کی جڑ ہیں۔ ان ہی پر دین قائم ہے۔ لہذا شب و روز ہماری آنکھ یہ مشاہدہ دیکھتی ہے کہ ہنوز اشیاء ظہور پاتی ہیں۔ تو نظام کارسازی میں اور ان اشیاء میں کوئی نقص نہیں ہوتا۔ ہر ذرہ اپنی ہستی میں ایک مکمل پروگرام رکھتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ تو اس کا مختصر عقلی جواب یہ ہے کہ جب غیر متبدل کلمے ہی ہر شے کی بنیاد ہیں تو پھر اختلاف و نقص بھلا کیونکر ممکن ہے؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر شے کو اپنا سبق خوب یاد ہے۔ وہ صرف حکم کی منتظر ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

تسبّح لہ السّمٰوٰت السّبع والارض ومن فیھنّ وان مّن شیءٍ الّا یسبّح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم (۳۲۷)

ترجمہ:۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی بھی ان میں ہے اسی کی تسبیح کر رہے ہیں اور کوئی شے بھی ایسی نہیں جو اس کی حمد کی تسبیح نہ کر رہی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

ہر شے کا اپنے پروگرام کے مطابق عمل پیرا ہونا تا کہ مقصد تخلیق کو حاصل کیا جا سکے یہی ان کی تسبیح ہے لیکن یہ تسبیح ہمارے شعور سے بالاتر کی بات ہے بھی اور نہیں بھی۔ لہذا ایک منفرد تسبیح کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان بھی کائنات میں موجود عناصر کی ترکیب کا نام ہے۔ لہذا یہ مجموعی حیثیت سے بھی اور ہر ذرہ ہر عنصر کے اعتبار سے بھی مذکورہ حقیقت کا منہ بولتا شاہکار ہے اور نفسیاتی لحاظ سے اقرار رب اور اس کی جستجو اس کی سرشت میں موجود ہے اس لئے وہ جب بھی اس سے انکاری ہوتا ہے تو کوئی اندرونی آواز اسے یاد دلاتی ہے کہ تو بندہ کس کا ہے؟ اس کا اقرار تیری فطرت میں موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

واذا اخذ ربّک من بنیٓ ادم من ظھورھم ذرّیّتھم و اشھدھم علیٓ انفسھم الست بربّکم قالو

ابلیٰ شھدنا ان تقولوا یوم القیٰمۃ انّا کنّا عن ھٰذا غٰفلین ۝ (۳۲۸)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے پروردگار نے بنی آدم کی پشت سے ان کی ذریعت کو لیا اور انہیں ان کے نفسوں پر گواہ ٹھہرایا، کیا میں تمہارا پرودگار نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا بے شک ہے ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ مبادو تم قیامت کے دن کہہ دو کہ ہم اس سے غافل تھے۔

چونکہ ہر نافرمانی کا عمل اس کی عہد شکنی اور اپنے خلاف شہادت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ آدم برائے بنی آدم ہدایت کا ایک انوکھا طریق آموزش اختیار کیا ہے۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

ا)...... فطر الناس فطرت آدم برائے بنی آدم ایک نظر میں:۔

کائنات کے ہر ذرے کی تخلیق میں ایک مقصد پوشیدہ ہے۔ وہی مقصد کائنات ہے اس لئے ہر ہر شے کو وہی فطرت عطا کی گئی ہے جو کائنات کے مرکزی مقصد اور مدعا سے مطابقت رکھتی تھی تا کہ اس شے کو اس کے موافق و مطابق ڈھالا جا سکے۔ اور یوں مطلوبہ مقاصد کا حصول ممکن ہو سکے۔ اس نقطہ کو یوں تو ہر کوئی سمجھتا ہے مگر اسے مختلف ناموں سے پکارتا ہے۔ Bergson اسے قوت حیات Vital Force کہتا ہے۔

Bergson:- Urging that biological evolution is impelled by a vital impetus or elan vital that drives life to over come the downword entropic drift of matter. (329)

جبکہ فرائڈ اسے Libido(330) کا نام دیتا ہے۔ جو کہ انسانی خود شعوری کے جذبہ حسن کا ایک نفسیاتی دباؤ ہے۔ جو کہ اس کو مختلف منازل سے گزارتی جا رہی ہے لیکن جب ہم فطرت کے حوالے سے میگڈوگل کے نظریئے کا جائزہ لیتے ہیں۔ تو اس کا نظریہ حیوانی جبلتوں کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ مثلاً جبلت تغزیہ Feeding، جبلت اجتماعی Gregarious، جبلت جنس Sex، جبلت فرار Flight، جبلت تجاۃ Concealment، جبلت تفوق Assertion وغیرہ جو کہ صحبت و جذب اور دفع ونفرت سے ماخوذ ہیں۔ جو کہ انسان کے اعمال کے لئے قوت محرکہ کا کام دیتی ہیں۔ کیونکہ دونوں جبلتوں کا مقصد حیوانی زندگی کا قیام ہے۔ لہٰذا یہی جبلتیں حیوان کے لئے Motivating Force ہیں۔ اور یوں میگڈوگل انسان اور حیوان کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیتا ہے۔

جبکہ!!! قرآن ہمیں اصل حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اعمال کی قوت محرکہ وہ جبلتیں نہیں کہ جہاں انسان اپنی تحقیق و تجربے کی بنیاد پر پہنچتا ہے۔ اور ان نتائج کو بنیاد و مثالی اور حقیقی بنا کر پیش کر رہا ہے۔ بلکہ ہر شے ہر مخلوق اور بالخصوص انسان کے اعمال کی قوت محرکہ جذبۂ اطاعت الٰہی ہے۔ اسی لئے رب کریم ظن و قیاس کو بنیاد بنانے والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

وفی الارض اٰیٰت للموقنین ۝ و فی انفسکم افلا تبصرون ۝ (۳۳۱)

ترجمہ:۔ اور روئے زمین میں یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے نفسوں میں بھی۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟

تقاضۂ فطرت :۔

قرآن حکیم نے ہم پر اس حقیقت کو بھی واضح فرمایا کہ ہر شے کی تخلیق جس تقاضے کے تحت عمل میں آتی ہے وہ بدلا نہیں کرتے ۔ لہٰذا Will of Allah کو Follow کرنے میں ہی بہتری ہے کیونکہ دین کی ساری عمارت اسی پر قائم ہے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

فاقم وجھک للدّین حنیفاً ؕ فطرت اللّٰہ الّتی فطر النّاس علیھا ؕ لا تبدیل لخلق اللّٰہ ؕ ذٰلک الدّین القیّم ۙ (۳۳۲)

ترجمہ :۔ پس تو اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ کر لے اللہ کی فطرت جس پر انسان کو فطر کیا گیا ۔ اللہ کی خلقت میں کوئی تبدیلی نہیں یہی تو نہایت درست دین ہے ۔

سچ تو یہ ہے کہ انسان کی پیدائش میں خود اس کی مرضی کا کوئی دخل نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ نوع ، جنس ، صورت ، رنگت ، آواز کسی میں بھی کوئی دخل نہیں ۔ پور پور کو سنوارنے میں اللہ کا دخل ہے ، ہاتھوں سے بنانے والے کا جس قدر حق انسان پر ہے کسی اور کو وہ حق حاصل نہیں ۔ لہٰذا حیات کے بنانے والے کو اس بات کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ کیونکر حیات کو بامقصد بنائے ؟ سو اس نے جوڑے کر دیا سو کر دیا ۔ اس لئے خواہ خلقت ظاہر میں ہو یا باطن کی صورت مگر مرکزی مقصد میں یکساں ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ

وما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون ○ (۳۳۳)

ترجمہ :۔ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں ۔

جہاں تک انسان کے علاوہ دیگر مخلوقات کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ بھی اللہ کی اطاعت میں مشغول ہیں ۔ مگر یہ دو طرح کی ہیں ۔ ایک جمال کی صورت میں تو دوسری جلال کی صورت ۔ ایک تعمیر کی صورت ہے تو دوسری تخریب کی صورت ۔ ایک محبت کی صورت ہے تو دوسری نفرت کی صورت ۔ یہ بالکل اس طرح ہے کہ جیسے رب العزت جہاں غفور الرحیم ہے وہاں قہار و جبار بھی ہے ۔ دراصل ان ہی صفات کا عکس ہمیں کائنات میں نظر آتا ہے ۔ کہیں زندگی کی صورت میں تو کہیں موت کی صورت میں رقص دکھائی دیتا ہے ایسا اس لئے ہے کہ :۔

☆ تخریب دراصل تعمیر کی معاون ہے ۔
☆ نفرت محبت کی بنیاد ہے ۔ جیسے دفع جذب کی ۔

اس طرح دو اصول متعین ہوتے ہیں ایک اصول جذب Principle of Attraction اور دوسرے اصول دفع Principle of Repulsion ۔

جہاں تک انسان کی عبادت کا تعلق ہے تو یہ تقاضہ تو ہم اسی وقت پورا کر سکتے ہیں جب ہمیں اپنے قیام سے اور اپنے آپ سے آگاہی ہو ۔ چنانچہ رب کریم نے اس سلسلے میں ہم انسانوں کی بھر پور رہنمائی کی تاکہ ہم ان اصولوں ،

اصول جذب و دفع سے زندگی کی ہر منزل پر کام لے کر اپنے تقاضے کو پورا کر سکیں۔ اس لئے ہمیں تخلیق آدم کے حوالے سے آموزش کرائی گئی تاکہ ہمیں مقصد کے حصول میں ذرہ بھر رکاوٹ نہ ہو سکے۔

۲)...... تخلیق آدم اور آموزش فطرالناس کے حوالے سے ایک قرآنی جائزہ:۔

مجرد حقائق Abstract Truth کو بیان کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ جس کو بات سمجھانی ہے اسے اچھی طرح سمجھ آ جائے۔ یوں تو آموزش Learning کے کئی طریق ہیں۔ مثلاً:۔

1) Learning By Association

2) Learning By Imitation and Modeling

3) Learning By Insightness

4) Learning By Characterization

5) Learning By Display.

لیکن آموزش بذریعہ کردار و تمثال کے کرائی جائے تو وہ حافظے میں اس طرح بیٹھ جاتی ہے جیسے نقش اور جب کرداروں کو زبان مل جائے تو پھر تو سونے پر سہاگہ کا کام ہو جاتا ہے۔ انسان کی توجہ بڑھتی ہے۔ حافظہ تیز ہو جاتا ہے حرکی اور محرکاتی عمل میں کنٹرول حاصل کرنے میں مشکل نہیں ہوتی اور زندگی کا مقصد انتہائی واضح ہو جاتا ہے اور یوں آموزش کا عمل اپنی تمامیت کو پہنچ جاتا ہے۔

ایسا ہی تخلیق آدم کے سلسلے میں ہمارے سامنے ہے کہ جس میں آدم بطور بنی نوع انسان کے نمائندہ کے طور پر ہیں۔ دوم وہ تمام طبعی قوتیں کہ جن کے دم سے یہ کارخانہ قدرت چل رہا ہے ملائکہ کی صورت میں موجود ہیں۔ اور سوم شیطان بطور آدمی کی انانیت و سرکشی اور بے باک جذبات کے طور پر موجود ہے جو کہ احکام ربی سے برخلاف ہے۔ اور چہارم خود اللہ۔ چہارم اس لئے کہ از روئے قرآن اللہ فرماتا ہے کہ کسی تین کے درمیان کوئی سرگوشی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے کہ مصداق ہے۔ (۳۴۴)

اس طرح تین کرداروں کے ذریعے آدم کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون ہے؟ اس کا منصب کیا ہے؟ اس کی ذات اس کے نفس میں کتنے آفاق پنہاں ہیں؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کی شریعت کیا ہے؟ اس کا کائنات سے کیا تعلق ہے؟ اس کا خالق سے کیا تعلق ہے؟ کیا آغاز ہے تو انجام بھی ہے؟ وغیرہ وغیرہ.........

آدم کون ہے؟

آدم ابو البشر قیل سمی بذلک لکون حبسده من ادیم الارض و قیل لمهرة فی لونه یقال رجل آدم نحو اسمراو قیل سمی بذلک لکونه من عناصر مختلفة وقوی متفرقة، الادام وهو ما بطیب به الطعام. (۳۴۵)

اردو مفہوم:۔ آدم ابوالبشر بعض کے نزدیک یہ ادیم الارض سے مشتق ہے یہ نام اس لئے رکھا کہ آدم کو روئے زمین کی مٹی سے پیدا کیا گیا۔ مصفی کے نزدیک یہ ادمۃ سے مشتق ہے جس کے معنی گندمی رنگ کے ہیں چونکہ آدم بھی گندمی رنگ کے تھے اس لئے نام رکھا گیا۔ رجل آدم کے معنی گندمی رنگ کے مرد کے ہوتے ہیں اور بعض نے آدم کی وجہ تسمیہ بتائی کہ وہ مختلف عناصر اور متفرق قویٰ کے امتزاج سے پیدا کئے گئے تھے۔ بعض کے نزدیک آدم ادام سے مشتق ہے، ادام سالن وغیرہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے طعام لذیز اور خوشگوار محسوس کیا جاتا ہو۔

ان معنی کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ آدم کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کائنات کی ایک خاص نوع ہے جو کہ مخلوطیت کی حامل ہے۔ جو مذکر بھی ہے اور مؤنث صورت Form میں بھی۔ اور جو مل جل کر رہنے کا عادی ہے۔ تن تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کے لئے معاشرہ ناگزیر ہے۔ اس لحاظ سے آدم اس کائنات میں وہ مثالی فرد ہے کہ جو قبیلۂ آدمیت یعنی ہمارے قبیلے کی پہچان ہے۔

اس سلسلے میں ایک نعرہ لگایا جاتا ہے کہ کوئی وجود بغیر پہچان کے نہیں۔

Quine's Slogan's "No Entity without Identity" (336)

یہ حقیقت ہے کہ ہر وجود کی اپنی پہچان ہے۔ بالکل اس طرح جیسے ہمارے وجود کی پہچان آدم کی پہچان سے ہے۔ لیکن ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ ہمارا اس کائنات میں کیا مقام ہے؟ اس کو جاننے کے لئے ضروری ہے کہ ہم مقام آدمیت یا آدم کے مقام سے اپنے مقام کا ادراک کریں۔

مقام آدمیت:۔ Status of Man

آدمی جسے اللہ رب العزت نے مختلف عناصر اور متفرق قویٰ کے امتزاج کے ساتھ تخلیق کیا۔ اور روح پھونک کر اور عقل و فہم کو جلا بخش کر ایسی نعمت تمام کی جسے علم کہتے ہیں۔ اسی بناء پر وہ مسجود ملائکہ قرار پایا۔ اور یوں دیگر مخلوقات پر فضیلت حاصل ہوئی۔ یہ مقام کائنات میں موجود تمام بنی آدم کو حاصل ہے۔ اس میں نسل، مذہب، قبیلہ، جغرافیائی محل وقوع کی کوئی تفریق نہیں۔ اب اس کا انحصار انسان پر ہے کہ وہ اپنے مقام سے انحراف کرتا ہے یا اپنے مقام کی معرفت کا خواہاں ہے۔ تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ نے تو ذکر آدم کے طفیل کرہ ارض کے ہر بنی آدم کو اس کی آموزش و ادراک کرایا ہے۔

واذقال ربک للملٓئکۃ انّی جاعل فی الارض خلیفۃ قالوآ أتجعل فیھا من یّفسد فیھا و یسفک الدّمآء (۳۳۷)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں نائب مقرر کرنے والا ہوں تو انہوں نے کہا کیا تو اس کو اس میں مقرر کرے گا جو اس میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

خلف:۔ خلف ضد تقدم و سلف و المتاخر لقصور منزلتہ یقال لہ خلف ولھذا قیل الخلف

الردّی ھو المتاخر لا لقصور منزلته یقال له خلف. و الخلافة النیابة عن الغیر امالغیبة المنوب عنه اما لموته واما لعجزه واما لتشریف المستخلف وعلی ھذا الوجه الاخیر استخلف اللّٰہ اولیانه فی الارض قال تعالیٰ ھوالذی جعلکم خلائف فی الارض. (۳۳۸)

اردو مفہوم:۔ خلف کے معنی پیچھے رہ جانے اور کسی کا جانشین ہونے کے ہیں یہ تقدم اور سلف کی ضد ہے اور جو مرتبہ میں گرا ہوا ہو، اسے بھی خلف کہا جاتا ہے۔ اسی بناء پر ردی شے کو خلف کہتے ہیں اور خلف کے معنی متاخر اور جانشین کے بھی آتے ہیں۔ الخلافتہ کے معنی دوسرے کا نائب بننا کے ہیں۔ خواہ وہ نیابت اس کی غیر حاضری کی وجہ سے ہو یا موت کے سبب ہو اور یا اس کے عجز کے سبب ہو اور یا محض نائب کو شرف بخشنے کی غرض سے ہو۔ اس آخری معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں خلافت بخشی ہے۔

مذکورہ بالا مفہوم سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ خلیفہ مجسم خیر بھی ہوسکتا ہے اور مجسم شر بھی۔ کیونکہ Capacity of Nafs کا تعلق قوت جذب دفع سے اگر ناری پیرہن اوڑھے گا تو خلیفۂ شر کہلائے گا اور اگر نوری پیرہن کو جذب کرے گا تو پھر خلیفۂ خیر کہلائے گا۔ اور دوم یہ کہ استخلاف فی الارض کا بار امانت ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اسے حق تصرف حاصل ہے۔

خلافت کے درجات:۔

خلیفہ دراصل ایک ایسا عہدہ ہے کہ جس پر صرف وہی فائز ہوسکتا ہے جو کہ انصاف سے فیصلہ کرے اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کرے ورنہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں خود شمار ہوگا۔ اور معراج کو نہ پہنچ سکے گا۔ دراصل اس کے تین درجات ہیں۔

درجہ	عہدہ	اطلاقی صورت	اقسام خلافت
اعلیٰ درجہ	خلیفۃ فی الارض	معراج انسانیت Insan-e-Kamil	نبوت و خلافت
اوسط درجہ	خلف/ خلفتہ	مقام انسانیت	خلافت راشدہ + خلافت
ادنیٰ درجہ	خُلف	مقام حیوانیت	ملوکیت

ان جہتوں کی معرفت کے طفیل ہی ہم بنی نوع انسان اپنے معیار زندگی کو بلند کرنے کے قابل ہوسکیں گے اور یہ سوچ، سعی، استقامت ہمارے شعوری ارتقاء کی بنیاد ثابت ہوگی۔

آموزش برائے مقصد خلافت:۔

ذکرآدم بذریعہ مشاہدہ کا مقصد آموزش ہے۔ قرآن حکیم نے اس کا ذکر کر کے قیام قیامت تک آنے والے بنی آدم کو آموزش کرادی کہ وہ کیونکر اپنے درجات کو بلند کرسکتا ہے؟ نیز مقصد خلافت کو کیسے پورا کرسکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وھو الّذی جعلکم خلٰئف الارض ورفع بعضکم فوق بعضٍ درجٰتٍ لّیبلوکم فی مَآاٰتٰکم ط(۳۳۹)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین کا متفرق بنایا اور تم میں سے بعضوں کے درجات کو دوسروں سے بلند کیا تا کہ تمہیں اس میں آزمائے، جو کچھ اس نے تمہیں عطا کیا ہے۔

اللہ تبارک وتعالٰی نے انسان کو اس کے بنیادی سوال کہ میرا کائنات میں کیا مقام ہے؟ کا جواب دے کر انسانوں کے اس مسئلے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل فرما دیا۔ اور دوسری جانب انسان کی تشنہ لبی کو حق تصرف دے کر لگام دے دی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اندیشہ ملائکہ کا کیا مقصود تھا؟ تو اس کا جواب بھی واضح ہے ملائکہ کا اندیشہ ہر بنی آدم کے لئے آموزش کا سبب ہے کیونکہ اس میں انسان کو حاصل ہونے والی خلافت اس کو سرکشی وفساد پر ابھار سکتی ہے وہ مالک نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مالک گردانے گا۔ اور اپنے اختیارات کا استعمال عدل وانصاف سے نہ کرے گا۔ حالانکہ اگر وہ نفس لوامہ ومطمئنہ دونوں سے مدد لے اور نفس امارہ کی سرکشی سے خود کو بچالے تو یہی وہ انسان ہے جو مقام انسانیت کی انتہاؤں کو چھونے لگے گا۔ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اندیشہ درحقیقت آزمائش کے طور پر تھا۔ کیونکہ انسان کو جس شے سے روکا جائے وہ اسی طرف مائل ہوتا ہے۔ چنانچہ نفوس کی آزمائش مقصود تھی لہٰذا اندیشہ ملائکہ کی صورت میں آدم بنی آدم تک پہنچی۔ تاکہ وہ شاہین وکرگس کے جہان میں سے اپنے لئے کسی ایک جہاں کا انتخاب کرلے۔ سوم یہ کہ فرشتے چونکہ غیب کا علم نہیں رکھتے اس لئے وہ یہ حقیقت نہ جان سکے کہ آدم کو خیر وشر کا اختیار دیا گیا ہے۔ آدم کے حافظے میں اندیشہ ڈالنے کا مقصد اس اختیار کو استعمال کرانا مقصود تھا۔

آموزش علم کائنات اور فضیلت آدم:۔

آدم جو بشر ہے حواس خمسہ رکھتا ہے اور پھر عقل وشعور، تدبر وتفکر، مشاہدات وتجربات اور مباحثات کے ذریعے علم کا حصول کرتا ہے اور پھر اسے اپنے حافظے میں محفوظ کر لیتا ہے یہی وہ ظاہر و پوشیدہ نعمتیں ہیں جو اسے علم کی دولت سے مالا مال کر کے مخلوق میں افضل بنا دیتیں ہیں۔ آدم کے لئے ان نعمتوں کو کچھ اس طرح متعارف کرایا جارہا ہے تا کہ وہ حقیقت کا ادراک کر سکے۔ اور یوں بذریعہ آدم، بنی آدم اس کو جان سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وعلّم اٰدم الاسمآءَ کلّھا ثمّ عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انۢبئونی باسمآءِ ھٰٓؤلآءِ ان کنتم صٰدقین ○ قالو ا سبحٰنک لا علم لنآ الّا ما علّمتنا ط(۳۴۰)

ترجمہ:۔ اور اس نے آدم کو ان سب کے نام سکھلا دیئے۔ پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو، انہوں نے کہا تو منزہ ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھایا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم سے کیا مراد ہے؟ اور اسماء کا مفہوم کیا ہے؟ لیکن ان دونوں سوالوں کا جائزہ لینے سے پہلے ایک نقطۂ لطیف کی تصریح ضروری ہے وہ یہ کہ خالق ومخلوق دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے خالق وموجد کو

جو علم ہوتا ہے وہ علم اس کی تخلیق یا ایجاد کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے عالم ہادی کی مخلوق کو بھی اس کا علم نہ تھا۔ اس لئے دونوں طرف آموزش کرائی تا کہ شک کا امکان نہ رہے۔ اور پھر قبولیت استعداد کا اعتراف حقیقت کے ذریعے مشاہدہ بھی کروا دیا۔

علم:۔

علم:۔ "العلم ادراک الشی بحقیقة وذالک ضربان أحد هما ادراک ذات الشئ والثانی الحکم علی الشئ بوجود شیء هو موجود له اؤ نفی شیء هو منفی عنه" (۳۴۱)

اردو مفہوم:۔ العلم کسی شے کی حقیقت کا ادراک کرنا یہ دو قسم پر ہے اول یہ کہ کسی شے کی ذات کا ادراک کر لینا۔ دوم ایک شے پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو اس کے لئے ثابت ہو۔ یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو اس سے منفی ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم کس طرح تعلیم فرمایا گیا۔ امام راغب اس کے متعلق کہتے ہیں:۔

تعلیم:۔

فتعلیمه الاسماء هو ان جعل قوة بها نطق ووضع اسماء الاشیاء وذلک بالقائه فی روعه وکتعلمیه الحیوانات کل واحد منها افعلا یتعاطاه وصوتاً یتحرّاه (۳۴۲)

اردو مفہوم:۔ آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دینے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے اندر بولنے کی صلاحیت اور استعداد رکھ دی جس کے ذریعے اس نے ہر چیز کے لئے ایک نام وضع کر لیا تھا یعنی اس کے دل میں القاء کر دیا جیسا کہ اللہ نے حیوانات کو ان کے کام سکھا دیئے ہیں جسے وہ سرانجام دیتے رہتے ہیں اور آواز دی ہے جسے وہ نکالتے رہتے ہیں۔

علم الاسماء کا مفہوم:۔

سمو:۔ ای الالفاظ والمعانی مفرداتها ومرکّباتها، الانواع الثلاثة من الکلام وصور المسمیات فی ذوّاتها (۳۴۳)

اردو مفہوم:۔ اسماء سے یہاں الفاظ و معنی دونوں مراد ہیں خواہ وہ مفرد ہوں یا مرکب۔ اسماء سے کلام کی انواع ثلاثہ اور صور مسمیات بمع ان کی ذوات کے مراد ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جس طرح تعلیم حاصل کی تھی اسی طرح افعال و حروف کا علم بھی انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے جب تک کسی چیز کی ذات کا علم حاصل نہ ہو محض نام کے جاننے سے انسان اسے دیکھ کر پہچان نہیں سکتا۔ غرضیکہ حقائق اشیاء کا علم ودیعت کر دیا گیا۔ تاہم علم کے سلسلے میں یہ بات ضرور ذہن میں آتی ہے کہ آیا کہ وہ علم اجمالی تھا یا تفصیلی۔ تو اللہ رب العزت نے اس سوال کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کیونکہ کلھا کے لفظ میں کلیت و کاملیت کا اظہار

ہوتا ہے اور جب عرضھم کہا تو اس سے مزید وضاحت ہوگئی کہ اجمالی شے تو پھیلی ہوئی نہیں ہوتی ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تفصیلی علم دیا گیا تھا۔ یہ بحث ایسے ہی ہے جیسے کچھ لوگ قرآن کو اجمالی کہتے ہیں کچھ تفصیلی ۔ حالانکہ اس مسئلے کی گنجائش ہی نہیں ہے اگر قرآن کے الفاظوں پر غور کرلیا جائے ۔ بہرکیف ہمیں ایسی بحثوں میں الجھے بغیر حقیقت کا ادراک کرنا چاہئے ۔

دورحاضر کے ایک عظیم سائنسدان Eddington کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے :۔

آپ دگل کی اس محسوساتی و نامحسوساتی ناسوتی دنیا سے خود ہمارا سائنسی ذہن قطعی Exact سائنس کی ایک آیاتی یا علاماتی Symbolic دنیا تعمیر کرلیتا ہے ۔ آیاتی اس لئے کہ سائنس کے ایٹم والیکٹران وغیرہ سب کے سب کچھ ایسی اشیاء کے اصطلاحی نام یا اسماء ہوتے ہیں جن کی مائیت تو نامعلوم ہی رہتی ہیں لیکن جن کے ریاضیاتی پہلو Aspects ان اصطلاحوں کی تعریف سے ظاہر ہو جاتے ہیں اور یہ آیات وعلامات اس طرح ایک نامعلوم شے کو ظاہر کرتیں ہیں جس طرح الجبرا میں ص، ب، ج، وغیرہ کوئی حرف ایک نامعلوم مقدار Quantity کو بطور علامت دلالت کرتا ہے۔'' (۳۴۴)

واقعی یہ بات آج جتنی سچی اور حقیقت نظر آتی ہے شاید اس سے پہلے نہ تھی ۔

ملائکہ کے علم کی نفسی حقیقت اور آموزش آدم :۔

ملائکہ کے علم کی نفسی حقیقت کی آموزش آدم اور توسط آدم سے بنی آدم کو کرائی جارہی ہے تاکہ انسان کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔ ملائکہ کے علم کی نفسی حقیقت کا یہ عالم ہے کہ :۔

اول یہ کہ ان قوتوں کو اختیار وارادہ نہیں دیا گیا۔ دوم یہ کہ جن امور کا حکم ہو صرف وہی انجام دیتے ہیں اس کے علاوہ نہ تو سکت ہے اور نہ ہی مجال۔ سوم یہ کہ یہ مخفی قوتیں ہر شے کے نفس پر اثر انداز ہوکر نفسیاتی تغیر برپا کرتیں ہیں اس لئے جب اللہ نے آدم کو اس کی پوشیدہ قوت سے متعارف کرانا چاہا تو بذریعہٗ اندیشہ نفس انسانی کی دنیا میں ہلچل مچا دی اور چہارم یہ کہ آدم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جب اشیائے کائنات کو ان کے سامنے پھیلا دیا گیا تو انہوں نے اپنی ہستی اور پونجی پر نگاہ ڈالی تو کم مائیگی علم کا احساس ہوا لہٰذا حقیقت کا اعتراف کرلیا تاکہ آدم شرک سے خود کو بچاسکیں ۔ اور پنجم یہ کہ آدم کے لئے ملائکہ کو مسجود کرایا تاکہ واضح ہوں کہ فرمانبردار ہیں ۔

انکار ابلیس بوجہ آموزش آدم برائے بنی آدم :۔

ولقد خلقنٰکم ثمّ صوّرنٰکم ثمّ قلنا للملٰٓئکة اسجدوا لاٰدمؐ فسجدوٓا الآ ابلیسؕ لم یکن مّن السّٰجدین ○ (۳۴۵)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم نے تمہیں خلق کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا؟

سجدہ کا کیا مفہوم ہے؟ انکار ابلیس میں آدم کے لئے کیا نفسی حقیقت پنہاں تھی؟ کیا آدم اس مظاہرہ کی حکمت کے موافق جا سکے؟ اس مظاہرہ سے اللہ کا کیا مقصود تھا؟ آیئے ان کی تفصیل سے آگاہی حاصل کریں۔

سجد: السجود أصله التطامن والتذلل وجعل ذلک عبارة عن التذلل الله و عبادته و هو عام في الانسان و الحيوانات و الجمادات، و ذالک ضربان سجود باختيار وليس ذلک الا للانسان وبه يستحق الثوب. وسجود تسخير وهو للانسان والحيوانات و النبات. (۳۴۶)

اردو مفہوم:۔ سجد: السجود اس کے اصل معنی فروتنی اور عاجزی کرنے کے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی اور اس کی عبادت کرنے کو سجود کہا جاتا ہے اور یہ انسان، حیوانات اور جمادات سب کے حق میں عام ہے۔ سجود کی دو قسمیں ہیں سجود اختیاری جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور اس سے وہ ثواب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور سجود تسخیری جو انسان، حیوانات اور نباتات سب کے حق میں عام ہے۔

اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ کائنات کی ہر ہر شے خواہ اس کا تعلق عالم سماوی سے ہو یا عالم ارضی سے یا دیگر عالمین سے سب کے سب طوعا وّ کرھا (۳۴۷) چارو ناچار اللہ ہی کو سجدہ ریز ہیں۔ یہ سجدہ تسخیری بھی ہے اور اختیاری طور پر بھی۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وللّٰہ یسجد مافی السمٰوٰت وما فی الارض من دآبۃٍ وّالملٰئکۃ وھم لا یستکبرون○(۳۴۸)

ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کے لئے سجدہ ریز ہے۔ جو کچھ بھی آسمانوں اور جو کچھ بھی زمین میں جانوروں اور ملائکہ میں سے ہے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔

لفظ دابۃ میں ہر قسم کی چلنے پھرنے والی مخلوق آ گئی اور ملائکہ کے لفظ سے تمام مخفی قوتیں Hidden Powers آ گئیں۔ اب رہی بات طوعا کرھا کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جو قوتیں مثبت پیدا کی ہیں یا منفی وہ اپنے اپنے امور انجام دے رہی ہیں۔ نار اپنے فرائض انجام دے رہی ہے اور نور اپنے، لہٰذا ملائکہ کا سجدہ تعمیل کے لئے اور ابلیس کا عمل انحراف کے لئے۔ مگر آدمی کے لئے ضروری ہے کہ اسے بتایا جائے کہ تعمیل کے کیا فائدے ہیں اور انحراف کے کیا نقصانات ہیں؟ انہی کے تفہیم اس مظاہرہ میں کرائی گئی ہے۔

ابلیس کے معنی اور نفسی تاثیر:۔

بلس:۔ الا بلاس الحزن المعترض من شدة الباس (۳۴۹)

اردو مفہوم:۔ بلس، الا بلاس کے معنی سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہونے کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شیطان کو ابلیس کے نام سے پکارا ہے۔ اگر اس نام کا تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جو ناامیدی و مایوسی کا پیکر ہو وہ کسی کے لئے بھلائی کا سبب کیونکر بن سکتا ہے۔ یہ خاصۂ ابلیس ہے اس لئے مایوسی کو کفر کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہاں آدم کے لئے اس حکمت کی معرفت دلانا مقصود تھا کہ زندگی صبر و شر کے مقابلہ کا نام ہے لہٰذا ہر

حال میں اللہ پر توکل کرنا اس کی ذات سے مایوس نہ ہونا۔ اور دوم یہ کہ ابلیس کے مظاہر سے مقصود الٰہی یہ ہے کہ انسان اپنے نفس میں چھپے جذبے کی کبھی تائید نہ کرے جو اس کو منحرف بنائے اس لئے انسان کے وہ جذبات جس سے کہ اللہ کے قانون پر ضرب لگتی ہو کبھی تائید نہ کرے کیونکہ اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں۔ سو اس کو بھی وہی سزا ملے گی جو اس منحرف قوت کو ملی۔ اس لئے اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:۔

لا تقنطوا من رّحمة اللّٰه ط (۳۵۰)

ترجمہ:۔ اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ناامیدی Frustration سے سرکشی کے جذبات Aggressiveness پیدا ہوتے ہیں۔ اور یوں انسان رحمت سے دور اور زحمت کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔

ابلیسی عنصر اور نفسی تاثیر:۔

ابلیس کا شمار عناصر کے اعتبار سے نار میں ہوتا ہے۔ انسان کے مقابلے میں ان تمام عناصر کو ناری کہا جاتا ہے جو ہلاکت وتباہی اور تخریبی صلاحیت کا مظہر و مؤجب ہوں اور نفسی اعتبار سے سوائے اپنے کسی کو برتر ماننے کے لئے تیار نہ ہوں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قال انا خیر مّنه ج خلقتنی من نّارٍ وّخلقته من طینٍ ○ (۳۵۱)

ترجمہ:۔ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے خلق کیا اور اسے تو نے مٹی سے خلق کیا ہے۔

نار Fire ابلیسیت کا عنصر Element تخلیق ہے۔ گو کہ نار اور نور دونوں کا مادہ یا جز ایک ہی ہے لیکن یہ سکے کے دو رخ ہیں۔ جو ایک دوسرے سے یکسر مختلف ہیں۔ ابلیس کا عنصر آگ اور آگ تخریبی صلاحیت اور ہلاکت کا مظہر و علامت اور مؤجب ہے۔ یہ نفس انسانی میں منفی تغیر پیدا کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ پریشانی و مایوسی سے شروع ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات خودکشی Sucide پر جا کر ختم ہوتا ہے یا پھر گمراہی کی دلدل میں انسان دھنستا چلا جاتا ہے۔ ایسی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے کہ علم، عقل، تجربہ، مشاہدہ، ہوش وحواس قلب، سب پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس طرح انسان متکبر بننے لگتا ہے۔ دلوں میں سختی آ جاتی ہے کیونکہ وہ جب اپنے نفس پر کامل یقین کرتا ہے تو پھر احساس برتری Superiority Complex کا شکار ہو جاتا ہے۔ یوں وہ اپنی ہستی میں اعتدال سے ہٹ جاتا ہے۔

جن کے معنی اور نفسی تاثیر:۔

با اعتبار مخلوق ابلیس کا شمار جنوں میں ہوتا ہے۔ یہ وہ مخلوق ہے جو مخفی ہوتی ہے یعنی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے لیکن نفسیاتی طور پر تغیر برپا کرتی ہے جس کی وجہ سے ہوش وحواس مستور ہو جاتے ہیں۔ اور انسان حد اعتدال ہی کو نہیں چھوڑتا بلکہ اللہ کا نافرمان بن جاتا ہے۔ یوں انسان اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے اور تباہی کی جانب نکل کھڑا ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

کان من الجنّ ففسق عن امر ربّہٖ افتتّخذونہٗ و ذرّیّتہٗ اولیآء من دونی وھم لکم عدوٌّ بئس للظّٰلمین بدلاً ○ (۳۵۲)

ترجمہ:۔ وہ جنوں میں سے تھا اور اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی ذرّیت کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں نے کیا ہی برا بدل اختیار کیا ہے۔

الجن:. اصل اجن ستر الشئ عن الحاسة . وقیل بل الجن بعض الروحانیین و ذلک ان الروحانیین ثلاثة اخیار وھم الملائکة واشرار وھم الشیاطین و أوساط فیھم أخیار واشرار وھم الجن.(۳۵۳)

اردو مفہوم:۔ الجن کے اصل معنی کسی شے کو حواس سے پوشیدہ کرنا کے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ جن روحانیوں کی ایک قسم ہے کیونکہ روحانیات تین قسم کے ہیں۔ اول اخیار یعنی نیک یہ فرشتے ہیں دوم اشرار یعنی بد اور یہ شیاطین ہیں اور سوم اوساط یہ جن ہیں بعض نیک اور بعض بد ہیں۔ اور یہ جن ہیں۔

لہٰذا فطرت کے اعتبار سے یہ پوشیدہ مخلوق خواہ نیک ہو یا بد بحکم خداوندی اپنے اپنے فرائض انجام دے رہی ہے۔ لیکن ان میں جو بد ہیں۔ اس کا ذکر تخلیق انسان کے ساتھ اللہ نے وابستہ کیا ہے تو اس کا یقیناً کوئی خاص مقصد ہے جس کی تفہیم وآموزش آدم اور اس کے توسط سے بنی آدم کو کرائی جا رہی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والجآنّ خلقنٰہ من قبل من نّار السّموم ○ (۳۵۴)

ترجمہ:۔ اور جنوں کو ہم نے اس سے قبل آگ کے تیز شعلے سے پیدا کیا۔

سموم:. والسموم الریح الحارة التی توثر تاثیر السم. (۳۵۵)

اردو مفہوم:۔ والسموم، لو، گرم ہوا جو زہر کی طرح بدن کے اندر سرایت کر جاتی ہے۔

یعنی جنات کو یہ صلاحیت حاصل ہے کہ وہ کسی بھی شے میں گھس کر معاملے کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اپنی فکر بد کے تحت تغیر برپا کر دیتے ہیں جس سے نفس انسانی حد اعتدال کھو بیٹھتا ہے۔ غصہ و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جذبات میں جولانی آ جاتی ہے جو توازن کو بگاڑ دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے صلاحیتیں مفقود ہو جاتی ہیں۔ نفس میں وساوس پیدا ہو جاتے ہیں اس طرح شیطان کی دشمنی جواز لی ہے منظر عام پر آ جاتی ہے۔ حالانکہ شیاطین اللہ سے ڈرتے ہیں۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

و یرجون رحمتہٗ ویخافون عذابہٗ (۳۵۶)

ترجمہ:۔ اور وہ اس کی رحمت کے متمنی ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اس لئے اللہ رب العزت ہم انسانوں سے اس طرح مخاطب ہے:۔

انّما ذٰلکم الشّیطٰن یخوّف اولیآءہٗ فلا تخافوھم و خافون ان کنتم مّؤمنین ○ (۳۵۷)

ترجمہ:۔ وہ درحقیقت شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے ڈرا رہا تھا پس تم ان سے نہ ڈرو اور اگر تم صاحب ایمان ہو

تو مجھ ہی سے ڈرو۔

شیطان کا سب سے بڑا حربہ یہی ہوتا ہے کہ وہ انسان میں صرف غم، پریشانی، تناؤ Tension، تشویش Dipression وغیرہ ہی پیدا نہیں کرتا بلکہ خوف پیدا کرتا ہے۔ اسی اہم نفسیاتی بیمار کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن میں کر کے آموزش کرائی ہے کیونکہ خوف دراصل تمام قسم کی برائیوں اور بیماریوں کی جڑ ہے۔

خوف:۔Fear

خوف ایک فطری کمزوری ہے اس کو توازن دیا جانا ضروری ہوتا ہے۔لہٰذا اس سے نجات کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ خود کو رب العالمین کے سپرد کر دیا جائے۔اور دوم یہ کہ شیطان کی راہ کو اپنا کر عارضی طور پر نجات حاصل کر لی جائے۔یعنی کہ عیاشی کر کے، نشہ کر کے، فساد برپا کر کے وغیرہ وغیرہ۔ پہلی صورت کا نتیجہ اطمینان بخش تاہم دوسری صورت کا نتیجہ نہایت بھیانک نکلتا ہے خواہ وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی یا گلوبل سطح پر۔آج ساری دنیا میں نفس کی ارزانی اور قدروں کی قحط سالی کی وجہ سے ناری گمان غالب ہے جیسا کہ ہابس کا کہنا ہے کہ:۔

Hobbes Thomas (1588 - 1679) Later enjoyed jesting about the significance of his manner of entry into the world. (He was born prematurely when his mother heared of the approach of the spanish Armeda) "Fear and I were born twins" he would say adding color to his conviction that the fear of death and the need for security are the psychological foundation both of worldly prudance and of civlization itself" (358)

ہابس کا یہ کہنا کہ میں خوف کی پیداوار ہوں یہ سب پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ جو لوگ راہ ہدایت پر چلتے ہیں اور یادالٰہی میں مشغول ہوتے ہیں ان میں خوف متوازن حالت میں ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ جو لوگ ایک سجدہ کو اہمیت دیتے ہوں تو اللہ ان کو خود ہزاروں سجدوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔ خوف صرف اس صورت میں جنم لیتا ہے جب ایک سجدہ سے گریز ہو تو پھر اللہ مخلوقات کا خوف پیدا فرما دیتا ہے۔اور یوں خوف ایمان کی کمزوری یا نہ ہونے کی صورت میں اپنا رنگ رخ دکھاتا ہے۔

خوف کی اقسام:۔

خوف نفسیاتی بیماری ہے جو ایمان کی کمزوری اور ذکرالٰہی سے دوری کے نتیجے میں پروان چڑھتی ہے۔اسی لئے رب کریم نے خوف پیدا کرنے والے محرکات کا ذکر کر کے ہماری رہنمائی فرمائی ہے تاکہ ہم اپنے ایمان کو بچا کر یقین کی منزل پر پہنچ جائیں۔آمین ثمہ آمین۔

ولنبلونکم بشیءٍ مّن الخوف والجوع و نقصٍ مّن الاموال والانفس والثمرٰت (۳۵۹)

ترجمہ:۔ اور البتہ ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور جان اور اموال اور پھلوں کے نقصانات سے ضرور آزمائیں گے۔

خوف زدہ لوگوں کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا:۔

اشحّۃً علیکم فاذا جآء الخوف رأیتھم ینظرون الیک تدور اعینھم کالذی یغشی علیہ من الموت فاذا ذھب الخوف سلقوکم بالسنۃٍ حدادٍ اشحّۃً علی الخیر اولٰٓئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم (۳۶۰)

ترجمہ:۔ تم سے لالچ اور بخل کرتے ہوئے جب خوف طاری ہوتا ہے تو تو ان کو اپنی جانب اس طرح دیکھتے ہوئے پاتا ہے کہ ان کی آنکھیں اس شخص کی مانند گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہو اور جب ان کا خوف زائل ہو جاتا ہے تو مالِ غنیمت کے لئے حریص ہوتے ہوئے تم پر تلخ زبان سے طعنہ زنی کرتے ہیں وہی ہیں جو ایمان نہیں لائے پس اللہ نے ان کے اعمال کو ملیامیٹ کر دیا۔

بزبانِ قرآن خوف کی اقسام کا بھی تعین ہو جاتا ہے جو کہ درج ذیل ہے:۔

۱)......موت کا خوف — 1) Fear of Death

۲)......رزق کا خوف — 2) Fear of Economy

۳)......اموالیا میرا میری کا خوف — 3) Fear of Property

۴)......امن کا خوف — 4) Fear of Peace

۵)......گناہ کا خوف — 5) Fear of Sin

۱)...... **موت کا خوف**:۔ Fear of Death

جو لوگ ہزار برس تک جینے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ فلسفۂ عزت و ذلت ان کا معیار نہیں ہوتا۔ وہ تقوی کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں۔ اور حیاتِ دنیا میں مگن رہتے ہیں۔ اور یہ بھول جاتے ہیں کہ:۔

کلّ نفسٍ ذآئقۃ الموت و نبلو کم بالشّرّ و الخیر فتنۃً و الینا ترجعون ○ (۳۶۱)

ترجمہ:۔ ہر نفس موت کا مزا چکھے گا اور ہم خیر و شر سے تمہاری آزمائش کریں گے اور تمہیں ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔

آج جب مادہ توانائی میں اور توانائی مادہ کی صورت اختیار کر رہی ہے ایسے میں نہ جانے عمر کو بڑھانے کی کس قدر کوشش کی جا رہی ہے۔ کس قدر ذرائع و وسائل استعمال کئے جا رہے ہیں گو کہ ایسا تو زمانہ قدیم میں بھی ہوا لیکن آثار شاہد ہیں کہ موت سے فرار ممکن نہیں۔ جب وہ آئے گی تو کوئی ذریعہ کوئی وسیلہ کوئی ایجاد کام نہ آ سکے گی۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

این ماتکونوا یدرککّم الموت ولو کنتم فی بروجٍ مّشیّدۃٍ (۳۶۲)

ترجمہ:۔ جہاں کہیں بھی تم ہو گے۔ موت تمہیں آ لے گی اگرچہ تم کتنے ہی مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو؟

موت سے کسی صورت بھی فرار ممکن نہیں چاہے انسان جہاد سے فرار حاصل کرنے یا اپنی ہیئت کو تبدیل کر کے لوہا پتھر بن جائے ایسا اس لئے ہے کہ اللہ نے کسی بشر کے لئے ہیشگی قرار نہیں دی۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

وما جعلنا لبشرٍ مّن قبلک الخلد (۳۶۳)

ترجمہ:۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہیشگی قرار نہیں دی۔

۲)...... رزق کا خوف:۔Fear of Economy

شیطان جب رزق کے خوف میں مبتلا کرتا ہے تو انسان بسا اوقات قتل اولاد جیسا گھناؤنا جرم کر بیٹھتا ہے۔ زمانہ قدیم ہو یا جدید شیطان کی ترغیبات ہر دور میں کارگر ثابت ہوئیں ہیں اس لئے کہ وہ ہر دور کے مسئلے کا پیرہن اوڑھ کر نفس انسانی کو رزق کے خوف میں مبتلا کرتا رہا ہے۔ کبھی نظریۂ آبادی دے کر تو کبھی سنت نبوی سے انحراف دلا کر یعنی مجرد زندگی گزارنا۔ یا پھر دولت کی کمی کا خوف دلا کر یا عیاشی کی طرف متوجہ کر کے وہ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل کراتا رہتا ہے۔ اس لئے فرمان الٰہی ہے کہ:۔

ولا تقتلوآ اولادکم خشیة املاقٍ نحن نرزقهم وایّاکم (۳۶۴)

ترجمہ:۔ اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔

رزق کی فراخی ہو یا تنگی یہ آزمائش ہے انسان کو ہر حالت میں آخرت کو ترجیح دینی چاہئے تاکہ دنیاوی زندگی کو۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

اللّٰہ یبسط الرّزق لمن یّشاء ویقدر و فرحوا بالحیوٰة الدّنیا وما الحیوٰة الدّنیا فی الاٰخرة الاّ متاع ۝ (۳۶۵)

ترجمہ:۔ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کرتا ہے اور تنگی کرتا ہے اور لوگ تو حیات دنیا پر فریفتہ ہیں حالانکہ آخرت کے مقابلے میں کمینی زندگی کی حیثیت ہی کیا ہے بجز عارضی لطف کے۔

حقیقت یہی ہے کہ رزق کی فراخی و تنگی اس کے دست قدرت میں ہے تو پھر بے جا فکر کیسی؟

۳)...... اموال اور میرا میری کا خوف:۔Fear of Property

انسان جب کسی نعمت کے مل جانے پر شیخی پر اتر آئے نازاں ہوں اور کھو جانے کے ڈر سے بخل سے کام لے یا نقصان کی صورت میں انتہائی غم و رنج کا اظہار کرے تو اس کا یہ انداز میرا میری کے تصور کا شاخسانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ سب کچھ اس کی کوششوں کا نتیجہ ہے لہٰذا وہی سیاہ سفید کا مالک ہے۔ اس ذہنی اذیت سے بچانے کے لئے رب یوں گویا ہے کہ:۔

وّجاهدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللّٰہ ذٰلکم خیر لّکم ان کنتم تعلمون ۝ (۳۶۶)

ترجمہ:۔ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے

ہوئے۔

اموال اور میرا میری کے خوف کی اصل وجہ نفس انسانی کی سرکشی ہے جو ہوس وحرص میں گرفتار و مبتلا کر دیتی ہے۔ ارشادربانی ہوتا ہے کہ:۔

اعلموآ انّما الحیوٰۃ الدّنیا لعب وّ لھو وّ زینۃ وّ تفاخرٌ بینکم و تکاثر فی الاموال والاولادؕ (۳۶۷)

ترجمہ:۔ خوب جان لو کہ یہ کمینی زندگی تو کھیل کود اور ظاہری نمائش اور آپس میں تمہارا ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال واولاد میں زیادتی کی ہوس ہی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس خوف کو پہچاننے کا طریقہ خود انسان کو بتلا دیا ہے تاکہ وہ اپنا خود محاسبہ کر سکے۔

لّکیلا تاسوا علٰی ما فاتکم ولا تفرحوا بمآ اٰتٰکمؕ (۳۶۸)

ترجمہ:۔ تاکہ جو کچھ تم سے ضائع ہو جائے تمہیں اس کا افسوس نہ ہو اور جو کچھ تمہیں مل جائے تم اس پر نازاں نہ ہو۔

نعمت دراصل آزمائش ہے اس لئے مل جائے تو شکر کرنا چاہئے اور اگر چھن جائے تو لوٹانے کے مترادف ہو۔ لہٰذا اترائے کیوں؟

۴)......امن کا خوف:۔ Fear of Peace

کسی بھی معاشرے کی ترقی میں امن اہم کردار ادا کرتا ہے لیکن اگر کسی معاشرے میں امن عامہ کی صورتحال خطرناک حد تک خراب ہو جائے تو پھر معاشرہ جہنم کدہ بن جاتا ہے۔ ہر طرف فساد ہی فساد ہوتا ہے جیسا کہ آج ہمارا معاشرہ مختلف کلچرز مثلاً لٹریچر کلچر، ڈش وکیبل کلچر، سیلف کلچر، سلوگن کلچر اور کلاشنکوف کلچر کی زد میں ہے یہ تمام کلچر ایک خطرناک وائرس کی طرح حملہ آور ہیں۔ انسان ہے کہ سمجھتا ہی نہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰآیّھا الّذین اٰمنوا لیبلونّکم اللّٰہ بشیءٍ مّن الصّید تنالہٗٓ ایدیکم و رما حکم لیعلم اللّٰہ من یّخافہٗ بالغیبۚ فمن اعتدٰی بعد ذٰلک فلہٗ عذاب الیم ○ (۳۶۹)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو بے شک اللہ تمہاری کچھ آزمائش کرتا ہے اس شکار کے ساتھ جو تمہارے ہاتھوں اور نیزوں کی زد میں ہے تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے پس جو اس کے بعد حد سے بڑھا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے پاس علم کا ہتھیار ہے کسی کے پاس ہنر کا ہتھیار ہے کسی کے پاس دولت کا ہتھیار ہے کسی کے پاس اقتدار کا ہے کسی کے پاس اغیار کی دوستی کا ہتھیار ہے کسی کے پاس دین کا ہتھیار ہے تو تو کسی کے پاس لادینیت کا ہتھیار ہے اور عوام ان ہتھیاروں کی زد میں ہیں۔ اب اس کا انحصار ان ہتھیار سے لیس افراد پر

ہے کہ وہ خود اپنا جائزہ لیں کہ آیا کہ وہ اپنے اسلحہ سے بنی نوع انسان کا دفاع کررہے ہیں یا نیست و نابود۔ یہ حقیقت ہے کہ برائی انسان کے نفس کی طرف سے ہوتی ہے لہٰذا اصول بنا دیا کہ۔۔

مآ اصابک من حسنۃٍ فمن اللّٰہ وما اصابک من سیّئۃٍ فمن نفسک (۳۷۰)

ترجمہ:۔ جو بھی بھلائی تجھے پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔

اس لئے حکم ربی یہ ہے کہ:۔

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا وادعوہ خوفاً وّ طمعاً (۳۷۱)

ترجمہ:۔ اور دنیا میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ اور اسے پکارو خوف کے ساتھ آس لگا کر۔

حصول امن کا طریقہ:۔

اگر کوئی امن و آشتی کا خواہاں ہے تو اسے امن کی بھیک مانگنے کے لئے کسی House جانے کی ضرورت نہیں اگر کوئی واقعی امن کا امین بننا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ:۔

فلیعبدوا ربّ ھٰذا البیت O الّذیٓ اطعمھم مّن جوعٍ وّاٰمنھم مّن خوفٍ O (۳۷۲)

ترجمہ:۔ ان پر واجب ہے کہ وہ اس گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے کہ انہیں بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے امان بخشی۔

درحقیقت اللہ کا خوف ہی امن کی ضمانت ہے لہٰذا جس معاشرے میں یہ ناپید ہو جاتا ہے تو پھر غیر اللہ کا خوف بڑھ جاتا ہے تو پھر بھلا وہ معاشرہ سلامتی کی علامت بن کر دنیا کے نقشے پر کیونکر ابھر سکتا ہے؟ سوجو چاہے کہ وہ بھوک اور خوف سے نجات پائے اسے چاہئے کہ وہ احکام خداوندی بجا لائے۔ جہاد و اجتہاد، صبر و صلوٰۃ، قربانی وایثار نیز سخاوت وعدل سے کام لیا جائے تو معاشرہ خود بخود جنت نظیر بن جائے گا کیونکہ اس میں حق کا بول بالا ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔

۵)...... **گناہ کا خوف:۔** Fear of Sin

گناہ ہو یا نیکی اس کا دائرہ مقرر ہے اس لئے کہ مشیّت ایزدی ہر ذرے پر محیط ہے۔ اور ذرہ قدروں کا متحمل ہے اور قدریں نتیجہ فراہم کرتی ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اپنے دائرہ میں آزاد ہیں؟ اہل مغرب اس کے لئے ایک اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ ہے Free Will، اس کے متعلق کیمبرج ڈکشنری آف فلاسفی میں ہے کہ:۔

Use of free will is a matter of traditional nonclature; it is debated whether freedom is properly ascribed to the will or the agent or to actions, choices deliberations, etc. (373)

ہم کس حد تک آزاد ہیں؟ اس کا تعلق مخلوق Creation کی ممکنات کے دائرہ کار Range of Possibilities

پر منحصر ہوتا ہے ہر مرضی Will اسی رینج کی ممکنات میں محو پرواز ہوسکتی ہے اس کے علاوہ نہیں۔ کیونکہ اس کے ماوراء تو مشیئت ایزدی کی کارفرمائیاں ہیں اور کچھ نہیں۔

تاہم جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو اس کے لئے ایک واضح شریعت موجود ہے جتنی معروضات ومنکرات ہیں وہ سب کی سب قرآن میں مذکور ہیں لہٰذا انسان گناہ اور نیکی کی مقرر کردہ ممکنہ رینج میں ہی سفر کرسکتا ہے اس کے ماوراء نہیں جاسکتا۔ اور دوم یہ کہ انسان سعی وخطا کی آزمائش Trail and Error System سے گزرتا ہے اس دوران اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اسے اپنے لاشعور Subconciousness میں جانے نہیں دیتا اور نہ ہی گناہ وجرم کو دہراتا ہے کیونکہ وہ تائب ہو جاتا ہے اس لئے ضمیر کی ملامت سے بھی نجات پاتا ہے۔ اس طرح مومن لاشعور کی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ جبکہ منکرات پرعمل پیرا ہونے والا خواہ وہ کافر، مشرک یا نام نہاد مسلم ہی کیوں نہ ہو، لاشعور میں گناہ کو دھکیل دیتا ہے اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے نفسیاتی امراض کا شکار ہو جاتا ہے لاشعور دراصل نیکی اور گناہ کو جمع Stored کرتا ہے یعنی کہ معروفات ومنکرات دونوں کی آماجگاہ لاشعور ہے۔ نیز یہ کہ مومن اور کافر میں ایک اور فرق ہے وہ یہ کہ خطا وگناہ Error or Sin خواہ وہ ارادتاً، Willingly ہو یا غیر ارادی وطر پر Unwillingly جب کسی مومن سے سرزد ہوتا ہے تو وہ فقط نادم ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اللہ جو غفور الرحیم ہے، سے اپنے گناہ کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔ اس طرح اس کے نفس کو استحکام وسکون، ارتفاع وارتقاء نصیب ہوتا ہے بصورت دیگر دیکھا یہ گیا ہے کہ لوگ اپنے ضمیر کی خلش سے نجات پانے کے لئے کبھی اپنے جیسے انسان کے پاس جاتے ہیں مثلاً پادری Priest کے سامنے جا کر اعتراف گناہ Confession کر لینا یا پھر کسی دیوار، کسی درخت کے پاس جا کر زور زور سے باتیں کرنا، یا پھر کسی ویران جگہ پر جا کر زور سے اعتراف کر لینا یہ وہ طریقۂ کار ہیں جو کافر اپناتے ہیں یا پھر مشرکین کا اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں پر چڑھاوے چڑھا دینا وغیرہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ کافر ومشرکین یا اہل کتاب کے اعتراف گناہ کے طریقۂ کار میں نہ تو نفس کو استحکام ملتا ہے اور نہ ہی نفس مطمئن ہو جاتا ہے بلکہ یہ طریقۂ کار تو ابنارملی Abnormality کو ظاہر کرتے ہیں جبکہ مومن صحیح طریقۂ کار کو اپناتا ہے جو ایک طرف تو اس کی Normality کو ظاہر کرتا ہے دوسری طرف نفس کا استحکام واطمینان اسے گناہ سے بچنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے اس طرح وہ پختہ عزم کے سہارے اور بھرپور یقین کے ساتھ اصل مالک حقیقی سے معافی کا خواستگار رہتا ہے کیونکہ قرآن نے یہی نارمل طریقہ کار بتایا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن یّعمل سوءً اویظلم نفسهٗ ثمّ یستغفر اللّٰه یجد اللّٰه غفورًا رّحیمًا ○ ومن یّکسب اثمًا فانّما یکسبهٗ علٰی نفسهٖ ط (۳۷۴)

ترجمہ:۔ اور وہ جس نے عمل بد کیا یا اپنے نفس پر ظلم کیا، اور پھر اللہ سے معافی کا خواستگار رہا تو وہ اللہ کو بخشنے والا رحیم پائے گا۔ اور جس کسی نے گناہ کمایا تو اس نے یقیناً اپنے ہی نفس کے خلاف اسے کمایا۔

بار بار گناہ وجرم کرنے سے نفس اور ضمیر پر اس قدر بوجھ بڑھ جاتا ہے کہ انسان ذلتوں کی پستیوں میں گرتا چلا

جا تا ہے ۔ چونکہ گناہگار اپنے نفس کو منکرات سے مشروط کر لیتے ہیں اس لئے ان پر سزا کا اطلاق ہوتا ہے ۔

گناہ گار پر اصول غضب کا اطلاق:۔

جو شخص معروفات کو چھوڑ کر منکرات کو اپنا تا ہے تو پھر وہ عذاب الٰہی کا مستحق قرار پاتا ہے لیکن وہ کون لوگ ہیں کہ جن پر اس اصول کا اطلاق عمل میں آتا ہے ۔ اس ضمن میں قرآن کچھ یوں گویا ہے کہ :۔

کلوا من طیّبٰت ما رزقنٰکم و لا تطغوا فیه فیحلّ علیکم غضبیؕ و من یّحلل علیه غضبی فقدھوٰی ○ (۳۷۵)

ترجمہ :۔ کھاؤ پاک و پاکیزہ رزق میں سے جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے اور اس میں حد سے نہ بڑھو ایسا نہ ہو کہ تم میرے غضب کو اپنے لئے جائز کر لو اور جس نے میرے غضب کو اپنے لئے جائز کر لیا بے شک وہ انتہا درجے ذلت میں گرا۔

جن لوگوں پر اس اصول کا اطلاق ہوتا ہے وہ دراصل حد سے بڑھے ہوئے لوگ ہوتے ہیں ان کی دو نشانیاں ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے لوگ ہوتے ہیں ۔ اور دوم یہ کہ یہ راتوں کو ان باتوں کے متعلق مشورے کرتے ہیں جسے اللہ پسند نہیں کرتا ۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو ان کے نفوس کی کیفیت :۔

و لا تجادل عن الّذین یختانون انفسھمؕ انّ اللّٰه لا یحبّ من کان خوّاناً اثیماً ○ۙ یستخفون من النّاس و لا یستخفون من اللّٰه و ھو معھم اذ یبیّتون ما لا یرضٰی من القولؕ و کان اللّٰه بما یعملون محیطاً ○ (۳۷۶)

ترجمہ :۔ اور نہ جھگڑ ان لوگوں کی طرف سے جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں بے شک اللہ خیانت کرنے والے گناہ گاروں کو پسند نہیں کرتا ۔ وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ راتوں کو اس بات کے متعلق جسے اللہ پسند نہیں کرتا مشورے کرتے ہیں ۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

گناہ کا علاج:۔ Treatment of the Sin

جہاں قرآن نے تمام معروفات اور اس کے اجر سے متعلق احکامات عطا فرمائے ہیں اسی طرح بنی نوع انسان کو تمام منکرات اور ان سے بچنے کے طریقے بتلا دیئے ۔ لیکن اگر پھر بھی کوئی منکرات اختیار کر لے تو اس گناہ کا علاج بھی بتا دیا گیا ہے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

قل یٰعبادی الّذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رّحمة اللّٰهؕ انّ اللّٰه لا یغفر الذّنوب جمیعاًؕ انّه ھو الغفور الرّحیم ○ (۳۷۷)

ترجمہ :۔ کہہ دے اے میرے بندوں ! جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا بے شک اللہ تو سارے ہی گناہ معاف کر دیتا ہے بالتحقیق وہ بخشنے والا رحیم ہے ۔

خوف سے نجات کے طریقہ ہائے کار اور قرآن :۔

خوف دراصل انسان کو غیر متوازن بنا دیتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ خواہش نفس اور بے جا اسباب و وجہ Cause & Reasoning سے، اگر ہم چاہیں تو خود کو عذاب سے بچا سکتے ہیں، مگر اس حقیقت کے اعتراف کے ساتھ کہ ہم زندگی گزارنے کا صحیفہ ساتھ لے کر نازل نہیں ہوئے لہٰذا ہمیں اس ذکر کی طرف توجہ دینی ہوگی جو کہ ہمیں خوف وحزن، نفسی بیماریوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا دلا سکے۔ یہ چھٹکارا اسی وقت مل سکتا ہے کہ جب اللہ سے حق محبت ادا کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ومن النّاس من یّتّخذ من دون اللّٰہ انداداً یّحبّونھم کحبّ اللّٰہؕ والّذین اٰمنوآ اشدّ حبّاً لّلّٰہؕ(۳۷۸)

ترجمہ :۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اس کے ہمسر بنا لئے ہیں وہ ان سے یوں محبت کرتے ہیں جیسے اللہ سے محبت کرنی چاہیے۔ یہ وہ لوگ جو ایمان والے ہیں اللہ کی محبت میں شدید ہیں۔

لیکن جب افراد اللہ کی محبت کو بھلا کر خواہش نفس کی پیروی میں لگ جائے تو اتنی محبت جس پر اللہ کا حق ہے۔ وہ اس شے یا خواہش کو مل جاتی ہے۔ اس طرح انسانی شخصیت پر نیکی اور برائی کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جو لوگ اپنے عمل کی بنیاد نیکی پر استوار کرتے ہیں وہ متوازن شخصیت کے حامل اور جو منکرات کی راہ کو اپناتے ہیں وہ نہ صرف غیر متوازن شخصیت کے حامل ہوتے ہیں بلکہ راندۂ درگاہ بھی۔ چنانچہ یوں انسانی عمل دنیاوی واخروی نتائج مرتب کرنے میں مدد ومعاون ہوتے ہیں۔ دوم یہ بات درست ہے کہ ہر عمل کسی سبب Cause اور وجہ Reason کا نتیجہ ہوتا ہے علم الغایات کی رو سے :۔

As Teleological Explanations:- "Where an action is held to be reasonable or justified in virtue of the Gods toward which it was directed. But positions that treat reason explanations as non-casual requires an alternative account of what it is to decide or act for one reason rather than another."(379)

حقیقت یہ ہے کہ انسان کو بہت زیادہ اسباب وعلل کے مسئلہ میں الجھنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ادغام کی ایک حد ایسی آتی ہے کہ جہاں انسان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسباب وعلل کے ماوراء بھی کچھ ہے یہی وہ مقام ہے کہ جہاں شیطان نفس انسانی میں وساوس کے ذریعے تغیر برپا کرتا ہے اور اسے مختلف فریب میں الجھا دیتا ہے۔ جیسا کہ اس نے انسانوں کو فلسفۂ زندگی کے بارے میں الجھایا۔ کبھی ذہن کو بنیاد بنایا، تو کبھی روح کو، تو کبھی مادہ کو، تو کبھی ذہن و مادہ Mind Body Dualism کے تحت شرک سے بھرپور تصورات فراہم کئے گئے۔ درج ذیل میں ان کے مظاہر ملاحظہ ہوں :۔

Malebranche is associated with Ocasionalism, according to which only God activities

cause things to happen; non-divine Phenomena never cause any thing. Occasionalism differs from Preestablished harmoney in holding that God is continually engaged in acts of creation. At each moment, God creates the world anew, but in such a way that the correlations hold (380)

اور وحدت الوجود Monism کے نزدیک مادہ اور روح کی تفریق غلط ہے یہ دونوں ایک ہی ہیں۔ اس ضمن میں مختلف مفکرین نے اپنی مختلف آراء دی ہیں۔ اسپنوزا Spinzona کی Dual attribute Theory جسے کہ Dual aspect theory بھی کہتے ہیں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے تاہم مونزم Monism کے حوالے سے تین Brands ہیں۔ لہذا درج ذیل میں ہم برکلے، ہیگل، ہیوم، رسل اور مادہ پرستوں کی فکر کو بالترتیب بیان کریں گے:۔

Spinoza"- According to which the mental and Physical are distinct modes of a single substance, God. The mental and Physical are only two of infinitely many modes of this one substance.

According to which all of reality is realy of one kind. Idealism, neutral monism and Materialism are three brands of monism... Berkly is associated with Idealism, traditional according to which every thing is mental. He held that both mental and Physical phenomena are Perceptions in the mind of God... For Hegels Idealism, everything is a part of the world spirit... neutral Monism doctrine that all of reality is ultimately of one kind, which is neither mental nor Physical. Hume was a neutral monist maintaining that mental and Physical substances are realy just bundels of the neutral entities... Russuls called his neutral entities "Sensibilia" and claimed that minds and Physical objects are logical constructions out of sensibilia... Materialism, Hobbes a contemporary of Descartes, espoused materialism, the brand of monism according to which everything is material or Physical.(381)

Donald Davidson's doctrine of anomalous monism is a current trand of non-reductive materialism. He explicitly formulates this materialist thesis for events; and his Irreducibility thesis is officially restricted to intentional mental types-e.g, believings, desirings, and intendings. Anomalous monism says that every event token is Physical, but that intentional mental predicates (Predicates expressing propositional attitudes) and

concept do not reduce, by law or definition, to Physical Predicates or concepts.(382)

جبکہ تفاعل پسند Functionalism کی فکر رکھنے والے ذہن Mind یعنی Mental state کو ہم قرار دیتے ہیں۔

Functionalism. This view defines specific mental state types as types that play a certain casual role. Armstrong's brand of central state materialism counts as a kind of functionalism since it maintains that mental states are states apt to produce a certain range of behaviour, and thus identifies states as mental states by their performing this casual role. (383)

درج بالا تمام نظریات ایسے ہیں کہ جن پر فلسفہ زندگی کی عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ بات یہ ہے کہ ذہنی بگاڑ ہی عملی بگاڑ کا اور ذہنی انتشار ہی عملی انتشار کا سبب بنتا ہے کیونکہ مذکورہ بالا نظریات میں سے کسی ایک یا ثنویت کے تصورات کو اپنایا جائے تو انسان کبھی بھی اپنی منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ حواس وادراک اور زرائع وسائل، ایجادات یہ سب کی سب تحقیق ودریافت کی مرہون منت ہیں۔ لہٰذا کائنات کو دریافت کرنے والا بڑا عالم کیسے ہوسکتا ہے۔ بڑا عالم تو وہ ہے جس نے کہ اس کائنات کو تخلیق کیا وہ یہ فرما رہا ہے کہ:۔

وفیٓ انفسکمؕ افلا تبصرون ○ (۳۸۴)

ترجمہ:۔ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں۔

قلیل علمی کے تحت دیئے جانے والے نظریات کبھی بھی فلاح کا موجب نہیں بن سکتے تاہم خوف وحزن کی فضا کو ضرور پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی لئے رب کریم نے افلا تبصرون کہہ کر مشاہدہ وتحقیق کی دعوت دی اس طرح انسان تدبر و تفکر کے سمندر میں جب غوطہ زن ہوں گے تو تمکن اور شوق سے وہ مرحلے طے کریں گے جو خواب وخیال میں بھی نہ تھے اور جب ذکر الٰہی ہی بنیاد اور ایمان قرار پائے گا تو اندر سے خوف الٰہی کی کونپل خود بخود پھوٹ جائے گی، شعور کو آگہی اور شخصیت کو توازن ملے گا۔ اور انا ego کو تسکین۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّ الّذین اٰمنوا والّذین ھادوا والصّٰبؤن والنّصٰرٰی مَن اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخرِ وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○ (۳۸۵)

ترجمہ:۔ تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے خواہ وہ یہودی ہوں یا لامذہب ہوں یا انصاری ہوں جو کوئی بھی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے پس ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوف الٰہی کی وہ کونسی مختلف میدان و جہات Fields or Angles ہیں کہ جن کے اطلاق سے ہم اپنی شخصیت کو متوازن بنا سکتے ہیں؟

خوف الٰہی اور اس کے علاج کی مختلف جہات:۔ Fear of Allah and his various fields of the treatment

خوف کی افراط وتفریط ابلیسیت کی بنیاد ہے جو کہ بنی آدم کو راہ ہدایت سے ہٹا کر گمراہی کی جانب لے جاتا ہے اور جب افراد خوف کی پستیوں میں گرتے ہیں تو انسانی آموزش کا دریا الٹے رخ بہنا شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان مادہ پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور مادہ پرستی انسان میں نفسیاتی بیماریوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے انسان اعصابی تناؤ Tension، ذہنی الجھن Depression اور بسا اوقات قید تنہائی Anxiety کا شکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے انسانوں کو مثبت ابھار و انقلاب کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ دوبارہ معاشرے میں مفید اور کارآمد فرد کے طور پر ابھر سکیں اور قرآن تو ان میں ایسا فکر و انقلاب پیدا کرتا ہے کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کے مزے لوٹ سکیں (ضمیمہ جات نمبر۲ میں علاج کی جہات تصویر نمبر ۶، ص نمبر ۴۹۹ پر ملاحظہ ہو۔) اس فلاح کو مقدر بنانے کے لئے اللہ نے مختلف جہات بیان کی ہیں اب ہم خوف الٰہی کی مختلف جہات کا مختصراً جائزہ لیں گے:۔

علاج کی جہات Fields of the Treatment:۔

قرآن نے ہماری ہر موقع پر رہنمائی فرمائی ہے لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لئے بھی قرآن نے کچھ اہم جہات متعارف کروائی ہیں جن کے ذریعے سے خوف Fear خواہ وہ مخلوق سے متعلق ہو یا مادہ سے یا خواہش نفس سے یا کسی شرک پرستی والحادی تصور کے طفیل پیدا ہوا ان تمام خوف سے نجات حاصل کرنا ممکن ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے ایسی فیلڈز Fields متعارف کروائی ہیں کہ جن پر گامزن ہوا جائے تو مردہ اذہان میں بھی زندگی کے آثار نمو پانے لگتے ہیں:۔

۱..... علاج بذریعہ توبہ	1) Treatment through Tauba
۲..... علاج بذریعہ ذکر الٰہی	2) Treatment through Remembrance of Allah
۳..... علاج بذریعہ صبر وصلوٰۃ	3) Treatment through Pateince & Prayer
۴..... علاج بذریعہ دعا	4) Treatment through Pray
۵..... علاج بذریعہ روزہ	5) Treatment through Fasting
۶..... علاج بذریعہ انفاق فی سبیل اللہ	6) Treatment through Infaq-e-Fe,sabeelilah
۷..... علاج بذریعہ حج	7) Treatment through Hajj
۸..... علاج بذریعہ جہاد	8) Treatment through Jehad
۹..... علاج بذریعہ اجتہاد	9) Treatment through Ijtehad

علاج بذریعہ توبہ:۔ Treatment through Tauba

انسان خطا کا پتلا واقع ہوا ہے لہٰذا بار بار خطائیں کرتا ہے اسی لئے غلطی دانشمند سے بھی ہو سکتی ہے بہترین

Observer سے بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ آموزش کرانے کے باوجود آدم سے ہوئی یا پھر نوح اہل کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر یا پھر نہ چاہتے ہوئے بھی حضرت موسیٰ امتیازی سلوک کر بیٹھے اور قتل جیسا جرم سرزد ہو گیا۔ یا پھر عہد رسالت کے وہ مسلمان جو جہاد میں اپنے نقطۂ نظر کی بدولت شرکت نہ کر کے اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ بعض جہالت کے سبب اعمال فحش یا بد کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مابعد نبوت خطا Error کا کیا جواز ہے؟

جو گناہ بے شعوری میں سرزد ہو جائیں تو اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے معاف کرنا اس کی سنت کا مدہی نہیں بلکہ اصل میں اس نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ (۳۸۶)

ترجمہ:۔ اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لے آئے تو کہہ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت واجب کر لی ہے بے شک تم میں سے اگر کوئی جہالت کے سبب برا عمل کرے گا اور پھر اس کے بعد توبہ کرے گا اور اصلاح کرے گا تو یقیناً وہ بخشنے والا رحیم ہے۔

لیکن کچھ لوگ ساری زندگی فحش کاری، حرام، حدود اللہ کی خلاف ورزی بالخصوص مذہب لذتیت Hedonism کے تحت زندگی گزار دیتے ہیں۔ جبکہ اس فلسفۂ مذہب کی بنیاد ہی لذتیت ہے کیمبرج ڈکشنری آف فلاسفی میں ہے کہ:۔

Psychological Hedonism itself admits of a veriety of possible forms. One may hold e.g. that all motivation as based on the prospect of present or future pleasure. (387)

دعائے آدم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اپنی عادت کو فطرت کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہے کہ خطا کے بعد فوراً اللہ سے رجوع کیا جائے تاہم اللہ تعالیٰ شرک میں مبتلا اور اسی حالت میں مرنے والوں کو نہیں بخشے گا۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ (۳۸۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے ماسوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

علاوہ ازیں جو افراد مذہب لذتیت کو اپنا کر گناہ کی تکرار کریں گے اور اس خام خیالی کے تحت زندگی گزاریں گے کہ جب موت آئے گی تب دیکھا جائے گا یا یہ جان لیا کہ اب موت یقینی ہے تو پھر رجوع کیا تو اس وقت مقررہ مہلت کے خاتمے پر اس فیصلے کا اطلاق ہوگا جس کا ذکر اللہ نے فرمایا:۔

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ (۳۸۹)

ترجمہ:۔ مگر ان کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے جو برائی کرتے رہیں حتیٰ کہ ان میں جب کسی ایک کو موت آ جائے وہ

کہے کہ میں اب توبہ کرتا ہوں اور نہ ہی ان کے لئے جو کہ حالت کفر میں ہی مر جائیں۔ ایسوں ہی کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسی لئے منکرین بھی دائمی سکون کے خواہاں ہیں۔ کیونکہ اس میں زندگی کا مزہ ہے۔ ارسطو ایسی ہی خوشی اور سکون کا قائل نظر آتا ہے اس کا کہنا ہے کہ:۔

Aristotelian thesis that happiness is the natural End of all human activities. (390)

اسلام تو ہمیں ذہنی عیاشی سے بھی روکتا ہے کیونکہ عمل کا دارومدار فکر پر ہے اس طرح یہ ذہنی منافقت بھی ہوئی اور ایمان کے ساتھ آنکھ مچولی بھی کیونکہ ایک ایسا شخص کہ جسے آئس کریم Ice Cream کھانے میں اتنا مزہ نہیں آتا چونکہ اس کی نظر میں اس کے دل و دماغ میں اس کی قدر ماضی کی خوشگواریوں سے وابستہ ہے:۔

Because in the past he has enjoyed Ice-Cream.(391)

یاد رہے کہ حضرت لوطؑ کی قوم لذتیت جیسے مرض میں مبتلا ہو کر بے نام و نشان ہوئی۔ الہٰذا فطرت کے خلاف نہیں جانا چاہئے۔ کوئی سپر پاور ہونے کے باوجود جاتی ہے تو جائے وہ ہمارے لئے معیار کی حیثیت نہیں رکھتی ہمارے لئے تو قرآن کے تاریخی اور دائمی نتائج ہی رہنما اصول ہیں۔ جو طمانیت دلاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اطمینان کیا ہے؟ فرائیڈ نے Principle of Reality کو کچھ اس طرح متعارف کروایا:۔

The aim is still satisfaction but the "exigencies of life" require attention, reasoing and judgment to avoid falling into the fantasy wish-fulfilment of the primary process. (392)

Plato:- Phantasia is a mixture of sensation and beliefs. In aristotle, It is a distinct faculty that makes truth and falshood possible. (393)

جبکہ قرآن جو ہمارے لئے بنیادی ذریعہ Basic Source اور معیار Standard کے طور پر ہے۔ اس کی ہر ہر آیت، ہر ہر حکم میں انسان کے لئے واضح رہنمائی موجود ہے۔ جو اس کے قلب کے لئے طمانیت کی ضمانت فراہم کرتی ہے۔ قرآن اطمینان Satisfaction کے بارے میں کہتا ہے کہ:۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئنّ القلوب ۝ (۳۹۴)

ترجمہ:۔ خوب جان لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

دراصل طمانیت قلب ہی پاکی قلب کی علامت اور توبہ کی قبولیت کا مظہر ہے۔

علاج بذریعہ ذکر الٰہی:۔ Treatment through Remembrance of Allah

ھل اتٰی علی الانسان حین مّن الدّھر لم یکن شیأً مّذکورًا ۝ (۳۹۵)

ترجمہ:۔ کیا انسان پر زمانے میں ایسا وقت نہیں گزرا کہ جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہ تھا؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو بہت ساری صلاحیتیں عطا کی ہیں جس کی وجہ سے وہ دیگر جانداروں میں منفرد اور ممتاز حیثیت کا مالک ہے انسان کے بولنے کی صلاحیت کو ہی لے لیجئے انسان جس قدر بہترین انداز میں ذکر کرسکتا ہے کوئی اور اس مقام پر فائز نہیں اسی طرح دیگر صلاحیتیں، استعداد اور حواس وادراک ہیں۔ لیکن صلاحیتیں بنا علم کے اپنی تمامیت کو نہیں پہنچتیں، اس لئے انسانوں کے لئے ذکر کو بھی نازل فرمادیا اور جب ذکر کو ذکر ملا تو اتمام حجت بن گیا اب یہ ہر فرد کا ذاتی فعل قرار پایا کہ آیا کہ وہ اس ذکر سے خود کو مستفید کرے یا محروم رکھے صبغۃ اللہ میں رنگ جائے یا پھر خود فریبیٔ حیات کی رنگینیوں میں گم ہوجائے۔ اللہ کا فرمان ہے:۔

لقد انزلنآ الیکم کتٰبًا فیه ذکر کمؕ افلا تعقلون ۝ؑ (۳۹۶)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے؟

تاریخ گواہ ہے کہ اس ذکر کی بدولت زوال زدہ قوم کو ایسا عروج ملا کہ قیامت تک کے لئے ایک معیار بن گیا۔ ایسا کیونکر ممکن ہوا؟ وہ اس طرح کہ وہ جس سبق کو بھول چکے تھے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ بھولا بسرا نغمۂ داؤدی سنایا۔ تو مردہ اذہان میں زندگی کی لہر دوڑ گئی اس طرح حضرت عیسیٰؑ کی سنت بھی جاری ہوگئی جب اقراء کہا تو شریعت کے چشمے کا جمود ٹوٹ گیا اور زم زم کی آوازیں سنائیں دینے لگیں پھر کیونکر رویئے تبدیل نہ ہوتے۔ ایسی تحلیل نفسی ہوئی کہ ریت کے ذرے آفتاب بن کر چمکے اور اللہ اپنے بندے سے یوں گویا ہوا کہ:۔

الم نشرح لک صدرک ۝ۙ ووضعنا عنک وزرک ۝ۙ الّذیٓ انقض ظهرک ۝ۙ ورفعنا لک ذکرک ۝ؕ فانّ مع العسر یسرًا ۝ۙ انّ مع العسر یسرًا ۝ؕ فاذا فرغت فانصب ۝ۙ والٰی ربّک فارغب ۝ؑ (۳۹۷)

ترجمہ:۔ کیا ہم نے تیرے لئے تیرے سینہ کو کشادہ نہیں کردیا اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو اتاردیا؟ جو تیری کمر توڑے ڈالتا تھا اور ہم نے تیرے لئے تیرے ذکر کو بلند کردیا؟ پس بے شک تنگی کے ساتھ فراخی بھی ہے یقیناً مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے پس جب تو فراغت پالے تو جھنڈا بلند کردے اور اپنے رب کی طرف راغب ہوجا۔

لیکن دنیا میں بعض لوگ مطلق ذکر کو بھی تفریح سمجھ کر سنتے ہیں۔ اور حقیقی طور پر راغب نہیں ہوتے ان میں آمادگی کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ قرآن حکیم میں سورۃ انبیاء کی آیت نمبر 2 میں اس کا ذکر ہے۔ اسی منافقت نے ہم انسانوں کو احساس برتری وکمتری Complex سے لے کر نفسیاتی بیماریوں Psychological Disease تک اور خیال سے لے کر عمل تک، احساس سے لے کر جذبات تک، محرکات Motives سے لے کر مہیجات تک نیز احکام سے لے کر اخلاق تک سب کچھ بگاڑ کی نظر کردیا۔ مگر سکون نہ ملا اور ملتا بھی کیسے حکم ربی یہ ہے:۔

الّذین اٰمنوا وتطمئنّ قلوبهم بذکر اللّٰهؕ الا بذکر اللّٰه تطمئنّ القلوب ۝ؕ (۳۹۸)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ کے ذکر سے ان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں، خوب جان لو کہ ذکر اللہ سے ہی قلوب اطمینان پاتے ہیں۔

جو ذکر اللہ کی طرف سے مصدّقہ ہو بے شک وہی اطمینان دلانے کی صفت خاص رکھتا ہے بصورت دیگر غیر اللہ کے کلام میں یہ خوبی نہیں۔ اور اللہ کے بندے تو اللہ کو بن دیکھے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں ان کو پکارتے ہیں۔

علاج بذریعہ صبر وصلوٰۃ:۔Treatment through Patience and Prayer

یٰاَیھا الّذین اٰمنوا استعینوا بالصّبر والصّلوٰۃ انّ اللّٰہ مع الصّٰبرین O (۳۹۹)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو صبر وصلوٰۃ کے ذریعے سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر وصلوٰۃ یہ وہ استعانتیں ہیں جو کہ انسان میں انسانیت اور زوالیت پسندی کی جگہ دوامیت اور فکر ونظر کو رفعت عطا کرتی ہیں۔ یہ محض دو قوتیں ہی نہیں بلکہ دو ستون Pillars ہیں ایک پر ذات کی تعمیر ممکن ہوتی ہے تو دوسرے سے اسلام کی عمارت قائم ہوئی ہے۔ حضرت لقمان کی نصیحت قیامت تک آنے والے ہر بیٹے کے لئے ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰبنیّ اقم الصّلوٰۃ و امر بالمعروف و انہ عن المنکر وا صبر علیٰ مآ اصابک انّ ذٰلک من عزم الامور O (۴۰۰)

ترجمہ:۔ اے میرے بیٹے صلوٰۃ قائم کر اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور صبر کر اس مصیبت پر جو تجھ پر پڑے۔ بے شک یہ بہت ہمت وحوصلے کے کاموں میں سے ہے۔

انسان وہی ہے جو خوشی ہو یا غم صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور تنگ دل نہیں ہوتا بلکہ صلوٰۃ ادا کرتا ہے۔ حکم خداوندی یہ ہے کہ ہم ناشکرے اور بے صبرے لوگوں کی طرف نہ دیکھیں بلکہ شکرگزار اور صابرین کے عمل سے اکتساب کریں:۔

واصبر نفسک مع الّذین یدعون ربّھم بالغدٰوۃ والعشیّ یریدون وجھہٗ (۴۰۱)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ صبح وشام اپنے رب کو اس کی رضا جوئی کے لئے پکارتے ہیں ان کی معیت میں صبر کر۔

یہ کون لوگ ہیں کہ جن کی معیت میں صبر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے یہ دراصل انبیاء علیہم السلام ہیں:۔

واسمٰعیل و ادریس و ذا الکفل کلّ مّن الصّٰبرین O (۴۰۲)

ترجمہ:۔ اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل یہ تمام صبر کرنے والے تھے۔

صبر ایوب اور صبر یونس سے تو سب واقف ہیں ہی۔ صبر دراصل حیوان اور انسان کے مابین حد فاصل بھی ہے صبر رسولوں کی میراث ہے ہمیں اس میراث کو سنبھالنا چاہئے۔ دوسری طرف صلوٰۃ ایک مکمل پروگرام ہے اس پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان پورے دن برائیوں سے اور بے حیائیوں سے محفوظ رہا۔ اس لئے ہمیں ہر وقت یہی صبر وصلوٰۃ سے متعلق دعا مانگنی چاہئے کہ:۔

☆ ربّنآ افرغ علینا صبراً وّ توفّنا مسلمین ؏ ○ (۴۰۳)

ترجمہ:۔ اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کو انڈیل دے اور ہمیں اس حال میں وفات دے کہ ہم مسلم ہوں۔

اور نماز کے لئے ہمیں یہ دعا مانگنی چاہئے کہ:۔

☆ قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العٰلمین ○ (۴۰۴)

ترجمہ:۔ کہہ بالتحقیق میری صلوٰۃ میری عبادت میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العلمین کے لئے ہے

مذکورہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ صبر وصلوٰۃ کے قیام سے خوف غیر اللہ جاتا رہتا ہے یوں خوف الٰہی پیدا ہو جاتا ہے تب ہی وہ خود بھی دعا مانگتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے:۔

وامر اھلک بالصّلوٰۃ واصطبر علیھا ط لانسئلک رزقاً ط نحن نرزقک ط (۴۰۵)

ترجمہ:۔ اور اپنے اہل کو صلوٰۃ کا حکم دے اور اس میں ثابت قدم ہو جا ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے ہم تو تجھے رزق دیتے ہیں۔

ہم تقدیر پرست نہیں بلکہ تقدیر گر واقع ہوئے ہیں لہٰذا قیام صلوٰۃ وصبر سے ایمان کو تقویت، جستجو کو معرفت حق اور جہد مسلسل کو یقین کا پیرہن پہنا کر نفسی عصبانیت Psycho-Neurosis، معکوس مالیخولیا Conversion Hysteria، فکری مالیخولیا Paraniod Hysteria اور بدلی خوف Substitute Phobia جیسی بیماریوں سے نجات پا سکتے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ صبر وصلوٰۃ میں شفاء ہے۔ اور بالخصوص فجر اور عشاء کی نماز میں۔ اور صلوٰۃ تہجد تو انسان کو بہت سی ذہنی و نفسی تفکرات و بیماریوں سے بچا کر اطمینان و یقین کی دولت سے مالا مال کرتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثمہ آمین)

علاج بذریعہ دعا:۔ Treatment through Pray

نفس احتیاج پسند ہے۔ یہ احتیاجی اسے جھکنے پر مجبور کرتی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسا طریقہ ہے کہ جس میں احتیاج Need اور Wants بھی پوری ہو جائیں اور نفس کے وقار کو بھی دھچکا نہ لگے؟ وہ یہ ہے کہ اس کائنات رنگ و بو میں انسان اور دیگر مخلوقات حاجت مند واقع ہوتیں ہیں یقیناً جس نے ان کو تخلیق کیا ہے وہ ان کا اصل حاجت روا ہے۔ یہی سچ ہے خالق حقیقی نے اسی کائنات میں ایسا نظام تخلیق کیا ہے جو فطری طور پر بھی استعداد رکھتا ہے اور لحہ بہ لحہ حاجت روائی بھی کرتا ہے اس نظام کو دعا کہتے ہیں۔ اسی لئے اس نے خود اس کا حکم دیا ہے:۔

وقال ربّکم ادعونیٓ استجب لکم ط انّ الّذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنّم داخرین ؏ ○ (۴۰۶)

ترجمہ:۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اور وہ لوگ جو میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم واصل ہوں گے۔

نظام دعا کی حساسیت :۔

اس نظام کی ہیئت اور اس کی نوعیت بزبان قرآن جو بیان کی گئی ہے اس سے اس نظام کی حساسیت Sensitiveness کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ولقد خلقنا الانسان و نعلم ما توسوس بہٖ نفسہٗ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید ○ اذیتلقّی المتلقّیٰن عن الیمین وعن الشّمال قعید ○ ما یلفظ من قولٍ الّالدیہ رقیب عتید ○ (۴۰۷)

ترجمہ :۔ اور بے شک ہم نے انسان کو خلق کیا اور ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ اس کا نفس اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا رہتا ہے اور ہم تو اس سے اس کی شہہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں جبکہ دو لینے والے دائیں اور بائیں بیٹھے ہوئے لیتے جاتے ہیں ایک بات بھی تو وہ اپنے منہ سے نہیں نکالتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک نگران تیار ہوتا ہے۔

اس نظام کی حساسیت کا یہ عالم ہے کہ نہ صرف اعمال، قول اور نیت و ارادے کو بھی ہر آن واحد میں محافظ محفوظ کر لیتے ہیں۔ اس طرح دعا بھی عملی پیرہن اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی قربت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ پکارنے والے کو جواب بھی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

فانّی قریبٌ اجیب دعوۃ الدّاع اذا دعانِ (۴۰۸)

ترجمہ :۔ تو یقیناً میں بہت قریب ہوں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں سے بھی مخاطب ہوتا ہے جو لوگ اللہ کی للّٰہیت پر ایمان نہیں لاتے۔ اور جن کا فلسفۂ زندگی کھاؤ پیو مزے اڑاؤ کے سوا کچھ نہیں ان سے اللہ نے سورۃ النمل میں آیت نمبر ۶۰ سے ۶۴ تک نفسیاتی خطاب فرمایا ہے۔ مثلاً :۔

امّن یّجیب المضطرّ اذا دعاہ ویکشف السّوٓء (۴۰۹)

ترجمہ :۔ بھلا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے اور مصیبت کو دفع کرتا ہے۔

اب سوال ذہن انسانی میں یہ نمو پاتا ہے کہ کیا اللہ کے علاوہ بھی کوئی اور اللہ ہے جو پکار سننے کی اہلیت ہی نہ رکھتا ہو بلکہ اس مصیبت کو دفع کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو؟ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

وان یّمسسک اللّٰہ بضرٍّ فلا کاشف لہٗٓ الّا ھوج وان یّردک بخیرٍ فلا رآدّ بفضلہٖ (۴۱۰)

ترجمہ :۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کو ٹالنے والا کوئی نہیں سوائے اسی کے اور اگر وہ تیرے لئے بھلائی کا ارادہ کر لے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔

اللہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں کہ جو انسان کو نفع پہنچا سکے یا ضرر، لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اللہ کو کس طرح پکاریں؟ اور یہ کہ کیونکر پکاریں؟ جہاں تک پہلے سوال کے جواب کا تعلق ہے تو لازمی سی بات ہے کہ خشوع و خضوع اور خلوص، یقین شرط لازم ہے ہی لیکن اللہ ہماری توجہ اس صبر و لطافت کی جانب دلا رہا ہے تاکہ نفس انسانی اس

مقام پر بھی پُر وقار اور مطمئن اور نارمل سطح پر رہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

اُدعوا ربّکم تضرّعاً وّ خفیۃً (۴۱۱)

ترجمہ:۔ پکارو اپنے رب کو گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے۔

جہاں تک کیونکر کی بات ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے اسماءِ حسنیٰ یہ نام فقط نام نہیں بلکہ حقیقی نظام ہائے کار ہیں جو اس کارخانۂ قدرت میں جاری و ساری ہیں جو نہ صرف مکافاتِ عمل کو رواں رکھے ہوئے ہیں بلکہ اخروی انجام کی ترتیب و تدوین بھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہر نام اپنی جگہ ایک مکمل نظام ہے۔ اس کے ساتھ ہم آہنگی کا مطلب فطرت سے مطابقت Natural Adjustment ہے اسی کی بدولت نفس انسانی کو ارتفاع Sublimation حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے کے مترادف ہے اسی لئے حکم ربی ہوتا ہے کہ:۔

وللّٰہ الاسمآء الحسنیٰ فادعوہ بھا وذروا الّذین یلحدون فیٓ اسمآئہٖ (۴۱۲)

ترجمہ:۔ اور خوبصورت ترین نام اللہ ہی کے لئے ہیں پس اسے انہی سے پکارو اور کنارہ کش ہو جاؤ ان سے جو ان ناموں سے انکار کرتے ہیں۔

اسی لئے بزبان رسول اور بزبان ضمیر Concience یہ کہلواتا ہے کہ:۔

وّانّ المسٰجد للّٰہ فلا تدعوا مع اللّٰہِ احداً ○ وّانّہٗ لمّا قام عبداللّٰہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبداً ○ قل انّمآ ادعوا ربّی ولآ اشرک بہٖٓ احداً ○ قل انّی لآ املک لکم ضرًّا وّلا رشداً ○ قل انّی لن یّجیرنی من اللّٰہ احدٌ وّلن اجد من دونہ ملتحداً ○ (۴۱۳)

ترجمہ:۔ اور بلاشبہ مقامات سجدہ اللہ ہی کے لئے ہیں پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو اور بالتحقیق جب اللہ کا بندہ اس کو پکارنے کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگ ہجوم کرتے ہوئے اسے گھیر لیتے ہیں کہہ دے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو ہی پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ کہہ دے کہ میں تمہارے لئے نہ تو کسی ضرر اور نہ ہی کسی فلاح کا اختیار رکھتا ہوں کہہ دے کہ مجھے اللہ سے کوئی بھی ہرگز نہیں بچا سکتا۔ اور نہ ہی میں اس کے سوا کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔

ضمیر کی پاکی عمل میں نکھار کا سبب بنتی ہے اور کردار میں نکھار معاشرے کے حسن کا باعث بنتا ہے اس طرح روئے زمین پر ایک مثالی معاشرہ جنم لیتا ہے۔ لیکن پاکیزگی کی اس معراج کو پانے کے لئے ایک ایسی مشق کی ضرورت ہوتی ہے جو مستقل ہو۔ اسے اللہ نے فرضیت صوم کے ذریعے پورا کیا ہے۔

علاج بذریعہ صوم:۔ Treatment through Fasting

یٰٓایّھا الّذین اٰمنوا کتب علیکم الصّیام کما کتب علی الّذین من قبلکم لعلّکم تتّقون ○ (۴۱۴)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو تم پر روزے لکھے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر لکھے گئے تا کہ تم تقوی اختیار کرو۔

ایمان سے نفوس تزکیہ پاتے ہیں۔ اور تزکیہ انسان کو خود پرست Self Centered ہونے سے بچاتا ہے تقوی کے حصول کو ممکن بناتا ہے۔ اور تقوی کا حصول صوم پر منحصر ہے۔ صوم انسان کو خود غرضی، نفس پرستی، شرک، ریاکاری، منافقت، جیسی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے۔ انسانی جذبات کو استحکام، احساسات میں پختگی اور جسمانی محرکات پر کنٹرول اور حالات کو صبر و تحمل اور قناعت جیسی قدروں کا حامل بنا دیتا ہے۔ اس طرح صوم سے نفوس تربیت پا کر منظم ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جسم عریانیت اور نفس لذتیت کی پالیسی کو ترک کر دیتا ہے اور ارتقاع پاتا ہے تو روح عرفانیت کی طرف دوڑتی ہے۔ چند خواص صوم درج ذیل میں ملاحظہ ہوں:۔

☆ قوت ارادی کو تقویت ملتی ہے تو حق و باطل کے فرق کا احساس نمو پاتا ہے۔

☆ Being with Others کا تصور فروغ پاتا ہے لہٰذا حقوق کی ادائیگی کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔

☆ شعور ارتقاء پاتا ہے زندگی نورانیت سے معمور ہو جاتی ہے۔

☆ بذریعہ اعتکاف تفقھوا فی الدین کا موقع ملتا ہے جس کے طفیل شعور و لاشعور میں موجود امراض سے نجات ملتی ہے۔

☆ روح کی بیداری سے آنے والے سال کے لئے پُر امیدی، خوشگوار احساسات سے بھرپور اور رضیب فضا فلاح و سلامتی کی ضمانت بنتی ہے۔ جس سے کہ ایک مثالی دنیا جنم لیتی ہے۔

علاج بذریعہ انفاق فی سبیل اللہ:۔ Treatment through embursment of Allah

لن تنالوا البرّ حتّٰی تنفقوا ممّا تحبّون ؕ وما تنفقوا من شیءٍ فانّ اللّٰہ بہٖ علیم ○ (۳:۹۲)

ترجمہ:۔ تم ہرگز نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اس شے میں سے خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہے اور جو کچھ بھی تم کسی چیز میں سے خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

دین اسلام افراط و تفریط سے پاک معیشت اور احتکار و اکتناز سے پاک سرمایہ کاری کی پالیسی پر گامزن رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی دولت کے حصول اور اس کی تقسیم کے طریقۂ کار کی وضاحت کرتا ہے جس کا مقصد بے جا انفاق کی آفتوں جیسے عدم استحکام معیشت Un-Stable Economy، افراط زر Inflation، سود Interest، کرنسی کی قدر میں کمی De-valueation of the Money، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم یعنی کہ Un-Justice Distribution of Wealth، غرضیکہ ذخیرہ اندوزی، قیمتوں میں اضافہ، چور بازاری، اسمگلنگ، ملاوٹ، کرپشن، سفید جرائم White-Crime وغیرہ شامل ہیں۔

دراصل انفاق فی سبیل اللہ ہی ایسا فعل ہے جو انسان کے مستقیم اور غیر مستقیم ہونے کا پتہ دیتا ہے۔ مستقیم فطرت

کے حامل افراد اللہ کی راہ میں جس مال کے وہ مستخلف ہیں اسے خرچ کرتے ہیں۔ فرمان ربی ہے کہ:۔

انّما اموالکم و اولادکم فتنۃٌ واللّٰہ عندہٗ اجر عظیم ○ فاتّقوا اللّٰہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرًا لّانفسکمؕ ومن یّوق شحّ نفسہٖ فاولٰٓئک ھم المفلحون ○ ان تقرضوا اللّٰہ قرضاً حسناً یّضٰعفہ لکم ویغفرلکمؕ واللّٰہ شکور حلیم ○ (۲۱۴)

ترجمہ:۔ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو بس ایک آزمائش ہے اللہ کی قسم اجر عظیم تو اسی کے پاس ہے۔ پس جہاں تک تمہاری استطاعت ہے اللہ سے ڈرو اور غور سے سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو۔ یہی تمہارے نفوس کے لئے بہترین ہے اور جو کوئی بھی اپنے نفس کی حرص سے بچائے گئے وہی تو ہیں جو فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو وہ اسے تمہارے لئے کئی گناہ بڑھا دے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ اور اللہ قدردان اور صاحب حلم ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال کو بطور فتنہ بیان کر کے ذہن وفکر میں ایک مثبت ابھار پیدا کیا ہے جو عمل انسانی کو کنٹرول کرتا ہے پھر مال کے انفاق کی حکمت بھی بیان کردی جس میں انفرادی سطح سے لے کر اجتماعی سطح تک خوشگواری ہی خوشگواری ہے۔ انفرادی سطح پر اس طرح کہ نفس کی حرص درحقیقت کسی موت سے کم نہیں اس لئے کہ جو کوئی شخص خود سپردگی باری تعالیٰ نہیں کرتا تو دولت کی حرص اور اس کے چھن جانے کا خوف اسے اعصابی تناؤ اور امراض کا شکار کر دیتا ہے۔ اس لئے مادی چیزوں سے محبت سے نجات کے لئے انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ، خیرات اور صدقات یا شکرانِ نعمت کے طور پر عقیقہ اور ولیمہ مسنون کے طور پر کئے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم میں انفاق کا حکم فی سبیل اللہ کے ساتھ ہی وابستہ ہے کہیں پر بھی کسی نبی یا رسول یا ولی یا پیر فقیر سے وابستہ نہیں۔ اسی لئے جو کوئی اللہ کے حکم کے مطابق انفاق کرتا ہے تو پھر اللہ بھی اسے کئی گنا اجر کے طور پر بڑھا دیتا ہے۔ بلکہ اس نے تو مغفرت تک کا وعدہ فرمایا ہے۔

اجر کی مشروطیت:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اجر کی مشروطیت انفاق فی سبیل اللہ کو قرار دیتا ہے مگر اجر کے اطلاق کے لئے مزید شرائط بھی عائد کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الّذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللّٰہ ثمّ لا یُتبعون مآ انفقوا منّاً وّلا اذًیۙ لّھم اجرھم عند ربّھمۚ ولا خوف علیھم ولاھم یحزنون ○ (۲۱۷)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو راہ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں پھر جو کچھ انہوں نے خرچ کیا اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذاء پہنچاتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ تو کوئی خوف اور نہ ہی حزن وملال ہوگا۔

اجر چونکہ مشروط ہے اس لئے احسان نہ جتانے پر اجر کا مستحق ہوگا اسی طرح طیب رزق بھی اجر کی بنیادی

شرائط میں سے ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

انفقوا من طیّبٰت ما کسبتم و ممّآ اخرجنا لکم مّن الارض ص (۴۱۸)

ترجمہ:۔ صاف ستھری چیزوں میں سے جو تم کماتے ہو اور اس میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں خرچ کرو۔

دراصل اللہ صاحب نفاق کو اس کے مال کے صحیح انفاق کے سبب جاوداں immortal بنانے کا خواہاں ہے اس لئے وہ یہ بات باور کرا رہا ہے کہ وہ کن لوگوں کے صدقات قبول کرتا ہے؟

قال انّما یتقبّلُ اللّٰہ من المتّقین ○ (۴۱۹)

ترجمہ:۔ اس نے کہا کہ اللہ تو صرف متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔

احسان نہ جتانا، طیب رزق میں سے فی سبیل اللہ خرچ کرنا، کردار کے اعتبار سے متقی ہونا یہ وہ تین شرائط ہیں کہ جن پر پورا اترنے والے کو اللہ رب العزت اجر عطا فرمائے گا۔ اور اجر کے اضافے اور برکت کی مثال یہ دی کہ:۔

مثل الّذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللّٰہ کمثل حبّۃٍ انۢبتت سبع سنابل فی کلّ سنۢبلۃٍ مّائۃ حبّۃٍ ط واللّٰہ یضٰعف لمن یّشآء ط (۴۲۰)

ترجمہ:۔ ان کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اس ایک دانے کی سی ہے جو اگاتا ہے سات بالیاں ہر بالی میں سو دانے یونہی اللہ کئی گنا بڑھاتا ہے جس کے لئے وہ چاہتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا اللہ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ بات یہ ہے کہ حکم تو اللہ ہی کا ہے لیکن انفاق اگر فی سبیل اللہ ہوگا تب ہی مشرک اور متقی کی جانچ ہو سکے گی اسی لئے مال کو فتنہ بتایا گیا تھا۔ اس میں سراسر آزمائش ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ:۔

لن یّنال اللّٰہ لحومھا ولا دمآؤھا ولٰکن یّنالہ التّقوٰی منکم ط (۴۲۱)

ترجمہ:۔ نہ تو اللہ کو ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ہی ان کا خون لیکن تمہارا تقویٰ اس تک پہنچتا ہے۔

انفاق کے طریقے اور ریاکاری کی ممانعت:۔

دولت کی نمائش معاشرے کے لئے ایک فتنہ ہے یہ ایک متعدی مرض ہے جو آن واحد میں دوسروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے چونکہ انفاق کے کام میں اس بیماری کے پھلنے پھولنے کی بڑی گنجائش موجود ہے اس لئے رب کریم ہمیں تقویٰ کی بنیاد پر انفاق کرنے کا حکم دیتا ہے اور ریاکاری سے منع فرماتا ہے:۔

الّذین ھم یرآؤن ○ لا ویمنعون الماعون ○ ع (۴۲۲)

ترجمہ:۔ وہ تو دکھاوا ہی کرتے ہیں اور بھلائی سے منع کرتے ہیں۔

دراصل خوشنودیِ باری تعالیٰ حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں:۔

(۱)......انفاق بالسر (۲)......انفاق بالجہر

طریق انفاق کے سلسلے میں رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

وانفقوا مما رزقنٰھم سرًّا وّعلانیۃً ویدرؤن بالحسنۃ السیّئۃ اولٰئک لھم عقبی الدّار O(۴۲۳)

ترجمہ:۔ اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں اور جو برائیوں کا دفاع نیکیوں سے کرتے ہیں وہی تو ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے۔

بدقسمتی سے انفاق بالجہر یعنی اعلانیہ کا طریق زیادہ مقبول رہا ہے کیونکہ اس میں انا ego کی تسکین ہوتی ہے اور معاشرے میں خرچ کی ترغیب بڑھتی ہے۔ بچتوں کی شرح کم ہو جاتی ہے جس سے انفرادی سطح ہو یا اجتماعی دونوں کے لئے اس میں نقصان ہی نقصان ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سرّاً خرچ کے طریق کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں خرافات، ریاکاری، نمود ونمائش، فیشن پرستی کی ترغیب نہیں ہوتی اس طرح دونوں سطحوں پر فائدہ ہوتا ہے۔ تاہم تزکیۂ نفس ہو، خرچ کی بنیاد تقویٰ پر ہو تو کیا علانیہ اور کیا خفیہ دونوں ہی منفعت بخش ہوتے ہیں۔ دونوں تسکین کے حامل ہوتے ہیں کسی میں بھی انا مجروح نہیں ہوتی۔ اس لئے اللہ رب العزت ان دونوں طریقوں کی مثال دے رہا ہے تاکہ عوام الناس حقیقت کا ادراک خود کرسکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے مال کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے:۔

فمثلہٗ کمثل صفوانٍ علیہ تراب فاصابہٗ وابل فترکہٗ صلدًا ط(۴۲۴)

ترجمہ:۔ اس کی مثال تو ایک چٹان کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو اور اس پر موسلا دھار بارش ہو اور اس کو چٹیل چھوڑ جائے۔

لیکن جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے دلوں کے ثبات کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے:۔

کمثل جنّۃٍ بربوۃٍ اصابھا وابل فاٰتت اکلھا ضعفینج فان لّم یصبھا وابل فطلّ ط(۴۲۵)

ترجمہ:۔ مثال ایسی ہے جیسے کسی ٹیلے پر ایک باغ ہو اس پر موسلا دھار بارش ہو پس وہ اپنا پھل دگنا لائے۔ اور اگر موسلا دھار مینہہ نہ بھی برسے تو صرف پھوار۔

سورۃ التوبہ میں نبی کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے مالوں سے صدقہ قبول کرکے، تزکیۂ نفوس کے لئے ان کے لئے دعائے خیر کریں۔ یاد رہے کہ یہ وہ عبارت ہے جس کو اختیار کیا جائے تو نبی دعائے خیر کرتا ہے اور جب نبی کسی کے لئے دعائے خیر کرے تو پھر اس معاشرے میں حقیقی معنی میں دل تسکین پائیں گے لہٰذا ناامیدی Frustration، جرائم Crime، ڈاکہ زنی، نفرت ختم ہو جائے گی۔

علاج بذریعہ حج:۔ Treatment through Hajj

وللّٰہ علی الناس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلاً ومن کفر فانّ اللّٰہ غنیّ عن العٰلمین○ (۴۲۶)

ترجمہ:۔ اور اللہ کے لئے ان لوگوں پر حج البیت واجب ہے جو مصارف راہ کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو کوئی بھی انکار کرے پس اللہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔

حج زندگی کی ایک ایسی مشق کا نام ہے جس میں تمام عبادتوں کی روح پائی جاتی ہے۔ جس طرح زندہ رہنے کے لئے اس کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے گھر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح انسان کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے پہلا گھر بنایا۔ تاکہ قیام قیامت تک انسان اس مرکز نور تجلیات میں داخل ہوکر اپنی روح کو اس دولت عظمیٰ سے سیراب کر کے خودی کی معرفت کا ادراک کرلے۔ یوں تزکیۂ نفس سے آغاز ہوا اور تقویٰ کے عروج پر زندگی کا اختتام ہو سکے۔ یہی حج کا مقصد ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّ اوّل بیتٍ وّضع للنّاس للّذی ببکّۃ مبٰرکاً وّھدًی للعٰلمین ○ (۴۲۷)

ترجمہ:۔ بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو بکہ میں ہے وہ مبارک ہے اور عالمین کے لئے ہدایت ہے۔

حج دراصل ایک شعوری ارتقاء کے فروغ کا نام ہے اور تمام مناسک حج اسی بات کا ثبوت ومظہر ہیں۔ چونکہ ہر عمل کا انحصار نیت پر ہوتا ہے لہٰذا حج کا آغاز بھی نیت سے کیا جاتا ہے احرام باندھا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نمود و نمائش کا دریا توکل وقناعت اور مساوات کی چادر کے پھیلنے سے خشک ہو جائے۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہوتا ہے جب حج کو اس کی روح کے ساتھ ادا کیا جائے۔ بصورت دیگر نیت میں فساد ہو تو پھر اس محرک Motive کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ بقول مولانا امین احسن اصلاحی:۔

بہت سے لوگ جس طرح درگاہوں اور مزاروں پر مختلف قسم کی منتیں ومرادیں مانگنے کے لئے جاتے ہیں اسی طرح کے اغراض کے ساتھ حج کے لئے بھی جاتے ہیں۔ بالخصوص عورتوں کی ایک بڑی تعداد ایسی ہی خواتین کی ہوتی ہے جن کے لئے بیت اللہ، مسجد نبوی صلعم کی اگر کوئی اہمیت ہے تو اس پہلو سے ہے کہ وہاں وہ اپنی مخصوص قسم کی مرادیں پوری ہونے کی توقع رکھتی ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جو لوگ حج کے لئے محض اپنی مخصوص قسم کے دنیوی مقاصد ہی کے لئے نکلتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے حج کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ (۴۲۸)

طواف عبادت کا ایک عملی اور منفرد و ممتاز مظاہرہ ہے یہ مظاہر غافل کو انسان، انسان کو مسلمان اور مسلمان کو مومن بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں نیز اسے ایک مجاہدانہ مشق کہا جا سکتا ہے۔ سعی جہاد بالسیف کی یاد تازہ کرتی ہے غرضیکہ یہ تربیت زندگی کی مشغولیت کو ایک نیا رنگ دیتی ہے۔ صفا و مروہ شعائر اللہ میں سے ہے اسی طرح حجر اسود کو

بوسہ دینا اس کو ہاتھ لگا کر اپنے عہد کی تجدید کرنا ہے۔

☆...... تلبیہ تجدید عہد وفا ہے اس شہادت کے اقرار سے اللہ کی محبت و عشق کا غلبہ ہوجاتا ہے ہر بار تلبیہ کے دہرانے سے دل و دماغ میں توحید سرایت کر جاتا ہے۔ جس سے شان و شوکت کا طوفان زور دیتا ہے۔

☆...... جہاں تک اقامت سعی کا تعلق ہے تو اس کا مقصد روح جہاد کی بیداری ہے اقامت و سعی مجاہدانہ زندگی کا عکس ہوتی ہے۔ جس کا مقصد Mission Impossible کو Possible بنانا ہوتا ہے۔ ☆...... شعائر اللہ وہ معنوی و روحانی حقیقتیں ہیں جو انسان کی عقل حواس، ادراک کے ذریعے با آسانی سمجھ میں نہیں آتی بوجہ لطافت۔ جب ان شعائر کو انسان اپنی بصارت سے دیکھتا ہے عقل سے جائزہ لیتا ہے حواس سے محسوس کرتا ہے تو ادراک ان کی حقیقتوں کو منکشف کرنے میں مددگار ضرور ہوتا ہے مگر تقویٰ کے خلوص سے وہ لطافتیں آشکارا ہو جاتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ذٰلک ق ومن یّعظّم شعائر اللّٰہ فانّھا من تقوی القلوب ○ (۴۲۹)

ترجمہ:۔ بات ایسی ہی ہے اور جو کوئی اللہ کی نشانیوں کا احترام کرے گا تو ایسا کرنا دلوں کی پرہیز گاری سے ہی ممکن ہے۔

شرائط حج اور ان کا مقصد حرکات جسمانی و نفسی پر کنٹرول:۔

الحجّ اشھر مّعلومٰت ج فمن فرض فیھنّ الحجّ فلارفث ولا فسوق لا ولا جدال فی الحجّ ط (۴۳۰)

ترجمہ:۔ حج کے متعین مہینے میں پس جس نے ان میں اپنے اوپر حج فرض کرلیا پھر حج کے دوران کوئی فحش کام، بدعملی اور کوئی جھگڑا جائز نہیں۔

محرکات جسمانی کو نفس امارہ بالسوء، کے قائم کردہ ہیجات سے بچائے رکھنا اس طرح یہ عبادت صوم جیسی عبادت بن جاتی ہے۔ شرائط بتائیں ہیں کہ حج میں صوم کی پاکیزگی کو رواں رکھنا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ مخلوط عبادت ہے اس لئے یہاں فحاشی اور شہوانی باتوں کی قطعاً اجازت نہیں اور نہ ہی فسق کی گنجائش ہے۔ یعنی کہ معمولی گناہ کی بھی اجازت نہیں اگر سر میں جوء پیدا ہو جائے تو اسے بھی نہیں مارتے۔ تیسری شرط فتنہ جدال ہے۔ مسجد الحرام میں اس کی گنجائش بالکل نہیں تاہم کفار لڑیں یا کوئی بھی اس میں لڑے تب اجازت ہے۔ فرمایا:۔

فان قٰتلو کم فاقتلوھم ط (۴۳۱)

ترجمہ:۔ اگر وہ تم سے لڑیں تو پھر ان سے لڑو۔

☆ قربانی و حلق کا مقصود نفسی یادگار کے طور پر ہے۔ اس دوران مومن جہاد بالمال اور ایثار و قربانی کی روح اور افادیت کو محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ مشہود پاتا ہے معمولی سی خطا سرزد ہو جائے تو آمادگی کے سبب بنا تردد کے قربانی دینے کے لئے تیار ہوتا ہے۔

☆ حج کا اہم فائدہ تبتل الی اللہ کی فضا کا قیام ہے۔ حج کے دوران انسان پوری توجہ کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔ اس دوران انسان کی سمع و بصر اور فوأد کی صلاحیتیں ایک نئی کروٹ لیتی ہیں۔ جب جسم، نفس، روح کا ارتکاز ایک کیفیت پر ہو جاتا ہے تو پھر وہ معرفت حق کو پا لیتا ہے۔ اسی لئے رب کریم نے فرمایا کہ۔

واذکر اسم ربک و تبتّل الیہ تبتیلاً ۝ط (۴۳۲)

ترجمہ:۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اسی کی طرف لوٹ پڑ۔

اللہ جو مشرق و مغرب کا رب ہے انسان جب اسے اپنا کارساز بنا لے تو یہی اس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

علاج بذریعہ جہاد:۔ Treatment through Fight for Allah

وجاھدوا فی اللہ حق جہادہٖ ط ھو اجتبٰکم (۴۳۳)

ترجمہ:۔ اور اللہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تمہارا انتخاب کر لیا ہے۔

جہاد وہ جہد مسلسل ہے جو قیامت تک جاری رہے گی۔ اس لئے کہ معاشرے کی ناہمواری ظلم کے خاتمے اور برائیوں کی روک تھام زندگی اور ترقی دونوں کے لئے بیحد ضروری ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ نے جہاد کے لئے ہمارا انتخاب کر لیا ہے۔ اب فرضیت لاگو ہے۔ اور فرائض کے سلسلے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا۔ جہاد کی کئی اقسام بیان کی گئیں ہیں۔ سورۃ التوبہ میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

انفروا خفافاً وّ ثقالاً وّ جاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ط (۴۳۴)

ترجمہ:۔ تم ہلکے پھلکے ہو کر یا بوجھل ہو کر نکلو اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔

دراصل یہ تینوں قسم کا جہاد دین و دنیا دونوں کی کامیابی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ہم یہاں جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کو مختصراً بیان کریں گے کیونکہ انفاق فی سبیل اللہ میں مالوں کا تذکرہ ہو چکا۔ جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

فقاتل فی سبیل اللہ ج لاتکلّف الاّ نفسک و حرّض المؤمنین ج عسی اللہ ان یّکفّ باس الّذین کفروا ط (۴۳۵)

ترجمہ:۔ پس اللہ کی راہ میں قتال کر اور تو مکلف نہیں سوائے اپنی ذات کے اور مومنوں کو ترغیب دے قریب ہے کہ اللہ کافروں کے زور کو توڑ دے۔

خواہشات نفس کے خلاف جو جہاد کیا جاتا ہے وہ جہاد اکبر کہلاتا ہے کیونکہ تمام قسم کے جہادوں کی بنیاد یہی جہاد اکبر ہے۔ اس لئے رب کریم نے فرمایا کہ:۔

ومن جاھد فانّما یجاھد لنفسہٖ ط (۴۳۶)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی کوشش کرتا ہے تو بے شک وہ اپنے ہی نفس کے لئے کوشش کرتا ہے۔

اگر انسان اپنے نفس سے جہاد کرے تو خواہش نفس کبھی معبود نہیں بنتی بصورت دیگر مقام حیوانیت سے بھی گرا دیتی ہے۔ اس لئے جہاد ہر وقت ہر زمانہ کی ضرورت ہے۔ تاہم دہشت گردی اور جہاد میں بڑا فرق ہے اس کی وضاحت خود قرآن نے فرمائی:۔

لانتم اشدّ رھبۃً فی صدورھم مّن اللّٰہ ذٰلک بانھم قوم لا یفقھون ○ (۴۳۷)

ترجمہ:۔ البتہ تمہارا رعب ان کے دل میں اللہ سے بھی زیادہ شدید ہے یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔

علاج بذریعہ اجتہاد:۔ Treatment through Ijtehad

لاتنفذون الاّ بسلطٰن ○ (۴۳۸)

ترجمہ:۔ تم نہیں نکل سکو گے مگر غلبہ کے ساتھ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو غیب ہم انسانوں کے لئے مسخر کر دیا ہم اپنی علمی وعقلی وسائنسی ترقی کے زور پر دریافتوں کے سلسلے کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ ایک سیارے سے دوسرے سیارے پر کمندیں ڈالیں کہکشاؤں کا مطالعہ کریں۔ آفاق میں موجود دیگر دنیاؤں کا جائزہ لیں۔ عوام الناس کے لئے جو شے منفعت کا سبب ہو اسے دریافت کر کے عام کریں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ کائنات سے باہر نہ تو کوئی جن Un-Seen Creation نکل سکتا ہے اور نہ ہی کوئی سائنسدان یعنی انسان۔

جس معاشرے میں فکر محو پرواز نہ ہو تو ترقی کا سفر معدوم ہی رہتا ہے۔ لیکن اگر فکر کو صحیح خطوط پر بنیاد مل جائے تو ترقی کی راہیں کشادہ ہو جاتی ہیں۔ معرفت نفس سے سفر شروع ہوتا ہے اور معرفت حق کی تلاش جاری وساری۔ تسخیر انفس وآفاق سے معاشرے کا جمود ٹوٹتا ہے فکر کے سوتے پھوٹتے ہیں یقین محکم ایمان کی صورت اختیار کرتا ہے۔ تو جستجو عمل پیہم کا روپ دھار لیتی ہے اس طرح نور وتجلیات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جہاد کے ساتھ ہی اجتہاد کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:۔

وما کان المؤمنون لینفروا کآفّۃً فلولا نفر من کلّ فرقۃٍ مّنھم طآئفۃ لّیتفقّھوا فی الدّین ولینذروا قومھم اذا رجعوآ الیھم لعلّھم یحذرون ○ (۴۳۹)

ترجمہ:۔ اور مؤمنین کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں اور کیوں نہ ان کے ہر طبقے میں سے ایک گروہ دین میں غور وخوض کے لئے نکلے تاکہ وہ اپنی قوم کو تنبیہہ کریں جب وہ ان کے پاس لوٹ کر آئیں تاکہ وہ محتاط ہو جائیں۔

دراصل قرآن ہمیں علم کی معراج تک لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ وسعت نظری کا حامل تو ہو مگر تنگ نظر نہ ہو۔ وہ یہ جان سکے کہ حیات کیا ہے؟ اور موت کیا ہے؟ وہ یہ جان سکے کہ وہ اختیار میں کس قدر آزاد Free ہے؟ اور آزاد خواہش Free Will کا تو کوئی تصور ہی نہیں کائنات میں۔ لہٰذا اب سوچنا ہے کہ وہ صحیفۂ ھویٰ النفس کا خواہاں ہے یا پھر

صحیفہ سماوی کا ترجمان بننا چاہتا ہے۔

المختصر یہ کہ مذکورہ علاج کی جہات خوف کو متوازن بناتی ہیں۔ اس سے انسانی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس طرح انسان نہ صرف اپنی ذات کے لئے بلکہ معاشرے کے لئے بھی سودمند ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک سجدے سے وہ سب کچھ پالیتا ہے جو لاکھوں جھوٹے خداؤں کو سجدہ کرنے سے نہیں مل سکتا، جو لوگ اپنی باطنی شخصیت کو توازن عطا کریں گے وہی اصحاب جنت ہوں گے اور ان سے یہی کہا جائے گا کہ:۔

ادخلوا الجنّة لا خوف علیکم ولا انتم تحزنون○ (۴۴۰)

ترجمہ:۔ داخل ہو جاؤ جنت میں تم پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی تمہیں حزن وملال ہوگا۔

خیروشر کی قوتوں کی کشمکش کا نام زندگی:۔

زندگی درحقیقت آدم وابلیس کی کشمکش کا نام ہے آدم کے ساتھ ابلیس کا وجود ناگزیر کیوں ہے؟ وہ اس لئے کہ مخالفت اور تصادمات Conflict and Clashes کے بغیر انسانی ذاتی مستحکم نہیں ہوسکتی۔ اور یہی جنت ودوزخ کا معیار بھی ہے۔ اس بنیادی وجہ کو آدم پر منکشف کردیا گیا تھا۔ کہ بدی کی قوت سے برسرپیکار رہنا پڑے گا لہذا زندگی جہاد مسلسل کا نام ہے۔

نفس انسانی کے حجابات کا عملی مظاہرہ:۔

نفس انسانی کچھ حجابات کا حامل ہے جن کو متعارف کرانا ضروری تھا۔ اس کے لئے رب العزت نے عملی مظاہرہ کا طریق اپنایا۔ تاکہ آدم اور اس کے توسط سے بنی آدم رہنمائی پاسکیں یہ دو ہیں جو درج ذیل ہیں۔ ہم ان کا مختصراً جائزہ لیں گے نیز ان کے اطلاقی اثرات کو بھی بیان کریں گے۔

☆ احساس برتری کا عنصر

☆ عزم کی حقیقت اصلی

احساس برتری کا عنصر:۔

ابلیس آدم کا ازلی دشمن واقع ہوا ہے اس حقیقت کو ازبر کرانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے عملی مظاہرہ کے ذریعے آدم علیہ السلام کو آموزش کرائی۔ تاکہ وہ نفس میں موجود اس عنصر کو جان سکے گو کہ سجدہ سے انکار کا مقصود یہ تھا کہ ایک شر کی طاقت خود اس کے اندر نفس امارہ کی صورت میں موجود ہے۔ جو ابلیس کے لئے عملی میدان Play Field ہے۔ لہذا اپنی زندگی میں اس کے دھوکے میں نہ آجانا۔ یہاں ابلیس کے ڈائیلاگ سے یہ بتایا جارہا ہے کہ شر انسان میں کس طرح سرایت کرسکتا ہے؟ اور ہم کیونکر اس کے حملے سے خود کو بچاسکتے ہیں؟ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم اور بذریعہ آدم ہمیں یہ تفہیم کرائی کہ:۔

قال یٰابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدیّ استکبرت ام کنت من العالین ○ قال انا

خیر منہؕ خلقتنی من نارٍ وّ خلقتہٗ من طینٍ ○ (۴۴۱)

ترجمہ:۔ اس نے کہا اے ابلیس جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے خلق کیا تجھے اس کو سجدہ کرنے میں کیا شے مانع ہوئی؟ کیا تو نے تکبر کیا، کیا تو عالین میں سے ہے؟ اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے خلق کیا اور اسے تو نے مٹی سے خلق کیا ہے۔

قال انا خیر منہ کے الفاظ سے یہ بتاتے ہیں کہ اس نے نہ تو تکبر کیا، کیونکہ مخلوق پر تکبر جائز ہی نہیں اور نہ ہی عالین کہہ کر نتائج کے شعور کا امین بنا، کیونکہ انجام کیا ہوگا یہ کسی مخلوق کو علم نہیں لہٰذا اس نے انتہائی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے احساس برتری Superiority Complex کی بات کی۔ یہ ایسا احساس ہے کہ جس مخلوق میں داخل ہو جائے تو اسے خود فریبی میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جہاں تک خالق کی بات ہے تو خالق کے سامنے تمام مخلوق ادنیٰ ہی نہیں بلکہ احتیاج پسند واقع ہوئی ہے کوئی بھی خالق کے مقابل آ ہی نہیں سکتا۔ وہ تو سب سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے رب العالمین نے ہم پر یہ بات واضح کر دی کہ خلقت کے اعتبار سے کوئی برتر یا کمتر نہیں اللہ کے لئے تمام مخلوق یکساں ہے تاہم مخلوق کے لئے ایک معیار کو متعارف کرا دیا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّ اکرمکم عند اللّٰہ اتقٰکمؕ (۴۴۲)

ترجمہ:۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہی ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہے۔

دراصل تمام برائیاں اسی فتنے سے جنم لیتی ہیں۔ اس لئے شیطان نے وہ بات کہی کہ جس کے طفیل وہ راندۂ درگاہ ہی نہیں ہوا بلکہ اس پر مختلف سزاؤں کا اطلاق ہوا۔ حقیقت میں جو شخصیت بھی شیطان کے اسوۂ کو اپنائے گا۔ اس پر ان ہی سزاؤں کا اطلاق ہوگا۔ کیونکہ یہ اللہ کے کلمات ہیں جن میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اور ان میں تبدیلی اس وجہ سے نہیں کہ یہ فطرت کا خاصہ بنا دیئے گئے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ اللہ کے حکم سے ہی اطلاق ہوتا ہے۔

نفس انسانی پر فطری قوانین کا اطلاق بحوالۂ ابلیس:۔

قال فاخرج منھا فانّک رجیم ○ وّانّ علیک لعنتیٓ الیٰ یوم الدّین ○ قال ربّ فانظرنیٓ الیٰ یوم یبعثون ○ قال فانّک من المنظرین ○ الیٰ یوم الوقت المعلوم ○ (۴۴۳)

ترجمہ:۔ اس نے کہا نکل جا یہاں سے بے شک تو راندۂ درگاہ ہوا۔ اور بالتحقیق تجھ پر یوم جزا تک کے لئے میری لعنت ہے اس نے کہا مجھے اس دن تک کے لئے مہلت دے دے جس دن یہ اٹھائے جائیں گے اس نے کہا بے شک تو ان میں سے ہے جو مہلت دیئے گئے وقت معلوم کے دن تک۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے تین فطری قوانین بیان فرمائے ہیں۔ جو کہ ازل سے لاگو ہیں ان ہی کے بارے میں اللہ بحوالۂ ابلیس بسبب انکار ابلیس نفس انسانی کو آگاہ فرما رہا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان اسوۂ ابلیس پر عمل پیرا ہو کر ان قوانین کی زد میں نہ آ جائے۔ یہ درج ذیل ہیں:۔

۱)...... قانون رجم اوراس کا اطلاق

۲)...... قانون لعنت اوراس کا اطلاق

۳)...... قانون مہلت اوراس کا اطلاق

۱)...... قانون رجم اوراس کا اطلاق:۔

فاستعذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم○ (۴۴۴)

ترجمہ:۔ پس تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ۔

الرجام: الحجارۃ والرجم الرمی بالرجام. (۴۴۵)

اردو مفہوم:۔ الرجام، پتھر، اسی سے الرجم ہے جس کے معنی سنگسار کرنا کے ہیں۔

تاہم یہ لفظ قرآن میں جھوٹے گمان، تو ہم اور کسی کو دھتکار دینے کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ یہ فطری قانون ہے اس لئے انسان خواہ کافر ہو یا مومن طوعاً کرھاً رجم کرے گا۔ بالکل اس طرح جیسے کافر اللہ کو Unwillingly مانتا ہے اسی طرح رجم کرے گا لیکن یہاں بھی وہی مسئلہ عوام الناس کو درپیش ہوگا کہ مومن کا رجم کرنا تو سمجھ آتا ہے لیکن کافر کیونکر رجم کرے گا یہ سمجھ نہیں آتا؟

مختصر بات یہ ہے کہ جو بات اٹکل پچو ہو، اپنے ظن سے گھڑھ لی گئی ہو اور جس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے خواہ وہ نفسی شریعت کے طور پر کیوں نہ اپنائی جارہی ہو۔ اس کو دوام نصیب نہیں ہوسکتا۔ بالآخر انہیں رجم کرنا پڑے گا۔ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ انسان نے انسان ہی کے بنائے ہوئے نظام کو مسترد کر کے رجم ہی تو کیا ہے۔ جب حق آجاتا ہے تو باطل مٹ جاتا ہے۔ کہاں حدیث احسن (۴۴۶) اور کہاں حدیث ابلیس ایک کا مقدر ہیشگی Foreverness اور دوسرے کا مقدر الرجیم اسی لئے پروردگار عالم فرماتا ہے کہ:۔

ولقد زیّنّا السّمآء الدّنیا بمصابیح وجعلنٰھا رجومًا لّلشّیٰطین واعتدنا لھم عذاب السّعیر○ (۴۴۶)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے دنیا کے آسمان کو چراغوں سے مزین کیا اور انہیں ہم نے شیاطین کے مار بھگانے کے لئے میزائل بھی بنایا اور ان کے لئے ہم نے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس کائنات رنگ و بو میں اختراع کی کوئی گنجائش نہیں۔ آسمانوں پر رجم کا جاری رہنا اور دوران حج شیطان کو نفسی وساوس پیدا کرنے کے سبب رجم کرتے رہنا اور غیر حقیقی نظاموں کو جو اسلام کے متبادل اپنائے جاتے ہیں، ان کی حقیقت اصلی کا پردہ چاک ہو جانا یہ بتاتا ہے کہ رجم کا قانون ہنوز جاری ہے۔

۲)...... قانون لعنت اوراس کا اطلاق:۔

ومن اظلم ممّن افترٰی علی اللّٰہ کذبًا اولٰٓئک یعرضون علٰی ربّھم ویقول الاشھاد ھٰٓؤلاء

الّذین کذّبو اعلٰی ربّھمۚ اَلَا لعنۃ اللّٰہ علَی الظّٰلمین Oٌ (۴۴۷)

ترجمہ:۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے وہ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور شہادت دینے والے کہیں گے کہ یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔

لعن:۔ اللعن الطرد والابعاد علی سبیل السخط وذلک من اللّٰہ تعالیٰ فی الاخرۃ عقوبۃ و فی الدنیا انقطاع من قبول رحمتہ و توفیقہ ومن الانسان دعاء علی غیرہ (۴۴۸)

اردو مفہوم:۔ اللعن کسی کو ناراضگی کی بناء پر اپنے سے دور کر دینا اور دھتکار دینا، اللہ کی طرف سے کسی شخص پر لعنت سے مراد کہ وہ دنیا میں تو اللہ کی رحمت اور توفیق سے اثر پذیر ہونے سے محروم ہو جائے اور آخرت میں عقوبت کا مستحق قرار پائے۔ اور انسان کی طرف سے کسی پر لعنت کے معنی بد عا کے ہوتے ہیں۔

لعین دراصل یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ حق آنے کے باوجود بھی حقیقت کو جانتے بوجھتے انکاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کی خواہش و مفاد پر ضرب پڑتی ہے اور وہ اپنے نفس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا چاہتے ہیں۔ اور یوں دنیا کی خاطر اپنے نفوس کو بیچ ڈالتے ہیں۔ اور آخرت کو فراموش کر دیتے ہیں۔ جبکہ اللہ کا فیصلہ ہی اول و آخر دونوں پر غالب آتا ہے۔ دراصل یہ نفسی نظام ابلیسیت کا شاہکار ہوتے ہیں۔ اس لئے رب کریم نے سورۃ بنی اسرائیل میں اسے لعنت کیا ہوا شجرہ قرار دیا ہے۔ شجر ملعونۃ کیا ہے؟ اس سے کیا نفسی معنی مراد ہیں بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

وما جعلنا الرّؤیا الّتیٓ ارینٰک الّافتنۃً للناس والشّجرۃ الملعونۃ فی القرآنؕ ونخوّ فھمْ فما یزیدھم الّاطغیاناً کبیراًO ع (۴۴۹)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اس خواب کو کہ جو ہم نے تجھے دکھلایا لوگوں کے لئے ایک آزمائش اور قرآن میں لعنت کیا ہوا شجرہ قرار دیا اور جوں جوں ہم انہیں ڈراتے ہیں ان کی سرکشی اور زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔

شجر:۔ الشّجر من النّبات مالہٗ ساق. (۴۵۰)

اردو مفہوم:۔ شجر، درخت، وہ نبات جس کا تنا ہو۔

اس طرح اس کے معنی یہ بتاتے ہیں کہ درخت وہ ہوتا ہے جس کا تنا ہو۔ اور چاروں طرف اس تنے نے شاخیں بکھیری ہوئی ہوں۔ لہٰذا ان ہی معنی سے اختلاف کی جھلک نمایاں ہوتی ہے اور ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جو کوئی جس کو Follow کرے گا وہ اسی کی نسل کہلائے گا۔ اسی کا آل کہلائے گا۔ یہاں چونکہ کلمۂ خبیثہ کی راگنی الاپی جاتی ہے اس لئے جو کوئی اس راگنی کو الاپے گا وہ سلسلہ کے اعتبار سے شجرۃ الملعونۃ ہی کہلائے گا۔ جبکہ حق واضح ہے مگر یہ پھر بھی اللہ کے کلمات واحکامات، حدود و تغیر کا خیال نہیں رکھتے۔ اس لئے ان خیالات کے طفیل جو نسل تیار ہوگی وہ شجر ملعونۃ ہی قرار پائے گی۔ یہ لوگ دنیا میں ہی لعنت کے مستحق نہیں ہوں گے بلکہ آخرت میں بھی اس کا اطلاق ہوگا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وَاُتبعوا فی ھٰذہٖ لعنۃً وّ یوم القیٰمۃ ؕ (۴۵۱)

ترجمہ:۔ اور یہاں بھی اور یوم قیامت میں بھی ایک لعنت نے ان کا پیچھا کیا۔

ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کی سنت رہی ہے اور اللہ کی سنت کو کوئی بدلا ہوا نہیں پائے گا۔

۳)...... قانون مہلت اور اس کا اطلاق:۔

وما خلقنا السّمٰوٰت والارض وما بینھما لٰعبین ○ ما خلقنٰھمآ الّا بالحقّ ولکنّ اکثرھم لا یعلمون ○ انّ یوم الفصل میقاتھم اجمعین ۙ○ (۴۵۲)

ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے کھیل کے طور پر خلق نہیں کیا ہے لیکن ان کی اکثریت اس بات کو نہیں سمجھتی۔ یقیناً تصفیہ کا دن ہی ان سب کا معینہ وقت ہے۔

تخلیق انفس و آفاق کو کھیل تماشہ سمجھنے والوں کے لئے یہ آیات تنبیہات ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ مہلت دینا اللہ کی سنت میں شامل ہے۔ شیطان کو مہلت دی گئی جس کی نفسی وجہ یہ ہے کہ مخلص بندوں اور غیر مخلص کا فیصلہ ہو سکے۔ اور یہ فیصلہ بنی آدم پر منحصر ہے کہ وہ مخلص بندہ بننا چاہتا ہے یا ابلیس کے پروکاروں میں اپنا نام درج کراتا ہے۔ خیال رہے کہ ابلیس کا ٹھکانہ جہنم ہے لہٰذا جو اس کی پیروی کرے گا اس کا مقدر بھی ویسا ہی ہوگا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ میرے مخلص بندے تیرے دام فریب میں نہیں آئیں گے:۔

قال فبعزّتک لاغوینّھم اجمعین ۙ○ الّا عبادک منھم المخلصین ○ قال فالحقّ ۡ والحقّ اقول ۚ○ لاملئنّ جھنّم منک و ممّن تبعک منھم اجمعین ○ (۴۵۳)

ترجمہ:۔ اس نے کہا تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کردوں گا سوائے ان میں تیرے چند مخلص بندوں کے فرمایا یہ بالکل حق ہے اور میں حق کہے دیتا ہوں کہ میں تجھ سے اور ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

شیطان نے مہلت ضرور مانگی اور مہلت دینا تو اللہ کی سنت ہے لیکن ساتھ ہی اللہ کی عزت کی قسم کھائی اور انسان کو فریب دینے کی بات کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیونکر حملہ کرے گا کہ کمزور نفس کا حامل اس کے دام فریب میں آجائے؟ سورۃ اعراف آیت ۱۶ میں شیطان اصول اسباب وعلل کی معرفت یہ کہہ رہا ہے کہ میں انہیں صراط مستقیم پر بیٹھ کر دھوکہ دوں گا یعنی علماء کا لبادہ اوڑھ کر، بزرگ بن کر، حکیم بن کر، فلاسفر بن کر یا سائنس وٹیکنوکریٹ اور بیوروکریٹ کے حوالے سے۔ اور دوسری بات اس نے کہی کہ میں دائیں سے بائیں ان کے آگے سے ان کے پیچھے سے حملہ کروں گا۔ لیکن شاید وہ یہ بھول گیا کہ ابھی دو سمتیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے چھوڑ رکھی ہیں ایک تو اوپر جب دعا کے لئے بندہ اللہ کو پکارتا ہے اور دوسری نیچے کی سمت جب وہ سجدہ ریز ہو کر اللہ سے محو گفتگو ہوتا ہے۔ جہاں تک چار سمتوں سے حملے کی بات ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ:۔

قال ربّ بمآ اغویتنی لاُزیّنّ لھم فی الارض ولا غوینّھم اجمعین ۝ (۴۵۴)

ترجمہ:۔ اس نے کہا میرے پروردگار بسبب اس بات کے کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے میں ان کے لئے روئے زمین میں زینت دوں گا اور ان سب کو گمراہ کر دوں گا۔

ہنوز مادہ پرستی، فحش کاری، حد سے متجاوز ہونا، عدل وانصاف کا ناپید ہونا اس بات کی واضح مثالیں ہیں۔ کہ شیطان نے انسان کو شراب وشباب، تکاثر اور تفاخر میں مبتلا کر رکھا ہے۔ سوائے چند مخلص بندوں کے اکثریت کی یہ حالت ہے کہ وہ یہ کہتے یا کہہ رہے ہیں:۔

ویقولون متٰی ھٰذا الفتح ان کنتم صٰدقین ۝ قل یوم الفتح لا ینفع الّذین کفروٓا ایمانھم ولاھم ینظرون ۝ فاعرض عنھم وانتظر انّھم مّنتظرون ۝ (۴۵۵)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو کہ یہ فیصلہ کب ہوگا؟ کہہ دے کہ فیصلے کے دن انکار کرنے والوں کا ایمان ان کے کسی کام نہ آئے گا۔ اور نہ ہی وہ مہلت دیے جائیں گے پس ان سے منہ پھیر لے، اور انتظار کر اور وہ بھی منتظر ہیں۔

برے لوگ چونکہ شیطان کے پیروکار ہوتے ہیں اور شیطان برائی میں بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے لہٰذا انہیں رنگینیوں میں مست چھوڑ کر چلتا بنے گا۔ لیکن پھر مہلت کا وقت ختم ہو چکا ہوگا۔ قصص القرآن میں انجام یہی بتایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

کذٰلک و اورثنٰھا قوماً اٰخرین ۝ فما بکت علیھم السّمآء والارض وما کانوا منظرین ۝ (۴۵۶)

ترجمہ:۔ اور ایسا ہی ہوا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو وارث بنا دیا پس نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ ہی انہیں مہلت دی گئی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب انسانوں کے نفوس کا تزکیہ فرما کر شیطان کی زحمتوں سے بچائے اور ہمیں امت محمدی کا صحیح معنوں میں وارث بنائے۔ اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہے۔ حق آ جائے اور باطل مٹ جائے۔ اللہ ہمیں دی گئی مہلت سے فوز العظیم کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثمہ آمین۔ اور بے شک یہی الدّین کا مقصود ہے کہ دنیا کوئی کھیل تماشے کی جگہ نہیں بلکہ ارضی وسماوی دنیا میں خود ہماری ذات میں جتنی نعمتیں موجود ہیں وہ سب امانت ہیں۔ ان کا حساب دینا ہے۔ خواہ عمر ہو، جوانی ہو، دولت ہو، اعضاء کا استعمال ہو یا عام اشیاء کا۔ ایسا نہ ہو کہ زندگی فریب نفس میں پڑ کر ضائع کی جائے۔ بلکہ حقیقت آشکارا ہوتے ہی دین خالص کی باگ ڈور سنبھالی جائے۔ اور اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے تا کہ دنیا وآخرت میں خسارے کا امکان باقی نہ رہے۔ آمین ثمہ آمین۔ لہٰذا ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ:۔

اَلاَ لِلّٰہِ الدّین الخالص (۴۵۷)

ترجمہ:۔ آ گاہ ہو جاؤ دین خالص تو صرف اللہ کے لئے ہے۔

عقل وشعور کا تقاضہ یہ ہے کہ دین کو خالص مانتے ہوئے اس کے مطابق اپنے نفوس کا تزکیہ کیا جائے خود کو بدلیں تا کہ رحمت نازل ہو۔حکم الٰہی ہوتا ہے کہ:۔

انّ اللّٰـه لا یغیّر ما بقومٍ حتّٰی یغیّروا مابانفسھمؕ واذآ اراداللّٰہ بقومٍ سوۡٓءً فلا مردّلہٗۚ وما لھم مّن دونہٖ من وّالٍ ○ (۴۵۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کونہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں اور جب اللہ کسی قوم کو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ پھر اس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔

ثابت ہوا کہ ابلیس چونکہ خود گمراہ تھا الزام تراشی اس کی خاصیت ہے۔اس لئے اسے ہدایت نہیں ملی اور نہ ہی وہ ہدایت کا طلبگار رہا بلکہ اس نے تو گمراہی در گمراہی کو اپنا لیا اس طرح وہ اللہ کے غضب بالائے غضب کا ذمہ دار بنا اور دوسری طرف وہ یہ بھول گیا کہ نفس کی ممکنات کا میدان بڑا وسیع ہے اسی لئے فرمان ربی ہوتا ہے کہ:۔

یّؤفک عنہ مَن افکؕ ○ (۴۵۹)

ترجمہ:۔ اس سے وہی برگشتہ ہوا جو بہکا ہوا ہے۔

لہٰذا جب انسان اپنے نفس کے میدان کی وسعت کو محسوس کرتا ہے تو پھر اس میں اللہ کے نفس کی وسعت کا احساس پیدا ہوتا ہے جو اسے نیکیوں کی طرف مائل کرتا ہے لیکن یہ آسان نہیں مشکل ہے مگر ناممکن نہیں انسان اپنے عزم سے یہ جنگ جیت سکتا ہے۔

کیا انسانی ارادہ کی حدود وممکنات متعین شدہ ہیں یا غیر متعین شدہ؟

انسانی عزم کی حیثیت کیا ہے؟

آدم کے عزم کی حقیقت اصلی:۔

اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو اس کے ارادہ کی قوت Will Power اور اس کی حدود وممکنات نیز اس کی حیثیت سے آگاہ کرنا چاہا تا کہ وہ اپنی باطنی دنیا Inner World کا جائزہ عقل وحواس اور شعور وآگہی کی روشنی میں لے سکے۔تو اس کے لئے عملی مظاہرہ کا انتظام کیا، تا کہ رہتی دنیا تک ہر کوئی اس خصوصیت سے صحیح طور پر آگاہ ہو سکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کائنات کی رنگارنگی میں گم گشتہ ذات بن جائے اور اپنے نصب العین کو فراموش کر بیٹھے تا ہم اپنی حجت تمام کرنے کی خاطر واضح فرمادیا کہ جنت میں تم اور تمہارا ساتھی جو کچھ چاہو فراغت سے کھاؤ مگر آزادی مشروط طور پر دی۔

آدم کے عزم کی آزمائش بنی آدم کے لئے ایک نفسی آموزش:۔

ولا تقربا ھٰذہ الشّجرۃ فتکونا من الظّٰلمین ○ (۴۶۰)

ترجمہ:۔ مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

ایک طرف تو یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس کام سے منع کیا جائے وہی اختیار کرتا ہے اور دوسرے یہ کہ یہ بتانا مقصود تھا کہ وہ اچھے سے اچھے انسان کو بھی کیونکر دھوکہ دیتا ہے دراصل وہ صراط مستقیم کا لبادہ اوڑھ کر دھوکہ دیتا ہے جس کی وجہ سے اگر تدبر سے کام نہ لیا جائے تو پھر یہ نفس میں تغیر برپا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے جیسا کہ آدم اور ان کی زوجہ کے ساتھ وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور اصل شیطان شہوات کو دلوں پر غالب کرتا ہے اور لذات دنیا ہی اس کی زندگی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے لئے صرف دنیاوی زندگی کو ہی پسند کر لیا ہے۔ لہٰذا اپنی سوچ کے طفیل اس نے ان کے دلوں میں وسوسہ پیدا کیا۔

وسوسۂ ابلیس برائے آدم و بنی آدم:۔

وقال مانھٰکما ربکما عن ھٰذہ الشّجرۃ الآ ان تکونا ملکین اوتکونا من الخٰلدین ○ وقاسمھمآ انّی لکما لمن النّٰصحین ○ فدلّٰھما بغرور فلمّا ذا قاالشّجرۃ بدت لھما سوأتھما (۴۶۱)

ترجمہ:۔ یہ کہتے ہوئے کہ تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے منع کیا ہے کہ مبادہ تم دونوں کہیں دو فرشتے بن جاؤ یا تم دونوں ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ۔ اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ تحقیق میں تم دونوں کے لئے ناصح ہوں پس اس نے ان دونوں کو دھوکہ سے گمراہ کیا پس جب ان دونوں سے اس شجر کو چکھا تو ان دونوں پر ان کے ستر کھل گئے۔

اس طرح شیطان نے دو وسوسے ڈالے جو کہ درج ذیل ہیں:۔

۱)...... پاک نفوس کی بدولت انسان ہوتے ہوئے فطرت میں فرشتے نہ بن جاؤ۔

۲)...... ہمیشگی کی سلطنت کے حامل قرار نہ دے دیئے جاؤ، اس کی دو صورتیں ہیں۔

.... اول یہ کہ ہمیشگی کی سلطنت بذریعہ نسل

.... دوم ہمیشگی کی سلطنت بذریعہ ذہنی و نفسی تولید

الرؤیا اور شجر ملعونۃ:۔

شیطان نے آدم کو ایسے مخمصے میں مبتلا کیا کہ وہ شجر کا ذائقہ چکھ بیٹھا۔ قرآن حکیم میں اللہ نے ایک شجر ملعون کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما جعلنا الرّؤیا الّتیٓ ارینٰک الاّ فتنۃً للنّاس والشّجرۃ الملعونۃ فی القرآن (۴۶۲)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اس خواب کو کہ جو ہم نے تجھے دکھلایا لوگوں کے لئے ایک آزمائش ہے اور قرآن میں لعنت کیا ہوا شجرہ قرار دیا۔

رأی:۔ الرؤیۃ ادراک المرئی. وذلک اضرب بحسب قوی النفس الاول بالحاسۃ وما یجری محراھا والثانی بالوھم والتخیل والثالث بالتفکر والرابع بالعقل. (۴۶۳)

اردو مفہوم:۔ خواب کسی بری چیز کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں۔ اور ہوائے نفس کے اعتبار سے اس کی چند قسمیں ہیں:۔

۱)...... ادراک بذریعہ حاسۂ بصیر۔

۲)...... ادراک بذریعہ وہم وخیال

۳)...... ادراک بذریعہ تفکر و اندیشہ

۴)...... ادراک بذریعہ عقل و بصیرت

ذاقا الشجرۃ کا نفسی جائزہ:۔

ان معنی کے اعتبار سے جب ہم ذاقا الشجرۃ کا نفسی جائزہ لیتے ہیں تو اس سے صورت حال واضح ہو جاتی ہے آدم اور زوجۂ آدم کو بذریعۂ عقل و بصیرت یہ سارا فعل سمجھایا جا رہا ہے تاکہ بنی آدم بھی اس کو بذریعۂ عقل محسوس کرتے ہوئے زندگی کو ایک دارالامتحان تصور کریں۔ کیونکہ وہ چیزیں جو اللہ کو پسند ہیں۔ وہ توشجرۃ الطیبۃ ہیں، اور جو حد سے گزرنے والے عمل ہیں وہ شجرۃ الملعونۃ قرار پاتے ہیں۔ اول میں تعمیر و ترقی و فلاح ہے۔ اور دوم میں ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

جب عزم پر شیطان جیسا ناصح اور شجرۃ الملعونۃ جیسا وسوسہ نفس پر غالب آ جائے تو پھر آدم و بنی آدم نعمت اور میثاق دونوں کو بھول جاتا ہے۔ عزم کی اس کمزوری کے سبب وہ اس قابل ہی نہیں رہتا کہ اس عہد کو یاد رکھے جو اس نے اللہ سے باندھا ہے:۔

الم اعهد اليكم يٰبنيٓ اٰدم ان لا تعبدوا الشيطٰن ۚ انه لكم عدو مبين ○ وّان اعبدونى ۭ هٰذا صراط مستقيم ○ ولقد اضلّ منكم جبلًّا كثيرًا ۭ افلم تكونوا تعقلون ○ (۴۶۴)

ترجمہ:۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی بندگی نہ کرنا کہ یقیناً وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اور یہ کہ صرف میری ہی بندگی کرنا یہی صراط مستقیم ہے اور تم میں سے کتنی کثیر تعداد کو اس نے گمراہ کر دیا ہے اور کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہ لو گے۔

دراصل یہ ایسا نفسی و باطنی میثاق ہے جسے بندہ نے رب سے کیا ہوا ہے۔ اور یہ بات انسان کے نفس پر اظہر من الشمس ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے ہی غلطی سرزد ہوئی اس کے اگلے ہی لمحے غلطی کا احساس بھی ہو گیا۔ مگر حقیقت میں جس نعمت کا ادراک کرایا جا رہا ہے وہ اپنی حدود و ممکنات اور حیثیت و قوت کے ساتھ کچھ یوں منکشف ہوئی کہ:۔

ولقد عهدنآ الىٰ اٰدم من قبل فنسى ولم نجد له عزمًا ○ (۴۶۵)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے اس سے قبل آدم سے عہد لیا پس وہ اسے بھول گیا اور ہم نے اسے پر عزم نہ پایا۔

سچ تو یہ ہے کہ ارادوں کے ٹوٹنے سے ہی معرفت حق کا ادراک ہوتا ہے۔ اور پھر یہ کہ خطا پر فوراً نادم اور

اعتراف خطا کر کے رجوع من جانب اللہ ہوا جائے تو پھر خسارے سے بچا جا سکتا ہے۔ جو ایسا کرتا ہے اس کے لئے رب کا یہ حکم ہے کہ:۔

وَّانَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ○ (۴۶۶)

ترجمہ:۔ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو کوئی اپنے رب پر ایمان لاتا رہے اسے نہ تو کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی زیادتی کا۔

لیکن!!! ہدایت کے لئے وجود ضروری ہے تب ہی ہدایت پر عمل ممکن ہو سکے گا بالکل اس طرح کہ جیسے بیج Seed میں بھرپور پروگرام موجود ہے لیکن اگر بیج نہ ہو تو ہم بیج میں موجود پروگرام کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہم تو اس وقت جان سکتے ہیں۔ جب بیج کو اس عمل زرخیزی سے گزارا جائے تب اس کا پروگرام ظاہر ہوگا۔ اسی کو خروج کہتے ہیں۔ جو کہ ہدایت کے موجود ہونے کی بہترین نشانی و علامت قرار پائے گا لہٰذا ثابت ہوا کہ ہدایت کی تصدیق کے لئے خروج ناگزیر ہے۔

فصل پنجم:۔

چھٹا مرحلہ خلق:۔

خروج

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۙ○ (۴۶۷)

ترجمہ:۔ اور جس نے چارہ اگایا۔

خرج :. خروجاً برز من مقره او حاله سواء كان مقره داراً أو بلداً أو ثوباً وسواء كان حاله صالةً في نفسه أو في اسبابه الخارجة (۴۶۸)

اردو مفہوم:۔ خرج، خروجا کے معنی کسی کے اپنی قرار گاہ یا حالت سے ظاہر ہونے کے ہیں عام اس سے کہ وہ قرار گاہ مکان ہو یا کوئی شہر یا کپڑا ہو، اور یا کوئی حالت نفسانی ہو۔ جو اسباب خارجیہ کی بناء پر اسے لاحق ہوئی ہو۔

نیز خرج یا خروج اس ابھار کو کہہ سکتے ہیں جو ظاہر ہو جائے یعنی کہ اپنی جنس جیسی چیزوں سے آگے نکل جائے۔ قرآن حکیم والفرقان حمید نے اسے بڑے وسیع معنی میں بیان فرمایا ہے یہ مرحلہ انفس و آفاق دونوں پر اپنا اثر یکساں دکھاتا ہے۔ تاہم صورتیں اور شرائط مختلف ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم میں طریق خروج کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے جس میں انفس و آفاق کے قانون موت و حیات کو بیان کیا گیا ہے۔

طریق خروج انفس و آفاق:۔

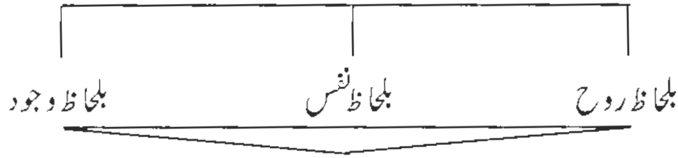
يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَكَذٰلِكَ

تخرجونؐ ○ (۴۶۹)

ترجمہ:۔ وہ زندہ کو مردہ میں سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ میں سے نکالتا ہے اور وہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

خروج کا یہ طریق پوری کائنات میں جاری وساری ہے لہٰذا ہم اسے دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں اور پھر ہر حصہ کے تین حصے ہیں اور پھر ان تین حصوں میں سے ہر ایک کے تین مرحلے ہیں:۔

انفس و آفاق کا خروج



مردہ سے زندہ

زندہ سے مردہ

خروج مابعد الموت

(ضمیمہ جات نمبر ۱ میں خروج کا چارٹ نمبر ۷، ص نمبر ۴۹۵ پر ملاحظہ ہو)

بلحاظ نفسیات عمل خروج:۔

نفس عقل وحواس کی روشنی میں ادراک واکتساب کرتا ہے۔ نفس کے ان ذرائع پر عمل خروج کا انحصار ہے۔ تاہم جس طرح وجود اور روح قانون موت وحیات کے تین مرحلوں سے گزرتا ہے اسی طرح نفس انسانی پر بھی یہی قانون موت وحیات لاگو ہوتا ہے بس انداز مختلف ہے چونکہ صورت وجنس مختلف ہے اس لئے انداز وعمل آفاق کے مقابلے میں مختلف ہے۔ لیکن طریق خروج یا عمل خروج یکساں ہے اور وہ یہ کہ:۔

☆ مردہ کو زندہ میں سے

☆ زندہ کو مردہ میں سے

☆ خروج مابعد الموت

پہلا طریق مردہ سے زندہ:۔

هل اتى على الانسان حين من الدّهر لم يكن شيئاً مّذكوراً ○ (۴۷۰)

ترجمہ:۔ کیا انسان پر زمانے میں ایسا وقت نہیں گزرا کہ جب وہ کوئی قابل ذکر شے نہیں تھا۔

ہم نفس کے اعتبار سے قابل ذکر نہیں تھے۔ لیکن جب راہ سمجھائی تو نفس نے ادراک واکتساب کیا شعور بیدار

ہوا عین اس لمحہ اللہ نے مردہ سے زندہ کر دیا یعنی قابل ذکر کی سطح پر لے آیا۔ انشائیت کے عمل سے بصیرت کے دروازے کھلنے لگے اس حقیقت کو خود رب کریم نے بیان فرمایا ہے کہ:۔

واللّٰہ اخرجکم من بطون امّھٰتکم لا تعلمون شیئاً (۴۷۱)

ترجمہ:۔ اور اللہ تمہیں تمہاری ماؤں کے بطنوں میں سے نکالتا ہے کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے۔

کوئی بھی شخص ماں کے بطن سے علم لے کر پیدا نہیں ہوتا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر وہ کونسے ذرائع ہیں اور طریقۂ قانون ہے کہ جس کے تحت انسان قابل ذکر اور بابصیرت بنتا ہے؟ وہ ہے قانون انشائیت اور حواس خمسہ، علم و تحقیق کے نتائج اس کے ذرائع ہیں۔ جن سے وہ اکتساب کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

قل ھو الّذیٓ انشاکم و جعل لکم السّمع والابصار والافئدۃ (۴۷۲)

ترجمہ:۔ کہہ دے وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل بنائے۔

نشأ:۔ النش و النشاۃ احداث الشیٔ و تربیتہ. والانشاء ایجاد الشیٔ و تربیتہ و اکثرمابقال ذلک فی الحیوان (۴۷۳)

اردو مفہوم:۔ النشاء والنشاۃ کسی چیز کو پیدا کرنا اور اس کی پرورش کرنا۔ الانشاء کے معنی کسی چیز کی ایجاد اور تربیت کے ہیں۔ یہ لفظ زندہ چیز کے متعلق استعمال ہوتا ہے۔

انشائیت کی فلاسفی یہ بیان کی گئی ہے کہ:۔

نبتلیہ فجعلنٰہ سمیعاً بصیراً ○ انّا ھدینٰہ السّبیل امّا شاکراً وّامّا کفوراً ○ (۴۷۴)

ترجمہ:۔ کہ اس کی آزمائش کریں پس ہم نے اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنا دیا یقیناً ہم نے اسے راہ دکھا دی خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

نفس کی چونکہ آزمائش مقصود ہے۔ لہٰذا ہر انسان جو اکتساب کرے گا جو عمل کرے گا اس کی جزا اسی مناسبت سے دی جائے گی اس میں اللہ کو مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ اس نے ہر ایک کو ایک ہی نفس سے پیدا فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وھو الّذیٓ انشاکم مّن نّفسٍ وّاحدۃٍ فمستقرٌّ وّ مستودعٌ (۴۷۵)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی ہے جس نے تمہیں نفس واحدہ سے انشاء کیا پھر جائے قرار اور عارضی سپردگی کی جگہ ہے۔

اللہ نے انسان کو عقل، حواس، ادراک و وجدان اور قلوب جیسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں انسان اگر زندہ اور باضمیر اور روشن ضمیر رہنے کا خواہاں ہے تو اسے اس کا ثبوت دینا ہوگا کہ وہ ان کا استعمال صحیح معنوں میں کر رہا ہے۔ ورنہ اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا کیونکہ سب کی انشائیت کی اصل نفس واحدہ ہے۔ لہٰذا جو انحراف کرتا ہے وہ اس سے بھی واقف ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فاعرض عن مّن تولّٰی عن ذکرنا ولم یرد الّاالحیٰوۃ الدّنیا ○ ذٰلک مبلغھم مّن العلم انّ

بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

ایسے ہی نفوس زندہ نفوس کے حامل کہلاتے ہیں۔ اور حیات جاودانی Immortal Psyche کے مزے لوٹتے ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

دوسرا طریق خروج زندہ سے مردہ:۔

كلّ نفسٍ ذآئقة الموت ؕ ونبلوكم بالشّرّ والخير فتنةً ؕ (۴۸۲)

ترجمہ:۔ ہر نفس موت کا مزہ چکھے گا۔ اور ہم خیر وشر سے تمہاری آزمائش کریں گے۔

یہاں نفس کی موت سے مراد قلوب کی غفلت یا غفلت نفس ہے جو کہ بذات خود ایک ہلاکت ہے اور اس ہلاکت خیز گھڑی کے واقع ہونے سے پہلے اللہ اپنے بندوں کو تنبیہہ فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

اقترب للنّاس حسابهم وهم فى غفلةٍ مّعرضون ۝ ج مايا تيهم مّن ذكرٍ مّن رّبّهم محدثٍ الّا استمعوه وهم يلعبون ۝ لاهيةً قلوبهم ؕ (۴۸۳)

ترجمہ:۔ لوگوں کا حساب قریب سے قریب تر آ پہنچا ہے۔ اور وہ غفلت میں منہ پھرائے ہوئے ہیں۔ کوئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اسے تفریح سمجھ کر سنتے ہیں۔ ان کے دل غافل ہیں۔

غافل انسان بسبب غفلت نفس ایمان حقیقی سے محروم رہتا ہے لیکن ایک مردہ قلبی کا اثر خود اس کی ذات پر برا پڑتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے غافلون بھی کہا لاتشعرون کہا اور کہیں مایشعرون کے الفاظ آئے۔ ان کی برائیوں کو قرآن نے انتہائی تفصیلاً بیان کیا ہے مگر ہم انتہائی مختصر طور پر اس کا ذکر کریں گے تا کہ نفس کی موت واقع ہونے کا صحیح ادراک کیا جا سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولقد ذرانا لجهنّم كثيراً مّن الجنّ والانس ﺻﻠﮯ لهم قلوب لّا يفقهون بها ولهم اعين لّايبصرون بها ولهم اذان لّا يسمعون بها ط اولٓئک كالانعام بل هم اضلّ ط اولٓئک هم الغٰفلون (۴۸۴)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم نے بہت سے جن وانس جہنم کے لئے پیدا کئے ہیں ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ تو ڈھور ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ وہی تو ہیں جو غافل ہیں۔

جو عقل، حواس، ادراک، وجدان، علم کے حامل ہونے کے باوجود بھی ان کو اپنے لئے فائدہ مند نہ بنا سکیں ان میں نہ بصارت ہوتی ہے نہ سماعت اور بصیرت تو بڑی بات ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون لوگ ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں اللہ ہماری رہنمائی فرما رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے کہ اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود مان لیا ہوتا ہے۔ اور دوسرے وہ لوگ کہ ایمان لانے کے باوجود بھی ان کا سینہ کفر کے لئے کھول دیا یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس سبب ان کے قلوب مہر زدہ ہو گئے آیات بالترتیب ملاحظہ ہوں:۔

ارأیت من اتخذ الٰهه هوٰئه افانت تکون علیه وکیلا ○ (۴۸۵)

ترجمہ:۔ کیا تو اسے دیکھتا ہے جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے تو بھلا تو اس کا کارساز کیونکر ہو سکتا ہے۔

ولٰکن من شرح بالکفر صدراً فعلیهم غضب من الله ولهم عذاب عظیم ○ ذٰلک بانّهم استحبّوا الحیوٰة الدّنیا علی الاٰخرة و انّ الله لا یهدی القوم الکٰفرین ○ اولٰئک الّذین طبع الله علیٰ قلوبهم وسمعهم وابصارهم واولٰئک هم الغٰفلون ○ (۴۸۶)

ترجمہ:۔ مگر جس نے اپنا سینہ کفر کے لئے کھول دیا تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے حیات دنیا کو آخرت سے زیادہ محبوب جانا اور بلاشبہ اللہ کافر لوگوں کی ہدایت نہیں کرتا یہ وہی لوگ ہیں کہ جن کے قلوب پر سماعت پر اور بصارت پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی تو ہیں جو غافل ہیں۔

نفس کی یہ خوابیدہ حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نفس انسانی سویا ہوا ہے یہ ایک حقیقت بھی ہے کہ انسان تو سوئے ہوئے ہیں جب مرینگے تو جاگیں گے اسی لئے یہ دنیا خواب کی سی ہے اور آخرت حقیقت۔ نفس انسانی بیرونی دنیا کے لئے نیم شعوری حالت میں ہے لیکن اپنے باطن اور وجود سے بالکل بے خبر ہے اوّل الذکر کے تحت نفس انسانی کو اللہ نے بیرونی دنیا کے علم کے لئے حواس عطا فرمائے تا کہ علم کی خزانوں سے استفادہ کر سکے۔ لیکن اگر وہ اپنی حواس خمسہ Five Senses کو استعمال نہ کرے بلکہ فقط ہوائے نفس کا شکار رہے تو اس طرح تو وہ ایک جانب ناشکری کر رہا ہے اور دوسری جانب خود کو کسی بڑی مصیبت کا شکار کر رہا ہے۔ اور مؤخر الذکر یہ کہ نفس باطن سے متعلق قطعی لاشعوری کا حامل ہے اسی لئے غفلت کے سبب ہلاکت وموت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے حکم ربی یہ ہے:۔

یٰایّها الّذین اٰمنوا قوا انفسکم واهلیکم ناراً وّقودها النّاس و الحجارة علیها ملٰئکة غلاظ شداد لّایعصون الله ما امرهم و یفعلون ما یؤمرون ○ (۴۸۷)

ترجمہ:۔ اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ اس پر نہایت تندخو سخت مزاج فرشتے مامور ہیں وہ اللہ کے حکم کی جو وہ انہیں دیتا ہے نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انہیں دیا جاتا ہے بجا لاتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نفوس کی موت کی سختی سے بچائے۔ آمین ثمہ آمین۔ یاد رہے کہ موت درمیانی مرحلے کا نام ہے۔ ہمیشہ کی زندگی کی خاطر۔

تیسرا طریق خروج مابعد الموت:۔

اس کائنات رنگ وبو کا وہی خالق ہے جس طرح اس نے نفس واحدہ سے انشاء کیا اسی نفس سے دوبارہ انشاء

کر دے گا۔ کیونکہ موت کا مطلب بالکل فنا ہونا نہیں ہے بلکہ موت کا مطلب ایک نئی زندگی میں داخل ہونا ہے تاہم یہ سب کیونکر ممکن ہے؟ خروج مابعدالموت کی ہیئت و انشائیت کیا ہوگی؟ فرمان ربی ہے اوّل الذکر سوال کے حوالے سے:۔

ماخلقکم ولا بعثکم الاّ کنفسٍ وّاحدۃٍ ط (۴۸۸)

ترجمہ:۔ تمہارا خلق کرنا اور جلانا ایسا ہی ہے جیسے نفس واحدۃ کا۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات لاتعداد ہیں۔ ہمارے نفس میں وہ قطعاً سما نہیں سکتے یہ خصوصیت استعداد نفس انسانی کو حاصل نہیں۔ لہٰذا اللہ خلق کی کنہہ وحقیقت کیا ہے؟ جب ہم اس سے واقف نہیں تو بھلا دوبارہ اٹھنے کے عمل سے کیونکر واقف ہو سکتے ہیں؟ یہ دراصل وہ لوگ ہیں جو نہ خالق کو مانتے ہیں اور نہ ہی دوبارہ خروج کو۔ یہ لوگ کفر کی روش پر قائم ہیں۔ اور جب موت آئی تھی تو ان کے قلوب مہر زدہ تھے یہ غافل تھے۔ یہ لاپرواہ تھے۔ لیکن اللہ کی بے پرواہی ان کی لاپرواہی سے کہیں بڑھ کر ہے لہٰذا جس دن خروج ہوگا تو یہ پچھتائیں گے اور یہ سب انکار کے اس دن اللہ سے اس طرح گویا ہوں گے۔

قالوا ربّنآ امتّنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فھل الی خروجٍ مّن سبیلٍ ○ (۴۸۹)

ترجمہ:۔ وہ کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دومرتبہ موت دی اور دومرتبہ ہمیں جلایا پس ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں کیا نکلنے کی کوئی سبیل ہو سکتی ہے؟

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنی فطری ہدایت کے تحت چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

ساتواں مرحلہ تخلیق:۔

جعل اور نفس انسانی

فجعلہٗ غثآءً احوی ط ○ (۴۹۰)

ترجمہ:۔ پھر اسے خشک سیاہ کوڑا کر دیا۔

اشیاء بوسیدہ کیوں ہوتیں ہیں؟ لہلہاتے کھیت سبز سے زرد اور پھر چورا چورا کیوں ہوتے ہیں؟ اور انسان بوڑھا کیوں ہوتا ہے؟ یقیناً ان سوالوں کے جواب مختلف ادوار میں مختلف طور پر دیئے گئے ہوں گے کچھ لوگوں نے عقل کے پیمانے پر بات کی ہوگی تو کسی نے علمی و سائنسی وجوہ بیان کی ہوں گی۔ زمانہ قدیم میں کچھ اور وجوہ اور دور جدید میں کچھ اور لیکن!!! کتاب اللہ اور فطرۃ اللہ کو روز اوّل سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک کوئی بدلا ہوا نہیں پائے گا۔ ہر شخص اس حقیقت کا معترف ہے کہ جس شے کا آغاز ہے اس کا انجام بھی ہے۔ لہٰذا خواہ وہ آسمانی دنیا کی کوئی شے ہو یا چلنے پھرنے والی مخلوق میں سے یا پھر زمین میں نباتات و جمادات سب کے سب یہ بتاتے ہیں کہ وہ اپنے انجام کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ خود اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

ومن اٰیتہ خلق السمٰوٰت والارض وما بثّ فیھما من دآبّۃٍ وھو علی جمعھم اذا یشآء قدیر ۝(۴۹۱)

ترجمہ:۔ اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور جو کچھ ان دونوں میں سے جانداروں میں سے بسایا گیا ہے وہ اس کی نشانیوں میں سے ہے اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔

الغرض کائنات کی ہر ہر شے اور جاندار اپنے اپنے انجام کی طرف رواں دواں ہیں۔ ایسا کیوں؟ ایسا اس لئے کہ مخلوق Forever کی صفت نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس پر قانون جعل کا اطلاق ہے۔ قانون جعل کیا ہے؟ اس کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے فرمادی جو اس طرح ہے:۔

(ضمیمہ جات نمبر ا میں قانون جعل کا اطلاق نفسی کا چارٹ نمبر ۸، ص نمبر ۴۹۶ پر ملاحظہ کیجئے۔)

آغاز سے پہلے اشیاء کن صورتوں میں تھیں؟ کہاں تھیں؟ ہمیں اس کا شعور نہیں کیونکہ یہ مسئلہ شعور سے ماوراء ہے۔ مگر جب منصۂ شہود پر آ گئیں تو تعلق کی بنیاد ہی نہیں پڑی بلکہ مستحکم ہو گئی قانون جعل کے اطلاق کا آغاز ہو گیا۔ لیکن بتدریج نشوونما پاتی ہوئی جب اپنے نقطۂ آخریں پر پہنچی تو اس کا اطلاقی نتیجہ سامنے آیا کہ وہ نہ صرف منظر عام سے ہٹی بلکہ دار فانی سے ہی کوچ کر گئی اور اس طرح غائب ہو گئی جیسے تھی ہی نہیں مگر اپنے آغاز سے کچھ یادیں، تعلق، نشان و آثار الغرض گہرے نقش چھوڑ گئی جو مٹائے نہ مٹیں۔ دراصل آغاز، پھیلاؤ، انجام یہ سب طبعی دنیا کی وہ ممکنات ہیں جن سے چھٹکارا ممکن نہیں اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان حقیقتوں کو انسان پر متعارف کروایا تاکہ وہ قانون جعل کے اطلاقی مراحل سے سبق سیکھ کر اپنی فلاح کو ممکن بنا سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

اعلموآ انّما الحیوۃ الدّنیا لعب وّلھو وّزینۃ وّتفاخرٌ بینکم و تکاثر فی الاموال والاولادؕ کمثل غیثٍ اعجب الکفّار نباتہٗ ثمّ یھیج فترٰہ مصفرًّا ثمّ یکون حطامًاؕ (۴۹۲)

ترجمہ:۔ خوب جان لو کہ یہ کمینی زندگی تو کھیل کود اور ظاہری نمائش اور آپس میں تمہارا ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد میں زیادتی کی ہوس سے ہے اس کی مثال تو بارش کی سی ہے جس سے ہونے والی پیداوار کاشتکار کو خوش کرتی ہے پھر وہ لہلہاتی ہے پھر تو اسے زرد ہوتے ہوئے دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔

قانون جعل کے مراحل انفس و آفاق دونوں پر یکساں لاگو ہیں بس صورتیں مختلف ہیں جس طرح نباتات پر سبز، زرد اور خس و خاشاک اسی طرح Stars پر بھی لاگو ہیں۔ پہلی صورت White Dwarf، دوسری Pulsar، تیسری سیاہ و تاریک سوراخ Black Wholes جیسا کہ ابتداء میں جمعھم کا لفظ آیا تھا۔ وہ دراصل سیاہ تاریک سوراخ کی ہی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کا اطلاق انسان پر بھی ہوتا ہے۔

ثمّ یخرجکم طفلا ثمّ لتبلغوآ اشدّکم ثمّ لتکونوا شیوخاً ج (۴۹۳)

ترجمہ:۔ پھر تمہیں بچہ نکالا تاکہ پھر تم اپنی بلوغت کو پہنچو اور پھر تم بوڑھے ہو جاؤ۔

اس لئے رب العزت کے فرمان پر غور وفکر کرنا چاہئے۔ دنیا کو کھیل تماشہ نہیں سمجھنا چاہئے جو نعمتیں اللہ نے

ہمیں دی ہیں وہ دراصل امانت ہیں لہٰذا امانتوں کو صحیح طور پر استعمال کرنے کا حکم ہے۔ ورنہ پھر اللہ کا فیصلہ آ پہنچے گا جیسا کہ تاریخ گواہ ہے کہ جنھوں نے اللہ کے حکم کی تکذیب کی اللہ نے اس قوم کو خس و خاشاک کی طرح مٹا دیا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فاخذتهم الصّيحة بالحقّ فجعلنٰهم غثآءً فبعداً للقوم الظّٰلمين ۞ ثمّ انشانا من بعد هم قرونًا اٰخرين ۞ (۴۹۴)

ترجمہ:۔ پس انصاف کے تقاضہ کے مطابق انہیں ایک چنگھاڑ نے آ لیا اور ہم نے انہیں خس و خاشاک بنا دیا پس ظالموں کے لئے دوری ہے پھر ہم نے ان کے بعد دوسری نسلیں پیدا کیں۔

قانون جعل کا اصول غثاء ہر شے کو انجام تک پہنچنے پر لاگو ہو جاتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ سیلاب خس و خاشاک کو بہا لے جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ جیسے وہ تھی ہی نہیں۔ لیکن پھر وہ ذرات کس ذرات میں ملتے ہیں؟ اس کا ہمیں علم نہیں۔ اور نہ ہی ہم اس کا ادراک رکھتے ہیں کہ دوبارہ انشائیت کس طرح ہوگی؟ بالخصوص قیامت کے بعد۔ کیونکہ ایک نسل کے بعد دوسری نسل کی انشائیت تو مشہود ہے۔ اور بطور عبرت گزشتہ قوم کے آثار بھی ہیں۔ جو کہ اللہ کے حکم کے انحراف کے سبب اپنے اپنے انجام کو پہنچے کچھ رحمت سے دوری کے سبب پہنچے اور کچھ قانون طبعی کی وجہ سے رحمت کے ساتھ انجام کو پہنچے۔ یہ معاملہ بالکل ایسا ہے کہ جیسے توانائی مادہ میں اور مادہ توانائی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس طرح جیسے انسان آغاز میں آتا ہے اسی طرح انجام کی تکمیل کے بعد وہیں واپس چلا جاتا ہے۔ ایسا کیونکر ہوتا ہے؟ اس کی نوعیت اصلی کیا ہے؟ تو اس کا جواب رب تعالیٰ نے ہمیں خود مرحمت فرمایا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فجعلهٗ غثآءً احوٰى ۞ سنقرئك فلاتنسٰى ۞ الا ماشآء اللّٰهُ انّهٗ يعلم الجهر وما يخفٰى ۞ (۴۹۵)

ترجمہ:۔ پھر اسے خشک سیاہ کوڑا کر دیا عنقریب ہم تجھے اس طرح پڑھا دیں گے کہ تو بھولے گا نہیں بجز اس کے جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اس کو بھی جو پوشیدہ ہے۔

تلخیص:۔

بے شک قرآن حکیم کی یہی بات کافی ہے کہ جسے اللہ نے پڑھایا وہ بھلا اپنا سبق کیونکر بھول سکتا ہے ماسوائے اس کے کہ جو اللہ چاہے۔ بلاشبہ وہی جانتا ہے کہ کس طرح اس نے ذرات کو علم منتقل کیا ہے اور وہ کس طرح اپنے پروگرام کے مطابق عمل پیرا ہیں؟ ان کا عمل پیرا ہونا کارخانۂ قدرت کا کامیابی سے چلنا حق کو حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اب ہم فیکون کے تیسرے مرحلہ مرحلۂ حق کی تفہیم کریں گے تاکہ حقائق غیب سے شھود ہو جائیں اور نفس تشکیک سے یقین کی معراج کو پالے۔

فہرست کتابیات مع حوالہ جات برائے باب چہارم

نمبر شمار	حوالہ جات
۱	القرآن ۴۱:۵۳
۲	ایضاً،۸۵:۲۲
۳	ایضاً،۵:۱۱۶
۴	العلامہ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، نور محمد اصح المطابع، کارخانہ تجارت آرام باغ ۱۳۸۰ھ، ص۵۲۱
۵	ضامن نقوی، فلسفہ نفس، کراچی، انجمن پریس لارنس روڈ، ۱۹۵۵ء، ص۲۲
۶	القرآن ۹۱:۷تا۱۰
۷	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۵۲
۸	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۷۱
۹	القرآن ۱۷:۹۰تا۹۱
۱۰	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۳۷۹تا۳۸۰
۱۱	القرآن ۷۵:۵
۱۲	ایضاً،۲:۷۴
۱۳	ایضاً،۷۱:۲۷
۱۴	ایضاً،۸۲:۱۴
۱۵	ایضاً،۸۰:۴۰تا۴۲
۱۶	ایضاً،۸۳:۷تا۱۵
۱۷	ایضاً،۳۸:۲۸
۱۸	ایضاً،۶۶:۶
۱۹	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۵۵۲
۲۰	القرآن ۳:۱۰۲
۲۱	ایضاً،۷:۳۵
۲۲	ایضاً،۱۷:۷۸
۲۳	ایضاً،۸۳:۱۸تا۲۸
۲۴	ایضاً،۶:۱۲
۲۵	المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۱۹۰
۲۶	القرآن ۶:۵۴تا۵۵
۲۷	ایضاً،۲۰:۶۷

۲۸ القرآن، ۱۶:۴۹تا۵۰
۲۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۲۱
۳۰ القرآن ۱۳:۱۳
۳۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۲۱تا۱۲۲
۳۲ القرآن ۳:۱۷۵
۳۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۲۲
۳۴ القرآن ۳۹:۱۶
۳۵ ایضاً، ۱۴:۲۲
۳۶ ایضاً، ۸:۴۸
۳۷ ایضاً، ۷:۵۶
۳۸ ایضاً، ۲۲:۵۳
۳۹ ایضاً، ۳۶:۶۰
۴۰ ایضاً، ۳۷:۱۱۳
۴۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۶۸
۴۲ القرآن ۵:۱۵
۴۳ ایضاً، ۸:۴۲
۴۴ ایضاً، ۲۶:۱۹۵
۴۵ ایضاً، ۲۷:۱
۴۶ ایضاً، ۳۹:۲۲
۴۷ ایضاً، ۳۹:۱۵
۴۸ ایضاً، ۳۶:۷۷
۴۹ ایضاً، ۴۳:۱۵
۵۰ ایضاً، ۳۷:۱۰۶
۵۱ ایضاً، ۶:۱۶
۵۲ ایضاً، ۷۵:۱۴تا۱۵
۵۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۸
۵۴ القرآن ۲۴:۲۴
۵۵ ایضاً، ۷:۱۹۵
۵۶ ایضاً، ۷:۱۹۸
۵۷ ایضاً، ۲۵:۷۳
۵۸ ایضاً، ۱۲:۱۰۸
۵۹ ایضاً، ۲۰:۱۲۵تا۱۲۶
۶۰ ایضاً، ۶:۱۰۳تا۱۰۴

61 Karan Huffman, Essential's of Psychology in Action, New, York, John wiley & Sons inc. 1995, P-80 to 97.

62 Robert M. Goldenson, Longman Dictionary of Psychology and Psychiatry, New York, A walter D. Glange Book Longman Inc, 1984, P-668

۶۳ القرآن ۵۱:۲۰تا۲۱

۶۴ ایضاً، ۲۲:۴۶

۶۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۲۱

۶۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۲۱

۶۷ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۲۱

۶۸ القرآن ۵۰:۲۷

۶۹ ایضاً، ۳۳:۴

۷۰ ایضاً، ۴۰:۳۵

۷۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۳۴

۷۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۸۳

۷۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۸۳تا۸۴

۷۴ القرآن ۵۹:۲۳

۷۵ ایضاً، ۲:۸۷

۷۶ ایضاً، ۲:۷

۷۷ ایضاً، ۹:۹۳

۷۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۰۳

۷۹ القرآن ۲:۹، ۱۱، ۱۲ اور ۱۴۔

۸۰ ایضاً، ۴۷:۲۲تا۲۴

۸۱ ایضاً، ۵۰:۳۳

۸۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۲۸

۸۳ القرآن ۳۹:۵۳تا۵۴

۸۴ ایضاً، ۳۸:۲۰تا۲۶

۸۵ ایضاً، ۳۸:۳۴تا۳۵

۸۶ ایضاً، ۱۱:۶۹تا۷۶

۸۷ ایضاً، ۳۴:۹ اور ۵۰:۸

۸۸ ایضاً، ۳۹:۸

۸۹ ایضاً، ۳۹:۱۷

۹۰ ایضاً، ۳۰:۳۱

۹۱ ایضاً، ۶۴:۱۵تا۱۶

۹۲ القرآن،۴:۲۰
۹۳ ایضاً،۲۴:۸
۹۴ ایضاً،۳۴:۵۰تا۳۵
۹۵ ایضاً،۸۸:۲۶تا۸۹
۹۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۲۳۹
۹۷ القرآن ۱۲:۱۵
۹۸ ایضاً،۷۴:۱۰
۹۹ ایضاً،۹۰:۲۶
۱۰۰ ایضاً،۴۵:۱۵تا۴۸
۱۰۱ ایضاً،۱۲۷:۶
۱۰۲ ایضاً،۱۲۵:۶
۱۰۳ ایضاً،۷۹:۳۷،۱۰۹،۱۲۰،۱۳۰،۱۸۱
۱۰۴ ایضاً،۴۸:۱۱
۱۰۵ ایضاً،۸۴:۳۷تا۸۵
۱۰۶ ایضاً،۵۸:۳۶تا۵۹
۱۰۷ ایضاً،۷:۳۰تا۸
۱۰۸ ایضاً،۵۳:۸
۱۰۹ ایضاً،۵۳:۱۲
۱۱۰ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص۲۳
۱۱۱ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص۲۵۳
۱۱۲ القرآن ۱۲۸:۲تا۱۲۹
۱۱۳ ایضاً،۲۳:۱۲
۱۱۴ ایضاً،۲۴:۱۲
۱۱۵ ایضاً،۹۸:۹
۱۱۶ ایضاً،۱۱۷:۴تا۱۱۹
۱۱۷ ایضاً،۵۳:۱۲
۱۱۸ ایضاً،۱۲۳:۴تا۱۲۴
۱۱۹ ایضاً،۱۵۴:۳
۱۲۰ ایضاً،۶:۲۹
۱۲۱ ایضاً،۲:۷۵
۱۲۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۷۲
۱۲۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص۴۷۳
۱۲۴ القرآن ۲۲:۱۴
۱۲۵ ایضاً،۱۷:۲۸تا۱۸

۱۲۶ القرآن، ۶۸: ۲۵ تا ۲۷

۱۲۷ ایضاً، ۶۸: ۲۸ تا ۳۲

۱۲۸ ایضاً، ۱۷: ۲۹ تا ۳۰

۱۲۹ ایضاً، ۱۷: ۳۹

۱۳۰ ایضاً، ۵۱: ۴۰

۱۳۱ ایضاً، ۳۷: ۱۴۲ تا ۱۴۴

۱۳۲ ایضاً، ۵۱: ۵۴ تا ۵۵

۱۳۳ ایضاً، ۵: ۵۴

۱۳۴ ایضاً، ۸۹: ۲۷ تا ۳۰

۱۳۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۱۰

۱۳۶ القرآن ۱۳: ۲۸

۱۳۷ ایضاً، ۲: ۱۵۲

۱۳۸ ایضاً، ۳۳: ۴۱ تا ۴۴

۱۳۹ ایضاً، ۳۵: ۳

۱۴۰ ایضاً، ۳۵: ۵

۱۴۱ ایضاً، ۱۶: ۱۱۲

۱۴۲ ایضاً، ۵: ۱۱۹

۱۴۳ ایضاً، ۹: ۲۰ تا ۲۱

۱۴۴ ایضاً، ۴۸: ۲۹

۱۴۵ ایضاً، ۴۸: ۱۸

۱۴۶ ایضاً، ۸۹: ۲۸ تا ۳۰

۱۴۷ ایضاً، ۶۶: ۶

۱۴۸ ایضاً، ۵۷: ۱۹

۱۴۹ ایضاً، ۲: ۱۵۴

۱۵۰ ایضاً، ۶۶: ۸

۱۵۱ ایضاً، ۶۶: ۸

۱۵۲ ایضاً، ۵۷: ۱۲ تا ۱۵

۱۵۳ مولانا محمد اسحٰق صدیقی سندیلوی، دینی نفسیات، کراچی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن، ۱۹۷۲ء، ص ۶۲

۱۵۴ دینی نفسیات، محولہ بالا، ص ۶۲

۱۵۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۱۵

۱۵۶ القرآن ۳۱: ۳۳

۱۵۷ منشی عبدالرحمان، مذہب اور سائنس، ملتان، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۲۳، جلد چہارم

۱۵۸ القرآن ۲۷: ۶۲ تا ۶۳

۱۵۹ ایضاً، ۵۸: ۷

۱۶۰ القرآن، ۵۷:۴۰

۱۶۱ ایضاً، ۳۹:۱۲ تا ۵۰

۱۶۲ ایضاً، ۹۸:۶

۱۶۳ ایضاً، ۲۶:۳۱ تا ۲۸

164 Frank J. Tipler. "The Physics of Immortality", London, Macmillan Company. 1995. P-127.

165 Richard Leaky. "The Origion of Humankind", London, Weidanfeld & Nicolson The origion Publishing group orion House, 1994, P-139.

166 Dr. Yaqoob Hassan Khan (Retd Maj) "Creation and Evolution of Universe and Man", Karachi, Artline Printer Temple Road, 1984, P-51.

۱۶۷ القرآن ۶۸:۲۸

۱۶۸ ایضاً، ۱:۳۵

۱۶۹ ایضاً، ۳۹:۱۳ تا ۴۱

۱۷۰ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، لاہور، نفیس پبلشرز، ۱۰۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، سن اشاعت درج نہیں۔ ص ۳۳۲

۱۷۱ القرآن ۴۳:۱۳

۱۷۲ ایضاً، ۲۴:۴۲

۱۷۳ ایضاً، ۲۷:۱۴

۱۷۴ ایضاً، ۳۷:۸

۱۷۵ ایضاً، ۱۹:۹ تا ۲۰

۱۷۶ ایضاً، ۷۸:۲۲

۱۷۷ ایضاً، ۱۵۵:۲

۱۷۸ ایضاً، ۱۵۴:۲

۱۷۹ ایضاً، ۱۶:۹

۱۸۰ ایضاً، ۱:۲۹ تا ۲

۱۸۱ ایضاً، ۴۸:۸

۱۸۲ ایضاً، ۹۸:۲۱

۱۸۳ ایضاً، ۶:۲۹

۱۸۴ ایضاً، ۲۸:۳۱

185 "The Physics of Immortality" OP.cit, P-124.

186 Paul Adward, Encyclopedia of Philosophy, P-451, Vol-5

187 Robert Audi, "The Cambridge Dictionary of Philosophy" USA, Cambridge University Press, 1995, P-221.

188 "The Physics of Immortality" OP.cit. P-157

189 "The Physics of Immortality" Ibid, P-158.

190 "The Physics of Immortality" Ibid, P-158.

191 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-808.

۱۹۲ القرآن ۸:۱۳ تا ۱۰

۱۹۳ ایضاً، ۴۷:۴۱

۱۹۴ ایضاً، ۱:۹۲ تا ۱۳

۱۹۵ ایضاً، ۷:۲۶ تا ۸

۱۹۶ ایضاً، ۱:۴

۱۹۷ ایضاً، ۱۳:۴۹

۱۹۸ ایضاً، ۴۳:۵۳ تا ۴۵

۱۹۹ ایضاً، ۴۹:۵۱

۲۰۰ ایضاً، ۴۵:۲۹

۲۰۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۷۷

۲۰۲ القرآن ۱۵۲:۲

۲۰۳ ایضاً، ۵۱:۷ مزید ۱۳:۳۲، اور ۳۴:۴۵

۲۰۴ ایضاً، ۶۸:۶ تا ۶۹

۲۰۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۷۹

۲۰۶ القرآن ۱:۷۶

۲۰۷ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۷۸

۲۰۸ القرآن ۴۳:۱۶ تا ۴۴

۲۰۹ ایضاً، ۲:۷۶

۲۱۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۸۵

۲۱۱ القرآن ۲:۷۶ تا ۳

۲۱۲ ایضاً، ۷۲:۱۶

۲۱۳ ایضاً، ۱:۴

۲۱۴ ایضاً، ۷:۸۱

۲۱۵ ایضاً، ۱۶:۱۹ تا ۱۷

۲۱۶ ایضاً، ۲۰:۱۹ تا ۲۲

۲۱۷ ایضاً، ۲۳:۱۹

۲۱۸ ایضاً، ۲۶:۱۹

۲۱۹ ایضاً، ۲۷:۱۹

۲۲۰ ایضاً، ۳۴:۱۹

۲۲۱ ایضاً، ۴۵:۳

۲۲۲ ایضاً، ۴۳:۱۶ تا ۴۴

۲۲۳ القرآن ۲۴:۳۶ تا ۳۷

۲۲۴ ایضاً، ۸۱:۷

۲۲۵ ایضاً، ۱۴:۲۴ تا ۲۵

۲۲۶ ایضاً، ۱۴:۲۶

۲۲۷ ایضاً، ۲۴:۲۶

۲۲۸ ایضاً، ۳:۱۷۹

۲۲۹ ایضاً، ۸:۳۷ تا ۳۸

۲۳۰ ایضاً، ۷:۵۸

۲۳۱ ایضاً، ۲۱:۷۴

۲۳۲ ایضاً، ۹:۷۲

۲۳۳ ایضاً، ۵:۱۰۰

۲۳۴ ایضاً، ۳۶:۳۶ تا ۳۷

۲۳۵ ایضاً، ۳۹:۶

۲۳۶ ایضاً، ۸۲:۷

۲۳۷ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۲۵۱ تا ۲۵۲

۲۳۸ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۳۲۷ تا ۳۲۸

۲۳۹ القرآن ۵۷:۴

۲۴۰ ایضاً، ۹۱:۷ تا ۱۰

۲۴۱ ایضاً، ۳۲:۴

۲۴۲ ایضاً، ۱۱:۷

۲۴۳ ایضاً، ۲۱:۲۲

۲۴۴ ایضاً، ۸۵:۱۵ تا ۱۶

۲۴۵ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۴۷۹

۲۴۶ القرآن ۹:۱۲۹

۲۴۷ ایضاً، ۲۳:۸۶ تا ۸۷

۲۴۸ ایضاً، ۱۰:۳ تا ۴

۲۴۹ ایضاً، ۲۰:۵۸

۲۵۰ ایضاً، ۷۹:۲۷ تا ۲۸

۲۵۱ ایضاً، ۷۵:۴

۲۵۲ ایضاً، ۳۸:۷۲

۲۵۳ ایضاً، ۳۲:۱۷ تا ۱۸

۲۵۴ ایضاً، ۵:۱۰۰

۲۵۵ ایضاً، ۳۹:۲۹

۲۵۶ ایضاً، ۵۴:۴۹

۲۵۷ القرآن ۸۷:۳

۲۵۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۰۳

۲۵۹ القرآن، ۷۷:۲۱ تا ۲۳

۲۶۰ ایضاً، ۱۵:۲۱

۲۶۱ ایضاً، ۴۲:۲۷

۲۶۲ ایضاً، ۵۴:۱۱ تا ۱۲

۲۶۳ ایضاً، ۲۵:۲

۲۶۴ ایضاً، ۷۴:۱۸ تا ۲۰

۲۶۵ ایضاً، ۵۶:۶۰ تا ۶۲

۲۶۶ ایضاً، ۷۴:۱۰ تا ۱۱

۲۶۷ ایضاً، ۳:۱۶۵

۲۶۸ ایضاً، ۶:۱۷

۲۶۹ ایضاً، ۷۵:۲ تا ۵

۲۷۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۷۲

۲۷۱ القرآن ۲۹:۲۰

۲۷۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۱۳

۲۷۳ القرآن ۵۶:۷۱ تا ۷۴

۲۷۴ ایضاً، ۵۴:۴۹ تا ۵۵

۲۷۵ ایضاً، ۲۰:۵۰

۲۷۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۲۰

۲۷۷ القرآن ۴۳:۲۷

۲۷۸ ایضاً، ۱۶:۹

۲۷۹ ایضاً، ۸:۵۳

۲۸۰ ایضاً، ۱۷:۱۵

۲۸۱ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، لاہور، اسلامی اکادمی، اردو بازار، ۱۹۷۶ء، ص ۱۷۴ تا ۱۷۵، جلد اول

۲۸۲ القرآن ۲۶:۷۸

۲۸۳ ایضاً، ۱۷:۸۴

۲۸۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۶۷

۲۸۵ القرآن ۶۷:۲۲ تا ۲۳

۲۸۶ ایضاً، ۲۸:۵۶

۲۸۷ ایضاً، ۷۵:۱۴ تا ۱۵

۲۸۸ ایضاً، **۸۹**:۱ تا ۴

۲۸۹ ایضاً، ۱۷:۱۳ تا ۱۵

۲۹۰ ایضاً، ۳:۱۶۴

۲۹۱ القرآن ۳۰:۳۰

۲۹۲ المفردات فی غریب القرآن بحولہ بالا، ص۳۸۹ تا ۳۹۰

۲۹۳ القرآن ۱۰:۱۴

۲۹۴ ایضاً، ۱۵:۵۰

۲۹۵ ایضاً، ۳۳:۴۶

۲۹۶ ایضاً، ۹۹:۱۷

۲۹۷ ایضاً، ۱۵:۷۱تا۱۸

۲۹۸ ایضاً، ۱۵:۵۰تا۱۶

۲۹۹ ایضاً، ۱۳۷:۲۶

۳۰۰ ایضاً، ۲۸:۴

۳۰۱ ایضاً، ۳۷:۲۱

۳۰۲ ایضاً، ۱۹:۷۰

۳۰۳ ایضاً، ۷۲:۳۳

۳۰۴ ایضاً، ۵:۸۶

۳۰۵ ایضاً، ۱۸۴:۲۶

۳۰۶ المفردات فی غریب القرآن بحولہ بالا، ص۸۵

307 Dr. M. Raffiuddin "The Ideology of the Future". Lahore, Shaikh Muhammad Ashraf Press Kashmiri Bazar, 1970, P-36.

308 "The Ideology of the Future" Ibid, P-41 to 42.

309 "The Ideology of the Future" Ibid, P-38.

310 "The Ideology of the Future" Ibid, P-47.

311 "The Ideology of the Future" Ibid, P-38 to 39.

۳۱۲ القرآن ۶۱:۳۶تا۶۲

۳۱۳ ایضاً، ۷۲:۳۳

۳۱۴ ایضاً، ۱۰۵:۲۰تا۱۰۷

۳۱۵ ایضاً، ۲۱:۵۹

۳۱۶ ایضاً، ۲۰۰:۷تا ۲۰۱

۳۱۷ ایضاً، ۲۰۴:۷

۳۱۸ ایضاً، ۲۷:۸

۳۱۹ ایضاً، ۲۹:۸

۳۲۰ ایضاً، ۳۱:۱۳

۳۲۱ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، لاہور، نفیس پبلشرز الکریم مارکیٹ اردو بازار، ص۳۳۰

۳۲۲ القرآن ۳۲:۱۳

۳۲۳ ایضاً، ۱۹:۵۸تا۲۲

۳۲۴ القرآن ۵۹:۱۵تا۱۷

۳۲۵ ایضاً، ۵۹:۱۸تا۲۰

۳۲۶ ایضاً، ۳۰:۳۰

۳۲۷ ایضاً، ۱۷:۴۴

۳۲۸ ایضاً، ۷:۱۷۲

329 "The Cambridge Dictionary of Philosophy" OP.cit, P-71.

330 Stuart Sutherland. MacMillan Dictionary of Psychology, London, The Macmillan Press Ltd, 1991, P-235.

۳۳۱ القرآن ۵۱:۲۰تا۲۱

۳۳۲ ایضاً، ۳۰:۳۰

۳۳۳ ایضاً، ۵۱:۵۶

۳۳۴ ایضاً، ۵۸:۷

۳۳۵ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۱۲

336 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-574.

۳۳۷ القرآن ۲:۳۰

۳۳۸ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۱۵۵

۳۳۹ القرآن ۶:۱۶۵

۳۴۰ ایضاً، ۲:۳۱تا۳۲

۳۴۱ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۳۴۸

۳۴۲ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۳۴۸

۳۴۳ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۲۴۴

۳۴۴ منشی عبدالرحمان، مذہب اور سائنس محولہ بالا،ص ۱۵۹

۳۴۵ القرآن ۷:۱۱

۳۴۶ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۲۲۲

۳۴۷ القرآن ۱۳:۱۵

۳۴۸ ایضاً، ۱۶:۴۹

۳۴۹ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۵۹

۳۵۰ القرآن ۳۹:۵۳

۳۵۱ ایضاً، ۳۸:۷۶

۳۵۲ ایضاً، ۱۸:۵۰

۳۵۳ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۹۷

۳۵۴ القرآن ۱۵:۲۷

۳۵۵ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا،ص ۲۴۱

۳۵۶ القرآن ۱۷:۵۷

۳۵۷ القرآن ۳:۱۷۵

358 "The Encyclopedia of Philosophy", OP.cit, P-30, Vol-4.

۳۵۹ القرآن ۲:۱۵۵

۳۶۰ ایضاً،۳۳:۱۹

۳۶۱ ایضاً،۲۱:۳۵

۳۶۲ ایضاً،۴:۷۸

۳۶۳ ایضاً،۲۱:۳۴

۳۶۴ ایضاً،۱۷:۳۱

۳۶۵ ایضاً،۱۳:۲۶

۳۶۶ ایضاً،۹:۴۱

۳۶۷ ایضاً،۵۷:۲۰

۳۶۸ ایضاً،۵۷:۲۳

۳۶۹ ایضاً،۵:۹۴

۳۷۰ ایضاً،۴:۷۹

۳۷۱ ایضاً،۷:۵۶

۳۷۲ ایضاً،۱۰۶:۳تا۴

373 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-280.

۳۷۴ القرآن ۳:۱۱۰

۳۷۵ ایضاً،۴۰:۸۱

۳۷۶ ایضاً،۴:۱۰۷تا۱۰۸

۳۷۷ ایضاً،۳۹:۵۳

۳۷۸ ایضاً،۲:۱۶۵

379 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-7.

380 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-598.

381 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-599.

382 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-602.

383 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-603.

۳۸۴ القرآن ۵۱:۲۱

۳۸۵ ایضاً،۵:۶۹

۳۸۶ ایضاً،۶:۵۴

387 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-311.

۳۸۸ القرآن ۳:۳۸

۳۸۹ ایضاً،۴:۱۸

390 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-311.

391 "The Encyclopedia of Philosophy" OP.cit, P-434, Vol-3

392 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", OP.cit, P-286

393 "The Cambridge Dictionary of Philosophy", Ibid, P-576

۳۹۴ القرآن ۱۳.۲۸

۳۹۵ ایضاً، ۷۶:۱

۳۹۶ ایضاً، ۲۱:۱۰

۳۹۷ ایضاً، ۹۴:۱ تا ۸

۳۹۸ ایضاً، ۱۳:۲۸

۳۹۹ ایضاً، ۲:۱۵۳

۴۰۰ ایضاً، ۲:۱۷

۴۰۱ ایضاً، ۱۸:۲۸

۴۰۲ ایضاً، ۲۱:۸۵

۴۰۳ ایضاً، ۷:۱۲۶

۴۰۴ ایضاً، ۶:۱۶۲

۴۰۵ ایضاً، ۲۰:۱۳۲

۴۰۶ ایضاً، ۳۰:۶۰

۴۰۷ ایضاً، ۵۰:۱۶ تا ۱۸

۴۰۸ ایضاً، ۲:۱۸۶

۴۰۹ ایضاً، ۲۷:۶۲

۴۱۰ ایضاً، ۱۰:۱۰۷

۴۱۱ ایضاً، ۷:۵۵

۴۱۲ ایضاً، ۷:۱۸۰

۴۱۳ ایضاً، ۷۲:۱۸ تا ۲۲

۴۱۴ ایضاً، ۲:۱۸۳

۴۱۵ ایضاً، ۳:۹۲

۴۱۶ ایضاً، ۶۴:۱۵ تا ۱۷

۴۱۷ ایضاً، ۲:۲۶۲

۴۱۸ ایضاً، ۲:۲۶۷

۴۱۹ ایضاً، ۵:۲۷

۴۲۰ ایضاً، ۲:۲۶۱

۴۲۱ ایضاً، ۲۲:۳۷

۴۲۲ ایضاً، ۱۰۷:۱ تا ۷

۴۲۳ ایضاً، ۱۳:۲۲

۴۲۴ ایضاً، ۲:۲۶۴

۴۲۵ ایضاً، ۲:۲۶۵

۴۲۶ ایضاً، ۳:۹۷

۴۲۷ ایضاً، ۳:۹۶

۴۲۸ مولانا امین احسن اصلاحی، تزکیہ نفس، فیصل آباد، ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار، ۱۹۸۱ء، ص ۳۰۵

۴۲۹ القرآن ۲۲:۳۲

۴۳۰ ایضاً، ۲:۱۹۷

۴۳۱ ایضاً، ۲:۱۹۱

۴۳۲ ایضاً، ۷۳:۸

۴۳۳ ایضاً، ۲۲:۷۸

۴۳۴ ایضاً، ۹:۴۱

۴۳۵ ایضاً، ۴:۸۴

۴۳۶ ایضاً، ۲۹:۶

۴۳۷ ایضاً، ۵۹:۱۳

۴۳۸ ایضاً، ۵۵:۳۳

۴۳۹ ایضاً، ۹:۱۲۲

۴۴۰ ایضاً، ۷:۴۹

۴۴۱ ایضاً، ۳۸:۷۵تا۷۶

۴۴۲ ایضاً، ۴۹:۱۳

۴۴۳ ایضاً، ۳۸:۷۷تا۸۱

۴۴۴ ایضاً، ۱۶:۹۸

۴۴۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۸۹

۴۴۶ القرآن ۶۷:۵

۴۴۷ ایضاً، ۱۱:۱۸

۴۴۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۶۶

۴۴۹ القرآن ۱۷:۲۰

۴۵۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۵۶

۴۵۱ القرآن ۱۱:۹۹

۴۵۲ ایضاً، ۴۴:۳۸تا۴۰

۴۵۳ ایضاً، ۳۸:۸۲تا۸۵

۴۵۴ ایضاً، ۱۵:۳۹

۴۵۵ ایضاً، ۳۲:۲۸تا۳۰

۴۵۶ ایضاً، ۴۴:۲۸تا۲۹

۴۵۷ ایضاً، ۳۹:۳

۴۵۸ ایضاً، ۱۳:۱۱

۴۵۹ القرآن ۹:۵۱

۴۶۰ ایضاً، ۱۹:۷

۴۶۱ ایضاً، ۲۰:۷ تا ۲۲

۴۶۲ ایضاً، ۶۰:۱۷

۴۶۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۰۸ تا ۲۰۹

۴۶۴ القرآن ۶۰:۳۶ تا ۶۲

۴۶۵ ایضاً، ۱۱۵:۲۰

۴۶۶ ایضاً، ۱۳:۷۲

۴۶۷ ایضاً، ۴:۸۷

۴۶۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۴۴

۴۶۹ القرآن ۱۹:۳۰

۴۷۰ ایضاً، ۱:۷۶

۴۷۱ ایضاً، ۷۸:۱۶

۴۷۲ ایضاً، ۲۳:۶۷

۴۷۳ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۱۲

۴۷۴ القرآن ۲:۷۶ تا ۳

۴۷۵ ایضاً، ۹۸:۶

۴۷۶ ایضاً، ۲۹:۵۳ تا ۳۰

۴۷۷ ایضاً، ۳۲:۵۳

۴۷۸ ایضاً، ۷۳:۲۵

۴۷۹ ایضاً، ۱۳:۸۷ تا ۱۵

۴۸۰ ایضاً، ۱۶۲:۶

۴۸۱ ایضاً، ۲۷:۸۹ تا ۳۰

۴۸۲ ایضاً، ۳۵:۲۱

۴۸۳ ایضاً، ۱:۲۱ تا ۳

۴۸۴ ایضاً، ۱۷۹:۷

۴۸۵ ایضاً، ۴۳:۲۵

۴۸۶ ایضاً، ۱۰۶:۱۶ تا ۱۰۸

۴۸۷ ایضاً، ۶:۶۶

۴۸۸ ایضاً، ۲۸:۳۱

۴۸۹ ایضاً، ۱۱:۴۰

۴۹۰ ایضاً، ۵:۸۷

۴۹۱ ایضاً، ۲۹:۴۲

۴۹۲ ایضاً، ۲۰:۵۷

۴۹۳ القرآن ۳۰:۶۷

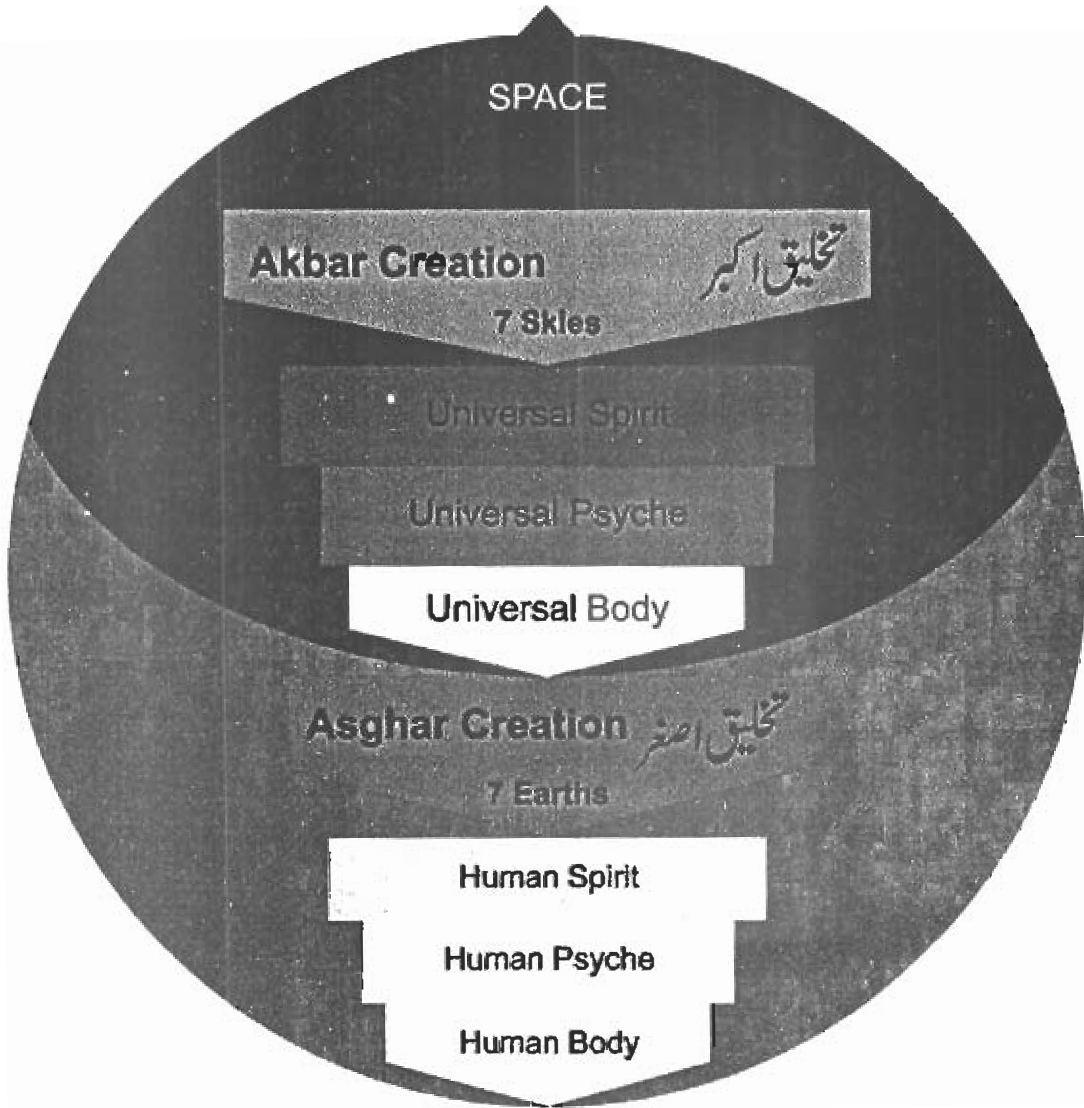
۴۹۴ ایضاً، ۲۳:۴۱

۴۹۵ ایضاً، ۸۷:۵تا۷

ضمیمہ جات نمبر ا برائے باب چہارم

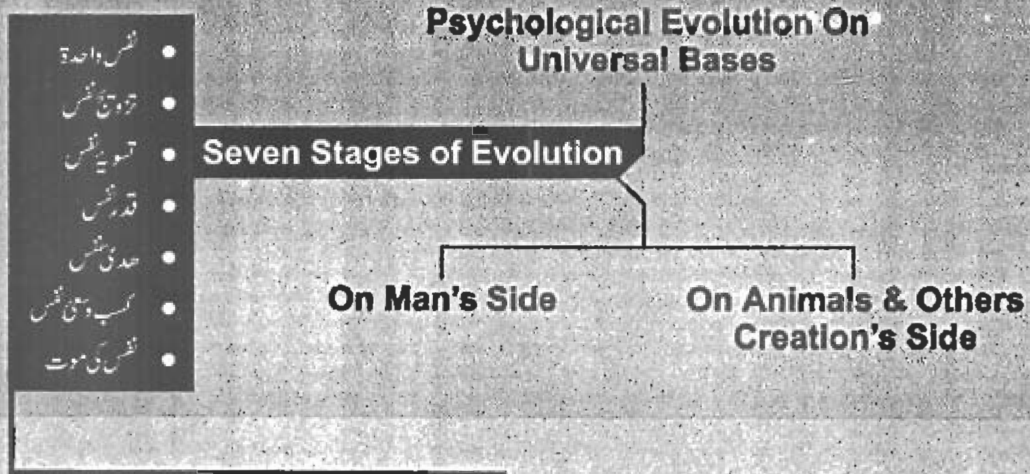
◄ چارٹ نمبر ا:۔

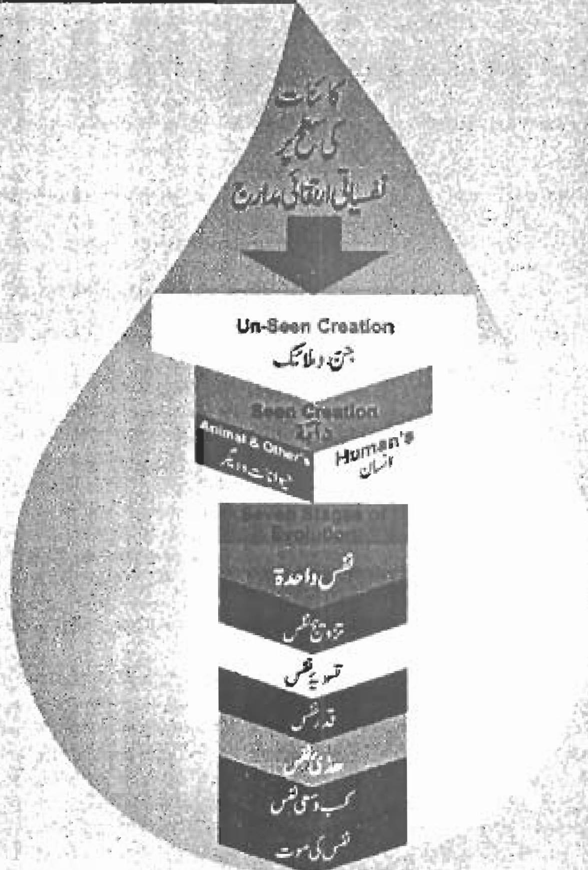
نہوج ارتقاء تخلیق اکبر و اصغر



ضمیمہ جات نمبر ا برائے باب چہارم

◄ چارٹ نمبر ۲:۔

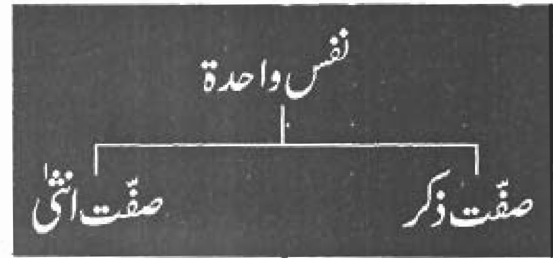




ضمیمہ جات نمبر ۱ برائے باب چہارم

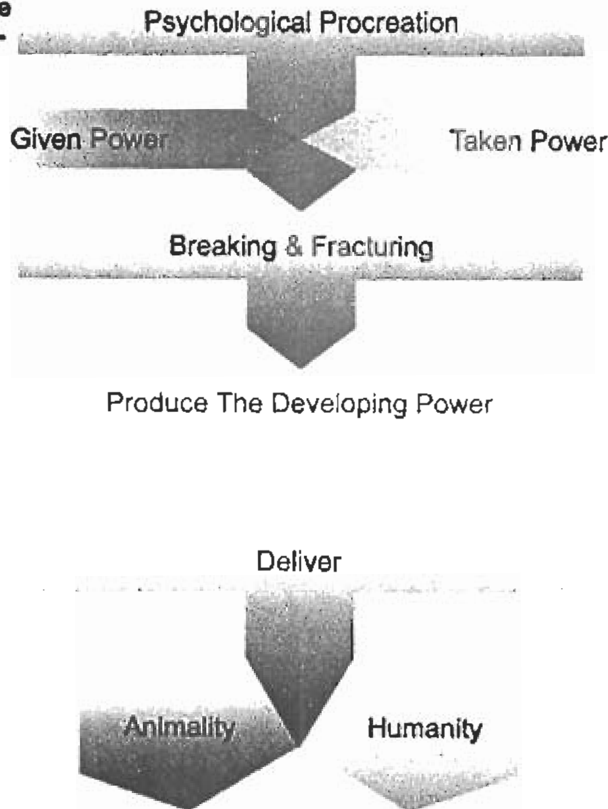


◄ شکل نمبر ۳:۔

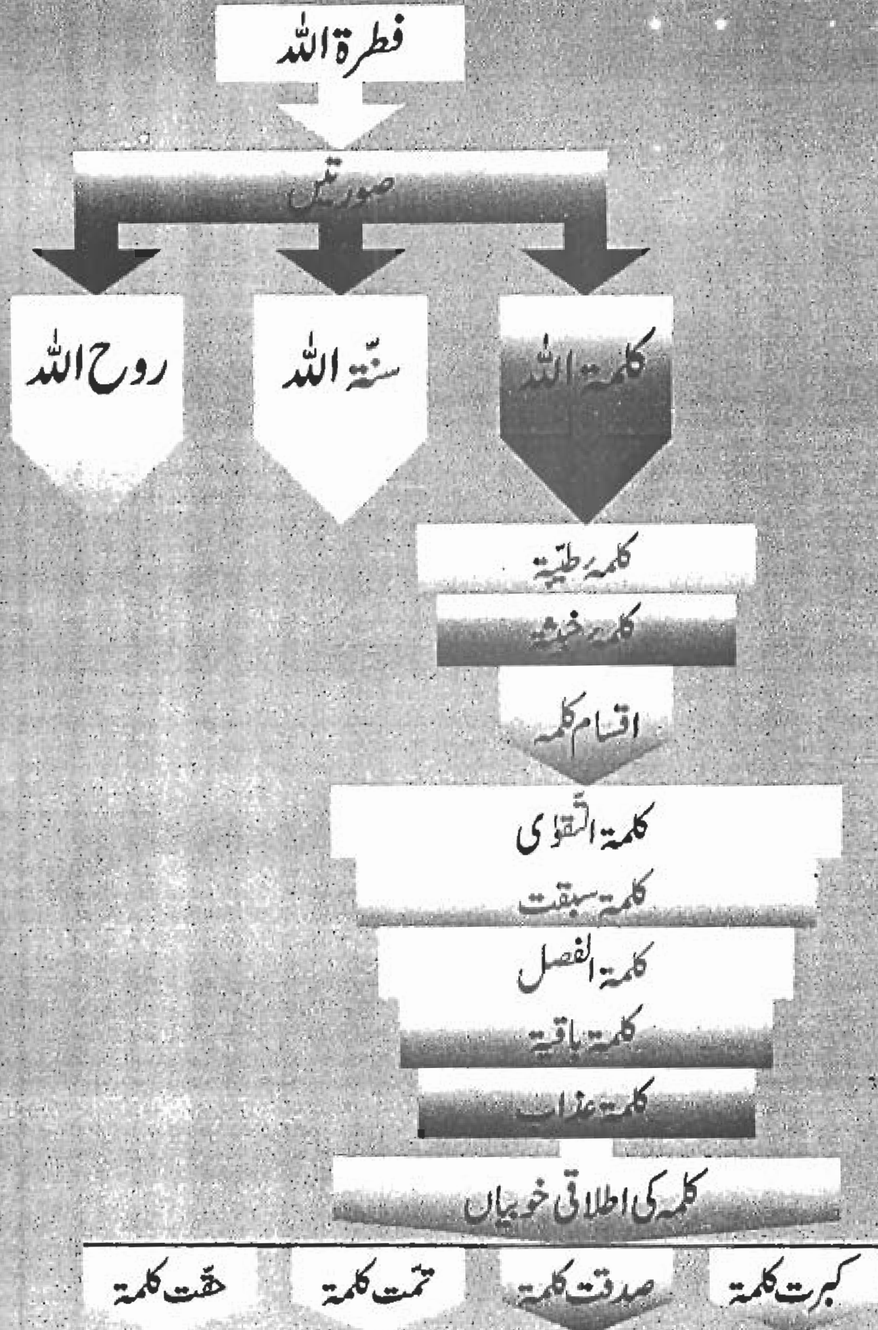


◄ چارٹ نمبر ۴:۔

سات فطری قوانین کا اطلاق

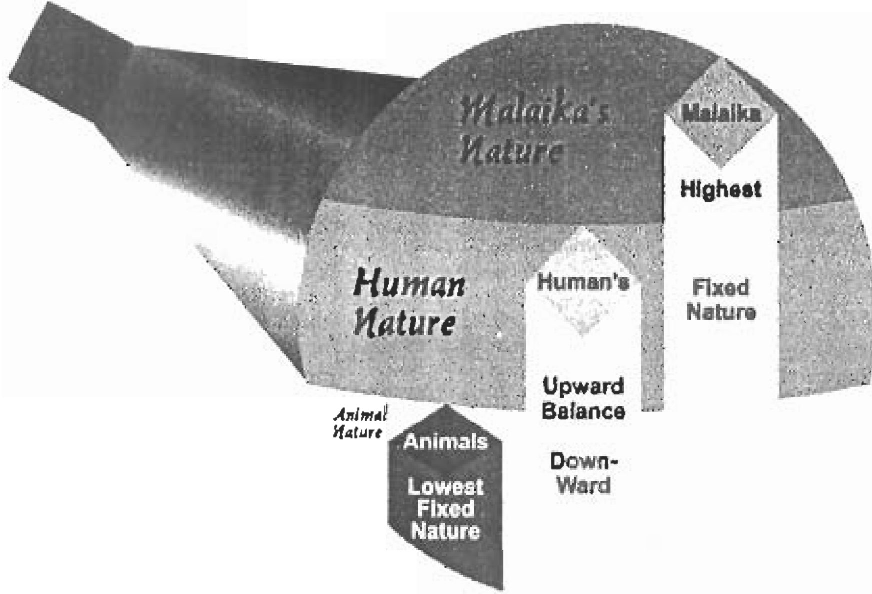


ضمیمہ جات نمبر ۱ برائے باب چہارم



ضمیمہ جات نمبر ۱ برائے باب چہارم

چارٹ نمبر ۶:۔ وجودی، نفسیاتی اور روحانی اعتبار سے مخلوق کی جبلت



چارٹ نمبر ۷:۔





ضمیمہ جات نمبر ۱ برائے باب چہارم

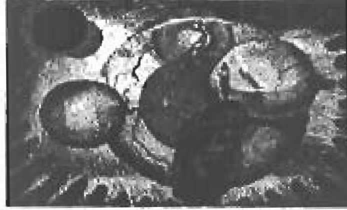
◄ چارٹ نمبر ۸:۔

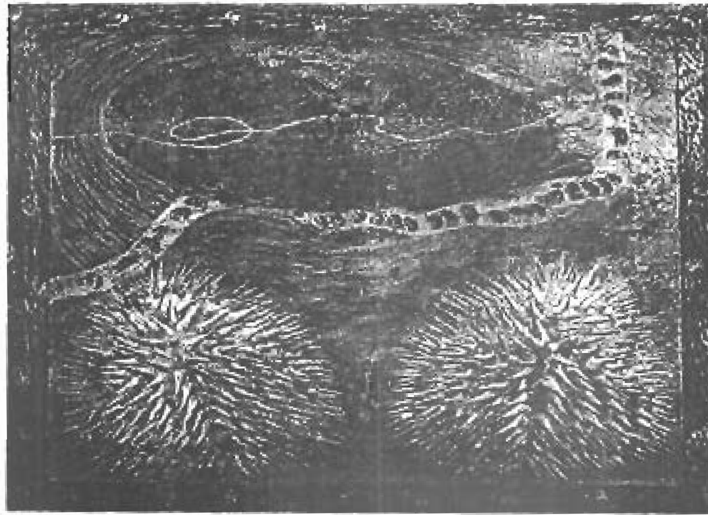
قانون جعل کا اطلاق نفسی



ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب چہارم

تصویر نمبر۱:۔ مائیت نفس بلحاظ فجور وتقویٰ





تصویر نمبر۲:۔ تخلیق کی تجریدی سطح ارتقاء، طین سے سلالۃ تک

طین سے سلالۃ تک



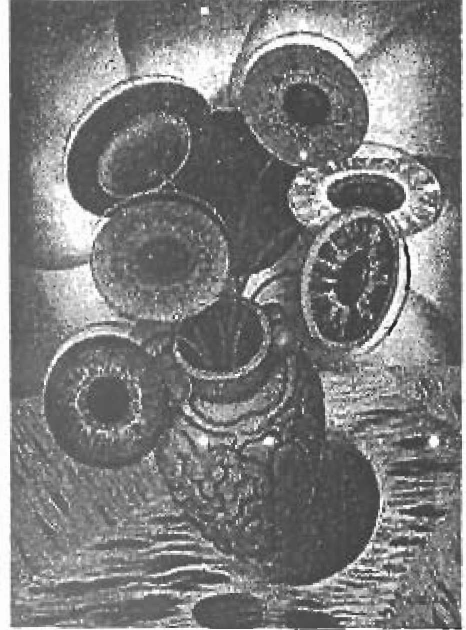
تجریدی سطح



ضمیمہ جات نمبر ۲ برائے باب چہارم

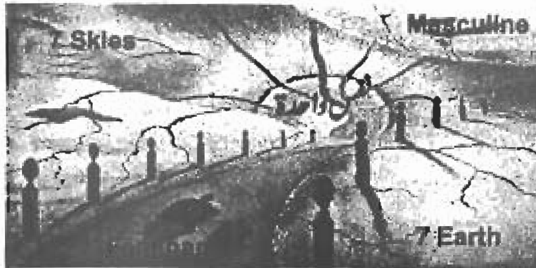
◄ تصویر نمبر ۳:۔ نفسیاتی ارتقاء کے حوالے سے نفس واحدۃ سے ارتقاء

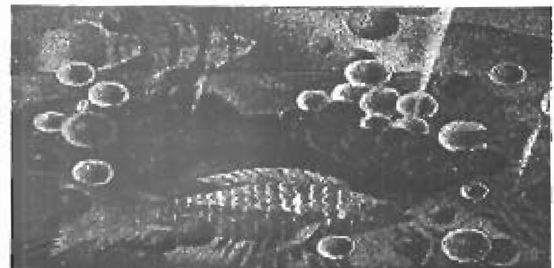


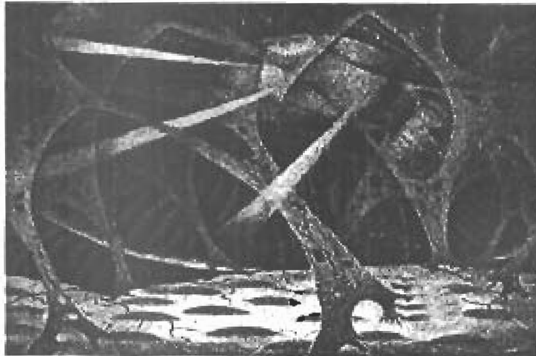


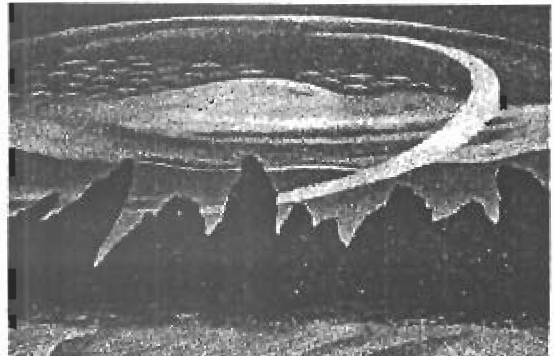
◄ تصویر نمبر ۴:۔

تزویج نفس





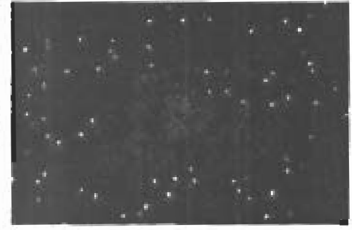




ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب چہارم

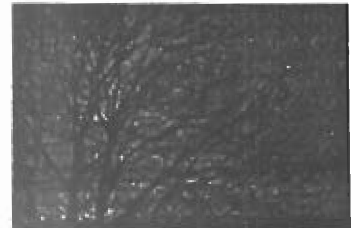
تصویر نمبر۵:۔

خَلق



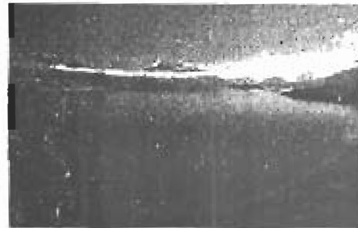






خَلق اور خُلق

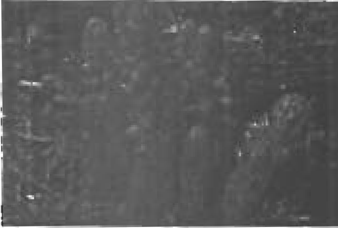




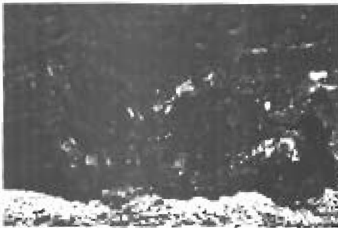


خُلق









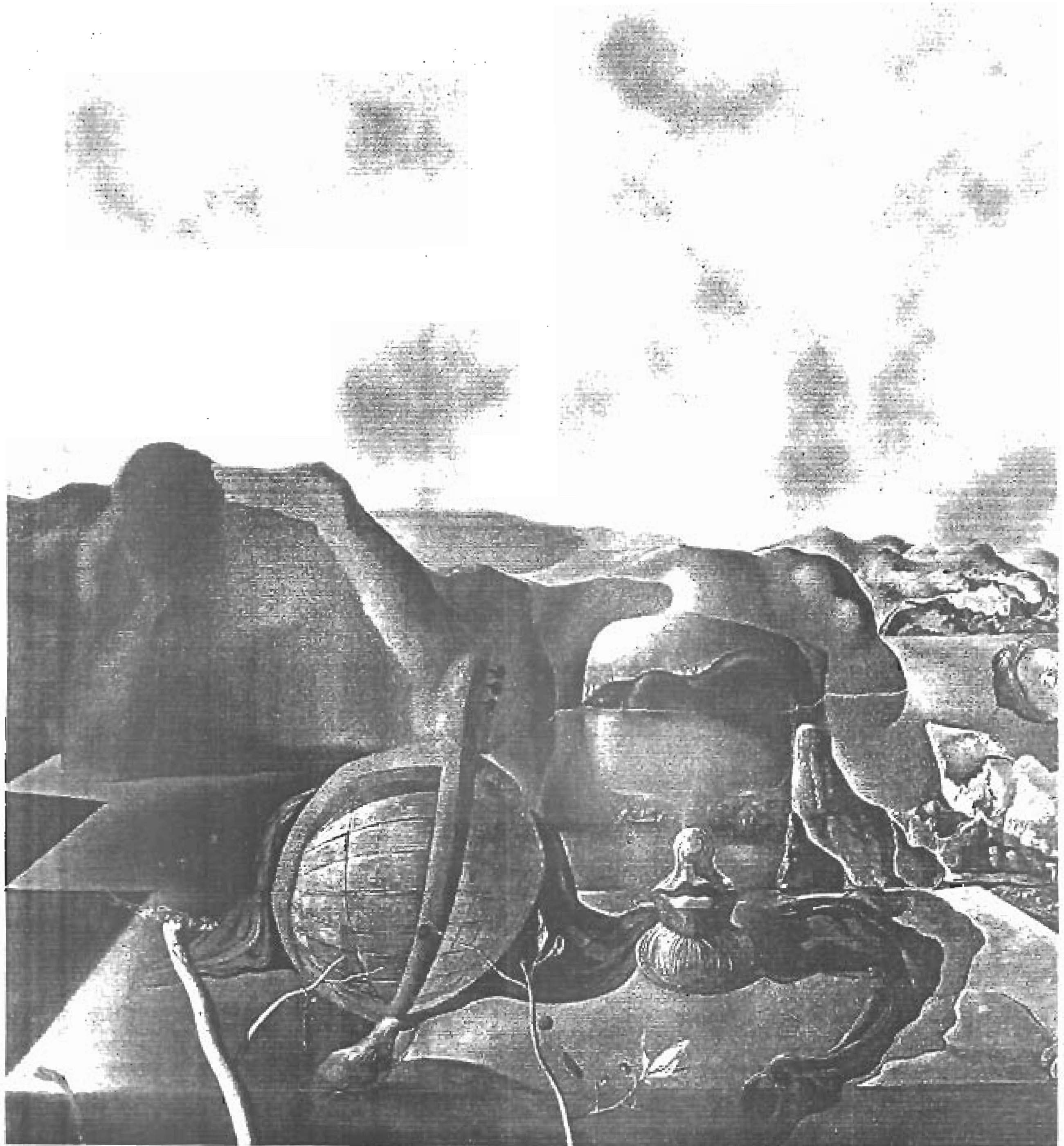
تصویر نمبر۶:۔

علاج کی جہات



باب پنجم — حق تخلیق انفس و آفاق کا مزاج

Chapter 5
Absolute Truth Is The Base Of The Psychological And The Universal Creation



باب پنجم:۔

حق تخلیق انفس وآفاق کا مزاج

خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ یکوّر الیل علی النّھار ویکوّر النّھار علی الیل و سخر الشّمس والقمرؕ کلّ یّجری لاجلٍ مّسمّیًؕ الاھو العزیز الغفّار○(۱)

ترجمہ:۔ اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا وہ رات کو دن میں لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات میں لپیٹ دیتا ہے اور اس نے شمس وقمر کو مسخر کیا۔ ہر ایک اپنی معینہ مدت تک چلتا رہے گا آگاہ رہو وہ بڑا صاحب قوت بخشنے والا ہے۔

حق تخلیق کائنات کا مزاج ہے۔ خواہ اس کا تعلق عالم علوی سے ہو یا عالم سفلی سے۔ تمام اشیائے کائنات اور خلائق کائنات قدرت الٰہی کے انتہائی پیچیدہ اور عجیب وغریب نظام سے بندھے ہوئے ہیں کہ کہیں پر بھی کوئی بدنظمی، کوئی فتور، کوئی معمولی سا عیب نہیں۔ بلکہ اس کے مقابل، نظم، تسلسل، ترتیب، تغیر، توازن، استحکام پایا جاتا ہے جو کہ انسانی عقل وخرد سے کہیں ماوراء ہے۔ کیونکہ انسانی آنکھ جب زمین پر پھیلی ہوئی خلائق کا جائزہ لیتی ہے۔ تو پتہ چلتا ہے کہ جہاں اس خطہ پر انسانوں کا گروہ آباد ہے وہیں اس کے پہلو میں بے شمار حیوانات بھی پائے جاتے ہیں۔ اور پھر نباتات کی کروڑ ھا انواع پائی جاتی ہیں اور نباتات سے نظر ہٹتی ہے تو جمادات پر پڑتی ہے۔ تو یہ بھی ایک سلسلہ لامتناہی کی طرح ہمارے سامنے پھیل جاتا ہے ہر ایک کی ساخت مختلف، ہیئت مختلف فطرت جدا اور خصوصیت میں فرق ہے۔ اور جب ہم آسمان پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہماری عقل حیران وسرگرداں رہ جاتی ہے۔ جس میں بے پناہ ان گنت ستارے اور سیارے محو گردش ہیں۔ ہر ایک کی ساخت ہی مختلف نہیں بلکہ ان کا محور، ان کی گردش ان کی ساخت، ان کی دنیا ان کی خصوصیات دوسروں سے بالکل جداگانہ حیثیت کی حامل ہیں۔ اور جب ہم نفس انسانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو ہماری عقل اس عجیب وغریب دنیا کو دیکھ کر متحیر ہی نہیں ہوگی بلکہ اس دنیا کے عجائبات کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہونے لگیں گی۔ اسی لئے رب کریم فرماتا ہے کہ:۔

اولم یتفکروا فیٓ انفسھمؕ ما خلق اللّٰہ السّمٰوٰت والارض و مابینھمآ الّا بالحقّ و اجلٍ مّسمّیًؕ وانّ کثیراً مّن النّاس بلقآئی ربّھم لکفرون○(۲)

ترجمہ:۔ کیا وہ اپنے نفسوں میں غور وفکر نہیں کرتے کہ اللہ نے تو آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے بس حق کے ساتھ ہی اور ایک مقررہ مدت کے لئے خلق کیا۔ اور بے شک لوگوں کی اکثریت اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہے۔

لیکن کیجیئے کہ کچھ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہ دنیا تو کھیل تماشے اور تفریح گاہ کی مانند ہے۔

وما خلقنا السّمٰوٰت والارض وما بينهما لٰعبين ماخلقنهمآ الّا بالحقّ ولکنّ اکثرهم لایعلمون○(۳)

ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے کھیل کے طور پر خلق نہیں کیا یقیناً ہم نے ان دونوں کو حق کے ساتھ خلق کیا ہے لیکن ان کی اکثریت اس بات کو نہیں سمجھتی۔

اس انفس و آفاق پر اگر غور کیا جائے اور تھوڑا صبر و تحمل سے تغیر و تبدل کی دنیا کو سمجھا جائے۔ جو کہ مخصوص علت اور طے شدہ اسباب کا نتیجہ ہوتی ہے جو کہ ایک نہایت منظم قوت کی طرف سے قانون اور مربوط آئین کے طفیل ہے۔ اس عالم حدوث میں ہر علت ایک مخصوص حکمت رکھی ہے۔ تو ہر شے Cause and Effect کے قانون سے بندھی نظر آتی ہے۔ Free Will کسی اجسام میں نہیں پائی جاتی۔ تاہم انسانی علمی رسائل، تجربات اور ایجادات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ جو بات رب تعالیٰ نے فرمائی وہ درست ہے وہ یہ کہ:۔

سنریهم ایٰتنا فی الافاق و فیٓ انفسهم حتّٰی یتبیّن لهم انّه الحقّ اولم یکف بربّک انّهٗ علٰی کلّ شیءٍ شهید○(۴)

ترجمہ:۔ عنقریب ہم ان کو کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے حتیٰ کہ ان پر واضح ہو جائے گا کہ یہی حق ہے۔ اور کیا تیرے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر شے پر چشم دید گواہ ہے؟

حق کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مفہوم، اس کی نوعیت اور اس کے اطلاق کی معرفت کی جائے۔ تب ہی عام و خاص کے سامنے حق واضح طور پر ممکن ہو سکتا ہے۔

فصل اول:۔

حق کے معنی و مفہوم اور اس کی نوعیت

حق:۔ اصل الحقّ المطابقة والموافقة، والحقّ یقال علی أوجه الاوّل یقال لوجد الشیٔ بسبب ماتقتضیه الحکمة ولهذا قیل فی اللّٰه تعالیٰ هوالحقّ. والثّانی یقال للموجد بحسب مقتضی الحکمة ولهذا یقال فعل اللّٰه تعالیٰ کلّه حق. والثّالث فی الاعتقاد للشّیٔ المطابق لما علیه ذٰلک الشّیٔ فی نفسه کقولنا اعتقاد والرّابع للفعل والقول الواقع بحسب مایجب وبقدر مایجب وفی الوقت الّذی یجب کقولنا فعلاً حق وّ قولک حقّ.(۵)

اردو مفہوم:۔ الحق کی Root ح ق ق ہے اس کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں۔ اس کے کئی معنی ہیں۔ جو کہ اس لفظ کی وسعت کا پتہ دیتے ہیں۔ اول، وہ ذات جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء ایجاد کرے۔ اس معنی میں باری تعالیٰ پر حق کا لفظ بولا جاتا ہے۔ دوم، ہر وہ چیز جو مقتضائے حکمت کے مطابق پیدا کی گئی ہو۔ اسی اعتبار سے ہر فعل حق ہے اللہ تعالیٰ کا۔ سوم، کسی شے کے بارے میں اسی طرح کا اعتقاد رکھنا جیسا کہ وہ نفس واقع میں ہے۔ اور اعتقاد حق ہے۔

چہارم، وہ قول یا عمل جو اسی طرح واقع ہو جس طرح پر کہ اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اسی وقت میں جس مقدار میں اور جس وقت اس کا ہونا واجب ہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری بات یا تمہارا فعل حق ہے۔

الغرض حق ہر اس موجود چیز کو کہتے ہیں جو حکمت کے تقاضوں کے عین مطابق ہو خواہ حالات کیسے ہی کیوں نہ ہو وہ قول یا فعل اپنے تعمیری نتائج کو پہنچے۔ اور خلائق مع اختیار کے اس کے سامنے بے بس ہوں یہی حق ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الحاقۃ O ماالحآقۃ O وما ادراک ماالحآقۃO (۶)

ترجمہ:۔ حق بات جو پوری ہو کر رہے گی اور وہ پوری ہو کر رہنے والی حق بات کیا ہے؟ اور تو کیا جانے کہ پوری ہو کر رہنے والی حق بات کیا ہے۔

اسی سورۃ میں اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:۔

وانّہ لحسرۃ علی الکٰفرین O وانّہ لحقّ الیقین O فسبّح باسم ربّک العظیمO (۷)

ترجمہ:۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ انکار کرنے والوں کے لئے باعث حسرت ہے اور یہ تو بالتحقیق و بالیقین حق ہے پس اپنے پروردگار کے نام کی تسبیح کر۔

لیکن یہاں عامۃ الناس کے لئے حق کے ثبات پر یقین کرنا کوئی آسان کام نہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ یقین کے اسباب وجوہات اور نشانیاں ہوں تب انسان شک کی دنیا سے نکل کر یقین کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ جہاں تک بادلوں کے اٹھنے اور برسنے کا تعلق ہے سمجھ آتا ہے افلاک کی گردش، ہواؤں کی رفتار، پھل پھول پودے، انسانوں اور دیگر خلائق کا سلسلۂ نسل، تغیر و تبدل اور موت و حیات سب کا سب کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن سزا و جزا، جنت، جہنم، توحید الٰہی، ایمان بالغیب اس کا سمجھ میں آنا کوئی آسان کام نہیں۔ اسی لئے رب العزت نے عامۃ الناس کے لئے اس کا اہتمام کیا۔ اور فرمایا۔

الھٰکم التکاثرO حتّٰی زرتم المقابرO کلاّ سوف تعلمون O ثمّ کلاّ سوف تعلمونO کلاّ لو تعلمون علم الیقینO لترونّ الجحیم O ثمّ لترونّھا عین الیقینO ثمّ لتسئلنّ یومئذٍ عن النّعیمO (۸)

ترجمہ:۔ تمہیں تو بڑھوتری کی چاہ نے ہی غافل بنائے رکھا یہاں تک کہ تم قبروں سے جا ملے آگاہ ہو جاؤ کہ تم جلدی جان لو گے پھر آگاہ ہو جاؤ کہ تم بہت جلد جان جاؤ گے۔ یقیناً اگر تم علم الیقین کی حد تک جانتے تو جہنم کا ادراک کر لیتے، بلکہ آنکھ سے دیکھی ہوئی شے کی طرح اس پر یقین کرتے پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں بھی ضرور باز پرس کی جائے گی۔

مذکورہ آیات میں انسان کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ چونکہ مادہ پرستی و دنیاداری غفلت کا نتیجہ ہیں۔ اور یہی کمزوریاں معرفت علم اور یقین میں رکاوٹ کا سبب بھی ہیں لہٰذا خود کو ان کی نظر نہ کیا جائے۔

یقین کا مفہوم اور اس کے درجات:۔

یقین:۔ الیقین من صفة العلم، فوق المعرفة والدراية وأخواتها يقال علم يقين ولا يقال معرفة يقين.(۹)

اردو مفہوم:۔ الیقین کی Root ی ق ن ہے جس کے معنی کسی اور کو پوری طرح سمجھ لینے کے ساتھ اس کے پایۂ ثبوت تک پہنچ جانے کے ہیں اسی لئے یہ صفات علم سے ہے اور معرفت ودرایۃ وغیرہ سے اس کا درجہ اوپر ہے یہی وجہ ہے کہ علم الیقین کو محاورۃ تو استعمال کرتے ہیں لیکن معرفۃ الیقین نہیں بولتے۔

شاید اسی مفہوم کے اعتبار سے موت کو یقین سے تعبیر کیا جاتا؟ کیونکہ ہر مخلوق پر اس کا آنا لازمی امر ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولقد نعلم انک یضیق صدرک مایقولون O فسبح بحمد ربک وکن من السجدین O واعبد ربک حتی یاتیک الیقین O(۱۰)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ تجھ پر بہت گراں گزرتا ہے پس اپنے پروردگار کی حمد کی تسبیح کر اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جا اور اپنے رب کی بندگی کئے جا حتیٰ کہ تو منزل یقین تک پہنچ جائے۔

بات یہ ہے کہ ہم ہر چیز کے وجود سے انکار کر سکتے ہیں کیونکہ یہ بہت آسان ہے لیکن کیا ہم اپنے وجود سے انکار کر سکتے ہیں؟ بہرحال ہمیں اپنے وجود پر یقین کرنا پڑتا ہے۔ یاد رہے کہ علم الیقین کا درجہ معرفت سے بڑھ کر ہے۔ مثلاً ایک شخص اس بات پر کیونکر یقین کر لے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہوگا؟ جبکہ اس نے کسی کو بھی مرنے کے بعد زندہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ لہٰذا وہ تو زمانے سے اپنی تان شروع کرے گا اور زمانہ پر ہی توڑ دے گا۔ لیکن کیا یہ بات درست ہوگی؟ جبکہ ہم بارش کے بعد مردہ زمین کو لہلہاتا دیکھتے ہیں۔ جبکہ ہم ایک نفس کو کفر کے اندھیروں سے حق کی روشنی میں کھڑا ہوا پاتے ہیں۔ (باب خروج میں تفصیلی بحث ملاحظہ ہو) تو یہ نشانیاں اس بات کو تقویت دیتیں ہیں کہ ان گلی سڑی ہڈیوں میں وہی جان ڈال سکتا ہے جس نے کہ انہیں پہلی بار تخلیق کیا۔ ان حقیقتوں پر یقین کی منزل پر پہنچانے کے لئے اللہ نے دو راستے بتائے ایک روئے زمین کی نشانیاں اور دوسرے نفس کی باطنی کیفیت و ماہیت۔ لہٰذا تدبر و تفکر کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

وفی الارض ایٰت للموقنین O وفی انفسکم افلا تبصرون O(۱۱)

ترجمہ:۔ اور روئے زمین میں یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی، کیا تم دیکھتے نہیں۔

ارض و نفس جیسے کئی مشاہدوں اور نشانیوں کی بدولت نیز دلائل و براہین کی بدولت انسان ظن و گمان اور شک کی دلدل سے نکل کر یقین کی سرزمین پر قدم رکھنے لگتا ہے۔ ورنہ قرآن حکیم والفرقان مجید میں یقین اور ظن کے بارے میں

اللہ فرماتا ہے کہ:۔

واذقیل ان وعد اللّٰہ حقّ وّالسّاعۃ لاریب فیھا قلتم مّاندری ماالسّاعۃ ان نّظنّ الاظنّاً وّما نحن بمستیقنین ○ و بدالھم سیّات ماعملوا وحاق بھم مّاکانوا بہ یستھزؤن ○(۱۲)

ترجمہ:۔ اور جب کہا جاتا تھا کہ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور ساعت میں کوئی شک نہیں تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ ساعت کیا ہے۔ ہم تو یہی گمان کرتے ہیں کہ یہ محض ایک قیاس آرائی ہے اور ہم ایسی باتوں پر یقین لانے والے نہیں۔ اوران پر وہ برائیاں جو وہ کیا کرتے تھے ظاہر ہو جائیں گی اور وہ جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے انہیں گھیر لے گا۔

دراصل دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک وہ جو حق کے منکر ہیں۔ اور دوم وہ جو حق کا اقرار کرتے ہیں۔ لیکن وہ جو شک وظن میں مبتلا ہیں مذکورہ آیت کے مطابق ان کا شمار منکرین میں ہوتا ہے۔

شک سے مراد:۔

مولانا محمد اسحٰق صدیقی صاحب اس سوال کا جواب کہ شک سے کیا مراد ہے؟ دیتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''شک اس عبوری حالت کا نام ہے جو دو یقینوں کے درمیان پیش آتی ہے۔ یہی وہ کوس رحیل ہے جو نفس کو ایک یقین کی منزل سے دوسرے یقین کی منزل کی طرف کوچ کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اور جب تک منزل کی طرف نہ پہنچا دے اسے چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ (۱۳)

اس طرح قیاس کی جولانگاہ مرد مؤمن کے لئے ایک نعمت فکریہ ہے اور مرد کاہل کے لئے حیات دنیا کا ایک خوبصورت دھوکہ۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کی پیچیدہ گھاٹیوں سے گزرے بغیر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ایمان لانے کے باوجود قیاس کی جولانگاہ میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ وہ حق کی تکذیب کرنے لگتے ہیں ان کے مکالمے کو قرآن کچھ اس طرح ادا کر رہا ہے کہ:۔

ثمّ قیل لھم این ماکنتم تشرکون ○ من دون اللّٰہ قالوا ضلّوا عنّا بل لّم نکن نّدعوا من قبل شیئاً کذٰلک یضلّ اللّٰہ الکٰفرین ○ ذٰلکم بما کنتم تفرحون فی الارض بغیر الحقّ و بما کنتم تمرحون ○ ادخلوآ ابواب جھنّم خٰلدین فیھا فبئس مثوی المتکبّرین ○ فاصبر ان وعد اللّٰہ حق فاما نرینک بعض الذی نعدھم اونتو فینک فالینا یرجعون ○(۱۴)

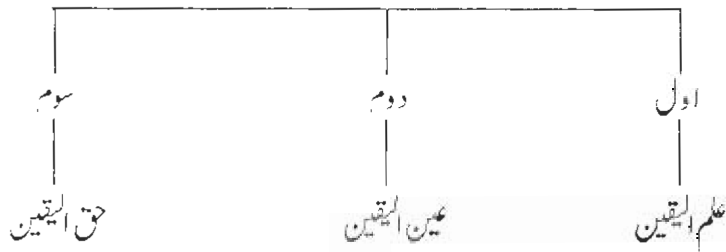
ترجمہ:۔ پھران سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں؟ وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے اللہ کا۔ وہ کہیں گے وہ ہم سے کھو گئے بلکہ پیشتر ازیں ہم تو کسی شے کو بھی نہیں پکارتے تھے۔ اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اس سبب سے کہ تم زمین میں غیر حق (باطل) پر خوش ہوا کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ تم اترایا کرتے تھے۔ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اسی میں رہنے کے لئے اور تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ پس صبر کر بے شک اللہ کا وعدہ برحق ہے پس

خواہ ہم اس میں سے کچھ حصہ جس سے کہ ہم انہیں ڈرا رہے ہیں تجھے یہیں دکھا دیں یا تجھے وفات دے دیں۔ بالآخر انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

دراصل یہ ان ہی لوگوں کا مکالمہ ہے جو بظاہر تو ایمان لے آئے لیکن ان کا ایمان Blind ہے، وہ تیقن Conviction کی منزل پر نہیں۔ اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ فقط ایمان لانا کافی ہے اور دوم یہ کہ ایسے ہی نفسوں کے حامل افراد کا قول ہوگا کہ ہم تو کسی شے کو بھی نہ پکارتے تھے۔ کیونکہ یہ ظاہراً تو حید کے معتقد تھے مگر ان کا عمل عادتاً جذبات کے تابع تھا۔ یعنی ھوٰی نفس کے شکاری رہے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ماضی کی اس سرگزشت سے نصیحت لیں، اس سے پہلے کہ یہ بے بسی کی تاریکی ہمارے گرد حصار باندھ لے بہتر ہے کہ یقین کی طرف لوٹ آئیں۔ جو کہ سراسر حق ہے۔ اس حق پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے درجات کے موافق آگے بڑھا جائے۔

یقین کے درجات:۔

یقین کے تین درجے ہیں۔ جن میں قدرے معنوی فرق پایا جاتا ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:۔



اول:۔ علم الیقین:۔

علم الیقین کے بارے میں رب العزت اس طرح گویا ہے کہ:۔

کلاَّ لو تعلمون علم الیقینؕ لترونّ الجحیمۙ(۱۵)

ترجمہ:۔ یقیناً اگر تم علم الیقین کی حد تک جانتے تو جہنم کا ادراک کر لیتے۔

جس طرح اگر کہیں دھواں اٹھ رہا ہے تو ہم اٹھتے ہوئے دھوئے کو دیکھ کر یہ جان لیتے ہیں کہ فلاں جگہ آگ لگی ہوئی ہے یا لگی ہوگی ایسے علم کو علم الیقین کہتے ہیں۔

دوم:۔ عین الیقین:۔

لیکن اگر ہم خود اپنی آنکھوں سے آگ کو جلتے ہوئے دیکھیں گے تو آنکھ سے دیکھنے سے حاصل ہونے والا علم عین الیقین کہلاتا ہے۔ جس کے بارے میں اللہ یوں گویا ہے کہ:۔

ثم لترونّھا عین الیقینۙ(۱۶)

ترجمہ:۔ پھر بلکہ آنکھ سے دیکھی ہوئی شے کی طرح اس پر یقین کرتے۔

تاہم اس میں خواب اور اس کی مختلف قسمیں بھی شامل ہیں جس میں حاسۂ بصر کا استعمال ہے۔

سوم:۔حق الیقین:۔

یقین کا یہ تیسرا درجہ ہے آگ کے بعد کے آثار وشواہد اور دلائل اس کے قائم ہونے کا ثبوت ہیں۔ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے۔تو رب ان سے کچھ اس طرز پر گویا ہے کہ:۔

وامّآ ان کان من المکذّبین الضّآلّین ۝ فنزل مّن حمیمٍ ۝ وّ تصلیة جحیمٍ ۝ انّ ھٰذا لھو حقّ الیقین ۝ (۱۷)

ترجمہ:۔ اور اگر وہ تکذیب کرنے والے گمراہوں میں سے ہوتا ہے تو اس کی تواضع کھولتے ہوئے پانی سے۔ اور جہنم میں جلائے جانے سے ہوگی۔ بلاشبہ و بالیقین یہی حق ہے۔

اور اصحاب یمین جنت میں ہوں گے اور باغات میں سوال کرتے ہوں گے مجرمین سے کہ تمہیں کونسی شے جہنم میں لے گئی تو یہ بھی نفسی طور پر تفصیلی جواب دیں گے جس میں وہ اپنی ان تمام برائیوں کا ذکر کریں گے جس میں کہ وہ مبتلا تھے لہٰذا منکرین حق کے فیوچر ڈائیلاگ ملاحظہ ہوں:۔

فی جنّٰتٍ یتسآءلون ۝ عن المجرمین ۝ ماسلککم فی سقر ۝ قالوالم نک من المصلّین ۝ ولم نک نطعم المسکین ۝ وکنّا نخوض مع الخآئضین ۝ وکنّا نکذّب بیوم الدّین ۝ حتّٰی اتٰنا الیقین ۝ (۱۸)

ترجمہ:۔ وہ باغات میں سوال کرتے ہوں گے مجرموں سے کہ تمہیں کون سی شے جہنم میں لے گئی۔ وہ کہیں گے کہ ہم صلوٰۃ گزاروں میں سے نہ تھے اور ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور ہم لغوگوؤں کے ساتھ لغوگوئی میں شامل ہو جاتے تھے اور ہم یوم حساب کو جھٹلایا کرتے تھے حتی کہ یقینی بات ہمارے سامنے آ گئی۔

دنیائے نفسیات میں یہ نفسی خطاب ہمیں اس حقیقت کی یاد دلاتا ہے کہ ہر ایک نفس اپنے کمائے ہوئے اعمال کے سبب بارگاہ رب العزت میں گروی پڑا ہے۔

حق اور اس کی ضد:۔

یقین کی ضد قیاس، ظن وتخمین اور شک ہیں۔ اور حق کی ضد باطل ہے حق کا مقدر ثبات ہے جبکہ باطل کا مقدر نیست و نابود ہو جانا ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور یہ تو ہے ہی مٹنے کے لئے۔ اللہ رب العزت نے انتہائی بہترین دلیل سے انسانوں کو متوجہ کر کے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ:۔

وما خلقنا السّمآء والارض و بینھما لٰعبین ۝ لو اردنآ ان نّتّخذ لھوًا لّاتّخذنٰه من لّدنّآ ان کنّا فٰعلین ۝ بل نقذف بالحقّ علی الباطل فیدمغه فاذا ھو زاھق ولکم الویل ممّا تصفون ۝ (۱۹)

ترجمہ:۔''اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ بھی ان دونوں کے مابین ہے اس کو تفریحاً نہیں بنایا اور اگر ہم کھیل کود کا ہی ارادہ کرتے تو اس کے اپنے پاس ہی بنا لیتے اگر ہم ایسا کرنے والے ہوتے بلکہ ہم تو حق کو باطل پر دے مارتے ہیں۔ اور اس کا سر توڑ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ نیست و نابود ہو جاتا ہے اور افسوس ہے تم پر اس کے لئے جو تم بیان کرتے ہو۔''

حق کی تعریف بزبان قرآن:۔

کائنات میں حق ہے باطل کی گنجائش نہیں۔ تاہم ان دونوں کے درمیان کی کوئی شے نہیں۔ حق کی ایک سادہ سی تعریف یہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے ہے وہ حق ہے اور جو غیر الٰہ کی طرف سے ہے وہ باطل ہے۔ قرآن میں اس تعریف کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ:۔

ذٰلک بانّ اللّٰہ یولج الّیل فی النّھار ویولج النّھار فی الّیل وانّ اللّٰہ سمیعٌ بصیر○ ذٰلک بانّ اللّٰہ ھو الحقّ وانّ مایدعون من دونہٖ ھو الباطل وانّ اللّٰہ ھو العلیّ الکبیر○(۲۰)

ترجمہ:۔ یہ ایسا ہی ہے کیونکہ بے شک اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے یہ ایسا ہی ہے کیونکہ بلاشبہ اللہ ہی حق ہے۔ اور جس کسی کو بھی وہ اس کے علاوہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور بالتحقیق اللہ عالی مرتبت، بزرگ ترین ہے۔

حق و باطل میں فرق بذریعہ مثال:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم انسانوں کو اس مثال کے ذریعے حق اور باطل کے مابین فرق کی وضاحت کی ہے۔ تاکہ ہم حق سے آگاہ ہو سکیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

انزل من السّمآء مآءً فسالت اودیۃٌ بقدرھا فاحتمل السّیل زبدًا رّابیًا ؕ وممّا یوقدون علیہ فی النّار ابتغآء حلیۃٍ او متاعٍ زبدٌ مّثلہٗ ؕ کذٰلک یضرب اللّٰہ الحقّ والباطل ۬ؕ فامّا الزّبد فیذھب جفآءً ۚ وامّا ماینفع النّاس فیمکث فی الارض ؕ کذٰلک یضرب اللّٰہ الامثال ؕ○(۲۱)

ترجمہ:۔ اس نے آسمان سے پانی نازل کیا پس اپنی مقدار کے مطابق نالے بہہ نکلے اور سیلاب نے پھولا ہوا جھاگ اٹھا لیا اور جسے آگ پر زیور یا پونجی بنانے کے لئے تپایا جاتا ہے اس میں سے بھی ایسا ہی جھاگ نکلتا ہے اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال دیتا ہے پس وہ جو جھاگ ہے وہ تو بیکار ہو جاتا ہے اور وہ جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے وہ تہہ زمین میں رہ جاتا ہے اللہ یونہی مثالیں بیان کرتا ہے۔

اس طرح جب حق آتا ہے تو باطل میل کچیل کی طرح بالکل بہہ نکلتا ہے۔

باطل کے معنی و مفہوم:۔

جو قول جو فعل ذات باری تعالیٰ کی مخالفت میں ہو وہ سب باطل جیسے اسلام دین حق ہے اور اس کے سوا تمام

نظام ہائے زندگی باطل ہیں۔ کیونکہ ان میں پائیداری اور دائمیت کی صفت موجود نہیں۔ بلحاظ المفردات فی غریب القرآن:۔

بطل:۔ الباطل نقیض الحق وھو مالاثبات له عندالفحص. وقد یقال ذلک فی الاعتبار الی المقال والفعل.(۲۲)

اردو مفہوم:۔ الباطل یہ حق کا بالمقابل ہے اور تحقیق کے بعد جس چیز میں ثبات اور پائیداری نظر نہ آئے اسے باطل کہتے ہیں اور باطل کا لفظ قول و فعل دونوں پر بولا جاتا ہے۔

باطل کی تعریف بزبان قرآن:۔

ذٰلک بانّ اللّٰہ ھو الحق وانّ مایدعون من دونه الباطل(۲۳)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور جس کسی کو وہ اس کے علاوہ پکارتے ہیں وہ باطل ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق وہ ہے جو کسوٹی اور معیار پر پورا اترے خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہو۔ موافق ہو یا غیر موافق مگر وہ اٹل حقیقت بن کر قائم رہے۔ اور جو اس خوبی سے محروم ہو جس پر تغیر و تبدل کے اثرات پڑنے سے وہ معیار پر پورا نہ اترے تو وہی باطل ہے۔ اور اللہ تو حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھاتا ہے۔

حق کا اطلاق اور اس کے اصول:۔

حق کا اطلاق انفس و آفاق میں اس قدر رچا بسا ہے ہر کوئی بڑے سے بڑا ماہر بھی حق کو اس میں سے نہیں نکال سکتا۔ اس کے اطلاق کی اور باطل کی حقیقت کی بہت خوبصورت مثال دیتے ہوئے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

یٰایّھا النّاس ضرب مثل فاستمعوا لهٗ انّ الّذین تدعون من دون اللّٰہ لن یّخلقوا ذبابا وّلو اجتمعوا لهٗ وان یّسلبھم الذّباب شیئًا لایستنقذوہ منه ضعف الطّالب والمطلوب ○ ماقدروا اللہ حقّ قدرہٖ انّ اللّٰہ لقویّ عزیز ○(۲۴)

ترجمہ:۔ اے لوگوں مثال بیان کی جاتی ہے پس اسے غور سے سنو، وہ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ہرگز ایک مکھی بھی خلق نہیں کر سکتے اگرچہ سب اس کام کے لئے اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز سب کر لیتی ہے تو اس کو اس سے واپس لینے پر قادر نہیں کیا ہی بودے طالب اور کیا ہی بودے مطلوب ہیں۔ انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے بے شک اللہ قوت والا طاقت والا ہے۔

تو جب کوئی اس قسم کے تجربے میں ناکام ہوتا ہے تو اس وقت حق آ جاتا ہے اور باطل منہ چھپا لیتا ہے۔ اور ایسا چھپتا ہے کہ منظر عام پر نہیں آتا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وقل جآء الحقّ وزھق الباطل انّ الباطل کان زھوقًا ○(۲۵)

ترجمہ:۔ اور کہہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل تو مٹنے والا ہی نہیں۔

حق کے اطلاق کا احساس انسان کو اس خاص لمحہ ہوتا ہے جب باطل بے نام ونشان ہو جاتا ہے۔ لیکن ہم انسان اپنے نفوس کو بطل پرستی کی موج سے بچانا چاہیں تب ہی حق کا اطلاق ممکن ہوتا ہے۔ اس کے لئے تین اصولوں پر عمل پیرا ہونا بہت ضروری ہے۔ جو کہ درج ذیل ہیں:۔

۱) اصول تائید وتابعداری — 1) Principle of accept and obedience:-

۲) اصول محو وثبات — 2) Principle of Annulment and eternity.

۳) اصول حسن — 3) Principle of Beauty

۱) **اصول تائید وتابعداری** Principle of accept and obedience:۔

انسان کو عہد الٰہیت اور تخلیق آدم برائے بنی آدم تائید وتابعداری کی آموزش کرائی گئی لیکن چونکہ انسان اپنے عزم میں کمزور واقع ہوا ہے لہٰذا گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور اپنی عملی فکر کے نتائج کے بھیانک ثبوت مل جائیں جو کہ اس بات کا بین الثبوت ہوں کہ یہ فکر واقعی افراد کے لئے اقوام کے لئے کسی زہریلا بل سے کم نہیں تو اچھے انسان کی پہچان یہ ہے کہ پھر وہ اسی لمحہ اس کا بطلان کرے کیونکہ حق کی تائید کے لئے اسے باطل فکر وہول کا بطلان کرنا ہوگا تاکہ وہ خلوص نیت کے ساتھ صحیح راہ پر گامزن ہو سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ذٰلک بانّ اللّٰہ لم یک مغیّراً نّعمۃً انعمھا لی قومٍ حتّیٰ یغیّروا ما بانفسھمْ وانّ اللّٰہ سمیع علیمٌ ○ (۲۶)

ترجمہ:۔ یہ اس لئے کہ اللہ کسی قوم پر کوئی نعمت عطا کر کے بدلنے والا نہیں جب تک کہ وہ خود اپنے نفسوں کی حالت کو نہیں بدلے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

انسان اپنے نفس کے تغیر سے جب فائدہ اٹھاتا ہے تو پھر اصول تائید وتابعداری کے تحت حق کی تائید اور باطل کی تکذیب کرتا ہے۔ کیونکہ جب انسان Follow the nature کے زمرے میں آتا ہے تو اس طرح باطل مٹتا اور حق ثابت ہو جاتا ہے۔

۲) **اصول محو وثبات** Principle of Annulment and eternity:۔

اصول محو کے ذریعے اللہ کلمۂ حق کو ثابت کرتا ہے۔ باطل کو مٹا دیتا ہے۔ لیکن ڈارون اپنے نظریہ ارتقاء Theory of Evolution کے ذریعے انسانی پیدائش کو عجیب وغریب نظریئے سے ثابت کرنا چاہتا ہے۔

The descent of man and selection in relation to sex (1871) reported evidence for human evolution from lower life forms, for similarities in animal and human mental processes, and for natural selection in evolution.(27)

یہ بات محض خام خیالی پر مبنی ہے کہ ابتداء میں انسان ایک حقیر زندگی جسے سائنسی زبان میں خلیہ کہتے ہیں جس سے ترقی

پا کر زمین میں آ پڑا جو اس کو ایسی راس آئی کہ وہ پھیلنا اور بڑھنا شروع ہو گیا پھر شدید ردو بدل کے بعد دیگر انواع سے ترقی پاتے پاتے بندر بن گیا پھر بندر سے دم وغیرہ غائب ہو گئی اور پھر انسان بن گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ذہن وشعور میں کیونکر تغیر ممکن ہے؟ دوم اس نظریہ کے تحت عقل انسانی کا ارتقاء ہو رہا ہے یا کہ نعوذ باللہ اللہ کی عقل کا۔

رہی بات اصول وقوانین کی تو وہ اپنی جگہ درست ہیں مگر ان کے حوالے سے ان کی اطلاق فکر غیر الہامی ہی نہیں بلکہ غیر سائنسی بھی ہے۔ جبکہ ان ہی قوانین کی رو سے اللہ نے اس کا اطلاق دوسرے طرز پر کیا ہے۔ جیسے بقاء اصلح Survival of the fittest کے اصول کی اطلاقی صورت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

یہ حقیقتیں جاننے کے لئے بہت سا علم درکار ہونا چاہئے۔ ہم تو فقط اتنا جانتے ہیں جتنا کہ اللہ نے ہمیں علم دیا۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:۔

وما کان لرسولٍ ان یّاتی باٰیۃٍ الّا باذن اللّٰہ لکلّ اجلٍ کتاب ○ یمحوا اللّٰہ مایشآء ویثبت وعندہٗ امّ الکتٰب○(۲۸)

ترجمہ:۔ اور یہ کسی رسول کا کام نہیں کہ بغیر اجازت کے کوئی نشانی لے آئے اور ہر وقت مقررہ کے لئے ایک تحریری نوشتہ ہے اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے۔

درج بالا آیت سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ قانون اجل کتاب بھی ہے اور ایک کتاب اس کے پس منظر میں بھی ہے۔ اور پھر بات یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ اللہ کا مٹانا یا اس میں اضافہ کرنا۔ کسی رسول کا بھی کام نہیں بلکہ یہ تو سراسر اللہ ہی کو زیب دیتا ہے اور اس کی مشیت کے موافق ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یخلق اللّٰہ مایشآء انّ اللّٰہ علیٰ کلّ شیءٍ قدیر○(۲۹)

ترجمہ:۔ اللہ جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس طرح ثابت ہوا کہ کائنات میں ہر لحہ ایجاد ہوتی رہتی ہے اور اللہ اپنی قضائے حکمت کے مطابق اشیاء کو وجود میں لاتا اور فنا کرتا ہے۔ اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ وہ ہر لحہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق ایک نئی شان میں ہوتا ہے۔ اور دوم یہ کہ سورۂ نور کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق جس ساخت وہیئت کے مطابق جو مخلوق بھی تخلیق کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ تخلیق میں اس کی مشیئت میں کسی کو دخل نہیں۔ جبکہ ذاروِن یہ ذمہ داری مخلوق کے سپرد کرتا ہے۔ حالانکہ کسی مخلوق کو بھی کوئی اختیار نہیں۔ یہ جائزہ اگر ہم اپنی ذات سے لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کس طرح متوازن اور احسن طور پر رب نے ہمیں تخلیق کیا ہے۔ کوئی نہیں کہتا کہ ناک سامنے نہیں بلکہ پیچھے ہونی چاہئے تھی۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوئی کہ:۔

ویمح اللّٰہ الباطل ویحقّ الحقّ بکلمٰتہٖ انّہٗ علیمٌ بذات الصّدور○(۳۰)

ترجمہ:۔ اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلمات سے ثابت کر دیتا ہے بے شک وہ سینوں کے احوال کا جاننے والا ہے۔

اس طرح باطل اس وقت مٹتا ہے جب ٹھوس تعمیری نتائج قریب کرنے والے پروردگار جسے قرآن انسانیت کے لئے حیات بخش قرار دیتا ہے عمل میں آتا ہے۔ تو تخریبی سرگرمیاں بیکار اور شیاطین کی چالیں ختم و غیر مسحور ہو جاتی ہیں۔ نیز مال و وسائل و اسباب، قوت، مقام سب کا سب یونہی دھرا رہ جاتا ہے۔ اور ایک ایک کر کے ختم ہو جاتا ہے۔ حق و صداقت کا بول بالا ہوتا ہے ظلم کی تاریکی چھٹنے لگتی ہے تو صاف نیلگوں آسمان سب کو واضح نظر آنے لگ جاتا ہے۔ اسی حکم کو اجل ''کتاب'' فرمایا گیا ہے۔ جو قانون کی طرح ان سب پر نافذ ہو جاتا ہے۔

۳) اصول حسن Principle of Beauty:۔

قرآن حکیم والفرقان مجید ہمیں متوجہ کر رہی ہے اس تبدیلی کی جانب جو کہ نفوس کے تزکیہ کا نتیجہ ہے۔ یا پھر طوعاً کرھاً اسلامی نظام کو اپنانے کا۔ اور وہ یہ ہے:۔

انّ الحسنٰت یذھبن السّیاٰت ؕ (۳۱)

ترجمہ:۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جب خوشگواریوں اور ہمواریوں کے آنے سے ناخوشگواریاں اور ناہمواریاں خود بخود مٹنے لگتی ہیں۔ تو اس لمحہ حق ثابت ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ بصورت دیگر تخریبی قوتیں اپنے ساز و سامان اور کارندوں کے ساتھ ہر شعبۂ زندگی پر یلغار کرتی ہیں۔ لہٰذا حق کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں نیکیاں کی جائیں اور برائیوں سے بچا جائے۔ پھر اس کا اطلاق ہم پر خوشگواریوں کی صورت میں ہوگا۔

لیکن یہ سب حقائق جاننے کے بعد اب ہم نے اس نہج پر سوچنا ہے کہ آخر ہم حق پر ایمان کیوں لائیں؟

نفسیاتی اعتبار سے حق پر اعتقاد کیوں ضروری ہے؟

وفی الارض اٰیٰت للموقنین ۙ و فیٓ انفسکم ؕ افلا تبصرون ○ وفی السّمآء رزقکم وما توعدون ○ فورب السّمآء والارض انّہٗ لحقّ مّثل مآ انّکم تنطقون ○ (۳۲)

ترجمہ:۔ اور روئے زمین میں یقین رکھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور آسمان میں تمہارا رزق اور وہ کچھ ہے جس کا کہ تم سے وعدہ کیا گیا ہے پس قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ بے شک یہ بات اسی طرح حق ہے جس طرح کہ تم گفتگو کر رہے ہو۔

حق و باطل کا تعلق اعتقاد سے ہے اور ثواب و خطا کا تعلق اجتہاد سے۔ اب اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ حق پر اعتقاد کیونکر کیا جائے؟ کے لئے ضروری ہے کہ اس کی وجوہات پر غور کریں تاکہ ہم جان سکیں کہ منصور نے انا الحق کا نعرہ کیوں لگایا یا سقراط نے زہر کا پیالہ کیوں پیا۔ سرمد نے اپنی کھال کیوں کھچوائی۔ تب ہمیں حقیقت کا ادراک ہوگا۔ پھر ہمیں صحرا میں حضرت نوحؑ کی کشتی بنانا، ابراہیمؑ کا نمرود کی آگ میں کودنا، موسیٰؑ کا فرعون سے مقابلہ کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں پتھر کھانا سمجھ میں آئے گا۔ بلحاظ قرآن ہی وجوہات ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) غلبۂ الٰہی بذریعہ نفسی ہیئت:۔

اللہ رب العزت کا غلبہ ہر انسان کے نفس پر ہے وہ چونکہ الرحمٰن ہے اس لئے تمام انسان اس کی نظر میں برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لئے نفس امارہ جو انسان کو برائی کی طرف اکساتا ہے اگر موجود ہے تو ساتھ ہی نفس لوامہ کی کارفرمائیاں بھی ہیں اس خصوصیت سے کوئی نفس بھی محروم نہیں اس لئے رب العزت فرماتا ہے کہ:۔

وھوالقاھر فوق عبادہٖ ویرسل علیکم حفظۃً حتّٰی اذا جآء احدکم الموت توفّتہ رسلنا وھم لایفرّطون○ ثم ردّوٓا الی اللّٰہ مولٰھم الحقّ الا لہ الحکم وھواسرع الحاسبین○(۳۳)

ترجمہ:۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اورتم پر ایک محافظ بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو ہمارے فرستادہ اسے وفات دیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے پھر وہ اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں جو ان کا حقیقی مالک ہے خوب سن لو کہ فیصلے کے تمام اختیارات اسی کو حاصل ہیں اور وہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نفس کو حافظ کیوں کہا گیا ہے؟ آیئے اس کے لغوی معنی سے اس کے مفہوم کا ادراک کریں:۔

حفظ:. الحفظ یقال تارہ لھیئۃ النفس التی بھا یثبت مایؤدّی الیہ الفھم وتارہ لضبط فی النفس ویضارہ النسیان وتارۃ لاستعمال تلک القوۃ فیقال حفظت.(۳۴)

اردو مفہوم:۔ حفظ الحفظ کا مادہ ہے۔ یہ لفظ کبھی تو فضل کی اس ہیئت پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے جو چیز سمجھ میں آئے وہ محفوظ رہتی ہے اور کبھی دل میں یاد رکھنے کو حفظ کہا جاتا ہے اس کی ضد نسیان ہے اور کبھی قوت حافظہ کے استعمال پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن حکیم کو بطور محافظ کے گردانا ہے اور دوم یہ کہ اسے کتاب حفیظ بھی گردانا گیا ہے۔ لہٰذا محافظ ومحافظت کے حوالے سے نیز کتاب حفظ کے حوالے اسے مختصراً تفصیل ملاحظہ ہو:۔

وانزلنآ الیک الکتٰب بالحقّ مصدّقاً لّما بین یدیہ من الکتٰب و مھیمناً علیہ فاحکم بینھم بمآ انزل اللّٰہ ولا تتّبع اھوآء ھم عمّا جآء ک من الحقّ(۳۵)

ترجمہ:۔ ''اورہم نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی۔ الکتاب کی تصدیق کرنے والی جو کہ پہلے موجود ہے اور وہ اس پر محافظ بھی ہے پس ان کے درمیان اسی کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور اس حق سے انحراف کرتے ہوئے جو تیرے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔''

اللہ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ یکے بعد دیگرے انبیاء کو مبعوث فرما کر ان پر کتب سماوی کو نازل فرمایا تا کہ ہر کوئی اس کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی بھیجی ہوئی بنیادی تعلیمات اور فرائض میں کوئی تبدیلی نہیں۔ اسی بحث کو بالترتیب ملاحظہ ہو:۔

انّآ انزلنا التّورٰۃ فیھا ھدًی وّ نورٌ یحکم بھا النّبیّون الّذین اسلموا للّذین ھادوا والرّبّٰنیّون

والاحبار بما استحفظوا من كتب الله و كانوا عليه شهدآء ج (۳۶)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت اور نور ہے سرتسلیم خم کرنے والے انبیاء، ربانی اور احبار اسی کے مطابق یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی کتاب پر نگراں ٹھہرائے گئے تھے اور وہ اس پر گواہ تھے۔

تورات سے متعلق حکم کے بعد والی آیت میں اس بات کی بھی وضاحت کردی گئی کہ شرع ومنہاج دراصل ایک ہی رہے ہیں۔اس لئے بعد والی آیت میں آنکھ کے بدلے آنکھ کے قانون کی خبر سنائی گئی کہ ان میں بھی قصاص لیا جاتا تھا۔اور پھر اس کے فوراً بعد والی آیت میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ:۔

وقفّينا علىٰ اٰثارهم بعيسى ابن مريم مصدّقاً لّمابين يديه من التّوراة ص واٰتينٰه الانجيل فيه هدى وّ نور لا وّ مصدّقاًلّما بين يديه من التّوراة وهدى وّ موعظةً لّلمتّقين ط ○(۳۷)

ترجمہ:۔ اور ان کے پیچھے پیچھے ہم نے عیسٰی ابن مریم کو بھیجا، وہ اس کی تصدیق کرنے والا تھا۔ جو اس کے سامنے تورات میں موجود تھا۔اور ہم نے اس کو انجیل عطا کی اس میں ہدایت اور نور ہے اور وہ تصدیق کرنے والی ہے تورات کی جو پہلی موجود تھی اور وہ متقین کے واسطے ہدایت ونصیحت ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی ہر بھیجی ہوئی کتاب ہدایت اور نور تھی اور ہدایت اور نور ہے مگر اب صرف قرآن کی صورت میں۔کیونکہ ایک کتاب نے پچھلی کتاب کی تصدیق کی۔اور اب مصدقا کتاب ہی آخری کتاب ہے۔اسی لئے اللہ رب العزت نے اس کتاب کو آیت کریمہ میں کتاب حفیظ جیسے الفاظ سے نوازا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قد علمنا ماتنقص الارض منهم ج وعندنا كتٰب حفيظ ○ بل كذّبوا بالحقّ لمّا جآءَهم فهم فى امرٍ مّريجٍ○(۳۸)

ترجمہ:۔ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ زمین ان میں سے کیا کچھ گھٹا دیتی ہے اور ہمارے پاس تو نوشتہ محفوظ ہے بلکہ انہوں نے تو حق کی تکذیب کی جبکہ وہ ان کے پاس آچکا تھا اور اس امر میں وہ ایک الجھن میں مبتلا ہیں۔

دراصل یہی وہ صفت ہے جو قرآن حکیم والفرقان مجید کو معجزاتی اور مصدقہ کتاب قرار دینے کی وجہ ہے علاوہ ازیں یہی کتاب ہدایت اور نور ہے تمام بنی نوع انسان کے لئے اس میں شفاء نصیحت موجود ہے۔نیز قرآن کے مصدقہ اور اصلی ہونے کی ایک بنیادی اور اہم وجہ اس کا محفوظ ہونا ہے جس کے بارے میں رب تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ:۔

بل هو قرآن مّجيد لا ○ فى لوحٍ مّحفوظٍ ع ○(۳۹)

ترجمہ:۔ بلکہ وہ تو بزرگی والا قرآن ہے لوح محفوظ میں۔

چنانچہ مذکورہ آیات کے طفیل کہا جا سکتا ہے کہ حفظہ ہو یا استحفظوا ہو اور حفیظ ہو یا پھر لوح کی صورت میں محفوظ ان سب کی صفت خاص یہی ہے کہ اس خصوصیت سے کوئی بھی نفس محروم نہیں۔خواہ وہ کائنات کا صغیر سے صغیر زرہ ہی کیوں نہ ہو۔یہی وجہ ہے کہ جب بھی انسان نفس امارہ بالسوء کی آواز پر لبیک کہتا ہے تو عین اسی لمحے نفس لوامہ سے اس غلط سوچ و فکر پر اسے ملامت کرتا ہے۔تو اس طرح نفس لوامہ کا انسان کو بروقت برائی سے بچانا اس کی طرف سے ایک غیبی مدد ہی تو

ہے۔قرآن میں اسی محافظت کا ذکر کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں جب ایک انسان ایمان لے آتا ہے تو اس پر معروفات بھی اور منکرات بھی دونوں عیاں ہوتی ہیں جائز و ناجائز وحلال وحرام کا معاملہ بھی اس کے نفس پر عیاں ہوتا ہے۔ کیونکہ دینی تعلیم اس کے حافظے میں محفوظ ہوتی ہے۔یہی علم اس کی بروقت رہنمائی کرتا ہے۔لیکن بسا اوقات انسان حق کی اس آواز کو دبا دیتا ہے۔ایسے ہی عقل کے اندھوں کے لئے اللہ کچھ یوں گویا ہے تا کہ شاید کہ انسان اس نور سے منور ہوسکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

قد جآء کم بصآئر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیھا وما انا علیکم بحفیظ O(۴۰)

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آچکے ہیں۔پس جس نے انہیں دیکھ لیا تو اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو اندھا رہا تو اپنے ہی نقصان کے لئے اور میں تم پر کوئی نگہبان تو نہیں ہوں۔

نہ صرف یہ آیت کریمہ شرع کے پابند انسانوں کے لئے سرمایہ بے بہا ہے۔ بلکہ جو اس کے برعکس ہیں ان کو حقیقت کی جانب متوجہ کرتی ہے۔شاید کہ انسان اپنے نفس کی ہیئت وحقیقت کو جان کر گمراہی سے حق کی روشنی میں سفر کرنے لگیں۔

۲) نفس انسانی اعمل کی مکمل ریکارڈ گاہ کے طور پر:۔

جو لوگ چہار دانگ پھیلی ہوئی کائنات کو کھیل تماشہ سمجھتے ہیں۔ان کو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ عالم نہ تو ازلی ہے اور نہ ابدی بلکہ مخلوق اور حادث ہے بالآخر فنا ہونے والا ہے۔اس کی تائید Theory of Relativity کے تحت ہوجاتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ فیصلہ کن توانائی ہمیشہ متحرک مادے سے ساکن مادے میں منتقل ہوتی ہے۔اور کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حرکت وتوانائی کا سرچشمہ کون ہے؟ اس لئے کہ جو چیز متحرک ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی محرک ہو۔محرک کا ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ معدوم شے سے موجود کا وجود ممکن نہیں اس لئے آخر میں یہ بات ثابت آجاتی ہے کہ جو ذات بلاواسطہ تمام چیزوں کی محرک اور ازلی ہے اور خود متحرک نہیں ہے وہی اللہ ہے۔(۴۱)

اس طرح عالم کا آغاز اللہ کے ہونے کی دلیل بنتا ہے چونکہ یہ بات ہر نفس جانتا ہے کہ کوئی آغاز از خود ظہور پذیر نہیں ہوسکتا بلکہ اپنے مؤجد کا محتاج ہے۔لہذا جو کچھ بھی مؤجد اول نے بنایا وہ خوب بنایا۔اس عالم رنگ و بو میں نفس کی دنیا انتہائی عجیب وغریب اور پیچیدہ ہے۔جو ہے مگر نظر نہیں آتی اسی کے متعلق رب اپنے بندے کو آگاہ فرمارہا ہے تا کہ ہم اس قدرتی وفطری دنیا کی کارفرمائی اور مقصد کو سمجھ سکیں۔گو کہ توانائی کے محرکات اور نفس کے محرکات میں بڑا فرق ہے۔ لیکن ہر ایک کی اپنی اپنی حیثیت اور اپنا اپنا مقصود حیات ہے۔اس حقیقت سے روگردانی کرنے والوں سے رب العزت اس طرح مخاطب ہورہا ہے جو کہ اس بات کے انکاری ہیں کہ نفس انسانی میں ہر فکر وعمل واضح طور پر درج ہوتا رہتا ہے۔

لہٰذا حکم خدا کے ہوتے ہی وہ سب امور اپنے سامنے موجود پائے گا۔مگر اس وقت شعور کی بیداری بھلا اس کے کس کام آئے گی؟

هنالک تبلوا کلّ نفسٍ مّآ اسلفت وردّوآ الی اللّٰه مولٰهم الحقّ وضلّ عنهم مّا کانوا یفترونO(۴۲)

ترجمہ:۔ اس وقت ہر نفس جانچ لے گا جو کچھ اس نے پہلے کیا تھا اور وہ اپنے حقیقی آقا اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ جھوٹ، جنہیں وہ گھڑا کرتے تھے ان سے گم ہو جائیں گے۔

ایسے منکرین سے اور ایسی فکر رکھنے والے انسانوں سے اللہ یوں مخاطب ہو رہا ہے کہ شاید کہ کوئی دنیا میں اپنے شعور کو بیدار کر لے شاید کوئی نفع اٹھا سکے۔نفس انسانی کو اللہ نے اس طرح تخلیق کیا ہے کہ اس میں نہ صرف انسانی فکر و عمل کا خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، حق ہو یا باطل عمل سب کچھ بعینہٖ درج ہوتا جاتا ہے اور روز قیامت اس نفس کی بیداری پر سب کچھ موجود پائے گا جس طرح کہ آج ہم کمپیوٹر کی ڈسک میں کے اپنے مواد کو جمع کرتے ہیں اور مطلوبہ اوقات میں اس کو ایک بٹن دبانے سے سامنے پاتے ہیں۔تو جب بندہ ایسی تخلیق کر سکتا ہے تو پھر مؤجد اول کیا کچھ نہیں کر سکتا؟ یہاں لوگ خدا کے انکاری کیوں ہو جاتے ہیں؟ اور دوم یہ کہ نفس انسانی جاودانی Immortal کا حامل ہے۔

لہٰذا وہ لوگ جو اپنے نفس کو جامد سطح Static Position پر رکھتے ہیں۔ان کے قلوب کی کیفیت کا حال یہ ہوتا ہے کہ ان کا وجدان حقانیت کو اپنے اندر محسوس کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نفس انسانی میں یقین کی بجائے شک پرستی اور اقرار حق کے بجائے انکار آیات کر کے خسارہ اٹھانے والے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بے ضمیر نفوس کے حامل لوگوں کی بابت اللہ فرماتا ہے کہ:۔

انّ الّذین حقّت علیهم کلمت ربّک لا یؤمنونO ولو جآءتهم کلّ ایةٍ حتّٰی یروا العذاب الالیمO(۴۳)

ترجمہ:۔ بے شک وہ لوگ جن پر تیرے رب کی حجت تمام ہو چکی ایمان نہیں لائیں گے اور اگر چہ ان کے پاس ہر ایک نشانی آ جائے تاوقتیکہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں۔

لیکن اس وقت شعور بیدار ہوا تو کس کام کا۔کیونکہ نزول عذاب کے بعد ایمان کارآمد نہیں۔تاہم جو لوگ اپنے نفس کو حیات جاودانی Immortal Life کا حامل بناتے ہیں تو ان کا نفس ہمیشہ متحرک سطح Dynamic Position پر رہتا ہے ، وہ اس طرح کہ وہ غفلت میں نہیں پڑتے بلکہ اپنے شعور کو بیدار رکھتے ہیں۔یہی بیداری انہیں جاودانی کا حامل بنا دیتی ہے۔اور حکم ربی یہ ہے کہ:۔

ومن حیث خرجت فولّ وجهک شطر المسجد الحرامؕ وانّهٗ للحقّ من رّبّکؕ وما اللّٰه بغافلٍ عمّا تعملونO ومن حیث خرجت فولّ وجهک شطر المسجد الحرامؕ وحیث ما کنتم فولّوا وجوهکم شطرهٗ لئلّا یکون للنّاس علیکم حجّةٌ(۴۴)

ترجمہ:۔ اور تو جہاں سے بھی نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لے اور بے شک تیرے رب کی طرف سے یہی حق ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے اور تو جہاں سے بھی نکلے اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لے اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو تا کہ لوگوں کی تم پر حجت نہ رہے۔

تاہم ایمان لانے والوں کی نجات کو اللہ نے خود پر واجب کیا ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ثمّ ننجّی رسلنا والّذین امنوا کذلک حقاً علینا ننج المؤمنین○(۴۵)

ترجمہ:۔ پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو نجات دیں گے جو ایمان لائے اسی طرح ہم پر ایمان والوں کی نجات واجب ہے۔

ایمان کی توفیق من جانب اللہ:۔

ایمان کی توفیق من جانب اللہ ہوتی ہے اس کی توفیق کے بغیر نہ تو کوئی اس کا نام لے سکتا ہے اور نہ ہی کوئی پتا ہل سکتا ہے لیل ونہا کی گردش اسی کی مرہون منت ہے۔تاہم توفیق کا انحصار طلب پر ہے جہاں طلب ہے وہاں توفیق ہے بصورت دیگر جہاں غفلت ہے وہاں نجاست ہے۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وما کان لنفس ان تؤمن الّا باذن اللّٰہ ویجعل الرّجس علی الّذین لا یعقلون○(۴۶)

ترجمہ:۔ اور کسی نفس کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور وہ نجاست ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

ہر عمل جو انسان طوعاً اور کرہاً انجام دیتا ہے اس کے نقوش اس کے نفس پر مثبت ہو جاتے ہیں۔یہ ایک کتاب کے طور پر سامنے آتی ہے کہ اسے ایک تو خود پڑھا جا سکتا ہے اور دوم یہ کہ وہ حق ہی حق بولتی ہے۔اور سوم یہ کہ اگر انسان اپنے اعمال کو دیکھنا چاہے تو اپنے ہی ریکارڈ کو مانند آئینہ دیکھ سکتا ہے بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

☆ ھٰذا کتٰبنا ینطق علیکم بالحقّ انّا کنّا نستنسخ ما کنتم تعملون○(۴۷)

ترجمہ:۔ یہ ہے ہماری کتاب جو تم پر حق ہی حق بولے گی ہم تو لکھتے رہتے تھے جو کچھ بھی تم کیا کرتے تھے۔

☆ وکلّ انسانٍ اَلزمنٰہ طٰٓئرہٗ فی عنقہٖ ونخرج لہٗ یوم القیمۃ کتباً یّلقٰہ منشوراً○ اقراء کتٰبک کفٰی بنفسک الیوم علیکم حسیباً○(۴۸)

ترجمہ:۔ ہر انسان کا طائر ہم نے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور ہم اسے قیامت کے دن ایک کتاب کی صورت میں نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔پڑھ لے اپنی کتاب تو آج کے دن اپنا حساب کرنے کے لئے خود ہی کافی ہے۔

☆ ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین ممّا فیہ ویقولون یٰویلتنا مال ھٰذا الکتب لا یغادر صغیرۃً وّلا کبیرۃً الّآ احصٰھا ووجدوا عملوا حاضرا (۴۹)

ترجمہ:۔ اور کتاب رکھی جائے گی اور جو کچھ اس میں ہوگا تو اس سے مجرموں کو ڈرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے

دیکھے گا کہ ہائے افسوس ہم پر یہ کیسی کتاب ہے جس نے کوئی چھوٹی یا بڑی بات چھوڑی ہی نہیں جس کا کہ احاطہ نہ کر رکھا ہو اور وہ جو بھی عمل کیا ہوا ہوگا اس کو حاضر پالیں گے۔

مذکورہ تفصیلات اس بات کی امین ہیں کہ ہمیں اس کتاب حق کی تفہیم کے بعد حق پر عمل پیرا ہو جانا چاہیے تا کہ ہمارا نفس جاودانی Immortality کے مزے لوٹ سکے۔

(۳) اختلاف برائے نفوذ حق بلحاظ نفس انسانی:۔

اختلاف کائنات کا حسن ہے نت نئی کارفرمائیوں کا ایک سلسلہ ہے۔ تغیر و تبدل تعمیری زندگی سے عبارت ہے اگر اختلاف نہ ہو تو کرشمہ سازی کیسی؟ کارفرمائی کیسی؟ مگر یاد رہے کہ اختلاف کی بھی حد ہے اس حد سے جو تجاوز کرے وہ راندۂ درگاہ الٰہی بھی ہوسکتا ہے کیونکہ اختلاف برائے نفوذ ذات کی کوئی اہمیت نہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّ فی خلق السّمٰوٰت والارض واختلاف الّیل والنّھار لاٰیٰتٍ لّاولی الالباب ۝ الّذین یذکرون اللّٰہ قیٰماً وّقعوداً وّعلٰی جنوبھم و یتفکّرون فی خلق السّمٰوٰت والارض ربّنا ما خلقت ھٰذا باطلاً سبحٰنک فقنا عذاب النّار ۝(۵۰)

ترجمہ:۔'' بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات اور دن کے اختلاف میں صاحبان بصیرت کے لئے نشانیاں ہیں۔ وہ جو اللہ کو اٹھتے، بیٹھتے، کروٹ لیتے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے تو نے یہ عبث پیدا نہیں کئے تو پاک ہے پس ہمیں عذاب نار سے بچالے۔''

چونکہ یہ کائنات باطل نہیں بلکہ سراسر حق ہے اور اسی پر قائم ہے۔ اسی لئے وہ صاحبان عقل کو اس حق کی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

واختلاف الّیل والنّھار ومآ انزل اللّٰہ من السّمآء من رّزقٍ فاحیا بہ الارض بعد موتھا و تصریف الرّیٰح اٰیٰت لّقوم یّعقلون ۝ تلک اٰیٰت اللّٰہ نتلوھا علیک بالحقّ فبایّ حدیثٍ بعد اللّٰہ واٰیٰتہٖ یؤمنون ۝ ویل لّکلّ افّاکٍ اثیمٍ ۝ یّسمع اٰیٰت اللّٰہ تتلٰی علیہ ثمّ یصرّ مستکبراً کان لّم یسمعھا فبشّرہ بعذابٍ الیمٍ ۝(۵۱)

ترجمہ:۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں اس رزق میں جو اللہ نے آسمان سے نازل کیا اور اس سے زمین کی موت کے بعد حیات بخشی اور ہواؤں کے چلنے میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ ہیں اللہ کی آیات جو ہم نے تجھے حق کے ساتھ پڑھ کر سنائیں تو پھر اللہ اور اس کی آیات کے بعد یہ لوگ کونسی بات پر ایمان لائیں گے۔ وائے ہے ہر جھوٹے گناہگار پر کہ وہ اللہ کی ان آیات کو جو اس پر پڑھی جاتی ہیں سنتا ہے اور پھر بھی تکبر پر مصر رہتا ہے گویا کہ اس نے انہیں سنا ہی نہ ہو۔ پس اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دے۔

یہاں اختلاف چونکہ برائے نفوذ حق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی توجہ انفس و آفاق کے اختلاف کی

جانب دلائی ۔لیکن بے بصیرت لوگ ہر دور میں ہی تنقید برائے تنقید ہی کرتے رہے کسی نے محمدؐ پر نزول قرآن پر اعتراض کیا تو کسی نے متشابہات میں، اوران جیسی کئی باتیں ہیں جو کہ اکثر و بیشتر کی جاتی رہی ہیں، اللہ نے ان تمام سوالات کے جوابات قرآن میں دے دیئے ہیں۔ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ضرورت تو اس امر کی ہے کہ ان کے نفوس اس قسم کی باتیں کیوں نکالتے ہیں؟ نیز یہ کہ ان کے نفوس کو کیا مرض لاحق ہے۔اسی سوال کا جواب رب کریم نے بہت خوبصورتی کے ساتھ دیا ہے بالترتیب ملاحظہ ہو:۔

☆ ولقد نعلم انّھم یقولون انّما یعلّمہٗ بشرٌ لسان الّذی یلحدون الیہ اعجمیٌّ وّھذا لسان عربیٌّ مّبینO(۵۲)

ترجمہ:۔ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں اسے ایک بشر تعلیم دیتا ہے جس کی جانب وہ اشارہ کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ واضح عربی زبان ہے۔

☆ فامّا الّذین فی قلوبھم زیغٌ فیتّبعون ماتشابہ منہ ابتغآء الفتنۃ وابتغآء تاویلہٗ(۵۳)

ترجمہ:۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ کی غرض سے پیروی کرتے ہیں ان کی جو کہ اس میں متشابہہ ہیں ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔

☆ کان النّاس امّۃً وّاحدۃً فبعث اللّٰہ النّبیّن مبشّرین ومنذرینؐ وانزل معھم الکتٰب بالحقّ لیحکم بین النّاس فیما اختلفوا فیہ ط وما اختلف فیہ الّا الّذین اوتوہ منۢ بعد ماجآءتھم البیّنٰت بغیًا بینھم ج فھدی اللّٰہ الّذین اٰمنوا لما اختلفوا فیہ من الحقّ باذنہٖ ط واللّٰہ یھدی من یّشآء الی صراطٍ مّستقیمO(۵۴)

ترجمہ:۔ لوگ ایک ہی امت تھے پس اللہ نے خوشخبری دینے والے نبی بھیجے اوران کے ساتھ سچی کتاب اتاری تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جن امور میں کہ وہ اختلاف کرتے ہیں۔اور اس میں باہمی ضد کے سبب وہی اختلاف کرتے ہیں جن کو وہ دی گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی ہیں۔پس اللہ نے ایمان والوں کی اپنے حکم سے ان امور میں حق کی جانب ہدایت کی جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔اور اللہ جس کی چاہتا ہے حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیت میں کئی نفسیاتی نکات بیان کئے گئے ہیں جو کہ نفس انسانی میں اختلاف کا سبب رہے ہیں جو کہ واضح ہیں۔

(۴) امت واحدہ میں اختلاف برائے بغی نہ کہ اختلاف برائے آزمائش:۔

جہاں تک پہلے نکتہ کو بیان کرنے کا مقصود ہے وہ سورۃ شوریٰ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔جس میں حضرت

نوحؑ تا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلمؐ دین کو قائم کرنے اور تفرقہ نہ ڈالنے کی بات کہی گئی لیکن بدقسمتی سے علم کے آنے سے بغی کی ابتداء ہوئی۔ اس کا ذکر قرآن حکیم والفرقان مجید میں کچھ یوں آیا ہے کہ:۔

وما تفرّقوآ الّا منۢ بعد ما جآء ھم العلم بغیاً بینھمؕ (۵۵)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے تو علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے تفرقہ ڈالا۔

حالانکہ اختلاف برائے اختلاف یا اختلاف برائے بغی کبھی بھی قوم و امت کے لئے تعمیری نتائج کا حامل نہیں ہوتا۔ اسی تعمیر کو روکنے کے لئے بغی اختیار کی جاتی ہے۔ ورنہ اختلاف برائے تعمیر ہو تو امت کے لئے زندگی کی نوید بنتا ہے اسی لئے رب العزت نے اختلاف کو بوجہ آزمائش قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ولـو شـاء اللّٰـه لـجـعـلـكم امّةً وّاحدةً وّلٰكن لّيبلوكم فی مآ اٰتٰكم فاستبقوا الخيرٰتؕ الی اللّٰه مرجعكم جميعاً فينبّئكم بما كنتم فيه تختلفونۙ (۵۶)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی امت بنا دیتا۔ مگر ان نعمتوں میں آزمائش کرنے کے لئے جو اس نے تمہیں عطا کیں ہیں۔ پس اچھے کاموں میں سبقت کرو تم سب اللہ کی طرف لوٹنے والے ہو پھر وہ تمہیں ان امور سے متنبہ کرے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

بغی:۔ البغی طلب تجاوز الاقتصاد. والبغی علی حزبین احد ھما محمود ھو تجاوز العدل الی الاحسان والثانی مذموم وھو تجاوز الحق الی الباطل أوتجاوزه الی الشبه.(۵۷)

اردو مفہوم:۔ بغی: البغی کے معنی کسی چیز کی طلب میں میانہ روی کی حد سے تجاوز کی خواہش کرنا کے ہیں۔ بغی دو قسم پر ہے اول محمود، اچھی یعنی حد عدل وانصاف سے تجاوز کر کے مرتبہ احسان حاصل کرنا اور دوم مذموم حق سے تجاوز کر کے باطل یا شبہات میں واقع ہونا کے ہیں۔

لہٰذا جو لوگ اپنی خواہشات کو دین پر غالب کرنے کی کوشش کریں تو اس سے تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے جو کہ اتحاد کو پارہ پارہ کر دیتا ہے اسی تفرقہ بازی کی بناء پر اللہ نے فرمایا اور بزبان رسول کہلوا دیا۔

وما اختلفتم فيه من شیءٍ فحكمهٗ الی اللّٰهؕ ذٰلكم اللّٰه ربّی عليه توكّلتؗ واليه انيبۙ (۵۸)

ترجمہ:۔ اور جس شے میں بھی تم آپس میں اختلاف کرتے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے وہی اللہ میرا پروردگار ہے اسی پر میں توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

آج بھی اختلاف برائے اختلاف کا خاتمہ ان ہی الفاظ سے ممکن ہے تب ہی معاشرے میں حسن عدل کا قیام ممکن ہو سکے۔

(۵) اختلاف برائے اختلاف حق نہ کہ اختلاف برائے نفوذ حسن وعدل:۔

خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے ۳۶۰ بت اختلاف برائے اختلاف حق کی صورت میں دراصل ۳۶۰ شریعتیں تھیں

جو حق کے مقابل اپنائی ہوئی تھیں یہی وجہ تھی کہ یہ غیر متوازن صورتحال حسن عدل کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ لہٰذا قیامِ عدل کے لئے ضروری تھا کہ ان نام نہاد ۳۶۰ نفسی شریعتوں پر دین اسلام کو غالب کیا جائے۔ لیکن اسے غالب کرنے کے دو طریقے تھے ایک تو جبری طریق تھا اور دوسرا وہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کیا یہ عقلی طریق تھا۔ لہٰذا فرمانِ ربی ہوتا ہے کہ :۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ (۵۹)

ترجمہ:۔ پس اس کی طرف دعوت دے اور اسی پر قائم رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہش نفس کی پیروی نہ کر اور کہہ دے کہ میں اس پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف بازگشت ہے اور وہ لوگ جو اللہ کو مان لینے کے بعد اس کے بارے میں کج بحثی کرتے ہیں۔ ان کی حجت ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر غضب ہے اور ان کے لئے عذاب شدید ہے اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی۔

دراصل شریعت الٰہیہ کی بنیاد حق اور میزان ہیں۔ دنیا کی ہر نفسی شریعت ان دو صفات حقیقی سے محروم رہی ہے۔ اسی لئے یہ لوگ جن امور میں بھی حجت کرتے ہیں ان کی حجت میں کوئی وزن نہیں بلکہ باطل ہے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شریعتیں ابھرتی اور مٹتی رہی ہیں۔ کیونکہ ان کی بنیادی خامی یہ رہی ہے کہ یہ عدل کو قائم رکھنے میں بری طرح ناکام رہیں جبکہ اسلام اپنی بنیادی صفت میزان کے حوالے سے عدل کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ قرآن میزان کی تعریف و مقاصد اور اہمیت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (۶۰)

ترجمہ:۔ بلاشبہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔

میزان:۔ (وزن) الوزن معرفته قدر الشیٔ. (۶۱)

اردو مفہوم:۔ میزان کا لفظ وزن سے نکلا ہے جس کے معنی کسی شے کی مقدار معلوم کرنے کے ہیں۔

میزان سے مراد وہ معیار کہ جس کے مطابق نیک و بد، جائز و ناجائز، حلال و حرام نیز حق و باطل میں تمیز کی جا سکے۔ اسی لئے اللہ رب العزت اسی معیار، اسی وزن، اسی میزان کے مطابق ہمارے اعمال کا محاسبہ روز قیامت فرمائے گا۔ چنانچہ ہم تمام بنی نوع انسان کو اس دن کے معرفت دلاتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

فلنسئلنّ الّذین ارسل الیھم ولنسئلنّ المرسلین ۝ فلنقصّنّ علیھم بعلمٍ وّما کنّا غآئبین ۝ والوزن یومئذٍ الحقّ فمن ثقلت موازینہٗ فاولٰئک ھم المفلحون ۝ ومن خفّت موازینہٗ فاولٰئک الّذین خسروآ انفسھم بما کانوا باٰیٰتنا یظلمون (۶۲)

ترجمہ:۔ پھر ہم ان لوگوں سے جن کی طرف بھیجے گئے تھے ضرور سوال کریں گے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور سوال کریں گے اور ہم جو کچھ ان کے خلاف بیان کریں گے خوب جانتے ہوئے بیان کریں گے کیونکہ ہم غائب تو نہ تھے۔ اور اس دن حق کے ساتھ وزن ہوگا پس جنکی میزانیں بھاری ہوں گی سو وہی فلاح پانے والے ہوں گے اور جن کی میزانیں ہلکی ہوں گی پس وہی اپنے نفسوں کو نقصان پہنچانے والے ہوں گے اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا۔

لہٰذا اگر ہم اپنی فلاح دارین چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس نورِ حق سے متمسّک ہونا پڑے گا۔ تا کہ ہم اپنے نفوس کے ساتھ عدل کر سکیں اور زیادتی کے مرتکب نہ ہوں۔ ایسا اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہم میزان جیسے معیار کو ہر دم پیش نظر رکھیں۔ تب ہی معاشرہ میں عدل قائم ہو سکے گا۔ کیونکہ تزکیہ نفس ہی حسن معاشرت کی بنیاد ہے۔ اور آخرت میں فلاح کا مؤجب ہے۔

(۶) اختلاف برائے نفوذ ھوائے نفس نہ کہ اختلاف برائے نفوذ حق:۔

انسان علم کے حصول میں ذرائع کا محتاج رہا ہے لیکن نزولِ علم کے طفیل جب فکر و بصیرت کے دروازے کھلے تو وہ خود کو بسا اوقات نعوذ باللہ العلیم سمجھنے لگا۔ حالانکہ صورتحال یہ تھی کہ نزول علم کے بعد انسان العلیم کی صفت سے متصف ہوا تھا۔ گو کہ انسان پر خود اس کی حقیقت عیاں ہوئی مگر وہ حقیقت کو جانتے بوجھتے ہوئے بھی انحراف کی طرف گامزن ہوا کیونکہ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سے انسان خلوص کی چاشنی کے ساتھ یا تو حقیقت کا اعتراف کرتا ہے اور یا پھر وہ حقیقت کو جھٹلا دیتا ہے اس لئے اللہ رب العزت نے انسان کی اس نفسی حالت کو بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے:۔

وما تفرّقوا الّا من بعد ما جآء ھم العلم بغیاً بینھم ط ولو لا کلمۃ سبقت من رّبّک الٰی اجلٍ مّسمًّی لّقضی بینھم ط وانّ الّذین اورثوا الکتٰب من بعد ھم لفی شکٍّ مّنہ مریبٍ ۝ فلذٰلک فادع ج واستقم کمآ امرت ج ولا تتّبع اھوآء ھم ج (۶۳)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے تو علم آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے تفرقہ ڈالا اور اگر ایک خاص مدت تک کے لئے تیرے رب کا وعدہ نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور وہ لوگ جو ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے وہ اس کے متعلق شک میں ڈانواں ڈول ہیں۔ پس اس کی طرف دعوت دے اور اس پر قائم رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہش نفس کی پیروی نہ کر۔

مذکورہ آیت میں ایک باریکی پنہاں ہے جو کہ انسان کی محتاجی کو بھی بیان کر رہی ہے اور اس کی نفسی وجود کو بھی۔

اور وہ یہ ہے کہ علم آ چکنے کے بعد دوسرے تصورات پیش کئے گئے اگر خود ہی نعوذ باللہ عالم تھے تو پھر علم سے پہلے اپنا تصور کیوں یہ لے آئے۔ دوم یہ کہ علم آ چکنے کے بعد آپس کی ضد سے تفرقہ ڈالا سے مراد یہ ہے کہ دین میں تو کوئی تفرقہ نہیں ہے لیکن محض ضد اور ان کے سبب فرقہ بندی کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس طرح قرآن میں نفس انسانی کے فریب کو بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

بل كذّبوا بالحقّ لمّا جآء هم فهم فى امرٍ مّريج○(۶۴)

ترجمہ:۔ بلکہ انہوں نے حق کی تکذیب کی جبکہ وہ ان کے پاس آ چکا تھا اور اس لہر میں وہ ایک الجھن میں مبتلا ہیں۔

دراصل بغی وشک یہ دو وجوہات ہیں جو حق پر گامزن ہونے سے روکتی ہیں۔ اور اسی سبب وہ اس گمان میں مبتلا ہیں کہ اختلاف برائے نفوذ ھوائے نفس ان کا حق ہے اور ایسا کرنے سے ایمان پر کوئی فرق نہیں آتا۔ جبکہ حکم ربی یہ ہے کہ:۔

☆ قل اتعلّمون اللّٰه بدينكم ؕ واللّٰه يعلم مافى السّمٰوٰت وما فى الارض ؕ(۶۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے کیا تم اللہ کو اپنا دین جتلاتے ہو؟ حالانکہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ اسے جانتا ہے۔

☆ اتّبعوا مآانزل اليكم مّن رّبّكم ولا تتّبعوا من دونهٖٓ اوليآء ؕ(۶۶)

ترجمہ:۔ پیروی کرو اس کی جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوست کی پیروی نہ کرو۔

بغی وشک ھوائے نفس کی بنیاد بنا اور ھوائے نفس شرک کی۔ دراصل یہ بیماریاں تدبر میں کمی کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے اہل ایمان سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:۔

الم يان للّذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر اللّٰه وما نزل من الحقّ ۙ ولا يكونوا كالّذين اوتوا الكتٰب من قبل(۶۷)

ترجمہ:۔ کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل عاجزی کے ساتھ اللہ کی یاد اور اس کے نازل کردہ حق کی جانب جھک جائیں؟ اور وہ لوگوں کی مانند نہ ہو جائیں جنہیں ان سے قبل کتاب دی جا چکی تھی۔

منزل ایمان تو یہ ہے کہ:۔

انّما المؤمنون الّذين امنوا باللّٰه ورسوله ثمّ لم يرتابوا وجٰهدوا باموالهم وانفسهم فى سبيل اللّٰه ؕ اولٰٓئك هم الصّٰدقون○(۶۸)

ترجمہ:۔ بلاشبہ مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر امکان شک باقی نہ رہا اور انہوں نے اپنے اموال اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ ایسے ہی لوگ تو سچے ہیں۔

حقیقت میں یہ لوگ اس گمان اور اس نفسی دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ یہ فقط اسلام لے آئے ہیں لہذا یہ

احسان انہوں نے اللہ اور اس کے رسول پر کیا ہے جبکہ اللہ ان سے یوں گویا ہے کہ:۔

یمنّون علیک ان اسلموا ؕ قل لا تمنّوا علیّ اسلامکم ۚ بل اللّٰہ یمنّ علیکم ان ھدٰکم للایمان ان کنتم صٰدقین ○ انّ اللّٰہ یعلم غیب السّمٰوٰت والارض ؕ واللّٰہ بصیرٌ بما تعملون ○ (۶۹)

ترجمہ:۔ وہ تجھ پر اس بات کا احسان رکھتے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے کہہ دے کہ اگر تم دعوی میں سچے ہو تو اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو بلکہ یہ تو اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کی۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ بھی تم کرتے رہتے ہو۔

اسلام کے کچھ تقاضے ہیں۔ ان پر عمل درآمد کئے بغیر دعوئ ایمان درست نہیں اور اس پر یہ عالم کہ نہ صرف اسلام کا احسان رسول کے سر پر ڈالتے ہیں بلکہ اس گمان میں بھی مبتلا ہیں کہ:۔

الٓمّٓ ○ احسب النّاس ان یّترکوآ ان یّقولوآ اٰمنّا وھم لایفتنون ○ ولقد فتنّا الّذین من قبلھم فلیعلمنّ اللّٰہ الّذین صدقوا ولیعلمنّ الکٰذبین ○ (۷۰)

ترجمہ:۔ الف لام میم، کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ وہ محض یہ کہہ دینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور وہ آزمائے نہیں جائیں گے اور بے شک ان سے پہلے لوگوں کو بھی ہم نے آزمایا، پس اللہ ان لوگوں کو ضرور جانچ لے گا جو سچے ہیں۔ اور ان کو بھی اچھی طرح جانچ لے گا جو جھوٹے ہیں۔

حق آنے کے بعد اختلاف، تعمیر کے بعد تخریب اور اصلاح کے بعد فساد صرف وہی نفوس کر سکتے ہیں کہ جنہیں کتاب عطا کی گئی اب وہ باہمی ضد کے سبب ھوائے نفس کی تحریکات پر عمل پیرا ہوتے ہیں تمام امور واضح ہو جانے کے باوجود بھی اختلاف برائے نفوذ ھوائے نفس کے لئے اہتمام کرتے ہیں اور جنت کے دعویدار بھی بنتے ہیں جبکہ جو ہدایت یافتہ ہیں وہ یہ جانتے ہیں آزمائش لازم ہے۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

وما اختلف فیہ الّا الّذین اوتوہ من بعد ما جآءتھم البیّنٰت بغیًا بینھم ۚ فھدی اللّٰہ الّذین اٰمنوا لما اختلفوا فیہ من الحقّ باذنہ ؕ واللّٰہ یھدی من یّشآء الٰی صراطٍ مّستقیمٍ ○ ام حسبتم ان تدخلوا الجنّۃ ولمّا یاتکم مّثل الّذین خلوا من قبلکم ؕ مسّتھم البأسآء والضّرّآء وزلزلوا حتّٰی یقول الرّسول والّذین اٰمنوا معہ متٰی نصر اللّٰہ ؕ (۷۱)

ترجمہ:۔ اور اس میں باہمی ضد کے سبب وہی اختلاف کرتے ہیں جن کو وہ دی گئی بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آ سکیں۔ پس اللہ نے ایمان والوں کی اپنے حکم سے ان امور میں حق کی جانب ہدایت کی جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور اللہ جس کی چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں آئیں جیسی کہ تم سے پہلوں پر پڑیں ان پر سختیاں اور تکالیف آئیں اور وہ یہاں تک متزلزل ہوئے کہ رسول نے اور ان لوگوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟

مذکورہ آیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ رسول اور ان کے ساتھی خود سخت ترین آزمائش میں مبتلا ہوئے ہیں تو ہم کیا شے

ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ایمان کیا ہے؟ اور اسلام کیا ہے؟ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایمان لانا اور بات ہے اور اسلام لانا اور بات ہے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ انسان نفس کے فریب میں مبتلا ہو کر حق سے آنکھیں چرائے مگر اللہ نے ایمان اور اسلام کے فرق کو خود واضح فرما دیا تا کہ واضح ہو جائے کہ ایمان کی فقط رٹ لگانا اور بات ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا اور بات ہے۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

قالت الاعراب اٰمنّا قل لّم تؤمنوا ولٰکن قولوآ اسلمنا ولمّا یدخل الایمان فی قلوبکم وان تطیعوا اللّٰہ ورسولہٗ لا یلتکم مّن اعمالکم شیئاً انّ اللّٰہ غفور رّحیم○(۴۲)

ترجمہ:۔ دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے کہہ دے تم ایمان نہیں لائے بلکہ تم یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا رحیم ہے۔

مذکورہ آیت سے ایمان و اسلام کا فرق نمایاں ہو چکا ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور مکمل طور پر سر تسلیم خم کرنے کے بعد ہی صاحب ایمان ہونے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ دراصل ایمان کے کچھ مدارج ہیں۔ سب سے پہلے انسان اپنے خالق و مالک پر اور اس کے رسول پر یقین کی آخری حد تک ایمان رکھتا ہو پھر بتدریج اپنا سب کچھ حتیٰ کہ اپنی جان بھی فی سبیل اللہ نثار کرنے سے قطعاً دریغ نہ کرے۔ یوں نماز، قربانی، جینا مرنا سب اللہ کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔ یہی حق کا مقصود ہے لہٰذا حق جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی صورت میں سرایت کر چکا ہے ان کی کیفیت کو بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

انّما المؤمنون الّذین اذا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم اٰیتہٗ زادتھم ایماناً وّعلٰی ربّھم یتوکّلون○ الّذین یقیمون الصّلوٰۃ وممّا رزقنٰھم ینفقون○ اولٰٓئک ھم المؤمنون حقّاً لھم درجٰت عند ربّھم ومغفرۃ وّرزق کریم○(۴۳)

ترجمہ:۔ صاحبان ایمان تو صرف وہی ہیں کہ جن کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان میں زیادتی کرتیں ہیں اور وہ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ وہ جو صلوٰۃ قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں درحقیقت وہی مومن ہیں ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجات و مغفرت اور باعزت رزق ہے۔

لیکن جن کے دلوں میں ایمان کے بجائے ھوائے نفس کے تحت متبادل تصورات ہوں ان لوگوں کا دعویٰ ایمان خود فریبی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لئے منکرین حق کی کیفیت نفسی اور سزا کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

یجادلونک فی الحقّ بعدما تبیّن کانّما یساقون الی الموت وھم ینظرون○(۴۴)

ترجمہ:۔ وہ تجھ سے حق کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ وہ واضح ہو چکا تھا گویا کہ وہ دیکھتے ہیں کہ وہ موت کی طرف ہانکے جائیں اور یوں یہی عمل انسان کا خواہ وہ حق پر تھا یا باطل پر حجت بن گیا آخرت کے لئے۔

(۷) حجت سنت الٰہی :۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ نصیحت نازل کرتا ہے۔ پھر انبیاء تنبیہ کرتے ہیں۔ آثار بطور عبرت موجود ہوتے ہیں تب قانون حجت لاگو ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے اعمال درست نہیں ہوتے۔ یہ کائنات رب کے عدل پر قائم ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوتا۔ ماسوائے اس کے کہ ہر شخص خود اپنے نفس پر یا نفوس دیگر نفوس پر کریں۔ ایسا اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی مخالفت کرنے کے سبب گمراہی، ظلم وزیادتی کا شکار ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے کہ :۔

ان الدّین عند اللّٰہ الاسلام وما اختلف الّذین اوتوا الکتٰب الاّ من بعد ماجآءھم العلم بغیاً بینھم ومن یّکفر بایٰت اللّٰہ فانّ اللّٰہ سریع الحساب ○ فان حآجّوک فقل اسلمت وجھی للّٰہ ومن اتّبعنِ وقل للّذین اوتوا الکتٰب والامّیّن ءاسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولّوا فانّما علیک البلٰغ واللّٰہ بصیرٌ بالعباد ○ (۷۵)

ترجمہ :۔ بے شک دین تو اللہ کے حضور اطاعت کامل ہی ہے مگر لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی آپس میں باوجود علم کے جو ان کے پاس آچکا تھا محض نافرمانی کر کے اختلاف کیا اور جو اللہ کی آیات سے انکار کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے۔ پھر بھی اگر وہ تجھ سے حجت کریں تو کہہ دے میں نے اور ان لوگوں نے جنہوں نے میری اطاعت کی اپنا سر تسلیم اللہ کے حضور خم کر دیا ہے اور جنہیں کتاب دی گئی ان سے اور مکہ والوں سے کہہ دے کیا تم سر تسلیم خم کرتے ہو؟ پس اگر وہ سر تسلیم خم کریں تو ہدایت پائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو تیرے ذمے تو صرف پیغام پہنچا دینا ہی ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

بعثت رسول کا مقصود برائے اتمام حجت :۔

دراصل رسولوں کو بھیجنے کا مقصود اتمام حجت ہے۔ جس کا ذکر انتہائی واضح طور پر اللہ نے یوں فرمایا۔

رسلاً مّبشّرین ومنذرین لئلاّ یکون للنّاس علی اللّٰہ حجّۃٌ بعد الرّسل (۷۶)

ترجمہ :۔ رسول بشارت دینے والے اور متنبہ کرنے والے تھے، تاکہ انسانوں کے لئے رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے۔

اللہ رب العزت کی سنت کا منہ یہ ہے کہ وہ پہلے کبھی کسی کو نصیحت نازل کرنے سے قبل ہلاک نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیتا کہ تو نے ہمارے پاس ایک رسول کو کیوں نہ بھیجا؟ تاکہ پیشتر اس کے ہم ذلیل و رسوا ہوتے تیری نشانیوں کی پیروی کر لیتے یہ اعتراض آج بھی قرآن پاک میں محفوظ ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایسے معترض انسان آج بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے ہوں آج بھی ان کے نفوس کی یہی کیفیت ہو۔ بزبان قرآن ذائیلاگ ملاحظہ ہو :۔

ولو انّآ اھلکنٰھم بعذابٍ مّن قبلہ لقالوا ربّنا لولآ ارسلت الینا رسولاً فنتّبع اٰیٰتک من قبل ان

نَّذِلَّ وَنَخْزٰی○(۷۷)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس ایک رسول کیوں نہ بھیجا تاکہ پیشتر اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے ہم تیری نشانیوں کی پیروی کر لیتے۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے اپنے ہر بندے کو اپنی واضح نشانی سے نوازا ہے تاکہ کسی کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور وہ نشانی واضح نور ہدایت ہے اس نور ہدایت کو ہر کوئی شخص اپنے اندر دیکھ سکتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اللہ نے ہمارے ہی نفسوں میں ایک رسول مبعوث فرمایا ہے جو فقط بعثت رسالت کے مقصود کو ہی پورا نہیں کرتا بلکہ ہمارے لئے فکر مند رہتا ہے اور ہماری بروقت رہنمائی فرماتا ہے۔ بالترتیب فرمان ربی ملاحظہ ہو:۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○(۷۸)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ نے صاحبان ایمان پر احسان کیا جبکہ اس نے ان میں انہی کے نفسوں میں ایک رسول مبعوث کیا، وہ ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پیشتر وہ صریح گمراہی میں تھے۔

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ○(۷۹)

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے ہی نفسوں میں ایک رسول آ چکا ہے اس پر وہ چیز بہت گراں ہے جو تمہیں برباد کرتی ہے وہ تمہارے لئے بڑا حریص ہے اور مومنوں کے ساتھ نرم دل اور رحیم ہے۔

اس طرح ہر فرد کے نفس لوامہ کی صورت یہ نور ہدایت موجود ہے جو انسان کو اس کے ہر غلط عمل پر اسے ملامت کرتا ہے۔ لیکن اگر پھر بھی وہ اپنے نفسوں پر ظلم کریں تو وہی دلیل و ہی حکم ان کے لئے حجت بن جاتا ہے اس لئے اللہ نے واضح طور پر فرما دیا کہ:۔

وَمَا کُنَّا مُھْلِکِی الْقُرٰٓی اِلَّا وَاَھْلُھَا ظٰلِمُوْنَ○(۸۰)

ترجمہ:۔ اور ہم تو کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتے سوائے اس کے جس کے رہنے والے ظالم ہوں۔

بعثت رسول کے ذریعہ اتمام حجت تو ہو چکا لہٰذا اب ہر تباہی کا سبب غفلت نفس اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام سے انحراف ہی ہے۔ جبکہ نفسوں میں موجود رسول کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ گمراہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ اس لئے نفسوں میں موجود رسول کے فرض منصبی کی حد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ○(۸۱)

ترجمہ:۔ بے شک تو ہدایت نہیں کر سکتا جس کی کہ تو چاہے۔ مگر اللہ ہی ہدایت کرتا ہے اس کی جس کی وہ چاہتا ہے اور

وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

سب کو ہدایت دے دینا اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں۔ مگر بات ہے اصول کی۔ اور اصول مذکورہ بالا آیت میں بتا دیا گیا کہ فقط رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہو سکتا جب تک کہ لوگوں میں حب الٰہی اور حسب توفیق ہدایت نہ ہو۔ تب تک ایسا ممکن نہیں۔ جنت وجہنم کا فیصلہ ہی نفوس انسانی کی کیفیت و حالت کے موافق ہوگا۔ اس نے اصول حسب کو اہمیت دیتے ہوئے حقیقت کو واضح فرما دیا:۔

ولو شئنا لآتينا كلّ نفسٍ هداها ولكن حقّ القول منّى لاملئنّ جهنّم من الجنّة والنّاس اجمعين ○ فذوقوا بما نسيتم لقآء يومكم هٰذا انّا نسينكم وذوقوا عذاب الخلدبما كنتم تعملون ○ (۸۲)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو راہ راست پر لے آتے لیکن میرا وعدہ سچا ہو کر رہے گا کہ میں ضرور جہنم کو سب جن وانس سے بھر دوں گا۔ پس مزا چکھو بسبب اس کے کہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا تحقیق ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے رہے اسی کے سبب ہمیشگی کے عذاب کا مزا چکھو۔

اس طرح اللہ اپنی حجت کو تمام کرتا ہے ان کے نفوس کو آزمائش بنا دیتا ہے لہٰذا ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جو فرد اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے تو اس کا نفس ارتفاع Sublimation کی صفت سے محروم ہو جاتا ہے اس کے قلب میں سختی آجاتی ہے اس کے لئے ہدایت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ بلندی اس کے نفس کے لئے دشوار ہوتی ہے لہٰذا وہ پستی کو اپنا مقدر بنا لیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

فمن يرد اللّٰه ان يهديهٗ يشرح صدرهٗ للاسلام ۚ ومن يرد ان يضلّهٗ يجعل صدرهٗ ضيّقًا حرجًا كانّما يصّعّد فى السّمآء ۗ كذٰلك يجعل اللّٰه الرّجس على الّذين لا يؤمنون ○ وهٰذا صراط ربّك مستقيماً (۸۳)

ترجمہ:۔ اور جسے اللہ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ بھنچا ہوا بنا دیتا ہے گویا کہ اسے آسمان کی چڑھائی درپیش ہو اس طرح ان لوگوں پر جو کہ ایمان نہیں لاتے اللہ نجاست ڈال دیتا ہے اور یہی تیرے رب کا سیدھا راستہ ہے۔

بات مذکورہ اصول طلب Principle of Demand کی ہے نفوس وصدور میں اگر ہدایت کی طلب موجود ہے تو اللہ ایسے گنجائش رکھنے والے نفوس وصدور کو ارتقاع Sublimation کی طرف لے جاتا ہے لیکن اگر ان میں گنجائش وطلب نہ ہو تو پھر ضمیر سو جاتا ہے اور انسان پستیوں Downward کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اس طرح غفلت نفس کی زد میں آنے والا فکر وبصیرت سے محروم ہو جاتا ہے۔ وہ یہ تو جانتا ہے کہ وہ آگے کی طرف بڑھ رہا ہے مگر وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ پستیوں میں آگے کی طرف بڑھ رہا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کی فکر پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔ اور وہ نفس لوامہ کی آواز سن کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ:۔

وکذٰلک مآ ارسلنا من قبلک فی قریۃٍ من نذیرٍ الّاقال مترفوھآ انّا وجدنآ اٰبآءنا علٰی امّۃٍ وانّا علٰٓی اٰثارھم مّقتدون○ قٰل اولو جئتکم باھدٰی ممّا وجدتّم علیہ اٰبآءکم قالوآ انّا بمآ ارسلتم بہٖ کٰفرون○ فانتقمنا منھم (۸۴)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جس بستی میں بھی کوئی متنبہ کرنے والا بھیجی تو اس کے دولت مندوں نے بھی یہی کہا کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو ایک روش پر پایا ہے اور ہم تو ان ہی کے نقش قدم پر چلیں گے اس نے کہا خواہ میں تمہارے پاس اس سے بہتر ہدایت لے کر آیا ہوں جس پر تم نے اپنے آباء کو پایا تھا؟ انہوں نے کہا بے شک ہم اس سے انکاری ہیں جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا پس ہم نے ان سے انتقام لیا۔

یہاں تک کہ آخرت میں بھی ان کے نفوس کی یہ کیفیت ہوگی کہ یہ الزام برائے الزام ہی دے رہے ہوں گے۔ جبکہ غفلت نفس ان کی سزا پر دلیل ہوگی۔ لیکن یہ اپنے آباء کی روش وسنت کی وہاں پر بھی وکالت کر رہے ہوں گے۔

سیقول الّذین اشرکوا لوشآء اللّٰہ مآ اشرکنا ولآ اٰبآؤنا ولا حرّمنا من شیءٍ (۸۵)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جو مشرک ہیں کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے آباء شرک نہ کرتے اور نہ ہی ہم کوئی چیز حرام ٹھہراتے۔

آج بھی کثرت لوگوں کی ایسی ہے جو آباء کی سنت کو رسول کی سنت پر ترجیح دیتی ہے۔ ان کے رسم ورواج ان کی محبت ان کو رسول سے زیادہ نعوذ باللہ عزیز ہے۔ لہٰذا یہ لوگ سنت آباء کی تقلید میں پیش پیش رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ حقیقت کو جان بوجھ کر فراموش کئے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصود حجت برائے حجت ہے ان کا حال یہ ہے:۔

واذاتتلٰی علیھم اٰیٰتنا بیّنٰتٍ مّا کان حجّتھم الآ ان قالوا ائتوا باٰبآئنآ ان کنتم صٰدقین○ قل اللّٰہ یحییکم ثمّ یمیتکم ثمّ یجمعکم الٰی یوم القیٰمۃ لاریب فیہ ولٰکنّ اکثر النّاس لایعلمون○ (۸۶)

ترجمہ:۔ اور جب ان پر ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کی کوئی حجت نہیں ہوتی۔ بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے آباء کو لے آؤ۔ کہہ دے اللہ تمہیں حیات دیتا ہے پھر وہی تمہیں موت دے گا پھر روز قیامت جس میں کہ کوئی شبہ نہیں تمہیں جمع کرے گا لیکن اکثر انسان یہ نہیں جانتے۔

اس سے پہلے کہ موت اپنی آغوش میں لے کر زندگی کو خسارے سے دوچار کر دے اور حق کی طلب فیوچر میں یعنی روز محشر میں خواہش بن کر ابھرے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو سکے اس لئے اللہ ہماری توجہ الرسول کی جانب دلا رہا ہے جو حق کے ساتھ ہمارے نفسوں میں ہے ہمیں چاہئے کہ ہم حق کی گواہی دیں اور دین میں غور کر کے اپنی خواہش نفسی کو پورا کر کے خود کو دنیاوی اور اخروی نقصان میں نہ ڈالیں بلکہ حق کی تصدیق کریں لہٰذا ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰآیّھا النّاس قدجآءکم الرّسول بالحقّ من رّبّکم فاٰمنوا خیرًا لّکم وان تکفروا فانّ للّٰہ مافی السّمٰوٰت والارض وکان اللّٰہ علیمًا حکیمًا ○ یٰآھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللّٰہ الّا الحقّ (۸۷)

ترجمہ:۔ اے بنی نوع انسان یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے الرسول حق لے کر آ چکا ہے پس تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ ایمان لے آؤ لیکن اگر تم انکار کرتے ہو تو جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ جاننے والا دانا ہے اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے متعلق سوائے حق بات کے کوئی بات نہ کہو۔

اور ضمیر انسانی میں موجود نور ہدایت کو صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ تو ان پر وکیل نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

انّآ انزلنا علیک الکتٰب للنّاس بالحق ج فمن اهتدٰی فلنفسهٖ ج ومن ضلّ فانّما یضلّ علیها ج وما انت علیهم بو کیلٍ ع ○ (۸۸)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تجھ پر سب انسانوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کی پس جس کسی نے ہدایت حاصل کی تو اپنے ہی نفس کے لئے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اپنے ہی نفس کے لئے گمراہ ہوا اور تو ان پر کوئی داروغہ تو نہیں ہے۔

دراصل رسول ہادی برحق ہوتا ہے۔ اس لئے ہدایت کی طرف بلانا ان کا مشن خصوصی ہوتا ہے اور ساتھ ہی غیر اللہ کے پیروکاروں سے احسن طریق پر نپٹنا بھی ہوتا ہے دوسری طرف انسانوں کو ہدایت طلب توفیق کی نسبت ملتی ہے۔ لہٰذا رسول کا کام فقط حق کو واضح صورت میں پیش کر دینا ہے حق کی وکالت کرنا ہے نہ کہ ان کے عمل کی۔ ان کو تو یہ کہنا ہے کہ:۔

قال یٰقوم اعملوا علٰی مکانتکم انّی عامل ج فسوف تعلمون لا ○ من یّاتیه عذاب یخزیه ویحلّ علیه عذاب مّقیم ○ (۸۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کر رہا ہوں پس جلد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ شخص کون ہے جس پر اسے ذلیل کرنے والا عذاب آیا ہی چاہتا ہے اور اس پر دائمی عذاب نازل ہونے والا ہے۔

آپ صلعم کا اسوۂ حسنہ اپنی پوری آب و تاب سے موجود ہے اور قیام قیامت تک موجود رہے گا اور ساتھ ہی منکرین حق کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آیۂ مباہلہ کی صورت میں چیلنج Challange بھی ہے ملاحظہ ہو:۔

الحقّ من رّبّک فلاتکن مّن الممترین ○ فمن حآجّک فیه من بعد ماجآءک من العلم فقل تعالوا ندع ابنآءنا وابنآءکم ونسآءنا ونسآءکم وانفسنا وانفسکم قف ثمّ نبتهل فنجعل لّعنت اللّٰه علی الکٰذبین ○ (۹۰)

ترجمہ:۔ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا پس جو کوئی تجھ سے اس بارے میں حجت کرے بعد اس کے جو تیرے پاس آ چکا ہے تو کہہ دے آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم اپنے نفسوں کو اور تم اپنے نفسوں کو بلائیں پھر ہم عاجزی سے دعا کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ نے نبتھل کا لفظ استعمال کیا ہے آیئے اس کے مفہوم کو جاننے کے لئے اس کے معنی کا

ادراک کریں۔

بھل:۔ أصل البھل کون الشئ غیر مراعی والباھل البعیر المخلی عن قیدہ. وابھلت فلانا خلیتہ وارادتہ تشبیھا بالبعیر. (۹۱)

اردومفہوم:۔ بھل:۔اس کے اصل معنی کسی چیز کا اس حال میں ہونا ہے کہ اس کی دیکھ بھال نہ کی جائے اسی سے اباھل اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پائے بند یا نشان لگائے بغیر آزاد چھوڑ دیا جائے۔اور الباھل اونٹ کے ساتھ تشبیہ دے کر ابھلت فلانا کا محاورہ استعمال ہوتا ہے جس کے معنی کسی کو اس کی رائے اور ارادہ میں آزاد چھوڑ دینا کے ہیں۔

ان معنی کے اعتبار سے آیت مذکورہ کا مقصد یہ ہوا کہ اگر منکرین واقعی حق کو نہیں پہچانتے اور خود کو معصوم گردانتے ہیں تو پھر کھل کر انتہائی عاجزی سے اللہ کے حضور اظہار کریں۔لیکن چونکہ ہر کوئی حق کو پہچانتا ہے لہٰذا مباہلہ نہ کسی نے کیا اور نہ ہی کوئی اس چیلنج کو قبول کرتا ہے۔تاہم انکار حق کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسان نے اللہ کی لعنت کو خود پر لاگو کر لیا۔ چنانچہ یہ لوگ خود اپنے ہی ہاتھوں فنا ہو جاتے ہیں۔اس طرح حق اپنی تمامیت کو پہنچ جاتا۔

(۸) منطق حق:۔

قیام انفس وآفاق میں کوئی بھی اصغر یا اکبر شے ایسی نہیں پائی جاتی کہ جس کی تخلیق میں کوئی منطق یا حکمت نہ پائی جاتی ہو۔لہٰذا کن فیکون کی Great Commands سے عالم امر، عالم خلق اور عالم حق یہ تین اکبر نظام مشترکہ صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ان تینوں عالمین کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے ان میں ہر ایک کی حیثیت اس کائنات میں انتہائی غیر معمولی ہے اس لئے ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔انسان کی محتاجی کو تو دیکھیئے کہ اگر کوئی انسان یہ کہے کہ حق کا کوئی جواز نہیں تو اس طرح کہہ دینے سے ایک طرف تو ساری کائنات بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے تو دوسری جانب نفس انسانی اس خلاء کو باطل طریقے سے پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اور باطل کے ذریعے خلاء کو پورا کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ عقل انسانی فطرت سے انکار نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کی حقیقت کو تسلیم کرتی ہے یہ تاہم اس کی منطق کو نہیں مانتی حالانکہ رب العزت نے بنی نوع انسان پر منطق حق کو انتہائی واضح طریق پر بیان فرما دیا:۔

وخلق اللہ السمٰوٰت والارض بالحق ولتجزی کل نفس بما کسبت وھم لا یظلمون○(۹۲)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا تاکہ ہر نفس اپنے کئے کا بدلہ پائے اور ان پر ظلم نہ ہونے پائے۔

منطق حق کے مقابل منطق باطل:۔

حق سے انکار کرنا تو بہت بڑی بات ہے انسان کی محتاجی کا ایک اور نظارہ دیکھیں کہ وہ منطق Logic سے نجات کو ممکن نہیں بنا سکتا۔اس لئے وہ ھوائے نفسی کا شکار ہو جاتا ہے اور یوں اپنے نفس کو معبود مانتے ہوئے منطق حق کے مقابل

منطق باطل لاتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم والفرقان مجید میں منکرین حق اپنے فلسفہ حیات سے متعلق کہتے ہیں کہ ۔

وقالوآ ماھی الاحیا تنا الدنیا نموت ونحیا وما یھلکنآ الاالدھر (۹۳)

ترجمہ:۔ اور وہ کہتے ہیں کہ فقط یہ دنیاوی زندگی ہی ہماری زندگی ہے ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں ۔ اور ہمیں تو بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے ۔

حق ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جو کہ باطل کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حق ، حق ثابت ہوجاتا ہے اور باطل اپنی بطل پرستی کے ساتھ بے نام ونشان ہو جاتا ہے صفحہ ہستی سے اس طرح مٹ جاتا ہے جیسا کہ تھا ہی نہیں ۔ ایسا اس لئے ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا قول سچا نہیں ۔ اسی حقیقت اور منطق حق کی نسبت قرآن اہل نفوس سے واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ :۔

وعد اللہ حقاً ومن اصدق من اللہ قیلاً ○ لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتاب من یعمل سوٓءًا یجزبہٖ ولا یجدلہٗ من دون اللہ ولیًّا ولا نصیرًا○(۹۴)

ترجمہ:۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ قول کا سچا کون ہوسکتا ہے؟ نہ تو تمہاری آرزوؤں کے مطابق ، اور نہ ہی اہل کتاب کی امیدوں کے مطابق ہوگا ۔ جو کوئی بھی بدعمل کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے سوا اپنے لئے کوئی دوست اور مددگار نہیں پائے گا ۔

انسان اگر خود اپنی کیفیت نفسی کا جائزہ لے یا روزمرہ مشاہدے کو اہمیت دے اور انصاف کے تحت جائزہ لے تو اسے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کوئی غیر صالح عمل کر بیٹھتا ہے کسی کی شہہ پر کسی کے اکسانے پر تو وہ بعد میں تو کف افسوس ملتا ہی ہے ۔ مگر اکسانے والا ہمیشہ بری الذمہ ہو جاتا ہے وہ کبھی بھی اس الزام کی ذمہ داری نہیں لیتا ۔ ہوں وہ مجرم کو تنہا چھوڑ دیتا ہے اس لئے قرآن نے ھوٰئ نفس کو معبود قرار دینے والوں پر سخت تنقید کی ہے کیونکہ نفس کی آواز یا شیطان کی آواز پر لبیک کہنا سراسر شرک ہے اس طرح تو بطل پرستی کے مقاصد پورے ہوتے ہیں جبکہ شیطان خود حق کی تائید کررہا ہے کیونکہ جتنا باطل حق کو پہچانتا ہے اتنا کوئی اور شاید حق کو نہیں پہچانتا ۔ اس ساری کیفیت نفسی کو اللہ نے اس طرح بیان فرمایا ہے ۔ بزبان شیطان ملاحظہ ہو :۔

وقال الشیطٰن لمّا قضی الامر انّ اللہ وعدکم وعد الحقّ ووعدتکم فاخلفتکم وما کان لی علیکم مّن سلطٰنٍ الّآ ان دعوتکم فاستجبتم لی فلا تلومونی ولوموآ انفسکم (۹۵)

ترجمہ:۔ اور جب معاملے کا فیصلہ ہو چکا تو شیطان نے کہا بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کوئی زور تو نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے فوراً ہی میری دعوت قبول کرلی پس اب مجھے الزام نہ دو اپنے آپ ہی کو الزام دو ۔

شیطان کے ڈائیلاگ حقیقت پر مبنی ہیں ۔ انسان دراصل خود اپنے نفس کے ہاتھوں ذلیل ورسوا ہوتا ہے اگر وہ اپنے نفس کو ضبط کی زنجیر پہنا دے تو بہت سارے مسائل جنم نہیں لیتے تاہم جنہوں نے حق کو پہچان لیا ان کی کیفیت نفسی

کوقرآن نے جس طرح بیان فرمایا ہے اس سے عام قاری پربھی رقت طاری ہو جاتی ہے:۔

واذا سمعوا ماانزل الی الرّسول ترٰی اعینهم تفیض من الدّمع ممّا عرفوا من الحقّ یقولون ربّنآ اٰمنّا فاکتبنا مع الشّٰهدین ○ وما لنا لانؤمن باللّٰه وما جآءنا من الحقّ ونطمع ان یّدخلنا ربّنا مع القوم الصّٰلحین ○ فاثابهم اللّٰه بما قالوا جنّٰتٍ تجری من تحتها الانهٰر خٰلدین فیها وذٰلک جزآء المحسنین ○(۹۶)

ترجمہ:۔ اور جب وہ اس کو جو رسول پر نازل کیا گیا سنتے ہیں تو تو دیکھتا ہے کہ سبب اس کے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آتے ہیں اور وہ بولتے ہیں اے ہمارے پالنے والے ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمیں بھی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور آخر ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ہے کیوں ایمان نہ لائیں اور امید نہ رکھیں کہ ہم کو ہمارا رب صالح لوگوں میں شامل کرلے گا۔ پس ان کو اللہ ان کے صلے میں ایسے باغات عطا کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہنگے اور احسان کرنے والوں کی یہی جزا ہے۔

لیکن وہ لوگ کہ جنہوں نے حق کے خلاف آواز اٹھائی، اللہ کی نشانیوں کی تکذیب کی اور غیر اللہ کے حکم کی پیروی کرتے رہے ان کے بارے میں اللہ یہ فرمارہا ہے کہ:۔

ترٰی کثیراً منهم یتولّون الّذین کفروا لبئس ماقدّمت لهم انفسهم ان سخط اللّٰه علیهم وفی العذاب هم خٰلدون ○ ولو کانوا یؤمنون باللّٰه والنّبیّ ومآ انزل الیه ما اتّخذوهم اولیآء ولٰکنّ کثیراً منهم فٰسقون ○(۹۷)

ترجمہ:۔ تو دیکھتا ہے کہ ان میں سے اکثر ان کو دوست رکھتے ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا، کیا ہی بری چیز تھی جسے ان کے نفسوں نے ان کے لئے آگے بھیجا، کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہوئے اور اگر وہ اللہ پر اور نبی پر اور جو کچھ اس پر نازل کیا گیا ایمان لے آتے تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر بدکار ہیں۔

ان برے اعمال کے سبب ان کے پاس آخرت کے لئے کچھ نہ ہوگا۔ ان کے اعمال تو راکھ کی مانند ہیں۔ لہٰذا ہوا ہو نگے ان کے پاس اس روز کے لئے کچھ نہ ہوگا۔ قرآن ان کے اعمال کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

مثل الّذین کفروا بربّهم اعمالهم کرماد ن اشتدّت به الرّیح فی یوم عاصف(۹۸)

ترجمہ:۔ اور جنہوں نے اپنے رب سے انکار کیا ان کی مثال ایسی ہے کہ ان کے اعمال راکھ کی مانند ہوں اور کسی طوفانی دن میں تیز ہوا اسے اڑا لے جائے۔

انسان قدرت کے امور میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ مگر اپنے اختیار سے اچھے اعمال کو انجام دے سکتا ہے۔ لیکن کیا کیجئے کہ انسان ہمیشہ حق کے مخالف ہی عمل پیرا رہا ہے اسی لئے مذکورہ آیت میں بصارت کو استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آج بھی اگر ہم چار سو نظر دوڑائیں تو ہمیں اسی قسم کے منکرین نظر آجا ئینگے۔ دراصل ان کی فکر و بصیرت پر پردہ

پڑ چکا ہوتا ہے لہذا انہیں باطل میں زندگی نظر آ رہی ہوتی ہے۔ ان کی پوری زندگی باطل منطق کے سہارے گزر جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب موت آتی ہے۔ تو اس وقت بھی یہ انتہائی درجہ کی گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لہذا جب روز محشور اٹھائے جائینگے تو اسی ذہنی حالت میں اٹھ کھڑے ہونگے اور ان کے روز محشور یہ ڈائیلاگ ہونگے:۔

وبرزوا للّٰہ جمیعاً فقال الضعفٰؤا للذین استکبروا انا کنا لکم تبعاً فھل انتم مغنون عنا من عذاب اللّٰہ من شیءٍ قالوا لوھدٰنا اللّٰہ لھدینٰکم سوآء علینآ اجزعنآ ام صبرنا مالنا من محیصٍ ○ (۹۹)

ترجمہ:۔ اور وہ سب اللہ کے حضور نکل کھڑے ہونگے اور کمزور متکبروں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع فرمان تھے۔ پس کیا تم ہمیں اللہ کہ عذاب سے ذرا سا بھی بچا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت کرتے ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم بے صبری دکھائیں یا صبر کریں ہمارے لئے کوئی جائے امان نہیں۔

ایسے لوگوں کے لئے واقعی کہیں بھی جائے امان نہیں ہے یہ منکرین حق اگر فدیہ کثیر مقدار میں دینا چاہینگے تو اللہ ان سے اس کو بھی قبول نہیں فرمائے گا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

☆ انّ الّذین کفروا وماتوا وھم کفّار فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھباً ولو افتدی بہٖ (۱۰۰)

ترجمہ:۔ تحقیق وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا اور حالت کفر ہی میں مر گئے ان میں سے کسی ایک سے بھی ہرگز کچھ قبول نہیں کیا جائے گا اگر چہ وہ زمین بھر سونا بھی بطور فدیہ پیش کریں۔

☆ ولا یسئل حمیم حمیماً ○ یبصّرونھم یودّ المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذٍ ببنیہ ○ وصاحبتہٖ واخیہ ○ وفصیلتہ الّتی تؤیہ ○ ومن فی الارض جمیعاً ثمّ ینجیہ ○ کلّا انّھا لظٰی ○ نزاعۃً للشّوٰی ○ تدعوا من ادبر وتولّٰی ○ وجمع فاوعٰی ○ (۱۰۱)

ترجمہ:۔ اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا ایک دوسرے کو دکھ لینے کے باوجود بھی مجرم اس دن آرزو کرے گا اے کاش وہ عذاب سے چھوٹنے کے لئے بطور فدیہ اپنے بیٹوں کو اور اپنی بیوی کو اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبہ کو جو اسے پناہ دیتا تھا اور جو کوئی بھی زمین میں ہے ان سب کو دے کر نجات حاصل کر سکے ہرگز ایسا نہ ہوگا وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کا ایک شعلہ ہوگا جو کھال کو جھلس کر ادھیڑ دے گا وہ ان لوگوں کو دعوت دے گا جنھوں نے پیٹھ پھرائی اور روگردانی کی اور مال اکٹھا کیا اور سینت سینت کر رکھا۔

جستجوئے نجات کی روداد سن کر ہر انسان یہ خواہش کرے کہ اللہ اسے دنیا میں ہی اظہار ندامت کا موقع عطا فرمائے اس طرح حق واقع ہو جائے گا اور باطل مٹ جائے گا اس کا تو مقدر ہی مٹنا ہے ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فوقع الحقّ و بطل ما کانوا یعملون ○ (۱۰۲)

ترجمہ:۔ پس حق واقع ہوا اور جو عمل انہوں نے کیا تھا، باطل ہوا۔

حق کا دستور:۔

سیاہ وسفید کا ظاہر ہو جانا دراصل حق ہے اور حق کا دستور یہ ہے کہ وہ ظاہر ہو کر رہتا ہے بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

ویرید اللّٰہ ان یحقّ الحقّ بکلمٰتہ ویقطع دابر الکٰفرین ۝ لیحقّ الحقّ ویبطل الباطل ولو کرہ المجرمون ۝ (۱۰۳)

ترجمہ:۔ اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات کے ساتھ حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی بیخ کنی کر دے تا کہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اگر چہ وہ مجرموں کو ناگوار ہی گزرے۔

حق مشیت سے وابستہ ہے۔ اور مشیت ایزدی کا یہ عالم ہے کہ مخلوق ضرور پابند ہے مگر اللہ جو کرتا ہے اس کی بابت کوئی سوال نہیں کر سکتا۔ وہ Infinite ہے۔ چار سو پھیلے ہوئے یہ انفس و آفاق بھی اسی کی مشیت ایزدی کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ امر اس وقت تک اپنی کارفرمائی دکھاتا ہے جب تک حق کو غالب نہ کر دے اس حقیقت کو اہل دانش سمجھتے ہیں۔ اور ہر شخص کو اللہ نے حواس سے نوازا ہے انہیں بھی چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کا ادراک کریں قرآن اس کا ادراک کچھ اس طرح کروا رہا ہے:۔

الم تر انّ اللّٰہ خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ان یّشا یذھبکم ویات بخلق جدید ۝ وّما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز ۝ (۱۰۴)

ترجمہ:۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے آسمان و زمین حق کے ساتھ خلق کئے اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ بات!!! اللہ کے لئے دشوار نہیں۔

بالتحقیق جو امر سے خلق اور حق کو یوں وابستہ کرتا ہے اس کے لئے نہ تو پہلی مرتبہ تخلیق کرنے میں کوئی دشواری تھی اور اب تو جبکہ حق مخلوق کے سامنے واقع ہے اب بھی اپنے امر اور حق کے تحت خلق جدید کرنے میں رب العزت کو قطعاً کوئی دشواری نہیں۔ مندرجہ بالا حوالہ جات اور انفس و آفاق کی ہیئت و نوعیت نیز اس کی نشانیاں و آثار و نتائج سب کو ملحوظ خاطر رکھا جائے تو اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے کہ حق پر اعتقاد کیوں ضروری ہے؟ پھر ہمیں اس وقت اپنی آموزش Learning میں تیزی اور سرعت محسوس ہونے لگتی ہے تب ہمیں ابراہیمؑ کا نمرود کی سلگائی ہوئی آگ میں کودنے کی حکمت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف میں تبلیغ کی صعوبتیں برداشت کرنا سمجھ میں آتا ہے۔ اور جب ہم اجڑی بستیوں کے آثار کو دیکھتے ہیں تو پھر علم قرآنی کی حقانیت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور جب نفس کی دنیا سے باہر نکل کر آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اس کا نظم و ضبط حق کے لئے دلیل بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ اور اس طرح ہمیں ہمارے سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ کہ واقعی اس کائنات میں سوائے حق کے اور کچھ نہیں۔ یوں انسان کے نفس Psyche میں ایک ہی آواز گونجتی ہے کہ: اللہ حق ہے، باقی سب باطل۔

باطل حق کا نقیض ہے۔ جو اللہ کی طرف سے ہے وہ حق ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ باطل ہے۔ کشتی کا سمندر میں چلنا، سورج کا مسخر ہونا، چاند کا منازل طے کرنا۔ پانی کا بہنا، پرندوں کا چہچہانا، موسم کے تغیرات، افلاک کا مزین ہونا، زمین و آسمان کی وسعتوں اور رفعتوں کا متوازن ہونا۔ خلائق کا منظر عام پر آنا، خاص فطرت پر بدستور رہنا نیز خلائق میں جذبۂ بقاء کا ہونا، مگر مخلوق کا محبت وانسیت کے جذبے سے سرشار ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ سرا سر حق نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر دنیاوی زندگی میں یہ سارے دلائل ایسے نفوس کے لئے جو شیطانی وساوس کا شکار ہوتے ہیں بطور آزمائش بنادیئے جاتے ہیں۔ لیکن جو صاحب علم ہیں وہ وسوسہ کے باوجود بھی حق کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ قرآن میں ان دونوں نفوس کے حامل لوگوں کی کیفیت کو بیان کیا ہے تا کہ حق و باطل کو اپنانے والے منظر عام پر آجائیں:۔

لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَۃِ قُلُوْبُھُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۝ وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُھُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ (۱۰۵)

ترجمہ:۔ تا کہ وہ ان کو جو شیطان نے ڈالے ہیں ان لوگوں کے لئے آزمائش بنادے جن کے دلوں میں مرض ہے اور جو سنگدل ہیں۔ اور بے شک ظالم حد درجہ مخالف ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ وہ لوگ جنہیں علم دیا گیا ہے جان لیں کہ تیرے رب کی طرف سے یہ حق ہے پس وہ اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے قلوب اس کے لئے جھک جائیں جو لوگ ایمان لائے بے شک اللہ ان لوگوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

جبکہ جو اہل کتاب ہیں۔ ان کے باطن کی کارفرمائیوں اور ان کی نفسی کیفیتوں کے بارے میں اللہ ان کی زبان سے کہلوانا چاہ رہا ہے۔ حالانکہ وہ خود جانتا ہے مگر دوسرے لوگوں کو ظاہر کرنے کے لئے اور خود ان پر ان کے نفوس پر حجت کی تمامیت کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاَنْتُمْ تَشْھَدُوْنَ ۝ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ع (۱۰۶)

ترجمہ:۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا انکار کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم ان کا خود مشاہدہ کر رہے ہو۔ اے اہل کتاب تم حق کو باطل کا لباس کیوں پہناتے ہو۔ اور تم حق کو جان بوجھ کر کیوں چھپاتے ہو؟

ان آیات سے تکذیب کرنے والے افراد کے نفوس کی باطنی کیفیت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ یہ کس قدر منافقت کے ساتھ پیش آتے ہیں فقط اس مقصد کی خاطر کہ شاید اہل کتاب ہونے کے ناطے دیگر لوگ بھی ان کی گمراہ کردہ باتوں پر یقین کرلیں۔ چونکہ انہیں بے شعوری کی زندگی پسند ہے اس لئے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ دیگر افراد بھی اسی بے شعوری ثقافت کا حصہ بن جائیں جو کہ دائمیت کی صفت نہیں رکھتی جس میں کوئی خوشی خوشی نہیں ہوتی۔ اسی لئے بعض اوقات درندگی سے بھی بدتر ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ خالق نہ ہوتے ہوئے بھی خالق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس میں وہ ہر طرح سے بالخصوص نفس وضمیر کے حوالے سے خود کو عاجز قرار پاتا ہے مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا شاید اسے اپنی انا بری

عزیز ہوتی ہے۔قرآن میں ان ہی لوگوں کی تمنا کا ذکر کیا ہے اور انہیں و ما یشعرون کا خطاب بھی دیا ہے۔ :۔

ودّت طّآئفة مّن اهل الکتٰب لویضلّونکمؕ وما یضلّون الّآ انفسهم وما یشعرون○(۱۰۷)

ترجمہ:۔ اہل کتاب کے ایک گروہ کی تمنا ہے کہ وہ تمہیں گمراہ کردیں اور وہ سوائے اپنے آپ کے کسی اور کو گمراہ نہیں کرتے، پر ان کو اس کا شعور نہیں۔

حالانکہ یہ لوگ حق کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

الّذین اٰتینٰهم الکتٰب یعرفونهٗ کما یعرفون ابنآء همؕ وانّ فریقا مّنهم لیکتمون الحقّ وهم یعلمون○ الحقّ من رّبّک فلا تکوننّ من الممترین○ؑ(۱۰۸)

ترجمہ:۔ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پہچانتے ہیں۔ جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔مگر ان کا ایک گروہ حق کو دانستہ چھپاتا ہے۔حق تو تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہوجانا۔

گوکہ حق ان پر واضح ہے مگر فقط حسد کی بناء پر یہ ایمان لانے والوں کو کفر کی جانب لانا چاہتے ہیں۔سورۃ محمد میں اللہ نے اس قانون کی وضاحت کردی ہوئی ہے کہ حق کی پیروی ایمان کی علامت اور باطل کی پیروی کفر کی علامت ہے۔یہ ایک مطلق سچائی ہے۔جس کا ذکر رب کریم نے یوں فرمایا:۔

الّذین کفروا وصدّوا عن سبیل اللّٰه اضلّ اعمالهم ○ والّذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت واٰمنوا بما نزّل علٰی محمّدٍ وّهوالحقّ من رّبّهمۙ کفّر عنهم سیّاٰتهم واصلح بالهم ○ ذٰلک بانّ الّذین کفروا اتّبعوا الباطل وانّ الّذین اٰمنوا اتّبعوا الحقّ من رّبّهم کذٰلک یضرب اللّٰه للنّاس امثالهم ○(۱۰۹)

ترجمہ:۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا تو اس نے ان کے اعمال ضائع کردیئے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالح بجالائے اور اس پر بھی ایمان لائے جو کہ محمد پر نازل کیا گیا اور جو یقیناً ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔تو اس نے ان کی برائیاں دور کردیں اور ان کی حالت کو سنوار دیا۔ یہ اس لئے کہ وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے باطل کا اتباع کیا اور وہ لوگ جو ایمان لائے انہوں نے حق کا اتباع کیا جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے،اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے۔

آج کا انسان اگر اپنے نفس پر احسان کرنا چاہتا ہے تو پھر حق اور باطل کے اس نازک فرق کو سمجھے تاکہ جائز و ناجائز کی حدود، سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے کی صلاحیت اجاگر ہو سکے۔کیونکہ ھدیٰ وضلال اور سچ اور جھوٹ،حلال و حرام میں کوئی ہم آہنگی نہیں پائی جاتی۔اس حقیقت کے ادراک کو یقین تک پہنچانے کے لئے زمین کی سیر کا حکم دیگر احکامات کے ساتھ دیا جارہا ہے تاکہ تکذیب کرنے والوں کی عاقبت کو پیش نظر رکھ کر کوئی قدم اٹھایا جائے۔

ولقد بعثنا فی کلّ امّةٍ رّسولا ان اعبدوا اللّٰه واجتنبوا الطّاغوتؐ فمنهم مّن هدی اللّٰه ومنهم مّن حقّت علیه الضّلٰلةؕ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذّبین○(۱۱۰)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو پس

دنیا کی سیر کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اس بحث و جائزہ سے یہ بات ہمارے سامنے آتی ہے کہ حق پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ:۔

۱) کیا ہماری غیر صالح ثقافت کے بھیانک نتائج یہ ثابت نہیں کرتے کہ حق زندگی کا اور باطل بربادی کا نام ہے؟

۲) کیا ہمارے نفوس بالخصوص ضمیر، نفس لوامہ حق کے آئینہ دار نہیں؟

۳) کیا کائنات کی اصغر و اکبر شے کا نظم و ضبط اور توازن حق کی علامت نہیں؟

۴) کیا زمین کی اجڑی بستیاں کھنڈرات کی صورت میں مکذبین کی عاقبت کا منظر پیش نہیں کرتیں؟

۵) ذرا سوچیں!!! کیا آج ہم اہل کتاب ہوتے ہوئے حق پر مطلوبہ اعتقاد رکھتے ہیں؟

۶) کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ہجرت مدینہ برائے حق کی تقلید کے بجائے ہجرت برائے ھدیٰ نفس کر رہے ہوں؟

۷) آئیں ذرا اپنا محاسبہ کریں اور جائزہ لیں کہ کہیں درج ذیل آیت ہمارے عمل کی عکاسی تو نہیں کر رہی؟

انّ الّذین امنوا ثمّ کفروا ثمّ امنوا ثمّ کفروا ثمّ ازدادو کُفراً لّم یکن اللّٰہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلاًO(۱۱۱)

ترجمہ:۔ تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر منکر ہوئے پھر اپنے کفر میں زیادتی کرتے چلے گئے اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا اور نہ ہی انہیں راہ دکھائے گا۔

حق کی وسعت:۔

وھو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ و یوم یقول کن فیکون(۱۱۲)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا حق کے ساتھ اور جس دن وہ کہتا ہے کہ ''ہو جا'' پس وہ ''ہو جاتی'' ہے۔

خلق حق کے بنا ممکن ہی نہیں۔ حق موجودات خلائق اور زماں و مکاں کے آغاز و بقاء اور انجام کا خاصہ ہے۔ یہ رونق حیات بزم کائنات، یہ حسن بے مثل، یہ ذرہ کی لاثانیت، یہ ارض وسماں کی زینتیں، یہ فطرت و جبلت، یہ تڑپ یہ امنگ، یہ اطاعت یہ شجاعت الغرض یہ علت یہ اسباب یہ علم یہ آثار سب اسی کے واقع ہونے کا ثبوت ہیں۔ اور اس پر وسعت، اور وسعت حق کا یہ حال ہے کہ آغاز بھی ہے انجام بھی، آزادی بھی ہے مشروطیت بھی، غیب بھی ہے شہود بھی، زماں بھی ہے مکاں بھی، لیل بھی ہے نہار بھی، سایہ بھی ہے دھوپ بھی، زندگی بھی ہے موت بھی اور پھر بعث بعد الموت بھی یہ سب کچھ وسعت حق کے مظاہر نہیں اور کیا ہیں؟

وسعت نوعیت کا یہ حال ہے کہ تغیر بھی ہے ساکن بھی، ثبات بھی ہے اور فنائیت بھی، کیاص بھی ہے ترتیب بھی، گردش بھی ہے قرار بھی، جداگانہ بھی ہے ہم آہنگ بھی، اخلاف بھی ہے توازن بھی، گہما گہمی بھی ہے نظم و ضبط بھی، خیر بھی

ہی حق قائم ہو جاتا ہے۔

اس عالم حدوث میں باطل کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ کائنات کا نظام اسی طرح سے چلا آ رہا ہے جس طرح سے اس کا آغاز کیا گیا تھا۔ اگر اس کائنات میں دو خالق ہوتے یا جدید دور کے لوگ اس ثنویت Dualism کو Mind & Body Dualism کا نام دیتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً اس کائنات میں کئی خوفناک جنگیں ہو چکی ہوتیں۔ کبھی سورج مشرق سے نکلتا اور کبھی مغرب سے۔ مگر ایسا فساد انسانی تاریخ کا کبھی حصہ نہیں رہا۔ ایسا اس لئے کہ کائنات میں سوائے ایک اللہ کے کسی اور کا تصور ہی نہیں پایا جاتا خود قرآن میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

لو کان فیھمآ اٰلھۃ الّا اللّٰہ لفسدتاۚ فسبحٰن اللّٰہ ربّ العرش عمّا یصفون ○ لا یسئل عمّا یفعل وھم یسئلون ○ (۱۱۵)

ترجمہ:۔ اگر ان میں اللہ کے علاوہ دوسرے معبود بھی ہوتے تو ان دونوں میں ضرور فساد برپا ہوتا۔ پس رب العرش ان صفات سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ اس کے متعلق سوال نہیں کیا جا سکتا جو وہ کرتا ہے۔ مگر ان کی پرسش ہوگی۔

دراصل یہ لوگ اللہ کو اپنی ذات اور نفس و ذہن کی خباثت کے حجاب میں دیکھتے ہیں۔ اگر یہ اپنے حجاب کو اتار کر دیکھیں تو مخلوق کو خالق کی صفت سے متصف کبھی نہ کریں۔ کیونکہ اللہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ اور اس بات کا علم اللہ نے ہر انسان کو عطا کیا۔ اور چیلنج بھی کیا کہ اگر کوئی معبود ہے تو پھر اس پر دلیل پیش کرو۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ام اتّخذوا من دونہٖ اٰلھۃً قل ھاتوا برھانکمۚ ھٰذا ذکر من مّعی وذکر من قبلیؕ بل اکثرھم لایعلمون الحقّ فھم مّعرضون ○ ومآ ارسلنا من قبلک من رّسولٍ الّا نوحیٓ الیہ انّہٗ لآ الٰہ الّآ انا فاعبدون ○ (۱۱۶)

ترجمہ:۔ یا انہوں نے اس کے علاوہ معبود گردان لئے ہیں؟ کہہ دے کوئی اپنی دلیل محکم پیش کرو یہ پیغام تو ان کے لئے ہے جو میرے ساتھ ہیں اور ان کے لئے بھی تھا جو مجھ سے پہلے تھے مگر ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے پس وہ روگردانی کرتے ہیں اور جس کسی رسول کو بھی ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اس پر ہم نے یہی وحی کی کہ تحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کرو۔

اس لامتناہی کائنات میں صرف اللہ ہی کی ذات بندگی کے لائق ہے تاہم اس لامحدود وسعتوں میں روحانی محرکات، مہیجات، جبلت، فطرت، ہدایت، سنت، حدودیت اور قدرت کی کرشمہ سازیوں کے ایسے پراسرار جزیرے آباد ہیں کہ جو ہمیں اس کی وسعتوں کی پنہائیوں کے سربستہ رازوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ انسان ان رازوں کو اپنی محدود علمی قوت و رسائی سے اس زماں و مکاں اور پھر لامکان کی دنیاؤں کو تسخیر کرنے سے عاجز ہے۔ بالخصوص اس زمین پر Time Zone کا مختلف ہونا ہمارے لئے کسی معجزے سے کم نہیں۔ ان میں سے کچھ کا تعلق ماضی سے اور کچھ کا حال سے ہے یعنی حضرت نوحؑ کا ۹۵۰ برس رسالت کے عہدے پر فائض رہنا، اصحاب کہف کو غار میں نیند کا طاری ہو جانا، حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں ایک شخص کا پلک جھپکنے میں ملکہ سبا کا تخت حاضر کرنا، ایک اللہ کے بندے کا علم لدنی

کے ذریعے مستقبل کو جاننا، ملائک وجن کا نزول و وجود اور ماضی و حال دونوں کے اعتبار سے عالم برزخ کا ہونا، مادر رحم میں تین اندھیروں کے درمیان نشو ونما پانا اور قرآن پڑھنے والے اور منکرین آخرت کے درمیان حجاب ونور کا ذوالناحق کی ایسی پر اسرار وسعتیں ہیں کہ جو انسان کے لئے نا قابل یقین ضرور ہو سکتی ہیں مگر حقیقتوں کی صورت میں موجود ہیں۔ خواہ وہ اللہ کی جانب سے ایک بندہ پر سو برس تک موت کا طاری رہ کر زندہ کرنا ہو یا حضرت ابراہیمؑ کا پرندوں کو زندہ کرنے جیسے معجزات ہی کیوں نہ ہوں یہ سب قدرت کی صناعی کے کرشمے ہی نہیں بلکہ حق کی وسعت کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

قرآن کے عجائبات وغرائب اور علم وفہم کے لئے نئی جہات

آیئے قرآن کے عجائبات وغرائب کا مطالعہ کریں جسے ہم قرآنی سائنس کا نام بھی دے سکتے ہیں۔ تاکہ حق کی وسعتوں کا ادراک یقین کی سطح تک کرسکیں۔

۱) حضرت نوحؑ کی طبعی عمر کے زیادہ ہونے کا رازِ حکمت:۔

حضرت نوح کی طبعی عمر اور قوم کی بھی لمبی عمر ہونا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جو ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ اس وقت ماحول میں آلودگی کا کیا تناسب تھا؟ اس قوم کا اخلاقی معیار کیسا تھا؟ کیا کھانا پینا یعنی غذا کا استعمال انتہائی شرعی وسائنسی اصولوں پر مبنی تھا؟ جسمانی، نفسیاتی اور روحانی بیماریوں کا تناسب کیا تھا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو سائنس کے طالب علم کو اس جانب ابھارتے ہیں۔ لیکن جب ہم قرآن کی روشنی میں فقط نفسیاتی حوالے سے جائزہ لیتے ہیں تو اس کا جواب مہلت وآزمائش ہے۔ اس طرح ہمیں فقط نفسیاتی اور روحانی قدریں غیر متوازن نظر آتیں ہیں۔ یعنی توحید کے بجائے شرک کی فضا۔ اسی سبب انہیں طوفان نے آلیا جس کا ذکر اللہ نے یوں فرمایا ہے۔

ولقد ارسلنا نوحاً الی قومه فلبث فیهم الف سنةٍ الّا خمسین عاماً فاخذهم الطّوفان وهم ظٰلمون ○ فانجینه واصحٰب السّفینة وجعلنٰهآ اٰیةً لّلعٰلمین ○ (۱۱۷)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان میں ۹۵۰ برس تک رہا پھر انہیں طوفان نے آلیا اور وہ ظالم تھے۔ پس ہم نے اسے اور اصحاب سفینہ کو نجات دی اس کو عالمین کے لئے ایک نشانی قرار دیا۔

نوح:۔ نوح اسم نبی والنّوح مصدر ناح ای صاح بعویل، یقال ناحت الحمامة نوحاً (۱۱۸)

اردو مفہوم:۔ نوح، ایک نبی نام ہے۔ دراصل یہ نوح، ناح ینوح کا مصدر ہے جس کے معنی بلند آواز کے ساتھ گریہ کرنے کے ہیں۔ محاورہ ہے ناحت الحمامة نوحاً۔ فاختہ کا نوحہ کرنا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان کی اتنی لمبی عمر کیسے ہو سکتی ہے؟ قرآن نے اس کا جواب کچھ اس انداز سے دیا:۔

وما کان لنفسٍ ان تموت الّا باذن الله کتٰباً مّؤجّلاً ط ومن یّرد ثواب الدّنیا نؤته منهاج ومن یّرد ثواب الاٰخرة نؤته منهاط وسنجزی الشّٰکرین ○ (۱۱۹)

ترجمہ:۔ اور کوئی نفس نہیں مر سکتا بغیر اللہ کے حکم کے جو کہ ایک لکھی ہوئی مقررہ مدت ہے اور جو ثواب دنیا کا طلبگار ہو گا تو ہم اس کو اسی میں سے کچھ دے دیں گے اور جو ثواب آخرت کا طلبگار ہو گا اسے ہم اس میں سے دینگے اور شکر گزاروں کو ہم جلد جزا دینگے۔

تاہم یہ طبعی عمر موجودہ سائنسدانوں کے لئے بھی اور دیگر لوگوں کے لئے بھی ایک نشانی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ ایسا نظام فکر وعمل اختیار کریں جو جسمانی، نفسیاتی اور روحانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ بیرونی ماحول کی کثافت اور آلودگی سے پاک ماحول کی تشکیل کر سکے۔ قرآن نے ہماری توجہ اسی جانب مبذول کرائی ہے۔

۲) غاروالوں کا طویل عرصۂ نوم کے بعد قانون نشور رحمت کا اطلاق:۔

قرآن غار والوں اور کتبے والوں کو ارض کی عجیب نشانی قرار دیتا ہے۔ یہ چند افراد پر مشتمل تھے۔ ان کی قوم شرک میں مبتلا تھی۔ لہٰذا اپنے ایمان کو بچانے کی خاطر انہوں نے کنارہ کشی کا سوچا اور ایک غار میں پناہ لی۔ اس کا ذکر قرآن میں کچھ اس طرح کیا گیا ہے کہ۔

ام حسبت انّ اصحٰب الکھف والرّقیمۙ کانوا من اٰیٰتنا عجباً○ اذ اَوَی الفتیة الی الکھف فقالوا ربّنآ اٰتنا من لّدنک رحمةً وّھیّیٔ لنا من امر نا رشداً○ فضربنا علٰٓی اٰذانھم فی الکھف سنین عدداًۙ○ ثم بعثنٰھم لنعلم ایّ الحزبین احصٰی لما لبثوآ امداً○ؑ نحن نقصّ علیک نباھم بالحقّؕ (۱۲۰)

ترجمہ:۔ کیا تو گمان کرتا ہے کہ غار والے اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟ جب نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انہوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنی جانب سے رحمت عطا کر۔ اور ہمارے لئے ہمارے معاملہ کی درستگی کے اسباب بنا پس ہم نے ان کے کان تھپک کر انہیں سالہا سال غار میں رکھا۔ پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ ان دونوں میں سے کون سا گروہ ان کی مدت قیام کا شمار کر سکتا ہے؟ ہم تجھے ان کے صحیح حالات سناتے ہیں۔

(i) قانون نشور کا اطلاق بسبب دعائے نظام رحمت:۔

دراصل یہ نشانی قانون نشور رحمت کے سبب ہے جس کی انتہا کو جاننے کے لئے انسان کو شاید قیامت تک انتظار نہ کرنا پڑے کیونکہ یہ نظام توکل کی طرح آج بھی موجود ہے اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اسوۂ حسنہ موجود ہے۔ جو ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ایمان کو بچانے کے لئے مشرکوں سے دوری اختیار کرنے کے لئے اگر غاروں میں جا کر بھی رہنا پڑے تو شہر کو خیر باد کہہ دیا جائے۔ تو جو کوئی بھی اللہ پر ایمان کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے یا مشرکین کے ظلم کے سبب ایسا کرے تو اللہ اسے اپنے نشر رحمت کے نظام کے تحت پروان چڑھاتا ہے۔ اس واقعہ سے یہی بتانا مقصود ہے کہ جو رب ان کو ۳۰۹ سال تک پروان چڑھا سکتا ہے تو کیا طبعی عمر کے لحاظ سے پروان نہیں چڑھا سکتا۔ قرآن میں اس کا ذکر رب کریم نے یوں فرمایا کہ۔

واذا اعتزلتموھم وما یعبدون الّا اللہ فاوٗا الی الکھف ینشرلکم ربکم مّن رّحمتہٖ ویھیّی لکم مّن امرکم مّرفقاً۝(۱۲۱)

ترجمہ:۔ اور جب تم نے ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور غار میں پناہ لے لی تو تمہارا پروردگار تمہارے لئے اپنی رحمت کو پھیلا دے گا اور تمہارے معاملے میں سہولت کے اسباب فراہم کر دے گا۔

نشر:۔ النّشر نشر الثّوب والصّحیفۃ والسّحاب والنّعمۃ والحدیث بسطھا، ونشر المیّت نشورا. والنّشر الکلا الیابس اذا اصابہ مطر فینشرای یحیا فیخرج منہ شیء کھیئۃ الحلمۃ.(۱۲۲)

اردو مفہوم:۔ نشر:۔النشر کے معنی کسی چیز کو پھیلانے کے ہیں کپڑے اور صحیفے کے پھیلانے بارش اور نعمت کے عام کرنے اور کسی بات کے مشہور کر دینے پر بولا جاتا ہے۔نشر المیت نشورا کے معنی میت کے زندہ ہونے کے ہیں۔ نیز النشر خشک گھاس کو کہتے ہیں جو بارش کے بعد سرسبز ہو کر پھیل جائے اور رس سے سرپستان کی سی کونپلیں پھوٹ نکلیں۔

(ii) نفس انسانی کی نسبت قانون نشور کا اطلاق:۔

یہ حقیقت اصحاب کہف کے واقعے میں نمایاں نظر آتی ہے کہ نفس انسانی میں موجود سوچ ارتفاع Sublimation اور پستی Downward جیسے وصف کی نسبت پر ہی قانون نشور کا اطلاق ہوتا ہے۔اصحاب کہف اس حقیقت ولطافت کا ادراک کر چکے تھے اس لئے رحمت کے لئے دعا کی اور نفسی نسبت کے تحت نعرہ یہ لگایا کہ:۔

لن ندعوا من دونہٖ الٰھاً لّقد قلنآ اذاً شططاً۝(۱۲۳)

ترجمہ:۔ ہم اس کی علاوہ کسی معبود کو ہرگز نہ پکاریں گے اگر ہم ایسا کریں گے تو بلاشبہ ہم بڑی بے عقلی کی بات کریں گے۔

معاً نفس کی اس منزل پر پہنچنے والوں کے لئے پھر اللہ نے نشور رحمت کو پھیلا دیا۔ جو کوئی اس منزل پر پہنچے گا تو اللہ کا یہ قانون نشور رحمت کا اطلاق شروع ہو جائے گا۔لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایسا ہی واقعہ دوبارہ ہوگا، یہ تو اللہ کی نشانی تھے۔جس کا مقصد یہ تھا کہ زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے کسی اور کے اختیار میں نہیں ارشاد ربانی ہوتا ہے:۔

واتّخذوا من دونہٖ الٰھۃً لّا یخلقون شیئاً وّھم یخلقون ولا یملکون لانفسھم ضرّاً وّلا نفعا وّلا یملکون موتاً وّلا حیٰوۃً وّلا نشوراً۝(۱۲۴)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے اس کے علاوہ معبود بنا لئے ہیں جو کوئی شے خلق نہیں کرتے بلکہ خود خلق کیے گئے ہیں۔اور اپنے نفوس کے لئے کسی نقصان یا نفع پر اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی موت وحیات اور دوبارہ جی اٹھنے پر اختیار رکھتے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان حیات،موت اور بعث بعد الموت کسی پر بھی کوئی قدرت نہیں رکھتا۔اسی لئے اللہ نے غار والوں کو ۳۰۹ سال تک حالت نوم میں رکھا جو ہم انسانوں کے لئے انتہائی حیران کن ہے۔اور اہل علم

کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور فقط رب العالمین کی ایک نشانی ہے۔ اللہ نے ان کی رہنمائی نفسی شعور کے طفیل ایسے ٹھکانے کی طرف فرمائی کہ جہاں وہ اطمینان سے رہ سکیں۔ کشادہ ہو، ہوادار ہو، تاکہ نہ ہی دم گھٹے اور نہ ہی دھوپ لگے۔ شمال رویہ سمت کی وجہ سے وضع وہیت دونوں بہتر تھیں۔ اس عجیب غار کی راہ بتلانا درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوسکتا تھا بے شک تمام ظاہری وباطنی رہنمائی سب اسی کے قبضے میں ہیں۔ قرآن میں اس رحمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

وتری الشّمس اذا طلعت تّزٰور عن کھفھم ذات الیمین واذا غربت تّقرضھم ذات الشّمال وھم فی فجوۃٍ مّنہ ؕ ذٰلک من اٰیٰت اللّٰہ ؕ(۱۲۵)

ترجمہ:۔ اور تو سورج کو دیکھتا ہے کہ جب وہ طلوع ہوتا تھا تو ان کے غار کے داہنی جانب سے ہٹ کر گزرتا تھا اور جب غروب ہوتا تھا تو ان کو بائیں جانب چھوڑ جاتا تھا۔ اور وہ اس غار کے اندر ایک کھلے حصہ میں پڑے رہے یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔

سورج کے طلوع ہونے اور اس کے غروب ہونے کا اثر دیگر سمتوں پر کس طرح پڑتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جو اہل ارضیات اور اہل طبیعات کے لئے ضرور ایک چیلنج ہے۔ لیکن ساتھ ہی غار کا ماحول ظاہری و باطنی دونوں اہل طب کے لئے بھی ایک بڑا چیلنج ہیں۔ نیز یہ کہ سورج کئی لگ بھگ ۳۵۰ زاویوں سے طلوع ہوتا ہے مگر وقت پر اثر نہیں پڑتا وہ یکساں رہتا ہے۔ یہ بھی قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔ جو ہمیں اس کے نظام ربوبیت کا پتہ دیتی ہے۔ اور دوسری جانب اللہ کی ملکیت کی وسعت کا پتہ دیتی ہے جس کا کنارہ نہیں۔ روز اول سے لے کر ذوالقرنین (۱۲۶) تک اور ذوالقرنین سے لے کر قیامت تک کوئی اس وسیع کائنات کا کنارہ نہ پا سکا ہے اور نہ ہی پا سکے گا۔

(iii) جسمانی کیفیت اور غار کے ماحول کا تاثر:۔

قرآن حکیم والفرقان حمید نے اصحاب کہف کی جسمانی حالت مع نفسی کیفیت کو جس طرح سے بیان کیا ہے وہ بھی اہل طب ونفسیات کے لئے ایک عجیب نشانی کے طور پر ہے اور یہ چیلنج بھی ہوسکتا ہے تاکہ اس سے تحقیق کے نئے باب کھل سکیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وتحسبھم ایقاظاً وّھم رقودٌ ۖ ونقلّبھم ذات الیمین وذات الشّمال ۖ وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید ؕ لو اطّلعت علیھم لولّیت منھم فراراً وّلملئت منھم رعباً ○(۱۲۷)

ترجمہ:۔ اور تو انہیں جاگتا ہوا گمان کرتا رہا حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ اور ہم انہیں دائیں جانب اور بائیں جانب پہلو بدلواتے رہے اور ان کا کتا غار کے دہانے پر بازو پھیلائے بیٹھا رہا اور اگر تو انہیں جھانک کر دیکھتا تو ان سے الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوتا۔ اور ان کی دہشت سے لبریز ہو جاتا۔

تفسیر عثمانی میں کتے کی حکمت کا تذکرہ بھی ماحول کے تاثر کے ضمن میں کیا گیا ہے:۔

کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر انکے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے کہ جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان لوگوں میں شان ہیبت وجلال اور اس مکان میں دہشت رکھی تاکہ لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔

وللہ در السعدی وشیرازی۔

پسر نوح بابداں بنشست   خاندان بنوتش گم شد

سگ اصحاب کہف روزے چند   پئے نیکاں گرفت مردم شد   (۱۲۸)

بعض اوقات حالت نوم میں مریض قومے میں چلا جاتا ہے اور کئی کئی ماہ وسال بستر پر پڑے رہتے ہیں۔ لیکن پھر کچھ عرصے بعد زندگی کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ مگر کیا اصحاب کہف کا کروٹیں بدلنا ہماری فکر کو کسی اور زاویہ کی طرف جلا نہیں بخش رہا ہے؟

یہ صورت حال واقعی اہل طب ونفس کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے کیونکہ ان کی نوم جاگنے پر دلالت کرتی ہے۔ حالانکہ نوم سے مراد:۔

نوم:۔ النَّوم فسر علی أوجه كلّها صحيح بنظرات مختلفة قيل هو استرخاء اعصاب الدّماغ برطوبات البخار الصّاعد اليه وقيل هو ان يتوفى الله النفس من غير موت. وقيل النّوم موت خفيف والموت نوم ثقيل.(۱۲۹)

اردو مفہوم:۔ نوم:۔ نیند، اس کی تفسیر مختلف اعتبارات سے تمام وجوہ صحیح ہوسکتیں ہیں، کی گئی ہے بعض کہتے ہیں کہ بخارات کی رطوبت سے اعصاب دماغ ڈھیلا ہونے کا نام نوم ہے اور بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا بغیر موت کے روح کو قبض کر لینے کا نام نوم ہے بعض نے کہا کہ نوم کو موت خفیف اور موت کو نوم ثقیل کہتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مردہ اور سوتا برابر ہے۔ لیکن اصحاب کہف کے ضمن میں ذہن انسانی میں چند سوالات ابھرتے ہیں کہ جب اللہ نے ان پر نوم کو طاری کیا تو:۔

☆ کیا وہ Time Zone کی زد میں نہیں آئے؟

☆ کیا ان پر آسمان وزمین کی غیوب میں سے کسی نظام کا اطلاق ہوا؟

☆ کیا ان کی شعوری ونفسی حالت ہمارے موجودہ زمین کے وقت کو بیان نہیں کر رہی؟

اس واقعہ میں Time Zone کا مختلف ہونا ہمارے لئے تحقیق ودریافت کے سلسلے کو بڑھانے کی طرف ترغیب دیتا ہے اور دوسرے بعث بعد الموت کے وقت انسان کی شعوری ونفسی حالت کی نسبت کو ظاہر کرانا مقصود ہے اور ان دونوں کا مقصود یہ ہے کہ ہم انسان اپنی فکر ونظر کو عالم الغیوب کے بتائے ہوئے نظام پر مرکوز کریں شاید کہ اسی طرح دنیوی واخروی فلاح کے حصول کے ضامن بن سکیں۔

(iv) نشور بعد النوم اور اصحاب کہف کی نفسی وشعوری حالت:۔

اصحاب کہف کے اجسام تو موجودہ Time Zone کی زد میں نہیں آئے لیکن ایک ہی ماحول میں دو طرح کے اثرات کا پایا جانا یہ ایک عجیب نشانی ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ان کی شعوری و نفسی حالت اسی طرح برقرار ہے جس طرح کہ نیند سے قبل تھی یعنی شعور و نفس اس وقت Static ہو گیا تھا مگر مکمل طور پر نہیں بلکہ اس طرز پر جس طرح کہ نیند میں دماغ کی حالت ہوتی ہے۔ اس حالت وکیفیت کا ذکر خود بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

وکذٰلک بعثنٰھم لیتسآء لوا بینھمؕ قال قائلٌ مّنھم کم لبثتمؕ قالوا لبثنا یوماً او بعض یومٍؕ قالوا ربّکم اعلم بما لبثتمؕ فابعثوآ احدکم بورقکم ھٰذہٖ الی المدینۃ فلینظر ایّھا ازکیٰ طعاماً فلیاتکم برزقٍ مّنہ ولیتلطّف ولا یشعرنّ بکم احداً ○ انّھم ان یّظھروا علیکم یرجموکم اویعیدوکم فی ملّتھم ولن تفلحوآ اذاً ابداً ○ (۱۳۰)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا کہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم لوگ کتنی دیر ٹھہرے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ انہوں نے کہا کہ تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ تم کتنی دیر ٹھہرے پس اپنے میں سے کسی ایک کو اس سکہ کے ساتھ شہر کی طرف بھیجو پس چاہئے کہ وہ دیکھے کہ کونسا کھانا زیادہ پاک ہے اور اس میں سے تمہارے لئے کھانا لے آئے پس چاہئے کہ وہ محتاج رہے اور تمہارے متعلق کسی کو بھی خبر نہ ہونے پائے بالتحقیق اگر انہیں تمہارا پتہ چل گیا تو وہ تمہیں سنگسار کر ڈالیں گے یا تمہیں اپنے دین میں واپس لے جائیں گے اور پھر تو تم ہرگز کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

مذکورہ آیات اس بات کی ترجمان ہیں کہ اصحاب کہف جس خوف کی وجہ سے پناہ کی خاطر غار میں آئے تھے ان کی نفسی وشعوری حالت اسی طرح برقرار ہے وہ طویل عرصے کو بھی محسوس نہ کر پائے بلکہ طبعی عادت وقانون کے تحت ہی مدت کا گمان کیا فزکس میں Twins Paradox اس کی مثال ہے جس میں ایک شخص زمین پر رہتا ہے اور دوسرا اٰنٹس خلاء میں سیر کے لئے جاتا ہے زمین والا بوڑھا ہو جاتا ہے جبکہ خلاء والا اسی طرح ہوتا ہے جس طرح کہ اس سے آخری مرتبہ ملا تھا۔ اس میں کتنی حقیقت ہے یا نہیں اس پر بحث مقصود نہیں۔ بات ربوبیت کے نظام اور نشور رحمت کی ہے۔ جس کے سبب اللہ اس کا کارخانۂ قدرت کو چلا رہا ہے اور یہ وہ حقیقت ہے کہ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا جواب قرآن خود دے رہا ہے:۔

ولبثوا فی کھفھم ثلٰث مائۃٍ سنین وازدادوا تسعاً ○ قل اللّٰہ اعلم بما لبثواۚ لہٗ غیب السّمٰوٰت والارضؕ ابصر بہٖ واسمعؕ مالھم مّن دونہٖ من وّلیٍّ وّلا یشرک فی حکمہٖ احداً ○ واتل مآ اوحی الیک من کتاب ربّکۚ لامبدّل لکلمٰتہٖۚ ولن تجد من دونہٖ ملتحداً ○ (۱۳۱)

ترجمہ:۔ اور وہ اپنی غار میں تین سو نو سال تک رہے کہہ دے کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کتنا عرصہ رہے وہی آسمانوں

اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہے انہیں بہتر انداز میں دیکھنے والا اور سننے والا ہے ان کے لئے اس کے سوا کوئی سرپرست نہیں ہے وہ کسی ایک کو بھی اپنے حکم میں شریک نہیں کرتا اور اپنے رب کی کتاب میں سے جو وحی تجھ پر ہوئی ہے۔ پڑھ کر سنا دے اس کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور تو اس کے علاوہ کوئی ہرگز جائے پناہ نہیں پائے گا۔

آیت مذکورہ اس بات کی عکاسی کرتیں ہیں کہ اللہ کا نشور رحمت آج بھی سنت جاریہ ہے اور قیامت تک رہے گا میتہ کو زندہ کرنا اسی کا کام ہے یہ سنت جاریہ اہل نفسیات کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے انہیں سوچنا ہے کہ درج ذیل آیت کے تحت طبعی قانون کیا کہتا ہے؟

اللّٰہ یتوفّی الانفس حین موتھا والّتی لم تمت فی منا مھاۚ فیمسک الّتی قضٰی علیھا الموت ویرسل الاخرٰی الٰی اجلٍ مّسمّیًؕ انّ فی ذٰلک لاٰیٰتٍ لّقوم یّتفکّرونO(۱۳۲)

ترجمہ:۔ اللہ نفوس کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جو ابھی نہیں مرے انہیں عالم نیند میں۔ پس جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا انہیں روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک معینہ مدت کے لئے واپس بھیج دیتے ہیں۔ بے شک اس میں تفکر کرنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

۲) حضرت سلیمانؑ کے عصر میں علم الکتاب رکھنے والے کی رسائی:۔

مختلف ادوار میں ذرائع وسائل مختلف رہے ہیں اسی سبب ہر دور کی اپنی ایک خصوصیت رہی ہے جس پر کہ لوگ نازاں ہوتے تھے۔ ان کے اس وصف کے توڑ کے لئے اللہ نے انبیاء علیھم السلام کو مبعوث کیا جنہیں روحانی و مادی نعمتوں سے اللہ نے مالا مال کیا ہوا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب حضرت سلیمان کا دور آیا تو انہوں نے ملکہ بلقیس پر اپنی خداداد عظمت وقوت کا اظہار ضروری سمجھا تا کہ وہ فوق العادت باطنی قوت کو جان لے۔ لہٰذا فرمایا:۔

قال یٰاَیّھا الملؤا ایّکم یاتینی بعرشھا قبل ان یّاتونی مسلمینO(۱۳۳)

ترجمہ:۔ کہا اے ملؤا تم میں سی کون اس کا تخت میرے پاس لا سکے گا قبل اس کے کہ وہ لوگ سر تسلیم خم کرتے ہوئے میرے پاس آئیں۔

ملاء:۔ الملاء جماعۃ یجتمعون علی رأی فیملؤن العیون رواءً ومنظراً والنّفوس بھاو جلالاً۔(۱۳۴)

اردو مفہوم:۔ الملؤا کی روٹ م ل ء ہے۔ وہ جماعت جو کسی امر پر مجتمع ہو تو نظروں کو ظاہری حسن و جمال اور نفوس کو ہیبت وجلال سے بھر دے۔

چنانچہ جب حضرت سلیمان نے عرش سبا منگوایا تو ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اس کو تیرے پاس لے آؤنگا پیشتر اس کے کہ تو اپنے مقام سے اٹھے اور میں بے شک اس پر امانتدار قوت رکھنے والا ہوں۔ یعنی اس نے اپنی علمی پہنچ اور قدرت کے مطابق وہ بات کر ڈالی۔ جبکہ اس شخص نے کہ جس کے پاس الکتاب میں سے کچھ علم تھا کہا کہ:۔

انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک ؕ فلمّا راٰہ مستقرًا عندہٗ قال ھذا من فضل ربّی ۫ لیبلونیٓ ءأشکر ام اکفر ؕ و من شکر فانّما یشکر لنفسہٖ ج و من کفر فانّ ربّی غنیّ کریم ○ (۱۳۵)

ترجمہ:۔ میں اس کو تیرے پاس تیرے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا پس جب اس نے اپنے پاس اس کو موجود پایا تو کہا۔ کہ یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ آیا میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی بھی شکر کرتا ہے تو اپنے ہی ذاتی مفاد کے لئے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو بے شک میرا رب بے نیاز صاحب کرم ہے۔

''بحوالہ تفسیر عثمانی صحابی کی کرامت اس کے نبی کا معجزہ اور اس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکر گزاری عائد ہوئی۔ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے۔ پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرۂ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کر لیتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت بلقیس کو پلک جھپکنے میں مارب سے شام پہنچا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے''۔ (۱۳۶)

یہ اعجاز و کرامت اہل سائنس اور اہل کمپیوٹر کے لئے ایک چیلنج ہے۔ یہاں تک کہ خود حضرت سلیمان کے زمانے کے لئے نہایت حیران کن تھی۔ کیونکہ حضرت سلیمان کے لئے ہوا کا پیمانہ کچھ اس طرح بیان ہوا ہے:۔

ولسلیمٰن الرّیح غدوّھا شھرٌ وّ رواحھا شھرٌ ج (۱۳۷)

ترجمہ:۔ اور سلیمان کے لئے ہوا کو کہ صبح کے وقت ایک ماہ کا سفر اور شام کے وقت ایک ماہ کا سفر۔

بحوالہ تفسیر عثمانی ''حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت ہوا میں اڑتا ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ ایک مہینے کی مسافت ہوا کے ذریعے آدھے دن میں طے ہوتی تھی''۔ (۱۳۸)

موجودہ دور میں جہاز اور راکٹ کی رفتار میں فرق ہے اسی طرح پسنجر جہاز اور جنگی جہاز کی رفتار میں بھی بہت فرق ہے۔ لیکن ابھی تک علم کی رسائی ایسی نہ ہوسکی کہ کوئی شے دوسرے ملک سے پلک جھپکتے ہی لا حاضر کر دی جائے۔ یہ رفتار عصر حاضر کے لئے تحقیق کے اعتبار سے ایک چیلنج ہے۔ اور اس سے بڑا چیلنج یہ کہ وہیں بیٹھے بیٹھے جیسے کمپیوٹر کا بٹن دبانے سے مواد کا سمندر ابل پڑتا ہے، اسی طرح تخت کو حاضر کر دینا۔ واقعی ایک حیرت انگیز علمی رسائی ہے۔

۴) علم لدنی حال میں مستقبل کا علم مع حکمت:۔

فوجد عبداً مّن عبادنآ اتینٰہ رحمۃً مّن عندنا وعلّمنٰہ من لّدنّا علما ○ (۱۳۹)

ترجمہ:۔ پس وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے حضور سے رحمت عطا کی تھی اور اس کو ہم نے اپنی جناب سے علم سکھلایا تھا۔

لدن:۔ لدن أخص من عند لانّہ یدلّ علی ابتداء نھایۃ. (۱۴۰)

اردو مفہوم:۔ لدن (ل دن) عند سے اخص ہے کیونکہ یہ کسی فعل کی انتہا کے آغاز پر دلالت کرتا ہے۔

یہ براہ راست علم ہے جو خدا کی طرف سے اپنے مخصوص بندے پر وحی کی صورت میں نازل ہوتا ہے۔اب یہ علم ختم نبوت ورسالت کے حوالے سے قرآن میں محفوظ ہے۔اس علم کے مفہوم سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مستقبل میں ہونے والے واقعہ یا نتیجے یا بات سے آگاہ کرتا ہے۔لیکن اس کے لئے بڑے صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔کیونکہ سلسلہ براہ راست ہوتا ہے۔دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خصوصی سے اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔تفسیر عثمانی میں حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی علم سے متعلق گفتگو کو اس طرح بیان کیا ہے:۔

''حضرؑ نے کہا اے موسیٰ بلاشبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی۔پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔اور ایک علم (اسرار تشریع کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی کہا کہ میرا تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں)''۔(۱۴۱)

چنانچہ جب حضرت موسیٰ نے اس علم کو سیکھنے کی خواہش کی تو عبادالرحمٰن نے اسے یہی کہا کہ ہم دونوں کے درمیان یہ مشروط ساتھ ہوگا اس بناء پر کہ میں جو کچھ بھی کروں صبر اختیار کرنا ہوگا چنانچہ دونوں کے درمیان یہ اقرار ہوا کہ:۔

قال انک لن تستطیع معی صبراً○ وکیف تصبر علیٰ مالم تحط بہ خبراً ○ قال ستجدنی ان شآء اللّٰہ صابراً وّلا اعصی لک امراً○ قال فان اتّبعتنی فلا تسئلنی عن شیءٍ حتّی احدث لک منہ ذکراً○ع (۱۴۲)

ترجمہ:۔ اس نے کہا تو میرے ہمراہ ہرگز صبر کی استطاعت نہ رکھ سکے گا اور تو اس بات پر کیونکر صبر کرسکتا ہے جو کہ تیرے احاطۂ علم میں نہ ہو؟ اس نے کہا تو انشاء اللہ مجھے صابر پائے گا اور میں کسی امر میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا۔اس نے کہا کہ اگر تو میری اتباع کرنا ہی چاہتا ہے تو مجھ سے کسی شے کے متعلق سوال نہ کرنا جب تک کہ میں خود تجھ سے اس کا تذکرہ نہ کردوں۔

اصل حقیقت خود ان آیات میں بیان کردی گئی ہے کہ ایک ایسا انسان کہ جس کے پاس حال کو سنوارنے کا پروگرام تو ہو لیکن حال میں موجود لوگوں کی گھناؤنی نفسیات کا اندازہ لگانا مشکل ہو، کہ آیا کہ آئندہ چل کر ان کا کردار کیسا ہوگا؟ اور اگر اندازہ کسی حد تک لگا بھی لیا جائے تو انتہائی اقدام سے گریز کیا جائے گا اس لئے کہ وہ فعل اس نے فی الحال تو نہیں کیا، لہٰذا وہ مجرمین کی صف میں شامل قرار نہیں پائے گا۔جبکہ اس کے دوسری جانب ایک ایسا انسان کہ جس پر اللہ کا امر غالب ہو۔وہ حال کے لوگوں یا شے پر انتہائی اقدام کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔یہی انسانی تہذیب کے علم اور علم لدنی میں فرق ہے۔اس لئے انسانی تہذیب کا علمبردار جو کہ انتہائی اقدام کی حکمت سے بے خبر ہے وہ چلا اٹھے گا۔ان ہی پیچیدہ مگر حکم الٰہی کے پابند اعمال کو سرانجام دینے کا نام علم لدنی ہے۔

سو ہم دیکھتے ہیں کہ جب کشتی میں اللہ کے بندہ نے سوراخ کیا تو موسیٰ نے اپنے علم کے مطابق کہا کہ ۔

لقد جئت شیئاً امراO(۱۴۳)

ترجمہ:۔ بے شک یہ تو تو نے بڑی بیجا حرکت کی ہے۔

اسی طرح جب برگزیدہ بندہ ایک لڑکے سے ملا اور اسے قتل کر دیا تو حضرت موسیٰ اس واقعہ کو دیکھ کر چلا اٹھے اور کہا:۔

قال اقتلت نفساً زکیۃً بغیر نفسٍ لقد جئت شیئاً نکراO(۱۴۴)

ترجمہ:۔ اس نے کہا کیا تو نے ایک پاک جان کو بغیر کسی جان کے بدلے قتل کر ڈالا؟ بے شک یہ تو تو نے مجہول بات کی ہے۔

موسیٰ کیوں نہ چلاتے کیونکہ اسلامی شریعت میں تو نفس کے بدلے نفس ہے۔ تو پھر بھلا یہ انوکھی بات موسیٰ کے لئے مجہول ہی تھی ۔ خیر دوبارہ صبر کا وعدہ کیا آگے چلے لیکن اب یہ آخری موقعہ ہے اگر حضرت موسیٰ صبر نہ کر سکے تو حجت تمام ہو جائے گی۔ چنانچہ ایک بستی میں پہنچے ان دونوں نے کھانا مانگا بستی والے مہمان نواز نہ تھے سو انکار کر دیا۔ اس بستی میں ایک دیوار ملی جو بس گرنے ہی والی تھی انہوں نے اسے کھڑا کر دیا۔ تو اس بات پر بھی موسیٰ صبر نہ کر سکے کہا:۔

قال لو شئت لتخذت علیہ اجراO(۱۴۵)

ترجمہ:۔ اگر تو چاہتا تو اس کی اجرت لے سکتا تھا۔

حضرت موسیٰ کے علم اور اس بندے کے علم میں یہی فرق تھا۔ اور علم میں فرق ہونے کے ناطے عمل میں فرق تھا۔ اور جب علم+عمل دونوں میں فرق ہو تو پھر نتیجہ میں فرق ہوتا ہے اور جب نتیجہ میں فرق ہو تو تاویل میں فرق ہوتا ہے۔ یہی فرق موسیٰ پر نازل شریعت اور اس بندے پر نازل وحی کے علم، علم لدنی میں ہے۔

لیکن یاد رہے کہ یہ حق فقط اس بندے کو حاصل تھا۔ حضرت نوح سے لے کر محمد تک آنے والی شریعتوں میں کسی فرد کو اجازت نہیں کہ وہ ایسا کرتا پھرے اور اب تو قرآن ہمارے لئے روشنی ہے۔ جس میں ایسا کرنے کی خلیفۂ وقت سے لے کر عام آدمی تک کسی کو اجازت نہیں کہ وہ اپنی جانب سے علم غیب کے متعلق کوئی پیشگوئی کرے۔

جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ صدی میں بھی پیشن گوئیوں Prediction کو خاصی اہمیت حاصل ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کسی حد تک مستقبل قریب کے بارے میں اپنے اندازے لگا سکتے ہیں مگر قطعی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

مگر مذکورہ علم کے تحت علم اور تاویل دونوں نبی و رسول کو رب کی طرف سے عطا ہوتی ہیں جس کے لئے نہایت صبر آزما مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ جب معاملہ مشروط ساتھ کا کالعدم قرار پایا تو پھر تینوں واقعات کی تاویل بیان کی۔ بالترتیب ملاحظہ ہو:۔

امّا السّفینۃ فکانت لمسٰکین یعملون فی البحر فاردتّ ان اعیبھا وکان ورآءھم ملک یّاخذ کلّ سفینۃٍ غصباًO وامّا الغلٰم فکان ابوٰہ مؤمنین فخشینآ ان یرھقھما طغیاناً وّکفراًO فاردنآ ان

يَبدلهما ربّهماخيراً مّنه زكوٰةً وّ اقرب رحماً ○ وامّا الجدار فكان لغلٰمين يتيمين في المدينة وكان تحتهٗ كنز لّهما وكان ابوهما صالحاً فاراد ربّك ان يّبلغآ اشدّ هما ويستخرجا كنزهما رحمةً مّن رّبّك وما فعلتهٗ عن امري ذٰلك تاويل مالم تستطع عّليه صبرا ○ (۱۴۶)

ترجمہ:۔ وہ جو سفینہ تھا وہ کچھ مسکینوں کا تھا جو دریا میں اس کے ذریعے مزدوری کرتے تھے پس میں نے ارادہ کیا کہ اس کو عیب دار بنادوں کیونکہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا تھا۔ اور وہ جو لڑکا تھا اس کے والدین صاحب ایمان تھے پس ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر سے سخت اذیت دے گا پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان کا رب انہیں اس سے زیادہ پاکیزہ اور زیادہ نرم دل نعم البدل عطا کرے۔ اور وہ جو دیوار تھی وہ اس شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کے لئے خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک نیک شخص تھا پس تیرے رب نے ارادہ کیا کہ وہ دونوں جوان ہو جائیں تو اپنا خزانہ نکال لیں یہ تیرے رب کی طرف سے ایک رحمت تھی اور میں نے یہ سب کچھ اپنی طرف سے نہیں کیا یہ ہے اس کی تاویل جس پر کہ تو صبر نہ کر سکا۔

چونکہ یہ علم موسیٰ ہی کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے ہر انسان کے لئے ایک نیا علم تھا اور اس کی تاویل بھی مجہول تھی۔ یعنی ایسے افعال جو انسانوں کی شریعت میں خلاف معمول کہلاتے ہوں۔ اور جن پر حدود عائد ہوں یا تعزیر کے تحت سزا لاگو ہوتی ہو۔ تو لازمی سی بات ہے۔ کہ حق کی اس وسعت کو انسان اپنی فہم وادراک متعلقہ شریعت سے ہی جانے گا نہ کہ اللہ کے قوانین غیبی کی رو سے۔ بات یہ ہے کہ اس کائنات میں جو کچھ بھی جاری وساری ہے وہ مشیت الٰہی کے طفیل ہے جس کا ذکر اللہ کے اس بندے نے بھی کیا کہ یہ سب تو تیرے رب کی رحمت تھی اور میں نے اپنی جانب سے کچھ نہیں کیا۔ یہ بتانا اس لئے مقصود تھا کہ جس مصیبت میں اللہ کی رحمت شامل حال ہو تو وہ مصیبت رحمت ہوتی ہے۔ اور یہ نقطہ انسانوں کو اللہ کی کتاب کے علاوہ کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ملے گا۔

(۵) ملائکہ کا نزول کیفیت قلب انسانی میں تبدیلی کا مؤجب:۔

قلب انسانی تغیر کی آماجگاہ ہے خواہ یہ تغیر مثبت ہو یا منفی لہٰذا سکون ہو یا خوف دونوں ہی تغیر کی علامات ہیں۔ اس سماوی وارضی میں ہر شے نازل ہوتی ہے اسی طرح قلب انسانی میں تغیر برپا کرنے والے غیبی لشکر ہیں جو نازل ہوئے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:۔

اذجعل الّذين كفروا في قلوبهم الحميّة الجاهليّة فانزل اللّٰه سكينتهٗ على رسوله وعلى المؤمنين والزمهم كلمة التّقوٰى وكانوآ احقّ بها واهلها وكان اللّٰه بكلّ شيء عليماً ○ (۱۴۷)

ترجمہ:۔ جب جہالت کے نخوت وغرور نے کفار کے دلوں میں گھر کر لیا تو اللہ نے اپنے رسول پر اور ایمان لانے والوں پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ان کے لئے پرہیزگاری کی بات لازم قرار دی جس کے وہ مستحق اور اہل بھی تھے اور بے شک اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔

سکینۃ کی Root س ک ن ہے جس کے معنی :۔

السّکون ثبوت الشّیٔ بعد تحرّک. ھو ملک یسکن قلب المؤمن ویؤمنه، السّکینة والسّکن واحد وھو زوال الرّعب. وقیل ھو العقل وقیل له سکنیة اذا سکن عن الَیل الی الشّھوات(۱۴۸)

اردو مفہوم :۔ سکن :۔ السکون حرکت کے بعد ٹھہر جانے کو سکون کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ سکینۃ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کے دل کو تسکین دیتے ہیں۔ سکینۃ اور سکن کے معنی رعب اور خوف کا زائل ہونا۔ اور بعض نے عقل انسانی مراد لی ہے اور عقل کو بھی جبکہ وہ شہوات کی طرف مائل ہونے سے روک دے۔

اس مفہوم کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے لشکر بے شمار ہیں۔ اور جب وہ اپنے بندہ کی مدد کرنا چاہتا تو اپنے لشکروں کے ساتھ کرتا ہے۔ جس طرح کہ اس نے اپنے رسول کی مدد کی جب مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیتیں دیں اور ایمان و اسلام کو خطرہ لاحق ہوا تو پھر آپ نے اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پناہ لی۔ تو آپ کا ساتھی دشمنوں کی رسائی کو دیکھ کر پریشان ہوا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا کہ :۔

لا تحزن انّ اللّٰه معنا ۚ فانزل اللّٰه سکینتهٗ علیه وایّدهٗ بجنود لّم تروھا وجعل کلمة الّذین کفروا السّفلیٰ ؕ و کلمة اللّٰه ھِیَ العلیا ؕ واللّٰه عزیز حکیمٌ ۝(۱۴۹)

ترجمہ :۔ محزون نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے پس اللہ نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور اس کی مدد لشکروں کے ساتھ کی جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور انکار کرنے والوں کی بات کو نیچا کر دکھایا اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ طاقتور دانا ہے۔

معاملہ نفس کے جہاد کا ہو یا جہاد بالسیف کا ہر حالت میں اہل ایمان اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور ان کا اللہ کی طرف رجوع کرنا ان کے درجات میں اضافے کا سبب بنتا ہے یہ عمل اہل ایمان کے قلوب کی تسکین کی بھی علامت قرار پاتا ہے۔ حالانکہ فرشتوں کے نزول کی رفتار اس قدر تیز ہوتی ہے کہ اسے کسی آلہ کی زد میں لانا بہت مشکل ہے۔ اور شاید ناممکن ہے لیکن کیفیت نفس انسانی کی تبدیلی اس کا بڑا ثبوت ہوتی ہے۔ اور اسی کیفیت نفس کی کامیابی کو مومنین کے لئے اللہ نور عظیم قرار دیتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ :۔

ھو الّذی انزل السّکینة فی قلوب المؤمنین لیزدادوآ ایمانا مّع ایمانھم ؕ وللّٰه جنود السّمٰوٰت والارض وکان اللّٰه علیماً حکیماً ۝ لّیدخل المؤمنین والمؤمنٰت جنّٰتٍ تجری من تحتھا الانھٰر خٰلدین فیھا ویکفّر عنھم سیّاٰتھم ؕ وکان ذٰلک عنداللّٰه فوزاً عظیماً ۝ وّیعذّب المنٰفقین والمنٰفقٰت والمشرکین والمشرکٰت الظّآنّین باللّٰه ظنّ السّوءِ ؕ علیھم دآئرة السّوءِ ۚ وغضب اللّٰه علیھم ولعنھم واعدّ لھم جھنّم ؕ وسآءت مصیرًا ۝ وللّٰه جنود السّمٰوٰت والارض ؕ(۱۵۰)

ترجمہ :۔ وہ وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان

اور بڑھالیں۔اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی صاحب علم وحکمت ہے۔تا کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے باغات میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔اور وہ ان سے ان کی برائیوں کو دور کردے اور اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔اور وہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کی نسبت بدگمانی رکھتے ہیں عذاب دے ان کو برائیوں نے گھیر لیا۔اور ان پر اللہ کا غضب ہوا، اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار کی، جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں۔

اس ساری بحث کا جائزہ لیا جائے تو کچھ اہم باتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

۱) وہ یہ کہ ہمارا ہر عمل یا تو حق کے موافق ہوتا ہے یا باطل کے۔

۲) عمل کا تعلق نیت سے ہے۔اور نیت کا نفس سے۔اس طرح ہر عمل نفس انسانی کی تعبیر ہوتا ہے۔

۳) قلوب پر فرشتوں کا نزول دراصل تغیر پیدا کرنے والی قوتوں کے نزول کی علامت ہے۔

۴) مثبت قوتیں مثبت تغیر اور منفی قوتیں منفی تغیر برپا کردیتیں ہیں۔

۵) اللہ کے لشکروں کی تعداد بے شمار ہے۔دراصل ان تمام روحانیوں کو جو حواس سے مستور ہوں جن کہتے ہیں۔جن کا لفظ ملائکہ اور شیاطین دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔تاہم تمام جن فرشتے نہیں ہوتے۔ان میں اخیار بھی ہیں اشرار بھی اور اوساط بھی۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ:۔

☆ کیا ملائکہ کا وجود ونزول زمین پر ثابت ہے؟

☆ کیا توانائی کے بغیر حرکت کا تصور ہے؟

☆ کیا بناء حرکت تغیر کا تصور ہے؟

☆ کیا ملائکہ کے نزول کو نفس انسانی محسوس کرتا ہے؟

تعرج الملٰئکۃ والرّوح الیہ فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃٍ ج ۝ (۱۵۱)

ترجمہ:۔ اس کی جانب ملائکہ اور الروح ایک دن میں چڑھ کر جاتے ہیں جس کی مقدار ۵۰ ہزار برس ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوتا ہے کہ انسانی کیفیت تبدیل ہو جاتی ہے۔شہوت، رعب و خوف زائل ہوتے دیر نہیں لگتی۔اور جب قلوب یاد الٰہی سے وابستہ ہوں تو پھر روحانی قوت ابھر کر سامنے آتی ہے اور بہت تیزی اور رفتار کے ساتھ قلب پر تغیر برپا ہونے لگتا ہے۔مومن کے قلب پر بسبب ذکر الٰہی طمانیت نصیب ہوتی ہے۔جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا:۔

الّذین اٰمنوا وتطمئنّ قلوبھم بذکر اللّٰہ ط الا بذکر اللّٰہ تطمئنّ القلوب ۝ (۱۵۲)

ترجمہ:۔ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ کے ذکر سے ان کے قلوب مطمئن ہوتے ہیں خوب جان لو کہ ذکر اللہ ہی سے

دل اطمینان پاتے ہیں۔

لیکن اگر قلب انکارِ حق کا مسکن ہو تو پھر ظن سو، کا غلبہ اس میں شہوت پیدا کرتا ہے اور زندگی کی زینتوں کی طرف ہمیشہ اس کی توجہ رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ھوٰی نفس کا پجاری بن جاتا ہے۔ اور یوں مدد پر کی اسے چین و سکون سے محروم کر دیتی ہے۔ مذکورہ آیت میں بصورت دیگر یہی مطلب نکلتا ہے۔

ثمّ انزل اللّٰہ سکینتہٗ علیٰ رسولہٖ وعلی المؤمنین وانزل جنودا لّم تروھا وعذّب الّذین کفروا(۱۵۳)

ترجمہ:۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل کی اور اس نے لشکر نازل کیے جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے اور جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کو عذاب دیا۔

اس ضمن میں ماہرین نفسیات کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ آیت ان پر نفس کی دنیا کے دروازے نہیں کھولتی؟

۲) عالم برزخ کی ماہیت کا ادراک

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خلائق کے گرد اپنا مضبوط حصار باندھا ہے کہ اس سے فرار ممکن نہیں۔ خواہ وہ ذہنی ہو، جسمانی ہو یا روحانی۔ انسان اور دیگر خلائق اس کی تخلیق کردہ دنیا سے نکل کر کہیں نہیں بھاگ سکتے ہر جگہ اللہ ہی کی حکمرانی ہے اسی طرح جو نظام فطرت تشکیل دیا اس کو دنیا کے تمام ماہرین بھی مل کر تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ ہر شے کے گرد حصار ہے۔ البتہ اس عالم موجودات سے موت کے بعد ایک دوسرے عالم میں تبدیلی عمل میں آتی ہے جو کہ روز حشر تک قائم رہے گا حشر کے برپا ہونے پر ختم ہوگا۔ زندگی اور موت کے بعد بعث بعد الموت تک انسان برزخ میں ہوگا۔ اس عالم برزخ کے بارے میں قرآن کچھ اس طرح سے گویا ہے کہ:۔

حتّٰی اذا جآء احدھم الموت قال ربّ ارجعون ۝ لعلّی اعمل صالحا فیما ترکت کلّا انّھا کلمۃ ھو قآئلھا ومن ورآئھم برزخ الیٰ یوم یبعثون ۝(۱۵۴)

ترجمہ:۔ حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو کہتا ہے اے میرے پروردگار مجھے واپس لوٹا دے اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں تاکہ میں نیک اعمال کروں ہرگز نہیں یہ تو ایک بات تھی جو اس نے کہی اور ان کے پیچھے اس دن تک جس دن کہ وہ اٹھائے جائیں گے ایک برزخ ہے۔

(i) برزخ کیا ہے؟

البرزخ الحاجز والحدبین الشّیئین. والبرزخ فی القیامۃ الحائل بین الانسان وبین بلوغ المنازل الرفیعۃ فی الآخرۃ. البرزخ مابین الموت الی القیامۃ(۱۵۵)

اردو مفہوم:۔ البرزخ کے معنی دو چیزوں کے درمیان حد فاصل اور روک کے ہیں۔ اور برزخ اس رکاوٹ کو بھی کہا گیا ہے جو آخرت میں انسان اور اس کے منازل رفیعہ تک پہنچنے کے درمیان حائل ہوگی نیز یہاں برزخ سے موت اور حشر

کے مابین کی مدت مراد ہے۔

(ii) برزخ کی نزاکت کاادراک:۔

انسانی عقل بغیر کسی نشانی ونمونہ Symbol کے غیب کا ادراک کرنے سے قاصر رہی ہے۔لہٰذا اس آڑ کا ادراک کرانے کے لئے اللہ نے ہم انسانوں کو اپنی ایک نشانی کی طرف متوجہ کیا تا کہ ہم عالم برزخ کی نزاکت اور حساسیت اور اوصاف کا کسی قدر ادراک کرسکیں۔ارشادربانی ہوتا ہے کہ:۔

وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وّھذا ملح اجاجٌ وجعل بینھما برزخاًوّ حجراً محجوراًO(۱۵۶)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی ہے جس نے ملے جلے دو دریا بہائے۔یہ میٹھا مزیدار ہے اور یہ نمکین کڑوا ہے اور دونوں کے مابین ایک حدفاصل اور ایک ناقابل عبور آڑ بنادی۔

تفسیر عثمانی میں بیان القرآن کے حوالے سے شہادت رقم کی گئی ہے کہ:۔

ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبین بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے لوگ کہتے ہیں سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا ہے۔اسی طرح گجرات میں راقم الحروف جس جگہ مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر ہوتا رہتا ہے بکثرت۔ثقات نے بیان کیا کہ مدّ کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے اوپر کھاری رہتا ہے اور نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے۔(۱۵۷)

جب باطل حق میں ضم نہیں ہوسکتا تو پھر کھارا پانی میٹھے میں کیونکر ہو؟

وقت کی یہ مدت اور اس کی باطنی زندگی ہم انسانوں کے لئے ناقابل فہم ضرور ہے مگر اس نشانی کی بدولت عالم برزخ کا انکار ممکن نہیں۔جو اس میں چلا جاتا ہے وہ دوبارہ نہیں آسکتا۔اور یہ کہ جس طرح حق اور باطل ایک دوسرے کی ضد ہیں اس طرح میٹھے اور کڑوے پانی کے دریا بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جس طرح باطل حق میں نہیں خلط ملط ہوسکتا ہے اسی طرح میٹھے اور نمکین پانی کے دریا بھی ایک دوسرے میں مل جل نہیں سکتے۔ان دونوں کے درمیان ایک ناقابل عبور آڑ برقرار رہتی ہے۔دونوں کی دنیائیں بالکل مختلف ہیں۔لیکن کیا نمکین پانی کی دنیا میں رہنے والے میٹھے پانی کی دنیا سے انکار کردیں تو کیا یہ انکار درست ہوگا؟ یقیناً نہیں۔اسی لئے اللہ نے ان دریاؤں کی زندگی کو نشانی بنا کر ہم انسانوں کو اس عالم برزخ کا ادراک کرادیا جس میں ہمیں زندگی کے بعد موت کی صورت میں

داخل ہوناہے۔لیکن فہم وادراک کو یقین کی سطح پر پہنچانے کے لئے اللہ نے مادر رحم میں تین پردوں کا ذکر کیا۔

(iii) مادر رحم میں موجود تین پردوں سے عالم برزخ کا ادراک۔

یخلقکم فی بطون امّھتکم خلقاً مّن بعد خلق فی ظلمٰت ثلٰث ذٰلکم اللّٰہ ربّکم لہ الملک لآ الٰہ الّا ھو فانّٰی تصرفون○(۱۵۸)

ترجمہ:۔ وہ تم کو تمہاری ماؤں کے بطنوں میں تین ظلمتوں میں اس طرح پیدا کرتا ہے کہ ایک حالت خلق کے بعد دوسری حالت خلق میں گزرتے چلے جاتے ہو۔وہی اللہ تمہارا پالنہار ہے اسی کو سب اختیار ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے پھر تم کدھر پھرے جاتے ہو؟

(iv) ظلمت ثلٰثۃ سے مراد:۔

ظلم:۔ الظّلم عدم النّور وجمعھا ظلمات، ظلمات بعضھا فوق بعض. ظلمات ثلاث ایَ البطن والرّحم والمسیمۃ (۱۵۹)

اردو مفہوم:۔ ظلم کے معنی روشنی کا معدوم ہونا اور اس کی جمع ظلمات ہے، ظلمات سے مراد اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک چھایا ہوا۔تین اندھیروں سے مراد پیٹ دوسرا رحم اور تیسرا اندھیرا السا قط کا ہے۔

اللہ نور اور ظلمت کا بنانے والا ہے۔لہٰذا وہی ان تاریکیوں میں رہنمائی نہ کرے،تو بقاء نسل کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ جسمانی،نفسیاتی اور روحانی بقاء کا مسئلہ پیدا ہو جائے،بے شک یہ اختیار فقط اللہ کو حاصل ہے کیا ایسی رہنمائی کوئی اور کر سکتا ہے؟ جو لوگ تخلیقی عمل کے پیچیدہ مراحل کو جانتے ہیں وہ ضرور اس سوال کا جواب یقین کی گہرائیوں سے دے سکیں گے۔اہل طب نے ان آیات مصدقہ کو بعینہٖ پایا ہے۔اب ہمیں سوچنا ہے کہ جب!!! مادر رحم میں تین اندھیرے ظلمت ثلٰث ہیں،تو اس کائنات میں نہ جانے کتنے ان گنت اندھیرے ہوں گے؟ سو جو انسان ان اندھیروں سے چھٹکارہ نہیں پا سکتا وہ خالق کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ علم و اختیار تو صرف اللہ کو حاصل ہے کہ جس کا علم ساری کائنات پر محیط ہے،اور وہ جانتا ہے کہ اس نے غیب کو شہود کس طرح کرنا ہے؟ اور غیب کو شہود کئے بغیر غیب کا شہود کی مانند ادراک کس طرح کروانا ہے؟

(۷) حجاباً مستوراً ایک نفسیاتی کیفیت مگر حقیقت:۔

انسان کی محتاجی بیان تو دیکھئے کہ وہ حواس، عقل، ادراک اور فکر وبصیرت رکھنے کے باوجود ان اشیاء کا علم نہیں رکھتا کہ جن کو پردہ کے پیچھے رکھ دیا جائے۔مگر چونکہ یہ بات روزمرہ کے مشاہدے میں آئی ہے اس لئے یہ ایک Fact مانی جاتی ہے۔لیکن حیران کن بات یہ ہے کہ بسبب غفلت نفس حواس، عقل، ادراک اور فکر وبصیرت سب ٹھیک ہونے کے باوجود بھی تفہیم کرنے سے قاصر ہیں۔کیوں؟

واذا قرأت القراٰن جعلنا بینک وبین الّذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ حجاباً مّستوراً○ وجعلنا علٰی قلوبھم اکنّۃً ان یّفقھوہ وفیٓ اٰذانھم وقراً (۱۶۰)

ترجمہ:۔ اور جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے مستور حجاب ڈال دیتے ہیں۔ اور ہم ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ تا کہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں۔

حجب:۔ الحجب والحجاب المنع من الوصول، ليس يعنى به مايحجب البرو انّما يعنى مايمنع من وصول لذّة اهل الجنّة الى اهل النّار وأذية اهل النّار الى اهل الجنّة. (۱۶۱)

اردومفہوم:۔ کسی چیز تک پہنچنے سے روکنا اور درمیان میں حائل ہو جانا حجاب سے مراد وہ پردہ نہیں جو ظاہری نظر کو مانع ہے بلکہ وہ آڑ جو جنت کی لذتوں کو اہل دوزخ اور اہل جہنم کی اذیت کو اہل جنت تک پہنچنے سے روک دے گی۔

ستر:۔ السّتر تغطيه الشّى (۱۶۲)

اردومفہوم:۔ الستر کے اصل معنی کسی چیز کو چھپا دینے کے ہیں۔

آیت مذکورہ اور درج بالا معانی کے اعتبار سے حجاباً مستوراً ایک نفسیاتی کیفیت ہے جو قلب و دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے تو حواس خمسہ کام کرنے کے باوجود بھی حق کو نہیں پہنچ سکتے اور نفس انسانی غفلت میں ڈوب جاتا ہے۔ چنانچہ یہ لوگ بد سے بدتر بنتے چلے جاتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ انسان آخرت سے انکاری ہو۔ ایسی صورت حال میں تو فکر انجام کی طرف جاتی ہی نہیں تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی نصیحت پر دھیان کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب اسے نجات کی فکر نہیں تو پھر نجات دینے والے کی فکر کیونکر ہوگی۔ اسی عدم ایمان کی کیفیت کے بارے میں تفسیر عثمانی میں تحریر ہے کہ:۔

بس یہی عدم ایمان بالآخرۃ اور انجام کی طرف سے بے فکری وہ معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔ (۱۶۳)

قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے مگر جب تعقل سامع وفواد ہو تو پھر کافروں پر اثر نہیں ہوتا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی آنکھیں بند کر کے سورج کی روشنی یا چاند کی روشنی سے انکار کر دے۔ جب نیت ہی درست نہ ہو باطن انتہائی ظلمت کدہ بن جائے۔ تو پھر ایسے منکرین کے قلب سخت ہو جاتے ہیں اور وہ صداقت کا فہم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اسی لئے رب کریم نے ایسی تعلیم بنی نوع انسان کو عطا کی جس میں تمام سینوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے:۔

يـٰايّهـا النّـاس قـدجـآ ءتـكـم مّـوعـظة مّن رّبّكم وشفآء لّما فى الصّدور ۵ وهدى وّرحمة لّلمؤمنين ○ (۱۶۴)

ترجمہ:۔ اے بنی نوع انسان تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آ چکی ہے جو ان کے لئے شفاء ہے جو سینوں میں ہیں۔ اور وہ صاحبان ایمان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

دنیا کی کوئی کتاب بھی یہ دعویٰ نہیں کرتی جو کہ قرآن حکیم نے کیا ہے اس لئے کہ اللہ کی ایک ایک پر نظر ہے وہ جانتا ہے کہ ظاہر کیا ہے اور باطن کیا ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

يـعـلـم مـافـى السّمٰوٰت والارض ويـعـلـم مـاتـسـرّون ومـا تـعلنون ط واللّٰه عليمٌ بذات

الصّدور○(۱۶۵)

ترجمہ:۔ وہ جانتا ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

جن کا ظاہر و باطن قرآن کے مطابق ہوتا ہے تو وہ سینوں کی نفسی بیماریوں کے حملے، ان کی تباہ کاریوں اور مہلک اثرات سے نہ صرف خود بچتا ہے بلکہ اس کی نیک روش سے معاشرے کے باقی افراد بھی محفوظ رہتے ہیں۔ جیسے تکبر، حسد جیسی بیماریاں تمام نفسیاتی بیماریوں کی جڑ واقع ہوئی ہیں، کی تباہی سے بچتا ہے۔ اور یوں قرآن کا ذکر اس کے لئے اور ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت بن کر ابھرتا ہے۔ جبکہ دوسری جانب جو نفس پر ظلم کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے لئے ان کا عمل نقصان کا ہی باعث بنتا ہے، ارشاد رب العزت ہے کہ:۔

وننزّل من القراٰن ماھو شفآء وّرحمة لّلمؤمنينۙ ولا يزيد الظّٰلمين الّا خسارا○(۱۶۶)

ترجمہ:۔ اور ہم قرآن میں سے وہ شے نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہے اور ظالموں کے لئے تو وہ نقصان میں ہی اضافہ کرتی ہے۔

قرآنی آیات میں ایسی نصیحت موجود ہے کہ اگر کوئی اس کی تفہیم کرلے تو روحانی بیماریوں سے نجات مل جاتی ہے۔ قلوب میں باطل عقائد، فلسفۂ تشکیک اور اخلاقی گراوٹیں ختم ہونے لگتی ہیں جس سے باطنی صحت اچھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر قلوب مردہ ہوں تو پھر اس کی تاثیر اثر نہیں دکھاتی یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے دوا دینے والے کی دوا نہ پی جائے تو پھر بیماری کیونکر جائے، کے مترادف ہے دوسری بات یہ کہ آئینہ جو دکھایا تو برا مان گئے کے مترادف ہے لہذا غفلت و اعراض بڑھتا جاتا ہے اور مایوسی چہار جانب سے گھیر لیتی ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ:۔

واَمّا الّذين فى قلوبھم مّرض فزادتھم رجسا الٰى رجسھم وما توا وھم كٰفرون○(۱۶۷)

ترجمہ:۔ مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے وہ ان کی نجاست میں مزید نجاست کا اضافہ کرتی ہے اور وہ حالت کفر ہی میں مرجاتے ہیں۔

قرآن سے جو قلوب مسرور و منشرح نہیں ہوتے انہیں ہدایت نہیں ملتی اس لئے ان میں بسبب منافقت نفرت Hate پیدا ہو جاتی ہے جو عدم ایمان میں اضافہ کرتی ہے اور جب قرآن انہیں Expose کرتا ہے تو پھر چڑچڑاہٹ اور ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہیں بالترتیب آیات ملاحظہ ہوں جس میں کہ حجاب مستور کی مکمل وضاحت ہے:۔

وجعلنا علٰى قلوبھم اكنّةً ان يّفقھوه وفىٓ اٰذانھم وقراًۗ واذا ذكرت ربّك فى القراٰن وحدهٗ ولّوا علٰٓى ادبارھم نفوراً ○ نحن اعلم بما يستمعون بهٖٓ اذيستمعون اليك واذھم نجوٰٓى اذيقول الظّٰلمون ان تتّبعون الّا رجلاً مّسحوراً○(۱۶۸)

ترجمہ:۔ اور ہم ان کے دلوں پر پردہ اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں تاکہ وہ اس کو سمجھ نہ سکیں اور جب تو قرآن میں اپنے رب واحد کا ذکر کرتا ہے تو وہ نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جب وہ تیری بات

سنتے ہیں تو کس نیت سے سنتے ہیں اور جب وہ سرگوشیاں کرتے ہیں جبکہ ظالم لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ تو محض ایک سحرزدہ شخص کی اتباع کررہے ہو۔

وقالوا قلوبنا فی اکنّةٍ مّمّا تدعونآ الیه وفیٓ اٰذاننا وقرٌ ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل انّنا عملون O(۱۶۹)

ترجمہ:۔ اور انہوں نے کہا کہ جس طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے اس کی طرف سے ہمارے قلوب پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ پڑا ہے اور ہمارے اور تیرے مابین ایک حجاب حائل ہے پس تو بھی عمل کر اور ہم بھی عمل کرتے ہیں۔

یہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں اور ایسا تاثر دیتے ہیں کہ ناصح ان سے مایوس ہو جائے اور نصیحت کرنا چھوڑ دے۔ مذکورہ بالا ڈائیلاگ اس بات کے ترجمان ہیں کہ حق اور ان کے دل کے بیچ ایک پردہ حائل ہے یا پھر ان کے بیچ ایک خلیج حائل ہے اسے بناءعبور کیئے حق تک پہنچنا ممکن نہیں۔ جبکہ قرآن ان کی نفسی حالت کو بیان کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں کہتا ہے کہ:۔

ومنهم مّن یستمعون الیکؕ افانت تسمع الصّمّ ولو کانوا لا یعقلون O ومنهم مّن یّنظر الیکؕ افانت تهدی العمی ولو کانوا لایبصرون O انّ اللّٰه لایظلم النّاس شیئا وّلٰکنّ النّاس انفسهم یظلمون O(۱۷۰)

ترجمہ:۔ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو تیری سنتے ہیں پس کیا تو بہروں کو سنائے گا اگرچہ وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں؟ اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو تیری طرف دیکھتے ہیں پس کیا تو اندھوں کی رہنمائی کرے گا اگرچہ وہ بصیرت سے محروم ہوں؟ تحقیق اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ اپنے نفسوں پر خود ظلم کرتے ہیں۔

ان مردہ ضمیر لوگوں کا تو نعرہ یہی ہے:۔

قالوا سمعنا وعصینا(۱۷۱)

ترجمہ:۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔

ان کے اس ثقل سماع اور قلوب کی سختی کی بدولت ان پر قانون ختم کا اطلاق عمل میں آتا ہے۔

(i) قانون ختم (Low of the Sealed) کا اطلاق:۔

انسان کا ہر فعل اس کے نفس کی کمائی ہوتا ہے نفس پر اگر جمود Static طاری ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نفس سوائے ظلم کے کچھ نہیں کما رہا۔ اور ظلم کیا ہے؟ یہ حق کی نافرمانی کا نام ہے، اعتدال سے ہٹنے کا نام ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جس میں حواس وعقل، ادراک وبصیرت تمام صفات کے ہوتے ہوئے بھی وہ مردہ کی طرح ہے، کیونکہ وہ ان سے کام نہیں لیتا۔

انک علی الحق المبین ○ انک لا تسمع الموتی (۱۷۲)

ترجمہ:۔ بے شک تو حق مبین پر ہے تحقیق تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

جو انسان خواہشات و جذبات کا غلام ہو اور ایسا بے حس ہو کہ حق کو سننے کی تاب نہ رکھے تو وہ مردہ ہی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے لوگوں کی نفسی کیفیت و مقام کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ جو اس مقام پر پہنچتا ہے اس پر قانون ختم کا اطلاق ہوتا ہے:۔

انّ الّذین کفروا سوآء علیھم ءانذر تھم ام لم تنذرھم لایؤمنون ○ ختم اللّٰہ علی قلوبھم وعلٰی سمعھم وعلٰی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم ○ (۱۷۳)

ترجمہ:۔ لیکن وہ جو منکر ہوئے ان کے لئے یکساں ہے کہ تو انہیں خبر دار کرے یا نہ کرے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ہر فعل یا تو جہاد ہوتا ہے یا پھر فساد۔ اگر تزکیۂ نفس ہو اور تربیت نفس کی قوت اور علمی صلاحیت کی روح کے ساتھ اور ان سب کے ساتھ خلوص نیت کی چاشنی ہو تو پھر عمل جہاد فی سبیل اللہ کا ترجمان بنتا ہے بصورت دیگر فساد و بربادی کی عکاسی کرتا ہے۔ سو وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنی پوری زندگی حکم الٰہی کے خلاف گزار دی اور غفلت نفس میں ڈوبنے کے سبب حجاب مستوراً کی زد میں آ گئے تو ان پر قانون ختم کا اطلاق بھی ہو گیا۔ قرآن ان لوگوں کا نقشہ روز محشر کے حوالے سے کچھ اس طرح کھینچتا ہے کہ:۔

ونادٰی اصحٰب الجنّۃ اصحٰب النّار ان قد وجدنا ماوعدنا ربّنا حقًا فھل وجدتّم ماوعدربّکم حقًا قالوا نعم فاذّن مؤذّن بینھم ان لّعنۃ اللّٰہ علی الظّٰلمین ○ الّذین یصدّون عن سبیل اللّٰہ ویبغونھا عوجًا وھم بالاٰخرۃ کٰفرون ○ وبینھما حجاب وعلی الاعراف رجال یّعرفون کلًّا بسیمٰھم ونادوا اصحٰب الجنّۃ ان سلٰم علیکم لم یدخلوھا وھم یطمعون ○ واذا صرفت ابصارھم تلقآء اصحٰب النّار قالوا ربّنا لا تجعلنا مع القوم الظّٰلمین ○ (۱۷۴)

ترجمہ:۔ اور اصحاب جنت اصحاب جہنم کو پکار کر کہیں گے کہ بے شک ہم نے ان وعدوں کو جو ہمارے پروردگار نے ہم سے کئے تھے سچا پایا کیا تم نے بھی ان وعدوں کو سچا پایا جو تمہارے رب نے تم سے کئے تھے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان اعلان کرے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ وہ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں اور وہ جو کہ آخرت کے منکر ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہو گی اور کچھ لوگ بلندیوں پر ہوں گے جو ہر کسی کو ان کی پیشانی سے پہچان لیں گے اور وہ اصحاب جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلام ہو۔ وہ ابھی داخل نہیں ہوئے ہوں گے مگر اس کے متمنی ہوں گے اور جب ان کی نظریں اصحاب نار کی طرف پلٹیں گی تو وہ کہیں گے ہمارے پروردگار ہمیں ظالموں کی معیت میں نہ رکھنا۔

آیات مذکورہ اس حقیقت کو منشرح کر رہی ہیں کہ یہ اصول قیام قیامت تک جاری رہنے والا ہے اس میں تبدیلی نہیں جو کوئی بھی ایسا کرے گا مذکورہ آیات کے موافق اختتام ہوگا۔ لہذا ہمیں چاہئے کہ ہم اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف کریں اور انہیں صحیح طور پر استعمال میں لائیں۔ نفس جو برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس کا تزکیہ کریں۔ شاید یہی سوچ ہماری نجات کا سبب بن جائے۔

۸) حضرت ابراہیمؑ کا طمانیت قلب کے لئے اخروی زندگی کی کیفیت کا مشاہدہ:۔

مادہ پرستوں کے لئے یہ Physical Life ہی سب کچھ ہوسکتی ہے لیکن قرآن زندگی کے مفہوم کو نہایت وسیع معنی میں لیتا ہے۔ یہ لوگ جسموں کی زندگی کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ سانس کی آمد و رفت کو زندگی کہتے ہیں۔ اور موت سانس کے بند ہو جانے کو کہتے ہیں۔ لیکن اسلام کے نزدیک حیات و موت سے مراد طبعی حیات و موت نہیں بلکہ ہدایت و گمراہی مراد ہیں۔ وہ گمراہی کی زندگی کو موت سے تعبیر کرتا ہے۔ اور اس زندگی کو جس میں انسانیت ہو۔ روحانی قوانین کی روشنی میں ذات کی نشو و نما ہو تو اس زندگی کو حیات سے تعبیر کرتا ہے۔

زندگی کے اس مفہوم کو جاننے کے لئے ایمان اور یقین دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے تو یہ Blind بھی ہوسکتا ہے لیکن جہاں تک یقین Conviction کی بات ہے تو یہ وہ درجہ ہے جہاں انسانی قلب اطمینان کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ خواہ اس سے کسی بھی پہلو سے پوچھا جائے وہ نہایت اطمینان سے اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگتا ہے۔ اطمینان یافتہ قلوب میں اور غیر اطمینان یافتہ قلوب میں بڑا فرق ہوتا ہے کیونکہ دونوں میں روحانی قدریں Spiritual Values بالکل مختلف و جدا ہوتی ہیں۔ ان ہی روحانی قدروں کو مجتمع کرنے کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے جو کہ اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہیں۔ نہایت عاجزی سے تقاضہ کیا کہ:۔

واذقال ابرٰھم ربّ ارنی کیف تحی الموتٰیؕ قال اولم تؤمنؕ قال بلی ولکن لّیطمئنّ قلبیؕ(۱۷۵)

ترجمہ:۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب مجھے دکھا تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا فرمایا کیا تیرا اس پر ایمان نہیں اس نے کہا کہ ہے۔ لیکن اپنے اطمینان قلب کے لئے۔

حیی سے مراد:۔ الحیاۃ تستعمل علی اوجہ الاوّل للقوّۃ النّامیہ الموجودۃ فی النّبات والحیوان، الثّانیہ للقوّۃ الحاسّۃ، الثالثۃ للقوّۃ العاملۃ العاقلۃ والرّابعۃ عبارۃ عن ارتفاع انعم، الخامسۃ الحیاۃ الاخرویۃ الابدیۃ، والسّاسۃ الحیاۃ التی یوصف بھا الباری فانّہ اذقیل فیہ تعالیٰ ھو حیّی فمعناہ لایصح علیہ الموت ولیس ذالک اَلاللّٰہ.(۱۷۶)

اردو مفہوم:۔ حیی کے کئی معنی ہیں اول یہ کہ قوت نامیہ (بڑھنے کی قوت) جو نباتات وحیوانات میں پائی جاتی ہے۔ دوم قوم احساس سوم قوت عاقلہ و عاملہ کا عطا کرنا، چہارم غم کا دور ہونا، پنجم آخرت کی دائمی زندگی جو علم و عقل کی زندگی سے

حاصل ہوسکتی ہے اور ششم وہ حیات جس سے صرف ذات باری تعالیٰ متصف ہوتی ہے جس میں موت کا تصور نہیں جیسے الٰہی حضرت ابراہیم نے اخروی زندگی کی کیفیت کا مشاہدہ کرنے کے متعلق سوال کیا تھا جو دنیوی آفات کے شوائب سے پاک ہوگی۔ یعنی جن طبعی قوانین کے تحت اس دنیا میں زندگی کا آغاز ہوتا ہے آخرت کی زندگی ان قوانین کے تابع نہیں ہوگی۔ قرآن حکیم ان دونوں زندگیوں کے بارے میں کچھ یوں گویا ہے کہ:۔

وما ھٰذہ الحیٰوۃ الدنیآ الا لھو ولعب وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون○(۱۷۷)

ترجمہ:۔ اور یہ کمینی زندگی کیا ہے؟ سوائے کھیل تماشے کے اور بے شک دار آخرت وہی تو حیات حقیقی ہے اے کاش کہ وہ جانتے ہوتے۔

اس میں حیوان کا لفظ فعلان کے وزن پر ہے اس کی خصوصیت یہ ہے کہ ہنگامی طور پر کچھ نمودار ہونا، حرکت و اضطراب کا غلبہ کے آتے ہیں۔ اس طرح آخرت میں زندگی ایک نئی صورت اختیار کرے گی یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زندگی کا یہ اعادہ نئے قوانین کی صورت میں ہوگا۔ جس کا ہم ادراک نہیں کر سکتے۔

موجودہ زمانے میں اسٹیفن ہاکنگ کے ذہن نے بڑی قلابازیاں کھائی ہیں مگر وقت کے تیروں کے ساتھ فی الوقت اعادہ کرنے کا فہم و ادراک نہیں رکھتا کہ اس کائنات کے عمل کو کس طرح دہرایا جائے۔ ڈاکٹر سعید الدین احمد خان لکھتے ہیں کہ:۔

عام زندگی کے حقیقی وقت میں آگے اور پیچھے کی سمتوں میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً پانی سے بھرے ہوئے ایک برتن کو میز سے گر کر زمین پر ٹوٹے، اس کے ٹکڑے بکھرنے اور پانی کے بہنے کی متحرک تصویر لے کر پردۂ سیمیں پر نمائش کی جائے تو آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ آیا تصویر آگے کو گھمائی جارہی ہے، یا پیچھے کو۔ اگر متحرک تصویر پیچھے کو گھمائی جائے یعنی تو (Action Replay) ہوگا یعنی دیکھنے میں آئے گا کہ بہتا پانی سمٹ کر اور ٹوٹے ٹکڑے اکٹھے ہوکر پانی سے بھرے ہوئے ثابت و سالم برتن کو میز پر پہنچا دیں گے۔ یہ منظر دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ متحرک تصور پیچھے کو گھمائی جارہی ہے۔ اس لئے عام زندگی میں ایسے مناظر دیکھنے میں نہیں آئیں گے۔ کیونکہ حدت کے سبب حرکت کا قانون دوم سیکنڈ لاء آف تھرموڈائنامک ایسے عمل کی اجازت نہیں دیتا۔ (۱۷۸)

پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم اپنی کتاب کائنات اور اس کا انجام میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

تاہم نئی کائنات کے خدوخال مختلف ہو سکتے ہیں یہ ایک قیافہ ہے اور اس قیافہ کی بنیاد یہ ہے کہ مرغی کے انڈے لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں ان کی زردی اور سفیدی بھی ایک جیسی ہوتی ہے مگر پھر بھی بچے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہماری کائنات کے خدوخال مختلف ہو سکتے ہیں اور بنیادی ذرات مثلاً الیکٹران، پروٹون، نیوٹرون، ایٹم اور سالمے وہی ہوں گے جو پرانی کائنات میں ہیں۔ (۱۷۹)

اس ساری تصریح سے قرآن کی بات صادق آتی ہے کہ آخرت میں زندگی ایک نئی صورت اختیار کرے گی۔

Action Replay کے ذریعے نہیں بلکہ یہ اعادہ ان ہی فطری قوانین کی صورت میں ہوگا تب ہی حضرت ابراہیمؑ نے اللہ سے فرمایا کہ مجھے آخرت کی زندگی کا مشاہدہ Observation کرادیا جائے تاکہ میں یقین کامل کے ساتھ تبلیغ کرسکوں ایسا اس لئے ضروری ہے کہ کہنے والا اگر خود شک کی گھاٹیوں میں سفر کررہا ہے تو اس کی تبلیغ اس کی دعوت اسلام کبھی پُر اثر نہیں رہے گی۔ اسی لئے طمانیت قلب کے لئے فرمایا کہ:۔

قال فخذ اربعۃً من الطیر فصرھنّ الیک ثمّ اجعل علٰی کلّ جبلٍ منھنّ جزاً ثمّ ادعھنّ یاتینک سعیاً واعلم انّ اللہ عزیز حکیم ○ (۱۸۰)

ترجمہ:۔ کہا چار پرندے لے۔ اور ان کو اپنے ساتھ سدھالے پھر ہر پہاڑ پر ان کے اجزاء رکھ دے۔ پھر ان کو بلا وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔ اور جان لے بے شک اللہ طاقتور دانا ہے۔

اب یہ سوچنے کا مقام ہے کہ جب اس طبعی دنیا میں ایسا قانون لاگو ہے۔ جو اجزاء کو سالم پرندے کی صورت دوبارہ تخلیق کردے تو پھر آخرت میں کیونکر ممکن نہیں؟

بات یہ ہے کہ اس کائنات رنگ و بو میں اہمیت مادہ Matter کی نہیں بلکہ حکم خداوندی کی ہے۔ جو کہیں توانائی Energy کی صورت میں ہے اور کہیں شعور کی اور کہیں روح کی۔ اس حکم کے طفیل ہی اجزاء سالم پرندے بنے۔ کوئی اور ایسا نہیں کرسکتا۔ مگر اس کے لئے یہ کام دشوار نہیں۔

''مگر آج کا سائنسدان اپنی تمامتر کاوشوں، تحقیق و تجربات اور مشاہدات کے باوجود کائنات کی بے پناہ وسعتوں کا احاطہ نہ کرسکا۔ اس کی لامحدودیت نے اسے ورطۂ حیرت میں ڈالا ہوا ہے۔ لیکن مشاہدہ جاری ہے''۔ (۱۸۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام حق الیقین کی منزل پر تو تھے لیکن عین الیقین کے خواستگار تھے۔ اور عین الیقین کی بنیاد مشاہدہ پر موقوف ہے۔ لہٰذا چار پرندوں کو سدھا کر ذبح کرکے ان کے ٹکڑے خلط ملط کرنے کی حکمت عملی کیا ہے؟ تفسیر عثمانی میں ہے:۔

''یہاں دو خلجان گزرنے کا احتمال قوی ہے اول تو جسم بے جان متفرق الاجزاء کا زندہ ہونا قابل انکار، دوسرے ان خصوصیات کو کہ وہ پرندے ہوں۔ اور چار ہی ہوں اور چار ہی فلاں فلاں ہوں اور اس طرح ان کے اجزاء کو متفرق کرکے بلایا جائے تو زندہ ہوکر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اس کا کوئی دخل اور قیود کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اول خلجان کے جواب میں عزیز اور دوسرے کے جواب میں حکیم فرما کر دونوں شبہوں کا قلع قمع فرمایا یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ زبردست قدرت والا ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور اس کے ہر حکم میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ کہ جن کا ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے۔ اس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں۔'' (۱۸۲)

انسان کی اس زبوں حالی کو قرآن نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ:۔

☆ وماۤ اوتیتم من العلم الّا قلیلاً ○ (۱۸۳)

ترجمہ:۔ اور تمہیں تو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔

اور اللہ رب العزت ایسا علیم ایسا حکیم ہے کہ زمین و آسمان کی ہر اصغر و اکبر شے کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس ضمن میں یعنی اس کی صفت العلیم اور اس کی صفت الحکیم کی صراحت میں ارشادات باری تعالیٰ ملاحظہ ہوں:۔

☆ اللّٰہ الّذی خلق سبع سمٰوٰتٍ وّمن الارض مثلھنّ یتنزّل الامر بینھنّ لتعلموآ انّ اللّٰہ علی کلّ شیءٍ قدیرٌ وّانّ اللّٰہ قد احاط بکلّ شیءٍ علماً○ (۱۸۴)

ترجمہ:۔ اللہ وہی ہے جس نے سات آسمانوں اور ان ہی کی مثل زمینیں خلق کیں جن کے مابین حکم نازل ہوتا رہتا ہے تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے اور بے شک اللہ اپنے علم سے ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

☆ یعلم مابین ایدیھم وما خلفھم ولا یحیطون بہٖ علماً○ (۱۸۵)

ترجمہ:۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

☆ یّستخفون من النّاس ولا یستخفون من اللّٰہ و ھو معھم اذیبیّتون مالا یرضٰی من القول وکان اللّٰہ بما یعملون محیطاً○ (۱۸۶)

ترجمہ:۔ وہ لوگوں سے چھپاتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ تو ان کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ وہ راتوں کو اس بات کے متعلق جسے اللہ پسند نہیں کرتا، مشورے کرتے ہیں۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

☆ وانزل اللّٰہ علیک الکتٰب والحکمۃ وعلّمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللّٰہ علیک عظیماً○ (۱۸۷)

ترجمہ:۔ اور اللہ نے تجھ پر کتاب وحکمت نازل کی اور تجھے وہ علم دیا جو تو نہیں جانتا تھا اور بے شک تجھ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

اللہ کی علم کا احاطہ چارسو ہے مگر ہمیں اس حقیقت کو نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم علم کا اکتساب کرتے ہیں علم پر محیط نہیں ہیں۔ یہ وصف تو اللہ کو حاصل ہے۔ لہٰذا اس نے جتنا انسانوں کے لئے مناسب سمجھا اتنا علم دے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی شخص کسی بھی فیلڈ Field میں مہارت وصلاحیت تو رکھتا ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے علم کلی کا نعوذ باللہ احاطہ کر لیا ہے۔ چونکہ علم اکتسابی ہوتا ہے اس لئے اس کے حصول کے لئے وقت، ذہن اور وسائل درکار ہوتے ہیں مگر حق کی تکذیب نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ جو آپ دریافت نہ کر سکیں یا ادراک نہ کر سکیں اس کا انکار کر دیں۔ قرآن حکیم نے حق کی تکذیب کرنے والوں کا روز حشر یہ حال بیان فرمایا ہے۔

حتّٰی اذا جآء وقال اکذّبتم بایٰتی ولم تحیطوا بھا علماً امّا ذا کنتم تعملون○ووقع القول علیھم بما ظلموا فھم لاینطقون○ (۱۸۸)

ترجمہ:۔ حتیٰ کہ جب وہ جائیں گے تو وہ کہے گا کہ کیا تم نے میری آیات کی تکذیب کی تھی جبکہ تم علم سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے تو یہ کیا تھا جو تم کیا کرتے تھے پس ان پر حجت تمام ہوئی بسبب اس ظلم کے جو انہوں نے کیا اور وہ نہ بول سکیں گے۔

اہل یقین کا حال:۔

جولوگ یقین کی سطح پر پہنچ جاتے ہیں وہ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پوری دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک عالم موجود ہے حضرت سلیمان کے دور میں ہُد ہُد کی اطلاع اور حضرت ابراہیمؑ کا یقین محکم ملاحظہ ہو۔

☆ فقال احطتّ بمالم تحط بہٖ وجئتک من سبإٍ بنبإٍ یّقینٍ○(۱۸۹)

ترجمہ:۔ پس کہا میں نے وہ بات دریافت کی جو آپ کے علم میں نہیں اور میں سبا سے آپ کے پاس ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

☆ اذقال ابرٰھم ربّی الّذی یحیی ویمیتُ قال انا احی وامیتُ قال ابرٰھم فانّ اللّٰہ یاتی بالشّمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الّذی کفرؕ(۱۹۰)

ترجمہ:۔ جب ابراہیمؑ نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اس نے کہا میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت۔ ابراہیم نے کہا اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ، پس وہ جس نے انکار کیا تھا مبہوت رہ گیا۔''

کیا حضرت ابراہیمؑ کے یہ ڈائیلاگ یقین کی پختگی کی علامت اور سبب نہیں؟

۹) احیائے موتی کا واقعہ ۱۰۰ برس بعد جلانا تفہیم برائے عین الیقین:۔

قرآن مجید چونکہ دنیا کی بزرگ ترین اور قدیم ترین کتاب ہے اس لئے اس کا علم ماضی، حال اور مستقبل پر محیط ہے وہ انسان کو ان کے نفس کی معرفت کرانے کے لئے کائنات کے آغاز و انجام اور اعادہ کرنے کے ایسے اصولوں کے متعلق باخبر کرتا ہے کہ جن کا علم انسان کو مہیا نہیں کیا گیا تاہم بسبب عین الیقین اور عوام الناس کے لئے معجزہ برائے تفہیم کے لئے اعادہ کی نشانیاں ضرور فراہم کی ہیں معاد کی ان نشانیوں میں ۱۰۰ برس تک ایک شخص کا مردہ رہنا اور پھر جلانے کا واقعہ بنی نوع انسان کو غیب میں موجود زاویوں کو متعارف کراتا ہے اس کے ذریعے سے اہل ایمان کے جذبے کو رفعت ملتی ہے اور احساس کو ایک نئی تازگی۔ جبکہ منکرین مادی وجوہات تلاش کرتے کرتے مبہوت ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس واقعہ کی بنیاد عین الیقین پر پہنچنے کی خواہش Desire تھی جسے قرآن حکیم نے نہایت مفصل انداز میں بیان فرمایا ہے:۔

او کالّذی مرّ علٰی قریۃٍ وّھی خاویۃ علی عروشھاج قال انّٰی یحیی ھذہ اللّٰہ بعد موتھاج فاماتہ اللّٰہ مائۃ عامٍ ثمّ بعثہٗؕ قال کم لبثتؕ قال لبثت یوماً اوبعض یومٍؕ قال بل لّبثت مائۃ عام فانظرالٰی طعامک و شرابک لم یتسنّہج وانظرالٰی حمارک ولنجعلک اٰیۃً لّلنّاس وانظرالی العظام کیف ننشزھا ثمّ نکسوھا لحماًؕ فلمّا تبیّن لہٗ قال اعلم انّ اللّٰہ علٰی کلّ شیءٍ قدیر○(۱۹۱)

ترجمہ:۔ یا اس شخص کی طرح جو ایک قریہ کے پاس سے گزرا جو بالکل تباہ و برباد پڑا تھا۔ اس نے کہا کہ اللہ اس بستی کو اس کی موت کے بعد کیونکر زندہ کرے گا پس اللہ نے اس کو ۱۰۰ برس کے لئے موت دی پھر اس کو زندہ کیا۔ کہا تو کتنا عرصہ

رہا؟ اس نے کہا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ فرمایا بلکہ تو ۱۰۰ برس ٹھہرا اپنے کھانے پینے کی چیزوں کی طرف دیکھ اور یہ اس لئے ہے کہ ہم نے تجھے لوگوں کے لئے ایک نشانی قرار دیا ہے اور ہڈیوں کی طرف دیکھ کہ ہم ان کو کیسے زندہ کرتے ہیں پھر ہم ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں پس جب اس پر یہ سب کچھ واضح کر دیا گیا تو اس نے کہا بے شک میں نے جان لیا کہ اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

(i) نفس کو نفس کے ذریعے ادراک:۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ طریق رہا ہے کہ جس کا ذکر ہوتا ہے اسے اسی کے ذریعے سے معرفت وادراک کراتا ہے۔ وہ نفس کون تھا؟ اس کی خواہش کا مقصود کیا تھا؟ جلانے کا مقصود یا حکمت الٰہی کیا تھی؟ نیز واقعہ کی حکمت کو منشرح کرنے کے کون کون سے زاویے تھے کہ جس کی بدولت نشانی قرار دیا گیا؟ ان تمام سوالوں کی تفہیم ہم بحوالۂ قرآن و سائنس کریں گے۔ سب سے پہلے اول، دوم سوال کے جواب کے لئے ملاحظہ ہو:۔

وہ شخص حضرت عزیرؑ پیغمبر تھے اور تمام توریت ان کو یاد تھی بخت نصر کافر بادشاہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا ان میں حضرت عزیرؑ بھی تھے۔ جب قید سے چھوٹ آئے تو انہوں نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو جلا دے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اس جگہ ان کی روح قبض ہوئی۔ (آپ عین الیقین کے خواستگار تھے جو مشاہدے پر موقوف ہے۔) (۱۹۲)

قرآن حکیم ہم انسان کو نفس کی معرفت، نفس انسانی کے ذریعے ہی کراتا ہے وہ نفس انسانی پر جانوروں Animals مثلاً کتےDogs، بلیوں Cats اور چوہوں Rats کی جبلتوں Instincts کو نہیں ٹھونستا تاہم ان کے خصوصی اعمال کی جانب کسی اہم مسئلے کی آموزش کرانے کے لئے توجہ ضرور مبذول کراتا ہے یعنی وہ اوصاف جو اس جانور میں پائے جاتے ہیں اگر انسان خود کو ان اوصاف سے متصف کر لے تو پھر قرآن اس شخص کو یہ بھی کہہ دیتا ہے۔

واتبع هونٰهُ فمثلهٗ كمثل الكلبؕ(۱۹۳)

ترجمہ:۔ اور اپنی خواہش نفس ہی کی پیروی کی تو اس کی مثال تو کتے کی سی ہے۔

اور جب انسان کا کردار Behaviour اتنا پستی کی جانب چلا جائے تو پھر اللہ کا یہ فرمان اس پر لاگو ہو جاتا ہے۔

من لّعنه اللّٰه وغضب عليه وجعل منهم القردة والخناز يروعبد الطّاغوتؕ(۱۹۴)

ترجمہ:۔ جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جن پر اس کا غضب ہوا اور اس نے ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سوٴر اور شیطان کا بندہ بنا دیا۔

قرآن نے یہ خطابات اسی کو دیئے ہیں جن کے کرداری وصف ان جانوروں کے وصف سے متمثّل ہیں۔ قرآن کی تعلیمات اور نظریۂ ارتقاء کے پیروکاروں کی تعلیمات میں یہی فرق ہے کہ اسلام یہ کہتا ہے تخلیق انسانی ہوئی لیکن کردار

کی وجہ سے جانور بنادیا اور ارتقاء پسند اس بات کے علمبردار ہیں کہ انسان جانور کی ارتقائی شکل ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانوں اور جانوروں کے درمیان باعتبار وجود، باعتبار روح اور باعتبار نفس بہت فروق پائے جاتے ہیں کیونکہ ان کے مقام Status میں فرق ہے لہٰذا ان کے محرکات Motives میں آسمان وزمین جتنا فرق پایا جاتا ہے۔ خواہ وہ ان کے جسمانی محرکات Physical Motives ہوں یا نفسیاتی محرکات Psychological Motives ہوں۔ اور روح کی سرفرازی کی بدولت وہ منفرد روحانی محرکات Spiritual Motives بھی رکھتا ہے۔ گوکہ ہر جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے لیکن ان کی عبادتوں اور ان کے مقاصدوں میں بہت فروق پائے جاتے ہیں۔ اسی بناء پر ان کی جسمانی، نفسیاتی اور روحانی قدریں یکسر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صرف مقام Status ہے۔ مذکورہ بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان کو تعلیم، تزکیہ، تربیت ایک نفس انسانی کے ذریعے ہی دی جاسکتی ہے لہٰذا معرفت نفس کے لئے نفس انسانی کو ذریعہ بنایا جانا ایک فطری ضرورت ہے۔ اسی لئے رب کریم نے مذکورہ واقعہ کو ایک بڑی نشانی قرار دیا ہے۔

(ii) زماں ومکان کے اثرات برائے وجود، حافظہ اور نفس پر:۔

یہ واقعہ اپنی نوعیت کا ایک منفرد واقعہ ہے کیونکہ اس میں کچھ ایسے نکات زیر بحث لائے گئے ہیں کہ جن سے علمی ترقی کی راہیں انسان پر کشادہ ہوجاتی ہیں۔ اور جب انسان اس رہنمائی میں ان زاویوں پر غور کرتا ہے تو علم وتحقیق پر بند دروازے کھلنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اس طرح انسان معرفت نفس وادراک سے آگے بڑھ کر معرفت آفاق کی دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ قرآنی سائنس ہمیں اس واقعہ کے ذریعے ان ہی زاویوں کو متعارف کروارہی ہے۔ ان میں ایک زاویۂ فکر وقت Time اور دوسرا زاویہ جمع ترکیب بدن اور تیسرا زاویۂ فکر روح کا یکبارگی آنا چوتھا زاویہ حافظہ Memory کا برقرار رہنا اور پانچواں زاویۂ فکر نفس کے اثرات کا برقرار رہنا۔

پہلا زاویۂ فکر

وقت سے متعلق قرآن کیا کہتا ہے؟

کیا دنیاوی زندگی فقط ایک دن کی ہے؟ یا ایک گھنٹے کی۔ ہمارے لئے اس کرۂ ارض پر Time Zone جسے ہم زماں کہتے ہیں اللہ کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ اور رازوں میں سے ایک راز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو اپنی Time Clock کے مطابق ایک گھنٹہ متعارف کرایا ہے۔

ویوم یحشرھم کان لم یلبثوآ الا ساعۃ من النھار یتعارفون بینھم(۱۹۵)

ترجمہ:۔ اور جس دن وہ انہیں اکٹھا کرے گا جیسے کہ وہ ان کے ایک گھنٹے سے زائد نہ ٹھہرے تھے آپس میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔

یہی حال حضرت عزیز علیہ السلام کا تھا بحوالہ تفسیر عثمانی ملاحظہ ہو:۔

جب حضرت عزیز علیہ السلام مرے تھے اس وقت کچھ دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے تو ابھی شام نہ ہوئی تھی۔ تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا۔ (۱۹۶)

اس بحث سے صاف ظاہر ہے کہ انسان ایک ہی دن میں پیدا ہوتا ہے زندگی گزارتا ہے اور اسی دن مرجاتا ہے یہاں تک اس دن حشر بھی برپا ہو جاتا ہے اسی لئے جب حضرت عزیز نے دوبارہ زندگی پائی تو شہر کا رخ کیا کہ حالات مذکورہ بات پر دلالت کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

پھر حضرت عزیز یہاں سے اٹھکر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ نو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہوگئے۔ (۱۹۷)

اس سے پتہ چلا کہ جو اس Time Zone میں چلا جاتا ہے اس پر طبعی اثرات اس طرح لاگو نہیں ہوتے جس طرح کے شب وروز کے مشاہدے میں آتے ہیں۔

دوسرا زاویہ فکر

جمع ترکیب بدن کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے؟

مذکورہ واقعہ کی بنیاد ہی دوبارہ معاد، قانون نشور کا اطلاق کیونکر اور جمع ترکیب بدن کیونکر رہا ہے؟ پر ہے۔ چنانچہ جب حضرت عزیز کی روح اس مسئلہ کی تفہیم کے لئے قبض ہوئی تو ساتھ ہی سواری کے گدھے پر بھی موت واقع ہوئی۔ اور کھانے پر طبعی اثرات اسی طرح ہوئے جس طرح حضرت عزیز اور سواری کے گدھے پر۔ لیکن جب ۱۰۰ برس بعد دوبارہ زندہ کئے گئے تو آپ کے ساتھ گدھے اور کھانے کو ٹھیک حالت میں نہیں لایا گیا۔ اس میں ایک باریک نفسیاتی نکتہ پنہاں ہے جس کا ذکر ہم نفسیاتی زاویہ میں تفصیلاً کریں گے۔ بہرحال عین الیقین کے لئے مشاہدہ کرایا گیا گدھے کی بوسیدہ ہڈیوں کو آپ کے روبرو زندہ کیا گیا۔ بحوالہ تفسیر جمع ترکیب بدن ملاحظہ ہو:۔

حضرت عزیز علیہ السلام کے سامنے وہ ہڈیاں موافق ترکیب بدن کے جمع کی گئیں پھر ان پر گوشت پھیلایا گیا اور چمڑا درست ہوا پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اس میں جان آئی اور اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔ (۱۹۸)

یہ حقیقت ہے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے لئے دوبارہ جلانا قطعاً مشکل نہیں بلکہ نہایت آسان ہے۔ دوسرے اس میں علم الاعضاء والابدان کے ماہرین کے لئے فکر وادراک کے نئے زاویے پنہاں ہیں۔

تیسرا زاویہ فکر

روح کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟

روح ہماری فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ اس لئے اس کا آنا تو ثابت ہوتا ہے اس کی موجودگی تو ثابت ہوتی ہے۔ مگر کیونکر؟ اسے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ حوالے میں واضح طور پر روح کا مشاہدہ کرایا گیا دوبارہ ملاحظہ ہو؟

پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اس میں جان آئی اور اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔ (۱۹۹)

روح کے بارے میں ہمیں علم نہیں دیا گیا کیونکہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ویسئلونک عن الرّوحؕ قل الرّوح من امر ربّی ومآ اوتیتم من العلم الّاقلیلاO (۲۰۰)

ترجمہ:۔ اور یہ تجھ سے الروح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہہ دے کہ الروح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں تو بہت قلیل علم دیا گیا ہے۔

جس علم سے انسان کو فائدہ نہ ہو بلکہ الٹا ہی نقصان ہو تو ایسے کسی علم کو اللہ نے انسان کے لئے متعارف ہی نہیں کرایا۔

چوتھا زاویہ فکر

حافظہ کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے؟

حافظہ کا تعلق شعور سے ہوتا ہے۔ لہذا شعور کا تعلق نفس سے۔ اس اعتبار سے نفس جس حالت میں موت پاتا ہے دوبارہ نشور کی صورت میں وہیں سے بیدار ہوگا۔ دوم یہ کہ اس کا حافظہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں تھا۔ اس کا مشاہدہ بھی اہل نفوس کو کرا دیا گیا حضرت عزیز کو توریت مکمل یاد تھی لہذا جب وہ شہر پہنچتے ہیں تو اسے یکسر بدلا ہوا پاتے ہیں بادشاہ کے مرنے کے بعد اور بیت المقدس میں شہر آباد ہو چکا ہے آپ خود تو جوان ہیں لیکن آپ کے زمانے کے بچے بوڑھے ہو چکے ہیں۔ لہذا بحوالہ تفسیر ملاحظہ ہو:۔

پھر حضرت عزیز یہاں سے اٹھ کر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے جب انہوں نے توریت حفظ سنائی تب لوگوں کو ان کا یقین آیا بخت نصر بنی اسرائیل کی تمام کتابیں جلا گیا تھا جن میں توریت بھی تھی۔ (۲۰۱)

یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ واقعی ہماری موجودہ زندگی ہمارے حافظہ کی وجہ سے یاد رہے گی۔ خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا سب حاضر ہوگا۔ اس طرح آخرت پر ایمان لانا زیادہ ضروری ہو جاتا ہے۔

پانچواں زاویہ فکر

بعث بعد الموت نفس کی کیفیت اثر کی برقراری پر قرآن کیا کہتا ہے؟

تمام بنی نوع انسان کے لئے اس میں یہ سبق موجود ہے کہ نفس کی کیفیت اثر ۱۰۰ سال بعد بھی ویسی ہی برقرار رہی جیسے پہلے تھی یہاں تک کہ مشن اور خواب حافظہ سب اپنی اپنی جگہ اسی طرح موجود تھے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ گدھے اور کھانے کو بھی ایک ساتھ زندہ اور صحیح کر دیتا تو نفس انسانی کبھی بھی اس بات کی حقیقت کو نہ مانتا اس سارے واقعہ میں یہی ایک نقطۂ لطیف ہے کہ اللہ نے نفس انسانی کے سامنے پہلے زمانے کے آثار دکھلائے اور پھر قانون نشور کا اطلاق کیا۔

پھر سو برس کے بعد حضرت عزیز زندہ کئے گئے ان کا کھانا اور پینا اسی طرح پاس دھرا ہوا تھا ان کا گدھا جو مر چکا تھا۔ اور اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں۔ (۲۰۲)

اس واقعہ کا مقصد حقیقی یہی نکلتا ہے کہ ہر کوئی جان لے کہ روز قیامت اس طرح معاد ہوگا کہ جس سے انکار ممکن نہیں۔ اس طرح انسان کی جستجوئے فکر اس کے لئے باعث رحمت بھی ہے اور باعث زحمت بھی۔ لیکن اس بات کا تعلق انسان کی نیت سے ہے چنانچہ جب اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ حق کو لے آتا ہے۔ تو پھر ہر کوئی اس کا اقرار کرتا ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو سائنسی دنیا میں باطل کچھ اس طرح مٹتا ہے پہلے کائنات کے بارے میں یہ تصور پایا جاتا تھا کہ ارض کائنات کا مرکز ہے:۔

Geocentric System: any theory of the structure of the Solar system (or the universe) in which earth is assumed to be at the centre of all. The most high developed geocentric system was that of Ptolemy of Alaxandria (2nd Century AD) It was generaly accepted until the 16th century. (203)

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:۔

لہٰذا ارسٹارچس آف سیموس نے سب سے پہلے 270 BC میں Helio Centric System کے بارے میں بتایا مگر بدقسمتی سے ۱۶ ویں صدی تک ارض کائنات کا مرکز ہے کا نظریہ قابل قبول رہا۔ مگر جب گیلیو Galalio نے یہ ثابت کیا کہ سورج کائنات کا مرکز ہے کے نظریے کو دوبارہ زندہ کیا:۔

Helio Centric System: Aristarchus of Samos, about 270 BC, is the first known to have proposed that the earth moves around the sun. Nicholus of eusa in the 15th century AD argued for the movement of the earth and the helio centric theory was gradually reestablished after being put forward again by copernicus in 1543, Galalio's espousal of it resulted in his famous trail before the inquisition in 1633. (204)

اس طرح سائنسی طور پر حقائق سامنے آنے سے باطل مشاہدہ و نتائج مٹ جاتے ہیں۔ قرآن انسانوں کو سائنس جیسے معبود کی بھینٹ چڑھنے نہیں دیتا اور نہ ہی انسانوں کو حیوانی زندگی کی طرف راغب کرتا ہے۔ بلکہ وہ تو تصدیق کرنے والی کتاب اور چار سو پھیلی ہوئی کتاب کے مشاہدے پر غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کیونکہ ساتوں آسمانوں اور اس کے مثل زمینوں میں رہنے والی مخلوق کو رزق دینے والا وہی ہوسکتا ہے جس نے کہ انہیں تخلیق کیا ہو۔ وہی سماعت و بصارت کا بھی مالک ہے وہ اپنی تدبیر کے مطابق مردہ زندہ میں سے اور زندہ کو مردہ میں سے نکالتا ہے۔ اسی کا کلمہ حق ہے۔ اور جو اس کے علاوہ ہے وہ محض ظن ہے افترٰی ہے باطل ہے اس کا مقدر مٹنا ہے۔ حق کا مقدر ثابت ہونا ہے۔ اس لئے اللہ ہم سے کہلوا رہا ہے Indirect Wahi کا سلسلۂ خطاب کچھ اس طرح ہے:۔

قل هل من شركائكم من يبدؤا الخلق ثم يعيده قل الله يبدؤا الخلق ثم يعيده فانّى تؤفكون ○ قل هل من شركائكم من يهدى الى الحق قل الله يهدى للحق افمن يهدى الى الحق احق ان

يَتبع امّن لا يهدّیٓ الّا ان يّهدٰیؕ فمالكم کيف تحكمون ○ وما يتّبع اكثرهم الّا ظنّاًؕ انّ الظّن لا يغنی من الحقّ شيئاًؕ انّ اللّٰه عليمٌ بما يفعلون ○ وما كان هٰذا القراٰن ان يّفترٰی من دون اللّٰه ولٰكن تصديق الّذی بين يديه وتفصيل الكتٰب لاريب فيه من رّبّ العٰلمين ○ (۲۰۵)

ترجمہ:۔ کہہ دے ان میں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو کون ایسا ہے جو خلقت کی ابتداء کرسکتا ہے، اور پھر اسے دہرا بھی سکتا ہے؟ کہہ دے خلقت کی ابتداء اللہ ہی کرتا ہے پھر وہی اسے دہرائے گا۔ پس تم کہاں بھٹکے پھرتے ہو؟ کہہ دے جنہیں تم نے اس کا شریک قرار دیا ہوا ہے ان میں سے کون ایسا ہے جو حق کی طرف ہدایت کرسکتا ہے کہہ دے اللہ ہی حق کی طرف ہدایت کرتا ہے پس کیا وہ جو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔ یا کہ وہ جو ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ خود ہدایت دیا جاتا ہے؟ پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ اور ان میں سے اکثر تو ظن وگمان ہی کی پیروی کرتے ہیں یقیناً ظن تو حق سے ذرا بھی بے نیاز نہیں کرسکتا بے شک اللہ واقف ہے اس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کا غیر اسے گھڑ لائے بلکہ یہ تو تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو اس سے پہلے موجود ہے اور رب العالمین کی اس کتاب کی تفصیل ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

قرآن مصدقہ علم Certified Knowledge فراہم کرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کسی انسان کا لگایا ہوا اندازہ نہیں یہ وہ کتاب ہے جو مالک حقیقی کی طرف سے نازل کردہ ہے جس نے کہ زماں ومکان اور ہمیں بنایا۔ وہی ہمیں حکم دیتا ہے کہ:۔

لقد انزلنآ اليكم كتٰباً فيه ذكركمؕ افلا تعقلون ○ وكم قصمنا من قرية كانت ظالمةً وّانشانا بعدها قوماً اٰخرين ○ (۲۰۶)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں تمہارا ہی ذکر ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لوگے اور کتنی ہی ظالم بستیوں کے ہم نے پرخچے اڑا دیئے اور ان کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کیا۔

نصیحت کرنا اللہ کا کام اور حاصل کرنا انسان کا کام ہے اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے؟

محض ظن وگمان کی بھینٹ چڑھنا چاہتا ہے یا حق وصداقت کی روشنی میں جینا چاہتا ہے۔

۱۰۰۰ برس کی ذلت بھری زندگی مطلوب ہے یا ایک گھنٹہ کی زاد راہ۔

الحاد وتشکیک کی وادی میں گھومنا چاہتا ہے یا یقین کی معراج کو پانا چاہتا ہے۔

نفس پرستی کا خواہاں ہے یا سکینۂ قلب کا۔

محدود وتنگ نظر ہوکر جمود کو طاری کرنا چاہتا ہے یا لامحدود وسعتوں میں جہاں تلاش کرتا ہے۔ قرآن کے عجائبات و غرائب سے حق کی وسعت کا ادراک کرتا ہے یا پھر ظلمت کدہ میں حیران وسرگرداں رہنا چاہتا ہے۔

ان تمام باتوں کا فیصلہ انسان نے کرنا ہے۔ آیئے اب ہم دیکھیں کہ حق کن مراحل سے گزر کر اطلاق چاہتا ہے۔ تاکہ نفس انسانی شک کی وادی سے نکل کر یقین کامل کی سطح پر پہنچ سکے۔

فصل سوم:۔

نفس انسانی مراحل حق کے آئینے میں

روز آفرینش سے ہی چاند اپنی چاندنی سے، سورج اپنی تمازت سے، ستارے اپنی چمک سے، جھرنے اپنے ترنم سے، پرندے اپنی آواز سے نغمے بکھیرتے محسوس ہوتے ہیں۔ اس عالم محسوسات میں نفس جس شے سے متاثر ہوا اس نے اس کو اپنا معبود مان لیا۔ کسی نے سورج کی پرستش کی تو کسی نے چاندنی پر قصیدے لکھے اور اپنی شاعری کی زینت بنایا۔ لیکن ان تمام جذبات اور محسوسات کے ساتھ ایک تبدیلی آئی۔ وہ تھی شریعت کی۔ شریعت نے جب حقیقت بتائی تو اب مقصدیت سامنے آئی۔ مقصدیت نے مسخر شدہ کائنات کو تسخیر کرنے کے منصوبے بنانے کی طرف متوجہ کیا۔ تدبر و تفکر اور تحقیق و مشاہدہ و تجربے ہونے لگے بالاخر ایک وقت ایسا آیا۔ جب انسان وقت اور فاصلوں کی زنجیروں کو توڑ کر اس سے جاملا جسے وہ اپنا معبود یا حسن کی علامت مانتا تھا۔

جب چاند پر پہلے انسان نے قدم رکھا اور اس نے چاند کی سطح سے تاریک خلاء میں تیرتی ہوئی اور چاند ہی کی مانند منور زمین کے حسن و جمال کا مشاہدہ کیا تو بے اختیار پکار اٹھا ''خدا عظیم ہے'' (God is Great) (۲۰۷)

(ضمیمہ جات نمبر ۲ میں چاند سے لی گئی زمین کی ایک تصویر، تصویر نمبر ۱، ص نمبر ۶۲۷ پر دیکھئے۔)

ہے کوئی جو اس نظارہ کی تاب لا سکے۔ مومن اس لمحے فقط یہ پکار اٹھتا ہے کہ:۔

الّذین یذکرون اللہ قیٰما وّقعوداً وّعلیٰ جنوبھم ویتفکّرون فی خلق السّمٰوٰت والارضۚ ربّنا ماخلقت ھٰذا باطلاًۚ سبحٰنک فقنا عذاب النّار○ (۲۰۸)

ترجمہ:۔ وہ جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے، کروٹ لیتے یاد کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں تفکر کرتے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے تو نے یہ عبث پیدا نہیں کئے تو پاک ہے پس ہمیں عذاب نار سے بچالے۔

ہم جو روزمرہ کی زندگی گزارتے ہیں اس زندگی پر اگر سائنسی انداز سے غور کیا جائے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر سورج ہمیں اپنی تمازت اور چاند اپنی چاندنی سے مسحور نہ کرتا، اور نہ یہ تجاذب جو ہمیں زمین سے چمٹائے رکھتی ہے، یعنی کشش ثقل۔ ورنہ تو ہم خلاء میں کہیں بکھرے ہوئے ذرات کی مانند ہوتے۔ اور پھر جن قلیل ترین عناصر Elements سے ہماری تخلیق ہوئی اور جن کی مستقل مزاجی پر آج ہم زندہ ہیں۔ ہم نے کبھی سوچا کہ سورج کو تمازت کس نے بخشی؟ چاند کو مسحور کن چاندنی کس نے دی؟ کشش ثقل کیوں عطا کی گئی؟ اگر یہ نہ ہو تو کائنات کی صورت کیسی ہو جائے؟ اور پھر قلیل ترین عناصر کی ترتیب و اختلاط سے تخلیق کیونکر ممکن ہوئی؟ کہ انسان بشر بن کر پھیلتا جاتا ہے۔ اور تسخیر انفس و آفاق کرنے لگتا ہے۔ اور پھر ان عناصر میں مستقل مزاجی Constancy کس قوت نے پیدا کی؟ یہ تمام وہ سوالات ہیں۔ جن سے ہماری زندگی وابستہ ہے۔ یقیناً کوئی ماورائی ہاتھ ہے کہ جس نے اس کائنات کو Random بے قاعدہ ان گنت بار شدہ ذرات کی حرکت کے نتیجہ میں نہیں بلکہ ان گنت ذرات کو حکم الٰہی کی بار سے با قاعدہ حرکت کے نتیجہ

میں تخلیق زماں و مکاں ہوئی۔ جنہیں اس بات پر یقین نہیں وہ حق کے مراحل کے آئینے میں اپنے نفس کو دیکھیں شاید ادراک ہو جائے۔

حق کے مراحل:۔

وهو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ؕ ویوم یقول کن فیکونُ ؕ قوله الحقّ ؕ وله الملک یوم ینفخ فی الصّورؕ عٰلم الغیب والشّهادة ؕ وهو الحکیم الخبیر ○ (۲۰۹)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا اور جس دن وہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اس کا قول سچا ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا اسی کی حکومت ہو گی وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔ اور وہ صاحب حکمت خبر دار ہے۔

انسان اس کائنات میں نفس کی ممکنات Possibilities of the Psyche self کی بدولت دیگر مخلوقات میں افضل ہے لیکن کوئی بھی اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتا کہ وہ محتاج واقع ہوا ہے۔ لہٰذا جب انسان جیسی افضل مخلوق محتاج ہے تو دیگر مخلوق کا یہ مقام ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ خود اپنی خالق ہو۔ کوئی بھی اپنا خالق خود نہیں بلکہ یہ تمام سماوی و ارضی زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی بھی تنہا قوت کا مالک نہیں ہے۔ ہر کوئی محتاج واقع ہوا ہے اس لئے یہ کائنات قانون اشتراک Law of Co-operation کا منہ بولتا شاہکار ہے۔ لیکن اشتراک ہر درجہ بندی اور حق کا خواہاں ہے حق کے بغیر دائمیت کی صفت کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے مذکورہ آیت کریمہ میں ارض و سماں کی تخلیق کو حق سے وابستہ بتلایا ہے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیونکر حق خلق سے وابستہ ہے؟ اس کا جواب مراحل حق میں پنہاں ہے۔ (ضمیمہ جات نمبر ا میں حق کے مراحل اور ان کے اطلاق کا گراف نمبر ا ص نمبر ۶۲۵ پر ملاحظہ کیجئے۔)

حق کا پہلا مرحلہ:۔

قول الحق اور اس کا اطلاق انفس و آفاق پر

وهو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ؕ ویوم یقول کن فیکونُ ؕ قوله الحقّ ؕ (۲۱۰)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا اور جس دن وہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اس کا قول سچا ہے۔

قولہ الحق دو الفاظ کا مرکب ہے اس مرکب کی تفہیم کئے بغیر اس کا اطلاق نا قابل فہم و ادراک ہو گا۔ جہاں تک پہلے لفظ کا تعلق ہے ہم مشیئت الٰہی کے ضمن میں قول پر انتہائی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں۔ لیکن وہاں قول ایسی صورت میں تھا وہ بات ابھی ذہن میں ہو اور زبان پر نہ لائی گئی ہو۔ اور اب جب قول حق سے وابستہ ہوا تو اب قول کا حق کے ساتھ اطلاق شروع ہو گیا۔ چنانچہ یہاں اس کے معنی ملاحظہ ہوں۔

قول :۔ القول والقیل: والقول یستعمل علی أوجه اظهر ها ان یکون للمرکب من الحروف المبرز باالنطق مفرداً کان أوجملةفالمفرد. للدلالة علی الشی ،فی الهام(۲۱۱)

اردو مفہوم:۔ قول اور قیل کے معنی بات کے ہیں ۔قول کا لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ عام طور پر حروف کے اس مجموعے پر قول کا لفظ بولا جاتا ہے جو بذریعہ نطق کے زبان سے ظاہر ہوتے ہیں خواہ وہ الفاظ مفرد ہوں یا جملہ کی صورت میں ۔کسی چیز پر دلالت کرنے کو قول سے تعبیر کر لیتے ہیں ۔ نیز الہام کرنا۔

الحق:۔ أصل الحقّ المطابقة والموافقة، لوجد الشّی، مسبب ماتقتضیه الحکمة ولهذا قیل فی اللّٰه تعالیٰ هو الحقّ. فی الاعتقاد للشّیٔ المطابق لما علیه ذٰلک الشّی فی نفسه کقولنا اعتقاد فلان فی البعث والثّواب والعقاب والجنّة والنّار حق، للفعل والقول الواقع بحسب مایجب وبقدر مایجب وفی الوقت الذی یجب کقولنا فعلک حق. (۲۱۲)

اردو مفہوم:۔ الحق کے اصل معنی مطابقت اور موافقت کے ہیں ۔ وہ ذات جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق اشیاء کی ایجاد کرے اس معنی میں باری تعالیٰ پر یہ لفظ بولا جاتا ہے ۔کسی چیز کے بارے میں اسی طرح کا اعتقاد رکھنا جیسا کہ وہ نفس میں واقع ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ بعث ثواب وعقاب اور جنت ودوزخ کے متعلق فلاں کا اعتقاد حق ہے ۔ وہ قول یا عمل جو اس طرح واقع ہو جس طرح اس کا ہونا ضروری ہے اور اسی مقدار اور اسی وقت میں ہو جس مقدار میں اور جس وقت اس کا ہونا واجب ہے چنانچہ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری بات یا تمہارا فعل حق ہے ۔

اس طرح قول حق سے مراد ایسی بات جو دلالت کرے مصدقہ Certified ہو ۔ اور اس بات کا حق ہونا ثابت ہوتا ہو ۔ چاہے وہ نفس میں واقع ہو یا فعل کی صورت میں نتائج کی امین ہو ۔ اس مفہوم سے احقاق حق نمایاں ہوتا ہے اول کے جواب میں آیات اور دوم کے جواب میں شریعت کی تکمیل انفس وآفاق کے آثار کے ذریعے سے موجود ہے ۔

تاہم اللہ کا وہ مفرد لفظ یا جملہ جو کسی چیز پر دلالت کرے اور حکمت کے تقاضوں کے عین مطابق ہوتا کہ جس سے آغاز وانجام کی طرف مسلسل سفر ہوتا رہے یوں قول الحق ثابت ہو جائے ۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والسّلٰم علیّ یوم ولدتّ ویوم اموت ویوم ابعث حیّاً○ ذٰلک عیسی ابن مریمؑ قول الحقّ الّذی فیه یمترون ○ ماکان لِلّٰه ان یّتّخذ من وّلدٍ سبحٰنهٗ اذاقضٰی امراً فانّما یقول لهٗ کن فیکون ○ وانّ اللّٰه ربّی وربّکم فاعبدوهُ هٰذا صراط مّستقیم○(۲۱۳)

ترجمہ:۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں گا عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں یہی سچ بات ہے جس میں کہ وہ شک کرتے ہیں ۔ اور یہ اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ ایک بیٹا اخذ کرلے وہ منزہ ہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے پس اس کے لئے کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے اور بے شک اللہ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی بندگی کرو یہی صراط مستقیم ہے ۔

ان هوالاّ ذکر وّ قران مّبین ○ لّینذر من کانا حیّا وّیحقّ القول علی الکٰفرین ○ اولم یروا انّا

خلقنالهم مّمّا عملت ایدینآ انعاماً فهم لها ملکون○(۲۱۴)

ترجمہ:۔ بے شک یہ تو ایک پیغام اور وضاحت بیان کرنے والا قرآن ہے متنبہ کرنے کے لئے اس کو جو کہ زندہ ہے۔اور کافروں پر اتمام حجت کے لئے۔کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے مویشی خلق کئے اور وہ ان کے مالک بنے ہوئے ہیں۔

کائنات کا پھیلاؤ اور پھر اس کا تناؤ، اس کی ترتیب اور پھر اس کی تہذیب، اس کی نیرنگیاں مگر یک رنگی کے ساتھ، اس کی حرکت اور پھر اس کی برکت الغرض اس کا اعلیٰ اس کا اسفل ایک ہی نظام کے پیرہن میں ملبوس ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات قولہ الحق کی مظہر ہے۔ہم آسمانوں کی بلندیوں کو دیکھیں یا زمین کی پستیوں میں سمندر کی گہرائیوں میں دیکھیں یا فلک کی موشگافیوں میں، دن کے اجالے میں یا رات کی تاریکیوں میں سورج اور چاند کی منازل میں، موسم کے تغیرات میں، حیوانات ونباتات و جمادات کی جبلت و عادات میں یا پھر انسان کے ارادہ واختیار میں ہمیں ہر جگہ ہر قدم پر ہر سانس میں ایک ماورائی مرضی کا احساس ہوتا ہے۔یہ مشاہدہ ہمیں باآور کراتا ہے کہ ماوراء کوئی اور ہے۔

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قولہ الحق کے مقابل قولہ فی الحیوٰۃ الدّنیا کی اصطلاح استعمال کر کے اس کی حقیقت بھی بتلادی۔اور چیلنج بھی دے دیا۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن النّاس من یّعجبک قولہٗ فی الحیٰوۃ الدنیا ویشھد اللّٰہ علٰی مافی قلبہٖۙ وھو الدّ الخصام○(۲۱۵)

ترجمہ:۔ اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس کی دنیاوی زندگی کی گفتگو تمہیں حیرت میں ڈال دے اور وہ اس پر جو اس کے دل میں ہے اللہ کو شاہد بناتا ہے۔حالانکہ وہ بدترین دشمن ہے۔

قرآن حکیم والفرقان مجید نے دنیاوی قول کی بطلیت اور اس کے بودے ہونے کی کچھ نفسی نشانیاں اگلی ہی آیات میں بیان کی ہیں تا کہ بنی نوع انسان ان لوگوں کی چکنی چوپڑی باتوں میں نہ آسکے۔ان کے بہکاوے کو سمجھتے ہوئے اپنے دامن کو جہنم کی آگ سے بچالے۔اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی نفسیات اور منافقت کا پردہ چاک کیا ہے۔کیونکہ یہ لوگ عموماً اسی روپ اور لبادے میں سامنے آتے ہیں اس لئے اپنے بندوں کو مطلع کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

واذا تولّٰی سعٰی فی الارض لیفسد فیھا ویھلک الحرث والنّسلؕ واللّٰہ لایحبّ الفساد○ واذاقیل لہ اتّق اللّٰہ اخذتہ العزّۃ بالاثم فحسبہٗ جھنّمؕ ولبئس المھاد○(۲۱۶)

ترجمہ:۔ اور جب وہ حاکم بنا دیا جائے گا تو کوشش کرے گا کہ زمین میں فساد کرے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کر لے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو حمیت اس کے دامن گیر ہو کر اسے گناہ پر ابھارتی ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

یہ نشانیاں کفار کی بھی ہوسکتی ہیں مشرکین اور منافقین کی بھی۔کیونکہ جو کوئی بھی اعراض عن الذکر کرے گا اسکی نفسی

حالت اسی طرح ہو جاتی ہے تب سزا کا اطلاق شروع ہو جاتا ہے۔لہٰذا قول وفعل کے تضاد کے سبب ذہنی ونفسی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔جیسا کہ تفسیر عثمانی میں ہے:۔

’’حال ہے منافق کا ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ مار مچادے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑھے اور گناہ میں ترقی کرے۔‘‘(۲۱۷)

سو جو لوگ اپنے نفس کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں بالخصوص ان کا کہا اس طرح مانتے ہیں جیسا کہ اللہ کے حکم کی تعمیل کے موافق۔پھر یہ فسادی حاکم انہیں بلیک میل Black Mail کرتے رہتے ہیں اس طرح وہ برائی کی دلدل میں دھنستے چلے جاتے ہیں ان کے آگے بھی موت اور پیچھے بھی موت ہوتی ہے وہ کہیں کے نہیں رہتے۔شیطان ان کے پیچھے لگ جاتا ہے۔اس طرح اللہ کا قول ان پر ثابت آتا ہے۔ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وقیّضنا لھم قرنآء فزیّنوا لھم مّابین ایدیھم وما خلفھم وحقّ علیھم القول فیٓ اممٍ قدخلت من قبلھم مّن الجنّ والانسؕ انّھم کانو اخسرینؑ(۲۱۸)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ان کے ساتھی قرار دیئے جنہوں نے جو کچھ ان کے آگے تھا اور جو کچھ ان کے پیچھے تھا اسے ان کو خوشنما بنا کر دکھایا اور وہی قول جو ان سے پہلی گزری ہوئی جنوں اور انسانوں کی امتوں پر پورا اترا تھا۔ان پر بھی پورا ہو کر رہا یقیناً وہ خسارے میں رہے۔

قرین کے معنی ونفسی مفہوم:۔

قرن:۔ الاقتران کالازدواج فی کونہ اجتماع الشیئین أواشیاء فی معنی من المعانی. فلان قرن فلان فی الولادۃ وقرینہ. وجمعہ قرناء، والقرون النفس لکونھا مقترنۃ بالجسم.(۲۱۹)

اردو مفہوم:۔ الاقتران، ازدواج کی طرح اقتران کے معنی بھی دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے کسی معنی میں باہم مجتمع ہونے کے ہیں۔فلاں اس کا ہم عمر یا ہم سر ہے کے ہیں،قرین کی جمع قرناء ہے،اور القرون کے معنی نفس کے بھی آتے ہیں کیونکہ وہ بھی جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

اس طرح اعراض عن الذکر کے باعث انسان کے ساتھ ایک شیطان قرین اس طرح لگ جاتا ہے جیسے جسم میں خون گردش کرتا ہے اس طرح یہ نفس انسانی میں خیال ووسوسہ کی صورت ہمیشہ ساتھ رہتا ہے اور جن وانس دونوں کی صورت میں پایا جاتا ہے۔

شیطان قرین کا اطلاق بسبب اعراض عن الذکر:۔

شیطان قرین کا اطلاق دراصل ان نفوس پر ہوگا جو کہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ریاکاری نیز ذکر رحمٰن کے دوران لغو بکتے ہیں۔جس سے گمراہی در گمراہی کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے۔دراصل یہ اللہ کی طرف سے ایک

قسم کا عذاب ہے۔جس کا اطلاق ایسے مذکورہ نفوس پر ہوتا ہے۔قرآن حکیم میں کئی مقامات پر اس کا ذکر آیا۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

والّذین ینفقون اموالھم رئآالنّاس ولا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الاخرؕ ومن یکن الشّیطٰن لہٗ قریناً فسآء قریناًO(۲۲۰)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو اپنے اموال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں۔اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ جس کا ساتھی شیطان بن گیا ہو بس وہ بہت ہی برا ساتھی ہے۔

دولت وزینت دنیا پر اترانا سنت کفار ہے۔مومن کا شیوہ نہیں۔اللہ نے کتنی ہی نسلوں کو تباہ کر دیا ریا کاری کی وجہ سے یہ تو مہلت ہے۔نیز یہ کہ جو کوئی ذکر رحمٰن سے آنکھیں بند کر لیتا ہے تو اللہ تبارک تعالیٰ اس کے لئے ایک شیطان مقرر فرماتا ہے۔جو کہ اس کو ہدایت کی راہ سے روکتا ہے۔یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے لہٰذا یہ آیات پاک نفوس کے علاوہ ہر نفس کے لئے عبرت ونصیحت ہیں۔ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

ومن یّعش عن ذکر الرّحمٰن نقیّض لہٗ شیطٰناً فھولہٗ قرین O وانّھم لیصدّونھم عن السّبیل ویحسبون انّھم مّھتدونO(۲۲۱)

ترجمہ:۔ اور جو کوئی ذکر رحمٰن سے آنکھیں بن کرلے گا ہم اس کے لئے ایک شیطان مقرر کر دیں گے اور وہ اس کا ساتھی بن جائے گا اور یقیناً وہ ان کو راہ سے روکتے رہیں گے اور وہ گمان کرتے رہیں گے کہ یقیناً وہی ہدایت والے ہیں۔

دراصل یہ شیطان انہیں اپنے قول جو کہ حیات دنیا کی آسائشات کے لئے ہوتا ہے اس کی طرف راغب کرتا ہے۔اور قول حق یعنی کتاب الٰہی سے دور کر دیتا ہے۔جس کی وجہ سے لوگ اسے معبود کا درجہ دے دیتے ہیں۔اور اس کی بات پر آمنا وصدقنا کہتے ہیں۔اور یہی شیطان قرآن کے بارے میں ان کو یہ درس دیتا ہے کہ:۔

وقال الّذین کفروا لاتسمعوا لھٰذا القراٰن والغوافیہ لعلّکم تغلبونO(۲۲۲)

ترجمہ:۔ اور ان لوگوں نے جنہوں نے کہ کفر اختیار کیا کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے دوران لغو بکتے رہو۔ تاکہ تم غالب رہو۔

چونکہ شیطان نے باطل پرستی کا عہد کیا ہوا ہے اس لئے اس کا سارا زور باطل عزائم کی تکمیل ہوتا ہے لہٰذا قرآن کی تلاوت کے دوران لغو بکنے کا مطلب ومقصد یہی ہے کہ قرآن کی پر اثر تلاوت کا اثر زائل ہو جائے اور دوم یہ کہ اس کے معنی ومفہوم سے غفلت کی بناء اپنی اصلاح نہ کر سکیں لیکن! اصل بات کچھ اور ہے۔اور وہ یہ کہ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو شیطانیت کا پردہ چاک Expose کرتی ہے۔یہاں شیطان قرین کو ہر لحہ یہی خطرہ درپیش رہتا ہے کہ کہیں میرا پردہ فاش نہ ہو جائے ورنہ سلطنت ہاتھ سے چلی جائے گی لہٰذا وہ سال کے ۱۲ مہینے اپنی سلطنت کی بحالی چاہتا ہے اس لئے سارا زور اپنے فلسفۂ فکر پر لگا دیتا ہے جس کے تحت وہ سرسبز باغ کا قیاسی جال بچھا کر بہتوں کو گمراہ کر دیتا ہے روز

حشر یہ گمراہ لوگوں پر حقیقت افشاں ہوگی تو پھر ان کے ڈائیلاگ یہ ہوں گے :۔

حتیٰ اذا جآء ناقال یلیت بینی و بینک بعد المشرقین فبئس القرین ○ (۲۲۳)

ترجمہ :۔ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا اے کاش میرے اور تیرے مابین بعد مشرقین ہوتا اور تو کیا ہی برا ساتھی ہے۔

بلاشبہ اعراض ذکر کا نتیجہ یہی نکلتا ہے جو ایک سجدہ سے غفلت برتتا ہے تو پھر اللہ اسے در در پر جھکا دیتا ہے۔ شیطان قرین کا کہا ماننے والوں پر قول حق جب اطلاقی صورت میں سامنے آتا ہے تو پھر قرار ممکن نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی حقیقت کو جھٹلا سکیں گے لہٰذا اس وقت حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے یہی شیطان کہیں گے۔

قالوا بل لّم تکونوا مؤمنین ○ و ما کان لنا علیکم من سلطٰن بل کنتم قوماً طٰغین ○ فحقّ علینا قول ربّنآ انّا لذآئقون ○ فاغوینٰکم انّا کنّا غٰوین ○ فانّهم یومئذٍ فی العذاب مشترکون ○ (۲۲۴)

ترجمہ :۔ وہ کہیں گے دراصل تم خود بھی تو ایماندار نہ تھے اور ہمارا تم پر کوئی زور تو نہیں تھا بلکہ تم تو خود ہی سرکش لوگ تھے۔ پس ہمارے رب کا قول ثابت ہوا بے شک ہم سزا چکھنے والے ہیں اور ہم نے تم کو بہکایا کہ ہم خود بھی تو گمراہ تھے پس اس دن وہ عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔

لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے ایمان کے تقاضے یعنی مکمل تسلیم ورضا کو بنیاد بنایا انہوں نے نفس لوامہ کا کہنا مان کر اپنے نفس کو اللہ کی مرضی کے وافق ڈھال لیا اور شیطان قرین کے بہکاوے میں نہیں آئے۔ ان کے بارے میں رب تعالیٰ یوں گویا ہے :۔

ومن النّاس من یّشری نفسہ ابتغآء مرضات اللّٰہ واللّٰہ رؤفٌ بالعباد ○ (۲۲۵)

ترجمہ :۔ اور لوگوں میں سے ایسا بھی ہے جس نے اپنے نفس کو اللہ کی خوشنودی کے لئے بیچ دیا اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

یہ وہ ایماندار شخص ہوتا ہے جو کہ کامل ایمان کے ساتھ اپنے جان و مال کو طلب دین کے سلسلے میں صرف کرتا ہے۔ یہ نفس امارہ کی سرکشی کا شکار نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے کہنے میں آتا ہے یہی وہ شخص ہوگا جو روز حشر اللہ کی اس مہربانی و کرم کو کچھ اس طرح یاد کرے گا :۔

فاقبل بعضهم علٰی بعضٍ یّتسآء لون ○ قال قآئل مّنهم انّی کان لی قرین ○ یّقول ائنّک لمن المصدّقین ○ ء اذا متنا و کنّا تراباً وعظاماً ءانّا لمدینون ○ قال هل انتم مّطّلعون ○ فاطّلع فراٰه فی سوآء الجحیم ○ قال تاللّٰہ ان کدتّ لتردین ○ ولولا نعمة ربّی لکنت من المحضرین ○ افما نحن بمیّتین ○ الّا موتتنا الاولٰی و مانحن بمعذّبین ○ انّ هٰذا لهوا لفوز العظیم ○ (۲۲۶)

ترجمہ :۔ اور وہ ایک دوسرے کی جانب متوجہ ہو کر سوال کریں گے ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ تحقیق میرا ایک ساتھی تھا جو کہا کرتا تھا، کہ کیا تو بھی تصدیق کرنے والوں میں ہے کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو

جائیں گے تو کیا ہمیں پھر جزا دی جائے گی ؟ کہے گا کہ کیا تم جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو پھر وہ جھانک کر دیکھے گا تو اس کو جہنم کے عین وسط میں پائے گا کہ اللہ کی قسم تو تو مجھے فنا ہی کر دیتا اور اگر میرے پروردگار کا احسان مجھ پر نہ ہوتا تو میں بھی پیش ہونے والوں میں ہوتا۔ کیا اب ہمیں موت نہیں آئے گی ؟ سوائے پہلی موت کے اور نہ ہی ہم عذاب دیئے جائیں گے بے شک یہ تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے نفوس کا احتساب کریں کہ:۔ کیا ہم واقعی ایمان والے، ہدایت یافتہ، حق کے گواہ اور اللہ کے قول کے امین ہیں؟

حق کا دوسرا مرحلہ:۔

الملک کے اطلاق کی نفسی نوعیت و وسعت

افحسبتم انّما خلقنٰکم عبثاً وّانکم الینا لا ترجعون ○ فتعلی اللّٰه الملک الحقّ لا اله الّا هو رَبّ العرش الکریم ○ ومن یّدع مع اللّٰه الٰهاً اٰخر لا برهان لهٗ بهٖ فانّما حسابهٗ عند ربّهٖ انّه لا یفلح الکٰفرون ○ وقل رّبّ اغفر وارحم وانت خیر الرّٰحمین ○ (۲۲۷)

ترجمہ:۔ کیا تم گمان کرتے تھے کہ ہم نے تمہیں عبث خلق کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر آنے والے نہیں ہو، اللہ بلند و بالا سچا بادشاہ ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جو عرش کریم کا رب ہے اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس واضح دلیل نہیں ہے پس اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے۔ بے شک انکار کرنے والے فلاح نہیں پاتے اور کہہ دے میرے پروردگار بخش دے اور رحم کر اور تو تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ملک: ۔ الملک، وملک هو القوّة علی ذٰلک تولّی اولم یتولّی، فالملک ضبط الشئ المتصرف فیه بالحکم. (۲۲۸)

اردو مفہوم:۔ ملک:۔ الملک کے معنی بادشاہ، اور حکمرانی کی قوت اور قابلیت کے پائے جانے کو بھی کہتے ہیں۔ خواہ بالفعل اس کا متولی ہو یا نہ ہو۔ حقیقی بادشاہت چونکہ اللہ ہی کی ہے لہٰذا کامل اختیار و اقتدار کے ساتھ زیر تصرف چیز پر بذریعہ حکم کنٹرول بھی حاصل ہے۔

اصل میں اس کی یہ ملکیت جبر و استبداد کے لئے نہیں بلکہ اصلاح اور فلاح کے حصول کے لئے ہے تا کہ ہر شے حق کے موافق اپنے آغاز و انجام کی طرف رواں دواں رہے۔

کائنات رنگ و بو میں زمین و آسمان کی اشیاء کی نتیجہ خیزی کا ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ کائنات Rational Bases پر چل رہی ہے اور اس کا اطلاق زماں کی صورت میں بھی ہے اور مکاں کی صورت میں بھی۔ یعنی ہر شے کے آغاز و انجام کے لئے عرصہ یا دورانہ کے اصول متعین ہیں اسی طرح جبلت کی صورت میں متعین ہے مگر شریعت کو اختیاری قرار

دیا گیا ہے تاہم یہ مشروط ہے فکر آخرت کے ساتھ۔ چونکہ ہر شے کو اللہ کی جانب رجوع کرنا ہے۔ لہٰذا فطرت و شریعت دونوں اعتبار سے بتادیا کہ:۔

مٰلک یوم الدّین ۝ (۲۲۹)

ترجمہ:۔ روز حساب کا مالک ہے۔

چنانچہ فطرت کے اعتبار سے فرمادیا گیا اور ساتھ ہی شریعت کے اعتبار سے بھی فرمادیا گیا:۔

یسبّح للّٰہ مافی السّمٰوٰت وما فی الارض ج لہ الملک ولہ الحمد ز وھو کلّ شیء قدیر ۝ ھو الّذی خلقکم فمنکم کافر وّ منکم مؤمن ط واللّٰہ بما تعملون بصیر ۝ خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ وصوّرکم فاحسن صورکم ج والیہ المصیر ۝ یعلم مافی السّمٰوٰت والارض ویعلم ماتسرّون وما تعلنون ط واللّٰہ علیمٌ بذات الصّدور ۝ (۲۳۰)

ترجمہ:۔ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کی تسبیح کررہا ہے اسی کے لئے سلطنت ہے اور تمام تعریف بھی اسی کے لئے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہ وہی ہے جس نے تمہیں خلق کیا پس تم میں سے کافر بھی ہیں اور مومن بھی اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھنے والا ہے اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور کیا ہی عمدہ صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف بازگشت ہے وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ اسے بھی جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو۔ اور جسے تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں کے بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی باریک بینی وبصارت اور خبرداری کا انداز ہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح ایک پتا بھی نہیں ہلتا مگر اللہ کو اس کی خبر ہوتی ہے اسی طرح اہل نفس یہ جان لیں کہ وہ نہ صرف سینوں میں چھپی باتوں کو جانتا ہے بلکہ آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے چنانچہ اس خصوصیت سے آگاہ فرماتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

یعلم خآئنۃ الاعین وما تخفی الصّدور ۝ واللّٰہ یقضی بالحقّ ط (۲۳۱)

ترجمہ:۔ وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے بھی جسے سینوں نے چھپا رکھا ہے اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

باریک بینی سماعت وبصارت کے ساتھ یقضی بالحق کی مہر ثبت کردی۔ ہمارے سامنے سوچ کا میدان بڑا وسیع ہے ہمیں سوچنا چاہئے کہ:۔

کیا کوئی آسمان وزمین کی ملکیت کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ اسی طرح موت، زندگی، تخلیق، قضاء وقدر کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ یا پھر کیا کوئی نفس ایسا ہے کہ جو کسی نفس کی مدد بیک وقت دونوں جہاں میں کرنے کی استطاعت رکھتا ہو؟ اس کا جواب ہے نہیں۔ تو پھر ہمیں اپنی نفسی خصوصیات کے ضمن میں یہ سوچنا چاہئے کہ:۔

☆ نمرود نے اپنے ارادہ کا اختیار اور مرضی کو آزمایا تو کیا پایا؟

☆ فرعون نے اپنے اختیار کو جانچا تو کیا محسوس کیا؟

☆ ابن نوح نے شرک کیا تو ادراک حق نفس پر منتج کیسے ہوا؟

الغرض برے نفوس کے حاملین نے عزت پائی یا ذلت حقیقت یہ ہے کہ ذلت پائی لہٰذا انسان پر لاگو و لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ:۔

قل اللّٰھمّ ملک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک ممّن تشآء وتعزّ من تشآء وتذلّ من تشآء ط بیدک الخیر ط (۲۳۲)

ترجمہ:۔ کہہ دے اے معبود سلطنت کے مالک تو جسے چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔

لیکن بصورت دیگر نفوس کو یہ جان لینا چاہئے کہ ہمارے یہ دنیاوی افعال روز محشر بعینہٖ ہمارے سامنے ہوں گے اور شعور اپنی نسبتوں کے ساتھ مثبت یا منفی یعنی حق یا گمراہی لئے ہوئے بیدار ہوگا۔ یہی روز جزا کا دن ہوگا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لِمَنِ الملک الیوم ط للّٰہ الواحد القہّار ○ الیوم تجزٰی کلّ نفسٍ بما کسبت ط لا ظلم الیوم ط (۲۳۳)

ترجمہ:۔ آج کے دن کس کا اختیار ہے؟ اللہ واحد غلبے والے کا آج کے دن ہر نفس کو اس کی جزا دی جائے گی جو اس نے کمایا ہوگا۔ آج کے دن کوئی ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔

اس دن نفوس میں جو نقش ہوگا اس اعمال نامہ کو مالک کے حضور حاضر پائیں گے اور بچنے کی کوئی سبیل کارگر ثابت نہ ہوگی۔ پھر انہیں الملک کے مالک یوم الدّین کی حقیقت کا ادراک ہوگا مگر کیا فائدہ؟

تیسرا مرحلۂ حق:۔

الیوم کی حکمت نفسی اور اس کا اطلاق

انّ ربّکم اللّٰہ الّذی خلق السّمٰوٰت والارض فی ستّة ایّامٍ ثمّ استوٰی علی العرش یدبّر الامر ط ما من شفیعٍ الّا من بعد اذنہٖ ط ذٰلکم اللّٰہ ربّکم فاعبدوہ ط افلا تذکّرون ○ الیہ مرجعکم جمیعا ط وعد اللّٰہ حقًا ط (۲۳۴)

ترجمہ:۔ تحقیق تمہارا پروردگار اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں تخلیق کیا پھر عرش پر جلوہ افروز ہوا وہ ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے والا نہیں وہی اللہ تمہارا رب ہے پس اس کی بندگی کرو کیا تم غور نہیں کرو گے؟ تم سب کی بازگشت اسی کی جانب ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے۔

یوم:۔ الیوم یعبربہ عن وقت طلوع الشّمس الٰی غروبھا وقد یعبربہ عن مدّة من الزمان۔ (۲۳۵)

اردو مفہوم:۔ الیوم طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کی مدت اور وقت پر بولا جاتا ہے اور عربی زبان میں مطلق وقت اور زمانہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ خواہ وہ زمانہ کتنا ہی دراز کیوں نہ ہو۔

مذکورہ معنی سے یہ مفہوم مراد ہوتا ہے کہ یوم کسی مرحلے کی خاص مدت یاStage کے دورانیہ کو ظاہر کرتا ہے اور یہ دورانیہ کائنات کے ارتقاء کو بھی ظاہر کرتا ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مکاں کے ساتھ زماں کی ضرورت کیوں؟ اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ چونکہ ہر تخلیق حکمت نفسی سے لیس ہے اس لئے وقت Time کی بھی حکمت و مقصدیت بلکہ ضرورت ہے بصورت دیگر مکاں بناء زماں کے کچھ نہیں۔ تاہم اس میں چار مقاصد نہایت نمایاں ہیں ایک آفاقی مقصد و حکمت اور دوم شرعی مقصد و حکمت سوم نفسیاتی مقصد و حکمت اور چوتھا ان تینوں مقاصد کا منطقی نتیجہ ہے۔ یعنی یوم کا اطلاقی نتیجہ جسے یوم الدین Day of Judgement اور یوم حشر Day of Resurection بھی کہتے ہیں۔ (ضمیمہ نمبرا میں یوم کے مقاصد و حکمت کا چارٹ نمبر۲، ص نمبر ۶۲۶ پر ملاحظہ کیجئے)

یوم کا آفاقی مقصد:۔

اس کارخانۂ قدرت میں چار سو شاہکار بکھرے پڑے ہیں اس سلسلۂ لامتناہی میں اس مکاں میں بے شمار تخلیقات پائی جاتی ہیں۔ ہر تخلیق اپنے نفس میں بظاہر ایک مگر نہ جانے کتنے مقاصد رکھتی ہے۔ اس میں زماں بھی ہے یقیناً اس میں بھی مقاصد و حکمت پائے جاتے ہیں۔ لیکن زماں و مکاں اور اس میں پائی جانے والی مخلوق اس بات کی نشاندہی ضرور کرتی ہے کہ وہ سب ایک ہی منشاء کو پورا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

هُوَ الَّذِی جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوراً وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِینَ وَالْحِسَابَ ؕ مَاخَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ (۲۳۶)

ترجمہ:۔ وہ وہی ہے جس نے سورج کو درخشاں اور چاند کو ایک نور قرار دیا اور اس کی منازل کا تعین کیا۔ تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو اللہ نے یہ سب کچھ حق ہی کے ساتھ خلق کیا وہ مفصل طور پر اپنی نشانیوں کو بیان کرتا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں۔

یوم کا شرعی مقصد:۔

زماں و مکاں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے یہ اشتراک شریعت کی وابستگی کا پتہ دیتا ہے۔ ہر تخلیق شریعت رکھتی ہے یہی شریعت اس شے کو متحرک رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ کائنات کا نظام اس کی ترتیب، اس کا توازن، اس کے تغیرات اس کے ہنگامے، یہ پربت یہ نظارے، سمندر، پہاڑ الغرض تمام حیوانات و نباتات و جمادات اپنے باطن میں اور اپنی زندگی میں ایک پروگرام رکھتے ہیں۔ ہر شے کا اپنے باطن میں پروگرام رکھنا ہی اس کی شریعت کا مظہر ہے انہی اصول شرائع کا انسانوں پر بھی اطلاق کیا گیا لہٰذا اس کی شریعت کے بارے میں اللہ یوں گویا ہے کہ:۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ

اربعة حرمٌؕ ذٰلک الدین القیمؕ فلا تظلموا فیھنّ انفسکم وقاتلوا المشرکین کآفۃً کمایقاتلونکم کافۃًؕ واعلموآ انّ اللّٰہ مع المتقینO(۲۳۷)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا مہینوں کی گنتی بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار حرمت کے ہیں یہی سیدھا راستہ ہے پس ان کے معاملے میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے اکٹھے ہوکر لڑو جس طرح کہ وہ تم سے اکٹھے ہوکر لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔

یہ وہ شرع ہے جو روز اول سے اطلاق پر بر ہے۔اور قیامت تک رہے گی۔

یوم کا نفسیاتی مقصد وحکمت:۔

ہر گزرنے والا لمحہ اپنے نقش چھوڑتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ نفس پایا جاتا ہے اور اس کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ نقش زماں کا ہو یا مکاں کا اس کی چھاپ تو اس پر لگتی ہے لیکن اس چھاپ کے لگنے میں انسان کی مرضی ومنشاء کو دخل ہے اسی عمل دخل پر نفس کو اس کی سعی کی جزا ملے گی یا سزا۔ کیونکہ اس کے خالق نے اس کے لئے جو نظام ترتیب دیا ہے اس میں وہ زوال پذیر نفوس کا حامل ہے لہٰذا اس کی آزادی اس کے احتساب اس کی آزمائش سے مشروط اور بندھی ہوئی ہے۔ چنانچہ مکافات عمل کے نتیجہ کو متعارف کرایا اور کہا ہے:۔

ان یمسسکم قرح فقد مسّ القوم قرح مثلہٗؕ وتلک الایّام نداولھا بین النّاسج(۲۳۸)

ترجمہ:۔ اگر تمہیں زخم لگا ہے تو ان کو بھی تو اسی کی مانند زخم لگ چکا ہے یہ ایام ہم لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔

عمل کو دہرانے کا مقصد آزمائش ہے جو کہ مکافات عمل کی بنیادی منطق ہے یعنی کہ شہداء اور ظالم کی جانچ کرنا۔

یوم کا اطلاقی ومنطقی مقصد وحکمت:۔

روز آفرینش ہی سے بنی آدم کے لئے شریعت مع منطقی نتیجہ کے ساتھ آدم کو متعارف کرادی گئی تھی۔تاکہ نفس کے اکتساب میں بنی آدم عدل کر سکے۔ جو حلال وحرام تھا اسے بھی بیان کیا ساتھ ہی اس کے منطقی نتائج کو بھی بیان کیا گیا۔

قل من حرّم زینۃ اللّٰہ الّتیٓ اخرج لعبادہٖ والطّیّبٰت من الرّزقؕ قل ھی للّذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدّنیا خالصۃً یّوم القیٰمۃؕ(۲۳۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے کس نے اللہ کی زیب وزیبائش کو جو اس نے اپنے بندوں کے لئے بنائی ہے اور رزق میں پاک و پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے؟ کہہ دے کہ یہ دنیاوی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہے اور قیامت کے دن تو ان ہی کے لئے مخصوص ہے۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے انسان کو چاہئے کہ وہ حیات دنیا کی محبت کو ترک کرے اللہ کی محبت کے حصول

کے لئے۔ ویسے بھی تمام جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے اور عبادت بھی شرع کی تابع جو تابعداری کرتا ہوا پایا گیا یہاں تک کہ اسے موت آ گئی وہ کامیاب ہوا۔ اور جو حیات دنیا میں مگن ہو گیا وہ سرکشی میں آگے بڑھ گیا اس کے لئے دنیا وآخرت دونوں میں ذلت ورسوائی ہے۔ اور اس طرح سے یوم کا اطلاق جس کا آغاز ہو چکا ہے اپنے منطقی نتائج مرتب کرر ہا ہے۔ کیونکہ یہ تو کائنات کا اصول ہے کہ جس کا آغاز ہوا اس کا انجام بھی ہوتا ہے ہر چیز کا کوئی نہ کوئی انتہائی مقام ضرور ہوتا ہے جہاں وہ پہنچ کر اپنے مقصد تخلیق کو تمام کرتی ہے اسی طرح یوم یا زماں کا آغاز یہ بتا رہا ہے کہ اس کا اطلاق تو آغاز سے ہو چکا ہے اب صرف تمام نفوس کے انجام کے ظہور کے لئے بھی یوم درکار ہے۔ اس دن تمام نفوس کو اعمال کے موافق سزا و جزا دی جائے گی۔ یہ یوم حشر ہوگا اس دن جن وانس کا معاشرہ اپنی فنایت کو پہنچ کر دوبارہ نئی صورت میں جنم لے گا اس دن کی حالت کے بارے میں اللہ فرماتا ہے کہ:۔

ویوم یحشرھم جمیعاً یٰمعشر الجنّ قد استکثرتم مّن الانس وقال اولیٰؤھم مّن الانس ربّنا استمتع بعضنا ببعض وّبلغنآ اجلنا الّذی اجّلت لنا قال النّار مثوٰکم خٰلدین فیھآ الاماشآء اللّٰہ انّ ربّک حکیم علیم ○ وکذٰلک نولّی بعض الظّٰلمین بعضاً بما کانو ایکسبون ○ یٰمعشر الجنّ والانس الم یاتکم رسل مّنکم یقصّون علیکم اٰیٰتی وینذرونکم لقآء یومکم ھذا قالوا شھدنا علٰی انفسنا (۲۴۰)

ترجمہ:۔ اور جس دن وہ ان سب کو اکٹھا کرے گا اے گروہ جنات بے شک تم نے انسانوں کا بڑا حصہ لے لیا اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے استفادہ کیا اور ہم اپنی اصل کو پہنچے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔ وہ کہے گا اب تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں تم ہمیشہ رہو گے علاوہ اس کے جسے اللہ چاہے بے شک تیرا رب صاحب حکمت جاننے والا ہے اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے حوالے کر دیتے ہیں بسبب اس کے جو انہوں نے کمایا۔ اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے تم سے میری آیات کو بیان کرتے تھے اور تمہیں آج کے دن کی ملاقات سے متنبہ کرتے تھے وہ کہیں گے کہ ہم اپنے نفسوں کے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں۔

مذکورہ آیات ہم میں بیداری پیدا کرتیں ہیں کہ سوائے ایمان اور عمل صالح کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اس طرح نفس کے ذریعے روح جنم لیتی ہے۔ جس سے نفخ کی راہیں استوار ہوتیں ہیں۔

چوتھا مرحلۂ حق:۔

قانون نفخ کی نفسی اطلاقی کارفرمائیاں اور ادراک حسّی

وھو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ویوم یقول کن فیکون قولہ الحقّ ولہ الملک یوم ینفخ. (۲۴۱)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا اور جس دن وہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ

ہو جاتا ہے اس کا قول سچا ہے اور اس کی حکومت ہوگی جس دن پھونکا جائے گا۔

النّفخ نفخ الرّیح فی الشّیٔ ومنه نفخ الرّوح فی النّشاۃ الاولی.(۲۴۲)

اردو مفہوم:۔ النفخ کے معنی کسی شے میں پھونکنے کے آتے ہیں۔ اور اسی سے نفخ الروح ہے جس کے معنی اس دنیا میں کسی کے اندر روح پھونکنے کے ہیں۔

نفخ کے ان معنی کی رو سے مراد وہ قانون کہ جس کے ذریعے توانائی کو پھیلایا جائے تو مردہ اجسام میں حیات تازہ دوڑ پڑے نیز ایسی قوت عطا کرنا کہ جس کی بدولت نفس کا انشاء وارتقاع ہو سکے۔ یہ قانون فطری ہے لہٰذا انفس و آفاق دونوں پر لاگو ہے نفخ کا یہ عمل کائنات میں جاری وساری ہے اس کے مظاہر ہمارے اطراف ٹھوس شکل میں موجود ہیں خواہ وہ نباتات کا ارتقاء ہو یا جمادات کا، خواہ وہ حیوانات کا نمو پانا ہو یا انسانوں کا۔ اور خواہ وہ کائنات کے دیگر سیاروں کا من حیث الاجتماع کائنات ہو اور خواہ وہ زماں کا پھیلاؤ ہو۔ اور وقت کے تیروں کا آگے کی سمت میں بہاؤ ہی کیوں نہ ہو۔ تمام خلائق کی حیات کا انحصار اسی قانون پر ہے۔ پھیلاؤ ہی دراصل زندگی کی علامت ہے یہاں تک کہ حیات بعد المعات پر بھی اس کا اطلاق ہے اور یہی بات حق ہے حق وہ ہوتا ہے۔ جو اس طرح سے واقع اور ثابت ہو جائے کہ اس سے انکار نہ کیا جا سکے۔ آیئے قانون نفخ کے حق ہونے اور اس میں موجود حکمت کا یعنی نفسی اطلاق کا ادراک حسی کریں۔

طین پر قانون نفخ کا اطلاق اور ادراک حسی

اذقال ربّک للملٰئکة انّی خالقٌ بشرا مّن طینٍ ○ فاذا سوّیتهٗ و نفخت فیه من رّوحی فقعوا لهٗ سٰجدین○(۲۴۳)

ترجمہ:۔ جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ بے شک میں مٹی سے ایک بشر تخلیق کرنے والا ہوں پس جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

طین پر قانون نفخ کا اطلاق اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ ہر ایک نعمت فقط نعمت ہی نہیں رہتی بلکہ نعمت عظمٰی بن جاتی ہے خیر کثیر بن جاتی ہے ارض وسماں کی خلقت اسی بحر بیکراں جیسے قانون کے سبب اپنی جبلتوں کے ساتھ کوشاں ہو جاتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر ہر شے اور تمام خلائق اپنی اپنی حدود میں اپنے پروگرام اور حسی ادراک کی نعمت کے سبب اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے کوشاں ہیں۔ لیکن ایک بشر ہے جو عنصر طین کا نتیجہ وخلاصہ ہے جب وہ قانون نفخ کی بدولت حیات تازہ ونمو پاتا ہے تو اپنے مقصد تخلیق کو ہی فراموش کر بیٹھتا ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ادراک حسی سے کام نہ لیا جبکہ ہماری بقاء ہماری فلاح ہماری معراج کا دارومدار حواس کے ادراک پر ہے اگر ادراک کے ذرائع مفقود ہوں تو پھر نہ معرفت کی یہ صورت ہوگی اور نہ ہی تسخیر کا یہ مقام کسی انسان کو حاصل ہو سکے گا۔ اس لئے اللہ نے ہمارے تخلیق کے مقصد کے حصول کے لئے حسی ادراک کے Sensory Perception کے ذرائع سے آراستہ کیا ہے جس کا ذکر رب کریم نے کئی مقامات پر کیا۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وھو الّذی انشالکم السّمع والابصار والافئدۃ قلیلا مّاتشکرون○(۲۴۴)

ترجمہ:۔ اور وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے سماعت وبصارت اور دل انشاء کئے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

حسّی ادراک کیا ہے؟ دی کیمرج ڈکشنری آف فلاسفی کے مطابق:۔

Perception:- The extraction and use of information about one's envirnonment (Exteroception) and One's Own body (Interoception). The various external senses-sight, hearing, touch, smell and taste-though they overlape to some extent are distinguished by the kind of information (e.g., about light, sound, temperature, pressure) they deliver. (245)

اب اس کا انحصار انسان پر ہے کہ وہ ان نعمتوں کا استعمال کیسے کرتا ہے۔ عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتا ہے یا نہیں؟

طین پر قانون نفخ کا عملی مظاہرہ اور ادراک حسّی

قرآن مجید والفرقان حمید اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی شرح وبسیط جیسی صفتوں کی حامل کتاب ہے جو انسان کو کسی مقام پر بھی تشنہ وتنہا نہیں چھوڑتی۔ چنانچہ منکرین حق اور اہل تشکیک کو پست منزل سے بلند سطح پر پہنچانے اور بذریعہ ادراک حسّی حق کو منشرح کرنے کی خاطر طین پر قانون نفخ کا عملی مظاہرہ بطور نشانی کرادیا تاکہ حجت تمام ہو جائے۔

انّی قد جئتکم بایۃ مّن رّبکمؕ انّی اخلق لکم مّن الطّین کھیئۃ الطّیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہؕ (۲۴۶)

ترجمہ:۔ بے شک میں تمہارے پالنے والے کی طرف سے تمہارے پاس ایک نشانی کے ساتھ آیا ہوں میں تمہارے لئے مٹی سے ایک پرندہ کی صورت خلق کروں گا پھر میں اس میں پھونک ماروں گا اور پھر وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا۔

یہ نشانی کے طور پر تخلیق Pro-Creation کا ادراک کرایا جارہا ہے کہ جب اللہ بدون حسّی بشر عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق کرسکتا ہے تو پھر قانون نفخ کا عیسیٰ کے ذریعے مظاہرہ کرانا کونسا مشکل کام تھا۔ یہاں تو نفسیاتی اعتبار سے علم کو بذریعہ مشاہدہ ادراک حسّی کے لئے عقل کے اندھوں کو اور مردہ ضمیروں کو شعور تازہ عطا کرنا مراد تھا۔ تاکہ کوئی نفس اپنی سرکشی کی بدولت اگر پژمردہ ہوگیا تو ان نشانیوں سے اپنے مردہ ضمیر کو روشن کرسکتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ حس و شعور کے زائل ہو جانے اور قوت عاقلہ کے نیز جہالت کے سبب گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ لیکن قانون نفخ کے عملی مظاہرہ نے اس کے شعور کو دوبارہ جلا بخشی اور نفس دوبارہ ارتفاع Sublimation پا گیا۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب نفسوں میں حق کی گنجائش ہو۔ بصورت دیگر نہیں۔

سختی قلوب کی حسی وجہ :۔

قانون نفخ کے اطلاق سے اللہ نے انسان کے حواس خمسہ کو انشاء کیا۔ انسان ان حواس میں سے قوت سماعت اور قوت بصران سے بہت کام لیتا ہے باقی تین کا کردار اپنی جگہ۔ لیکن آموزش Learning کے سلسلے میں ان دو ذرائع و قوت کو اولین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے پھران دونوں میں قوت سماعت Hearing کو اول درجہ اور قوت بصر Sight کو دوسرا درجہ حاصل ہے۔ یہ اس لئے کہ آنکھ زبان بلوغت اور تحریری یعنی مرکب الفاظ کی محتاج واقع ہوئی ہے جبکہ قوت سماعت ان کی محتاج نہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ آنکھ سے آپ صرف ایک جانب دیکھ سکتے ہیں۔ جبکہ سماعت کے طفیل آپ چاروں جانب کے ماحول سے باخبر رہتے ہیں۔ اس لئے سماعت دیگر حواس میں اول درجے کی حامل ہے۔

قوت سماعت اور عقل کا ربط :۔

قوت سماعت اور عقل میں خاصا ربط پایا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے کئی مقامات پر اس کی وضاحت فرمائی مثلاً ایمان کی دولت سے فیضیاب ہونے والے انسانوں کے ڈائیلاگ کو ملاحظہ کریں :۔

ربنآ اننا سمعنا منا دیًا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنّا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا و کفر عنا سیاتنا وتوفّنا مع الابرار○ (۲۴۷)

ترجمہ :۔ اے ہمارے پالنے والے بے شک ہم نے ایک پکارنے والی کی پکار سنی جو پکار کر ایمان کی دعوت دیتا رہتا ہے کہ اپنے پالنے والے پر ایمان لے آؤ پس ہم ایمان لائے اے ہمارے پالنے والے ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں ہم سے دور کردے اور ہمیں نیکوکاروں کے معیار پر لا۔

یہی آواز دراصل صوت رسول ہے جو ہمارے نفسوں میں آچکا ہے جو ہمیں ہر گھڑی برائی سے بچا کر فلاح کی جانب راغب کرتا ہے۔ چونکہ انسان وجن دونوں کی تخلیق کا مشترک مقصد عبادت ہے لہٰذا ان کی سماعت کے بارے میں بھی ان کے ڈائیلاگ کو قرآن نے بیان کیا ہے۔

وَانّا لمّا سمعنا الھدٰی امنّا بہٖ فمن یؤمن بربہٖ فلایخاف بخسا وّلا رھقا○ (۲۴۸)

ترجمہ :۔ اور یہ کہ جب ہم نے ہدایت سنی تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو کوئی اپنے رب پر ایمان لاتا ہے۔ اسے نہ تو کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے اور نہ ہی کسی زیادتی کا۔

جن وانس دونوں نے ہی اپنی قوت سماع کے استعمال سے حاملان اسلام ہوئے اور ساتھ ہی اسلام وایمان کے فوائد کو عقلی ربط کی بناء پر آگاہی حاصل کی۔ بے شک یہ اسی حس کی نتیجہ خیزی کا اظہار ہے۔

قوت سماعت اور تاثرات ومہیجات کی وابستگی :۔

قوت سماعت اور تاثرات ومہیجات ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ ایسا اس لئے ہے نور کی روشنی ہو یا ظلمت کا اندھیرا یا اندھیرے پر اندھیرا ماحول کے ادراک میں سب سے پہلے یہی قوت کام آتی ہے شاید اسی لئے مادر رحمی

میں پلنے والا بچہ ماحول کی آوازوں سے واقف ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آوزوں کے مثبت اور منفی اثرات کو بھی محسوس کرتا ہے۔اسی لئے اسلام اس دوران میں تلاوت کلام پاک، تدبر و تفکر تحقیق کے راستے کو اپنانے پر زور دیتا ہے مگر اس وقت موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ عامہ کی کھلے عام نشر و اشاعت، مذہبی تعلیم کا فقدان، اخلاقی پستی، عریانی، الکحل سوسائٹی اور اس کے استعمال کے اثرات نیز حرام غذاؤں کا استعمال نفوس کے عدم تزکیہ کا ثبوت ہیں۔جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچے کے دل و دماغ میں اللہ اور اس کے رسول کی آواز کی جگہ دوسرے ہیروز Heros کی آوزوں کا ارتکاز ہو جاتا ہے اور اس طرح پیدائش کے فوراً بعد آواز سے پہلے ہی ذہن میں ان آوازوں کا غلبہ ہوتا ہے۔لہٰذا!!! یہ نہایت غور و فکر کا مقام ہے ہمیں قوت سماعت کی نزاکتوں کو سنجیدگی سے سمجھنا چاہئے تاکہ بردباری اور تحمل جیسی صفات کا امین بنا جا سکے۔اسی لئے قرآن نے دونوں سورتوں کو اپنے مختصر الفاظ میں کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔کہ جو کوئی راہ پانا چاہے تو آسانی سے پالے۔ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ویقولون سمعنا وعصینا واسمع غیر مسمع وّراعنا لیّاً بالسنتهم و طعناً فی الدّینؕ ولو انّهم قالوا اسمعنا واطعنا واسمع وانظرنا لکان خیراً لّهم واقومؗ (۲۴۹)

ترجمہ:۔ وہ کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور نافرمانی کی اور تو وہ سن جو سننے کے لائق نہیں اور ہمارا لحاظ کر، حالانکہ اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ سنیئے اور ہم پر نظر کرم فرمایئے تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ مناسب ہوتا۔

سماعت اور قلب کا تعلق:۔

سماعت اور قلب کا آپس میں بڑا گہرا تعلق ہے جو کہ سماعت کے اثر کے لئے دلیل کی حیثیت رکھتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے سے قلب کی کیفیت بعض اوقات تاثر و کردار کی صورت میں ظاہر بھی ہو جاتی ہے۔اور قلب کا جھکاؤ اگر غیر اللہ یا غیر حق کی جانب ہو تو حسی ادراک سلب ہونے لگ جاتے ہیں۔قرآن میں ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

لهم قلوب لّا یفقهون بهاؗ ولهم اعین لا یبصرون بهاؗ ولهم اذان لا یسمعون بهاؕ اولٰٓئک کالانعام بل هم اضلّؕ اولٰٓئک هم الغٰفلون○ (۲۵۰)

ترجمہ:۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں وہ تو ڈھور ڈنگروں جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ گمراہ۔وہی تو ہیں جو غافل ہیں۔

سماعت کا قلب سے مثبت تعلق نہ ہو تو پھر اس کا دل سیاہ سوراخ Black Wholes کی صورت اختیار کر لیتا ہے جہاں ہدایت کی کرن داخل نہیں ہوتی ان کے قلوب اثر پذیری کی مثبت کیفیت و صلاحیت سے محروم ہو جاتے ہیں تب قانون ختم کا اطلاق ہوتا ہے:۔

ان لّو نشآء اصبنٰهم بذنوبهمۚ ونطبع علٰی قلوبهم فهم لا یسمعون○ (۲۵۱)

ترجمہ:۔ کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کر دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ وہ سن ہی نہ سکیں۔

حواس سے بعید ادراک اوراس کی ممکنات

دنیائے موجودات میں حواس صرف خمسہ ہی نہیں بلکہ حواس سے بعید کچھ اور ذرائع بھی ہیں۔ جو ہماری رہنمائی اس جانب کرتے ہیں کیونکہ ادراک کی ممکنات کا میدان خاصا وسیع ہے۔ دنیا میں کئی مخلوقات ایسی ہیں جو اپنے اندر بے مثل صفت رکھتی ہیں کہ انسان جب ان پر تحقیقی نتائج حاصل کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے۔ مگر ہنوز سائنس اس قسم کے ادراک کو مکمل طور پر تسلیم نہیں کر سکی اس لئے جرائم کی دنیا پر قابو پانے کے لئے کوئی قانون پیش نہیں کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس قسم کے ادراک کی توجیہہ ادراک کے اصولوں کی بنیاد اور اسکی حدود سے ماوراء ہے قانون بننے میں دراصل یہی نقطہ مانع ہے۔ بہر حال فہم وادراک کی ان بلندیوں کو عصر جدید میں Para Psychology کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

پیراسائیکالوجی کیا ہے؟ What is Parapsychology?

ہر کوئی جانتا ہے کہ بصر اور بصیرت سے حاصل ہونے والے علم میں فرق ہوتا ہے یہی فرق حسی ادراک اور حواس کی حدود سے ماوراء ادراک میں ہے اس علم کے تحت قوت سماعت و بصارت کی حدود اور ان کے اصولوں کے ماوراء کسی آواز کا ادراک کرنا کسی بعید شے کو دیکھ لینا نیز دل میں احساس کو مجتمع کر کے مطلوبہ زیر اثر غائب وموجود، قریب و بعید شخص میں خیال یا پیغام کو ڈال دینا پیراسائیکالوجی کہلاتا ہے۔ نزول قرآن سلسلۂ وحی، الہام والقاء الرؤیا والمنام یہ دراصل اسی کی صورتیں ہیں جنہیں قرآن نے متعارف کرایا۔ گو کہ اس علم کے ذریعے نفس انسانی سے ایسے اعمال کا ظہور ہوتا ہے جو کہ عام طور پر ممکن نہیں۔ آئیے اس کی مختصر تفہیم کریں۔

The stady of certain anomalous phenomenon and ostensible casual connections neither recognized nor clearly rejected by traditional sciences. Paraphychology's principle areas of investigations are extrasensory perception (ESP), Psychokinesis (PK) and cases suggesting the survival of mental functioning following bodily death.(252)

بنیادی طور پر اسے علم کی تین شاخوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:۔

۱) ادراک بذریعہ ٹیلی پیتھی	1) Telepathy
۲) ادراک بذریعہ غیب بینی	2) Clairvoynce
۳) ادراک بذریعہ مقدم شناسی	3) Precognitive Experience

(ضمیمہ جات نمبر ا میں پیراسائیکالوجی کی اقسام کا چارٹ نمبر ۳، ص نمبر ۶۲۶ پر ملاحظہ کیجئے۔)

۱) ادراک بذریعہ ٹیلی پیتھی Perception Through Telepathy:۔

ٹیلی پیتھی ایک ایسا علم وعملی اثر ہے جس میں انسان اپنے حواس خمسہ کے بغیر دوسرے انسان پر اثر ڈال سکتا ہے اور اثر لے سکتا ہے۔تعریف ملاحظہ ہو:۔

Telepathy:- The apparent anomalous influence of one person's mental states on those of another, comonly identified with apparent communication between two minds by extra sensory means.(253)

۲) ادراک بذریعہ غیب بینی Perception Through Clairvoynce:۔

ادراک بذرعہ غیب بینی کے تحت کسی انسان کو ان تمام حقائق سے متعلق خبر ہو جاتی ہے جو کہ حواس کی دسترس سے باہر رہتے ہیں اس لئے ادراک بذریعہ غیب بینی Clairvoyance کہتے ہیں۔

Clairvoyance:- The apparent anomalous influence of a Physical state of affairs on a persons mental states commonly identified with the supposed ability to percieve or know of objects or events not present to the senses. (254)

۳) ادراک بذریعہ مقدم شناسی Perception by Precognitive Experence:۔

دراک بذریعہ مقدم شناسی میں کسی واقعہ کے ہونے سے قبل اس کی نوعیت کی بابت علم حاصل ہو جاتا ہے یہ بھی ادراک کی ممکنات سے تعلق رکھتا ہے۔اسی لئے اسے ادراک بذریعہ مقدم شناسی کہتے ہیں۔اس کی تعریف ملاحظہ ہو:۔

The casual influence of some state of affairs on an earlier event (an gent's ostensible precognitive experience).(255)

The phenomena is not distinguishable from premonition and differ's from prophesy only in that, in the later, there is the aditional element of information being given before an event in order to warn or confort.(256)

اب ہم ادراک کی ان وسعتوں اور ممکنات کا مختصراً قرآنی جائزہ لیں گے تاکہ حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو سکے نیز مستقبل میں نفس میں موجود نئے جزیرے تلاش کئے جاسکیں۔

ادراک کی ممکنات کی وسعت Possibilities of the perception and its scope:۔

فہم وادراک کی ممکنات کس قدر وسیع ہیں؟نفس انسانی کی رسائی کہاں تک ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جو انسانی ذہن میں نمو پاتے ہیں۔اس لئے ہر دور میں ان ممکنات تک رسائی کے لئے نفس کی دنیا میں موجود جزیروں کی سیر کی گئی دراصل یہ غیب پر غلبے کی کوشش کا نتیجہ ثابت ہوئی جواب دریافتوں کے بعد شہود کی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ

پیرا سائیکالوجی، ٹیلی پیتھی، کلیئر وائنس اور پری کوگنیٹو وایکسپیرئنس جیسے علوم متعارف کرائے گئے ہیں۔

لیکن قرآن ہمیں ادراک کی جن ممکنات اور وسعتوں کے بارے میں بتاتا ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی وسعتوں کے مسافر بالخصوص رسول، نبی، پیغمبر کی کیفیت بسبب نزول وحی ادراک سے ماوراء ہے۔ نیز صحابہ کرام، اولی الامر جن میں اولیاء بھی شامل ہیں، اور شہداء ومتقین وصالحین ہوتے ہیں، جو فہم وادراک کی ان منزلوں کے مزے لوٹتے ہیں۔ یہ مصدقہ خبر انسانوں تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن علاوہ ازیں کوئی عام شخص بھی اس صلاحیت کو حاصل کر سکتا ہے لیکن اس کی یہ صلاحیت یاد رہے کہ انبیاء و رسل کے مدمقابل کوئی نہیں آ سکتا کیونکہ وحی کے نزول کا معاملہ خارق عادت ہے۔ نیز مذکورہ افراد سے نہایت کم درجے کی ہوگی۔ چنانچہ ہم درج ذیل میں فقط رسول و نبی کے حوالے سے ادراک کی ممکنات اور اس کی وسعت کا اکتساب کریں گے مختصراً اور تفصیلاً علم الغیب والشھادہ میں وحی اور اقسام وحی میں ذکر خاص ہوگا۔

قانون ندا کی ممکنات ووسعت:۔

ونادیٰ نوحٌ ابنہ وکان فی معزلٍ یّٰبنیّ ارکب مّعنا ولا تکن مّع الکٰفرین ○ قال ساٰوِیْ الی جبلٍ یّعصمنی من المآء (۲۵۷)

ترجمہ:۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور آنحالیکہ وہ ایک علیحدہ مقام میں تھا کہ اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور انکار کرنے والوں کے ساتھ نہ ہو۔ کہا میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔

حضرت نوح کا کسی دوسرے مقام پر سے بیٹے کو پکارنا اور بیٹے کا جواب دینا نیز حشرات الارض کی ہلکی سی مادہ کی آواز لاکھوں میل دور نر تک پہنچ جاتی ہے یہ سب وہ مشاہدے ہیں جو ہمیشہ اس حقیقت کا ادراک کراتے ہیں کہ اس کائنات میں نفس کی آواز کی ممکنات بڑی وسیع ہیں۔ ندا کے معنی ملاحظہ ہوں:۔

ندا:۔ النداء رفع الصّوت وظھورہ وقد یقال ذٰلک للصّوت المجرد وایّاہ قصد۔ (۲۵۸)

اردو مفہوم:۔ النداء کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں۔ اور کبھی نفس آواز پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

کیا مذکورہ آیات ادراک کی ممکنات اور اس کی وسعتوں کا پتہ نہیں دے رہیں؟

قانون ریح کی ممکنات ووسعت:۔

ولمّا فصلت العیر قال ابوھم انّی لاجد ریح یوسف لولآ ان تفنّدون○ (۲۵۹)

ترجمہ:۔ جیسے ہی مصر سے قافلہ روانہ ہوا ان کے والد نے کہا کہ اگر تم مجھے سٹھیا ہوا نہ سمجھو تو یقیناً میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں قافلہ والوں کو اپنی قمیض دی اور کہا کہ اسے حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔ حالانکہ قمیض کی سپردگی مصر میں ہوئی لیکن حضرت یعقوب نے اس خوشبو کو انتہائی مسافت کے باوجود پالیا اتنی تیز رفتاری، جسامت وکثافت کے ساتھ تو ممکن نہیں مگر ممکنات ادراک کا پتہ ضرور دیتی ہے کیا یہ پیغام

رتے ادراک کی ممکنات کی وسعت کی دلیل نہیں؟

لاتدرکه الابصار وهویدرک الابصار وهو اللّطیف الخبیر ○ (۲۶۰)

ترجمہ:۔ آنکھوں کی رسائی اس تک ممکن نہیں اور اس کی رسائی آنکھوں تک ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔

یہی وہ ممکنات و وسعتیں ہیں جو قانون نفخ کی اطلاقی ممکنات کا پتہ دیتیں ہیں۔

پانچواں مرحلۂ حق:۔

الصّور کی منور تصویر اور اس کے اطلاقی نتائج

خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ وصوّرکم فاحسن صوّرکم والیه المصیر ○ (۲۶۱)

ترجمہ:۔ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ خلق کیا۔ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور کیا ہی عمدہ صورتیں بنائیں اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔

صور:۔ الصورة ماینتقش به الاعیان ویتمیز بها غیر ها وذٰلک ضربان احدهما محسوس یدرکه الخاصة وللعامة بل یدرکه الانسان و کثیر من الحیوان کصورة الانسان والفرس والحمار بالمعانیة والثّانی معقول یدرکه الخاصة دون العامة کالصّورة التی اختص الانسان بها من العقل والرؤیة والمعانی الّتی خصّ بهاشئ بشئ والی الصّورتین اشار صوّرکم فاحسن صوّرکم، ویوم ینفخ فی الصّور فقد قیل هو مثل قرن ینفخ فیه فیجعل الله سبحانه ذٰلک سبباً لعود الصّور والارواح الی اجسامها وروی فی الخبران الصّورفیه صورة النّاس کلّهم. (۲۶۲)

اردو مفہوم:۔ صور، ''الصورۃ کسی عین یعنی مادی چیز کے ظاہری نشان اور خدو خال جس سے اسے پہچانا جا سکے اور دوسری چیزوں سے اس کا امتیاز ہو سکے یہ دو قسم پر ہیں۔ (۱) محسوس جن کا ہر خاص و عام ادراک کر سکتا ہو بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے حیوانات بھی اس کا ادراک کر لیتے ہیں جیسے انسان فرس احمار وغیرہ کی صورتیں دیکھنے سے پہچانی جا سکتی ہیں۔ (۲) صورۃ عقلیہ جس کا ادراک خاص خاص لوگ ہی کر سکتے ہوں۔ اور عوام کے فہم سے وہ بالاتر ہوں جیسے انسانی عقل و فکر کی شکل و صورت یا وہ معنی یعنی خاصے جو ایک چیز میں دوسری سے الگ پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ صورت کے ان پر ہر دو معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا صورتیں بنائیں اور کیا ہی عمدہ صورتیں بنائیں۔ جس روز صور پھونکا جائے گا کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ صور سے قرن یعنی نرسنگھے کی طرح کی کوئی چیز مراد ہے جس میں پھونکا جائے گا۔ تو اس سے انسانی صورتیں اور روحیں ان کے اجسام کی طرف لوٹ آئیں گی ایک روایت کے مطابق صور کے اندر تمام لوگوں کی صورتیں موجود ہیں۔''

ان معنی سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ نے جب یہ کہا کہ:۔

وهو الّذی خلق السّمٰوٰت والارض بالحقّ ویوم یقول کن فیکون قوله الحقّ وله الملک

یوم ینفخ فی الصّور ؕ (۲۶۳)

ترجمہ:۔ اور وہی تو ہے وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ خلق کیا جس دن وہ کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اس کا قول سچا ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا۔

تو پھر الصور The Form اپنی منور تصویر Transparency کے ساتھ ہی اس کا اطلاق شروع ہو گیا۔ ہر شے کو حق کے ساتھ ایک صورت عطا ہوئی خواہ اس کا تعلق سماوی دنیا سے ہو یا ارضی خواہ، وہ مرئی ہو یا غیر مرئی۔ اور دوم یہ کہ یہ اطلاق حق کے ساتھ نتائج کا امین بھی ہے۔ ایک مکمل نظام Perfect System ہے۔ یہی وہ نظام ہے جو روز قیامت صورتوں کے ساتھ محشور کرے گا۔ تاہم نفسی و کردار نتائج کا اثر صورتوں پر ضرور لاگو ہوگا۔ اس کی خبر ہمیں قرآن دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ ہم مجرموں کو نیلی آنکھوں کے ساتھ محشور کریں گے اور ایک مقام پر کہتا ہے کہ غافل لوگوں کے متعلق کہ انہیں ہم اندھا، بہرا، گونگا اور اوندھے منہ اکھٹا کریں گے دراصل یہ شعور کے اندھاپن کے نتائج کی بناء پر صورتوں میں تبدیلی کو ممکن بتایا گیا ہے۔ بزبان قرآن ملاحظہ ہو:۔

یَوم ینفخ فی الصّور و نحشر المجرمین یومئذٍ زرقاO ج(۲۶۴)

ترجمہ:۔ جس دن کہ صور پھونکا جائے گا اس دن ہم مجرموں کو نیلی آنکھوں کے ساتھ محشور کریں گے۔

ونحشرھم یوم القیٰمۃ علٰی وجوھھم عمیاً وّبکماً وَصمّاؕ(۲۶۵)

ترجمہ:۔ اور ہم انہیں قیامت کے دن اندھے، بہرے اور گونگے، اوندھے منہ اکٹھا کریں گے۔

صورتوں میں تبدیلی کی یہ وجہ گناہ و جرم جو کہ بے شعوری کا نتیجہ ہوتے ہیں بتائی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن نے سماوی و ارضی مخلوق کے لئے ایک ہی لفظ کا اطلاق صورت گری پر کیا ہے وہ یہ کہ:۔

انّ کلّ من فی السّمٰوٰت والارض الّا اٰتی الرّحمٰن عبداOؕ(۲۶۶)

ترجمہ:۔ بے شک جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ رحمٰن کے سامنے بندے کی حیثیت سے پیش ہونے والا ہے۔

اس طرح ہم صور The Form کی مکمل ماہیئت سے تو واقف نہیں تاہم یہ حقیقت ضرور عیاں ہوتی ہے کہ ہر موجود شفاف و منور تصویر Transparency کی صورت میں ہے۔

الصّور کا عملی مظاہرہ:۔

حضرت ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چار پرندوں کو سدھانے پھر ذبح کرنے پھر پکارنے پر ان کا آنا الصور کا ہی عملی مظاہرہ ہے اس کا تفصیلی ذکر ہم کر چکے ہیں۔

الصّور کی نوعیت و ممکنات کا ادراک بذریعہ نفس و باطن:۔

اللہ رب العزت پوشیدہ حقائق سے آگہی کے لئے انفس و آفاق سے نشانیاں دکھلاتا ہے۔ لہٰذا روز قیامت

الصور کی نوعیت اور ممکنات کا ادراک کرانے کے لئے انسان کو اس کے باطن کی طرف متوجہ کرتا ہے تا کہ انسان اپنا نفسی جائزہ خود لے سکے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

فی ایّ صورۃٍ مّاشآءَ رکّبکۜ○(۲۶۷)

ترجمہ:۔ جس صورت میں اس نے چاہا تجھے جوڑ دیا۔

انّ اللّٰہ لا یخفٰی علیہ شیٔ فی الارض ولا فی السّمآء○ ھو الّذی یصوّرکم فی الارحام کیف یشآءؕ(۲۶۸)

ترجمہ:۔ ''بے شک زمین و آسمان کی کوئی شے اللہ سے مخفی نہیں ہے وہی تو ہے جو جس طرح چاہتا ہے رحموں میں تمہاری تصویریں بناتا ہے''۔

بلا شبہ صورت مشیٔت سے وابستہ ہے اور یہ کہ واقعی اس جیسا زبردست مصور اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ یقیناً وہی اعادہ کرتا ہے۔

و نفخ فی الصّور فصعق من فی السّمٰوٰت ومن فی الارض الّا من شآء اللّٰہؕ ثمّ نفخ فیہ اخرٰی فاذاھم قیام یّنظرون○(۲۶۹)

ترجمہ:۔ اور صور پھونکا جائے گا اور جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ بیہوش ہو کر گر پڑے گا سوائے اس کے جسے اللہ چاہے، پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا تو وہ کھڑے ہو کر غور کرنے لگیں گے۔

اس طرح نفخ فی الصور کا عمل اپنے مطلوبہ نتیجہ کو پہنچے گا۔

چھٹا مرحلۂ حق:۔

علم الغیب والشّھادۃ کی وسعتوں کی حسّاسیّت

علم الغیب و الشّھادۃؕ(۲۷۰)

ترجمہ:۔ وہ ظاہر اور باطن کا جاننے والا ہے۔

کیا انسان علم غیب کا محتاج ہے؟

جبلت فطرت کی، وجود معاشرے کا، نفس ارتقاع کا، ذہن ممکنات کا، روح ارتقاء کی اور ارتقاء معراج کا اور معراج شریعت غیبی کی محتاج واقع ہوئی ہے مگر کیوں؟ اس لئے کہ حصول علم کے ذرائع خواہ وہ حواس خمسہ ہوں یا عقل و بصیرت، یا ادراک کی ممکنات یا پھر وجدان کی روشنی سب کے سب سعی و خطا کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ محدود ممکنات کی استعداد رکھتے ہیں۔ اس طرح محدود فکر و نظر سے لامحدود انتہاؤں کا ادراک نہیں کیا جا سکتا جیسے چیونٹی تمام کائنات کا ادراک کرنے سے قاصر ہے اسی طرح کائنات کا ہر ذرہ ہر مخلوق خواہ اس کا تعلق آسمان دنیا سے ہو یا جنات کے

معاشرے سے یا پھر ارضی مخلوق یا پھر انسانوں میں سے الغرض ہر کوئی خواہ وہ غیبی دینا سے تعلق رکھتا ہو یا مشہور دنیا سے اپنے اپنے مقصد حیات کے حصول اور فلاح کے لئے لامحدود فکر کا محتاج ہے۔ اسی لئے تمام مخلوقات کو اس حقیقت کا ادراک قرآن کی ابتداء میں ہی کرادیا گیا ہے:۔

علمی استعداد کا عملی ادراک:۔

عالم سماوی ہو یا ارضی ان دونوں میں جو کوئی بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ اور مخلوق خالق کے مقابل نہیں آسکتی۔ برابر ہونا تو بہت بڑی بات ہے چونکہ اللہ کا علم حق پر مبنی ہے اس لئے اس میں کسی قسم کی حجت کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ جب عالم سماوی کی مخلوق ہے عالم ارضی کی مخلوق کے مقام Status کے پیش نظر اندیشہ اپنی عملی استعداد کے موافق ظاہر کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فوراً ان کو ان کی استعداد کا ادراک کرادیا۔ اور ان کے لئے ایک امتحان مقرر کردیا تاکہ وہ اپنی فہم واستعداد کا حقیقی ادراک کرلیں ملاحظہ ہو:۔

قال انّیٓ اعلم مالا تعلمون ○ وعلّم اٰدم الاسمآء کلّھا ثمّ عرضھم علی الملٰٓئکۃ فقال انبئونی باسمآء ھٰٓؤلاء ان کنتم صٰدقین ○ قالوا سبحٰنک لا علم لنآ الّاما علّمتنا انّک انت العلیم الحکیم ○ قال یٰاٰدم انبئھم باسمآئھم فلمّا انبأھم باسمآئھم قال الم اقل لّکم انّیٓ اعلم غیب السّمٰوٰت والارض واعلم ماتبدون وما کنتم تکتمون ○ (۱۷۲)

ترجمہ:۔ اس نے کہا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور اس نے آدم کو ان سب کے نام سکھلا دیئے۔ پھر انہیں ملائکہ کے سامنے پیش کیا اور کہا مجھے ان کے نام بتلاؤ اگر تم سچے ہو۔ انہوں نے کہا تو منزہ ہے ہمیں کوئی علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں دکھایا، بے شک تو جاننے والا دانا ہے اس نے کہا اے آدم ان کو ان کے نام بتلاؤ پس جب اس نے ان کو ان کے نام بتلا دیئے۔ تو اس نے کہا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کا جاننے والا ہوں اور جانتا ہوں اس کو جو تم ظاہر کرتے ہو اور اس کو بھی جو تم چھپاتے ہو۔

بلاشبہ اس مظاہرہ کے ذریعے اللہ نے خلائق کی آموزش Learning کی استعداد Capacity کو بھی متعارف کرادیا۔ تاکہ ہر کوئی اپنی اپنی امکانی حدود میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کے تانے بانے کو علم غیب یعنی وحی کے علم سے وابستہ کرکے خلوص کامل کے ساتھ بندگی کے فرائض انجام دے سکے۔ لیکن فقط علم دے دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کا عملی مظاہرہ کرانا زیادہ ضروری ہوتا ہے اس لئے عالم سماوی وارضی کی اشیاء سے بھی ان کی استعدادوں کا اقرار کروادیا تاکہ حجت تمام ہوسکے اور دنیا میں شرک کی کمر بالکل ٹوٹ جائے۔ شاید کہ مخلوق خدا شک کی ممکنات سے نکل کر یقین کی انتہاؤں میں سانس لے سکے۔

انّا عرضنا الامانۃ علی السّمٰوٰت والارض والجبال فابین ان یّحملنھا واشفقن منھا. (۱۷۲)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا پس انہوں نے اسے

اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے۔

جنات اور رسولوں کی بابت ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ کوئی بھی غیب داں نہیں اور تمام رسولوں سے یہ کہلوا کر تو بات ہی ختم کر دی کہ:۔

قالوا لاعلم لنا انک انت علام الغیوب ○(۲۷۳)

ترجمہ:۔ وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں بے شک تو ہی غیب کا جاننے والا ہے۔

مفاتح الغیب فقط اللہ:۔

اللہ ہی ارض وسماں کے غیب سے واقف ہے کیونکہ وہی اس کا خالق ہے لہذا ہر شے اس کے سامنے منور تصویر Transparent ہے۔ اس لئے وہ ہر کیفیت تک سے واقف ہے۔ اس کے لئے نہ زماں قید ہے، حال ماضی مستقبل سب ایک ہی ہے اور نہ ہی مکاں رکاوٹ ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ویعلم مافی البرّ والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبّۃ فی ظلمٰت الارض ولا رطبٍ ولا یابسٍ الا فی کتٰب مبین ○(۲۷۴)

ترجمہ:۔ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ انہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اسی کے اور وہ جانتا ہے جو کچھ بھی خشکی اور تری میں ہے اور کوئی پتہ بھی نہیں گرتا مگر وہ اسے جانتا ہے اور نہ ہی کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں ہے اور نہ ہی کوئی تر اور خشک ہے مگر وہ واضح کتاب میں ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم الغیب والشہادۃ کی وسعتوں کی حساسیت کا ادراک کروا رہی ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غیب شہود کیسے ہوتا ہے؟ اس مسئلے کے ادراک کے لئے ہمیں فطری، جبلی، نفسی، روحانی اور شرعی نیز مشاہداتی پہلوؤں سے جائزہ لینا ہوگا تاکہ یقینی طور پر ایمان بالغیب کی رحمتوں، برکتوں اور فیوض سے فلاح دارین حاصل کرسکیں۔

اللہ ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہوتا؟

کائنات کی ہر شے خواہ کثیف اجسام کی حامل ہو یا خفیف اجسام کی محتاج واقع ہوئی ہے۔ دراصل احتیاج ہی وہ محرک ہے جو شے کو دیگر اشیاء سے تعلق پر ابھارتا ہے۔ اور یہ تعلق اس وقت زندگی کی نوید بنتا ہے کہ جب ان تمام اشیاء کے درمیان خاص تناسب پایا جائے۔ یہی تناسب دراصل گردش لیل ونہار کے تسلسل کا موجب بنتا ہے۔ اور تسلسل کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیائے ارض وسماوی ایسے نظام سے بندھی ہوئی ہیں جو سراسر حق ہے کیونکہ اگر یہ تعلق یہ نظام باطل ہوتا تو نہ جانے کتنی مرتبہ یہ کائنات عظیم فساد کی نظر ہو کر ناپید ہو چکی ہوتی۔ لیکن کارخانۂ قدرت کا ازل سے عصر رواں تک درہم برہم نہ ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی ذریعہ ہے کہ جس کے طفیل یہ کارخانۂ قدرت رواں دواں ہے۔ اور زندگی قائم ہے۔ ہر دور کا انسان اس ذریعہ سے اس مقام تک پہنچا لیکن مختلف ادوار میں اس تعلق کو مختلف پیرہن

پہنائے گئے۔لیکن جب حق کی تلاش میں مزید آگے بڑھا گیا تو پتہ چلا کہ تعلق کو مصنوعی لبادہ محض خام خیالی کی بنا پر اوڑھایا گیا ہے جیسے یہ کہ دنیا کے اس سارے نظام کو کوئی سپر کمپیوٹر چلا رہا ہے؟ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کمپیوٹر کا حافظہ Memory صفر ہوتا ہے تو صفر کیونکر کائنات کو چلا سکتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں پر ہمیں غیب پر ایمان لانا ضروری ہو جاتا ہے۔ یاد رہے غیب پر ایمان فطری ہے غیر فطری نہیں۔ اشیائے ارضی وسماوی کے مابین جو تعلق اور نظام قائم ہے وہ ہے وحی کا نظام۔ وحی کا تعلق ایسا ہے جیسا کہ جسم کی شریانوں میں خون کی گردش کا ہونا۔ یا ٹیلی فون کی تاروں میں آواز کا رابطہ یا ٹیلی ویژن کی لہروں کا ہوا کے دوش پر سفر کر کے آواز اور تصویر بہم پہنچانا۔ یا پھر نظام سیٹلائٹ کے ذریعہ سے کسی دور دراز مقام پر ہونے والا میچ براہ راست بہ یک وقت کئی ممالک میں دیکھا جانا۔ کیا آج ہم ان ذریعوں کے ہونے سے انکار کر سکتے ہیں۔ جب چاند سے زمین پر براہ راست بات کی جاتی ہے تو کیا ہم اس حقیقت کو جھٹلا سکتے ہیں؟ نہیں۔اسی طرح ہم ذریعۂ وحی سے انکار نہیں کر سکتے۔ چونکہ بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ سے روبرو Face to Face کلام کرے وہ اس لئے کہ اللہ ہر جگہ ہے وہ کسی ایک جگہ سما نہیں سکتا۔ وہ تو ہر سانس اور ہر دھڑکن سے وابستہ ہے۔

لیکن!!! کیا کیجئے انسان کی کم عقلی کو کہ حقیقت کو جانتے بوجھتے بھی فراموش کئے ہوئے ہے اور بضد ہے کہ اللہ ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہوتا؟ ہنوز بھی یہ سوال ذہن انسانی کے پردہ پر نمو پاتا ہے جسے کلام ربانی میں یوں بیان کیا کہ:۔

وقال الذین لایعلمون لو لا یکلّمنا اللّٰہ او تاتینآ آیۃ کذٰلک قال الّذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم قد بیّنّا الایٰت لقوم یوقنون○(۲۷۵)

ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جو نہیں جانتے کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے ہمکلام کیوں نہیں ہوتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی ان ہی کے قول کے مطابق کہا کرتے تھے۔ ان کے دلوں میں مشابہت ہے بے شک ہم یقین کرنے والوں کے لئے اپنی نشانیوں کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔

یہ اٹل حقیقت ہے کہ اللہ ہمکلام ہو یہ بشر کی منزلت نہیں۔ تاہم ایک ذریعہ اس نے تمام خلائق ارضی وسماوی میں رواں رکھا ہے وہ ہے وحی۔ اسی لئے بذریعہ وحی ذہن انسانی میں ابھرنے والے سوالوں کا جواب بہت خوبی کے ساتھ مرحمت فرمایا ہے۔

وحی کے طریقے:۔

وحی کا تعلق عالم الغیب سے ہے۔ اللہ چونکہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔ اور حکیم و خبیر بھی ہے۔ لہٰذا وہ جانتا ہے کہ کس مخلوق کو کس شے یا علم کی ضرورت ہے کہ جس کے ذریعے غیب اس کے لئے شہود ہو جائے اور منفعت کا سبب بنے۔ لیکن غیب کو شہود میں لانے کے لئے غیب سے مطلع کرنے کے لئے ایک رسول کا انتخاب کرتا ہے جو کہ اس پیغام کو لے کر نازل ہوتا ہے۔ یہ پیغام نبوت و رسالت کے عہدے پر سرفراز انسان پر نازل ہوتا ہے اور اس نبی و رسول کے توسط سے بنی نوع انسانوں تک پہنچتا ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

علم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہٖ احداً ○ الاّ من ارتضٰی من رّسولٍ فانّہٗ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہٖ رصداً ○ لّیعلم ان قد ابلغوا رسٰلٰت ربّھم و احاط بمالدیھم واحصٰی کلّ شیءٍ عددا○(۲۷۶)

ترجمہ:۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ کسی ایک کو بھی اپنے غیب سے مطلع نہیں کرتا سوائے ایک رسول کے جسے وہ منتخب کر لے پس تحقیق وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ مقرر کر دیتا ہے تا کہ وہ جان لے کہ آیا انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہے وہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر شے کو اس نے شمار کر رکھا ہے۔

اس خبر میں شک کا احتمال نہیں ہوتا بالکل مطلق صداقت Absolute Truth پر مبنی خبر ہوتی ہے۔ جبکہ انسان کے واسطے کے ذریعوں میں نقص تو عام بات ہے جبکہ پیغام کو درمیان سے اچک لیا جا سکتا ہے۔ نیز وائرس کی صورت میں تمام پروگرام ختم بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن وحی کا ذریعہ اتنا محتاط، پرفیکٹ اور ایسا پیکڈ پروگرام ہے کہ جس میں نقص ہونا تو درکنار خیانت کا امکان نہیں نہ ہی سماوی سطح پر اور نہ ہی ارضی سطح پر۔ اس لئے کہ اللہ ہر شے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ تاہم وہ اپنے پیغام کو تین طریقوں سے پہنچاتا ہے۔ آیت کریمہ ملاحظہ ہو۔

وما کان لبشرٍ ان یّکلّمہ اللّٰہ الّا وحیاً اومن وّرآئی حجابٍ اویرسل رسولًا فیوحی باذنہ مایشآءُ انّہ علیّ حکیم○(۲۷۷)

ترجمہ:۔ اور یہ کسی بشر کی منزلت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے سوائے اس کے کہ وہ وحی کے ذریعہ سے ہو یا ماورائے حجاب ہو یا وہ کسی پیغام بر کو بھیجے پس وہ اس کے حکم سے ہی جو کچھ وہ چاہے وحی کرے بے شک وہ بلند مرتبت حکمت والا ہے۔

یاد رہے کہ رسول بھی بشر ہوتا ہے تاہم اس بشر کو جب اصول مشیئت اور اصول انتخاب کے تحت اللہ جب رسالت ونبوت پر سرفراز کرتا ہے تو پھر اس سے مذکورہ ۳ طریقوں سے کلام کرتا ہے۔ لہٰذا رسول کے بشر ہونے میں اگر کسی کو اعتراض ہے تو بزبان رسل اور رسول دونوں لحاظ سے کہلوا دیا ملاحظہ ہو:۔

قالت لھم رسلھم ان نّحن الّابشر مّثلکم ولکنّ اللّٰہ یمنّ علٰی من یّشآء من عبادہٖ وماکان لنآ ان نّاتیکم بسلطٰنٍ الّا باذن اللّٰہ(۲۷۸)

ترجمہ:۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بے شک ہم تمہارے ہی جیسی بشر ہیں، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور یہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم اللہ کے اجازت کے بغیر تمہارے پاس دلیل لے آئیں۔

اور انفرادی طور پر بھی بزبان رسول کہلوا دیا:۔

قل انّما انا بشر مّثلکم یوحٰی الیّ انّما الٰھکم الٰہ وّاحدٌ فمن کان یرجوا لقآء ربّہٖ فلیعمل عملاً صالحاً وّلا یشرک بعبادۃ ربّہٖ احداً○(۲۷۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے بے شک میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود، معبود واحد ہے پس جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کا متمنی ہے تو لازم ہے کہ وہ عمل صالح بجالائے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی ایک کو بھی شریک نہ کرے۔

اور جہاں تک خیانت کا شبہ ہے تو قرآن نے انسان کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ فرمادیا:۔

وما ینطق عن الھویٰ○ ان ھو الّا وحی یوحیٰ○ (۲۸۰)

ترجمہ:۔ اور وہ تو اپنی خواہش نفس سے بولتا ہی نہیں بلکہ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اس پر کی جاتی ہے۔

لہٰذا مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ کسی بشر کی منزلت نہیں کہ اللہ اس سے ہمکلام ہو۔ تاہم وحی کے تین طریقے ہیں جن کے ساتھ کلام کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:۔

۱) وحیاً ......>	وحی کے ذریعے ......>	1) Direct methoed
۲) ورآءِ حجاب ......>	پردہ کے پیچھے سے ......>	2) Indirect Methoed
۳) یرسل رسولا ......>	ایک رسول کے توسط سے ......>	3) Through Messenger

پہلا طریقہ مع مثال:۔

وحی کا نزول قلب رسول پر ہوتا ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جس طرح کوئی اندھیرے والے رخ سے روشنی والے رخ پر آجائے دل صداقت کا امین بن جائے اس میں یا اور یایھا کہہ کر مطلوبہ فرد یا گروپ کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ اس طریقے کی مثالیں کچھ اس طرح ہوں گی کہ:۔

☆ **یا بنیٓ آدم قد انزلنا علیکم لباساً یواری سواتکم وریشاً ط ولباس التقویٰ** (۲۸۱)

☆ **یبنی اسرآئیل اذکروا نعمتی الّتیٓ انعمت علیکم واوفوا بعھدیٓ اوف بعھدکم** (۲۸۲)

☆ اسی طرح یاایھا کے ساتھ **الناس، النبیّ، الرّسول** اور **الذین امنوا** وغیرہ لگا نا مثلاً **یٰایتھا النفس المطمئنّة○** (۲۸۳)

دوسرا طریقہ مع مثال:۔

اس طریقے کے مطابق آنکھوں سے دیکھنے، عقل و بصیرت سے عبرت و موعظت حاصل کرنا یا خواب و خیال میں دیکھنے اور تصور کرنے کے معنی میں آتا ہے یا پھر آثار کے تحت جانتا ہے جیسے حضرت یعقوبؑ نے ہوا کے دوش پہ حضرت یوسف کی خوشبو کو پالیا، پھر آدم کے بیٹے کو کوے کے ذریعے تعلیم دینا یا نار کا یاد دہانی کا ذریعہ بنانا یا پھر مبارک مقام پر درخت میں سے پکارا جانا، ملائکہ کا پکارنا، نیچے سے پکارا جانا علاوہ ازیں قل کا استعمال اس کی واضح دلیل ہے۔ درج ذیل میں اس کی چند امثال ملاحظہ ہوں:۔

☆ **ولمّا فصلت العیر قال ابوھم انّی لاجد ریح یوسف لو لآ ان تفنّدون○** (۲۸۴)

☆ فبعث اللّٰہ غراباً یبحث فی الارض لیریہٗ کیف یواری سؤۃ اخیہ(۲۸۵)

☆ نحن جعلنٰھا تذکرۃً ومتاعاً للمقوین(۲۸۶)

☆ نودی من شاطیٔ الواد الایمن فی البقعۃ المبرکۃ من الشجرۃ(۲۸۷)

☆ فنادتہ الملئکۃ وھو قائم یصلی فی المحراب(۲۸۸)

☆ فنادٰھا من تحتھآ الاتحزنی قد جعل ربک تحتک سریاً(۲۸۹)

☆ قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد(۲۹۰)

تیسرا طریقہ مع مثال:۔

اس طریقے میں پیغام الٰہی ایک صاحب کرم رسول کے ذریعے سے دیا جاتا ہے اس کا ذکر رب کریم نے بہت خوبصورتی کے ساتھ فرمایا ہے کہ:۔

فلآ اقسم بما تبصرون و ما لاتبصرون انہ لقول رسولٍ کریمٍ وما ھو بقول شاعرٍ قلیلاً ماتؤمنون ولا بقول کاھنٍ قلیلاً ماتذکرون تنزیل من رب العلمین ولو تقول علینا بعض الا قاویل لاخذنامنہ با لیمین ثم لقطعنا منہ الوتین فمامنکم من احدٍعنہ حجزین وانہٗ لتذکرۃ للمتقین(۲۹۱)

ترجمہ:۔ پس مجھے ان چیزوں کی قسم ہے جنہیں تم دیکھتے ہو اور ان کی بھی جنہیں تم نہیں دیکھتے کہ بے شک یہ ایک صاحب کرم رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں ہے تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ یہ تو جہانوں کے پروردگار کی جانب سے نازل کردہ ہے۔ اور اگر وہ ہماری نسبت کوئی جھوٹ بات بنالاتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ دیتے پس تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے والا نہ ہوتا اور یہ تو متقین کے لئے ایک نصیحت ہے۔

انبیاء ورسل کا کام یہ ہے کہ وہ نازل کردہ علم کو دوسروں تک پہنچائے یہی مقصد بعثت رسالت ونبوت ہے۔ لہٰذا اس حکم کے تحت انبیاء علیھم السلام کے ذریعے سے کہے گئے احکام آتے ہیں قرآن میں اس کی چند مثالیں ذیل میں ہیں:۔

☆ وابراھیم اذقال لقومہ اعبدوا اللّٰہ واتقوہ(۲۹۲)

☆ واذقال موسٰی لقومہ اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم(۲۹۳)

☆ واذقال عیسٰی ابن مریم یٰبنی اسرائیل انی رسول اللّٰہ علیکم(۲۹۴)

تبصرہ:۔

اگر ہم اپنے چہار جانب پھیلی ہوئی زندگی پر نظر دوڑائیں ہمیں زندگی فطری، جبلی، نفسی، روحانی، شرعی اور امکانی

فلاح کے خطوط پر استوار نظر آتی ہے۔ اور ہم خود فطرت کے پابند واقع ہوئے ہیں۔ گو کہ خلائق میں مقام کے اعتبار سے اعلیٰ ضرور ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ اسی سوال کا جواب ہم مذکورہ بحث میں آسانی سے تلاش کر سکتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اس سلسلہ کارگزاری کی بنیاد دراصل وحی ہے اللہ جب چاہتا ہے جسے چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے وحی کرتا ہے خواہ وہ آسمان ہو، زمین ہو، مکھی ہو، انسان ہوں یا ملائکہ، وہ سب کے ساتھ سلسلہ کو وحی کے ذریعہ استوار رکھتا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو مذکورہ خطوط پر استوار کر کے فلاح دارین کے مؤجب بننا چاہتے ہیں یا پھر نفس اور مادے کے غلام بن کر فطرت، جبلت، نفس، روح اور شرع کی مخالفت کر کے گمراہی کی پستیوں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ مگر یہ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات فراموش نہ کی جائے کہ ہماری آزادی فکر آخرت سے مشروط ہے۔ اور جو کچھ بھی نعمتیں ہیں مثلاً اعضاء، حواس، مال ومتاع ہمارے پاس اللہ کی امانت ہیں۔ اور نعمت کو گناہ میں صرف کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ کیا خیانت سے کبھی انسان پھلتا پھولتا دیکھا ہے؟ دوسرے معنی میں یہ ناشکری ہے جو کفر کے مترادف ہے اور کفر آخرت میں خوفناک نتائج کا حامل ہے۔ جبکہ شکر اعتدال پسندی اور عمل صالح اور عاجزی سکھاتا ہے جس کا نتیجہ دنیا وآخرت دونوں کی فلاح ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ ان خطوط پر زندگی کو استوار کیا جائے تو سعادت کے درجات میں بلندی آجاتی ہے۔ نفس کو ارتفاع Sublimation ملنے سے فکر ونظر میں جولانی آجاتی ہے۔ جو کہ نفس و روحانی ارتقاء کی امین بنتی ہے۔ اس طرح ایک اچھائی دوسری اچھائیوں کا مؤجب بنتی چلی جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہوتا ہے کہ:۔

انّ اللّٰہ یدٰفع عن الّذین امنواؕ انّ اللّٰہ لایحبّ کلّ خوّان کفورٍ○ (۲۹۵)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ ایمانداروں کا دفاع کرتا ہے بالتحقیق اللہ کسی خائن ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔

اس لئے جو چاہے اس فکر ونظر سے بصیرت کی دنیاؤں کی سیر کرے اور نفس وروح کو تسخیر کر کے بلند پروازی اور انشاء پردازی سے لطف اندوز ہو۔ انسانیت فطرت، جبلت اور نفس وروح کی معراج کو پا سکے۔ مگر یہ مقام اس کو حاصل ہوگا جو ان تین طریقوں سے اللہ سے ہمکلام ہوگا۔ اور ایمان بالغیب پر یقین کامل رکھتا ہوگا۔

ایمان بالغیب والشّھادۃ ایک نفسی احتیاج

الّذین یؤمنون بالغیب (۲۹۶)

ترجمہ:۔ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔

ھو اللّٰہ الّذی لآ الٰہ الاّ ھوۚ علم الغیب و الشّھادۃۚ ھو الرّحمٰن الرّحیم○ (۲۹۷)

ترجمہ:۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ظاہر وباطن کا جاننے والا ہے وہی رحمن اور رحیم ہے۔

ایمان کے معنی:۔ اصل الامن طمانیۃ النّفس وزوال الخوف والامن والامانۃ والامان فی الاصل مصادر ویجعل الامان تارۃ اسما للحالۃ التی یکون علیھا الانسان فی الامن وتارۃ اسماً لما یؤمن

علیہ الانسان. وتارۃ مستعمل علی سبیل المدح ویرادبہ اذعان النّفس للحقّ علی سبیل التّصدیق وذلک باجتماع ثلاثۃ اشیاء التحقیق بالقلب واقرار باللسان وعمل بحسب ذلک بجوارح(۲۹۸)

ترجمہ:۔ اصل میں امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونا کے ہیں اور زوال خوف کے اور امن، امانۃ اور امان یہ سب اصل میں مصدر ہیں اور امان کے معنی کبھی حالت امن کے آتے ہیں۔ اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس بطور امانت رکھی جائے۔ اور کبھی ایمان کا لفظ بطور روح استعمال ہوتا ہے اور اس سے حق کی تصدیق کر کے اس کا فرمانبردار ہو جانا مراد ہے اور یہ چیز تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالجوارح سے حاصل ہوتی ہے۔

غیب وشہود کے معنی:۔ ای مایغیب عن حواس النّاس وبصائرهم وما یشهدونه بهما وشهدت. الشّهود والشّهادة الحضور مع المشاهدة امّا بالبصر او بالبصیرة.(۲۹۹)

ترجمہ:۔ غیب وشہود میں غائب سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا ادراک نہ تو ظاہری حواس سے ہوسکتا ہے اور نہ بصیرت سے اور شہادت سے مراد وہ اشیاء ہیں جنہیں لوگ ظاہری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ الشہود والشہادۃ کے معنی کسی چیز کا مشاہدہ کرنے کے ہیں خواہ بصر سے ہو یا بصیرت سے اور صرف حاضر ہونے کے معنی میں ہی مستعمل ہے۔

ایمان بالغیب والشہادۃ سے مراد:۔

حق کی تصدیق خلوص نیت، زبان اور عمل سے کرنا۔ یہ حق خواہ حواس سے ماوراء ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی حقانیت کی گواہی دینا ایمان بالغیب والشہادۃ ہے۔

ایمان بالغیب شہادت کا متقاضی:۔

ایمان بالغیب اپنے تقاضوں کے مطابق شہادت کا خواہاں ہے سو جو کوئی ایمان کی قائم کردہ حدود کو قائم رکھے گا اور اس کے فطری وشرعی اصول واحکام خواہ فرائض وواجبات ہوں یا نفل وسنت ان کے تقاضوں کے مطابق اعمال کو انجام دے گا وہی بلند کردار کا حامل ہوگا۔ بصورت دیگر اس کا وجود، اس کی روح اس کا نفس اس کے خلاف شہادت دے گا۔ شہادت نظام کی ان نزاکتوں کے بارے میں اللہ نے ہمیں پہلے ہی سے باخبر کردیا تاکہ حجت تمام ہوجائے۔ اور اس لئے بھی کہ وہ واقعی عالم الغیب والشہادۃ ہے اس لئے انسان کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ:۔

هو اعلم بکم اذ انشاکم مّن الارض واذ انتم اجنّة فی بطون امّهتکم فلا تزکّوآ انفسکم هو اعلم بمن اتّقٰی۝(۳۰۰)

ترجمہ:۔ جب اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اس وقت بھی وہ تمہارے احوال سے خوب واقف تھا اور جب تم اپنی ماؤں کے بطنوں میں بچّے کی صورت میں تھے اس وقت بھی، پس اپنے نفوس کی پاکیزگی نہ جتلاؤ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔

ہماری جسم وجاں ہر شے یعنی حواس وغیرہ سب اللہ کی امانتیں ہیں۔ اور ہمارا نفسی عمل بھی اللہ کی نظر میں ہے لہٰذا

ہمیں یہ بات قطعاً فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ ہم واقعی اللہ کے سامنے ایک منور تصویر Transparent ہیں۔ اس لئے وہ درج ذیل عمل کے موافق یا غیر موافق گواہی سے آگاہ فرما رہا ہے:۔

☆ نفس کے ساتھ گواہ:۔

وجآءَت کلّ نفسٍ مَعها سآئق وَشهید○(۳۰۱)

ترجمہ:۔ اور ہر نفس آئے گا اس کے ساتھ ہانکنے والا چشم دید گواہ ہوگا۔

☆ حواس بطور گواہ:۔

انّ فی ذٰلک لذکریٰ لمن کان لهٗ قلب او القی السّمع وهو شهید○(۳۰۲)

ترجمہ:۔ بے شک اس میں صاحب دل کے لئے نصیحت ہے یا اس کے لئے جو کان دھرتا ہے اور جو گواہ ہے۔

☆ انسان خود گواہ کے طور پر:۔

وانّه علیٰ ذٰلک لشهیدٌ○(۳۰۳)

ترجمہ:۔ اور بے شک وہ خود بھی اس پر گواہ ہیں۔

☆ نفس بذات خود گواہ:۔

قالوا شهدنا علٰی انفسنا(۳۰۴)

ترجمہ:۔ وہ کہیں گے ہم اپنے نفسوں کے خلاف خود ہی گواہی دیتے ہیں۔

☆ ہر امت سے ایک گواہ:۔

ویوم نبعث من کلّ امّةٍ شهیداً(۳۰۵)

ترجمہ:۔ جس دن ہم ہر امت میں سے ایک چشم دید گواہ اٹھائیں گے۔

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور گواہ:۔

وان مّن اهل الکتٰب الّالیؤمننّ به قبل موته ویوم القیٰمة یکون علیهم شهیداً○(۳۰۶)

ترجمہ:۔ اور کوئی شخص اہل کتاب میں سے ایسا نہیں رہے گا جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لے آئے گا اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوگا۔

☆ امت وسط لوگوں پر بطور گواہ اور رسول ان پر گواہ:۔

وکذٰلک جعلنٰکم امّة وّسطاً لّتکونوا شهدآء علی النّاس ویکون الرّسول علیکم شهیداً(۳۰۷)

ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط مقرر کیا تا کہ تم لوگوں پر چشم دید گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو۔

☆ ایک رسول سب پرچشم دید گواہ کے طور پر:۔

ویوم نبعث فی کلّ امّۃٍ شھیداً علیھم مّن انفسھم و جئنابک شھیداً علی ھٰؤلاء ط (۳۰۸)

ترجمہ:۔ اور ایک دن ہم ہر امت پر انہی میں سے ایک چشم دید گواہ لائیں گے اور پھر تجھے ان سب پر چشم دید گواہ لائیں گے۔

☆ اللہ بطور چشم دید گواہ:۔

قل ایّ شیءٍ اکبر شھادۃً قل اللّٰہ شھیدٌ بینی و بینکم (۳۰۹)

ترجمہ:۔ کہہ دے کونسی چیز سب سے بڑی شہادت ہے کہہ دے میرے اور تمہارے درمیان اللہ شاہد ہے۔

مآاشھد تّھم خلق السّمٰوٰت والارض ولا خلق انفسھم (۳۱۰)

ترجمہ:۔ میں نے ان کو آسمانوں اور زمین کی خلقت میں گواہ نہیں بنایا تھا اور نہ ہی ان کی اپنی خلاقت میں۔

شھد اللّٰہ انّہٗ لآ الٰہ الّا ھوٌ والملٰئکۃ واولوا العلم قآئماً بالقسط ط لآ الٰہ الّا ھو العزیز الحکیم ط ○ (۳۱۱)

ترجمہ:۔ اللہ نے خود شہادت دی کہ بے شک اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ملائکہ نے اور صاحبان علم نے بھی وہ عدل پر قائم ہے کوئی معبود نہیں سوائے اس طاقتور حکمت والے کے۔

یہ تمام شہادتیں اپنی جگہ اٹل اور مسلمہ ہیں۔ ہم انسانوں کو چاہئے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا جو ہمارے پاس بطور امانت کے ہیں اس میں خیانت کے مرتکب نہ ہوں اور ایمان بالغیب کے تمام تقاضوں کو پیش نظر رکھیں تا کہ ہماری شہادت ہمارے نفس کے لئے مثبت اور باعث فلاح ثابت ہو۔ ہمیں اس نظام کی حساسیت پر ایمان لانا ہوگا کہ:۔

اللّٰہ یعلم ماتحمل کلّ انثٰی وما تغیض الارحام وما تزداد ط وکلّ شیءٍ عندہٗ بمقدارٍ ○ علم الغیب والشّھادۃ الکبیر المتعال ○ سوآءٌ مّنکم مّن اسرّ القول ومن جھر بہٖ ومن ھو مستخفٍ بالّیل وسارب بالنّھار ○ (۳۱۲)

ترجمہ:۔ اللہ جانتا ہے جو ہر مادہ اٹھائے ہوئے ہے اور جس کو ارحام کم یا زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ ہے وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا بہت بزرگ عالی مرتبت ہے تم میں سے جو کوئی بھی آہستہ یا بلند آواز سے بات کرتا ہے اور رات کی تاریکی میں چھپتا ہے دن کی روشنی میں چلتا ہے سب برابر ہے۔

ہمیں اس نظام کی حساسیت کو مدنظر رکھنا چاہئے کیونکہ شہادت کے نظام کا اطلاق ہو چکا ہے۔ ہمیں اس وقت سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں رسول ہمارے لئے یہ شہادت نہ دے دے کہ:۔

وقال الرّسول یٰرب انّ قومی اتّخذو اھٰذا القراٰن مھجوراً ○ (۳۱۳)

ترجمہ:۔ اور الرسول کہے گا اے میرے پروردگار بے شک میری قوم نے اس قرآن کو پکڑ اگر چھوڑتے ہوئے۔

ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن کو مضبوطی سے تھام لیں تا کہ ملائکہ، صاحبان علم، رسول اور اللہ کی شہادت کے امین بن سکیں اور حکمت کی خیر کثیر حاصل کر سکیں ساتھ ہی لطافتوں کے مزے لوٹ سکیں۔لیکن!!!

کیا حکمتوں کے موتیوں کو دریافت کیا جا سکتا ہے؟

کیا لطافتوں کے سلسلے کو قائم رکھا جا سکتا ہے؟

ساتواں مرحلۂ حق:۔

الحکیم والخبیر کی حکمتوں اور لطافتوں کی وسعتوں کی نفسی وادرا کی منازل

الحمد للّٰہ الّذی لہٗ مافی السّمٰوٰت وما فی الارض ولہ الحمد فی الاخرۃؕ وھو الحکیم الخبیر ○ یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السّمآء وما یعرج فیھاؕ وھو الرّحیم الغفور ○(۳۱۴)

ترجمہ:۔ تمام تعریف اسی کے لئے ہے کہ جو کچھ بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور اسی کے لئے آخرت میں حمد ہے اور وہ صاحب حکمت وخبردار ہے وہ جانتا ہے جو کچھ بھی زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ بھی اس میں سے نکلتا ہے اور جو کچھ بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ بھی اس میں بلند ہوتا ہے اور وہ بخشنے والا رحیم ہے۔

حکیم کے معنی:۔ حکم اصلہ منع منعاً الاصلاح و منہ سمیت للحام حکمۃ الدّابّۃ. والحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والعقل فالحکمۃ من اللّٰہ تعالیٰ معرفۃ الاشیاء وایجادھا علی غایۃ الاحکام ومن الانسان معرفۃ الموجودات وفعل الخیرات. فاذاقیل فی اللّٰہ تعالیٰ ھو حکیم فمعناہ بخلاف معناہ اذا وصف بہ غیرہ(۳۱۵)

ترجمہ:۔ حکم:۔حکم کے اصل معنی کسی چیز کی اصلاح کے لئے اسے روک دینے کے ہیں اسی بناء پر لگام کو حکمۃ الدابۃ کہا جاتا ہے۔ الحکمۃ کے معنی علم وعقل کے ذریعے حق بات دریافت کر لینے کے ہیں لہٰذا حکمت الٰہی کے معنی اشیاء کی معرفت اور پھر نہایت احکام کے ساتھ ان کو موجود کرنا ہیں اور انسانی حکمت موجودات کی معرفت اور اچھے کاموں کو سر انجام دینے کا نام ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ کے متعلق حکیم کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو کسی انسان کے حکیم ہونے کے ہوتے ہیں۔

ان معنی کے اعتبار سے حکم کا لفظ حکمت سے عام ہے لہٰذا ہر حکمت کو حکم کہہ سکتے ہیں تاہم ہر حکم حکمت نہیں ہوسکتا۔

خبیر کے معنی:۔ الخبر العلم بالاشیاء المعلومۃ من جھۃ الخبر. الخبرۃ المعرفۃ ببواطن الامر. ایّ عالم باخبار اعمالکم وقیل ایّ عالم ببواطن امورکم وقیل خبیر بمعنی مخبر.(۳۱۶)

ترجمہ:۔ الخبر جو باتیں بذریعہ خبر کے معلوم ہوسکیں ان کے جاننے کا نام خبر ہے۔اور بعض نے کہا کہ خبرۃ کا لفظ کسی معاملے کی باطنی حقیقت کو جاننے پر بولا جاتا ہے۔اور خبیر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تمہارے اعمال کی حقیقت کو جانتا ہے اور

بعض نے کہا کہ وہ تمہارے باطن امور سے واقف ہے اور بعض نے خبیر بمعنی مخبر کہا ہے۔

ان معنی کے اعتبار سے خبیر لطافتوں کے سلسلے کا ادراک کراتا ہے۔تاکہ ہمارا نفس وادراک اس کے مزے لوٹ سکے۔

مفہوم:۔ مذکورہ آیات میں دونوں اسماء الحسنٰی کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے چونکہ اس کا اطلاق روز اول سے ہو چکا ہے لہٰذا اس کی سرگرمئ عمل کا احساس وادراک کرایا جارہا ہے تاکہ ہر کوئی اس حقیقت اصلی کو جان لے کہ واقعی تمام خوبیاں، تمام تعریفیں اسی اللہ کے لئے ہیں کہ جو بلاشرکت غیرے آسمان وزمین کے نظام کو نہایت حکمت وخبرداری سے امور کی تدبیر کرتا ہے اس لئے کہ اس نے سب کچھ عبث یا باطل پیدا نہیں کیا۔لہٰذا ایسے حکیم ودانا اور خبیر کی نسبت یہ گمان کیا ہی نہیں جاسکتا کہ یہ نظام آخر میں کسی نتیجہ پر منتہی نہ ہو۔اس لئے ان نظاموں کی منطق کو لفظ آخرۃ سے خود ہی واضح فرما دیا۔اور ساتھ ہی کائنات میں موجود نظام حکمت اور نظام خبیر کی اطلاقی صورت میں لطافتوں کے سلسلۂ باریکیت کی طرف متوجہ کر کے نفس انسانی اور اس کے ادراک کو ایسی منزلیں عطا فرمائیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ ارتقاع Sublimation کے ذریعے حیات جاودانی Immortal کے مزے لوٹ سکے۔تفسیر عثمانی میں ملاحظہ ہو:۔

''جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی۔بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی ہی تعریف ہو جاتی تھی لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔یعنی آسمان وزمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے، نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہے مثلاً بارش، وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعا، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع وجزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔'' (۳۱۷)

قرآن حکیم والفرقان مجید میں موجود آیات میں نہ تناقض ہے اور نہ ہی موضوع حکمت سے خالی یا واقع کے خلاف۔اور نہ ہی مختلف مقامات میں ایک ہی موضوع کے ضمن میں اختلافات اپنی ان ہی خوبیوں اور فصاحت وبلاغت کی وجہ سے یہ ایک زندہ معجزہ Miracle ہے۔قرآنی حقائق ودلائل وبراہین اس قدر مضبوط ومحکم ہیں کہ زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدلے۔مگر قرآن کا علم قرن ہا قرن سے قرن ہا قرن تک مطلق صداقت Absolute Truth ہے اور کیوں نہ ہو یہ آیات محکم اس ہستی کی پیش کردہ ہیں جو انفس وآفاق کا خالق ومالک ہی نہیں بلکہ حکیم وخبیر جیسی صفات کا حامل ہے۔تاکہ انسان شرک وکفر سے اپنے نفس کو عذاب سے بچا سکے چنانچہ اس امید کی کرن اور یقین کی منزل تک پہنچنے کے لئے فہم وادراک کی استعدادوں کے مطابق فرماتا ہے کہ:۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحْکِمَتْ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۝ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ

فضلٍ فضلهٗ ط وان تولّوا فانّی اخاف الیکم عذاب یومٍ کبیرٍ○ الی اللّٰہ مرجعکم ج وھو علی کلّ شیءٍ قدیر ○ الآ انّھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ ط الا حین یستغشون ثیابھم لا یعلم مایسرّون وما یعلنون ج انّہٗ علیم بذات الصّدور ○(۳۱۸)

ترجمہ:۔ الف لام را۔ ایک کتاب جس کی آیات محکم کی گئیں دانا خبردار کی طرف سے پھر تفصیل سے بیان کی گئیں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تمہارے لئے اس کی طرف سے تنبیہہ کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اس کے حضور توبہ کرو۔ وہ تمہیں ایک معینہ مدت تک اچھی متاع سے نوازے گا اور ہر صاحب فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے تو میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں تم اللہ کی ہی طرف لوٹ کر جانے والے ہو اور وہ ہر شے پر قادر ہے دیکھو تو انہوں نے اپنے سینوں کو بند کر لیا ہے تاکہ وہ اس سے چھپا سکیں یقیناً جب وہ اپنے کپڑوں سے ڈھانپتے ہیں تو وہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بے شک وہ سینوں کے بھیدوں سے خوب واقف ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں زندگی گزارنے کی حقیقی فلاسفی کو بھرپور انداز سے بیان کیا گیا ہے تاکہ کوئی بات پوشیدہ نہ رہے بلکہ ہر بات اپنی مقصدیت کے ساتھ جس طرح کائنات پر منتج ہے اسی طرح فطرت کی استعداد انسان بھی رکھتا ہے لہٰذا اس پر بھی وہی قوانین کسی اور طریقے سے سہی مگر منتج ہوتے ہیں۔ لہٰذا آغاز تا انجام ہر ہر بات کو اظہر من الشمس کی صورت میں پیش کر دیا۔

بحوالہ تفسیر عثمانی محکم آیات اور حکیم وخبیر کی صفات کو کچھ اس طرح مترشح کیا ہے:۔

عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کر کے اور قیامت تک پیش آنے والے تغیرات وحوادث کو من کل الوجوہ جانچ تول کر ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح، مائدہ قرآنی کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہے جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب وملائم ہو۔ ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال وابہام کی وجہ سے کتاب معمہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش ومعاد کی تمام مہمات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقع بہ موقع دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص، ہر چیز بڑی خوبصورتی اور قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔(۳۱۹)

اللہ تعالیٰ ہر سرّ کی خفیہ سرگوشی کو جانتا اور سنتا ہے۔ وہ تو پتھر میں رہنے والے کیڑے سے بھی باخبر ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ اس کی سامنے تمام خلائق ایک متور تصویر کے طور پر ہی نہیں بلکہ وہ تو دلوں تک کے حال یعنی نیت تک سے باخبر ہے۔ اسی بات کو مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ ہر حکمت حکم سے لیس ہوتی ہے مگر ہر حکم کو حکمت سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ الحکمہ تو فقط اللہ ہی کے لئے ہے۔ لیکن حکم وحکمت میں ایک قدر مشترک ہے دونوں کی بنیاد توحید ہے درج ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

واذا اخذ اللّٰہ میثاق النّبیّن لمآ اتیتکم مّن کتٰبٍ وّ حکمۃٍ ثمّ جآء کم رسول مّصدّق لّما

معکم لتؤ منن بہ ولتنصرنّہؕ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصریؕ قالوآ اقررناؕ(۳۲۰)

ترجمہ:۔ اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جس کتاب وحکمت سے میں نے تمہیں نوازا ہے پھر جو کچھ تمہارے پاس ہے۔اس کی تصدیق کرنے والا ایک رسول تمہارے پاس آیا ہوا ہے تو تمہیں ضرور اس رسول پر ایمان لانا ہوگا۔اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی۔اس نے کہا کیا تم اقرار کرتے ہو کہ اس پر میرا بوجھ اٹھاؤ گے انہوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں۔

اقرار انبیاء کے بعد عام انسانوں کے لئے بھی یہی حکم دہرایا گیا۔

ماکان لبشرٍ ان یؤتیہ اللّٰہ الکتٰب والحکم والنّبوّۃ ثمّ یقول للنّاس کونوا عبادالّی من دون اللّٰہ ولکن کونوا ربّٰنیّن(۳۲۱)

ترجمہ:۔ ایک بشر کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب وحکمت ونبوت عطا فرمائے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ بلکہ تم اللہ والے بن جاؤ۔

انّ الحکم الّا للّٰہؕ امر الّا تعبدوآ الّا ایّاہؕ ذٰلک الدّین القیّم ولٰکنّ اکثر النّاس لایعلمون○(۳۲۲)

ترجمہ:۔ بے شک حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن لوگوں کی اکثریت اس سے ناواقف ہے۔

انّ الحکم الّا للّٰہؕ یقصّ الحقّ وھو خیر الفٰصلین○(۳۲۳)

ترجمہ:۔ اختیار تو صرف اللہ ہی کا ہے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

دراصل الحکم ایک متحرک عمل ہے اسی لئے نتائجیت کی صفت رکھتا ہے۔جہاں تک اللہ کے نظام خبیر کی بات ہے تو یہ بھی اپنی جگہ ایسا کامل ہے کہ انسانی عقل حیران ہو کر رہ جاتی ہے خاص طور پر اہل سائنس کے عقدہ کو حل کرتی اور ترقی کی نئی راہیں دکھاتی ہے۔قرآن میں اللہ نے اس کی حساسیت ولطافت کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

وتری الجبال تحسبھا جامدۃً وھی تمرّ مرّالسّحابؕ صنع اللّٰہ الّذیٓ اتقن کلّ شیءٍؕ انّہٗ خبیرٌ بما تفعلون○(۳۲۴)

ترجمہ:۔ اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے جنہیں تو جامد گمان کرتا ہے حالانکہ وہ بادل کی چال چل رہے ہیں اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر شے کو کامل بنایا بے شک جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے باخبر ہے۔

کائناتی حوالے سے تو خبیر ہونے کی دلیل فراہم کردی لیکن قلب ونفس کی کیا کیفیت ہوتی ہے انسان کو اس ضمن میں بھی آگاہ کردیا تاکہ انسان غافل اور گمراہی سے بچ سکے اور قلب ونظر کو شفاف رکھنے کا حکم دیا:۔

یٰبنیّ انّھا ان تک مثقال حبّۃٍ مّن خردلٍ فتکن فی صخرۃٍ او فی السّمٰوٰت او فی الارض یات بھا اللّٰہؕ انّ اللّٰہ لطیفٌ خبیرٌ○(۳۲۵)

ترجمہ:۔ اے میرے بیٹے اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی شے ہوگی اور اگر چہ وہ پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہوتو اللہ اسے لا حاضر کرے گا۔ بے شک اللہ باریک بین اور خبر دار ہے۔

اور جب خبیر کے ساتھ لطافتوں کا یہ نظام وابستہ ہوتو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

لا تدرکه الابصار وهو یدرک الابصار وهو اللطیف الخبیر ○ قد جاء کم بصآئر من ربکم فمن ابصر فلنفسه ومن عمی فعلیها (۳۲۶)

ترجمہ:۔ آنکھوں کی رسائی اس تک ممکن نہیں اور اس کی رسائی آنکھوں تک ہے اور وہ بڑا باریک بین باخبر ہے۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز دلائل آ چکے ہیں پس جس نے انہیں دیکھ لیا تو اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو اندھا رہا تو اپنے ہی نقصان کے لئے۔

اور جب یہ دونوں نظام آپس میں ملتے ہیں تو پوری کائنات میں ایسا غلبہ وتسلط قائم ہو جاتا ہے کہ کسی غیر الہ کی مجال نہیں کہ مکھی جو اس سے چھین کر لے جا چکی ہے اسے واپس لا دے اور خبیر ہونے کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ ضرر ہو تو وہی اس کو دور کرتا ہے اور اگر فیض پہنچانا مقصود ہوتو وہی پہنچاتا ہے کوئی دوسرا ایسا کرنے سے قطعی عاجز ہے انہی حقیقتوں کے طفیل اس ہستی کا نام الحکیم، الخبیر ہے۔ ارشاد باری ہوتا ہے:۔

وان یمسسک اللّٰه بضرٍ فلا کاشف لهٗ الا هو وان یمسسک بخیرٍ فهو علی کل شیءٍ قدیر ○ وهو القاهر فوق عباده وهو الحکیم الخبیر ○ (۳۲۷)

ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کا دور کرنے والا کوئی نہیں سوائے اسی کے اور اگر وہ تجھے کوئی فیض پہنچائے تو وہ ہر شے پر قادر ہے اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ صاحب حکمت خبر دار ہے۔

تلخیص:۔

الحکیم الخبیر ایک نا قابل عبور رکاوٹ مگر!!! ایک مطلق حقیقت، جو ظاہر ہوتو حدود بنے باطن ہوتو آئین بنے، صریح نص ہوتو محکم بنے، آیات اللہ ہوتو متشابہ بنے، خبر ہوتو مطلق صداقت بنے، آثار ہوتو تفسیر بنے، الغرض علم کی صورت ہوتو قرآن بنے اور حکمت ہوتو خیر کثیر بنے اور لطافت ہوتو خبیر بنے۔ دراصل فہم وادراک کی یہ منزلیں ہم انسانوں کو نظام کارزار کی حقیقتوں کا پتہ دیتی ہیں۔ شاید کہ ہم امر خلق اور حق کے ان مراحل کا ادراک کرسکیں شاید معرفت نفس کی منزل سے آگے بڑھ کر معرفت حق پالیں شاید ہم ان منزلوں پر چل کر نفس مطمئنہ کی منزل کو پاسکیں۔

(آمین ثم آمین)

اختتامیہ:۔

وفی انفسکمؕ افلا تبصرون ○ (۳۲۸)

ترجمہ:۔ اور خود تمہارے نفسوں میں بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

ہم ہیں اور نہیں ہیں یہ تغیر و تبدل ہماری نگاہ کا فریب نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ اور اسی اضداد کی پیکار میں اور آمیزش میں حرکت و زندگی کا راز مخفی ہے۔ اور اس زندگی میں سب سے زیادہ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ تغیر پذیری خود ساختہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ النفس و آفاق کی حقیقت اس کی جزئیات اس کی کلیات کا علم تغیر پذیر مخلوق کو نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی حواس و ادراک و تعقل اور ان جیسے دیگر مصنوعی آلات و ذرائع کے طفیل ممکن ہے۔ لہٰذا آفاق کی ہیئت ہو یا انسان کی شخصیت الغرض ذرے سے لے کر آفتاب تک اس لازوال عظمتوں والے کی رسائی ہے۔ کہ جس کی مشیئت ان تمام پر محیط ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حق تخلیق کے ذریعے نفوذ چاہتا ہے اور تخلیق مرہون منت ہوتی ہے امر کی اور امر کی بنیادوں میں مشیئت ہوتی ہے۔ اس طرح یہ سب گزشتہ و پیوستہ ہیں۔ کیونکہ امر، خلق اور حق ان سب کا منتہائے مقصود مشیئت ایزدی کے تحت کارفرمائی کے سوا کچھ نہیں۔

آفاق تو آفاق ہم اتنے زیادہ محتاج ہیں کہ ایک قدم تو دریا میں رکھ سکتے ہیں مگر!!! دوسرا قدم اسی دریا میں نہیں رکھ سکتے کیونکہ بہاؤ کی وجہ سے تب تک دوسرا پانی اس کی جگہ لے لے گا۔ پھر بھلا ہم کیونکر یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ ہم ہی ہم ہیں اور کوئی لازوال ہستی ہماری مالک نہیں؟ نعوذ باللہ۔

اس چہار سو پھیلی کائنات میں ہر آن مسلسل تبدیلی ہو رہی ہے۔ اور خود ہم انسانوں کی ذات میں بھی جو ایک طرف تو ہمیں محتاج ثابت کر رہی ہے تو دوسری طرف تغیر پذیری دعوت فکر کی بنیاد بنتی ہے۔ اور دعوت فکر دریافتوں کے باب یعنی دروازے کو کھولنے کا سبب بنتی ہے۔ کیونکہ سوچ کا یہ ابھار نفس میں تحریک کا موجب بنتا ہے۔ اس طرح انسان میں خود اپنی معرفت کا شعور جنم لیتا ہے اور شعور کا جنم لینا معرفت نفس کی اور معرفت نفس کا ادراک معرفت حق کی بنیاد بن جاتا ہے تو غیب تیزی کے ساتھ شہود کی منازل طے کرنے لگتا ہے۔ یہ سب کچھ کیونکر ممکن ہوا؟ عقل نے تفکر و تدبر سے کیونکر کام لیا؟ انسان کو اپنی غایت و نہایت کا کیونکر علم ہوا؟ یہ وہ سوالات ہیں کہ جن کے جوابات کے لئے ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اگر خالق حقیقی ہمیں حقائق اشیاء کا علم غیب سے عطا نہ فرماتا تو انسان حواس و ادراک کی صلاحیت رکھنے کے باوجود بھی دریافتوں کے سلسلے کو جاری نہ رکھ سکتا۔ کیونکہ بناء علم یا بناء بصیرت، بناء سابقہ معلومات اور وضاحتوں کے، بناء تجربے و مشاہدے کے ہم انسانوں کا حقائق تک پہنچنا بہت ہی زیادہ مشکل ہو جاتا۔ انسان اپنی زندگی کا کثیر حصہ مغالطوں اور غلط کاریوں کی نظر کر چکا ہوتا۔ یہ تو خالق حقیقی کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں حقائق اشیاء کے علم سے نوازا۔

وعلّم ادم الاسمآء کلّھا. (۳۲۹)

ترجمہ:۔ اور اس نے آدم کو ان سب کے نام سکھلا دیئے۔
اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر امت کو روز اوّل تا قیام قیامت شریعت جیسی گھاٹ سے نوازا ہے۔ تاکہ ہر کوئی اس سے سیراب ہو سکے۔ اور ذہن زمین زرخیزی اختیار کر سکے۔ بصورت دیگر زمین بنجر ہو جاتی ہے۔ اور بنجر زمین پر سوائے کانٹے یا خشکی اور زہر کے کچھ نہیں اگتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے کہ:۔

☆ قلنا اھبطوا منھا جمیعاً فامّا یاتینکم مّنی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنونO (۳۰۰)

ترجمہ:۔ ہم نے کہا سب یہاں سے اتر جاؤ پس جب بھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے جو کہ یقینی ہے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ محزون ہوں گے۔

☆ ولقد بعثنا فی کلّ امّۃٍ رّسولاً ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطّاغوت فمنھم مّن ھدی اللّٰہ ومنھم مّن حقت علیہ الضّللۃ فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذّبینO (۳۳۱)

ترجمہ:۔ اور بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے اجتناب کرو پس ان میں سے ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جن پر گمراہی کا تسلط حق ثابت ہوا۔ پس دنیا کی سیر کرو۔ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا!

ذہن و دماغ عقل کا مسکن ہے۔ اور عقل بناء شریعت کے ادھوری ہے۔ اور ادھوری شے جزوی ہوتی ہے۔ کلیت پسندی کی خصوصیت سے محروم زمین پر جو فکر پروان چڑھے گی وہ کبھی بھی مستقیم و مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ عقلی ارتقاء کی بھینٹ ہی نہیں بلکہ نفس پرستی و مادہ پرستی کی بھینٹ ہی چڑھ جائے گی۔ اس طرح عقل نعوذ باللہ عقل کو کل و مختار کا درجہ ملنے سے شرک کی راہیں استوار ہو جائیں گی اور یہ قدم خود اٹھانے والے انسان کے حق میں کبھی بھی بہتر ثابت نہ ہو سکے گا۔ عقل چونکہ فانی ہے اور فانی اشیاء کسی بھی صورت سہارا نہیں بن سکتیں۔ اس طرح فقط عقل کو کل مانتے ہوئے اس کی رہنمائی میں چلنے کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اپنی اصل غایت کو بھول کر مرکز سے ہٹ جائے گا اور مرکز سے ہٹنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے وہ ہمیشہ منزل مقصود پر پہنچنے سے قاصر رہتے ہیں۔ کیونکہ نفسیاتی محرکات کے حصول کی بے لگامی انسان کو محتاج ہی نہیں معذور بنا دیتی ہے۔ لہٰذا یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ نفس انسانی کی مثال زمین کی سی ہے۔ زمین کا کام تو اگانا ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اسے زرخیز رکھتا ہے یا بنجر بناتا ہے۔ کیونکہ یہ اختیار اللہ نے انسان کو دیا ہے۔

انّ اللّٰہ لا یغیّر مابقومٍ حتّٰی یغیّروا ما بانفسھم (۳۳۲)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلیں۔

اللہ تعالیٰ روز حشر زمین کی عجیب وغریب حالت کے بارے میں کچھ اس طرح فرماتا ہے کہ:۔

واذا وقع القول علیھم اخرجنا لھم دآبّۃً مّن الارض تکلّمھم انّ النّاس کانوا بایٰتنا لا

یوقنون○ؑ (۳۳۳)

ترجمہ:۔ اور جب ان لوگوں پر وعدہ پورا ہو جائے گا تو ہم ان کے لئے زمین میں سے ایک ذی حیات نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا کہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

چونکہ کردار انسانی میں یہ نفسی بنیادیں فطری و روحانی احتیاج میں یکسر اختلاف کا باعث بنتی ہیں۔ اس طرح انسان ایک سجدہ کو گراں جان کر چھوڑ دیتا ہے مگر آنے والا وقت اسے بار بار ہر احتیاج کے طفیل کئی کئی بار سربہ سجود کرواتا ہے سجدہ چونکہ فرض ہے لہٰذا یا تو اللہ کو کرنا ہوگا یا پھر نفس کے آگے سربہ سجود ہونا ہوگا۔ اور نفس کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنی ہر جائز و ناجائز، چھوٹی بڑی خواہش پر اتنا جھکائے کہ انسان کا وقار ہی ختم ہو کر رہ جائے۔ گویا اس طرح نفس کو معبود ماننے سے انسان کا اسفل سافلین کی منزل کی جانب سفر شروع ہو جاتا ہے یہ وہ مقام ہے کہ جہاں انسان مقام بندگی دیکر شان خداوندی لینے کا خواہاں ہو جاتا ہے۔ لہٰذا انسان کم شیطان زیادہ دکھائی دینے لگتا ہے جس کا نتیجہ مصائب و آلام کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے لیکن ساتھ ہی مکافات عمل کی مدت میں نتائج کے اثرات وارد ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور عذاب میں گھرتے ہی توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ فانی سہارے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اور یوں انسان عذاب بھگتنے کے لئے اکیلا ہی رہ جاتا ہے۔ قرآن میں بزبان شیطان مدد وامید، سہارے سے متعلق ڈائیلاگ ملاحظہ ہوں۔

وقال انی بریٓء منکم انیٓ اریٰ ما لا ترون انیٓ اخاف اللہؕ واللہ شدید العقاب ○ؑ (۳۳۴)

ترجمہ:۔ تو وہ یہ کہتے ہوئے بھاگا کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں، تحقیق میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بے شک میں تو خدا سے ڈرتا ہوں اور اللہ تو بہت سخت سزا دینے والا ہے۔

اس فکر و نظر کے گہرے اثرات جو انسانی شخصیت پر پڑتے ہیں اور پھر اس کے ظہوری نتائج جو اس حقیقت کے امین ہیں کہ اس کائنات پر ہماری مرضی مسلط نہیں۔ انفس و آفاق پر کسی عظیم ہستی کی مشیئت کا اطلاق ہے۔ اگر انسان غور کرے اور بصیرت استعمال کرے، نصیحت پر کان دھرے، تو پھر صدائے کن فیکون سنائی دینے لگتی ہے۔ یہی وہ لمحہ ہوتا ہے جسے انسان اگر امر کر لے تو الفوز العظیم○ؑ (۳۳۵) مل سکتی ہے وہ اس طرح کہ جب وہ خود شناسی سے لئے تمام صلاحیتیں بروئے کار لائے گا۔ تو پھر وہ وفی انفسکمؕ افلا تبصرون○ (۳۳۶) کا مصداق قرار پائے گا۔ بصورت دیگر لمحہ کو کھونے کی صورت میں خود اس کی ذات اس کے لئے معمہ بن جائے گی۔ اور یوں غیب شہود کی منازل طے نہ کر سکے گا۔ بے خبری کا یہ بہاؤ اسے حق سے دور لے جائے گا۔ اور وہ اسفل سافلین کی منزل پر چل پڑے گا جو اسے الخسران المبین○ (۳۳۷) کی منزل پر پہنچا دے گی۔ جبکہ حقیقت منکشف ہونے کی صورت میں انسان اس لازوال ہستی کی عظمتوں کا اعتراف کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ خود اللہ کی مشیئت کا شاہکار ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں سے معرفت نفس کے ادراک کے بعد معرفت حق و بالا ادارک کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔ اور مزید ایمان کے امتحان بھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالا ادراک کیونکر ممکن ہے؟ نفس جب ارتقاع پاتا ہوا حق کی بلندیوں کو چھوئے گا، تب ادراک بالا ادراک میں شامل ہو جائے گا۔ جب انسان شک کی پر پیچ گھائیوں سے نکل کر علاقۂ یقین Conviction Zone میں سعی کرے گا۔ یہ سعی اسے جہاد و اجتہاد کی بلندیوں، وسعتوں اور ممکنات کی جانب ابھارے گی۔ کیونکہ اس نے اب زماں و کاں کی کثافتوں کو چھوڑ دیا ہے اب وہ لا مکان کی لطافتوں میں سفر معراج کے مزے لوٹے گا اور نفسی زہد کے سبب ارتقاع پا کر غیب منصۂ شہود پر نمودار ہوگا۔ تب ایک ایسی دنیا سامنے آئے گی جو جنت ارضی کی مانند ہوگی۔ تب انسان کی شخصیت میں حصول جنت کی صفات نور ایمان کی بدولت مزین ہو جائیں گی۔ پھر اللہ اپنے بندے سے فرمائے گا۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝ (۳۳۸)

ترجمہ:۔ اے نفس مطمئنہ، اپنے پروردگار کی طرف لوٹ ایسی حالت میں کہ تو خوش اور پسندیدہ ہے پس میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔''

اس طرح امر کن سے فیکون، فیکون سے تخلیق النفس و آفاق اور تخلیق النفس و آفاق سے حق کی صداقت پر مہر ثابت ہو جاتی ہے۔ اور غایت اپنی منتہا کو پالیتی ہے۔ کاش ہمارا شمار بھی ان لوگوں میں ہو جائے۔ کہ رب العالمین کی ربوبیت اور رحمتہ اللعالمین کی رحمت تمام ہو جائے۔ (آمین ثمہ آمین)

بے شک میری تحقیق کا بنیادی مقصد حقیقی یہ ہے کہ انسان اپنے اندر کے کھوئے ہوئے انسان کو پہچان کر حق کا ادراک کر لے۔

اس اہم فریضہ کو انجام دینے کے لئے محققہ نے نفس انسانی کے موضوع کو اپنی تحقیق کی بنیاد بنایا جس کا بنیادی مقصد معرفت نفس و معرفت حق کا ادراک ہی نہیں بلکہ بالا ادراک کر سکے تاکہ حقیقت آشکارا ہونے پر ذات کی نفی کو ممکن بنا کر اقرار توحید الٰہی کر سکے۔ حیات بعد الممات کے لئے ایسی زاد راہ اکٹھی کر لے کہ پل صراط پر سے گزر کر فائز المرام ہو سکے۔

چنانچہ اس بنیادی مقصد اور درج ذیل میں موجود عمومی و ثانوی مقاصد کے حصول کے لئے ایک ایسے معیار کا انتخاب کیا گیا جس کا موضوع انسان ہے اور جس میں تمام عالمین کے لئے نصیحت موجود ہے۔ اور جس کا علم چیلنج ہے قیامت قیامت تک کے لئے ان تمام لوگوں کے لئے جو اہل علم سائنس اور اہل عقل ارباب و دانش کہلاتے ہیں۔

جہاں تک تحقیق کے عمومی یا ثانوی مقاصد کا تعلق ہے۔ تو ان میں سر فہرست جو مقصد ہے وہ یہ کہ! قرآن اور اہل سائنس، کے درمیان حائل چیلنج پر پل باندھنا ہے۔ کیونکہ یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ سائنس کا وجود قرآن سے ہے قرآن سائنس سے نہیں۔ لیکن علماء و اہل سائنس آپس میں گہری وابستگی کا ثبوت فراہم کریں تو تحقیق کی دنیا میں برق رفتاری پیدا ہو جائے گی۔ یہ کوشش اسی وابستگی کا بین ثبوت اور اس کے درمیان پل کے قیام میں پہلا قدم ہے۔

تحقیق کا دوسرا عمومی یا ثانوی مقصد تجدید احیائے دین کے حصول کے لئے تاریخی ارتقاء اور ماحول کے فرق کو

ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صبر و برداشت ہی نہیں بلکہ وسعت نظری کو فروغ دے کر تحریک سعی الٰہی کو کامیاب بنانا ہے۔
مقصد سوم یہ ہے کہ اصول تحریک جسے علامہ اقبال نے اپنی کتاب The Reconstruction of Religious thought in Islam. کے باب ششم میں بڑی شد و مد کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔

As a cultural movement Islam rejects the old static view of the universe, and reaches a dynamic view, as an emotional system of unification it recognizes the worth of the individual as such, and rejects blood-relationship as a basis of human unity. Blood-relationship is earth-rootedness. The search for a purely psychological foundation of human unity becomes possible only with the perception that all human life is spiritual in its origin.(339)

چنانچہ اصول تحریک کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جہد و اجتہاد کے ذریعے اس خطۂ ارضی کو جنت نظیر بنانا۔
اور مقصد آفرین یہ ہے کہ اللہ میرے اور معرفت نفس و معرفت حق کا ادراک کرنے والوں کے قلم میں ایمان کی توانائی بھر دے اور نفس کو مقام بندگی کی اعلیٰ ترین منزل پر فائز المرام کر دے نیز آدم خاکی کی روح کو صبغۃ اللہ (۳۴۰) کے رنگ کا پیکر بنا دے۔ آمین ثمہ آمین۔

میری زندگی کا مقصد خاص یہ رہا کہ میں نفسیات کی دنیا کا قرآن اور سائنسی حقائق کی روشنی میں اکتساب حق کر سکوں لہٰذا ہر گام پر مختلف علماء و مشاہیر اور ان کی کتب تک رسائی حاصل کی اور قرآن کا مطالعہ کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق کے ساتھ اس کام کو نیک نیتی کے ساتھ انجام دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ میری اس معمولی سی سعی کو اپنی بارگاہ ایزدی میں قبول یابی کا شرف بخشے کہ یہ میرے لئے زادِ راہ بن کر میری نجات کا سبب بن جائے۔ میری اور دیگر مسلمانوں کی روح کو اپنے ذکر کی شادمانی سے تازہ اور شاداب رکھے۔ آمین ثمہ آمین۔ آخر میں میری اللہ سے یہی دعا ہے کہ:۔

قل انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للّٰہ ربّ العلمین ۝ لا شریک لہٗ وبذلک امرت وانا اوّل المسلمین ۝ (۳۴۱)

ترجمہ:۔ کہہ دے بالتحقیق میری صلوٰۃ میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلا سر تسلیم خم کرنے والا ہوں۔

آمین ثمہ آمین

وما علینا الا البلاغ.

ختم شد

فہرست کتابیات مع حوالہ جات برائے باب پنجم

نمبر شمار	حوالہ جات
۱	القرآن ۳۹:۵
۲	ایضاً، ۸:۳۰
۳	ایضاً، ۳۸:۴۴تا۳۹
۴	ایضاً، ۵۳:۴۱
۵	العلامۃ الحسین بن محمد بن المفضل الملقب بالراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، کراچی، نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۸۰ ھج، ص ۱۲۴
۶	القرآن ۲۹:۱ تا ۳
۷	ایضاً، ۲۹:۵۰ تا ۵۲
۸	ایضاً، ۱۰۲:۱ تا ۸
۹	المفردات فی غریب القرآن بحولہ بالا ص ۵۷۴تا۵۷۵
۱۰	القرآن ۱۵:۹۷ تا ۹۹
۱۱	ایضاً، ۵۱:۲۰ تا ۲۱
۱۲	ایضاً، ۴۵:۳۲ تا ۳۳
۱۳	مولانا محمد اسحٰق سندیلوی، دینی نفسیات، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف مدرسہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن، ۱۹۷۲ء، ص ۸۵۔
۱۴	القرآن ۴۰:۷۳ تا ۷۷
۱۵	ایضاً، ۱۰۲:۵ تا ۶
۱۶	ایضاً، ۱۰۲:۷
۱۷	ایضاً، ۵۶:۹۲ تا ۹۵
۱۸	ایضاً، ۷۴:۴۰ تا ۴۷
۱۹	ایضاً، ۲۱:۱۶ تا ۱۸
۲۰	ایضاً، ۲۲:۶۱ تا ۶۲
۲۱	ایضاً، ۱۳:۱۷
۲۲	المفردات فی غریب القرآن بحولہ بالا ص ۵۰
۲۳	القرآن ۳۱:۳۰
۲۴	ایضاً، ۲۲:۷۳ تا ۷۴
۲۵	ایضاً، ۱۷:۸۱
۲۶	ایضاً، ۸:۵۳

27 Raymond J. Corsini, Encyclopedia of Psychology, NewYork, John Willey & Sons 1984 P. 345. Vol. 1.

۲۸ القرآن ۳۸:۱۳ تا ۳۹

۲۹ ایضاً، ۴۵:۲۴

۳۰ ایضاً، ۲۴:۴۲

۳۱ ایضاً، ۱۱۴:۱۱

۳۲ ایضاً، ۲۰:۵۱ تا ۲۳

۳۳ ایضاً، ۲۱:۶ تا ۲۲

۳۴ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۱۲۳

۳۵ القرآن ۴۸:۵

۳۶ ایضاً، ۴۴:۵

۳۷ ایضاً، ۴۶:۵

۳۸ ایضاً، ۴:۵۰ تا ۵

۳۹ ایضاً، ۲۱:۸۵ تا ۲۲

۴۰ ایضاً، ۱۰۴:۶

۴۱ الشیخ ابوبکر جابر الجزائری، مومن کے عقائد، لاہور، فاروقی کتب خانہ اردو بازار، ۱۹۹۳ء، ص ۴۶۵

۴۲ القرآن ۳۰:۱۰

۴۳ ایضاً، ۹۶:۱۰ تا ۹۷

۴۴ ایضاً، ۱۴۹:۲ تا ۱۵۰

۴۵ ایضاً، ۱۰۳:۱۰

۴۶ ایضاً، ۱۰۰:۱۰

۴۷ ایضاً، ۲۹:۴۵

۴۸ ایضاً، ۱۳:۱۷ تا ۱۴

۴۹ ایضاً، ۴۹:۱۸

۵۰ ایضاً، ۱۹۰:۳ تا ۱۹۱

۵۱ ایضاً، ۵:۴۵ تا ۸

۵۲ ایضاً، ۱۰۳:۱۲

۵۳ ایضاً، ۷:۳

۵۴ ایضاً، ۲۱۳:۲

۵۵ ایضاً، ۱۴:۴۲

۵۶ ایضاً، ۴۸:۵

۵۷ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا، ص ۵۴ تا ۵۵

۵۸ القرآن ۱۰:۴۲

۵۹ ایضاً، ۱۵:۴۲ تا ۱۷

۶۰ القرآن، ۲۵:۵۷

۶۱ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا ص ۵۴۳

۶۲ القرآن ۶:۷ تا ۹

۶۳ ایضاً، ۱۴:۴۲ تا ۱۵

۶۴ ایضاً، ۵:۵۰

۶۵ ایضاً، ۱۶:۴۹

۶۶ ایضاً، ۳:۷

۶۷ ایضاً، ۱۶:۵۷

۶۸ ایضاً، ۱۵:۴۹

۶۹ ایضاً، ۱۷:۴۹ تا ۱۸

۷۰ ایضاً، ۱:۲۹ تا ۳

۷۱ ایضاً، ۲۱۳:۲ تا ۲۱۴

۷۲ ایضاً، ۱۴:۴۹

۷۳ ایضاً، ۲:۸ تا ۴

۷۴ ایضاً، ۶:۸

۷۵ ایضاً، ۱۹:۳ تا ۲۰

۷۶ ایضاً، ۱۶۵:۴

۷۷ ایضاً، ۱۳۴:۲۰

۷۸ ایضاً، ۱۶۴:۳

۷۹ ایضاً، ۱۲۸:۹

۸۰ ایضاً، ۵۹:۲۸

۸۱ ایضاً، ۵۶:۲۸

۸۲ ایضاً، ۱۳:۳۲ تا ۱۴

۸۳ ایضاً، ۱۲۵:۶ تا ۱۲۶

۸۴ ایضاً، ۲۳:۴۳ تا ۲۵

۸۵ ایضاً، ۱۴۸:۶

۸۶ ایضاً، ۲۵:۴۵ تا ۲۶

۸۷ ایضاً، ۱۷۰:۴ تا ۱۷۱

۸۸ ایضاً، ۴۱:۳۹

۸۹ ایضاً، ۳۹:۳۹ تا ۴۰

۹۰ ایضاً، ۶۰:۳ تا ۶۱

۹۱ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا ص ۲۳

۹۲ القرآن ۲۲:۴۵

۹۳ ایضاً، ۲۴:۴۵

۹۴ القرآن،۴:۱۲۲ تا ۱۲۳

۹۵ ایضاً، ۲۲:۱۴

۹۶ ایضاً، ۵:۸۳ تا ۸۵

۹۷ ایضاً، ۵:۸۰ تا ۸۱

۹۸ ایضاً، ۱۸:۱۴

۹۹ ایضاً، ۲۱:۱۴

۱۰۰ ایضاً، ۹۱:۳

۱۰۱ ایضاً، ۷۰:۱۰ تا ۱۸

۱۰۲ ایضاً، ۱۱۸:۷

۱۰۳ ایضاً، ۸:۷ تا ۸

۱۰۴ ایضاً، ۱۴:۱۹ تا ۲۰

۱۰۵ ایضاً، ۲۲:۵۳ تا ۵۴

۱۰۶ ایضاً، ۳:۷۰ تا ۷۱

۱۰۷ ایضاً، ۶۹:۳

۱۰۸ ایضاً، ۲:۱۴۶ تا ۱۴۷

۱۰۹ ایضاً، ۱:۴۷ تا ۳

۱۱۰ ایضاً، ۳۶:۱۶

۱۱۱ ایضاً، ۱۳۷:۴

۱۱۲ ایضاً، ۷۳:۶

۱۱۳ ایضاً، ۴۸:۳۴ تا ۴۹

۱۱۴ ایضاً، ۲۱:۱۶ تا ۲۱

۱۱۵ ایضاً، ۲۱:۲۲ تا ۲۳

۱۱۶ ایضاً، ۲۱:۲۴ تا ۲۵

۱۱۷ ایضاً، ۲۹:۱۴ تا ۱۵

۱۱۸ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص ۵۲۸

۱۱۹ القرآن۳:۱۴۵

۱۲۰ ایضاً، ۱۸:۹ تا ۱۳

۱۲۱ ایضاً، ۱۸:۱۶

۱۲۲ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص ۵۱۱تا۵۱۲

۱۲۳ القرآن ۱۸:۱۴

۱۲۴ ایضاً، ۲۵:۳

۱۲۵ ایضاً، ۱۸:۱۷

۱۲۶ ایضاً، ۱۸:۹۰

۱۲۷ ایضاً، ۱۸:۱۸

۱۲۸ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، تفسیر عثمانی، لاہور، نفیس پبلشرز، سن اشاعت درج نہیں۔ ص ۳۸۶

۱۲۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۳۰

۱۳۰ القرآن ۱۸:۱۹ تا ۲۰

۱۳۱ ایضاً، ۱۸:۲۵ تا ۲۷

۱۳۲ ایضاً، ۳۹:۴۲

۱۳۳ ایضاً، ۲۷:۳۸

۱۳۴ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۹۰

۱۳۵ القرآن ۲۷:۴۰

۱۳۶ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۴۹۷

۱۳۷ القرآن ۳۴:۱۲

۱۳۸ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۵۶۲

۱۳۹ القرآن ۱۸:۶۵

۱۴۰ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۶۵

۱۴۱ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۳۹۴

۱۴۲ القرآن ۱۸:۶۶ تا ۷۰

۱۴۳ ایضاً، ۱۸:۷۱

۱۴۴ ایضاً، ۱۸:۷۴

۱۴۵ ایضاً، ۱۸:۷۷

۱۴۶ ایضاً، ۱۸:۷۹ تا ۸۲

۱۴۷ ایضاً، ۴۸:۲۶

۱۴۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۳۶

۱۴۹ القرآن ۹:۴۰، مزید ۹:۲۵ تا ۲۶ ملاحظہ ہو۔

۱۵۰ ایضاً، ۴۸:۴ تا ۷

۱۵۱ ایضاً، ۷۰:۴

۱۵۲ ایضاً، ۱۳:۲۸

۱۵۳ ایضاً، ۹:۲۶

۱۵۴ ایضاً، ۲۳:۹۹ تا ۱۰۰

۱۵۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۲

۱۵۶ القرآن ۲۵:۵۳، مزید ۵۵:۱۹ تا ۲۰

۱۵۷ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۴۷۷

۱۵۸ القرآن ۳۹:۶

۱۵۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۳۱۷ تا ۳۱۸

۱۶۰ القرآن ۱۷:۴۵ تا ۴۶

۱۶۱ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۰۲

۱۶۲ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص ۲۲۲

۱۶۳ تفسیر عثمانی محولہ بالا، ص ۴۷۴

۱۶۴ القرآن ۵۷:۱۰

۱۶۵ ایضاً، ۴:۶۴

۱۶۶ ایضاً، ۸۲:۱۷

۱۶۷ ایضاً، ۱۲۵:۹

۱۶۸ ایضاً، ۴۶:۱۷ تا ۴۷

۱۶۹ ایضاً، ۵:۴۱

۱۷۰ ایضاً، ۴۲:۱۰ تا ۴۴

۱۷۱ ایضاً، ۹۳:۲

۱۷۲ ایضاً، ۷۹:۲۷ تا ۸۰

۱۷۳ ایضاً، ۶:۲ تا ۷

۱۷۴ ایضاً، ۴۴:۷ تا ۴۷

۱۷۵ ایضاً، ۲۶۰:۲

۱۷۶ المفردات فی غریب القرآن محولہ بالا، ص ۱۳۸

۱۷۷ القرآن ۶۴:۲۹

۱۷۸ سعید الدین احمد خان، اجتماع کائنات کی امکانی تخلیق، کراچی، ڈیفنس آفیسرز ہاؤسنگ اتھارٹی، فیروز، سن اشاعت درج نہیں، ص ۲۶۹

۱۷۹ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اس کا انجام، لاہور، جنگ پبلشرز پریس، ۱۹۹۵ء، ص ۱۱۸

۱۸۰ القرآن ۲۶۰:۲

۱۸۱ کائنات اور اس کا انجام محولہ بالا، ص ۱۳

۱۸۲ تفسیر عثمانی محولہ بالا، ص ۵۵

۱۸۳ القرآن ۸۵:۱۷

۱۸۴ ایضاً، ۱۲:۶۵

۱۸۵ ایضاً، ۱۱۰:۲۰

۱۸۶ ایضاً، ۱۰۸:۴

۱۸۷ ایضاً، ۱۱۳:۴

۱۸۸ ایضاً، ۸۴:۲۷ تا ۸۵

۱۸۹ ایضاً، ۲۲:۲۷

۱۹۰ ایضاً، ۲۵۸:۲

۱۹۱ ایضاً، ۲۵۹:۲

۱۹۲ تفسیر عثمانی محولہ بالا، ص ۵۵

۱۹۳ القرآن ۱۷۶:۷

۱۹۴ ایضاً، ۲۰:۵

۱۹۵ القرآن،۴۵:۱۰

۱۹۶ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

۱۹۷ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

۱۹۸ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

۱۹۹ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

۲۰۰ القرآن ۸۵:۱۷

۲۰۱ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

۲۰۲ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۵۵

203 Robert P. Gwinn, The new Encyclopedia Britannica, Chicago, Encyclopedia Britannica Inc. 1985, P-812, Vol-5.

204 The New Encyclopedia Britannica, Ibid, P-812, Vol-5.

۲۰۵ القرآن ۳۴:۱۰ تا ۳۷

۲۰۶ ایضاً، ۱۰:۲۱ تا ۱۱

۲۰۷ ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اس کا انجام بحوالہ بالا،ص ۱۳

۲۰۸ القرآن ۱۹۱:۳

۲۰۹ ایضاً، ۷۳:۶

۲۱۰ ایضاً، ۷۳:۶

۲۱۱ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا،ص ۴۲۶

۲۱۲ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا،ص ۱۲۴

۲۱۳ القرآن ۳۳:۱۹ تا ۳۶

۲۱۴ ایضاً، ۶۹:۳۶ تا ۷۱

۲۱۵ ایضاً، ۲۰۴:۲

۲۱۶ ۲۰۵:۲ تا ۲۰۶

۲۱۷ تفسیر عثمانی بحوالہ بالا،ص ۴۰

۲۱۸ القرآن ۲۵:۴۱

۲۱۹ المفردات فی غریب القرآن بحوالہ بالا،ص ۴۱۰

۲۲۰ القرآن ۳۸:۴

۲۲۱ ایضاً، ۳۶:۴۳ تا ۳۷

۲۲۲ ایضاً، ۲۶:۴۱

۲۲۳ ایضاً،۳۸:۴۳

۲۲۴ ایضاً، ۲۹:۳۷ تا ۳۳

۲۲۵ ایضاً، ۲۰۷:۲

۲۲۶ ایضاً، ۵۰:۳۷ تا ۶۰

۲۲۷ ایضاً، ۱۱۵:۲۳ تا ۱۱۸

۲۲۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۴۸۹

۲۲۹ القرآن ۳:۱

۲۳۰ ایضاً، ۱:۶۴ تا ۴

۲۳۱ ایضاً، ۱۹:۴۰ تا ۲۰

۲۳۲ ایضاً، ۲۶:۳

۲۳۳ ایضاً، ۱۲:۴۰ تا ۱۷

۲۳۴ ایضاً، ۳:۱۰ تا ۴

۲۳۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۷۶

۲۳۶ القرآن ۵:۱۰

۲۳۷ ایضاً، ۳۶:۹

۲۳۸ ایضاً، ۱۴۰:۳

۲۳۹ ایضاً، ۳۲:۷

۲۴۰ ایضاً، ۱۲۸:۶ تا ۱۳۰

۲۴۱ ایضاً، ۷۳:۶

۲۴۲ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۲۰

۲۴۳ القرآن ۷۱:۳۸ تا ۷۲

۲۴۴ ایضاً، ۷۸:۲۳

245 Robert Audi, The Cambridge Dictionary of Philosophy, U.S.A., Cambridge University Press, 1998, P-568.

۲۴۶ القرآن ۴۹:۳

۲۴۷ ایضاً، ۱۹۳:۳

۲۴۸ ایضاً، ۱۳:۷۲

۲۴۹ ایضاً، ۴۶:۴

۲۵۰ ایضاً، ۱۷۹:۷

۲۵۱ ایضاً، ۱۰۰:۷

252 The Cambridge Dictionary of Philosophy, op,cit P-560

253 The Cambridge Dictionary of Philosophy, op.cit P-560

254 The Cambridge Dictionary of Philosophy, op.cit P-560

255 The Cambridge Dictionary of Philosophy, op.cit P-560

256 Arthur S. Berger, The Encyclopedia of Psychology and Psychical Research, New York, Paragon House, 1991, P-330.

۲۵۷ القرآن ۴۲:۱۱ تا ۴۳

۲۵۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۵۰۵

۲۵۹ القرآن ۹۳:۱۲

۲۶۰ القرآن،۲:۱۰۳
۲۶۱ ایضاً، ۳:۶۴
۲۶۲ المفردات فی غریب القرآن،محولہ بالا،ص ۲۹۱تا۲۹۲
۲۶۳ القرآن ۲:۷۳
۲۶۴ ایضاً، ۲۰:۱۰۲
۲۶۵ ایضاً، ۱۷:۹۷
۲۶۶ ایضاً، ۱۹:۹۳
۲۶۷ ایضاً، ۸۲:۸
۲۶۸ ایضاً، ۳:۵ تا ۶
۲۶۹ ایضاً، ۳۹:۶۸
۲۷۰ ایضاً، ۶:۷۳
۲۷۱ ایضاً، ۲:۳۰ تا ۳۳
۲۷۲ ایضاً، ۳۳:۷۲
۲۷۳ ایضاً، ۵:۱۰۹
۲۷۴ ایضاً، ۶:۵۹
۲۷۵ ایضاً، ۲:۱۱۸
۲۷۶ ایضاً، ۷۲:۲۶ تا ۲۸
۲۷۷ ایضاً، ۴۲:۵۱
۲۷۸ ایضاً، ۱۴:۱۱
۲۷۹ ایضاً، ۱۸:۱۱۰
۲۸۰ ایضاً، ۵۳:۳ تا ۴
۲۸۱ ایضاً،۷:۲۶
۲۸۲ ایضاً، ۲:۴۰
۲۸۳ ایضاً، ۸۹:۲۷
۲۸۴ ایضاً، ۱۲:۹۴
۲۸۵ ایضاً، ۵:۳۱
۲۸۶ ایضاً، ۵۶:۷۳
۲۸۷ ایضاً، ۲۸:۳۰
۲۸۸ ایضاً، ۳:۳۹
۲۸۹ ایضاً، ۱۹:۲۴
۲۹۰ ایضاً، ۱۱۲:۱ تا ۴
۲۹۱ ایضاً، ۶۹:۳۸ تا ۴۸
۲۹۲ ایضاً، ۲۹:۱۶
۲۹۳ ایضاً، ۴:۲

۲۹۴ القرآن، ۶:۶۱
۲۹۵ ایضاً، ۳۸:۲۲
۲۹۶ ایضاً، ۲:۲
۲۹۷ ایضاً، ۲۲:۵۹
۲۹۸ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۴ تا ۲۵
۲۹۹ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۲۶۹
۳۰۰ القرآن ۳۲:۵۳
۳۰۱ ایضاً، ۲۱:۵۰
۳۰۲ ایضاً، ۳۷:۵۰
۳۰۳ ایضاً، ۷:۱۰۰
۳۰۴ ایضاً، ۱۳۰:۶
۳۰۵ ایضاً، ۸۴:۱۲
۳۰۶ ایضاً، ۱۵۹:۴
۳۰۷ ایضاً، ۱۴۳:۲
۳۰۸ ایضاً، ۸۹:۱۶
۳۰۹ ایضاً، ۱۹:۶
۳۱۰ ایضاً، ۵۱:۱۸
۳۱۱ ایضاً، ۱۸:۳
۳۱۲ ایضاً، ۸:۱۳ تا ۱۰
۳۱۳ ایضاً، ۳۰:۲۵
۳۱۴ ایضاً، ۱:۳۴ تا ۲
۳۱۵ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۲۵ تا ۱۲۶
۳۱۶ المفردات فی غریب القرآن، محولہ بالا، ص ۱۴۱
۳۱۷ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۵۶۰
۳۱۸ القرآن ۱:۱۱ تا ۵
۳۱۹ تفسیر عثمانی، محولہ بالا، ص ۲۸۸
۳۲۰ القرآن ۸۱:۳
۳۲۱ ایضاً، ۷۹:۳
۳۲۲ ایضاً، ۴۰:۱۲
۳۲۳ ایضاً، ۵۷:۶
۳۲۴ ایضاً، ۸۸:۲۷
۳۲۵ ایضاً، ۱۶:۳۱
۳۲۶ ایضاً، ۱۰۳:۶ تا ۱۰۴
۳۲۷ ایضاً، ۱۷:۶ تا ۱۸

۳۲۸ القرآن، ۲۱:۵۱

۳۲۹ ایضاً، ۳۱:۲

۳۳۰ ایضاً، ۳۸:۲

۳۳۱ ایضاً، ۳۶:۱۶

۳۳۲ ایضاً، ۱۱:۱۳

۳۳۳ ایضاً، ۸۲:۲۷

۳۳۴ ایضاً، ۴۸:۸

۳۳۵ ایضاً، ۹:۴۰

۳۳۶ ایضاً، ۲۱:۵۱

۳۳۷ ایضاً، ۱۱:۲۲

۳۳۸ ایضاً، ۲۷:۸۹ تا ۳۰

339 Allama Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious thought in Islam, Lahore, Sh. Muhammad Ashraf Publisher Book Seller, 1988, P-146

۳۴۰ القرآن ۱۳۸:۲

۳۴۱ ایضاً، ۱۶۲:۶ تا ۱۶۳

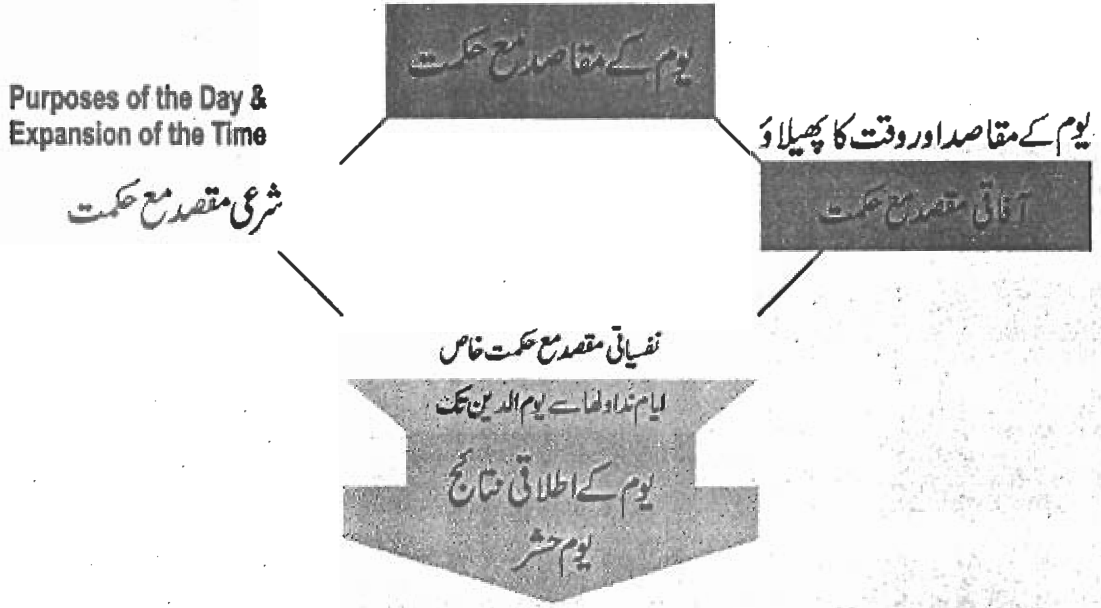
ضمیمہ جات نمبرا برائے باب پنجم

گراف نمبرا:۔ حق کے مراحل اوران کا اطلاق

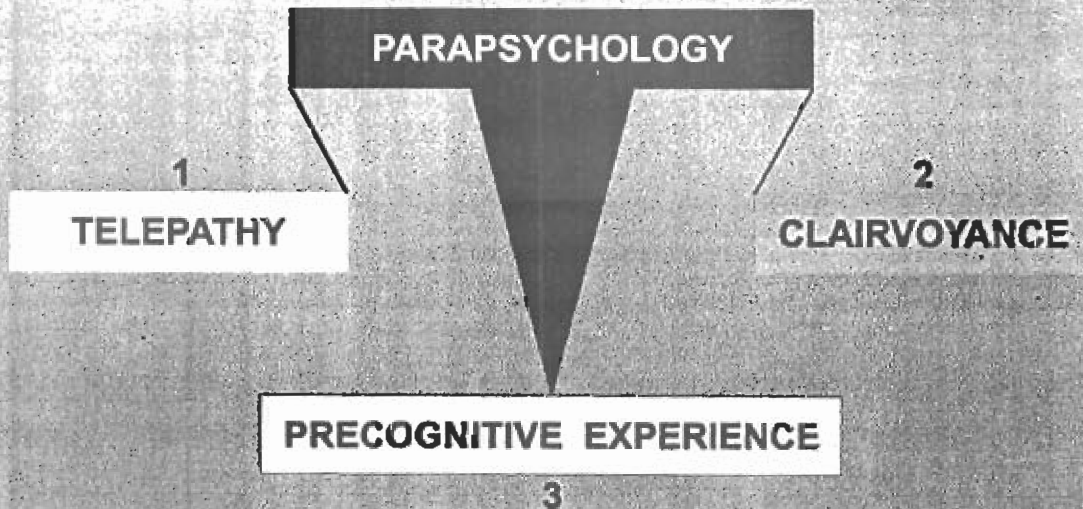


ضمیمہ جات نمبر ا برائے باب پنجم

◄ چارٹ نمبر ۲:۔



◄ چارٹ نمبر ۳:۔



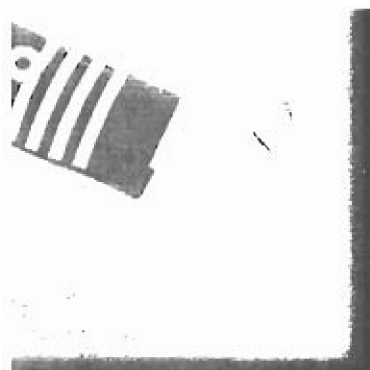
ضمیمہ جات نمبر۲ برائے باب پنجم

تصویر نمبر ا:۔ چاند سے لی گئی زمین کی تصویر



شکل نمبر ۹

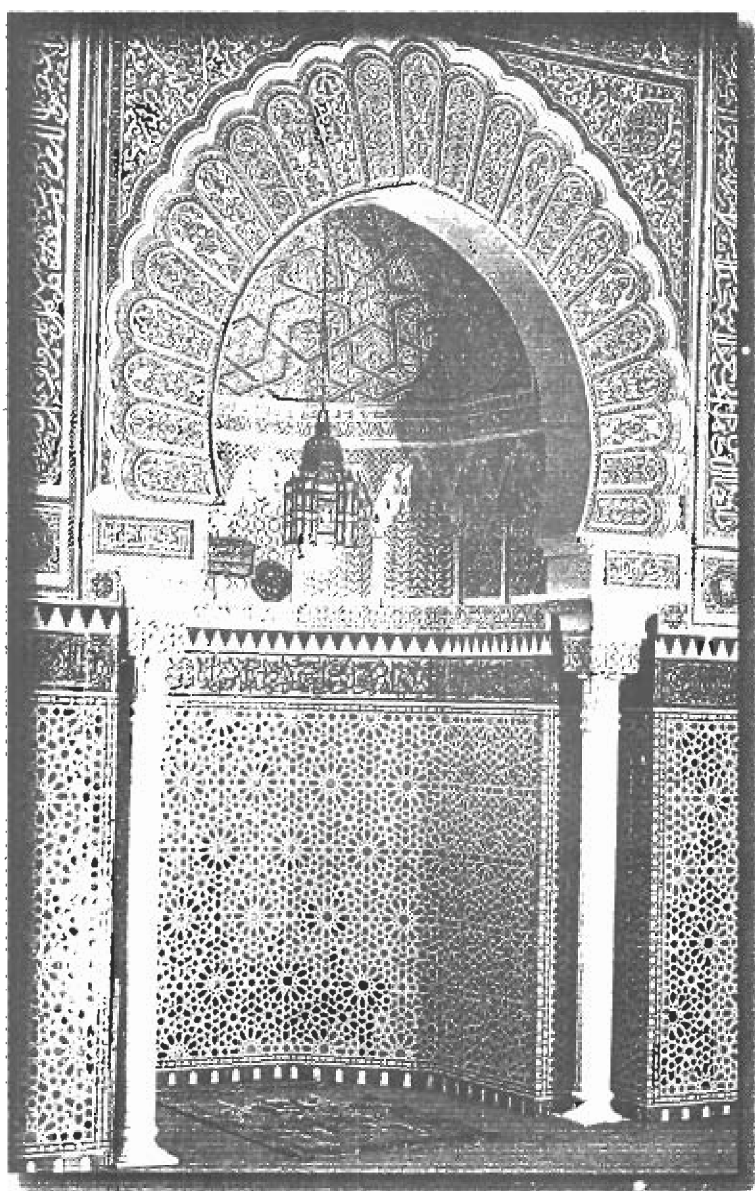
نمبرا:۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل کریم، کائنات اور اس کا نظام، لاہور، جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۸۹



کتابیات

Bibliography





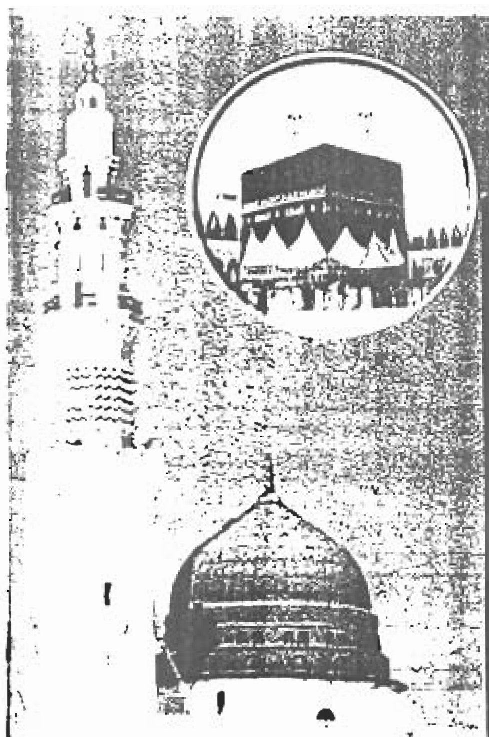
کتابیات

۱) الراغب الاصفہانی، الحسین بن محمد المفضل، المفردات فی غریب القرآن. کراچی: نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت آرام باغ، ۱۳۸۰ھ
۲) القرآن، ابو منصور. کراچی: فضل فاؤنڈیشن، ۱۹۸۵ء
۳) الجلالی، عبید الدائم، لغات القرآن. دہلی: ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد، سن اشاعت درج نہیں۔
۴) اصلاحی امین احمد، تدبر القرآن. لاہور: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۱۹۷۴ء
۵) اصلاحی امین احسن، تزکیۂ نفس (مکمل دو حصے) فیصل آباد: ملک سنز تاجران کتب کارخانہ بازار، ۱۹۸۱ء
۶) آزاد مولانا ابوالکلام، ترجمان القرآن. لاہور: مکتبہ اشاعت ادب، سن اشاعت درج نہیں، جلد ۱ تا ۳
۷) آزاد ابوالکلام، ترجمان القرآن. لاہور: سندھ ساگرا اکاری، سن اشاعت درج نہیں۔
۸) تقی امینی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر. کراچی: نفیس اکیڈمی اردو بازار، ۱۹۸۷ء
۹) جابر الجزائری، الشیخ ابوبکر، مترجم مولانا نصیر احمد ملی، (عقیدۃ المومن) مومن کے عقائد. لاہور: فاروقی کتب خانہ الفضل مارکیٹ اردو بازار، ۱۹۹۳ء
۱۰) جنگ (روزنامہ)، مضمون موسم میں زبردست تبدیلیاں. حسن کاظمی، کراچی: ۱۴ اپریل، ۱۹۹۵ء
۱۱) حسین، محمد منیر، قرآن اور سائنس. کراچی: خواجہ پرنٹرز، ۱۹۹۳ء
۱۲) حنیف ندوی، لسان القرآن. لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ، ۱۹۸۳ء
۱۳) خان، سعید الدین احمد، اجتماع کائنات کی امکانی تخلیق. کراچی: ۲۰-A، نارتھ سرکلر ایونیو ڈیفنس آفیسرز ہاؤسنگ اتھارٹی فیز ون، ۱۹۹۳ء
۱۴) رفیع الدین، قرآن اور علم جدید کا چیلنج. لاہور: آل پاکستان ایجوکیشنل کانگریس، ۱۹۸۱ء
۱۵) رفیق جعفر، نفسیات کا ارتقاء. لاہور: اظہار سنز ۱۹ اردو بازار، ۱۹۸۸ء، جلد اوّل و دوم
۱۶) سائنس ڈائجسٹ (ماہنامہ)، مضمون اوپر کا سایہ. رخسانہ سلیم، کراچی: ۱۷۵۴۰، ۱۰۱۹-ISSN، جنوری و فروری ۱۹۹۳ء
۱۷) سلیم، عبد القدیر، نفسیات اور ہماری زندگی. سندھ: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۰ء
۱۸) سندیلوی، محمد اسحٰق، دینی نفسیات. کراچی: شعبہ تصنیف و تالیف مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن، ۱۹۷۲ء
۱۹) شیخ، محمد منظور علی، کتاب فلاح. لاہور: مکتبہ سرمد اردو بازار، ۱۹۹۳ء
۲۰) ضامن نقوی، فلسفۂ نفس. کراچی: انجمن پریس لارنس روڈ، ۱۹۵۵ء
۲۱) عبدالرحمٰن، منشی، مذہب اور سائنس. ملتان: عالمی ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص، جلد چہارم
۲۲) عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی. لاہور: نفیس پبلشرز، ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار، سن اشاعت درج نہیں۔
۲۳) فاروقی، برہان احمد، منہاج القرآن. لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۲ کلب روڈ، ۱۹۸۸ء
۲۴) فضل کریم، کائنات اور اس کا انجام (قرآن اور سائنس کی روشنی میں). لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء
۲۵) مرتضٰی، ملک غلام، انوار القرآن. لاہور: ملک سنز، ۱۹۹۶ء
۲۶) منصوری، علی اکبر، مسلم نفسیات. لاہور: امجد پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء
۲۷) مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن. لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت اندرون موچی دروازہ، ۱۹۷۰ء، جلد چہارم
۲۸) وحید الزماں، لغات الحدیث. کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت، سن اشاعت درج نہیں۔

BIBLIOGRAPHY

1- A Dictionary of Philosophy, Thomas Maunter, Oxford: Blackwell publisher,1996.
2- A Students Dictionary of Psychology, Peter stratton, London: Arnold, 1999.
3- _Ansarir, Zaffer Afaq, Quranic Concepts of Human Psyche. Islamabad: International Institute of Islamic Thought and Institute of Islamic Culture, 1992.
4- Atkinson, Rita L. Introduction to Psychology. New York: Harcourt- Brace Jovnovich Publishers, 1981.
5- Bernstein, Doughlas A. Psychology. Boston, Houghton Mifflin Company, 1991.
6- Carson, Robert C. Abnormal Psychology Modern Life. Stanford: Scott, Foresman & Company, 1988.
7- Coleman, James L. Abnormal Psychology and Modern Life Stanford: Scott Foresman & Company 1964.
8- Davison, Gerald C. Abnormal Psychology. New York: John Wiley & sons 1986.
9- Encyclopedia of Psychology. Raymond J. Corsini, New York: John Wiley & Sons, 1984.
10- Hussain, Shaikh Zaffar, The Reconstruction of Islamic Society. Karachi: Feroz Sons, 1992.
11- Huffman, Karen, Essential's of Psychology in Action. New York: John Wiley,1995.
12- Ismail, S. M. The Quran and The Contemporary Challenge. New Delhi, Ajay Verma.
13- Khan, Hassan Yaqoob, Creation and Evolution of Universe & Man. Karachi: Artline Printer, 1984.
14- Leaky, Richard, The Origin of Humankind. London: Weidondfeld & Nicolson, 1994.
15- Longman Dictionary of Psychology and Psychiatry. Robert M. Goldensons, New York: Longman, 1984.
16- MacMillan Dictionary of Psychology. Stuart Sutherland, London: The MacMillan Press, 1991.
17- Mader, Salvia S. Human Biology. Boston: McGraw Hill, 1998.
18- Mangal S.K. Psychology and Introduction to Human Behavior. New Delhi: Sterling Publishers, 1990.
19- Morrise, Charlis G. Psychology an Introduction. New Jersey: Prentice Hall, 1976.
20- News Week, New York: News week Inc, 9th Nov, 1998, Vol-CXXXII No: 19.(Q).
21- Pervin, Lawrence A. Personality (Theory & Research). New York: John Wiley, 1989.
22- Raffiuddin, M. Ideology of the Future. Lahore: Sh. Mohammed Press, 1970.
23- Ruch, Floyed L. Psychology and Life. Atlanta: Scott Foresman, 1958.
24- Ruch, John C. Psychology the Personal Life. Belmont-California: Wadsworth,1984.
25- SHE, Zuhra Karim, The Legend of Shah Daula. Karachi: New Central Block 2nd Floor, July, 1998, Vol. XV No: 9. (bi.M).

26- The Black Well Dictionary of Cognitive Psychology. Michael W.Eyesneck, UK: Basil Black Well, 1990.
27- The Cambridge Dictionary of Philosophy. Robert Audi, Cambridge: Cambridge University Press 1995.
28- The Encyclopedia of Psychology and Psychical Research. Arthus S. Burger, New York: Paragon House 1991.
29- The Encyclopedia of Psychology. H.J. Eyesneck, London: Search Press, 1972.
30- The Encyclopedia of Philosophy, Paul Adwards, New York: The MacMillan, 1967.
31- The Holy Quran, Abdullah Yousuf Ali, Lahore: Sh.Mohammed Ashraf Publishers,1990.
32- The New Encyclopedia of Britannica, Robert P.Gwinn, Chicago: Encyclopedia Britannica Inc, 1985.
33- The New Encyclopedia Of Britannica, Peter B.Norton, Chicago: Encyclopedia Britannica Inc, 1995.
34- The Penguine Dictionary of Psychology, Arthuss Reber, USA: Penguine Book Inc,1986.
35- TIME, Norman Pearlstine, New York: John Marcom Rockefeller centre 100201393, 4th Dec,1995, Vol-146 No: 23 (Q).
36- Tipler, Frank J. The Physics of Immortality. London: MacMillan, 1995.
37- Toffler, Alvin. Future Shock. London: Pan Book, 19971.



THE END



